اشاعتِ خاص : بیاد

محقق العصر، فقیہ النفس، ترجمان حق

حضرت مولانا ڈاکٹر

مفتی عبدالواحد صاحب

نوراللہ مرقدہ

حیات و خدمات

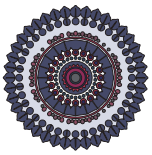

ماہنامہ

دارالتقویٰ

لاہور

مرتب

مفتی شعیب احمد

ورفقاء دارالافتاء

ناشر

شعبہ نشرواشاعت جامعہ دارالتقوی

جامع مسجد الہلال، چوبرجی پارک لاہور

نام کتاب

اشاعتِ خاص

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

مرتب:

مفتی شعیب احمد ورفقاء دارالافتاء

کمپوزنگ:

مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب

طبع اول:

۱۵ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ

ناشر:

جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

رابطہ

0304-4167581

آئینہ مضامین

عرضِ مرتّب	مفتی شعیب احمد	6
حصہ اول تاثراتی مضامین		9
اکابر کی نظر میں		11
ایک بہت بڑی شخصیت	حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب	13
عجیب کامل انسان	حضرت ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب	15
روایاتِ سلف کے امین	حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب	17
علم و تحقیق کا ایک باب	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب	19
اربابِ جامعہ دارالتقویٰ کی نظر میں		21
دارالتقویٰ کے لیے عظیم نعمت	حضرت مولانا اویس احمد صاحب	23
بقیۃ السلف عمدۃ الخلف	حضرت مولانا عامر رشید صاحب	25
صاحبِ عزیمت انسان	حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب	28
رفقاء درس کی نظر میں		29
مفتی اعظم رحمہ اللہ	حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب	31
ایک عہد ساز شخصیت	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	32
ایک رفیق درس	حضرت مولانا خالد محمود صاحب	46
چالیس سالہ رفیق	حضرت مولانا عثمان صاحب	49
معاصرین کی نظر میں		57
حُجّۃ اللہ فی الارض	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	59
مشفق کرم فرما	حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب	61
جامع ترین شخصیت	حضرت مولانا مفتی محمد صاحب	62
گہری فقہی بصیرت	حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب	63
ایک فقیہ النفس مفتی	حضرت مفتی سید نجم الحسن امروہوی صاحب	66
ایک بالغ نظر محقق و فقیہ	حضرت مولانا محمد عبدالشہید نعمانی صاحب	68

ایک راسخ، فنافی العلم نورانی ہستی	حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مکی	72
عظیم کمالات کے حامل انسان	حضرت مولانا عبدالقیوم نیازی صاحب	73
آہ! ترجمان اہلِ حق	حضرت مولانا عبدالقدوس قارن صاحب	75
شاہراہِ ضلالت.....کا.....کوہ گراں	حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب	77
خیرالقرون کی یادگار	حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب	82
فتنوں کے تعاقب میں سرخیل	حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی صاحب	84
اخلاقِ حسنہ کے پیکر	حضرت مولانا قاری ادریس صاحب	86
مشاہیر کی نظر میں		87
ترجمان حق	حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب	89
ایک خوش نصیب نیک ہستی	حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب	90
ایک قابل رشک مثال	مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب	92
جدید وقدیم کا حسین امتزاج	مفتی محمد زکریا صاحب	94
کاروان حق کے حقیقی وارث	مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب	96
فتنہ جدیدیت کے لیے سیفِ قاطع	مولانا اعجاز مصطفیٰ صاحب	98
قافلۂ اہل حق کے فردِ فرید	مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب	100
اصاغر کی نظر میں		103
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا تحقیقی وتخریجی انداز	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب	105
علم وعمل کا پیکر	مولانا تنویر احمد شریفی صاحب	109
جامع المحاسن	مولانا احسن احمد عبدالشکور صاحب	113
ایک وسیع النظر عالم	مولانا ڈاکٹر اسامہ صاحب	142
محقق اہل سنت، ترجمان اہل حق اور عالم ربانی	مولانا حمزہ احسانی صاحب	146
مایہ ناز فقیہ ومفتی	مولانا عبدالصمد ساجد صاحب	150
حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے متعلق تین باتیں	مولانا سلیم حقانی صاحب	156
تعزیتی پیغامات		159
تاثرات رفقائے دارالافتاء		165
پہلی ملاقات سے آخری ملاقات تک (حالات وواقعات، مشاہدات وتأثرات)	مفتی محمد رفیق صاحب	167
چند ناتمام یادیں	مفتی عبدالرحمٰن صاحب	186

واقعات وتاثرات	مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب	199
استاذِ کامل	مفتی شعیب احمد صاحب	203
نُقُوش وتاثّرات	مفتی شعیب احمد صاحب	215
کچھ یادیں	مولانا محمد مبشر کاشمیری	262
متفرق یادیں	مفتی طلحہ خالد صاحب	264
چند تاثرات	مفتی حسیب احمد صاحب	275
حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کے چند پہلو	مولانا وسیم طفیل صاحب	279
تلامذہ کی نظر میں		281
قابل تقلید صفات کے حامل انسان	مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب	283
کچھ منتشر یادیں	مفتی قاسم امین صاحب	297
استاد محترم کا ذکر خیر	مولانا مختار احمد صاحب	303
متفرق یادیں	مولانا عرفان صاحب	307
حضرت الاستاذ صاحب کی چند خصوصیات	مولانا محمد عارف چنیوٹی صاحب	316
چند ارشادات	مولانا عبید اللہ صاحب	321
چند یادیں، چند باتیں	مولانا زاہد حسین رشیدی صاحب	323
چند متفرق باتیں	مولانا شاہد ریاض صاحب	326
میرے استاذ، میرے شیخ!	مفتی محمد یعقوب صاحب	330
ایک نابغہ روزگار شخصیت	مولانا شمس الدین صاحب	332
چند متفرق یادیں!!!	مفتی سید رضا علی جعفری صاحب	334
ایک خاموش سرپرست	مفتی سید رضا علی جعفری صاحب	339
چند یادیں اور خصوصیات	مولانا محمد اسامہ صاحب	342
ہمہ جہت کمالات کا نایاب مرقع	مولانا طلحہ جواد صاحب	346
چند متفرق نقوش وتاثرات	مولانا عاطف کرامت صاحب	355
تاثرات	مولانا فرحان عاطف صاحب	358
کچھ خوشگوار تاثرات	مولانا شہریار الٰہی صاحب	359
مخلص وگمنام ہستی	مولوی طارق کامران صاحب	362
حضرت کی خدمت میں	مولوی نعمان صاحب	363

چند طالب علمانہ سوالات	مولوی عُزیر خان صاحب	365
حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے محبوب و معتمد	مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب	372
قافلۂ حق کے ایک عظیم فرد	مفتی زبیر حسن صاحب	375
چند متفرق یادیں	مولوی محمد ابوبکر لاہوری صاحب	378
Mufti Abdul-Wahid of Lahore	Mawlana Hamza Sahib	381
دیگر احباب کی نظر میں		385
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور حضرت نفیس شاہ صاحبؒ چند یادیں چند باتیں	محترم جناب رضوان نفیس صاحب	387
ڈاکٹر اور مفتی کا نایاب امتزاج	ڈاکٹر ظفر نیاز صاحب	391
حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ چند نقوش و تأثرات	جناب عرفان اکبر صاحب	396
Life Changing 30 minutes	Sohail Faraz Sahib	410
عزیز و اقارب کی نظر میں		413
ایک مخلص، محنتی اور ہمدرد انسان	حضرت مولانا احمد بٹلہ صاحب	415
ایک جامع محنتی اور بے مثال شخصیت	مولانا فضل ربی ندوی صاحب	418
شفیق و خلیق اور ذمہ دار انسان	اہلیہ محترمہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ	420
میرے شفیق بھائی	والدہ سیف اللہ	423
بیٹیوں کے قدر دان باپ	بنت حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ	425
میرے ابّا! رحمہ اللہ	اہلیہ محمد عثمان کراچی	428
اٹھا سائبانِ شفقت	ام عبد العلیم	430
میرے پیارے ماموں رحمہ اللہ	اہلیہ رضوان احمد نجمی	433
ہمارے ماموں جان رحمہ اللہ	اہلیہ اسامہ ارشد	435
میرے دادا جی!	عبد العلیم بن مفتی عبد اللہ صاحب	436
حصہ دوم سوانحی مضامین		437
نقوشِ حیات		439
خود نوشت سوانح		441
انٹرویو	مقالہ نگار، یونیورسٹی	448
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا انٹرویو فہم دین کورس	انٹرویو ضرب مؤمن	453
والدِ ماجد نور اللہ مرقدہ حالات و واقعات	مفتی عبد اللہ صاحب	458

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی سندِ حدیث	مولوی محمد معاذ لاہوری صاحب	498
علمی خدمات		509
تصنیفات وتالیفات	مفتی شعیب احمد صاحب	511
تحقیق وتالیف کا مزاج ومذاق	مفتی شعیب احمد صاحب	544
فتویٰ اصول واسلوب	مفتی شعیب احمد صاحب	550
چند منتخب فتاویٰ		563
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور تخصص فی الفقہ	مفتی شعیب احمد صاحب	583
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور شعبہ اختصاص فی الفقہ	مفتی شعیب احمد صاحب	595
حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور فہم دین کورس	مفتی شعیب احمد صاحب	601
حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ کی تحفظِ عقائد اور ردّ فتن میں خدمات	مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب	610
ماہنامہ الشریعہ اور مولانا زاہد الراشدی صاحب	مولانا حمزہ احسانی صاحب	619
حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ اور علوی مالکی	مولانا حمزہ احسانی صاحب	623
مجالس ذکر اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ	مولانا حمزہ احسانی صاحب	639
حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور رسالہ ''اتمام حجت''	مفتی رب نواز صاحب	644
مکاتیب		651
مکتوبِ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ		653
مکتوب بنام مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ		655
مکتوب حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہ		657
مکتوب حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ		660
مکتوب بنام مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب		665
متفرقات		667
الفت کا عنواں	مولانا عابد ظہور نفیسی صاحب	668
گلہائے عقیدت	مولانا طلحہ جواد صاحب	669
سراپا	مولانا عابد صاحب	671
عکس تحریر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ		672

.....☆☆☆.....

عرضِ مرتّب

بسم اللہ حامداً و مصلیاً

ہمارے مشفق مربی، اور محسن استاد حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات (مورخہ ۱۸ شوال ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء) کے کچھ ہی عرصہ بعد احباب کی رائے ہوئی کہ حضرت کے احوال و آثار، فیوض وافادات پر اشاعت خاص کا اہتمام کیا جائے۔ جامعہ دارالتقویٰ کے اہل شوریٰ حضرات کی خدمت میں یہ رائے رکھی گئی تو اسے سراہا گیا۔ اس کے بعد فیصلہ ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی چنانچہ فیصلہ کرلیا گیا۔ مجموعے کی ترتیب و تدوین کی ذمہ داری کا قرعۂ فال بندہ کے نام نکلا۔ بنام خدا کام شروع ہوگیا۔ اشاعتِ خاص میں ارباب تجربہ جانتے ہیں کہ سب سے مشکل مرحلہ لوگوں کے دل و دماغ سے واقعات واحساسات کو کاغذ پر ثبت کروانا ہوتا ہے چنانچہ اس صبر آزما مرحلے سے بھی گذرتے رہے بلکہ گذر رہے ہیں ابھی بھی چند جگہوں سے مواد کی توقع تھی مگر انتظار پر انتظار آخر کب تک! اشاعت میں تاخیر غیر معمولی حدوں کو چھونے لگی اس لیے فیصلہ یہی ہوا کہ ''ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ'' چنانچہ جو کچھ ہے اسے قارئین کے سامنے پیش کردیا جائے۔ چنانچہ یہ چند کلیاں پیش خدمت ہیں۔ یہ دعویٰ تو بچگانہ ہے کہ ان صفحات میں حضرت کی شخصیت کو سمیٹ کر دکھادیا گیا ہے۔ ہاں چند متفرق باتیں ہیں جن سے وقتی طور پر جی بہل جائے گا۔ امید ہے کچھ کسر سوانح میں پوری ہوجائے گی۔ دیکھیے یہ سعادت کس کی جھولی میں پڑتی ہے۔ ع

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لب پہ ساقی کے صلا میرے بعد

اشاعتِ خاص کی تیاری میں جن حضرات کا علمی، عملی، دعائیہ یا قلبی تعاون شامل حال رہا، ان سب کا تہہ دل سے شکریہ ہمارے دارالافتاء کے ہردلعزیز اور جہد مجسم رفیق مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب بہت زیادہ شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے شبانہ روز کی محنت سے اسے کمپوز کرکے طباعت کے قابل بنایا۔ اپنے ہمہ وقت مستعد ساتھی مولوی عصمت اللہ صاحب کی مساعی بھی ناقابل فراموش ہیں جو عملی دوڑ دھوپ میں میرے دست و بازو بنے۔ استادِ محترم مفتی رفیق صاحب دامت برکاتہم کی ذمہ دارانہ شفقتیں بھی لائق ذکر ہیں، جنہوں نے تمام تحریروں پر مضبوط قسم کی نظرِ ثانی فرمائی اور تمام تحریرات میں ضروری یا مفید حذف واضافہ کرنے میں رفقائے دارالافتاء سمیت کسی شخصیت کی رُورعایت نہیں کی۔ جس سے بندہ کو ایک گونہ اطمینان ہوگیا کہ میرا تو صرف قلم استعمال ہوا ہے اصل ذمہ داری بڑوں کی ہے۔ مخدوم زادہ مفتی عبداللہ صاحب

تو اس ساری کاوش کے روح رُواں تھے ہی۔ اپنی علمی و عملی، معاشی و معاشرتی مصروفیات کے ہوتے ہوئے حضرت پر ایک مفصل تحریر بھی سپردِ قلم فرمادی، جو اشاعت خاص کی مرکزی تحریر ہے۔

کرم فرماؤں کے نام کہاں تک لیے جائیں۔ سب کے صلے اور جزائیں اس بارگاہ عالی میں محفوظ ہیں جو کاموں اور ناموں سے خوب واقف ہے۔

جامعہ کے حضرات اہل شوریٰ و معاون شوریٰ کی سرپرستی تو ان سب خیر کے سلسلوں کی بنیاد ہے ہی، بنیاد کا پتھر نظر نہ بھی آئے عمارت کو تو اپنے سینے پر اٹھائے ہوتا ہے۔

مواد کی ترتیب میں جہاں تک ممکن ہوا یا ذہن نارسا نے ساتھ دیا فرق مراتب کا لحاظ کیا گیا، پھر بھی ترجیح میں اختلاف ممکن ہے۔ بہرحال یہ چیزیں ثانوی اور اضافی ہیں اصل تو مواد تھا جس ترتیب سے بھی ہوا سجا دیا گیا۔ اکثر تحریروں کے عنوان مدیر و مرتب کے قائم کردہ ہیں، تاہم اکثر و بیشتر عنوانات صاحب تحریر کی تحریر ہی سے ماخوذ ہیں۔

قارئین کے درمیان اور حضرت سے جڑی یادوں کے درمیان مزید حائل ہوئے بغیر، دعاؤں کی توقع اور درخواست کے ساتھ رخصت چاہوں گا۔ امید ہے فروگذاشتیں معاف کی جائیں گی یا اصلاح احوال کر دی جائے گی۔ **ان اریـــد الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب.**

شعیب احمد

دارالافتاء والتحقیق، جامعہ دارالتقویٰ لاہور

۲۷ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ

.....☆☆☆.....

حصہ اول

تاثراتی مضامین

انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ

اکابر کی نظر میں

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

ایک بہت بڑی شخصیت

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد متکلم اسلام، سرمایہ اہلسنت، ترجمان اہل حق حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ دارالافتاء والتحقیق تشریف لائے اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب، رفقائے دارالافتاء وارکان جامعہ سے حضرت کی تعزیت فرمائی۔ اس موقع پر چند باتیں ارشاد فرمائیں جو قلمبند کر لی گئیں ''قلیل منک یکفینی '' کے تحت پیش خدمت ہیں۔

حضرت علامہ صاحب کو حاجی صاحب رحمہ اللہ کی سوانح پر لکھی گئی کتاب مہتمم مدرسہ مولانا اویس صاحب کی طرف سے پیش کی گئی تو دیکھ کر مزاحاً فرمایا:

''آپ کے حاجی تھے، میرے ساتھی تھے''۔

تحریر قارئین کے سامنے آنے سے قبل حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ راہی ملکِ بقا ہو چکے ہیں۔ ان کی وفات اہل علم کا ایک مشترکہ صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بیش از بیش بلند فرمائے، ان سے پیدا ہونے والے خلا اور نقصان کو ان کے نعم البدل سے پر اور پورا فرمائے۔ آمین

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ... اما بعد!

جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کی خبر پہنچی تو میں انگلینڈ میں تھا، دل کو بڑا صدمہ ہوا۔ شاہدرہ کے پاس ہمارے مدرسہ میں سالانہ جلسہ ہوتا ہے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہر سال اس میں تشریف لاتے تھے اور اس وقت تک ان کو ہاتھ والی (رعشے کی) تکلیف نہیں ہوئی تھی ہم ان کے آنے پر بڑی خوشی مناتے تھے لیکن جب ہمیں ان کی اس بیماری کی خبر ملی تو ہمیں بہت صدمے کا احساس ہوا۔

ان کی اس جگہ (دارالافتاء والتحقیق) نے ان کے کام میں ایک مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ میں مفتی تھے تو اس وقت اتنا بڑا کام صادر نہ ہوا تھا اور جب یہاں آئے تو پھر بہت بڑا کام ہوا اور پھر

صہیب صاحب (حضرت علامہ صاحب کے خادم خاص) کے یہاں آنے کی وجہ سے ہمیں اور زیادہ خوشی ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارے میں میری رائے یہ تھی کہ اول تو زمانے نے ان کی قدر نہیں کی، دوسرے علماء نے ان کی قدر نہیں کی، بہت بڑی شخصیت تھے اور انہوں نے کام بہت بڑا کیا لیکن زمانے نے ان کی قدر نہیں کی۔ اور جب زمانہ قدر نہ کرے تو پھر سوائے مقابلہ آرائی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور وہ مقابلے کے آدمی نہیں تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ع

اذا لم یسالمک الزمان فحاربی
وباعد اذا لم تنتفع بالاقارب
فقد ھد قدما عرش بلقیس ھدھد
وخرب فار قبل ذا سد مآرب

o جب زمانہ تمہارے ساتھ مصالحت پر آمادہ نہ ہو تو تم بھی طبل جنگ بجادو۔
o جب تمہیں اپنے قریبی لوگوں سے فائدہ نہ ہو تو فاصلے بڑھادو۔
o بلقیس کے تاج وتخت کو ہدہد (جیسا معمولی پرندہ) گرا چکا ہے۔
o اور اس سے پہلے قوم سبا کے مضبوط ڈیم کو چوہا برباد کر چکا ہے۔

ہمارے بعض ساتھیوں نے توجہ دلائی کہ ان کے مرکز میں جا کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تعزیت کرنی چاہئے، مجھے ان کی بات بڑی اچھی لگی اور ان کے کہنے پر میں [باوجود علالت ونقاہت کے] یہاں حاضر ہو گیا۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ جب کبھی دعا کریں تو اپنی دعاؤں میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو ضرور یاد رکھیں اور عمر بھر یاد رکھیں۔

.....☆☆☆.....

عجیب کامل انسان

حضرت ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم
مشرف شعبہ تخصص فی الحدیث، بنوری ٹاؤن، کراچی
واستاذ الحدیث جامعۃ الرشید، کراچی

''حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تلمیذ رشید: شیخ العرب و العجم مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ و برادر خورد محقق العصر مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ عصر حاضر کی جانی پہچانی محقق شخصیت ہیں، علم حدیث اور اسماء الرجال سے خصوصی دلچسپی ہے۔ علم اوڑھنا بچھونا ہے، کسی کے بارے میں رائے بہت صائب اور جچی تلی اور تبصرہ بہت برمحل ہوتا ہے۔ حضرت دامت برکاتہم سے ان کے تاثرات مختلف مجالس میں لیے گئے۔ اس لیے کسی قدر تکرار بھی ہو گیا ہے۔ قدرے توضیحی اضافوں کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے اندر کمالات منفرد ہیں اول تو وہ ڈاکٹر (ایم بی بی ایس) تھے ان کو خدا نے کیسی توفیق عطا فرمائی انہوں نے عربی بھی پڑھی، درس نظامی کی مکمل معقولات ومنقولات کی تعلیم حاصل کی۔ پھر حفظ قرآن بھی کیا، محراب بھی سنائی۔ کمال ہے! تجوید اور قرآت سبعہ بھی پڑھی۔ کیا کیا انہوں نے کیا، کمال کر گئے، ساتھ ڈیوٹی بھی دی۔ انہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا نعمانی سے یہاں لاہور کے قیام میں کچھ چیزیں پڑھی تھیں ''شرح نخبۃ الفکر'' اور ''مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث''۔ میں اس وقت انہیں پڑھتا دیکھتا تھا، مفتی بھی بن گئے۔ پھر یہ سب کام کیے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے، یہ سب چیزیں ان کے مقدرات میں تھیں انہوں نے ان کی تحصیل کے لیے جان دے دی، شہید علم ہو گئے۔ انہوں نے کمال پیدا کیا۔ اللہ کا ان پر کتنا بڑا فضل ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی گوناگوں صفات ہیں۔ اللہ نے ان کو بس عمر زیادہ لمبی نہیں دی۔ تھوڑی عمر میں اتنا کام کیا، انہوں نے محنت بہت زیادہ کی۔ ان کے ایک تلمیذ نے بتایا کہ وہ فرماتے تھے: ''**مولانا! اللہ نے علم کے میدان میں جان توڑ محنت کروائی ہے۔**''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کتنی محنت کی ہے۔ سچ یہ ہے کہ کچھ بننا ہو تو محنت بہت کرنی پڑے گی۔ حافظ نے کہا ہے:

ألا یـــا أیهـــا الســـاقـــی أدر کـــأســـاً و نـــاولهـــا
کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلها

علم کا حال بھی یہی ہے پہلے دلچسپ ہوتا ہے پھر خبر لیتا ہے۔
کہاں سے آئے اور کتنی منزلیں طے کرلیں انہوں نے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی صفات میں منفرد تھے۔ پچاس کے قریب تالیفات چھوڑیں فتاویٰ بھی چھوڑے اور دو سو کے قریب ان کے تحقیقی مضامین چھپے۔ جب تک ہمت نے ساتھ دیا وہ لکھتے رہے۔ کیا یہ معمولی بات ہے! **ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔**

حضرت مولانا نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی کتاب کی تحسین کی تھی اور انعام سے نوازا تھا۔ یہ حضرت مولانا نعمانی کی بھی تشجیع اور حوصلہ افزائی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ٹو دی پوائنٹ بات کرتے تھے، لمبی چوڑی تقریر نہیں کرتے تھے، طالب علم کو بناتے تھے، کیسے لائق طالب علم چھوڑے۔

استاد لائق ہو تو طالب علم کو بنا دیتا ہے کچھ نہ کچھ۔ ان کے طلبہ کی ان سے گرویدگی ان کی شخصیت کا پتہ دیتی ہے۔ دیکھیے کس فیلڈ کا آدمی ہے! اور کس فیلڈ میں آیا ہے۔ اور کیسی بلا کی محنت کی ہے، اس فیلڈ میں بھی منتہی اور اس فیلڈ میں بھی منتہی۔ اس لیے کام کر گئے۔ جو چھوڑ گئے وہ ان کے خلا کو کون پُر کرے گا۔

ایک مضبوط جماعت چاہیے ان کے خلا کو پر کرنے کے لیے۔

بہت اچھا کیا، کام بھی کیا اور طلبہ بھی اچھے چھوڑے جو ان کو زندہ رکھیں گے۔

اپنی کتابوں کی رائیلٹی بھی نہیں لیتے تھے۔ عجیب وضع کے آدمی تھے۔ ''حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سیمینار'' میں ان کے متعلق ان کے ایک شاگرد نے جو مضمون پڑھا تھا اس نے کیسا گہرا تجزیہ کیا ہے اپنے استاد کا۔

میاں! ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تو فوت نہیں ہوئے جو کتابیں لکھ گئے ان کی صورت میں زندہ ہیں، کام اور تلامذہ چھوڑ گئے ان کو قیامت تک ثواب ملتا رہے گا۔ تحریر تو ایسی چیز ہے بھائی جو ہمیشہ زندہ رہتی ہے ان کے تلامذہ بھی اب محنت کریں ان کی جگہ ان جیسا کام کریں۔ ماشاء اللہ بہت باصلاحیت تلامذہ ہیں ان کے، ان کی نیک نامی کا باعث ہوں گے۔ کیسے لوگ تھے یہ کام کر گئے آج دیکھیے زندہ ہیں۔ بہت بڑی بات ہے۔

میاں! ان کے بعد ان جیسا عالم تو کیا ان جیسا انسان بھی نہیں ملے گا۔

وہ اعلیٰ علیین کے آدمی تھے وہیں پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

روایاتِ سلف کے امین

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

حضرت کے درج ذیل تاثرات صوتی پیغام (voice massage) کی صورت میں موصول ہوئے۔ پیش خدمت ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و علی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین

امابعد!

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ کی وفات پوری علمی برادری کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ ان کو اعلیٰ علیین میں اپنے مقامات قرب سے نوازیں۔ وہ اصلاً ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے اور پھر انہوں نے علم دین حاصل کیا اور فتویٰ کی تربیت لی اور پھر مفتی کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور انہوں نے ہمارے زمانے کے مختلف موضوعات کے اوپر خاص طور پر بڑے تحقیقی فتاویٰ اور تحقیقی مضامین شائع کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص توفیق یہ عطا فرمائی تھی کہ جو کوئی ایسی بات سامنے آتی جو اسلاف کے منہج سے ان کے نزدیک ہٹی ہوئی ہو تو اس پر وہ کچھ نہ کچھ تبصرہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور لکھتے اور شائع فرماتے۔ اور ہمارے زمانے کے اندر جتنے مختلف مسائل چاہے وہ طب سے تعلق رکھتے ہوں یا معاشیات سے تعلق رکھتے ہوں یا لوگوں کی ایسی آراء ہوں جو جمہور سے ہٹی ہوئی ہوں ان کے اوپر ان کے تبصرے بڑے محققانہ ہوتے تھے۔

میرا ان سے بہت پرانا تعلق تھا اور جس زمانے میں شریعت اپیلنٹ بینچ سپریم کورٹ میں کام کرتا تھا بلکہ شاید اس سے پہلے سے ان سے خط و کتابت رہتی تھی مختلف مسائل میں۔ وہ نہ صرف یہ کہ اپنی آراء سے مجھے نوازتے بلکہ متعدد مواقع پر خود تشریف لا کر مختلف موضوعات کے اوپر گفتگو فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تحقیق کا ذوق عطا فرمایا تھا اور اس تحقیق سے انہوں نے امت مسلمہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ عوام کے لیے بھی بہت سی رہنما کتابیں تالیف فرمائیں اور اہل علم کے لیے بھی بہت سی تحقیقات ان کی کتابوں کی شکل میں موجود ہیں۔ بعض مسائل میں میرا ان سے اختلاف بھی رہا اور انہوں نے اس اختلاف کو شائع بھی کیا، متعدد مضامین بھی لکھے بلکہ ایک کتاب خاص طور پر مجھ سے جن مسائل میں ان کو اختلاف تھا اس

کے اوپر انہوں نے لکھی۔ انداز ہمیشہ علمی رہا اور اختلاف کو اختلاف کی حد میں رکھنے کی ایک روایت انہوں نے ہمیشہ قائم رکھی اور اس اختلاف کے دوران بھی الحمدللہ ہمارے آپس کے تعلقات بڑے خوشگوار رہے اور میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، وہ بھی یہاں تشریف لاتے رہے اور اس طرح جو ایک سلف کا طریقہ اختلاف تھا اور اس اختلاف کو اختلاف کی حد میں رکھنے کی جو روایت تھی وہ انہوں نے بہت احسن طریقے سے قائم رکھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے بہت کام لیا اور ان کی تصانیف، ان کی تالیفات، ان کے مضامین، ان کے مقالے ان شاءاللہ آنے والے علماء کے لیے رہنمائی کا ایک بہترین ذریعہ رہیں گے۔ جو عالم دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن علم کی میراث چھوڑ کر جاتا ہے حقیقت میں وہ مرتا نہیں ہے بلکہ اس کے فیوض جاری رہتے ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جو میراث چھوڑی ہے، علمی میراث چھوڑی ہے وہ ان کے لیے ان شاءاللہ صدقہ جاریہ ہوگی اور میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو درجات عالیہ عطا فرمائیں۔ آخری عمر میں ان کو رعشے کی شدید بیماری ہوگئی تھی اس کے باوجود انہوں نے اپنی علمی مصروفیات جاری رکھیں۔ بہت سے علماء کو پڑھایا اور اسی زمانے میں بہت سے مقالات بھی لکھے اور اسی زمانے میں رعشے کے باوجود انہوں نے کرم فرمایا اور میرے پاس تشریف لائے، متعدد مسائل پر گفتگو ہوئی، جس سے ان کے علمی مزاج اور اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کے اخلاص ہی کی برکت سے امید ہے کہ ان شاءاللہ ان کی علمی میراث لوگوں تک پہنچے گی اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور جن شاگردوں کو انہوں نے تیار کیا، جن لوگوں کو انہوں نے تحقیق کا ذوق عطا فرمایا وہ ایک مستقل صدقہ جاریہ ہے جو ان شاءاللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کو اعلیٰ علیین میں مقامات قرب سے نوازیں، اور ان کے پسماندگان خواہ ان کے گھر والے ہوں یا ان کے اس مدرسے کے منتظمین اور اساتذہ کرام ہوں جس مدرسے میں انہوں نے خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ہم سب کو اس سانحے پر صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔

و اللہ سبحانہ و تعالیٰ ھو الموفق و اللہ أسال أن یوفقنا جمیعا لما یحبہ و یرضاہ و السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

.....☆☆☆.....

علم وتحقیق کا ایک باب

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز القدر مولانا مفتی عبداللہ صاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کا علم ہوا۔ **فانا للہ و انا الیہ راجعون فاعظم اللہ اجورکم و احسن عزاکم و غفر فقیدکم**

بلا شبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا سانحہ صرف آپ کے گھر، گھرانے اور خاندان کا سانحہ نہیں ہے، بلکہ یہ علم و تحقیق کے ایک باب کے بند ہونے کا سانحہ ہے جس کی تلافی اس دور میں بظاہر ناممکن ہے۔

آپ ماشاء اللہ صاحب علم ہیں اور آپ نے ایک عظیم عالم دین کے زیر پرورش آداب زندگی سیکھے ہیں آپ کے لیے تعزیت کے موقع پر محض مسنون تعزیت وتسلی کے کلمات کی یاددہانی کافی سمجھتا ہوں۔

میں اپنی طرف سے، اپنے ادارے، اساتذہ اور طلباء کی طرف سے آپ اور آپ کے برادر گرامی عزیزم عبید اللہ سلمہ اور جملہ خاندان کی خدمت میں مسنون تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ انہیں اپنے جوار اعلیٰ کا مکین بنائے اور آپ تمام لواحقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

بالخصوص آنجناب کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے علمی وتحقیقی سلاسل سے وابستگی اور ترقی نصیب فرمائے، آمین۔

فقط والسلام

.....☆☆☆.....

ارباب جامعہ دارالتقویٰ

کی نظر میں

دارالتقویٰ کے لیے عظیم نعمت

حضرت مولانا اویس احمد صاحب دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہمارے اکابر علماء میں سے تھے، اسلاف کی نشانی تھے۔ اخلاص اور للہیت حضرت رحمہ اللہ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ علوم شریعت میں بہت رسوخ تھا۔ فتویٰ میں ایک بڑا نام تھا۔

o ہمارے ادارے میں پہلے دارالافتاء اور تخصص کا شعبہ نہ تھا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی برکت اور شفقت سے یہ دونوں شعبے فعال ہوئے اور اس حوالے سے ادارے کو اہل علم کے ہاں شہرت ملی اور ادارے کی ساکھ بنی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت ایسی تھی کہ جس کی وجہ سے دارالافتاء کی طرف لوگوں کا رجوع بھی ہوا اور اعتماد بھی ہوا۔

الحمدللہ ہمارا دعوت وتبلیغ کی نسبت سے ساری دنیا میں جانا ہوتا ہے جس ملک میں بھی اہل علم کی خدمت میں حاضر ہو کر ادارے کا تعارف کروایا تو انہوں نے ادارے کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی نسبت سے پہچانا۔ ان سے عرض کیا جاتا کہ ہماری جامعہ دارالتقویٰ لاہور سے حاضری ہوئی ہے اور یہ وہی ادارہ ہے جہاں حضرت ڈاکٹر صاحب ہوتے ہیں تو وہ حضرات فوراً پہچان لیتے۔ اس سے خود ہمیں بھی اندازہ ہوا کہ حضرت کے علمی کام اور مقام کا ساری دنیا میں ماشاء اللہ تعارف ہے اور حضرت رحمہ اللہ کی برکت سے ہمارے ادارے کا تعارف بھی ساری دنیا تک پہنچا۔ الحمدللہ

o ہمارے ادارے میں جب دارالافتاء کی تعمیر جدید کا افتتاح ہوا تو افتتاحی تقریب کے لیے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو دعوت دی گئی، حضرت سے جب اس سلسلے میں بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا:

یہ وہی ادارہ ہے نا جہاں حضرت ڈاکٹر صاحب ہوتے ہیں؟

تو ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا: میں یہاں ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔

چنانچہ حضرت تشریف لائے اور حضرت ڈاکٹر صاحب، دارالافتاء اور تخصص کے بارے میں بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور تعریفی کلمات ارشاد فرمائے۔

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بہت علمی رسوخ اور گہرائی حاصل تھی وہ بہت سوچ سمجھ کر اور تحقیق کے ساتھ رائے قائم فرماتے تھے۔ جب خوب تسلی سے غور وفکر فرما لیتے تو پھر کوئی حضرت رحمہ اللہ کو ان کے مؤقف سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ اس

سے حضرت کا تصلب اور رسوخ ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بہت متاثر کن تھی۔

o ہمارے ادارے کے فضلاء ''نافع'' اور ''فقہ الحلال'' کے حوالے سے جو کام کر رہے ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں یہ بھی حضرت رحمہ اللہ ہی کا صدقہ جاریہ ہے کیونکہ ان اداروں میں کام کرنے والے حضرات حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہی ہیں۔

o ہمارے ادارے کی یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے یہاں فقہ کے ذیلی ابواب میں خصوصی مہارت کے لیے اختصاص فی ابواب الفقہ کے عنوان سے ایک نئے شعبے کا اجراء فرمایا۔ یہ شعبہ بھی بحمد اللہ حضرت کی دعاؤں سے فعال ہے اور دیگر اداروں کے لیے نمونہ ہے۔

o حضرت رحمہ اللہ نے اپنے فتوے اور تخصص واختصاص کے نظام کو سنبھالنے کے لیے اپنے تلامذہ کی ایک جماعت تیار فرمائی۔ اس جماعت نے حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی کام اور نظام کو سنبھال لیا۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد حضرت کا کام، نظام اسی طرح موجود اور بحال ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تمام مساعی کو اپنی بارگاہ عالیہ میں مقبول ومنظور فرمائیں، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے فیوض وبرکات کو تا قیامت قائم ودائم فرمائیں اور حضرت کی برکات اور دعاؤں کے ثمرات ہمارے ادارے کے تمام شعبوں کے ساتھ اسی طرح رکھیں جیسے ان کی حیات طیبہ میں تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور اللہ رب العزت ہمیں ہر قسم کے ظاہری وباطنی فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز آمین بجاہ سید المرسلین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ أجمعین**

.....☆☆☆.....

بقیۃ السلف عمدۃ الخلف

حضرت مولانا عامر رشید صاحب دامت برکاتہم
رکن شوریٰ جامعہ دارالتقویٰ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفا.

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جامع صفات کی وجہ سے انہیں امت قرار دیا اور امت جماعت ہوتی ہے اور جماعت چھوٹی بھی ہوتی ہے اور بڑی بھی ہوتی ہے جیسا کہ امم سابقہ میں ہوا۔

جہاں ابراہیم علیہ السلام کا جامع الصفات ہونے کا بیان ہے وہاں ان کے ''خیر کثیر'' ہونے کا بھی بیان ہے، اور نبیوں کی خیر ان کی شان کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نبیوں کی شان کا تو کیا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ جیسے پہلے نبیوں کو جامع الصفات اور جامع الخیر قرار دیا اسی طرح امت محمدیہ ﷺ میں امتی ہونے کی صفت ہے۔ صحابہ کی جماعت، پھر تابعین کی جماعت ایسی پیدا فرمادی کہ اس میں سے ہر ایک کو محاورے کے اعتبار سے امت کہہ دیا جائے تو برمحل بات ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے حضور ﷺ سے براہ راست فیض حاصل کیا۔ اب صحبت رسول ﷺ تو میسر نہیں، البتہ علم الرسول ﷺ اس اعلیٰ درجہ پر تابعین، تبع تابعین اور فقہاء کی برکت سے منقول ہے، اس خیر سے قیامت تک انسان اپنی ذات کے اعتبار سے سیر ہوتے رہیں گے۔ بعض ہستیوں کا اللہ تعالیٰ انتخاب فرمائیں گے جو علوم نبویہ سے نہ صرف خود سیر اور فیض یاب ہوں گے بلکہ محاوراتی اعتبار سے وہ امت بن کر سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، بلکہ بالواسطہ کروڑوں کے سیر اور فیض یاب ہونے کا ذریعہ بنیں گے۔ ہم نے صحابہ، تابعین کا زمانہ نہیں پایا لیکن اسلاف کی صورت میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اور فقہاء کا فیض ہم تک پہنچا ہے۔ اسلاف کے اس خوبصورت سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کو بنایا۔ جو علم و عمل کے آفتاب و ماہتاب، عجز و انکساری کے پیکر، جسمانی و روحانی امراض کے معالج تھے۔ علماء نے لکھا ہے ایک عالم ایک لاکھ بے علموں سے بہتر ہے، عالم اپنے اندر علم سماوی کو سموتا ہے، علوم دینیہ سے مقصود لوگوں کو علم یافتہ اور ہدایت یافتہ بنانا ہے اور حضرات مفتیان کرام تو علماء کے بھی سر کے تاج ہیں۔ میرے استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی سرور صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کرام کو بھی مسائل مفتیان کرام سے پوچھنے چاہئیں اور عامۃ الناس کو بھی ترغیب دینی چاہیے کہ اپنے مسائل مفتیان کرام سے پوچھیں۔ حضرت یہ بھی

فرماتے تھے ''**میرے نزدیک دینی کاموں میں سب سے مشکل کام فتویٰ کی خدمت ہے۔ جس میں ایک مسئلے کے لیے بیسیوں کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں۔**'' ہمارے محترم ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ جہاں عوام کے لیے مرجع تھے وہاں علماء و مفتیان کرام کے لیے بھی مرجع تھے اس لیے وہ نہ صرف مفتی تھے بلکہ مفتیوں کے مفتی تھے اور ایسے حضرات امت میں گنے چنے ہوتے ہیں۔

حضرت رحمہ اللہ کی سادگی و عاجزی

علمی حلقوں میں آپ رحمہ اللہ کی تحقیقات، تدقیقات، علمی مباحث، علمی مقالے انشاء اللہ قیامت تک آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکتے رہیں گے، اور ان کے فیض کا چشمہ ان کی تحریرات وتحقیقات کی صورت میں امت کی رہنمائی قیامت تک کرتا رہے گا۔

بچپن میں ایک شعر سنا کرتے تھے: ع

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ علم کے وہ گہرے سمندر تھے جس کی گہرائی کا اندازہ اور گیرائی کا احاطہ اور پھر ان کے بارے میں تعریفی اور توصیفی کلمات کے لیے بھی شاید ایک جماعت درکار ہو۔ (زیر نظر مجموعے میں الحمد للہ کافی باتیں آ گئی ہیں)۔

اور امت کا لفظ بمعنیٰ جماعت کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے اتنا کام لیا جس کے لیے ایک جماعت درکار ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ کو نوازا تھا، اور ان کی سادگی و کم گوئی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک بڑی جماعت کے برابر کام لیا۔

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی بہت زیادہ مجالس، بیانات اور مجلسوں میں شرکت سے دور تھی۔ مسکراتا چہرہ، دبلا پتلا جسم لیکن بسطۃ فی العلم۔ ہر ملنے والے سے متوجہ ہو کر مسکرا کر ملنا سنت کے مطابق تھا، گفتگو بھی مختصر اور جامع تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی کن کن صفات کا تذکرہ کیا جائے، ایک ایک بات میں نئی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں لباس میں، سواری میں سادگی تھی حتیٰ کہ رہائش میں بھی سادگی تھی۔

حضرت کے بیٹے مفتی عبداللہ صاحب نے بتایا کہ گھر کے اندر ہمیشہ سادگی رہی حتیٰ کہ مکان کے بعض حصوں میں کچھ تزئین کا کام کروانا تھا جس کے لیے تزئین کا لفظ بھی شاید مناسب نہیں بلکہ آج کے زمانے کے اعتبار سے جسے بنیادی ضرورت سمجھا جاتا ہے، بہت پُر زور اصرار پر کام تو ہو گیا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت پر بوجھ ہی رہا۔ چنانچہ باطنی کمالات

کی معراج پر پہنچا ہوا سادگی و عاجزی کا پیکر ''تزئین'' کے اس بوجھ کو لیے دارِ فانی سے دارِ باقی کی پہلی منزل قبر میں منتقل ہو گیا۔علم وعمل، سادگی و عاجزی، ملاقاتیوں کے لیے ہمیشہ مسکراہٹوں کے پھول بکھیرنے والا،علم کے گہرے سمندروں سے نکات اور موتی نکالنے والا، طلباء میں علمی اعتبار سے سمندر کی طرح خاموش بہنے والا، مخلصین اور محبین کی ملکی و غیر ملکی جماعتوں سے رخصت ہونے والا، بہت سے اداروں کی علمی سرپرستی کرنے والا، جس میں جامعہ مدنیہ جیسا شہرہ آفاق قدیم علمی ادارہ، جامعہ دارالتقویٰ جس کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ کی سرپرستی کا لمبا زمانہ گذرا۔ بالآخر اس دارِ فانی سے رخصت ہو گیا۔اور بقول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہ ''ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے'' حضرت رحمہ اللہ کی قبولیت،عوام وخواص، طلباء وعلماء کے ساتھ ان کے قلبی تعلق اور عقیدت کا عظیم الشان مظاہرہ ان کے جنازہ سے ہو رہا تھا اور مختلف اداروں کے سرپرستوں کی ان کے جنازے میں شرکت ان کی محبوبیت اور ان سے عقیدت کی علامت تھی۔ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔حضرات طلباء،علماء اور مفتیان کرام اور اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد سے امراض جسمانی میں حضرت رحمہ اللہ کے علم طب سے فائدہ اٹھانے والے جو کہ آپ سے جسمانی شفاء کی دوا بھی لے کر جاتے تھے اور آپ کی صحبت کا فیض (اگرچہ وہ چند لمحات کا ہوتا تھا) اور آپ کے اقوال سے روحانی بیماریوں کے علاج کی دوا بھی لے کر جاتے تھے، ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ پر قبر میں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں۔آمین۔اللہ تعالیٰ حضرت کے فیض کو تا قیامت جاری وساری فرمائے۔

ادارہ من حیث الادارہ، اساتذہ، مفتیان، طلباء حضرتؒ کے اس خلا کو ہمیشہ محسوس فرمائیں گے۔اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود خزانے سے ہمارے ادارے اور عمومی متوسلین کے لیے حضرت کا متبادل نصیب فرمائے۔آمین۔

.....☆☆☆.....

صاحبِ عزیمت انسان

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
رکن شوریٰ جامعہ دارالتقویٰ لاہور

میں خالق مسجد گلشن راوی میں ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ء تک امام رہا پھر میں سال میں چلا گیا۔ سال کے دوران میرے پیچھے بعض اوقات حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے یہاں جمعہ پڑھایا، اور درس قرآن بھی دیتے رہے۔ تقریباً دو سال کے قریب خالق مسجد میں مستقل جمعہ پڑھاتے رہے۔ اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہماری مسجد کے ایک بہت اچھے نمازی رہے۔

ہمارے اکابرین میں سے کچھ بزرگ ایسے گذرے ہیں جو کم گو تھے، ان میں سے ایک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں۔ کسی زمانے میں انہوں نے ایک چلہ بھی لگایا تھا، میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو حاجی عبدالوہاب صاحب کے واقعات، جماعت کی کارگذاریاں وغیرہ سناتا رہتا تھا جسے سن کر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ متاثر بھی ہوتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میں ماشاءاللہ اعمال کا شوق تھا مسجد کے اندر کے حصے میں نماز پڑھا کرتے تھے، اگر کبھی مسجد بھری ہوتی تو مسجد کے صحن میں دھوپ کے اندر آ کر نماز پڑھتے تھے یعنی صف کا اہتمام تھا اپنی جسمانی سہولت کے لیے صف یا اس قسم کے دیگر مستحبات تک بھی نہ چھوڑتے تھے۔

ہر دفعہ عید کے موقع پر ہماری حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں دعوت ہوا کرتی تھی، اسی طرح ہدیہ وغیرہ دینے کا بھی معمول تھا، میرے بچوں کی شادیاں ہوئیں تو ہر بچے کی شادی پر کوئی نہ کوئی ہدیہ ضرور عنایت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں فراست بہت دی تھی، مسائل میں گہرائی اور تفقہ فی الدین بھی انہیں خوب حاصل تھا۔

مدرسہ احیاء العلوم میں انہوں نے ''ابوداؤد شریف'' بھی پڑھائی اور صحت کے آخری ایام تک باوجود ضعف و بیماری کے پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ ان کی ہمت اور اخلاص قابلِ رشک تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے اور ان کے اخلاف اور کاموں کو ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

رفقاءِ درس کی نظر میں

مفتی اعظم رحمہ اللہ

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدظلہم
مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مدنیہ جدید، لاہور

۱۸ شوال/۲۲ جون بروز ہفتہ مفتی اعظم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ آپ رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ کے فاضل تھے، از اوّل تا آخر جامعہ مدنیہ ہی میں زیر تعلیم رہے آپ رحمہ اللہ حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد رشید بھی تھے اور مرید صادق بھی نیز دارالافتاء جامعہ مدنیہ جدید کے سرپرست بھی تھے۔ جدید مالیاتی و بینکنگ نظام کے ساتھ ساتھ بے شمار جدید مسائل پر آپ کے فتاویٰ اور تحقیقات نہایت قیمتی علمی سرمایہ ہیں جو بعد کے علماء کے لیے بہت بڑا اثاثہ ہیں، اہم علمی اور دقیق موضوعات پر مشتمل دسیوں کتابوں کے مصنف ہیں جبکہ مقالات ومضامین ان کے سِوا ہیں۔ آپ رحمہ اللہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بھی تھے جبکہ سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد تادمِ حیات تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے آپ نے ستر برس کی عمر پائی، جنوری ۱۹۵۰ء آپ کا سن پیدائش ہے۔

پسماندگان میں ایک بیوہ، دو بیٹے، چار بیٹیاں چھوڑی ہیں اللہ تعالیٰ آپ رحمہ اللہ کی جملہ خدماتِ علمیہ وتدریسیہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آپ رحمہ اللہ کی وفات سے پیدا ہونے والے خلاء کو پُر فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ رات سوا گیارہ بجے آپ کی نمازِ جنازہ گلشن راوی کے فٹبال میدان میں ادا کی گئی جبکہ قبرستان میانی صاحب میں غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ کے قریب رات ساڑھے بارہ بجے تدفین عمل میں آئی۔ **اللھم اغفر لنا و لہ.**

ماہنامہ انوار مدینہ
جولائی ۲۰۱۹ء

.....☆☆☆.....

ایک عہد ساز شخصیت

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ دارالتقویٰ، لاہور
وجامعہ مدنیہ کریم پارک، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علامہ اقبال مرحوم نے سچ فرمایا ہے: ع

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمارے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ بھی اُن دیدہ وروں میں سے ہیں جو کہیں مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کے اَن مِٹ نقوش چھوڑ کر چل دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، علم وعمل کے ساتھ ساتھ تقویٰ وطہارت، سادگی و بے تکلفی، خودداری و وضعداری، تواضع ومسکنت اور اِن جیسی بہت سی خوبیاں آپ میں پائی جاتی تھیں، چند خصوصیات ایسی ہیں جن کی وجہ سے آپ کی شخصیت ممتاز نظر آتی ہے:

☆ آپ نے عام رَوِش سے ہٹ کر پہلے مغربی تعلیم حاصل کی، ایم بی بی ایس ڈاکٹر بنے، پھر دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے قرآنِ کریم حفظ کیا، درسِ نظامی کا آٹھ سالہ کورس مکمل کیا عالم بنے اور علم میں اتنی ترقی کی کہ مفتی بن گئے اور کچھ عرصہ بعد اُونچے درجہ کے مفتیوں میں شمار کیے جانے لگے، ہمارے مدرسہ جامعہ مدنیہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب فاضلِ دیوبند (م:۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء) جو حضرت ڈاکٹر صاحب کے کبار اَساتذہ میں سے تھے ایک عرصہ سے افتاء کا کام کر رہے تھے، آپ کے لائق ترین صاحبزادے حضرت قاری عبدالرشید صاحب مرحوم (م:۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء) بھی اپنی علمی لیاقت کی بنا پر افتاء سے دلچسپی رکھتے تھے فتویٰ نویسی بھی کرنے لگے تھے لیکن دیگر علمی ودینی مصروفیات کی وجہ سے افتاء کے کام کو باقاعدہ اپنا نہیں سکے تھے، جب ڈاکٹر صاحبؒ اپنے دونوں اَساتذہ اور بزرگوں کی نگرانی میں فتویٰ نویسی میں مَشَّاق ہوگئے اور فتویٰ دینے لگے تو دونوں بزرگوں نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے اِفتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے بعض فتاویٰ راقم الحروف کی نظر سے گزرے اُن پر حضرت مفتی عبدالحمید صاحبؒ کے تائیدی دستخط ثبت تھے۔

اہلِ علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ افتاء ایک اہم ذمہ داری ہے جسے علمی و عملی پختگی اور وسعت مطالعہ کے بغیر نبھانا مشکل ہے، افتاء کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے افتاء کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ"

یہ لوگ آپ سے خواتین کے بارہ میں استفتاء کر رہے ہیں آپ اِن سے کہہ دیجیے کہ تمہیں اللہ (تعالیٰ) ان کے بارہ میں فتویٰ دیتے ہیں۔

اِفتاء میں ذرا سی کوتاہی بہت سی خرابیوں بلکہ بہت سے فتنوں کو جنم دینے کا سبب بن جاتی ہے اِسی لیے ہمارے اَکابر فتویٰ دینے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (م:۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کا واقعہ مشہور ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (م:۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سامنے جب انگریزوں سے ترکِ موالات کا استفتاء پیش کیا گیا تو غایتِ انکسارِ نفس اور حدود شناسی کے ساتھ فرمایا کہ مجھے انگریزوں سے غیر معمولی بغض و نفرت ہے، ان کے بارہ میں فتویٰ دینے میں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ حدود کی رعایت رکھ سکے گا دراں حالیکہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اور یہ فرما کر اپنے مخصوص تلامیذ میں سے فتویٰ لکھنے کے لیے جن تین حضرات کا نام لیا اُن میں اوّلین نام حضرت مفتی (کفایت اللہ) صاحب رحمہ اللہ کا تھا۔''

(مفتی اعظم کی یاد:۱۲۶)

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے اکابر کی رَوِش کو اپناتے ہوئے خود بھی حزم و احتیاط کا پہلو اپنایا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے چنانچہ بینکنگ کے نظام اور ڈیجیٹل تصویر کی حلت و حرمت کے معاملہ میں آپ کے دیے گئے فتاویٰ میں اپنی تحقیق کے علاوہ حزم و احتیاط کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

بارہا یہ بات دیکھنے میں آئی کہ بہت سے اَحباب نے اپنی مشکلات اور پریشانیوں کے حوالے سے یہ چاہا کہ ڈاکٹر صاحبؒ سے اسلامی بینکنگ کے معاملہ میں اجازت مل جائے بالخصوص انہی بینکوں میں رقم جمع کروا کر نفع لینے اور بینکوں سے گاڑیاں نکلوانے کے متعلق، تو آپ یوں فرماتے:

''کراچی کے علماء کے فتاوٰی پر عمل کرنا چاہو تو کرلو میں جائز نہیں سمجھتا۔''

البتہ بیواؤں، پنشن لینے والوں اور کسی شخص کی انفرادی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ گنجائش دے دیتے تھے۔

☆ ۲۰۰۹ء کی بات ہے کہ راقم الحروف حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (م:۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء) برادر زادہ و خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (م:۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کی زیارت

وملاقات کے لیے ڈُھڈ یاں شریف حاضر ہوا، حضرتؒ راقم سے بڑی شفقت ومحبت فرماتے تھے اِس وجہ سے حضرتؒ سے بے تکلف باتیں کرلیا کرتا تھا، دورانِ کلام حضرتؒ نے سوال کیا کہ بینکنگ اور تصویر کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میری کیا حیثیت ہے کہ کوئی رائے قائم کروں میں تو سراسر بڑوں کا متبع ہوں جو وہ کہیں گے اُسی پر عمل کروں گا، پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا:

''بھائی احتیاط بہتر ہے ہمارے اَکابر نے ہمیشہ احتیاط کو اپنایا ہے۔''

☆ چونکہ ڈاکٹر صاحبؒ کے فتاوٰی میں احتیاط کا پہلو غالب رہتا تھا اس وجہ سے بعض فتاویٰ کے جواب میں کافی وقت بھی لگ جاتا تھا، استفتاء میں اگر دوفریق کا معاملہ ہوتا تو آپ فریقین کو بلا کر دونوں کی بات سنتے تھے اور معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے اور جب تک آپ کی تسلی نہیں ہوتی تھی جواب نہیں دیتے تھے، بعض استفتاء ایسے بھی آتے تھے کہ آپ ان کو پڑھ کر واپس کردیتے تھے جواب تحریر نہیں فرماتے تھے۔

☆ کچھ مسائل میں ہم عصر علماء سے اختلافِ رائے رکھتے ہوئے ان کے فتاویٰ پر نقد ونظر سے بھی کام لیتے تھے لیکن اپنے اَکابر کے طرز کے مطابق تنقید کرتے ہوئے دوسرے کے ادب واحترام کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جو جس درجہ کا ہوتا تھا اس کا اس کے مرتبہ کے مطابق ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے البتہ اپنی بات کو ٹھوس دلائل سے ثابت فرماتے تھے، اگر کوئی آپ کی تحریر پر تنقید کرتا تو آپ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اس کا جواب دیتے تھے۔

☆ اَہلِ علم کو خوب معلوم ہوگا کہ آپ کا زیادہ تر اختلاف کراچی کے علماء کے ساتھ رہا ہے آپ نے اُن کے فتاوٰی اور مضامین پر بھرپور تنقید فرمائی لیکن یہ اختلاف علمی اختلاف تک محدود رہا، ایک دوسرے سے ملنا ملانا اور ایک دوسرے کا ادب واحترام ہاتھ سے نہیں گیا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ کراچی جاتے تھے تو وہاں کے اَکابر علماء جن میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی شامل ہیں اُن سے ملتے تھے، وفات سے چھ سات ماہ پہلے کراچی تشریف لے گئے تو باقاعدہ دارالعلوم کراچی بھی گئے اور حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب سے ملاقات کی، حضرت مولانا نے بھی بے حد اکرام کا معاملہ فرمایا۔

ایک دفعہ مدرسہ دارالتقوٰی لاہور میں حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تشریف لائے تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے پرتپاک انداز سے ملے اور اپنے خطاب کے وقت آپ کو اپنے برابر کرسی پر بٹھایا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی انتہائی تعریف بھی کی اور ان کی صحبت کو غنیمت بھی بتلایا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے بڑوں کی اس روش کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو درس وتدریس کی سعادت سے بھی نوازا تھا، آپ نے تقریباً تمام درجات کی کتب کا درس دیا جو آپ کی زندگی کے اخیر تک جاری رہا اسی کے ساتھ آپ نے اپنے مادرِ علمی جامعہ مدنیہ میں تخصص فی الفقہ والافتاء کا شعبہ قائم فرمایا بعد ازاں جامعہ دارالتقوٰی میں بھی یہی شعبہ قائم فرمایا جہاں پندرہ سال اپنی خدمات انجام

دیں جس سے بہت سے مستند مفتیانِ کرام کی جماعت تیار ہوئی۔

☆ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آپ درس وتدریس اور افتاء وغیرہ سے متعلق تمام اُمور للہ فی اللہ انجام دیتے تھے ان کاموں پر کبھی کسی قسم کی اُجرت یا تنخواہ نہیں لیتے تھے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف وتالیف کا ذوق بھی عطا فرمایا تھا، چنانچہ بہت سی چھوٹی بڑی اہم کتابیں آپ کے قلمِ حقیقت رقم سے نکل کر شائع ہوئیں ''فہمِ دین کورس'' جو آپ کا ترتیب دیا ہوا نصاب ہے ملک بھر میں بہت سی جگہ پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔

☆ آپ نئے پیش آمدہ اور جدید مسائل پر بھی نظر رکھتے تھے اور اُن کے حل کے لیے بھرپور جدوجہد فرماتے تھے، سونے چاندی کے کاروباری مسائل نہایت پیچیدہ ہیں ان میں ربا اور سود کا ہر آن احتمال رہتا ہے، ان کے مسائل کے حل کے لیے آپ نے باقاعدہ ایک کتاب مرتب فرمائی جو'' سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اِسلامی احکام'' کے نام سے شائع ہوئی۔

☆ ۱۹۹۷ء کی بات ہے کہ ہمارے عزیز بھائی شاہد ریاض جو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے بھی ہیں اور خود سونے کا کاروبار بھی کرتے ہیں اور اِنہیں شدت کے ساتھ سونے کے مسائل کے حل سے دلچسپی بھی ہے، اُنہوں نے سونے چاندی کے کاروبار سے متعلق چند سوالات پر مشتمل ایک استفتاء مختلف مفتیان کرام کی خدمت میں اِرسال کیا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی طرف سے جو جواب آیا وہ نہایت اطمینان بخش تھا جی چاہ رہا ہے ہمارے قارئین بھی اس سے مستفید ہوں اِس لیے اسے یہاں درج کیا جارہا ہے:

اِستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین سونے کے کاروبار کے متعلق درجِ ذیل مسائل کے بارہ میں:

(۱) موجودہ رائج الوقت نوٹ (پانچ، دس، پچاس، سو وغیرہ) سے سونا چاندی خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟ (یاد رہے کہ موجودہ دور کے بہت سے علماء رائج الوقت نوٹ کو بضرورت سکہ قرار دے چکے ہیں)

(۲) آج کل اُدھار لین دین کے بغیر کاروبار قریباً قریباً ناممکن سا ہوگیا ہے ہر محکمہ میں اُدھار ناگریز ہوگیا ہے، ایسی صورت میں سونے چاندی کا کاروبار کرنے والے لوگ بھی بامرِ مجبوری اُدھار لین دین کرتے ہیں یعنی گاہک سونے چاندی کی چیز خرید کر لے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ رقم اتنے دن بعد دوں گا، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز اِس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

(۳) ایک زرگر اپنے یہاں کچھ زیور تیار کرتا ہے جس میں ۲۲ قیراط کا سونا لگاتا ہے نگینے وغیرہ بھی لگاتا ہے، پھر اس زیور کو دُکاندار کے پاس بیچنے کے لیے لے جاتا ہے دُکاندار اِس زیور کو پسند آنے پر اپنے یہاں رکھ لیتا ہے پھر مزدوری تو

اُسی وقت یا کچھ دن بعد دے دیتا ہے اور اِس زیور (جس میں نگینے وغیرہ بھی ہیں اور ہے بھی ۲۲ قیراط کا) کے مساوی خالص سونا کچھ دن بعد یکمشت یا قسطوں میں ادا کرتا ہے، آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) زرگر حضرات دُکاندار سے آرڈر لے کر یا خود اُس کے آرڈر دینے پر اپنے سونے سے مختلف چیزیں بنا کر اُسے دیتے ہیں وہ اِسے مزدوری اُسی وقت یا بعد میں جب زرگر کو ضرورت ہو دے دیتا ہے اور سونا جب زرگر کو ضرورت ہو اور وہ مطالبہ کرے اُس وقت یکمشت یا تھوڑا تھوڑا کر کے دیتا ہے آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟ یہ صورت اب کاروبار کا جزو بن گئی ہے اُسی زرگر کو کام ملتا ہے جو دُکاندار کا مال اپنا سونا لگا کر بنائے۔

(۵) زرگر کے پاس ایک گاہک آتا ہے کہ مجھے مثلاً چھ تولہ کا زیور بنا دو اور دس ہزار کیش بطور بیعانے کے لے لو میں ایک ماہ بعد آؤں گا اور رقم دے کر زیور لے جاؤں گا، لیکن سونے کا بھاؤ وُہی لگے گا جو آرڈر دیتے وقت یعنی ایک ماہ پہلے تھا، آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(۶) کچھ زرگر اپنے سونے کا مال بنا کر جیولرز کے یہاں رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فروخت ہونے پر رقم دے دینا (یہ معلوم نہیں کہ اِس مال کو دُکاندار نقد بیچتا ہے یا اُدھار) یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) زرگر دُکاندار کو ایسا زیور جس میں نگینے وغیرہ لگے ہوئے ہوتے ہیں جن کی مالیت بسا اَوقات سونے سے زائد اور کبھی کم بھی ہوتی ہے، اِس سب کو سونا شمار کر کے اور وزن بھی سونے کا لگا کر دیتے ہیں، آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(۸) زرگر کو دُکاندار خالص سونا دیتا ہے مثلاً ایک تولہ، زرگر اِس ایک تولہ خالص سونے میں ایک ماشہ میل ڈالتا ہے اور میل ڈال کر جو وزن بڑھا وہ زرگر کا ہوتا ہے اور میل والا سونا دُکاندار کو جاتا ہے اور یہ طرفین کی رضامندی سے ہوتا ہے اسے چھیجت اور کاٹ کا نام دیا جاتا ہے آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(۹) سونے کی کمیٹی یعنی ہر ماہ جتنے شرکاء ہیں مقررشدہ دیتے ہیں اور جس کی کمیٹی نکل آئے سارا سونا اُسے دے دیا جاتا ہے، آیا یہ صورت صحیح ہے یا نہیں؟

(۱۰) زرگر دُکاندار سے جب مال بنا کر دیتا ہے تو ویسٹیج جسے چھیجت کہا جاتا ہے وہ لیتا ہے مثلاً ایک تولہ سونے کا مال بنا کر دیا تو چھ رتی یا ایک ماشہ اِس سے الگ لیا، کیا یہ جائز ہے؟

(نوٹ) I۔ یہ ویسٹیج مزدوری میں شامل ہے دُکاندار خود دیتا ہے۔

II۔ زیور کی تیاری میں ٹانکہ استعمال کیا جاتا ہے جو کھوٹے سونے کا ہوتا ہے اگرچہ بغیر ٹانکہ لگائے زیور تیار ہوسکتا ہے لیکن پھر بھی کوئی اپنے فائدہ کے لیے مناسب حد تک ٹانکہ لگائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ بعض زیورات سونے سے ہی تیار کیے جاتے ہیں اور بعض ٹانکے سے۔

(۱۲) بعض کاریگر دُکاندار کے پاس چھٹائی کے لیے جاتے ہیں تو پورے نگینے نہیں لیتے جو نگینے نہیں لیتے وہ اپنے

پاس سے لگاتے ہیں اور جتنے نگینے اپنے پاس سے لگاتے ہیں اُس کا سونا اُن کے پاس بچ جاتا ہے کیونکہ نگینوں کی گنتی کے حساب سے دُکاندار سونا دیتا ہے کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

(۱۳) لکی کمیٹی کا کیا حکم ہے جبکہ اِس میں یہ ہوتا ہے کہ جس کی کمیٹی نکل آتی ہے وہ کمیٹی نہیں دیتا جیسے کہ ایک شخص نے لکی کمیٹی ڈالی اور تین سو روپے دیے اور پندرہ ہزار کی کمیٹی نکل آئی لیکن ایک دوسرا شخص ہے کہ جو کمیٹی دیتا رہا حتی کہ پندرہ ہزار روپے پورے ہونے کے بعد اس کی کمیٹی نکلی، کیا دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا پہلے والے کے لیے ناجائز اور دوسرے کے لیے جائز اور کیا لکی کمیٹی ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۴) مردانہ انگوٹھی کی چھلائی جڑائی کرنا کرانا اور بنانا بنوانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے بنواتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت کام آئے اور حضرت شیخ سعدیؒ کے قول کو ڈھال بناتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

حضرات مفتیانِ کرام سے درخواست ہے کہ اِن مسائل کے صحیح ہونے کی اگر کوئی تاویل ہو تو ضرور رقم فرمائیں اور جواب الگ صفحہ پر تحریر فرمائیں تو بہت ہی نوازش ہوگی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

الجواب باسم ملہم الصواب، حامدً اومصلیًا!

دُرِمختار میں ہے:

"باع فلوسا بمثلهااوبدراهم اوبدنانير فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلاقبض احدهما لم يجز لمامر"

ردُالمحتار میں ہے:

"سئل الحانوتی عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البدلين لما فی البزازية لواشتری مائة فلس بدرهم يكفی التقابض من احد الجانبين قال ومثله ما لو باع فضة او ذهبا بفلوس كما فی البحر عن المحيط" (ج:۴،ص: ۲۰۵)

ہمارے علاقہ میں فلوس کے طور پر روپیہ اور پچیس و پچاس پیسے کے سکے رائج ہیں، روپیہ کے سکے کا متبادل روپے کے کاغذ کا نوٹ ہے۔ پانچ اور اِس سے زائد کے نوٹوں پر اگرچہ یہ تحریر ہوتا ہے حاملِ ہٰذا کو مثلاً دس روپیہ ادا کرے گا، لیکن خود ان نوٹوں کا رواج عملاً رسید کے طور پر نہیں بلکہ فلوس کے طور پر ہی ہوتا ہے اور دس روپے کا نوٹ ہو یا روپے روپے کے دس سکے ہوں عرفًا وحکمًا ان میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا اور روپے کے بڑے نوٹوں کا رسید ہونا تو ذہنوں سے نسیًا منسیا ہے لہٰذا نوٹ ہر قسم کے ثمن عرفی ہیں اور فلوس ہیں۔

لہٰذا:

(۱) نوٹ سے سونا چاندی خریدنا جائز ہے۔

(۲) سوال میں مذکورہ صورت بھی جائز ہے جبکہ ثمن روپیہ ہو سونا چاندی نہ ہو۔

(۳) وہ سونا جس میں کچھ کھوٹ ملا ہو لیکن وہ کھوٹ مغلوب ہو یعنی سونے کی مقدار سے کم ہو خالص سونے کے حکم میں ہوتا ہے، سوال میں مذکورہ صورت بیع کی ہے اجارہ کی نہیں اور چونکہ دونوں جانب سونا ہے لہٰذا اُدھار ناجائز ہے۔

دونوں جانب سونا ہو یا ایک جانب سونا اور ایک جانب چاندی ہو یا دونوں جانب چاندی ہو تو نقد و نقد اور ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے ورنہ سودی معاملہ بن جائے گا۔

غرض سوال میں مذکورہ صورت ناجائز ہے۔

(۴) یہ صورت بھی نمبر ۳ تین کی طرح ناجائز ہے۔

تیسری اور چوتھی صورت میں متبادل جائز طریقہ یہ ہے کہ چونکہ اصلاً یہ بیع ہے لہٰذا کل قیمت روپوں میں لگائی جائے اور وہ قسطوں میں اور اُدھار ادا کی جاسکتی ہے قیمت میں سونے کو شامل نہ کیا جائے۔

والاستصناع هو طلب عمل الصنعة باجل ذكر على سبيل الاستمهال لا الاستعجال فانه لايصير سلما سلم فتعتبر فيه شرائط جرى فيه تعامل ام لا وقالا الاول استصناع وبدونه اى الاجل فيما فيه تعامل الناس كخف وقمقمة وطست صح الاستصناع بيعا لا عدة على الصحيح (دُرِ مختار)

(قوله باجل)والمراد بالاجل ماتقدم وهو شهر فما فوقه قال المصنف قيدنا الاجل بذٰلک لانه اذاكان اقل من شهر كان استصناعا ان جرى فيه تعامل والا ففاسد ان ذكره على سبيل الاستمهال وان كان للاستعجال بان قال على ان تفرغ منه غدا او بعد غد كان صحيحا (رَدُّ المُحتار ج:۴،ص: ۲۳۶)

(۵) جائز ہے۔

(۶) جائز ہے۔

(۷) جائز ہے۔

(۸) اس سوال اور سوال نمبر ۱۰ کا جواب یکساں ہے جو نمبر ۱۰ کے تحت درج ہے۔

(۹) جائز ہے۔

(۱۰) قاعدے کی رو سے تو یہ طریقہ کہ چھیجت کو مزدوری میں لیا جائے جائز نہیں از روئے قفیز طحان لیکن عرف عام کی

وجہ سے جواز کا قول کیا جاسکتا ہے البتہ ضروری ہے کہ مزدوری واُجرت میں چھیچت کی مقدار کا ذکر ہو مزید بریں اس میں کوئی دھوکہ نہ ہو۔

(۱۱) زرگر ہو یا دُکاندار اُس پر لازم ہے کہ وہ گاہک کو یہ بات بتادے کہ اس زیور میں کھوٹے سونے کا ٹانکہ لگایا گیا ہے جس کا اِتنا وزن ہے ورنہ دھوکہ ہوگا۔

(۱۲) یہ طریقہ ناجائز اور حرام ہے کیونکہ ایک تو دُکاندار سے جھوٹ بولا کہ اِتنے وزن کے نگینے لیے ہیں جبکہ واقع میں اس سے کم وزن کے لیے ہوتے ہیں دوسرے دُکاندار کی مرضی کے بغیر اپنے کچھ نگینے لگا کر اُس کا سونا کاٹ لیا، اِس میں صریح دھوکہ دہی ہے۔

(۱۳) یہ جوا ہے اور حرام ہے۔

(۱۴) دُرِمختار میں ہے :

امره انسان ان یتخذله خفاعلی زی المجوس اوالفسقة اوخیاطا امره ان یتخذله ثوبا علی زی الفساق یکره له ان یفعل لانه سبب التشبه بالمجوس والفسقة.

لہٰذا سونے کی مردانہ انگوٹھی بنانا ناجائز ہے۔

.....☆.....

جامعہ دارالتقوی کے زیر اہتمام ''ہمدرد ہال'' لٹن روڈ میں ایک دفعہ سونے کے کاروبار سے متعلق ایک سیمینار ہوا، اس موقع پر بھی بھائی شاہد ریاض نے بہت سے اَحباب کو جمع کیا جن میں جیولرز بھی تھے اور کاریگر بھی تھے ان سب کی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کروائی۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے ان کے سامنے سونے چاندی کے کاروباری اَحکام سے متعلق تفصیلی بیان بھی کیا اور بالمشافہ ان کے مسائل سن کر ان کا حل بتایا، اس موقع پر آپ کا مرتب کردہ کتابچہ ''رہنمائے صراف وزرگر'' بھی تقسیم کیا گیا جس کا بہت فائدہ ہوا۔

☆ موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کے عروج کی وجہ سے مریض ومعالج کے اَحکام بہت اَہمیت اختیار کر گئے ہیں اس سلسلہ میں دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کے شرعی اَحکام کیا ہیں؟ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اس پر بھی توجہ فرمائی اور ایک انتہائی اہم ضخیم کتاب ''مریض ومعالج کے اسلامی اَحکام'' کے نام سے مرتب فرمائی جس سے علماء کو بہت ہی فائدہ ہوا اور علاج و معالجہ سے متعلق نئے مسائل کے حل سے واقفیت حاصل ہوئی۔

☆ مارکیٹوں میں لین دین کیسے کیا جائے اور کس طرح کاروبار کو شریعت کے مطابق ڈھالا جائے اور کس طرح لوگوں کو حرام سے بچا کر حلال کی طرف لگایا جائے، اس سے متعلق بھی ایک چھوٹی کتاب ''تجارت کے اسلامی اُصول اور اَحکام'' کے نام سے شائع فرمائی، ان کے علاوہ دیگر بہت سے مسائل سے متعلق کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے جو علماء اور عوام میں

مقبول ہوئے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی چنانچہ آپ نے مختلف فتنوں کے ساتھ ایسے فتنوں کا بھی تعاقب کیا جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی گئی اس میں آپ کو اپنے اور پرایوں کی تنقیدات کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن آپ کے پاءِ استقلال میں لغزش نہیں آئی اسی کے ساتھ آپ امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا فرماتے تھے اور ہر موقع پر بات کو واضح فرماتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک شاگرد نے اپنے بنات کے مدرسہ میں ایک تقریب کے موقع پر دعوت دی اس تقریب میں مرد حضرات کے ساتھ خواتین بھی شریک تھیں ڈاکٹر صاحبؒ کی موجودگی میں ایک خوش اَلحان نعت خوان نے گانے کی طرز پر نعت پڑھی جب وہ نعت پڑھ کر فارغ ہوا تو آپ نے خلافِ عادت مائیک لیا اور اِس پر خوب نکیر فرمائی کہ خواتین کے مجمع میں اس انداز سے نعت خوانی ہرگز جائز نہیں اس سے گریز کرنا چاہیے، اس پر حدیثِ پاک میں یہ وارد واقعہ سنایا:

''ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ خواتین کے ساتھ سفر میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے آپ کے حُدی خواں جن کا نام اَنجَشہ تھا، آواز ان کی بہت اچھی تھی وہ زور زور سے حُدی پڑھ رہے تھے تاکہ اُونٹ تیز تیز چلیں نبی علیہ السلام نے فرمایا ''رُوَیْدَكَ یَا اَنْجَشَۃُ لَا تُکْسِرِ الْقَوَارِیْرَ'' انجشہ حُدی آرام سے پڑھو شیشیاں نہ توڑو۔'' (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص: ۴۱۰)

اس بات سے مقصد واللہ اعلم یہ تھا کہ اپنی آواز پست رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا خواتین پر اثر پڑے کیونکہ وہ کمزور دل ہوتی ہیں اور ان پر خوش آوازی کا بہت جلد اثر ہو جاتا ہے۔ بہر حال حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی اور اس سے بچنے کی تاکید کی۔

☆ آپؒ میں ایک خاص بات یہ بھی پائی جاتی تھی کہ جس بات یا نظریے کو حق سمجھ کر اپناتے تھے اس پر ڈٹ جاتے تھے، البتہ دلائل کے ساتھ غور و فکر پر آمادہ رہتے تھے اور اِس سلسلہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ غالباً ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ آپؒ نے مروجہ مجالسِ ذکر و دُرود کے متعلق اپنا موقف تحریر فرمایا جو ماہنامہ انوارِ مدینہ میں شائع ہوا، اس پر کافی لے دے ہوئی اور آپ کو اس کے متعلق بہت کچھ سننے کو ملا لیکن آپ اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہوئے۔

☆ بینکنگ اور ڈیجیٹل تصویر کی حلت و حرمت کے متعلق جو موقف اپنایا اخیر تک اُسی پر قائم رہے۔

☆ مکہ مکرمہ میں منٰی اور مزدلفہ مکہ میں شامل ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ علماء میں مختلف فیہ ہے ہندوستان اور کراچی کے بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ منٰی و مزدلفہ مکہ مکرمہ میں شامل ہیں لیکن حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا موقف ہے کہ منٰی و مزدلفہ مکہ مکرمہ میں شامل نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے موقف پر جو دلائل قائم فرمائے وہ تو اپنی جگہ ہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایک سفرِ حج میں آپ نے خود منٰی، مزدلفہ اور عرفات کا جائزہ لیا اور اس کی روشنی میں حتمی رائے قائم کی، آپ نے یہ سفر ۲۰۰۵ء میں کیا

تھا اور وہاں سے واپس آ کر آپ نے ایک مضمون ترتیب دیا جس میں اِن مقامات کا نقشہ بھی دیا، اِس مضمون کی ترتیب کے متعلق آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

''اس مضمون کی ترتیب کے لیے ہم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدرس حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب مدظلہ اور مکہ مکرمہ ہی میں مقیم جناب قاری ارشد صاحب کے ممنونِ احسان ہیں جنہوں نے اپنی گاڑیوں میں خود ہمیں سارے علاقہ کا سروے کرایا، دُعا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو اجرِ عظیم سے نوازیں۔'' (ماہنامہ انوار مدینہ ج:۱۳،ش: ۶،ص:۲۷)

☆ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ موجودہ دور کی سیاست سے متفق نہ تھے آپ کے ذہن میں بہت سے اشکالات تھے جن کی وجہ سے آپ سیاسی سرگرمیوں سے بالکل الگ تھلک رہتے تھے ایک دفعہ آپ نے اپنے اشکالات تحریر فرما کر مولانا سید محمود میاں صاحب کے سامنے پیش کیے اور اُنہوں نے جوابات بھی دینے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹر صاحبؒ کی تسلی نہیں ہوئی پھر کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم مدرسہ تشریف لائے تو مولانا محمود میاں صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی ان سے ملاقات اور بالمشافہ بات چیت کا اہتمام کیا، ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے تحریر کردہ اشکالات پیش کیے حضرت مولانا مدظلہم نے تفصیل سے جوابات دیے لیکن ڈاکٹر صاحبؒ مطمئن نہیں ہو سکے اور اپنے موقف پر قائم رہے۔

یہاں یہ بات بتلانی ضروری ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ جمعیت کے مخالف نہیں تھے اور نہ جمعیت کی پالیسوں پر تنقید کرتے تھے، اس بات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپؒ نے اپنے اشکالات سے متعلق جو تحریر مولانا محمود میاں صاحب کو دی تھی اس کے شروع میں آپ نے تحریر فرمایا تھا:

''چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں براہِ مہربانی ان کو کسی مخالف کے اعتراضات پر محمول نہ کیجیے گا بلکہ یہ درحقیقت ایسے شخص کی طرف سے ہیں جو قلباً آپ کی جماعت کے ساتھ ہے اور عملاً بھی جہاں تک ہو سکے آپ ہی لوگوں کی جماعت کی تائید کرتا ہے، اپنے اطمینانِ خاطر کے لیے جرأت کی ہے اور آپ لوگوں کی شفقت کی اُمید پر بھی ایسا کیا ہے۔'' (غیر مطبوعہ تحریر، مرقومہ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء ص:۱)

ضروری نہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے ہر موقف سے اتفاق کیا جائے، بتلانا صرف یہ ہے کہ آپ میں یہ خوبی تھی کہ جو موقف حق سمجھ کر دلائل کے ساتھ اپناتے تھے اُس سے اُس وقت تک نہیں ہٹتے تھے جب تک کہ اس سے زیادہ وزنی دلائل نہ مل جائیں۔

☆ ڈاکٹر صاحبؒ اپنے اَکابر واَسلاف کے طریقہ کے مطابق جامع بین الشریعت والطریقت تھے پہلے آپ نے اپنے اُستاذِ مکرم حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ (م:۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی آپ کی وفات کے بعد حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ (م:۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) سے تعلق قائم کیا اور اجازت و

خلافت سے سرفراز کیے گئے لیکن آپ نے اپنی دینی وعلمی مصروفیات کی وجہ سے خود بیعت وارشاد کا سلسلہ قائم نہیں فرمایا۔

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کو کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو ڈاکٹر صاحبؒ اور آپ کے ساتھ ناچیز کو بلاتے اور ان سے مسئلہ معلوم کرتے۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ میں للّٰہیت اور خدا خوفی کا وصف بھی نمایاں تھا، کئی بار ایسا ہوا کہ ناچیز سے اَھوالِ قبر کے متعلق اپنے درد کا اظہار کیا اور روتے رہے ناچیز کے تسلی آمیز کلمات سے آپ کی دلداری ہوجاتی اور طبیعت پر سکون ہوجاتی۔

باوجودیکہ آپ شدید قسم کے رعشہ کی تکلیف میں مبتلا تھے آپ کو دیکھے سے دل دکھتا تھا لیکن جب تک ہمت نے ساتھ دیا مسجد میں جاکر نماز باجماعت ادا فرماتے رہے، جب بالکل معذور ہوگئے تو گھر میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا۔

حرمین شریفین کی حاضری کا بہت شوق تھا کئی بار حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی لیکن دل نہیں بھرا، وفات سے ایک سال پہلے اپنی اَہلیہ اور چھوٹے صاحبزادے عبیداللہ کے ساتھ عمرہ کرکے تشریف لائے یقین نہیں آتا تھا کہ آپ اس حالت میں اتنا طویل سفر کرسکیں گے۔

☆ ڈاکٹر صاحبؒ کے رعشہ کی تکلیف اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بار بار گردن دوسری طرف ڈھلک جاتی تھی اور آپ گرنے کے قریب ہوجاتے تھے، ڈاکٹر صاحبؒ کی اس تکلیف کو دیکھ کر یقین کرنا مشکل ہوتا تھا کہ اس حالت میں آپ پڑھا بھی لیتے ہوں گے اور تحریری کام بھی کرلیتے ہوں گے شاید یہ آپ کی کرامت تھی یا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل کہ آپ اس شدید تکلیف میں بھی یہ دونوں کام بخوبی انجام دے لیتے تھے۔

☆ پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ نے مدرسہ سے کبھی تنخواہ نہیں لی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ گورنمنٹ جاب کرتے تھے، ہمارے قریب ہی محکمہ اَوقاف کے تحت داتا دربار ہسپتال میں آپؒ بطور ڈاکٹر مقرر تھے اور مریضوں کو چیک کرکے نسخے لکھا کرتے تھے، ہسپتال سے جو مشاہرہ ملتا تھا اس سے اپنی ضروریات پوری فرمایا کرتے تھے، یہاں اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملازمت کے دوران ایک دفعہ ایسا موقع پیش آیا کہ ملازمت خطرے میں پڑ گئی لیکن آپ نے اس کی کوئی پروانہیں کی، قصہ یہ ہوا کہ آپ صبح کو مدرسہ جامعہ مدنیہ میں پڑھاتے تھے اور مدرسہ سے فارغ ہوکر دوسرے ٹائم ہسپتال جاتے تھے، ہسپتال والوں نے آپ کا ہسپتال آنے کا وقت بھی صبح کا کردیا جس سے آپ کو بہت دقت کا سامنا کرنا پڑا آپ نے وہاں کے اَحباب سے بات کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس پر آپ نے ملازمت چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا اور استعفاء لکھ کر بیگ میں ڈال لیا کہ ہسپتال والوں کو دے دوں گا لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اللہ کا کرم ہوا اور ہسپتال والوں نے آپ کا سابقہ ٹائم بحال کردیا۔

☆ آپؒ علی العموم امام بننے سے کتراتے تھے اور امامت کی غیر معمولی ذمہ داری کی وجہ سے امام نہیں بنتے تھے آپؒ

کے اس عمل کو دیکھ کر اَکابر میں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ (م:۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) کا عمل نظروں میں گھومنے لگتا ہے ہمارے شیخ ومرشد حضرت قاری شریف احمد صاحبؒ (م:۱۴۳۱ھ/۲۰۱۱ء) نے ایک دفعہ ذکر فرمایا تھا:

''حضرت مفتی صاحبؒ کے گھر کے سامنے جو مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھتے تھے اس کی صفائی خود کیا کرتے تھے لیکن آپ نماز نہیں پڑھاتے تھے جب مسجد جاتے تو دیکھ لیتے کہ امام صاحب ہیں یا نہیں؟ اگر امام صاحب ہوتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے کہ اگر ٹھہروں گا تو لوگ نماز پڑھانے کے لیے اصرار کریں گے۔''

☆ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا ہاتھ ماشاء اللہ بہت کھلا تھا مہمان نوازی کے ساتھ اِنفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی رکھتے تھے، اپنے اَحباب کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور انتہائی راز داری کے ساتھ ان کی مدد فرماتے، ایک دفعہ میرے ایک جاننے والے ساتھی کو اپنے والد کے آپریشن کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت تھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے سامنے تذکرہ ہوا تو آپ نے وہ رقم عنایت فرمادی، آپ اکثر اپنے اَحباب کو ہدایا سے بھی نوازتے تھے اندرون وبیرون ملک سے آنے والے علماء کی پرتکلف دعوت بھی فرماتے تھے ان دعوتوں میں ہمیں بھی اکثر شرکت کا موقع ملتا تھا۔

☆ باوجودیکہ آپؒ نے پہلے خود مغربی تعلیم حاصل کی بعد میں دین کی طرف متوجہ ہوئے لیکن اپنی ساری اَولاد کو دین کی طرف لگایا آپؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا عبداللہ باقاعدہ عالم ومفتی بنے، ماشاء اللہ وہ مدرسہ دارالتقوی میں تدریس وافتاء کا کام انجام دے رہے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی سب بچیوں کو قرآن کریم حفظ کروایا اور ان بچیوں کے رشتوں میں بھی دُنیا سے ہٹ کر دین کو مقدم رکھا اور دین دار جگہوں میں رشتے کیے۔

☆ راقم الحروف کا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے دیرینہ تعلق ہے جب تک آپ مدرسہ (جامعہ مدنیہ) میں رہے تقریبًا روزانہ ہی ملنا جلنا ہوتا تھا، داتا دربار ہسپتال جہاں آپ سروس (ملازمت) کرتے تھے وہ ہمارے مکتبہ اور گھر کے راستہ میں واقع ہے اکثر مکتبہ آتے جاتے آپ سے ملاقات ہوجاتی تھی، کبھی طبیعت کے بہانے اور کبھی کسی مسئلہ سے متعلق استفسار کے بہانے اور کبھی کسی کو ملانے کے بہانے اور کبھی ویسے ہی ملاقات کی غرض سے ڈاکٹر صاحبؒ کے پاس آنا ہوتا رہتا تھا، ڈاکٹر صاحبؒ بھی ناچیز اور اس کے بچوں سے بہت ہی شفقت وپیار کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ کی بڑائی تھی کہ اگر آپ کو کسی تقریب میں بلایا جاتا تو ضرور تشریف لاتے، مجھے یاد ہے ۲۰۱۵ء میں چھوٹے برخوردار علی کی شادی کے موقع پر ولیمہ میں تشریف لائے، ہم نے فرش پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا نظم کیا تھا اس پر آپ نے مسرت کا اظہار بھی فرمایا اور اسے سراہا بھی۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ شروع میں مکتبہ پر بھی تشریف لاتے تھے اور کافی کافی دیر تک مکتبہ پر ٹھہر کر کتابوں کو ملاحظہ فرماتے، ضرورت کی کتاب خرید بھی لیتے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے جب اپنی کتابیں شائع کرنی شروع کیں تو آپ کی کتاب ''اسلامی عقائد'' سب سے پہلے ہمارے مکتبہ ہی سے شائع ہوئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی کتابوں میں ایک کتاب ''فاضل بریلوی کے کردار ونظریات کا مختصر جائزہ'' کے نام سے ہے آپ نے یہ کتاب تحریر فرمائی تو راقم الحروف سے پوچھنے لگے کہ اس کا نام کیا رکھوں؟ ناچیز نے یہ نام تجویز کیا ''فاضل بریلوی کے کردار ونظریات کا مختصر جائزہ'' ڈاکٹر صاحبؒ نے پسند فرما کر یہی نام رکھ لیا اور مصنف کے طور پر کتاب کے ٹائٹل پر پروفیسر ابوعبید دہلوی لکھوا دیا یہ کتاب بھی ہمارے مکتبہ سے شائع ہوئی۔

ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے یہ لطیفہ سنایا:

''میرے پاس ہسپتال میں کچھ بریلوی حضرات آئے اور کہنے لگے ہمیں پتہ ہے پروفیسر ابوعبید کون ہیں؟ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں میں خاموش رہا۔ پھر ان حضرات نے کہا کہ آپ نے کتاب کا نام تو فاضلِ بریلوی رکھا ہے لیکن پوری کتاب میں کہیں بھول کر بھی یہ نام استعمال نہیں کیا۔''

ڈاکٹر صاحبؒ کا مزاج عام طور پر کتابوں پر تقریظ کا نہیں تھا لیکن ڈاکٹر صاحبؒ نے مہربانی فرماتے ہوئے راقم کے دو رسالوں پر تقریظ لکھ کر دی جو ناچیز نے اِن رسالوں کے ساتھ شائع کی، ایک رسالہ'' اَحکام الجنائز'' کے نام سے دوسرا ''مسجدِ محلّہ میں جماعتِ ثانیہ کا حکم'' کے نام سے۔

☆ علماءِ اہلِ حق میں ایک بہت بڑے محقق عالم گزرے ہیں حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ (م:۱۴۱۸ھ /۱۹۹۸ء) نے ہم پر کرم فرمایا کہ حضرت سے ڈاکٹر صاحبؒ کی معیت میں ایک کتاب پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس کی صورت یہ بنی کہ ۱۹۹۶ء کی بات ہے کہ ماہِ ذی الحجہ میں حضرت نعمانیؒ کراچی سے لاہور تشریف لائے اور عشرۂ ذی الحجہ میں حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کے یہاں قیام فرمایا، اِس موقع کو غنیمت جان کر حضرت مولانا سے استفادہ کا خیال دل میں آیا۔ حضرت سے عرض کیا تو آپ راضی ہوگئے اور اپنی آخری تصنیف ''**مکانة الامام ابی حنیفه فی الحدیث**'' کا سبق شروع فرمایا، اس سبق میں ڈاکٹر صاحبؒ بھی راقم الحروف کے ساتھ شریک ہوئے، حضرت مولانا نے چھ سات روز میں کتاب ختم کروادی، دورانِ سبق مولانا نعمانی مرحوم بڑی قیمتی باتیں ارشاد فرماتے تھے، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو مولانا نعمانی مرحوم سے باقاعدہ شرفِ تلمذ حاصل تھا آپ نے حضرت نعمانیؒ سے کراچی میں نخبۃ الفکر وغیرہ کتابیں بھی پڑھی تھیں۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ میں ایک خوبی یہ بھی پائی جاتی تھی کہ اتنے بڑے عالم اور مفتی اور مدرس ہونے کے باوجود غیر معمولی عاجزی اور تواضع اختیار فرماتے تھے، آپؒ کے کسی قول وفعل سے تعلی اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا مزاج میں سنجیدگی اور متانت ضرور تھی لیکن خشکی اور درشتی نہیں تھی، موقع بموقع مزاح بھی فرماتے تھے اس مزاح میں بھی کوئی نہ کوئی کام کی بات یا نصیحت ہوا کرتی تھی، کافی عرصہ پرانی بات ہے راقم الحروف اپنے برخوردار فہیم کو لے کر ڈاکٹر صاحبؒ کے کمرے

میں حاضر ہوا فہیم اُن دنوں قرآنِ کریم حفظ کر رہے تھے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فہیم سے پوچھا میاں کیا کر رہے ہو؟ راقم الحروف نے عرض کیا یہ حفظ کر رہے ہیں دُعا فرمائیں یہ دل لگا کر پڑھنے لگیں، ڈاکٹر صاحبؒ نے فہیم سے پوچھا کون سے پارے پر سبق ہے؟ فہیم نے بتلایا سورۃ الحدید پر سبق ہے، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اس میں ایک آیت ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاس، یہ آیت آپ کے لیے اُتری ہے، بھائی ڈنڈے پڑتے ہیں تو سبق یاد ہوتا ہے اور فائدہ ہوتا ہے لہٰذا دل لگا کر پڑھا کرو۔

بات بہت طویل ہوگئی سوچتا ہوں کون سی بات ذکر کی جائے کون سی چھوڑی جائے آپؒ کی سب ہی باتیں سبق آموز قابلِ تقلید اور قابلِ ذکر ہیں، سچی بات یہ ہے کہ آپؒ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے جو مدتوں بعد پیدا ہوا کرتی ہیں، اب آپؒ تو وہاں چلے گئے جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا لیکن اپنی کچھ یادیں چھوڑ گئے جن کی بنا پر ہمیشہ یاد آتے رہیں گے، حضرت سیّد نفیس شاہ صاحبؒ نے بجا فرمایا ہے: ع

بھولے ہیں نہ بھولیں گے نفیس اہلِ محبت
کچھ اَہل دل و اہل نظر یاد رہیں گے

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مساعی کو قبول و منظور فرمائیں، آخرت میں بلند درجات عطا فرمائیں، آپؒ کے اَخلاف کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بحرمة سيّد الانبياء والمرسلين وآلهٖ وصحبهٖ اَجمعين۔

.....☆☆☆.....

ایک رفیق درس

حضرت مولانا خالد محمود صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ جدید لاہور

سن ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ میں نے آٹھویں جماعت چھوڑ کر شوال المکرّم میں درس نظامی کے لیے جامعہ مدنیہ قدیم میں داخلہ لیا۔ چھ ماہ بعد ربیع الاول میں جامعہ مدنیہ چھوڑ کر اپنے آبائی علاقے اٹک میں فارسی پڑھی، اور پھر آئندہ سال شوال میں دوبارہ جامعہ میں داخلہ لیا اور پھر دورہ حدیث شریف تک جامعہ ہی سے تعلیم مکمل کی۔ اس سال (۱۹۷۴ء) میں میں نے قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ سے صرف ونحو، مولانا عبدالرشید کاشمیری رحمہ اللہ سے ''گلستان و بوستان'' اور حافظ نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ سے ''مالابدمنہ'' (فارسی) پڑھی، اس سے آئندہ سال (۱۹۷۵ء) جو کہ موجودہ اصطلاح میں ثانویہ عامہ سال دوم کہلاتا ہے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ہمارے شریک درس ہو گئے۔ اس سال ہماری کتابوں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی:

قدوری:	حافظ نذیر احمد صاحبؒ
کافیہ:	کاشمیری صاحب رحمہ اللہ
مرقات بعدہ شرح تہذیب بعدہ قطبی تصدیقات	قاری عبدالرشید صاحبؒ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ''ہدایۃ النحو'' پڑھ کر آئے تھے جبکہ میں نے ''ہدایۃ النحو'' چھوڑ کر ''کافیہ'' پڑھی۔ اس دور میں درجہ بندی نہیں تھی، مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ ہر طالب علم کے مناسب کتابیں تجویز کر دیتے تھے۔

مزید حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''مقامات'' کاشمیری صاحب رحمہ اللہ سے جب کہ میں نے ''نفحۃ العرب'' مولانا کریم اللہ صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ کی ترتیب:

شرح جامی	مولانا شریف اللہ خان صاحب سواتی
شرح وقایہ اولین بعدہ موطا امام محمد	کاشمیری صاحب رحمہ اللہ
قطبی تصورات بعدہ میر قطبی بعدہ ہدیہ سعیدیہ	قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ

اس سال حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''متنبّی''، مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ سے اور میں نے ''مقامات'' مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتہم سے پڑھی۔ ان دنوں میں اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ آپس میں اسباق کا

تکرار بھی کرتے تھے اور ہمیں پرانی نایاب کتابیں جمع کرنے کا شوق بھی تھا۔ اس سلسلے میں ہم کبھی کبھی اندرون لوہاری گیٹ مسجد پٹولیاں کے نزدیک ایک باباجی کے پاس جاتے تھے جو اس قسم کی کتابوں کا کاروبار کرتے تھے۔ اس سے اگلے سال حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بطور کیپٹن فوج میں چلے گئے، بھٹو کا دور تھا اور ہر ایم بی بی ایس کو دو سال فوج میں لگانا ضروری تھا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جہاں بھی گئے وہاں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد جامعہ میں آ کر پرانے سلسلے کو بحال کیا۔ ہمارے دورے کے سال میں ان کی ''مشکوٰۃ'' تھی، ہمارے دورے کے بعد جو کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دورے کا سال تھا ہمارے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تکمیل کی کچھ کتابیں تجویز کی تھیں، تو میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو مشورہ دیا کہ جامعہ میں کسی کتاب کے شروع ہونے کی شرط ہے کہ اس میں کم از کم تین طالب علم ہوں اور آئندہ ان کتابوں کا شروع ہونا مشکل نظر آ رہا ہے لہذا آپ بھی دورۂ حدیث کو ایک سال مؤخر کر کے ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ اسی وجہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے دورۂ حدیث ہم سے دو سال بعد کیا۔ تکمیل کی کتابوں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی:

حجۃ اللہ البالغہ	مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ
میر زاہد رسالہ قطبیہ	قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ
میر زاہد امور عامہ	قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ
میر زاہد جلال	غالباً مولانا مرزا گل صاحب رحمہ اللہ
شرح اشارات	مولانا مرزا گل صاحب رحمہ اللہ

اس سال میں نے ''بیضاوی شریف'' مولانا کریم اللہ صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی، جبکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس سے پہلے سالوں ہی میں ''بیضاوی شریف'' پڑھ چکے تھے۔

اب تک تو ہمارا تعلق رفیق درس کا تھا، دورے کے بعد میں نے جب میٹرک کا امتحان دیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ استادی شاگردی کا تعلق بھی ہو گیا، میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے میٹرک کی انگلش اور بیالوجی پڑھی، اس سے پہلے کچھ انگریزی اپنے رفیق درس مولانا عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا حامد میاں رحمہ اللہ سے بھی پڑھی تھی۔ ان دنوں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا تقرر بطور فزیشن داتا دربار ہسپتال میں تھا، ہسپتال کے سامنے ایک مسجد تھی میں مغرب کی نماز کے بعد وہاں پڑھنے جاتا تھا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ڈیوٹی سے فراغت کے بعد مجھے پڑھا کر گھر جاتے تھے۔ نیز ان دنوں ''صدرا'' اور ''عبقات'' (مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ) چونکہ ہم دونوں نے نہیں پڑھی تھی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان کا مطالعہ کرتے اور کبھی کبھی ہم کسی خاص مشکل جگہ کا تکرار بھی کرتے تھے۔ انہی دنوں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی اسلامی معاشیات پر تحقیق کے لیے جب کبھی اسٹیٹ بینک یا

دیگر مالیاتی اداروں کے افسران کے پاس جاتے تو میں بھی ساتھ ہوتا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد جامعہ مدنیہ ہی میں تدریس شروع کر دی تھی۔ میں کچھ عصری امتحانوں میں مشغولیت کی وجہ سے ان سے دو سال بعد جامعہ میں شعبہ تدریس سے منسلک ہوا۔ اس طرح ہم دونوں ۱۹۹۹ء تک تدریس میں بھی ہمسفر رہے، میں تو ۲۰۰۰ء میں جامعہ مدنیہ جدید منتقل ہو گیا اس دوران غالباً ۲۰۰۵ء کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی اتوار اتوار جامعہ مدنیہ جدید میں ''ترمذی شریف'' کی جلد ثانی کی تدریس کے لیے دو سال تک آتے رہے۔ بعد میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ مدنیہ قدیم بھی چھوڑ دیا اور الہلال مسجد منتقل ہو گئے۔ جس کی تفصیل دوسرے حضرات کے مضامین میں مل سکتی ہے۔

.....☆☆☆.....

چالیس سالہ رفیق

حضرت مولانا عثمان صاحب دامت برکاتہم
استاذ الحدیث ورکن شوریٰ جامعہ دارالتقویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیمی رفاقت

پہلے سال ۷۵ء میں جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ پڑھنے آئے تھے تو ''شرح جامی'' تک پڑھ کر آئے تھے کیونکہ ''شرح جامی'' میں ہمارے استاد تھے حضرت مولانا غازی شاہ صاحب، ان کے زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ہونا یاد نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارا اکٹھے پڑھنا ہوا۔ ہمارے اساتذہ کرام میں حضرت مفتی عبدالحمید سیتاپوری صاحب کو علمی کتابوں کا اور پڑھنے پڑھانے کا بہت شوق تھا، خاص طور پر وہ کتابیں جو عام مدارس میں نہیں پڑھائی جاتیں اور مروجہ نہیں ہیں حضرت رحمہ اللہ وہ کتابیں بھی پڑھاتے، ہماری جماعت میں ہم سات آٹھ ساتھی تھے ان میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئے تھے، ہماری جماعت کو انہوں نے وہ ساری کتابیں پڑھائیں جو عام مدارس میں نہیں پڑھائی جاتیں، ان میں ''قاضی مبارک''، ''خیالی''، ''میر قطبی''، ''میر زاہد''، ''ملا جلال''، ''میر زاہد شرح مواقف''، ''میر زاہد امور عامہ''، ''شرح چغمینی''، ''نفیسی'' طب میں، ''شرح عقائد جلالی'' اور اسی طرح ''حجۃ اللہ البالغہ'' اور اس کے علاوہ بہت ساری کتابیں انہوں نے ہمیں پڑھائیں۔ صرف حجۃ اللہ البالغہ اور شرح عقائد جلالی یہ دورے کے بعد اور باقی ساری کتابیں دورے سے پہلے پڑھائیں اور اضافی اوقات میں نہیں، مدرسہ کے اوقات میں پڑھائیں۔

تکمیل کا عنوان دورۂ حدیث کے بعد ایک سال کے لئے تھا۔ یہ دورۂ حدیث سے پہلے کی بات ہے۔ اسی لئے ہمارا نصاب دورۂ حدیث سمیت بارہ سال میں مکمل ہوا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے 75ء میں جامعہ مدنیہ میں پڑھنا شروع کیا، 81ء میں فراغت ہوئی اور 82ء میں تکمیل کی۔

پورے جامعہ مدنیہ کا نصاب ایسا نہیں تھا لیکن یہ اختیاری تھا کہ ایک سال الگ آپ مزید پڑھنا چاہتے ہیں تو پڑھ

لیں۔ ہماری جماعت کو ایک سال الگ مزید پڑھایا تھا۔ اور یہ کتابیں سب طلباء نے نہیں پڑھیں صرف ہماری جماعت نے پڑھیں تھیں۔

اصل میں بات یہ ہے کہ وفاق کا نصاب جس میں اولیٰ، ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ وغیرہ ہیں یہ اس زمانے میں نہیں تھا، بس یہ تھا کہ یہ جامی والا سال ہے یہ فلاں کتاب والا سال ہے۔ اس سال کے اندر جو بھی کتابیں شامل کر دیتے تھے وہ ساری پڑھائی جاتی تھیں۔ مولانا حامد میاں صاحب فرماتے تھے کہ جو آدمی قاضی نہیں پڑھتا میرے نزدیک وہ مدرس بننے کا اہل نہیں ہے۔ اس لئے ان کے شوق سے اور یہ کہ ہم ان کے ہاتھوں میں تھے اس لئے ہم نے سب کچھ پڑھا اور اس دوران ڈاکٹر صاحب کے ساتھ خاص طور پر ہمارا اکٹھے پڑھنا ہوا۔

قراءات سبعہ میں رفاقت

اسی طرح پڑھائی کے دوران ہمیں شوق ہوا کہ ہم سبعہ عشرہ کریں تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اور میں نے اکٹھے ہی سبعہ عشرہ پڑھی۔ ایک سال میں سبعہ پڑھی اور ایک سال میں عشرہ پڑھی۔ قاری عبدالرحمٰن ڈیروی صاحب رحمہ اللہ ہمارے استاد بھائی بھی تھے، کیونکہ وہ شاگرد تھے قاری اظہار صاحب کے، میں بھی ان کا (قاری اظہار صاحب کا) تجوید میں شاگرد تھا لیکن جب سبعہ عشرہ پڑھنے کی باری آئی تو ہم نے ان (قاری عبدالرحمٰن ڈیروی) سے پڑھی۔ قاری شریف صاحب رحمہ اللہ جو دارالقراء B بلاک ماڈل ٹاؤن کے بانی تھے، سبعہ کا امتحان ان کو دیا تھا اور عشرہ کا امتحان قاری عطاء اللہ صاحب (دیہان شاہ والوں) کو دیا تھا۔

قاری ادریس صاحب سے میں نے نہیں پڑھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ان سے تجوید پڑھی تھی۔ ہم اکثر مدرسہ میں بھی تکرار کرتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے گھر میں بھی جا کر تکرار کرتے تھے۔ پھر ہم نے سوچا کہ کوئی جگہ تکرار کے لئے طے کریں تو لوئر مال تھانے کی مسجد بھی ایک دو سال ہمارے تکرار کا مرکز رہی۔ دو تین سال میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس دربار ہسپتال میں بھی جاتا رہا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ڈیوٹی شام کو ہوتی تھی۔ باقی ڈاکٹرز صبح کی ڈیوٹی لگواتے تھے کیونکہ شام کو وہ اپنا کلینک چلاتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے کہ میری شام کی ڈیوٹی لگائیں کیونکہ صبح کو میں نے پڑھنا ہوتا ہے۔ اس طرح ہم اکٹھے پڑھتے رہتے تھے اس طرح ہمارا وقت گزرتا۔

جامعہ مدنیہ میں جب تک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ رہے اور سبعہ عشرہ چلتی رہی اس کا امتحان حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ذمے ہی تھا۔

چالیس سالہ رفاقت

الحمدللہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ہماری رفاقت چالیس سال تو کم از کم رہی ۷۵ء سے ۸۱ء تک

پڑھنے کے زمانے میں اور پڑھانے کے زمانے میں بھی ہم اکٹھے رہے۔فراغت کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اور میں نے اکٹھے ہی مفتی عبدالحمید صاحب سے فتوی سے متعلق پڑھنا شروع کیا۔اس میں ہم حجۃ اللہ البالغہ بھی پڑھتے تھے،موافقات بھی کچھ پڑھی اور ہمارے ذمے لگا کہ ہم اس کا ترجمہ کریں۔شامی کی تیسری جلد ہم نے سبقاً حضرت مفتی صاحب سے پڑھی،خاص طور پر وقف کا سارا حصہ پڑھا۔اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ماشاءاللہ یکسو تھے اور انہوں نے اپنا ذہن بنا لیا تھا کہ میں نے فتوے کا کام ہی کرنا ہے اور میں (مولانا عثمان صاحب) منتشر تھا،تبلیغ کا کام بھی،کچھ فتوے کا کام بھی،تو میں سوچتا کہ کیا کروں تو یہ اندازہ ہوا کہ جب تک فتوے کے کام کو پوری توجہ نہ دی جائے اور آدمی پورا وقت اور تن،من،دھن سارا کچھ اس فتوے کے کام کو نہ دے تو فتوے کا کام نہیں ہوسکتا اس لئے میں نے درمیان میں چھوڑ دیا۔پھر میں ایک سال کیلئے تبلیغ میں چلا گیا،اس کے بعد باقاعدہ فتویٰ کے کام سے تعلق نہیں رہا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تعلق لحاظ کا تھا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ہمارا تعلق لحاظ کا تھا۔ایک تو یہ کہ جو بات بھی میں عرض کرتا تھا اس کو کسی نہ کسی انداز میں (ڈاکٹر صاحب) مان لیتے تھے۔جب جامعہ مدنیہ (قدیم) میں مولانا حامد میاں صاحب کا انتقال ہوگیا اس کے بعد مولانا رشید میاں صاحب کا اہتمام آیا،ان کا مزاج تھوڑا مختلف تھا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا اور ان کا مزاج آپس میں نہ مل سکا،ڈاکٹر صاحب نے یہ سوچا کہ میں جامعہ مدنیہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں۔ان کا ارادہ راولپنڈی کا تھا وہاں ایک ادارے نے ان کو دعوت دی تھی۔میں نے درخواست کی کہ آپ نے جانا ہی ہے تو چوبرجی میں ہم باقاعدہ ادارہ بناتے ہیں،اس وقت دارالافتاء چوبرجی میں نہیں تھا،حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مشورے کے بعد فرمایا کہ ٹھیک ہے میں یہاں آجاتا ہوں۔پھر ہم نے باہمی اتفاق سے چوبرجی پارک کی الہلال مسجد کے ایک کمرے میں (جواب نہیں رہا) دارالافتاء شروع کیا اس میں مفتی رفیق صاحب سب سے پہلے ہمارے ساتھی بنے ان کے بعد باقی اور ساتھی الحمدللہ جڑتے گئے۔اس کے بعد سے آخری وقت تک الحمدللہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہمارے ساتھ ہی رہے۔

جو مسائل آتے تھے ان میں ہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے یہ درخواست کرتے تھے کہ ایک تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مسئلہ بتائیں اور ایک یہ ہے کہ کسی آدمی کی کوئی مشکل ہے ہم اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے جواز کی کوئی متبادل صورت سائل کو بتائیں۔الحمدللہ کسی حد تک ہم اس میں کامیاب بھی رہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۳ء کے آخر تک مدنیہ میں رہے۔تقریباً بیس سال جامعہ مدنیہ میں پڑھانے کے دوران اور اس سے پہلے چھ،سات سال پڑھنے کے دوران ہمارا تعلق رہا اور کبھی آپس میں ناچاقی والی بات یا ناراضگی والی بات الحمدللہ نہیں ہوئی۔کچھ میں بھی ان کے مزاج کی رعایت کرتا تھا اور وہ بھی میرے مزاج کی رعایت کرتے تھے۔

فتویٰ کی مضبوطی اور تصلب

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ماشاء اللہ فتوے کے معاملے میں متصلب تھے اور اس میں رعایت نہیں کرتے تھے جس چیز کو حق سمجھتے تھے اسی کو بیان کرتے تھے اور اس میں موجودہ دور کے مفتی حضرات سے ان کا اختلاف بھی ہوتا تھا اور آخر تک رہا لیکن دوسرے حضرات اختلاف رائے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی رائے کی مضبوطی کے معترف تھے کہ ان کی دلیل اور رائے کی بنیاد مضبوط ہے۔

اسی طرح دارالافتاء میں کئی دفعہ مسائل پیش آتے رہے اور ہماری طرف سے کئی دفعہ یہ بات آتی رہی کہ ان حضرات کو رجوع کرنا چاہئے۔ اسی طرح ہمارے اہلِ شوریٰ میں بھی یہ بات آتی رہی کہ ڈاکٹر صاحب فلاں فلاں چیز میں سخت ہیں تو ہم نے کہا کہ ان کی سختی دلیل کی بنیاد پر ہے یا تو ہم اس دلیل کا جواب دیں اگر ہمارے پاس جواب نہیں ہے تو ہم اس دلیل کے خلاف بات نہیں کر سکتے وہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ باقی مفتی حضرات نے اس میں گنجائش دی ہے، ڈاکٹر صاحب نے نہیں دی تو کوئی بات نہیں۔

میرے متعلق ایک بات یہ پیش آئی تھی کہ کمپنیاں (خریدار کو) قرعہ اندازی کے ذریعے انعام دیتی ہیں اس میں ایک دفعہ ہماری گاڑی (SUZUKI) نکل آئی ہم نے کمپنی سے چیز خریدتے وقت پورے پیسے دے کر چیز خریدی تھی اور چیز بھی متعین تھی، بعد میں جتنے لوگوں نے ہم سے چیزیں خریدی تھیں ان پر کمپنی والوں نے اپنی طرف سے انعام دیا تھا۔ باقی سارے مفتی حضرات کی طرف سے اجازت تھی کہ ٹھیک ہے، گاڑی لے سکتے ہیں لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا مؤقف یہ تھا کہ جائز نہیں ہے ہم نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بات پر عمل کیا اور گاڑی چھوڑ دی۔ پھر انہوں نے (کمپنی والوں نے) ہمیں کہا کہ آپ عمرے کا ٹکٹ لے لیں تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ بات تو ایک ہی ہے عمرے کا ٹکٹ لیں یا گاڑی لیں، بنیاد تو ایک ہی ہے۔ چنانچہ الحمدللہ ٹکٹ بھی نہیں لیا۔ ہمارا طریقہ یہ نہیں تھا کہ کس کا فتویٰ ہماری رائے کے مطابق ہے کہ ہم اس پر عمل کریں بلکہ ہم اپنی رائے کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے فتوے کے تابع کرتے تھے اور الحمدللہ ہم ڈاکٹر صاحب کے فتوے ہی کو مانتے تھے حتی کہ پاکستان کے بڑے بڑے دارالافتاؤں کے فتوے بھی ہمارے سامنے ہوتے تھے لیکن ہم ان کے فتووں کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے فتوے پر ترجیح نہیں دیتے تھے کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی رائے تقوے کی بنیاد پر ہے اور دلیل کی بنیاد پر ہے۔ دوسرے لوگ دلیل سے اس کا جواب دیں اور ان کی دلیل راجح ہو جائے تو ٹھیک ہے اگر نہیں تو ہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بات کو لیں گے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ معاملہ فہم آدمی تھے

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے انتظامی معاملات میں کبھی اختلافِ رائے بھی ہوتا تھا لیکن کبھی بھی ایسا اختلافِ

رائے نہیں ہوا کہ جس کا حل نہ ہوا ہو۔ جو بھی مسئلہ پیش آیا اگر اجتماعی طور پر اس کا کوئی حل نہ ہوتا تو ہم آپس میں بیٹھ کر اس کو حل کر لیتے۔ کبھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی بات چھوڑ دیتے تھے اور کبھی ہم اپنی بات چھوڑ دیتے تھے کیونکہ صلح کرنے کیلئے یہ تو کرنا پڑتا ہے کہ ایک آدمی کو اپنی بات چھوڑنی پڑتی ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کی طبیعت میں ایسی کوئی ضد تھی یا ہماری طبیعت میں کوئی ضد تھی، اصل یہ تھا کہ ہم نے اکٹھے چلنا ہے اور اس کے لئے ہمیں کسی چیز کو چھوڑنا پڑے تو ہم چھوڑ دیں گے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ماشاء اللہ بہت معاملہ فہم آدمی تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور تبلیغی کام

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تبلیغی جماعت کے بارے میں اکثر میری بات ہوتی رہتی تھی، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے تبلیغ میں مختلف اوقات لگائے، دس دن بھی لگائے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں جس کام کو کرتا ہوں تو اس کو پھر پورے طور پر لیتا ہوں، ایسا نہیں کرتا کہ تھوڑا اِدھر سے کیا تھوڑا اُدھر سے کیا، میں نے چونکہ فتوے کا کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے اگر میں تبلیغ میں جاتا ہوں تو میرے اس کام میں حرج ہوگا اور میں اس کام میں حرج نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں نے اس کو اپنا مقصد بنایا ہے اور میں اس میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ اس لحاظ سے الحمدللہ وہ اس فتوے کے کام میں لگے رہے اور باقی تبلیغ کے وہ موافق تھے بلکہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں تو جو باتیں کہتا ہوں وہ اس لئے کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی اس پر اعتراض کرے تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ خاص طور پر یہ جو مسئلہ تھا کہ تبلیغ میں اکٹھا سال کیلئے جانے کا حکم کیا ہے؟ اگر ایک آدمی مجھ سے آکر اس کی دلیل پوچھتا ہے تو میرے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ میں مفتی ہوں جواب تو میرے پاس ہونا چاہئے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب تبلیغ کے مخالف نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی (بچیوں کی) شادیاں تبلیغ والوں میں کیں داماد ان کے سارے تبلیغ والے ہیں۔ اور ہمارے رائیونڈ کے بزرگ حضرات حاجی عبدالوہاب صاحب رحمہ اللہ، مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ وغیرہ یہ سارے حضرات، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا بڑا احترام کرتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ حاجی صاحب سے میں نے خود کئی دفعہ براہِ راست یہ بات سنی کہ ماشاء اللہ وہ (ڈاکٹر صاحب) بہت احتیاط والے آدمی ہیں۔ ہمارے رائیونڈ والے حضرات مسائل کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ ایسے مفتی حضرات جن کا مفتی بننے کے بعد دارالافتاء سے زیادہ تعلق نہیں رہا، ان کی بات کو مسائل کے معاملے میں نہیں لیتے تھے بلکہ وہ مفتی حضرات جو دارالافتاء سے منسلک ہیں اور باقاعدہ افتاء کا کام کر رہے ہیں ان کی بات کو لیتے تھے۔ اور الحمدللہ رائیونڈ میں جب مسائل پیش آتے تھے تو وہ دارالافتاء جامعہ مدنیہ سے رجوع کرتے تھے یا جامعہ اشرفیہ سے۔ پہلے مفتی جمیل صاحب رحمہ اللہ تھے ان سے رجوع کرتے تھے ان کے مسائل پر ہمارے سارے حضرات کا اتفاق تھا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد کوئی ایسے مفتی حضرات نہیں رہے جن کی بات پر سب کو اتفاق ہو اس لئے مختلف آراء ہوتی تھیں، جامعہ اشرفیہ والوں کی الگ ہوتی تھی اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی الگ ہوتی تھی۔ حضرت ڈاکٹر

صاحب رحمہ اللہ کی بات کو احتیاط کی وجہ سے اور تقویٰ کی وجہ سے ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ شروع سے باوقار سنجیدہ آدمی تھے۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا مزاج شروع سے آخر تک ایک ہی جیسا رہا۔یعنی الحمد للہ ترقی تو ہوتی رہی لیکن شروع میں بھی لاابالی پن، کھلنڈرا پن یا وقت کا ضائع کرنا یہ چیز الحمد للہ ہم نے کبھی ان میں نہیں دیکھیں، ہمیشہ وقت کا اہتمام رہا، اپنے اسباق میں پابندی سے پہنچتے رہے۔ اپنی سرکاری ذمہ داری کے باوجود کبھی بھی اپنے اسباق کا ناغہ نہیں کیا، نہ پڑھنے کے دوران، نہ پڑھانے کے دوران۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور وضع داری

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا اکرام کا جذبہ بہت زیادہ تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے ان کے گھر کی چائے جتنی میں نے پی ہے شاید کسی نے نہ پی ہو، کیونکہ مستقل ان کے ہاں جاتا تھا گھر میں تکرار کرتے تھے تو چائے لازمی تھی۔گھر کے اوپر کے پورشن میں بیٹھتے تھے۔ڈاکٹر صاحب چائے کا تھرموس مستقل ساتھ لاتے تھے اس میں میرا حصہ بھی لازمی ہوتا تھا اور بڑی اچھی چائے ہوتی تھی۔ پتی تیز نہیں ہوتی تھی ہاں دودھ کم ہوتا تھا اور پانی زیادہ ہوتا تھا۔

ہمارے استاد قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ مارنے میں معروف تھے لیکن ڈاکٹر صاحب کو پڑھائی کے دوران مار نہیں پڑی۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ چونکہ بڑی عمر میں آئے تھے غالباً شادی شدہ تھے اور ان کا مزاج بھی شروع سے پڑھنے کا تھا اس لئے غالبا کبھی ایسی صورت پیش نہیں آئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ دور اندیش آدمی تھے

دینی تحریکات کے سلسلے میں بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت میں احتیاط اور معاملہ فہمی کا پہلو بہت تھا چنانچہ ایک دفعہ اسامہ بن لادن کی طرف سے ایک خط پورے پاکستان کے علماء کے نام آیا جس میں انہوں نے اپنی تحریک کی تفصیلات لکھیں اور کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ معاہدہ کریں کہ آپ لوگ اس تحریک میں میرا ساتھ دیں گے۔علماء نے بلاتکلف دستخط کرنے شروع کر دیئے۔وہ خط ہمارے جامعہ مدنیہ میں بھی آیا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس پر دستخط نہیں کیے، میں نے پوچھا کہ آپ نے دستخط کیوں نہیں کئے؟ انہوں نے فرمایا کہ: خط میں لکھا ہے کہ میں جو جو کام کروں گا اس میں آپ میرا ساتھ دیں گے۔معلوم نہیں وہ کیا کام کریں گے، اور پھر ہم ان کے کام میں ان کا ساتھ دے سکیں یا نہ دے سکیں، اور ان کی ہر بات پہ ہمارا اور ان کا متفق ہو جانا ضروری نہیں۔اس لئے اگر میں دستخط کر دوں گا تو میں اس کا پابند ہو جاؤں گا اس لئے میں دستخط نہیں کروں گا۔اس پر اچھا خاصا شور بھی مچا کہ ڈاکٹر صاحب نے دستخط نہیں کئے۔پھر میں نے بھی نہیں کئے اور مجھے یہ بات اچھی لگی کیونکہ جب بندہ دستخط کر لیتا ہے تو وہ پابند ہو جاتا ہے کہ ہر لحاظ سے ان کا ساتھ دے گا اور پھر وہ پابندی کر نہیں سکتا۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو ٹی وی پر آنے کی پیش کش

ایک دفعہ پاکستان ٹی وی کی طرف سے یہ پیشکش آئی کہ آپ ہمیں کوئی ایسا مفتی دیں جو روزانہ ایک گھنٹہ دیا کرے، ہم ٹی وی پر ان کے لئے ایک گھنٹہ رکھیں گے جس میں لوگ سوال کریں گے یہ جواب دیں گے۔ تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو آپ نے منع کر دیا کہ ہم نہیں دیں گے اور کہا کہ ٹی وی پر آنا میرے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہ صرف ان کا اپنا کھیل ہے، اپنے مفاد کے لئے یہ کرتے ہیں، ان کو دین سے کوئی غرض نہیں ہے، یہ آج ہمیں بٹھائیں گے کل کسی اور کو بٹھا دیں گے۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ لوگوں نے تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ دینی پروگرام فلاں وقت پر لگتا ہے، ان کو کیا غرض کہ کون بول رہا ہے۔

.....☆☆☆.....

معاصرین کی نظر میں

حُجّۃ اللہ فی الارض

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم العالیہ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

۲۲ جون ۲۰۱۹ء کو لاہور میں دور حاضر کے ایک بڑے محقق عالم دین، بقیۃ السلف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپؒ کا شمار ملک کے چوٹی کے محقق مفتیان میں ہوتا تھا۔ آپؒ کے فتویٰ کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا اور اس دور کے مفتیان آپ کے فتویٰ کو حجت کا مقام دیتے تھے۔

آپؒ کا بیعت کا تعلق حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب سے تھا جو آپؒ کے استاد بھی تھے۔ ان کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی صاحب رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور آپ سے خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپؒ دو درجن سے زائد کتب و رسائل کے مصنف تھے۔ آپؒ کے قیمتی، علمی مضامین اس کے علاوہ ہیں۔ تفسیر ''فہم قرآن'' آپ نے چار جلدوں اور ''فہم حدیث'' تین جلدوں، ''مسائل بہشتی زیور'' دو جلدوں میں لکھی۔ آپؒ کے ۴۱ مضامین کا مجموعہ ''فقہی مضامین'' کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ اس دور کے متجددین کے خلاف آپؒ کا قلم درۂ عمر کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت قبلہ مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے احقاق حق و ابطال باطل کے لیے ایسے طور پر اپنی بارگاہ میں قبول کیا کہ وہ بلا خوف لومۃ لائم ہر باطل کے خلاف ننگی تلوار بن جاتے تھے۔ لیکن اس تمام تحقیق و تدقیق، دلائل، اثبات و ابطال میں ہمیشہ عالمانہ شان برقرار رہتی۔ آپؒ کا قلم کسی کی تردید میں بھی دل آزار و عامیانہ انداز اختیار نہ کرتا۔ آپؒ دلائل سے قائل کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے جن کے متعلق بھی قلم اٹھایا وہ آپؒ کے دلائل کی معقولیت اور وزن کے قائل ہوئے۔ ان کی تائید و تردید سب خلوص کا پرتو لیے ہوتی تھی۔ آپؒ کے مخالف بھی آپؒ کے اس وصف کے مداح نظر آتے ہیں۔

آپؒ نے تقریباً پینتیس سال فتویٰ نویسی میں گذارے۔ اس وقت آپؒ عدیم النظیر محقق شمار ہوتے تھے اور اہل علم حضرات کی نظر میں وقیع درجہ پر آپؒ فائز تھے۔ آپؒ کے شاگرد مفتی شعیب احمد صاحب کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت چوبرجی یونٹ کی ذمہ داری تفویض ہوئی تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اسے سعادت کی بات قرار دیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مرزا قادیانی اور بہائی فرقہ کے خلاف بھی جاندار علمی مضامین تحریر کیے۔ فقہ حنفی کی آڑ میں تحفظ ناموس رسالت

قانون میں تبدیلی کی کوششوں کے سامنے آپؒ کے قلم ترجمان حق نے بند باندھا۔ اس موضوع پر آپ کے رشحات قلم نے غامدی، متجددین وملحدین پر اوس ڈال دی۔ اس موضوع پر آپؒ کا مقالہ مطبوعہ عام مل جاتا ہے۔ مولانا مفتی شعیب احمد صاحب کی روایت کے مطابق عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی شائع کردہ ساٹھ جلدوں پر مشتمل ''احتساب قادیانیت'' کے سیٹ کو ادارہ کے لیے مہیا کرنے کا حکم دیا۔ جس کی تعمیل ہوئی۔ فقیر اپنے لیے یہ اعزاز کی بات سمجھتا ہے کہ آپؒ ایسے حجۃ اللہ شخص نے ''چمنستان ختم نبوت کے گلہائے رنگارنگ'' کو مسلسل زیر مطالعہ رکھا اور بسا اوقات اس کو پڑھوا کر سنتے بھی تھے۔

۲۲ جون کو وصال فرمایا۔ غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ کے احاطہ قبرستان میانی شریف میں رحمت حق کے سپرد ہوئے۔ حق تعالیٰ اپنے شایان شان رحمت سے ان کی مزار مقدس کو شرابور فرمائیں اور ان کے شاگردوں کو ان کے جادۂ حق پر چلنے کی توفیق رفیق فرمائیں۔ آمین!

.....☆☆☆.....

مشفق کرم فرما

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم
مفتی، استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

مکرمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت ڈاکٹر مولانا عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ میرے مشفق کرم فرما تھے۔ ان کی بیماری اور پھر انتقال کا بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائیں، ان کی لغزشیں معاف فرمائیں اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

احقر کو ان کی خدمت میں رہنے یا معیت میں وقت گذارنے کا شرف حاصل نہ ہوسکا اس لیے ان کی صفات حسنہ سے کما حقہ واقف نہ ہوسکا البتہ ہمیشہ ان کا احترام کرتا رہا اور اب ان کے لیے دعا گو ہوں۔ والسلام

۲۸ ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ

.....☆☆☆.....

جامع ترین شخصیت

حضرت مولانا مفتی محمد صاحب مدظلہ العالی
رئیس دارالافتاء جامعۃ الرشید کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ان علماء ربانیین میں سے تھے جو اپنی زندگی کے شب و روز خدمت دین کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور یکسوئی اور انہماک سے دین کے مختلف شعبوں میں متنوع خدمات کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جامع ترین شخصیات کا کردار ادا کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ باقاعدہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بھی تھے، ایم بی بی ایس کے بعد انہوں نے باقاعدہ مکمل درس نظامی پڑھا، تخصص کیا اور فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس کے ساتھ ساتھ میڈیکل کی پریکٹس بھی جاری رکھی۔ قریب قریب تیس سال کا عرصہ انہوں نے دونوں میدانوں میں امت مسلمہ اور انسانیت کے لیے عظیم الشان خدمات انجام دیں۔

تدریس کے علاوہ فقہ و افتاء ان کا خاص ذوق تھا، اور چونکہ عصری تعلیم کے حامل بھی تھے اور مدارس کے علاوہ کالج یونیورسٹی کے ماحول سے بھی خوب آشنا تھے، اس لیے انہوں نے عصری تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے ''فہم دین'' کے نام سے شارٹ کورسز مرتب فرما کر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے حصول علم دین کو آسان بنایا۔

مختلف فقہی موضوعات پر ان کے سینکڑوں مضامین اور درجنوں کتب اہل علم سے داد و تحسین پا چکی ہیں، اس کے علاوہ گمراہ فرقوں کی پھیلائی گئی فکری و نظریاتی گمراہیوں کی تردید کے لیے بھی ان کا قلم سیف بے نیام کی طرح چلتا رہا اور مجموعی طور پر تیس سے زائد چھوٹی بڑی کتب کا ذخیرہ چھوڑا۔

بعض فقہی مسائل میں اور تردید باطل کے انداز میں بعض اہل علم کو اختلاف ہوسکتا ہے مگر انہوں نے جو حق سمجھا اس کا اظہار کرنے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کی۔ سینکڑوں، ہزاروں علماء و عوام نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تصانیف کے علاوہ سینکڑوں علماء اور شاگردوں کی صورت میں صدقات جاریہ چھوڑ کر اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت کی خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، امت مسلمہ کے لیے نافع بنائیں اور ان کے صدقات جاریہ کا فیض جاری و ساری رہے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید الانبیاء و المرسلین

.....☆☆☆.....

گہری فقہی بصیرت

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہ
جامعہ خلفائے راشدین کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیه و الصلاة علی نبیه. أما بعد!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی مروی ہے:

انما کان الناس کابل مائة لا تکاد تجد فیها راحلة. (مسند احمد، رقم الحدیث: ۵۳۸۷، ۹/۲۸۶، ط مؤسسة الرسالة)

ترجمہ: لوگ تو اونٹوں کے گلے کی طرح ہیں جن میں سو میں سے بمشکل ایک سواری کے قابل ہوتے ہیں۔

موجودہ زمانہ قحط الرجال کا زمانہ ہے، عوام الناس کی دینی اور دنیاوی دونوں ہی حالتیں روز بروز خرابیوں، بیماریوں اور گمراہیوں کا شکار ہیں اور ان کی خرابیوں کی درستگی، بیماریوں کے علاج اور گمراہی میں سیدھا راستہ دکھانے والوں کی تعداد نہایت کم ہوتی جارہی ہے، امتِ مسلمہ پیاسی ہے اور اس کو جہاں اپنی پیاس کا احساس نہیں وہیں اس کی پیاس بجھانے والے بھی مفقود ہوتے جارہے ہیں، امت مسلمہ نت نئے فتنوں کے طوفان اور سیلاب میں بہی چلی جارہی ہے لیکن اس امت کی اس کشتی کو فتنوں کی طوفانی موجوں سے نکالنے والے ناخدا میسر نہیں، جو ایک جانب ان طوفانی لہروں کا مقابلہ کریں اور دوسری جانب طوفان میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ایسے محفوظ مقام پر بھی لائیں جہاں ان کا دین وایمان محفوظ ہوسکے..... اس دگرگوں صورت حال کے ساتھ ساتھ قربِ قیامت کی علامات میں سے اہم علامت ''علمائے کرام کے اٹھتے جانے کی صورت میں علم کا اٹھ جانا'' بھی روز بروز وقوع پذیر ہوتا جارہا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوساً جهالاً فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا و أضلوا. متفق علیه (مشکاة، کتاب العلم: ۱/۳۳، ط: قدیمی)

ترجمہ: بیشک اللہ اس علم کو واپس نہیں لیں گے ایسے کہ اسے بندوں سے کھینچ لیں۔ بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ علماء کو اٹھالیں گے یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے جو بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ایک بزرگ کے حادثۂ رحلت کے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے ہوتے کہ نئے زخم لگ جاتے ہیں، ایک غم سے ابھی تسلی نہیں ہو پاتی کہ اس سے بڑھ کر غم برداشت کرنا پڑ جاتا ہے، ایک صاحبِ علم کے نقصان کی تلافی نہیں ہوئی ہوتی کہ اس سے بڑھ کر نقصان سر پر آ جاتا ہے.....ایسی صورت حال میں اس ارشاد نبوی سے ذرا حوصلہ مل جاتا ہے کہ:

عن ثوبان رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لا تزال طائفة من أمتی ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتی أمر الله و هم كذلک. (صحيح مسلم: ۱۴۳/۲، ط: قديمی)

ترجمہ: میری امت میں سے ایک بڑی جماعت حق پر جمی رہے گی اور جو ان کو چھوڑے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حالت میں رہیں گے۔

یعنی حق پر جمے رہنے والی جماعت کا قیامت تک موجود رہنا اٹل ہے، لہذا فتنوں سے بچاؤ اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس قافلۂ اہلِ حق کے دامن کو تھاما جائے اور ان سے وابستگی کو حرزِ جاں بنا لیا جائے۔

ہمارے انتہائی قابل قدر دوست جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہماری نظر میں اسی قافلۂ اہلِ حق کے ایک سرخیل تھے جو کہ مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کا مصداق و مظہر تھے، یعنی علمی اعتبار سے قحط الرجال کے اس دور میں اپنی ذات میں ایک مکمل جماعت تھے، جنہوں نے اپنی تحریرات، تصنیفات اور فتاویٰ کی صورت میں ایک پوری جماعت جیسے کام کے ذریعے امتِ مسلمہ اور شائقین علوم نبویہ کی علمی پیاس بجھائی اور انہوں نے کسی ''لومۃ لائم'' کی پروا کیے بغیر اپنی زندگی کو قانونِ خداوندی کی ترویج و اشاعت اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے میں لگایا ہوا تھا جس پر ان کی کئی ایک تصانیف بھی شاہد ہیں۔

مشہور تابعی امام مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

لأن أفتی يوماً بعدل و حق أحب الیّ من أن أغزوَ سنة. (سير اعلام النبلاء، ترجمه مسروق ابن الاجدع: ۲۵/۵، ط: دار الحديث القاهره)

ترجمہ: میں ایک دن بھی انصاف اور حق کے ساتھ فتویٰ دوں یہ مجھے ایک سال تک جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

فقہ و فتاویٰ کے شعبے میں بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے تو کتنے ہی ماہ و سال اس خدمتِ افتاء میں صرف ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ان خدمات جلیلہ کو قبول فرمائیں اور ان کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائیں۔

ان کی فقہی بصیرت پر تو ان کی یہی خدمات کافی و شافی ہیں تاہم اس سے متعلق ایک واقعہ جو ہمارے ساتھ پیش آیا اس سے بھی ان کی دور رس فقہی بصیرت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ ماضی قریب میں جب ملک بھر میں ''مضاربت کا فتنہ'' عروج پر تھا اور اس کی سرکوبی کے لیے حضرت سے بھی مشاورت کے لیے ملاقات ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مضاربہ والے ماہانہ بنیاد پر اپنے شرکاء کو جو اتنا زیادہ نفع دیتے ہیں میرے نزدیک وہ کاروبار نہیں بلکہ ایک فراڈ ہے۔''

حضرت کا بیان کردہ یہ بنیادی قاعدہ کتنی اہمیت رکھتا ہے، اس کا صحیح طور پر احساس وہی شخص کرسکتا ہے جو اس قسم کے مسائل سے تعلق رکھتا ہو یا فقہی بصیرت کا حامل ہو۔

فتنۂ مضاربت کے عروج کے دور میں کہ جس وقت اس میں مبتلا افراد میں پیسے کی خوب ریل پیل بھی تھی، ایسی صورت حال میں اس کو فراڈ کہنا بڑی فقہی بصیرت اور دوررس نگاہ کی بنیاد پر ہی ہوسکتا ہے۔

الحاصل! حضرت رحمہ اللہ سے متعلق ہمارا حسنِ ظن وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے متعلق ارشاد فرمایا تھا:

''اللہ رحم کرے خالد رضی اللہ عنہ پر، اس کے دل کی تمنا صرف یہ تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا نہ تھی۔

(تذکرہ حضرت جی، ص:۱۱۲، ط:البشریٰ)

اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں اور صلاحیتوں کو بھی حق اور اہل حق کے چمکانے اور باطل واہلِ باطل کے مٹانے میں قبول فرمالیں۔ آمین

.....☆☆☆.....

ایک فقیہ النفس مفتی

مفتی سید نجم الحسن امروہوی صاحب مدظلہ
رئیس دارالافتاء جامعہ یسین القرآن کراچی

۱۸ شوال ۱۴۴۰ھ کو خبر آئی کہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحلت فرما گئے (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال جہاں ان کی نسبی و روحانی اولاد اور متعلقین کے لیے ایک صدمہ ہے وہیں ان کی رحلت سے ایک ایسا علمی خلا پیدا ہوا ہے جو شاید برسوں میں بھی پُر نہ ہو سکے۔ علم فتویٰ کے میدان کے شہسوار تو بہت ہیں لیکن اس فن کی باریکیوں کو سمجھنے والے فقیہ النفس مفتیان کرام چیدہ چیدہ ہی موجود ہیں اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ذات گرامی ان ہی اہل علم کی نشانیوں میں سے ایک تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے قلم نے ہمیشہ اپنے اسلاف اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے چاہے فتنہ غامدیت وعماریت ہو یا سلفیت وغیر مقلدیت ہو، چاہے جدت پسند اور لادینی عناصر کی ریشہ دوانیاں ہوں، حضرت رحمہ اللہ نے ہر محاذ پر ان تمام فتنوں کا اپنے قلم کی تلوار سے مقابلہ فرمایا، صرف یہی نہیں بلکہ دور حاضر میں پیش آنے والے بعض ایسے مسائل جن میں بعض نے متفق علیہ اور اجماعی اقوال سے خروج فرمایا حضرت رحمہ اللہ نے ان مسائل میں بھی اسلاف کے مذہب کو عقلاً ونقلاً مدلل ومفصل انداز میں ثابت کیا، جس کی مثال ''اسلامی بینکنگ'' اور ''ڈیجیٹل تصویر کی حرمت'' وغیرہ مسائل ہیں۔

بندہ ناچیز کو حضرت رحمہ اللہ سے شرف ملاقات کا موقع زیادہ نہ مل سکا البتہ دو مواقع یاداشت میں محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ چند سال پہلے کراچی آمد کے موقع پر بندہ کی درخواست پر حضرت غریب خانہ میں تشریف لائے، باوجود اس کے کہ حضرت پر رعشہ کی بیماری کا سخت اثر تھا پھر بھی کئی گھنٹے حضرت سے بعض اہم مسائل پر گفتگو ہوتی رہی، اور یہ محسوس نہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ بندہ نے بارہا عرض کیا کہ حضرت آرام فرمالیں لیکن حضرت رحمہ اللہ مسائل پر گفتگو فرماتے رہے، جس سے بندہ کو آپ کے اس علمی ذوق کا اندازہ ہوا۔

اسی طرح دوسری ملاقات جامعہ مدنیہ لاہور حضرت مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ہاں ہوئی، یہ ملاقات اگرچہ مختصر تھی لیکن اس میں بعض جدید مسائل میں حضرت رحمہ اللہ کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کے علم وعمل میں جو برکتیں عطا فرمائی تھیں اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہی ہوتا ہے

کہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ صرف عالم و مفتی نہ تھے بلکہ اولاً ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے اور پھر دین کی سچی طلب اور اللہ تعالیٰ کی توفیق خاصہ سے حافظ قرآن بھی ہوئے عالم باعمل اور راسخ مفتی بھی بنے اور اس کے ساتھ تاحیات درس و تدریس اور خاص طور پر اپنی زندگی کے ۳۵ سال فتاویٰ لکھنے لکھانے میں گذار دیے۔ بندہ ناچیز اس کو حضرت رحمہ اللہ کی کرامت ہی سمجھتا ہے۔

آخر میں بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی نسبی و روحانی اولاد اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے اور حضرت کے علمی ورثہ کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

ایک بالغ نظر محقق وفقیہ

حضرت مولانا محمد عبدالشہید نعمانی صاحب مدظلہم
فرزند ارجمند مولانا عبدالرشید نعمانی صاحبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر حافظ عبدالواحد رحمہ اللہ کا شمار اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان توفیق یافتہ افراد میں ہے جن کو اس نے محض اپنے فضل سے دین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا۔ انہوں نے شدید محنت، ذاتی صلاحیت اور قابلیت سے اپنا مقام بنایا۔ اور بحیثیت طبیب حاذق، کامیاب استاد، نامور محقق، مصنف اور مفتی وفقیہ اس دنیا میں ایک طویل عرصہ گذارنے کے بعد سرخ روئی کے ساتھ اپنے رب کے دربار میں حاضری دیدی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک بالغ نظر محقق، بلند وبالا اور اعلیٰ نسبتوں کے حامل بزرگوں کے صحبت یافتہ اور علمی رسوخ کے حامل اساتذہ سے فیض یافتہ تھے۔ ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مغربی اور عصری علوم سے فراغت کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور کامل توجہ کے ساتھ جامعہ مدنیہ لاہور سے کسب فیض کیا اور نمایاں امتیاز کے ساتھ ۱۹۸۳ء میں آپ رحمہ اللہ نے شہادۃ العالمیہ کا امتحان پاس کیا۔

فقہ سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب اور مولانا قاری عبدالرشید صاحب کی نگرانی میں دارالافتاء جامعہ مدنیہ سے تخصص فی الافتاء کے نصاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کی خصوصی مشق بھی کی اور اس دوران آپ رحمہ اللہ نے فقہ کے موضوع پر قدماء ومتاخرین کی تصانیف اور فتاویٰ کا خوب گہرائی وگیرائی سے مطالعہ کیا۔ اور فقہ کے میدان میں آپ نے اس قدر ملکہ حاصل کرلیا کہ بعض حضرات نے آپ کو فقیہ النفس کے خطاب کا مستحق گردانا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کے ہمہ جہت پہلو یہ ہیں:

۱۔ ایک طرف تو طبی میدان میں بحیثیت طبیب ان کی خدمات ہیں، وہ تقریباً ۳۵ سال تک داتا دربار کے ہسپتال میں بطور میڈیکل آفیسر خدمات انجام دیتے رہے۔ اور ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے بے شمار مریضوں نے آپ رحمہ اللہ سے استفادہ کیا۔ ''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'' کے موضوع پر تحریر کردہ آپ کی تالیف ایک تحقیقی کتاب ہے جس میں اسلامی احکامات کی روشنی میں طب سے متعلق جملہ مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس طرح اس موضوع پر

گراں قدر معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ یکجا ہو گیا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے عصر حاضر میں پیش آمدہ مسائل سے اس کتاب میں خصوصی اعتناء کیا ہے۔ مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری، ٹیسٹ ٹیوب بارآوری، مصنوعی تخم ریزی، ضبط ولادت پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی آراء قابل توجہ ہیں۔

۲۔ تدریس اور فتویٰ نویسی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف پر بھی ابتداء ہی سے آپؒ کی خصوصی توجہ رہی۔ جن موضوعات پر اہتمام کے ساتھ قلم اٹھایا اور قابل قدر کتابیں، کتابچے، مقالات تحریر کیے ان میں عقائد وکلام، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث وفقہ، معاصر اسلامی تحریکات اور ان میں پائے جانے والے بعض علمی انحرافات اور فروگذاشتوں کی نشان دہی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

۳۔ موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے آپ کا سب سے عمدہ تحفہ ''فہم دین'' کے کورس کی تدوین ہے۔ نئی نسل کی ذہنی بے اطمینانی اور اضطراب فکر آپ کو ہمیشہ پریشان کیے رہتی تھی۔ ایک وسیع المشرب عالم کی حیثیت سے ان کو موجودہ نسل کے مسائل کا پورا ادراک تھا۔

چنانچہ آپ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک نہایت جامع کورس تیار کیا۔ اس کا پہلا جزء اسلامی عقائد پر مشتمل ہے جس میں عقائد سے متعلق تمام ضروری مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسرا جزء ''اصول دین'' کے عنوان سے ہے جس میں مباحث وحی، اصول حدیث وتفسیر، اصول ایمان وکفر، اصول سنت وبدعت پر سیر حاصل مواد جمع کیا گیا ہے۔ تیسرا جزء طہارت، عبادت، معاملات، ازدواجی مسائل اور وصیت اور میراث اور دیگر فقہی مباحث پر مشتمل ہے۔ بعد کے اجزاء میں ''فہم قرآن'' کے پیش نظر آسان اور سہل ترجمہ کے ساتھ مستند تفاسیر کی مدد سے قرآن مجید کی تفسیر مرتب کی گئی ہے۔ اس طرح ''فہم حدیث'' کے لیے عقائد، اصول شریعت، عبادات ومعاملات ومعاشرت وغیرہ پر مشتمل احادیث کا ایک جامع اور مفید انتخاب بھی تیار کیا گیا ہے۔

۴۔ بحیثیت فقیہ اور مفتی جہاں مختلف موضوعات پر ان کے ہزاروں صفحات پر محیط فتاویٰ ہیں۔ وہیں انہوں نے بعض مسائل کو اپنی توجہ کا خصوصی مرکز بنایا ہے اور ان پر تفصیلی مقالات تحریر کیے ہیں۔ ان میں خصوصاً

☆ ''حج وعمرہ کے جدید وقدیم مسائل مع مسنون وماثور دعائیں''۔

☆ ''سونے چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، صراف اور زرگروں کے بہت سے بنیادی سوالات کے جوابات''

☆ ''سبزی منڈی اور فروٹ منڈی کی آڑھت کے اسلامی احکام''

☆ ''تجارت کے اسلامی احکام''

☆ اسی طرح ''اسلامی صکوک تعارف اور تحفظات'' کے عنوان سے بعض معاصر مصنفین کے پیش کردہ فقہی احکام کا ایک کتاب میں ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔

☆''اسلامی بینکاری کے واجب الاصلاح امور''۔

اس موضوع پر''جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا شرعی جائزہ'' کے عنوان سے آپ نے ایک مفصل کتاب تحریر کی ہے۔

اس تالیف میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے عصر حاضر کے بعض اہل علم کے جدید معاشی مسائل کے بارے میں وضع کردہ نئے نظریات وخیالات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

جیسے''کمپنی کی محدود ذمہ داری کی شرعی حیثیت''(Limited Libility of Companies)،''شیئرز کی خرید و فروخت کا جواز''،''بازار حصص کا حکم''،''تکافل کی شرعی حیثیت''،''مروجہ اسلامی بینکاری''،''کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم''اور ''تجارتی انعامی اسکیموں کی شرعی حیثیت''۔

اس کتاب میں مولانا تقی عثمانی صاحب اوران کے صاحبزادے اور شاگردوں کے بیان کردہ استدلال سے اتفاق نہ کرتے ہوئے مذکورہ مسائل میں عدم جواز کی رائے اختیار کی گئی ہے۔ان کی نپی تلی رائے یہ ہے کہ حالیہ تجویز کردہ بینکاری نظام نہ ہی سو فیصد سودی ہے اور نہ ہی سو فیصد اسلامی ہے بلکہ اس کا نقصان یہ ہوا ہے کہ جو لوگ اپنی دینداری اور احتیاط کی وجہ سے سود وغیرہ کے صفر درجہ(Zero Level) پر تھے وہ لامحالہ چالیس فیصد پر آجائیں گے۔

۵۔دیوبندی مکتبہ فکر کے بعض متصوفین کے بعض تسامحات اور تساہلات پر بھی مولانا نے بھرپور گرفت کی ہے۔اس ذیل میں ان کی کتاب''اکابر کا مسلک ومشرب''اور''داستان عبرت'' کے دونوں اجزاء لائق مطالعہ ہیں۔

۶۔ناصبیت کے فتنہ سے وہ پوری آگاہی رکھتے تھے۔چنانچہ حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب کی جانب سے جب واقعہ کربلا اور اس سے جڑے بعض افکار ونظریات میں ان کو افراط وتفریط محسوس ہوئی تو انہوں نے فوری طور پر اس موضوع پر قلم اٹھایا۔اور اکابر اہل سنت کے موقف کا نہایت جرأت سے دفاع کیا۔

۷۔اسی طرح شیخ علوی مالکی کی کتاب''مفاهيم يجب ان تصحح''اور''الذخائر المحمديه''پر ان کا ناقدانہ علمی جائزہ قابل مطالعہ ہے۔

۸۔مستشرقین اور دیگر معاندین اسلام کے لٹریچر کے ذریعہ جو اضطراب فکری وقتاً فوقتاً مسلمانوں میں پیدا کیا جاتا ہے۔اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض نام نہاد مسلمان اہل علم ان کی ہمنوائی کے لیے کمربستہ ہوجاتے ہیں۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہمیشہ اس بارے میں فکرمند رہتے تھے۔

حالیہ ادوار میں پرویز کے ملحدانہ خیالات کے زیر اثر ذہنی غلاموں کی ایک کھیپ تیار ہوچکی ہے۔جن کا بیشتر وقت اسلام کے بعض اصول وقواعد کے بارے میں شکوک وشبہات کی آبیاری میں صرف ہوتا ہے۔پرویز کے ملحدانہ خیالات سے تو امت مسلمہ واقف ہوچکی ہے البتہ اس کے پس خوردہ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک جماعت موجود ہے۔ان میں جاوید احمد غامدی،ان کے تلامذہ اور ان کی فکر کے حامل صحافی،قلمکار اور بعض نام نہاد علماء خفیہ وعلانیہ تخریب افکار کی اس مہم

میں اپنا حصہ ڈالتے رہتے ہیں۔

جاوید احمد غامدی کے نظریات اور تحریروں میں جو مکر و فریب ہے اور اصولی مغالطے دینے کی کوشش کی گئی ہے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے نہایت خوبصورتی سے اس کا پردہ چاک کیا ہے۔

اسی طرح دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک ممتاز عالم مولانا زاہد الراشدی صاحب کے صاحبزادے عمار خان صاحب بھی غامدی صاحب کی فکر کے اسیر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے حدود و تعزیرات، اجماع امت، اور مسجد اقصیٰ کی تولیت کے بارے میں جمہور امت کی رائے سے ہٹ کر اس تولیت کا مستحق یہودیوں کو گردانا ہے۔ اسی طرح ناموس رسالت اور جہاد کے بارے میں ان کی تعبیرات پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بجا طور پر خوب گرفت کی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد ان کے ایسے جانشینوں کی اشد ضرورت ہے جو پوری بیدار مغزی کے ساتھ اس مشن کو آگے بڑھائیں اور نوجوان نسل کو اسلام سے آشنا کرنے کی اس مہم کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھالیں۔ اسی طرح ایسے قلمکاروں کی بھی اشد ضرورت ہے جو مختلف موضوعات پر ایسا دلآویز، مؤثر اور علمی بنیادوں پر مبنی ایسا لٹریچر تیار کرتے رہیں کہ جس سے ملحدانہ بنیادوں پر فکری انتشار پھیلانے والوں کی سرکوبی ہو۔

ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا، ربنا انک رؤف رحیم. آمین

.....☆☆☆.....

ایک راسخ، فنافی العلم نورانی ہستی

حضرت مولانا محمد فاروق مکی صاحب مدظلہم
مکہ مکرمہ

الحمد لله نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امابعد!

بندہ کا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں لکھنا ایسے ہے جیسے چراغ کو سورج کے سامنے رکھنا۔

محترم ومکرم مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر سن کر بہت ہی صدمہ ہوا کہ ایسے مبارک لوگ ہزاروں برس میں پیدا ہوتے ہیں، اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھرے اور ان کے درجات اپنی شان کے مطابق بلند فرمائے اور ان کے علوم کو قیامت تک باقی رکھے اور پوری امت کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں کئی خوبیاں عطا فرمائیں، ایک تو یہ کہ گم نامی کی زندگی جیسے اویس قرنی رحمہ اللہ گذار گئے دوسرے ان کے علم میں بہت نورانیت تھی تیسرے بہت راسخ فی العلم تھے چوتھے ان کی کتابیں پڑھ کر بہت ہی اطمینان ہوتا تھا جیسے اکابر علماء کرام کی کتابیں پڑھ کر ہوتا تھا۔ جیسے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ اور جیسے حضرت بنوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن رحمہ اللہ۔ (**و لا ازکی علی اللہ احد**)۔ بندہ نے ان کی لکھی ہوئی تفسیر ''فہم قرآن'' سے استفادہ کیا۔ اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی کہ اللہ اس نہج پر تفسیر کی تکمیل کروادیں بہت شاندار کام ہے۔

اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نائب پیدا کریں کیونکہ امت کو فقہاء کرام وعلماء کرام ومحدثین عظام کی سخت ضرورت ہے جن کی وجہ سے امت میں دین کی سمجھ پیدا ہو اور رشد وہدایت کے راستہ پر آئے اور قائم رہے۔ اس لیے درخواست ہے کہ تمام طلباء کرام سے دورہ حدیث سے فارغ ہو جائیں، تبلیغ، تدریس اور افتاء میں شوق سے لگیں تاکہ پیاسی امت کی پیاس بجھے اور امت ارتداد سے بچے، اور ہر قسم کی گمراہی سے بچے اور حق پر اعتدال سے قائم رہے اور ''**ما انا علیه و اصحابی**'' پر آجائے۔

اللہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی اس درس گاہ میں رجال کار اور فقہاء علماء پیدا فرمائے اور پوری دنیا تک فیض پہنچادے جیسے دارالعلوم دیوبند سے پوری دنیا میں تمام شعبوں کا فیض عام ہوا۔ اللہ پاک اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

عظیم کمالات کے حامل انسان

حضرت مولانا عبدالقیوم نیازی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ احیاء العلوم، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

امابعد!

حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ عظیم کمالات کے حامل تھے، ان کے کمالات تو وہی جانتے ہیں جن کا ان سے تعلق اکثر و بیشتر رہا۔ بندہ ناچیز کا ان سے ملنا جلنا کم ہی رہا۔ تاہم چونکہ ہمارے مدرسہ احیاء العلوم میں درس حدیث کا ایک سبق پڑھاتے رہے اور گاہے گاہے مدرسہ کی تقریبات میں بھی شمولیت فرماتے رہے اس لیے ان کے متعلق جس قدر معلومات رکھتا ہوں عرض کیے دیتا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا اخلاص وللّٰہیت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میں اخلاص وللّٰہیت، فی سبیل اللہ علم دین کی خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم ودیعت فرمایا تھا۔ ۲۰۰۷ء کے سال میں ہمارے مدرسہ احیاء العلوم میں دورہ حدیث شریف شروع ہوا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بھی درخواست کی گئی تو حضرتؒ نے بھی ایک سبق حدیث شریف کا پڑھانا قبول فرمایا۔ جب میں نے بامید قبولیت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا (پانچ ہزار روپے اور کچھ خوشبو وغیرہ پیش کیا اور رقم اندر پوشیدہ تھی) تو حضرت رحمہ اللہ نے قبول فرما کر اندر سے کھولا تو خوشبو وغیرہ قبول فرمالی اور رقم واپس فرمادی کہ اس کی ضرورت نہیں۔ میں جناب کے اخلاص وللّٰہیت پر بہت خوش ہوا۔ پھر بعد میں مجھے پتہ چلا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جہاں کہیں تدریس وغیرہ علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ہر جگہ فی سبیل اللہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی علمی خدمات میں جفاکشی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جب ہمارے مدرسے میں پڑھانا شروع فرمایا تو پہلے خود موٹر سائیکل پر تشریف لاتے۔ بعد میں مدرسہ کی طرف سے موٹر سائیکل پر لانے، لے جانے کی ذمہ داری ایک شخص کے ذمہ لگادی گئی، پھر مزید جسمانی کمزوری کی وجہ سے گاڑی کا انتظام کرلیا، کار پر ایک صاحب لاتے رہے، لے جاتے رہے۔ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ

اللہ ضعف و پیری اور بیماری کے باوجود گذشتہ سال ۲۰۱۸ء میں شروع میں مدرسہ ہی تشریف لا کر پڑھاتے رہے، پھر بیماری اور کمزوری زیادہ ہونے کی وجہ سے دورۂ حدیث کے طلباء ان کے گھر جا کر پڑھ کے آجاتے۔ چندہ ماہ اس طرح مشقت برداشت فرماتے رہے، پھر بعد میں بہت زیادہ ضعف اور بیماری کی وجہ سے گھر پر پڑھانے سے بھی معذرت فرمادی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میں اتباع سنت کی پابندی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ضعف اور بیماری کے باوجود کھانے کی مجلس میں سنت کی اتباع کو ملحوظ فرماتے۔ کبھی گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھتے، کبھی ایک گھٹنہ کھڑا کر کے دوسرے گھٹنے کے بل بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ یعنی عام لوگوں کی طرح چوکڑی مار کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع فرماتے ہوئے عجز وانکساری کی ہیئت بنا کر بیٹھتے۔ اسی طرح جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کشادہ چہرے اور مسکراتے ہونٹوں سے ملاقات کرتے۔

دعوت قبول کرنے میں سنت کی اتباع

ہمارے مدرسے احیاء العلوم کے دورۂ حدیث کے طلباء الوداعی تقریب میں دعوت دیتے تو اس ضعف و پیری اور رعشہ کی کیفیت کے باوجود قبول فرما کر تشریف لاتے تاکہ طلباء کی دل شکنی نہ ہو۔ کمال درجہ کی انکساری اور چھوٹوں پر شفقت کا مظاہرہ فرماتے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا استاذ کے مقام کو ملحوظ رکھنا

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک استاذ کی قدر و منزلت اس قدر تھی کہ انہوں نے اپنے ایک عزیز کو جس کی کفالت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی ہمارے مدرسے احیاء العلوم میں درجہ حفظ میں داخل کرایا۔ جب برخوردار نے حفظ قرآن مجید مکمل کر لیا تو برخوردار کے استاذ محترم کا خاصا اکرام فرمایا اور استاذ محترم کو ہدیہ سوٹ وغیرہ عنایت فرمایا اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ حفظ کو بھی اس طرح ہدیہ سے نوازا۔ یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی استاذ کی قدر دانی ہے ورنہ کئی بزرگ حضرات اپنے عزیزوں کی اس قسم کی تقریبات میں ان کے اساتذہ کی ایسی قدر دانی کم ہی کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے فن افتاء میں ید طولیٰ رکھتے ہی تھے جیسا کہ ان کی تصانیف وفتاویٰ سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ روحانی کمالات، باطنی صفات، اخلاص وللّٰہیت، اتباع سنت، عجز وانکساری، چھوٹوں کی دلجوئی، محبت، عزم و ہمت ایسے اوصاف سے انہیں اللہ تعالیٰ نے مزین فرمایا ہے کہ ان کی نظیر ان اوصاف میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ تاہم **لکل فن رجال وفوق کل ذی علم علیم** اللہ کرے کہ ہمارے مدرسے احیاء العلوم کو بھی اور جامعہ دارالتقویٰ کو بھی ایسے اوصاف سے متصف مرد کامل نصیب ہو جائے۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز**

.....☆☆☆.....

آہ! ترجمان اہلِ حق

حضرت مولانا عبدالقدوس قارن صاحب مدظلہم
ابن شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کسی ایک خاندان، ادارہ یا علاقہ کے لیے ہی صدمہ کا باعث نہیں بلکہ جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک سے وابستہ ہر فرد صدمہ سے دوچار ہے۔ حالات کے تقاضا کے مطابق جہاں بھی جمہور کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ اہل حق علماء کے اس قافلہ میں شریک رہے جنہوں نے جمہور مخالف افراد وطبقات کا سامنا کیا اور دلائل سے ان کے اعتراضات کے جوابات دے کر جمہور کی جانب سے اتمام حجت کر دی۔ یوں تو ان کی زندگی کا اکثر حصہ اسی انداز میں گذرا مگر تین معاملات میں خصوصیت کے ساتھ میں ان کی خدمات کو سامنے لانا چاہتا ہوں تاکہ اہل علم اور دیندار نوجوان ان کے جمع کردہ علمی تحریری ذخیرہ کا مطالعہ کریں، اس سے یقیناً ان کے اذہان میں پیدا ہونے والے یا پیدا کیے جانے والے بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگا اور جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریات کی حقانیت اور اہمیت ان کے سامنے انشاءاللہ العزیز واضح ہوگی۔

جدیدیت کے فتنوں کا سدباب

ا۔ راقم الحروف کے بھتیجے عمار خان ناصر نے کچھ اپنی آزاد فکری اور کچھ اپنے استاد جاوید احمد غامدی کے نظریات سے متاثر ہو کر جب اپنے اکابر کے نظریات سے ہٹ کر علیحدہ فکری ونظریاتی راہ اختیار کی تو خاندان کے بزرگوں اور احباب نے اس کو سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ خاندان کے افراد کے علاوہ ملک بھر کے بہت سے علماء نے اپنے اپنے مدلل اور ناصحانہ انداز میں عزیزم کی اصلاح کے لیے بھرپور کوششیں فرمائیں۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنہوں نے اس معاملہ میں خاندان کی معاونت فرمائی۔ جزاھم اللہ خیراً. اس معاملہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ بہت قابل قدر ہیں۔ ''مسجد اقصیٰ کی تولیت''، ''رجم بطور حد شرعی''، ''اجماعی مسائل میں امت کے لیے طریق کار'' اور ''توہین رسالت'' جیسے مضامین میں ان کا تحریری علمی ذخیرہ دور حاضر کے جدت پسندوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ میرا دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور کالج ویونیورسٹی کے طلبہ و اساتذہ کے لیے مشورہ ہے کہ ان موضوعات پر حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے شائع شدہ مضامین کا

مطالعہ ضرور کریں اگر ہدایت کے راستہ میں کوئی کوتاہی حائل نہ ہوئی تو ان شاء اللہ العزیز دل منور ہو جائیں گے۔

بدعات کے چور دروازے کی بندش

۲۔ برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے بعض نے جب شیخ محمد علوی مالکی کے نظریات سے متاثر ہو کر اور اسی کے نظریات کی سیڑھی چڑھتے ہوئے حضرات فقہاء کرام کی مجالس ذکر بالجہر کی شرائط و قیود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مجالس ذکر کا انعقاد شروع کیا اور فضائل ذکر کے دلائل کو اور اکابر امت کے اقوال و اعمال کو کھینچا تانی کر کے اپنے مروجہ انداز کی تقویت کے لیے پیش کیا تو جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ کی حفاظت کے لیے جو اہل علم میدان میں اترے ان میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہونے اور بعض حضرات کے خود علمی حلقوں میں قد آور شخصیات ہونے کے باعث خطرہ تھا کہ شاید ان کے مقابلہ میں خاموشی ہی اختیار کی جائے مگر جمہور اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کرنے والوں نے ترجمانی کا حق ادا کیا اور واضح کیا کہ اکابر امت کا عمل فقہاء کرام کی بیان کردہ شرائط کے دائرہ میں ہونے کی وجہ سے جائز اور مستحب ہے جبکہ ان حضرات کا مروجہ انداز فقہاء کرام کی شرائط کو نظر انداز کرنے اور اہل بدعت کے نظریات کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مکروہ [و ناجائز] ہے۔

مدلل علمی اختلاف

۳۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دام مجدہ کی شخصیت دنیا بھر کے علمی حلقوں میں ممتاز اور ملکی سطح پر قابل فخر ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ علمی شخصیت کی ہر بات درست ہو۔ اس لیے جب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دام مجدہ نے بینکاری نظام اور ڈیجیٹل فوٹو کے بارہ میں اپنے نظریات کا اظہار فرمایا تو ان کے استاد محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ سمیت بہت سے اہل علم نے ان سے اختلاف کیا اور تحریری بحث و مباحثہ کیا۔ ان حضرات میں بھی حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا نام نمایاں ہے۔ بینکاری نظام اور ڈیجیٹل فوٹو کے بارہ میں ان کی مدلل تحریرات علمی ذخیرہ ہیں۔

جو بات میں نے ابتداء میں کہی وہی بات پھر آخر میں کہتا ہوں کہ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ صرف ایک خاندان، ادارہ یا علاقہ کو نہیں بلکہ مسلک حق کے ساتھ وابستہ ہر فرد کو ہے جو اپنے ایک عظیم ترجمان سے محروم ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور رہتی دنیا تک ان کو امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ خاندان کے پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے، اور ادارہ دار الافتاء والتحقیق کو مناسب بدل عطا فرمائے آمین یا الہ العالمین.

.....☆☆☆.....

شاہراہِ ضلالت.....کا.....کوہ گراں

حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب نقشبندی مدظلہم
گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد!

قدرت کا یہ ایک دائمی اور فطری قانون ہے کہ جب سے انسانیت کا وجود معرض وجود میں آیا ہے خیر اور شر کی قوتیں اس وقت سے ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں، اور یہ سلسلہ فرمان نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی روشنی میں قیامت تک جاری رہے گا، یہ تاریخ کی ایک تلخ اور اذیت ناک حقیقت ہے کہ جب کبھی خیر کی قوتوں میں ایمان ویقین کی کمی واقع ہوئی ہے، یا ان میں اخلاق وکردار کا فقدان آیا ہے، تو شر کو خیر پر غالب آنے کا موقع ملتا رہا ہے، یہ شر کبھی کفر و شرک کی صورت میں غالب آیا اور کبھی ظلم وعدوان کی شکل میں اسے غلبہ ملا، لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب خیر کی قوتیں اپنے حقوق وفرائض سے غافل نہیں رہیں اور انہوں نے جرأت وعزیمت کا راستہ ترک نہیں کیا تو خیر کو شر پر غالب آنے سے کوئی نہیں روک سکا، خیر اور شر کی یہ کشمکش ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔

امام اہل سنت رحمہ اللہ کا ایمان افروز مقولہ:

ہمارے والد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمانوں کو کبھی بھی ان کے دشمنوں کی خوبیوں نے نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ مسلمان ہمیشہ اپنی خامیوں اور کمزوریوں کی بنا پر ہی نقصان سے دوچار ہوئے، خواہ ان کی وہ خامیاں اور کمزوریاں.....شعوری تھیں یا غیر شعوری؟.....اندونی تھیں یا بیرونی؟.....انفرادی تھیں یا اجتماعی؟.....مسلمانوں کے نقصان اور ناکامی کا باعث بہرحال وہی خامیاں اور کمزوریاں بنیں، دشمن کبھی بھی اپنی خوبیوں کی بنیاد پر ان پہ کامیابی حاصل نہیں کرسکا، تاریخ کے اوراق میں اس قسم کے بے شمار واقعات کا تذکرہ ملتا ہے جو ہمارے ماضی کا ایک عبرتناک حصہ ہے۔

شاہراہ ضلالت پر ہدایت کی چیک پوسٹیں:

بدقسمتی سے یہ بھی ہماری تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے امت مسلمہ کے اندر فتنوں کا ظہور ہوتا رہا، لیکن ایک حق پرست جماعت ہر دور میں ان فتنوں کا مقابلہ کرتی رہی، خیر اور شر کی اس کشمکش سے تقریباً کوئی زمانہ خالی نہیں رہا، شیطان نے انسان کی ضلالت کے لئے.....بے شمار شاہراہیں تعمیر کیں.....ان

گنت جی.ٹی روڈ بنائے..... لاتعداد موٹروے تیار کئے..... بڑے بڑے ''سی پیک'' منصوبے بنائے.....لیکن فطرت اور قدرت کے قانون کے مطابق ضلالت وگمراہی کی ہر شاہراہ پر، ہر جی.ٹی روڈ اور موٹروے پر ہدایت وراستی کی ایک ایسی ''چیک پوسٹ'' موجود رہی اور ایسے ''سپیڈ بریکر'' قائم رہے جن کی وجہ سے ضلالت کی ٹریفک اگر رکی نہیں تو کم از کم اس کی رفتار میں کمی ضرور واقع ہوئی۔

مسلک دیوبند عصر حاضر کا طائفہ منصورہ:

ہمارے دور میں علماء دیوبند کا مجددی، ولی اللہی اور قاسمی مسلک تقریباً پانچ سو سال سے شاہراہ ضلالت پر ایک مضبوط ''چیک پوسٹ'' کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے، ضلالت وگمراہی کی خلائی ٹریفک ہو یا سمندری؟.....صحرائی ٹریفک ہو یا میدانی؟.....یعنی مواصلاتی اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ سامنے آئے یا پرنٹ میڈیا کے ذریعہ، بحمداللہ تعالیٰ اس مضبوط ''چیک پوسٹ'' کی وجہ سے اپنی منزل اور اپنے مقاصد تک نہیں پہنچ پا رہی۔ اکبر کے دین الٰہی سے لے کر قادیانیت اور غامدیت تک تمام فتنوں کا انجام امت مسلمہ کے سامنے ہے، مسلک دیوبند کے اس اجماعی فکر اور طرز فکر کو بھی اگرچہ بعض ناعاقبت اندیش افراد نے اندرونی طور پر کھوکھلا کرنے کے لئے دیمک کا خوفناک کردار ادا کیا، لیکن قدرت نے ان کی خود غرضی اور خود فریبی کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا، اور ایسے دشمنان دین کی سازشوں اور کوششوں سے اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے ہر دور میں چند شخصیات کا وجود برقرار رکھا، جنہوں نے حق اور حقیقت کا پورا پورا دفاع کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنوں اور بیگانوں کی مخالفت کا بوجھ اٹھا کر بھی دین حق کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔

ہمارے ماضی قریب میں میرے ناقص مطالعہ کی روشنی میں پاکستان کے اندر علم وتحقیق کے حوالہ سے جن شخصیات کی مجھے زیارت نصیب ہوئی ان میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ رئیس التفسیر حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی اس فریضہ کی ''فرنٹ لائن'' پر اور بڑے نمایاں نظر آتے ہیں، ان شخصیات کی یہی خاص خوبی تھی کہ انہوں نے کسی خوف، کسی طمع اور کسی مرعوبیت کی بناء پر حالات سے کبھی ''کمپرومائز'' نہیں کیا، وہ اپنے متواتر اصولوں اور اجماعی افکار پر پوری جرأت واستقامت کے ساتھ قائم رہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت:

امت مسلمہ کی بالعموم اور جماعت دیوبند کی بالخصوص ایسی ہی عظیم شخصیات میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا نام ہمارے قریبی دور میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے، ان کی تدریسی وتقریری صلاحیتوں اور خوبیوں

سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں، کیونکہ اس حوالہ سے مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب نہیں ہوا، لیکن تحریر و افتاء کے حوالہ سے میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے، دل کی گہرائیوں سے پڑھا ہے، اور اپنے ناقص فہم وشعور کی وسعتوں سے سمجھا ہے، اور میں اپنے فہم واحساس کے دائرہ میں برملا طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ تحریر وافتاء میں ان کا انداز مشکل اور دقیق ضرور تھا مگر احتیاط واعتدال کے حدود سے متجاوز نہیں تھا، میں نے اپنی مختصر زندگی میں تحقیق وافتاء کے حوالہ سے پاکستان کے اندر جن شخصیات کو گہرائی سے پڑھا اور سمجھا ہے ان میں پانچ شخصیات ایسی ہیں جن کو میں اہل سنت، حنفیت اور دیوبندیت میں پختگی کی بنیاد پر مسلکی عروج پر دیکھتا ہوں، جن کے اندر ان تینوں حوالوں سے کوئی لچک نہیں تھی اور وہ اس حوالہ سے غیر متزلزل فکر کے وکیل وترجمان تھے، ان میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے نام سب سے نمایاں ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جن کی تحقیق میں خود غرضی، شہرت پرستی، مرعوبیت اور سماجی مصلحت پرستی کا دور دور تک کہیں نشان نہیں ملتا، اور یہ صرف وہ شخصیات ہیں جن کی زیارت کا اور جن کی تحقیق کو قریب سے دیکھنے کا مجھے موقع ملا ہے، ان کے علاوہ بے شمار شخصیات ہیں جو اپنے اپنے مقام پر دینی تعلیمات کے دفاع میں اپنے کردار وعمل کے حوالہ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں، اور ان کی دینی خدمات امت مسلمہ کے لئے قابل تحسین ہی نہیں قابل تقلید بھی ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ فتنوں کے تعاقب میں:

ہماری بدقسمتی ہے کہ بعض کم فہم اور ناعاقبت اندیش لوگ اسلامی تعلیمات اور دینی تحریکات کا حلیہ بگاڑنے اور انہیں ان کی حقیقت اور ان کے مقاصد سے دور کرنے کے لئے پبلک کے اندر میڈیا کے ذریعہ اختراعات اور مفروضات کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور تہذیب وفکر کے حوالہ سے نئے سے نئے فتنے جگاتے رہتے ہیں، ہماری تاریخی علمی روایات کی روشنی میں امت کو فتنوں سے بچانے کا سب سے بنیادی ذریعہ فتویٰ ہے، اور اسی ذریعہ سے تمام فتنوں کا راستہ روکا گیا ہے، لیکن بدقسمتی سے آج ہمارے بعض دانشوروں نے فتویٰ کی ضرورت اور اہمیت کو ختم یا کم کرنے کے لئے مہم شروع کر رکھی ہے جو ایک خطرناک اور مہلک کھیل ہے، حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کو بھی ان دانشوروں نے اپنے اس کھیل میں شامل ہونے کی دعوت دی، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر علمی اور روحانی حوالہ سے ایسی بزرگ اور غیور مسلکی شخصیات کا اثر تھا کہ ان دانشوروں کی دانش یہاں اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکی، ان کی خواہش یہی تھی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ حالات سے مرعوب ہوکر ہماری طرح ہدایت کو ہدایت تو تسلیم کریں لیکن ضلالت کو ضلالت قرار نہ دیں، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دل ودماغ میں ایمان کامل کی یہ تعریف نقش ہوچکی تھی کہ ہدایت کو ہدایت ماننے اور ضلالت کو ضلالت تسلیم نہ کرنے سے ایمان کامل حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے ڈاکٹر حضرت صاحب رحمہ اللہ آخر وقت تک

بحمداللہ تعالیٰ ان دانشوروں کے جھانسہ میں نہیں آئے اور اپنا دینی فریضہ تحقیق و افتاء کی صورت میں پوری جرأت اور استقامت کے ساتھ نبھاتے رہے۔

فتنہ غامدیت کی فریب کاری اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے عصر حاضر کے بے شمار فتنوں کا تعاقب کیا ہے، ان میں معاشی و اقتصادی فتنے بھی ہیں، تہذیبی و ثقافتی فتنے بھی ہیں، فکری و اعتقادی فتنے بھی ہیں اور اخلاقی و عملی فتنے بھی ہیں، انہوں نے ہر قسم کے فتنوں کی مخالفت کا اور ان کے مقابلہ میں اسلام کے دفاع کا پورا پورا حق ادا کیا، ہمارے ہاں فتنوں کے ظہور کے چار بڑے سبب پائے جاتے ہیں..... جہالت.....انانیت.....مرعوبیت.....قومیت پرستی.....ان میں سے عصر حاضر کے اکثر فتنوں کی بنیاد مرعوبیت ہے، اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو اکثر فتنوں کی بنیاد ہمیں یہی مرعوبیت ملے گی، کیونکہ جب انسان کے اپنے اندر علم و فہم کا نور نہیں ہوتا اور وہ اس کی وجہ سے باطل کے دلائل کے سامنے عاجز اور بے بس ہو جاتا ہے تو اسی بے بسی اور مرعوبیت کی وجہ سے وہ اسلام کے عقائد و افکار سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے، جن کے اندر ایمان اور روحانیت کا نور نہیں تھا وہ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی نے جنت و دوزخ کا انکار کر دیا، کسی نے برزخ کا انکار کر دیا، کسی نے فرشتوں اور جنات کا انکار کر دیا، کسی نے دین اسلام کی عالمگیریت کا انکار کر دیا، کسی نے جہاد و جزیہ کا انکار کر دیا، کسی نے ارتداد اور توہین رسالت کی منصوص سزاؤں سے انکار کر دیا، درحقیقت یہ سب ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ ہے جس سے بڑے بڑے مسلم دانشور متأثر ہو گئے اور انہوں نے عزیمت و استقامت کی راہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے، جماعت اہل حق کی یہی سب سے بڑی خوبی اور کمال ہے کہ وہ پوری جرأت کے ساتھ اپنے مشن اور اپنے مقصد پر قائم رہتے ہیں اور کوئی مرعوبیت ان کے ایمان و فکر کو متزلزل نہیں کر سکتی، ان کے اندر اکابر و اسلاف سے وابستہ تعلق کی بنیاد پر جو روحانیت موجود ہوتی ہے وہی ان کا حوصلہ ہوتی ہے اور وہی ان کا سہارا ہوتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے اندر بھی جو بے شمار علمی و فنی کمالات موجود تھے میں پوری دیانت داری کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ ان کے ان کمالات کا سب سے بڑا ذریعہ ان کے اندر کی وہی روحانیت تھی جو اسلاف کے ساتھ وابستہ تھی اور جسے انہوں نے کبھی ٹوٹنے اور کٹنے نہیں دیا، اسی روحانیت کی بنیاد پر ان کے اندر وہ جرأت اور ہمت موجود تھی کہ وہ بعض مسائل میں تن تنہا ضلالت و گمراہی کے خلاف جہاد میں مصروف رہے، جن فتنوں کا پوری جرأت اور استقامت کے ساتھ انہوں نے مقابلہ کیا ان میں سرفہرست فتنہ غامدیت ہے، اور میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ فتنہ غامدیت وہ فتنہ ہے جسے دور جدید کے تمام فتنوں کی ماں قرار دیا جا سکتا ہے، ماضی قریب میں ہمارے اکابر کے نزدیک سرسید احمد خان کا فتنہ نیچریت تمام فتنوں کی ماں کہلاتا تھا لیکن ان دونوں فتنوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میری ناقص رائے یہی ہے کہ گروہ نیچریت تمام فتنوں کا باپ ہے اور فتنہ غامدیت تمام فتنوں کی ماں ہے، اگر آپ ان

دونوں فتنوں کا شعوری مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ دونوں کی بنیاد ایک ہی ہے، اور وہ ہے فہم قرآن۔ سرسید احمد خان نے فہم قرآن کے لئے نیچر کو بنیاد بنایا اور فتنہ غامدیت نے فہم قرآن کے لئے نظم کلام اور ادب جاہلی کی آڑ لے کر ماحول کو بنیاد بنایا، یعنی دونوں کی بنیاد ایک ہی ہے، قرآن کو نیچر کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نتیجہ ماحول کی صورت میں سامنے آتا ہے، اور اگر قرآن کو ماحول کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نتیجہ نیچر کی صورت میں سامنے آتا ہے، یہ دونوں فتنے تمام فتنوں کے مائی. باپ ہیں.....دونوں میں ختم نبوت کا انکار موجود ہے.....دونوں میں حجیت حدیث سے انکار موجود ہے.....دونوں میں اسلام کی عالمگیریت کا انکار موجود ہے.....دونوں میں اجماع و تواتر کا انکار موجود ہے.....دونوں میں ادیان سابقہ اور قبل از قرآن کی کتب سماویہ میں ترمیم و تنسیخ کا انکار موجود ہے.....غرضیکہ دونوں فتنے لفظی اور اصطلاحی ہیر پھیر کے ساتھ آپس میں مکمل فکری ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فتنہ غامدیت کا جس علمی اور تحقیقی انداز سے تعاقب کیا اور اجماع و تواتر کی روشنی میں اس کا رد کیا یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر میرے نزدیک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ان کے سامنے کچھ ایسی قد آور شخصیات بھی آئیں جن سے بعض دوسرے علماء نے مرعوبیت کا شکار ہو کر دامن بچانے کی کوشش کی، نجی مجلسوں میں ان کو شدید طعن و تنقید کا نشانہ بنایا لیکن اعلانیہ طور پر ان کے فکر و طرز فکر پر تنقید کی جسارت نہ کر سکے، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کسی شخصیت کا علمی قد کاٹھ نہیں دیکھا بلکہ امت مسلمہ کے فکر و عقیدہ کو بچانے کی طرف توجہ دی، اور میں ذاتی طور پر اس لئے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اپنا محسن مانتا ہوں کہ انہوں نے فتنہ غامدیت کا تعاقب اس وقت کیا جب اس کا ''ذیلی ہیڈ کوارٹر'' خاندان صفدریہ کے حوالہ سے متعارف ہو رہا تھا اور پورے ملک کے علماء اس نسبت کے احترام میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے تھے، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کسی مخالفت یا کسی مزاحمت کی پرواہ کئے بغیر اپنا دینی فریضہ نبھایا اور جناب امین احسن اصلاحی، جناب جاوید احمد غامدی اور حافظ عمار خان ناصر کے اجماع و تواتر سے ہٹے ہوئے نظریات کا اسی طرح تعاقب کیا جس طرح ہمارے اسلاف نے قادیانیت کا، پرویزیت کا، نیچریت کا اور مودودیت کا تعاقب کیا، اور اگر اس راستہ میں خاندان صفدریہ کی کوئی قد آور شخصیت ان کے اس فکر کی راہ میں رکاوٹ بنی تو انہوں نے کسی علمیت، کسی منصب اور کسی نسبت کی پرواہ کئے بغیر اس کا رد کیا اور ہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی جرأت و عزیمت پر مبنی ان اصلاحی خدمات پر پورے خاندان صفدریہ کی طرف سے ان کے شکر گزار ہیں۔

اللہ رب العزت انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں اور ہمیں اور ان کے جانشینوں کو ان کے جرأت و عزیمت کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین

.....☆☆☆.....

خیر القرون کی یادگار

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ
مدیر ماہنامہ القاسم نوشہرہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ دینی وعلمی حلقوں میں ایک خاص مقام، ایک خاص شناخت اور ایک ممتاز حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کی مزاجی سادگی، استغناء، تقویٰ، طہارت اور للہیت خیر القرون کی یاد تازہ کرتی تھی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ منجھے ہوئے صاحب قلم اور عظیم دانشور تھے فقہی حوالے سے ان کا علمی پلہ بڑا بھاری تھا وہ وہی کچھ لکھتے تھے جسے وہ اپنی تحقیق کے مطابق صحیح سمجھتے تھے ان کی بعض تحریروں اور فتاویٰ سے علمی حوالے سے اہل قلم نے اختلاف بھی کیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی چند روزہ متاع زیست کے ماہ وسال اسلام کے آفاقی اور جاوداں ضابطۂ حیات کو فروغ دینے میں بسر کیے۔ چنانچہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کے اظہار، علم دین، علوم نبوت اور امت مسلمہ کی سربلندی کے اعلیٰ ترین اور مقدس نصب العین کے لیے سرگرم مجاہد علماء کی فہرست میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا نام جلی حروف میں اس شان سے لکھا جائے گا ع

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

ع

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو جدید اسلوب نگارش پر بھی دسترس حاصل تھی اس ترقی پذیر عہد میں جدید اسلوب نگارش اور نئی اصطلاحات وتراکیب کے استعمال نے ان کی فقہ وفتاویٰ اور فقہی مقالہ جات کو چار چاند لگا دیے ہیں، ان کی تالیفات میں ''فقہی مضامین''، ''جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا جائزہ''، ''اسلامی صکوک''، ''سونے چاندی کے زیورات کے اسلامی احکام''، ''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'' اپنے موضوع کے حوالے سے جدید دور کے تقاضوں کے

مطابق اہل علم میں مقبول کتابیں ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے زمانۂ تدریس میں اور فقہ وافتاء کے اشتغال اور ممارست کے ذریعے اپنے علم کے اندر پختگی اور گہرائی پیدا کی اور اپنے ذوق کو جلا بخشی، اور اپنے تلامذہ میں تکمیلات اور تخصصات کے ذریعے علوم وفنون کے گوہر نکالے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تخصص کا نصاب و نظام عمومی نصابوں سے مختلف اور استعداد آور ہے۔ عصری ضرورتوں اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے موصوف نے فقہی تربیت کا جو منہج اختیار کیا ہے وہ تعلیمی اصلاحات میں ایک اچھی پیش رفت ہے۔

.....☆☆☆.....

فتنوں کے تعاقب میں سرخیل

حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی صاحب مدظلہ
مہتمم مدرسہ جامعہ قاسمیہ، بہاولپور

حضرت مفتی صاحب مرحوم ومغفور سے مجھے کچھ زیادہ ملاقاتوں کا موقع نہیں ملا۔صرف ایک یادگار ملاقات کا ہی شرف حاصل ہوا۔جس وقت وہ رعشے کے موذی مرض میں مبتلا تھے، بہت دھیمی آواز میں رُک رُک کر بولتے تھے جسے صرف خصوصی خدام ہی سمجھ سکتے تھے۔میں نے سلام کیا،آپ نے اشارے سے جواب دیا۔پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا محمد بن علوی مکی مالکی کی کتاب ''ذخائر محمدیہ'' کی ضرورت ہے،اگر آپ کے پاس برائے فروخت ہوتو مجھے ایک نسخہ دیا جائے ورنہ اس کا فوٹو مجھے عطا کر دیا جائے۔آپ نے پوچھا اس پر کچھ لکھ رہے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔تو آپ نے اپنے خدام کو فرمایا کہ اس کا موبائل فوٹو اس کو دے دیں۔میرے ساتھ محمد رشیدی بن قاری عبدالجلیل (مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام مرحوم جیاں موسیٰ شاہدرہ) تھے اس کے موبائل میں وہ کتاب منتقل کر دی جو مجھے حوالے کے لیے مطلوب تھی۔بس یہی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مذہبی معاملات میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے۔جب کبھی نیا فتنہ سر اٹھاتا تو اس پر پہلی ضرب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی لگایا کرتے تھے۔منکر حدیث غامدی کا پہلا تعارف اور اس کا تعاقب بھی پہلے پہل حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی نے کیا اور اس کے مخلص چیلے عمار خان کا بگڑا ہوا چہرہ بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ہی دکھایا ہے۔

اسی مکی مالکی کی کتاب ''ذخائر محمدیہ'' پر میں نے کچھ لکھا تھا،اس لیے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس آیا تھا تو ان کے حکم سے آپ لوگوں نے مجھے اس کا فوٹو دے دیا۔جس پر میں آپ لوگوں کا مشکور ہوں جو عبارت اس تحریر کا موجب بنی وہ یہ ہے۔محمد بن علوی مالکی اپنی کتاب ''ذخائر محمدیہ'' میں حضور ﷺ کے متعلق لکھتے ہیں:

و اوتی علم کل شیء حتی الروح و حتی المغیبات الخمسة.

اس میں مکی مالکی نے خاصۂ خداوندی میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو شریک کیا ہے۔

مولانا عبدالحفیظ مکی ہمارے مدرسہ (جامعہ صدیقیہ بہاولپور) میں تشریف لائے کیونکہ وہ اس مدرسے کے

سرپرست تھے۔ میں نے ان سے ٹائم لے کر اس مسئلے میں گفتگو کی۔ میں نے کہا حضرت! میں آپ کے علم وفضل کا معترف ہوں اور آپ کی عبادت وریاضت بھی ہمیں مسلم ہے لیکن ایک پکے ٹھکے بدعتی کی عقیدت میں آپ کیوں مبتلا ہیں اور کیوں ان کا دفاع کرتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ (محمد بن علوی مالکی) پکا بدعتی ہے؟ میں نے کہا: ہاں اس کی دلیل میرے ذمے ہے، میں نے ''ذخائر محمدیہ'' کی یہی عبارت ان کے سامنے پیش کی اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے؟ سن کر ذرا ٹھٹھک گئے، پھر فرمایا: کتاب تو میرے پاس ہے مگر ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا ہے میں جا کر اس کا مطالعہ کروں گا پھر تجھے جواب دوں گا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم اس کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں سے افریقہ اور وہیں دل کے اٹیک سے انتقال کر گئے اور میرا یہ سوال اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

اسی مجلس میں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ وہ مالکی مولوی احمد رضا خان بریلوی کے بیٹے مصطفیٰ رضا خان کا خلیفہ ہے تو حفیظ صاحب نے فرمایا: قاضی نے جھوٹ بولا ہے۔

چونکہ مکی مالکی کا تعارف اور اس کی ضلالت کا اظہار مجھے حضرت مفتی صاحب مرحوم ومغفور کے رسالوں سے ہی ہوا تھا اس لیے ذرا بسط سے میں نے جواب لکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں جدید وقدیم فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ع

یہ میں نے مختصر سی بات کی ہے دل میں ڈرتا ہوں
کہ تم آزردہ خاطر ہو نہ جاؤ بات لمبی ہے

.....☆☆☆.....

اخلاقِ حسنہ کے پیکر

حضرت مولانا قاری ادریس صاحب
مدرس تجوید وامام جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بڑے حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں مجھ سے پڑھا ہے اور مکمل تجوید مجھ سے پڑھی ہے۔

الحمدللہ ہم نے اپنی زندگی کے اندر ان کو بہت ہی اچھا پایا ہے، بہت ہی اچھا دیکھا ہے، بہت خلیق انسان تھے، محنتی تھے، مخلص ترین تھے اور ماشاء اللہ بے لوث تھے، کبھی انہوں نے تنخواہ کی لالچ نہیں کی، بغیر تنخواہ کے انہوں نے کام کیا۔ انتہائی تقویٰ والے تھے، شریعت کے بہت پابند تھے، کبھی میں نے ان میں غصہ نہیں دیکھا، کبھی کسی کو جھڑکا نہیں۔

میرا تو ان سے طبی تعلق بھی رہا۔ میں اکثر بیمار رہتا تھا کبھی گلا خراب کبھی بخار تو اس معاملے میں ان سے مشاورت بھی چلتی رہتی تھی۔ یہاں دربار ہسپتال میں وہ ہوتے تھے اور ظہر کے بعد ان کی ڈیوٹی کا وقت ہوتا تھا۔ ان کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس دفتر میں وہ مریضوں کو دیکھنے کے لیے بیٹھتے تھے وہاں ان کا مطالعہ جاری رہتا تھا، اپنی کتابوں وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور جو کبھی مریض آ گیا تو میں نے اپنی آنکھوں سے کئی بار مشاہدہ کیا ہے کہ مریض کے آتے ہی اپنی کتاب میں مطالعے کی جگہ نشانی لگا کر رکھ دیتے، مریض کی نبض دیکھتے، اس سے حال احوال لیتے اور بڑے خلیق انداز میں اس سے معاملہ فرماتے۔ میں نے کبھی ان کے اندر جلالیت کی کیفیت نہیں دیکھی ہمیشہ جب بھی دیکھا تو خندہ پیشانی سے ہی ملتے دیکھا یعنی ہمیشہ جمالیت کو ہی دیکھا ہے۔ کبھی کسی سے ان کی اونچ نیچ بھی نہیں دیکھی، کبھی تلخ کلامی نہیں دیکھی۔ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے اور چلتے تو اس انداز سے تھے کہ ہمیشہ جھکی ہوئی نظریں ہوتی تھیں، سیدھا چلتے ہوئے درسگاہ میں آتے تھے۔ اور تقویٰ وطہارت کے اعتبار سے بہت پائے کے بزرگ تھے، زندہ ولی تھے، چہرے پر ہر وقت ہشاشت بشاشت ہوتی تھی۔ میرے ساتھ تھوڑی سی بے تکلفی بھی تھی تو بعض اوقات تھوڑی دل لگی فرمالیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرا گلا خراب ہو گیا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ ''قاری صاحب! آپ نے بہت پڑھالیا اب چھوڑیں اور آرام کریں''۔ میں نے عرض کیا کہ آرام تو اب قبر میں ہوگا، قرآن پاک کی خدمت تو ہماری روح کے اندر ہے یہ تو اب چھوٹ نہیں سکتی۔

اللہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے اعمال واولاد واخلاف کو ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

.....☆☆☆.....

مشاہیر کی نظر میں

ترجمان حق

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مظفرآباد۔کشمیر

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف، فقیہ النفس، حامیِ سنت، ماحی بدعت حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ (متوفّٰی ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ) ہمارے اکابر اہل علم میں سے تھے۔ان کے فتاویٰ اہل فن کے ہاں معتمد و مستند تھے۔ان کی فقہی اور علمی تحقیقات دلائل سے مبرہن اور نور حق سے مزین ہوتی تھیں حضرت رحمہ اللہ کا خاص وصف لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل تھا۔ یوں لگتا ہے کہ جماعتِ اہل حق کی طرف سے اس فرض کفایہ کی ادائیگی حضرت رحمہ اللہ اپنی مرضی سے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس پر مامور تھے۔

اگر چہ بندہ کو حضرت رحمہ اللہ سے باضابطہ تلمذ کا شرف حاصل نہ ہو سکا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی شفقتیں اور محبتیں شامل حال رہیں اور حضرت رحمہ اللہ کی تحریرات سے استفادے کی وجہ سے اپنے آپ کو حضرت رحمہ اللہ کے حلقہ تلامذہ میں ہی شمار کرتا ہوں اور حضرت رحمہ اللہ کے ارشادات سے مکمل استفادہ کرتا رہتا ہوں۔ بندہ کو حضرت رحمہ اللہ سے غایت درجے کی محبت اور عقیدت ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے افادات و فیوضات کو قبول عام و تام نصیب فرمائیں اور حضرت رحمہ اللہ کی روح مبارکہ کو اعلیٰ علیین میں خاص مقام قرب و رضا عطا فرمائیں۔آمین بجاہ سید المرسلین۔

.....☆☆☆.....

ایک خوش نصیب نیک ہستی

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم! امابعد!

اللہ رب ذوالجلال کا بہت بڑا احسان اور فضل وکرم ہے کہ اپنے دین مبین کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون"

ترجمہ: ہم نے خود اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اور عالم اسباب میں اس کی حفاظت کا یوں انتظام فرمایا کہ اہل حق کی ایک جماعت کو چن لیا ہے جو قیامت تک دین مبین کی پاسداری کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔

اہل حق کے قافلے کی انہی خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک نیک ہستی ہمارے حضرت اقدس حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ کی تھی۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین مبین کے مختلف شعبوں میں بالخصوص تعلیم وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق کے میدان میں خدمت کی سعادت سے نوازا۔ یہ نیک خدمات ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرمانے لگے:

''سنت اللہ یہی ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ زندہ تو نہیں رہ سکتا لیکن ہمیشہ زندہ رہنے والا کام کرسکتا ہے۔ اور وہ صدقہ جاریہ والا کام ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں سے ایسا کام لے لے جن سے مخلوق خدا کو نفع پہنچ رہا ہے۔ جب تک نفع پہنچتا رہے گا ان کو قبر میں ٹھنڈی ہوا پہنچتی رہے گی۔

ایک مسجد کے متولی تھے ان کے بیٹے کا انتقال ہوگیا وہ اپنے بیٹے کے ایصال ثواب کے لیے مسجد تعمیر کروا رہے تو مسجد تعمیر کرواتے وقت ایک بڑا اچھا جملہ کہا کہ

''میں اپنے بیٹے کے لیے قبر میں اے سی (ایئر کنڈیشن) لگوا رہا ہوں''۔

کہ جب تک مسجد میں نمازی نماز پڑھتے رہیں گے، بچے قرآن پاک پڑھتے رہیں گے، میرے بیٹے کو قبر میں ٹھنڈی

ہوا پہنچتی رہے گی۔ اسی طرح ایک بزرگ فرمانے لگے:

''جو والدین اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑتے ہیں وہ فوت ہی نہیں ہوتے۔''

الحمدللہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی جملہ خدمات اور نیک صالح اولاد اور تلامذہ سب ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ آخر میں بارگاہ ایزدی میں التجاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی تمام نیک مساعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، قبر کو نور سے منور فرمائے اور درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ **آمین یا رب العالمین.**

.....☆☆☆.....

ایک قابل رشک مثال

مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مدظلہ
جامعۃ الرشید، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. امابعد !

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ ان سعادت مند انسانوں میں سے تھے جو دنیا سے دین کی طرف یا دنیاوی تعلیم سے دینی تعلیم کی طرف آئے، اور پھر اسی ماحول کے ہو کر رہ گئے۔ ایسی محنت کی اور ایسی ترقی پائی کہ ان لوگوں کے لیے مثال بن گئے، جن کے ذہن میں عصری تعلیم کے بعد علوم شرعیہ کی تحصیل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ اس میں بہت آگے تک جانا چاہتے ہیں۔ اتنا آگے کہ وہ دوسروں کے لیے قابل فخر نمونہ بن جائیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ ڈاکٹر تو پتا نہیں کیسے ہوں گے؟ کبھی اس حوالے سے تذکرہ نہیں چھڑا، لیکن افتاء کے فن میں ماشاء اللہ تدقیق اور تحقیق کا جو مزاج ان کا تھا، وہ واقعتاً تحقیق کا ذوق رکھنے والوں کو ان کی تحریر کی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ خالص فقہی تحقیق اور دقت نظر کا جو مزاج قدرت کی طرف سے ان کو ودیعت ہوا تھا وہ یقیناً قابل رشک تھا۔ ایک دو فقہی مجالس میں اکٹھے حاضری کا موقع ملا تو دیکھا کہ ماشاء اللہ خوب جزورس اور باریک بین طبیعت پائی ہے اور ساتھ میں کتب بینی اور عبارات سے استنباط واستدلال کا مزاج بھی پختہ اور منجھا ہوا ہے۔

فقہی معاملات کے علاوہ عوامی دینی تعلیم وتربیت کے لیے انہوں نے ''فہم دین'' کے نام سے جو کورس مرتب کیا تھا اس سے بھی عوام الناس کو بہت فائدہ پہنچا اور یہ عاجز ایک عرصے تک اسی کے ذریعے اسکول کالج کے طلبہ اور عام نمازیوں کو پڑھاتا رہا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ ''فرق زائغہ'' کے بارے میں پوری جرأت اور انصاف کے ساتھ معلومات حاصل کرتے اور پھر پورے تثبت اور تعمق کے ساتھ لکھتے تھے۔ اس کی ایک سے زیادہ مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے علمائے کرام کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے سنجیدہ انداز میں ٹھوس معلومات کے ساتھ مضامین اور کتابیں لکھیں اور معاصر متجد دفتنوں کے سد باب میں حصہ لیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے فقہی

مقالات کی طرح ان کی ناقدانہ تحریریں بھی ان کی خاص ذوق تحقیق اور بالغ نظری کی آئینہ دار تھیں۔

کچھ مسائل میں ان کا معاصر مفتیان کرام سے اختلاف رہا مگر اس کو انہوں نے آداب اختلاف کی حدود میں رکھا اور معقولیت کے دائرے سے خارج نہ ہونے دیا۔ یہ بھی ان کے معاصرین اور تلامذہ کے لیے خاص طور پر سبق آموز طرز عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی حسنات کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کے صدقات جاریہ کو دوام نصیب فرمائے اور ان کو دنیا میں جس طرح اہل علم کے طبقہ میں منفرد حیثیت عطا فرمائی اسی طرح آخرت میں بھی اپنے مقربین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

جدید وقدیم کا حسین امتزاج

مفتی محمد زکریا صاحب مدظلہ
دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت علمی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو تبحر علمی عطا فرمایا تھا وہ کسی سے مخفی نہیں اور وسعت مطالعہ آپ کی زندگی کا بہت بڑا سرمایہ تھا، جیسے آپ نے جسمانی طب اور ڈاکٹری کو اختیار کر رکھا تھا اسی طرح آپ نے روحانی طب یعنی علم دین کی نشر واشاعت کو بھی اپنا مشغلہ بنایا تھا۔ آپ طبیب روحانی بھی تھے اور طبیب جسمانی بھی اور آپ اس مصرعے پر پورے اترتے تھے:

و ما احسن الدین و الدنیا اذا اجتمعا

لاہور کے دارالافتاؤں میں آپ کی شخصیت افتاء کے لحاظ سے سب سے نمایاں نظر آتی ہے یہاں تک کہ شیخ الاسلام مفتی اعظم فی العالم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بارہا ان پر اعتماد کا اظہار فرمایا۔ اور خصوصیت کے ساتھ مسائل جدیدہ میں جو آپ نے امت کی راہنمائی کی اور اس پر آپ نے جو قلم اٹھایا یقیناً رہتی دنیا تک وہ ایک یادگار رہے گی۔

کمال تقویٰ کے لحاظ سے بھی آپ کمال درجے کو پہنچے ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی مسئلے میں دلائل کی روشنی میں ان کی کوئی رائے قائم ہوئی تو انہوں نے اس رائے سے پس وپیش نہیں کیا، جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ کے دور میں لاہور کے علماء ومفتیان کی ایک ''مجلس تحقیق علمی'' تشکیل دی گئی جس کے اہم رکن حضرت مفتی عبدالواحد صاحب تھے اور بندہ ناچیز بھی اس مجلس کا حصہ تھا، حضرت رحمہ اللہ نے دو تین مشاورتی اجلاسوں کے بعد مجلس میں آنے سے معذرت کر لی۔ صرف اس وجہ سے کہ اس مجلس میں ایک بدعتی مولوی صاحب آتے ہیں اور مجھے ان کا اعزاز کرنا پڑتا ہے اس لیے انہوں نے معذرت کر لی۔

اسی طرح غالباً سن ۱۹۹۱ء یا ۱۹۹۲ء کی بات ہے کہ حضرت ڈاکٹر رحمہ اللہ کے ساتھ دارالعلوم اسلامیہ لاہور میں وفاق کے سالانہ امتحان میں حضرت رحمہ اللہ کی زیر نگرانی کام کرنے کا موقع ملا، وہاں حضرت رحمہ اللہ کی کمال احتیاط دیکھنے کو آئی، وقت کی پابندی اور حسن تدبیر بھی کمال تھی۔

اسی طرح حضرت رحمہ اللہ کا جذبہ خیر خواہی بھی بے مثال تھا چنانچہ کہیں عوام کے لیے سہولت کا موقع سامنے آتا تو

حضرت رحمہ اللہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کو بھرپور سہولت دینے کی کوشش کرتے جیسے کہ حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کا تحقیقی ذوق اس بات سے کھل کر سامنے آتا ہے کہ حضرت، صاحبِ تالیفات کثیرہ تھے خصوصاً مسائل جدیدہ کے حوالے سے اور دارالتقویٰ الہلال مسجد کے دارالافتاء کے رئیس ہونے کے حوالے سے اور پھر جامعہ مدنیہ اور دارالتقویٰ کے استاد الحدیث ہونے کے اعتبار سے۔ مولانا روم نے فرمایا ''باکمال شخصیت کے لیے ظاہری آرائش کی ضرورت نہیں ہوتی'' اسی وجہ سے حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں سادگی بہت زیادہ تھی کہ دیکھنے والا شخص حیرت میں پڑ جاتا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت اور اتنی سادگی!

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت ایک جامع الکمالات اور نابغہ روزگار شخصیت تھی۔ حضرت رحمہ اللہ کی زندگی ہم جیسے لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پیاروں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

کاروانِ حق کے حقیقی وارث

مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب مدظلہ
مدیر: جامعہ حنفیہ، شیخوپورہ روڈ، فیصل آباد

ع

خدا رکھے میرے حرف وقلم کو کاروانِ حق سے وابستہ
انہی کا نقش پائے استقامت ہو، مری منزل مرا رستہ

محقق العصر محافظ مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ مخدومی ومکرمی حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالوحد رحمہ اللہ کا مقام ومرتبہ، قدر ومنزلت جس قدر بندہ حقیر کے دِل میں جلوہ افروز ہے، اپنی علمی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے احاطۂ تحریر میں لانے سے قاصر اور معذور ہے۔ تاہم عقیدت کے چند پھول پیش خدمت ہیں۔ بقول جگر مرادآبادی مرحوم ع

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر جتنا حضرت مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ پر سچا آرہا ہے، دورِ حاضر میں شاید ہی کسی اور پر صادق آتا ہو۔ جگر مرحوم کی زندگی تو شاعرانہ حیثیت کی تھی، لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زندگی ہر لحاظ سے اس کا حقیقی مصداق تھی۔

فرمان نبوی ہے: العلماء ورثۃ الانبیاء. (علماء انبیاء کے وارث ہیں۔) کسی عالم دین کو پہچاننے کے لیے معیار یہی ہے کہ اُسے اِس کسوٹی پر جانچ، پرکھ لیا جائے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور اداؤں کا متبع اور اُن پر عامل ہے یا نہیں؟ کیونکہ حقیقی وارث وہی ہوسکتا ہے جو اپنے مورث کی تمام جائیداد میں سے ہر ایک چیز کا وارث اور حصہ دار ہو۔ حقیقی معنی میں عالم دین وہی کہلائے گا جس کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات وعادات، شمائل وخصائل، زہد وتقویٰ، علم وعمل، دعوت وتبلیغ، احقاقِ حق، ابطالِ باطل، جرأت وہمت، خداخوفی وفکرِ آخرت، صبر وقناعت، تسلیم ورضا اور ایثار وتوکل کی صحیح جھلک اور اسوۂ نبوی کی حقیقی اداؤں کی آئینہ دار ہو۔ اللہ رب العزت نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو وراثت نبوی میں سے ایسا وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت آپؒ میں پائی جاتی تھی۔

اصولاً کسی کا وارث وہی شخص ہوگا جو اس کا نسبی رشتہ دار ہو، مگر علماء کرام کو انبیاء عظام علیہم السلام کا وارث قرار دیا گیا ہے، محض علم وفضل اور اخلاق وشمائل کی وجہ سے۔ یہ کتنا بڑا اعظیم مقام ہے جو صرف اور صرف عالم دین کے حصہ میں آیا ہے۔ کس قدر اونچے مقام اور اعزاز کا حق دار عالم کو ٹھہرایا گیا۔ اب جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا عملاً احیاء کوئی

کرے گا، اسی درجہ کا وارث بھی ہوگا۔

ہم نے دیکھا کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو یہ جذبہ صادق کمال درجے کا عطا فرمایا کہ وہ روحانی بیماروں کی خوب خبر لیتے تھے، ان کے اعتراضات کا جواب نہایت سکون واطمینان سے دلائل و براہین کے ساتھ دیتے تھے۔ پوری زندگی دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے صرف کردی۔ جس میدان میں اترے سکے جما دیئے، آپ رحمہ اللہ کی تحریر میں بے پناہ تاثیر اور تقریر میں سنجیدہ گفتاری کے ساتھ علم کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ قلم وزبان پر پوری طرح قابو تھا، ایک دنیا ان کی علمی سخاوتوں سے بہرور تھی۔ علم وعمل کا پاکیزہ پیکر اور مسلکِ حقہ اہل السنۃ والجماعۃ کا خوشبودار گلدستہ تھے، یوں تو ہر میدان کے شاہسوار مگر دین متین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں اور تحریکوں کے خلاف ننگی تلوار تھے، غیرت وحمیت کی برہان اور جلال الٰہی کا مظہر تھے۔

اپنے قلم سے خدا اور مصطفیٰ ﷺ کے باغیوں کو کاروانِ اہل حق کی آواز میں للکارنے والے، امام ابوحنیفہ کے حقیقی وارث، جن کی صدائے دل نواسے دین حنیف کے چمن میں بہار آجاتی تھی۔

دورِ نبوی سے دین اسلام پر فتنے اور فتنہ گر حملہ آور ہیں۔ فتنہ پرور مادی وسائل اور دولت وثروت کے خزانوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں مضمحل کرنے، انہیں توڑنے، انہیں راہِ راست دکھانے، ان کی سازشوں کو ناکام بنانے، ان کے قلعوں میں شگاف ڈالنے اور غامدیت وسلفیت اور اونچی دیواریں گرانے کے لیے ہر زمانے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ایسے بہادر، جری، نہ بکنے والے، نہ جھکنے والے، نہ دبنے والے، وارثان نبوت کی ضرورت رہی ہے، جنہوں نے اپنے کردار وعمل سے فرق باطل کو پسپا کر کے حق کا بول بالا کیا۔

آپ علماء دیوبند کے کاروانِ حق کے وارث اور اس سلسلہ کی سنہری کڑی تھے جنہوں نے اندھیروں کے لیے روشنی اور گمراہوں کے لیے نورِ ہدایت کا سامان کیا۔ یہ تاریخ کا تسلسل ہے، اس نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ایسے بہادر فرزندان اسلام کی قابل رشک ایمان افروز داستانوں کو اپنے دامن میں محفوظ کیا ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوں گی۔ (ان شاء اللہ) ع

نقش قدم پہ اُن کے عزیزو چلے چلو!
وہ راستے کو کرکے اُجاگر چلے گئے

.....☆☆☆.....

فتنہ جدیدیت کے لیے سیفِ قاطع

مولانا اعجاز مصطفیٰ صاحب مدظلہ
مدیر ماہنامہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی

جامعہ دارالتقویٰ کے رئیس دارالافتاء، جامعہ مدنیہ لاہور کے فاضل ومفتی، محقق عالم دین، کئی کتابوں کے مصنف، اپنے اسلاف کی روایات کے امین، فتنۂ جدیدیت کے لیے سیف قاطع، ہزاروں علماء ومفتیان کے استاذ وقائد حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ قضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں، **انا للہ و انا الیہ راجعون ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطیٰ و کل شیء عندہ باجل مسمیٰ**

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ بے مثال شخصیت تھے، اپنے زمانہ کے بے مثال فقیہ تھے، اور اللہ جل شانہ نے مسائل کی بہت زیادہ سمجھ اور فقاہت عطا فرمائی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ فقاہت میں اپنی مثال آپ تھے، بے شمار تحقیقی وتصنیفی کام کیا جو ان کے لیے ایک بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ آپ رحمہ اللہ کی بے شمار تصنیفات ہیں، ہر ایک اپنی جگہ انتہائی قیمتی ہے، حضرت نے ایک بہت عظیم کام یہ کیا تھا کہ پڑھے لکھے اور پروفیشنل حضرات کے لیے ان کی سوچ کے لحاظ سے ''فہم دین'' کے نام سے مکمل دینیات پر مشتمل ایک نصاب تیار کیا تھا، اس کے دو لیول بنائے تھے۔ ۱۔ او لیول، ۲۔ اے لیول۔ اس نصاب کے لیے آپ نے کتابیں تالیف کیں، یہ ایک شارٹ کورس ہے، بہت مفید ہے، اسی نصاب میں آپ نے تفسیر ''فہم القرآن'' کے نام سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ''بیان القرآن'' کی تسہیل کی، اسی طرح ''فہم حدیث'' کے نام سے تین جلدوں میں احادیث نبویہ کا مجموعہ ترتیب دیا۔

''اسلامی عقائد'' اور ''اصول دین'' جو کہ اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، انہیں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھا۔ حضرت ان کی سوچ کے لحاظ سے چونکہ پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے اس لیے جدید سرجری کے مسائل ٹرانسپلانٹ، اعضاء کی پیوند کاری اور میڈیکل سے وابستہ جدید چیزوں کے مسائل کے حل کے لیے آپ نے ''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'' نامی کتاب تالیف کی۔ مروجہ اسلامی بینکاری پر بھی آپ کی گہری تنقیدی نظر تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے عقائد پر بہت کام کیا، گمراہ طبقے منکرین حدیث ودیگر پر بھی آپ کی نظر تھی۔ آپ کے تخصص کا

نصاب پاکستان میں اپنی نوعیت کا منفرد نصاب ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے اور آنے والی تمام منزلیں آپ کے لیے آسان فرمائے اور خلدِ بریں کا مکین بنائے۔آمین

(ماہنامہ بینات، ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ)

.....☆☆☆.....

قافلۂ اہل حق کے فردِ فرید

مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين نبينا محمد و علىٰ آله و صحبه و من تبعهم باحسان الى يوم الدين،

امابعد:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين، و تاويل الجاهلين. (مشكاة)

ترجمہ: اس علم کو ہر بعد والی نسل کے عادل لوگ حاصل کریں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریفات، اہل باطل کے غلط انتساب اور بے علم لوگوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔

اس حدیث کی شرح میں علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ مشیت ایزدی سے ہر دور میں علم دین کو ایسے خدام میسر آئیں گے جو اہل زیغ وضلال کی بدعات وخرافات، نت نئے افکار واجتہادات اور علمی وفکری کجیوں کی اصلاح اور عوام الناس کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ سرگرم عمل رہیں گے، حق بات کے اظہار واعلان میں یہ خدام علم دین کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

مزاج ومنہج کے اعتبار سے خدام علم دین کے اسی قافلے کے ایک فرد حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ اس فانی دنیا میں اپنی عمر کی ۷۰ کے قریب بہاریں دیکھ کر ۲۲ جون ۲۰۱۹ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ پاکستان کے دینی وعلمی حلقوں میں آپ کی شہرت ایک متصلب صاحب علم، عالم باعمل، راسخ فی العلم کی تھی۔ آپ کا اختصاصی شعبہ ومیدان فقہ وافتاء کی خدمت تھی، آپ کی گوناگوں تصانیف اس پر شاہد عدل ہیں، تاہم اکابر سلف صالح اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کے مسلک ومشرب پر تاحیات سختی سے کاربند رہنے کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ دین کے معاملے میں اپنے پرائے کسی کی بے اعتدالی پر رُو رعایت کے قائل نہ تھے، علمی وفکری انداز سے اپنے اختلاف کو دلائل سے مزین کر کے غلط آراء پر گرفت

فرماتے۔ اگر نوبت تصنیف و تالیف تک پہنچتی تو اس سے بھی دریغ نہ کرتے۔ آپ رحمہ اللہ نے بے شمار تحقیقی و تصنیفی کام انجام دیے جو آپ کے لیے ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ہیں، بالخصوص دینوی تعلیم یافتہ حضرات کے لیے ان کے فہم کے مطابق کورسز، شارٹ کورسز کی تیاری اور اس کی ترویج آپ رحمہ اللہ کا خاص کارنامہ ہے۔ ''بیان القرآن'' کی تسہیل، ''فہم حدیث'' کے نام پر احادیث مبارکہ کا مجموعہ، اور ''اسلامی عقائد'' و ''اصول دین'' پر آپ کی کتابیں مرجع عام و خاص ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے، اور ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق ارزاں فرمائے، آمین

.....☆☆☆.....

اصاغر کی نظر میں

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ
کا تحقیقی وتخریجی انداز

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب مدظلہ
مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ علمی دنیا کے محقق، راست یاب، صاف گو، متین، فطین، خلیق، نفیس، کریم النفس اور تمدن و مدنیت کے رمز شناس وعلمبر دار انسان تھے۔ مورخہ ۲۲ جون ۲۰۱۹ء کو مکین خلد بریں ہو گئے اور علمی دنیا میں پُر نہ ہونے والا خلا چھوڑ گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میرے ان قابل قدر بزرگوں میں سے ہیں جن سے ملاقات ومشافہہ کی سعادت دو سے زائد مرتبہ شاید نصیب نہ ہوئی ہو، مگر سن شعور سے اب تک ان کی عقیدت واحترام کا اسیر ہوں۔ جوں جوں آپ کے علمی مآثر سے استفادے کی نوبت آتی رہی اس عقیدت واسارت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وتحقیق میں رتبہ بلند عطا فرما رکھا تھا، نیز تحقیق وتخریج اور فہم وتفہیم کا منفرد ملکہ نصیب عطا فرما رکھا تھا جس کی بدولت ہر استعداد کا طالب علم آپ کی بات با آسانی سمجھ سکتا تھا۔ مشکل سے مشکل علمی وتحقیقی موضوعات پر آپ نے قلم اٹھایا اور علم وتحقیق کا حق ادا فرمایا۔ مگر آپ کی علمی گہرائی اور تحقیق کی بلندی اپنے قاری کے لیے مانع استفادہ نہیں رہی۔ کسی بھی استعداد کا طالب علم اگر آپ کی تحقیقات وتحریرات سے استفادی تعلق قائم کرنا چاہے تو ان کا حسن بیان، تعبیری سہولت اور تفہیمی انداز ایسے طالب علم کے لیے معاون وسہولت کار ثابت ہوگا اور وہ اپنا دامن علمی وتحقیقی جواہر پاروں سے بآسانی آراستہ کر سکے گا۔

راقم الحروف نے اپنی ناتواں استعداد اور محدود استفادے کے ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات وتحقیقات میں جو انفرادیت جا بجا محسوس کی وہ یوں ہے:

۱۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات میں بلا کی دینی حمیت، بلند پایہ اخلاقی جرأت اور خوف وملامت سے بالا تری جیسے موروثی دیوبندی اوصاف نمایاں پائے جاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے نام نہاد اسلامی بینکاری، انشورنس بنام تکافل، فکر ولی اللہی، فکر غامدی وغیرہ جیسے عصر حاضر کے فکری وفقہی موضوعات پر قلم اٹھایا اور خوب اٹھایا، یہاں

آپ کے بعض مخاطبین کو معاشرتی استثناء یا نسبتوں کی اوٹ حاصل تھی، جس کی وجہ سے عام اہل علم اخلاق و مروت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسی ردا ہائے تقدس کے پیچھے چھپی ہوئی جدت وفکری بے راہ روی کو مخاطب نہیں کر پا رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس نوعیت کے فکری سیلاب کے سامنے دیوبندی شعار کے احیاء کا کام حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے لیا۔ آپ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے کسی کے بلند مقام، ذاتی شخصیت اور کسی کی خاندانی نسبت کو حائل نہیں ہونے دیا۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ دینِ اسلام کے اس اعجاز کے ظہور کا مظہر ثابت ہوئے کہ جادۂ حق سے انحراف و انصراف، عظیم وجاہت اور عالی نسبت کے ساتھ مل کر آئے تو بھی قابل اعتناء نہیں ہوسکتا۔

۲۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جدیدیت واباحیت زدہ جس طبقے کو مخاطب فرمایا وہ طبقہ بمقتضائے شرع ہر نوع اندازِ تخاطب کا خود ان کے اپنے اصولوں کے مطابق مستحق تھا۔ مگر اس شدید فکری وفقہی نزاع میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے سخت سے سخت بات اور سنگین سے سنگین غلطی کی نشاندہی، فہمائش اور تنبیہ شستہ انداز، علمی اسلوب، عالمانہ وقار اور نرم لہجے میں فرمانے کی کوشش فرمائی۔ آپ نے اکابر دیوبند کے اس اسلوب کو خوب خوب زندہ رکھا کہ ''مؤقف مضبوط اور الفاظ معتدل رکھے جائیں'' اس اسلوب میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریریں حضرت امام اہل سنت، شیخ مکرم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی تحریرات کا نمونہ ہیں۔

۳۔ جدیدیت اور فکری انحراف کے جن سلسلوں سے آپ کی مخاطبت رہی ان سلسلوں میں رد وقدح، دخلِ مقدر کے جواب، بین السطور اضافے اور جملہائے اعتراضیہ معمول کا عمل ہے۔ مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر میں اختصار، جامعیت اور حشو وزوائد سے بچاؤ کا خاص ملکہ میسر فرما رکھا تھا۔ آپ صرف قابلِ رد بات کو اقتباس کی صورت میں لیتے اور اس پر ''اپنی بات'' اور ''اپنا کہنا'' کہہ کر تحقیق حق سے سرخرو ہو جاتے ہیں۔ یہ اندازِ تردید حضرت محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری، حضرت اقدس محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہما اللہ کی تحریروں سے میل کھاتا ہے۔

۴۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تردید وتنقید محض لفظی وعنادی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ ٹھوس تحقیق اور معیاری تخریج کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ جبکہ ہمارے جدت پسندوں کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ ''جو بات ملے، جس کی ملے، جیسی ملے، جہاں سے ملے، جس پائے کی ملے'' وہ مفیدِ مرام ہو تو اسے اپنے مؤقف کی بنیاد بنا لیا جائے۔ مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے لوگوں کو ان کے انداز میں جواب دینے کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں کسی بھی دلیل اور حوالے کے نقل و بیان کے لیے رد وقدح کے مندرجہ ذیل روایتی اصولوں کا التزام خوب خوب ملتا ہے:

الف: ہر قول اور حوالہ دلیل نہیں ہوا کرتا، مستند قول اور معیاری حوالہ نقل و بیان کے قابل ہوتا ہے، ورنہ دنیا میں ہر غلط بات کے لیے کسی قول وحوالہ کا میسر آنا مشکل نہیں ہے۔ یہ اصول فکری وفقہی مباحث میں یکساں طور پر اپنایا جاتا رہا ہے اور اس اصول سے انحراف ضلالت کی بھٹی میں کودنے کے مترادف ہے۔

ب: کسی بھی قول اور حوالہ کو اپنے سیاق وسباق کی روشنی میں دیکھ کر، سمجھ کر، اس کے پس منظر اور واقعاتی مفہوم کے ساتھ نقل کرنا علمی دیانت اور دینی امانت کا تقاضا ہے۔ الحمدللہ! ہمارے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس اصول پر بخوبی کاربند تھے۔ جبکہ جدید تحقیقات کے نام پر اس وقت مسلمات سے انحراف اور فقہی ذخیرے کے ساتھ بدتر کھلواڑ ہو رہا ہے جسے جدید مسائل کا حل اور روشن خیالی باور کرایا جا رہا ہے اور ادھوری عبارات اور ناقص حوالہ جات کے ساتھ جدید فکری وفقہی مسائل کے عنوان سے اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کرنے کا منصوبہ زوروں پر ہے، امانت ودیانت سے عاری اس اندازِ تحقیق سے دفاع کے لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا اندازِ تحقیق قابل تقلید ہے۔

ج: دین، سند کا نام ہے، الفاظِ شریعت پر اعتماد کے لیے اگر سند اہم ہے تو الفاظ کے مطالب ومعانی کی تعیین وترجیح کے لیے بھی سند اہم ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نصوص شرعیہ میں سند کو اہمیت دیتا ہو اور معانیِ نصوص میں خودمختاری، آزاد خیالی اور من پسندی کی روش کا حامل ہو تو اس کے طرزِ فکر وعمل کو بے سند، بے بنیاد اور سلف سے انحراف قرار دیا جاتا ہے، الفاظ ومعانی میں سند کی اہمیت کا دوسرا نام اتباعِ سنت ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریروں میں اتباعِ سلف کے اس اصل کی پاسداری باکمال انداز میں ملتی ہے۔

د: علماءِ اسلام کا وظیفہ دین اسلام کی تبلیغ وتعلیم ہے، علماء کی ایسی جدید روش جو تعلیم وتبلیغ کی بجائے دین اسلام میں ترمیم وتعطیل کو مستلزم ہو یہ تحریفِ دین کے مترادف ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریروں میں اہلِ علم کو یہ سبق ملتا ہے کہ جدید تحقیقات کے نام پر دین اسلام میں ترمیم وتعطیل کے ارتکاب سے پرہیز کیا جائے۔ ورنہ ہمارا کردار ہمیں **تلاعب بالدین** اور ''**اتباع سنن من قبلکم**'' کی سنگینی کا شکار بنا سکتا ہے۔ **اعاذنا اللہ من ذلک**

۵۔ اسلامی دنیا کے حق میں موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ فی زمانہ دنیائے انسانیت کے سیاسی، معاشی اور فکری میدانوں میں مغرب کا تسلط روز افزوں گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے اور دنیا مغرب کی بالادستی کو ذہناً وعملاً قبول کر چکی ہے، جس کے نتیجے میں دنیا کی فکری، سیاسی اور معاشی ترقی، تعمیر اور تعبیر مغربی فکر وفلسفہ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اصولوں، فارمولوں اور طریقوں کے بغیر ناممکن سمجھی جانے لگی ہے۔ دنیا اس المناک حادثے کو ایمان کا درجہ دے بیٹھی ہے، لیکن دوسری طرف مغربی تاریخ خود یہ گواہی دیتی ہے کہ جمہور علماء اسلام نے مغرب کی اس بالادستی کو کبھی قبول کیا اور نہ ہی اس کی چمک دمک کے سامنے ان کی آنکھیں خیرہ ہوئیں۔ بلکہ انہوں نے ڈٹ کر مغرب کے اس فکری سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی کوشش فرمائی۔

البتہ ماضی اور حال میں بعض علماءِ اسلام نے اس ''المیاتی اصول'' کے سامنے اپنی تخریجی خدمات پیش فرمائیں اور مغربی نظام کے پیدا کردہ بعض سیاسی، معاشی اور فکری مسائل کی فقہی تخریج فرما کر مغرب کی بالادستی اور اسلام سے ہم آہنگی ثابت کرنے کی طرح ڈالی، اور دین اسلام کو اس کا خادم ثابت کرنے کی غیر شعوری کوشش فرمائی، اس طرز فکر وعمل نے

ہمارے دور میں جب تیزی دکھانا چاہی تو ان کی فہمائش میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے قلمِ حق رقم سے اللہ تعالیٰ نے جو کام لیا، یہ کام اس دور میں حفاظت دین کی عمدہ مثال، تجدیدِ اسلام کی عظیم خدمت کا مظہر اور **تحریف الغالین و انتحال المبطلین اور تاویل الجاھلین** کے انسداد کا مصداقِ کامل ہے اور جمہور علماءِ اسلام کی ترجمانی کا اعزاز ہے۔

آپ کا یہ حفاظتی عمل، تجدیدی کارنامہ اور انسدادی پشتہ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت نانوتوی، حضرت مدنی، حضرت تھانوی، حضرت حقانی اور دریا آبادی رحمہم اللہ کے تحقیقی، تجدیدی اور تردیدی کارناموں کی اثر گیری کی عکاسی ہے۔ **فجزاہ اللہ عنا و عن اھل العلم فی الدنیا و الآخرۃ خیر الجزاء و صلی اللہ و سلم علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین**

والسلام

.....☆☆☆.....

علم وعمل کا پیکر

مولانا تنویر احمد شریفی صاحب مدظلہ
کراچی

ایک مسلمان اگر یہ معلوم کرنا چاہے کہ میرے معبود حقیقی کو کیا چیز پسند ہے اور کیا ناپسند ہے، تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مشکاۃِ نبوت کی طرف رجوع کرے کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں جو انسانی عقل کے ادراک سے باہر ہیں۔ مثال کے طور پر نماز ایک اہم ترین رکن اور محبوب ترین عبادت ہے، لیکن اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت نوافل پڑھنا چاہے تو اسے بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ حالانکہ بظاہر وہ نماز ہی پڑھ رہا ہے، اور خدا کی یاد میں مصروف ہے۔ اسی طرح بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حق تعالیٰ کو پسند یا ناپسند تھیں، اور عقل انسانی اس کے ادراک سے قاصر تھی، اس لیے باری تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور ہمارے نبی آخر الزمان، سرکار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنی وضاحت سے احکام بتلائے کہ اس قسم کی کسی چیز کی کمی نہ رہے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں نے ان ہی علوم نبویہ کی اشاعت کی، ان پر عمل پیرا رہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں یہ علوم لے کر پھیلتے چلے گئے، ان کے بعد باعمل علماء سلسلہ وار اس علم وعمل کے حامل رہے، حتیٰ کہ ہمارا زمانہ آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے لے کر آج تک ایسے تمام علماء کے حالات، ان کے علم وعقل کے توازن اور عملی پہلو کا جائزہ ہر زمانے میں لیا جاتا رہا ہے۔ اس پر بہت کتابیں لکھی گئیں، اور اس علم کا نام اسماء الرجال رکھا گیا، اور بے سند علم کو معتبر نہیں شمار کیا گیا۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انما العلم بالتَّعَلُّمِ. (بخاری)

یعنی (علوم دینیہ میں معتبر) علم سیکھنے سے آتا ہے۔

''یہی وہ علم ہے جس کا سیکھنا ہی خود بڑی عبادت ہے، اور عنداللہ سب سے اعلیٰ فضیلت ہے۔''

درج بالا معنیٰ خیز تحریر استاذی ومربی شیخ الحدیث حضرت مولانا حامد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی ہے، جو آپ نے ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں ''روداد جامعہ مدنیہ'' کے ابتدائیہ کے طور پر رقم فرمائی تھی۔ فی زمانہ اس تحریر کے مطابق مدارس سے خال خال علماء پیدا ہو رہے ہیں، اور جو اس معیار کے تھے، وہ اب رفتہ رفتہ یہاں سے کوچ کرتے جا رہے ہیں۔ جس وقت

حضرت جی رحمہ اللہ (مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ) نے یہ تحریر قلم بند فرمائی تھی زیر نظر تحریر وسطور جس کامیاب شخصیت کے متعلق ہیں، اس کی عمر سولہ سال تھی، یہ شخصیت کون ہے جو سلسلہ واراس علم وعمل کے حاملین میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرور ہوئی اور معتبر علم کی حامل بنی؟ اپنے وقت کے شیوخ اور اہل علم وفضل کے معتمد ہونے کے ساتھ ساتھ عوام وخواص کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنی، وہ اسلاف کی یادگار، عالم باعمل، فقیہِ وقت، مؤلف کتبِ کثیرہ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً) تھے۔ آپ حضرت جی رحمہ اللہ کی محنت ومحبت کا عکس تھے۔ آپ نے جس وقت جامعہ مدنیہ لاہور میں حصول علوم نبوی کے لیے اپنے آپ کو مشغول کیا، اس وقت جامعہ میں اعلیٰ درجات وصفات کے حامل اساتذہ کرام خدمات انجام دے رہے تھے۔ ذرا غور تو فرمایئے کہ حضرت جی رحمہ اللہ سے ''بخاری شریف'' پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان سے تربیت بھی حاصل کی اور بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا۔ حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری رحمہ اللہ علیہ جیسے کہنہ مشق استاد کی شفقت ملی۔ حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب علیہ الرحمہ کی خصوصی توجہ کے مورد بنے۔ آج وہ شخص جس نے ان حضرات کو دیکھا ہو، اس کو ان کی صفات کا حامل استاد اور شاگرد ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے، اگرچہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فاضل ہونے کے بعد جامعہ مدنیہ میں تدریس وافتاء کی ذمہ داری خوب خوب نبھائی۔ اور حضرت جی رحمہ اللہ کا آخری زمانہ پایا، لیکن فضیلت وسعادت تو اپنی جگہ ہے، اس میں دورائیں نہیں ہوسکتیں۔

مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی پہلی زیارت کا سن تو یاد نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ آپ کی پہلی مرتبہ زیارت داتا دربار ہسپتال میں ان کے آفس میں ہوئی، جہاں میڈیکل آفیسر کے طور پر تعینات تھے۔ میرے مرحوم بہنوئی جناب امتیاز صاحب ملانے لے کر گئے تھے۔ بعد میں تو کئی مرتبہ زیارت سے مشرف ہوا، اس لیے بھی کہ مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان کی لاہور شاخ کے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سرپرست تھے اور مجلس کے پروگراموں کی اکثر صدارت کا فریضہ آپ ہی کے ذمہ ہوتا تھا، میں اپنے بے ربط مضمون میں چند یادداشتیں، جو تاریخی طور پر محفوظ ہونی چاہئیں، پیش کرتا ہوں۔

یکم جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰ جون ۲۰۰۴ء ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب میں میں نے یہ خواب دیکھا:

''حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہم گاڑی چلاتے ہوئے کہیں جارہے تھے، گاڑی روک کر مجھے بٹھالیا۔ تھوڑی دور چلے ایک مولوی شکل وصورت کے صاحب نظر آئے، حضرت مفتی صاحب نے انہیں بھی بٹھالیا، لیکن اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب ان مولوی صاحب کو جانتے نہیں ہیں۔ یہ تھے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم۔ منزل پر پہنچ کر ہم تینوں اتر گئے اور حضرت مفتی صاحب الوداعی سلام ودعا کر کے چلے گئے۔ میں (راقم الحروف) حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے باتیں کرنے کھڑا ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحب تھوڑی ہی دور تک گئے تھے، کوئی صاحب انہیں ملے اور شاید انہیں بتایا کہ آپ کے ساتھ مفتی تقی عثمانی صاحب ہیں؟ تو حضرت

مفتی صاحب واپس آئے اور میں نے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کو بتلایا کہ یہ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب ہیں، جامعہ مدنیہ لاہور میں مفتی ہیں اور مسائل بہشتی زیور کو جدید اضافی مسائل کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا ہاں! میں جانتا ہوں۔ دونوں نے پھر گرم جوشی سے ملاقات کی۔''

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے یہ خواب ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۴ء کو مخدومی حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم کو کراچی میں سنایا تو یہ تعبیر ارشاد فرمائی کہ ''بھائی اس سے ظاہر ہے کہ دونوں کی راہیں الگ الگ ہیں، اس لیے ان میں پہچان نہیں تھی۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ دلائل کے ساتھ فتویٰ تحریر فرماتے تھے۔ اگر مشورہ دینا ہوتا تو فتوے پر مہر نہیں لگاتے تھے۔ میں صرف ایک استفتاء اس سلسلے میں پیش کر کے اس بے ربط مضمون کو ختم کرتا ہوں:

استفتاء

حضرات علماء کرام اور مفتیان صاحبان اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ دعوت وتبلیغ کے کاموں میں اپنے گھر بار، والدین، بیوی، بچے، کاروبار کتنے دن کے لیے چھوڑ کر دورے پر جاسکتے ہیں؟

۲۔ جو حضرات والدین کے ماتحت رہتے ہیں کیا انہیں والدین سے اجازت لینا ضروری ہے؟ نیز وہ حضرات جو والدین کے ماتحت نہیں ہیں، اور شادی شدہ ہیں، کیا وہ اپنی بیوی سے اجازت لے کر جائیں گے؟

۳۔ کیا چار مہینے سے زیادہ تبلیغی دورے پر جاسکتے ہیں؟ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے لیے چار مہینے چھاؤنی میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ اس کے بعد گھر جانے کے لیے کہا تھا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۴۔ تقریباً تمام مساجد میں فرض نمازوں کے فوراً بعد دعا سے پہلے دعوت وتبلیغ کے لیے اعلان کیا جاتا ہے، یا مدارس والے سفیر حضرات چندہ کا اعلان فرماتے ہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ جبکہ ایسا کرنے سے وہ حضرات جن کی رکعتیں فوت ہوگئی تھیں وہ جب اپنی نماز پوری کرتے ہیں، ان کی نماز میں فرق آجاتا ہے، اور ان میں اکثر حضرات تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار سے بھی زیادہ خاموش ہوجاتے ہیں، کیا ان کی نماز ہوجائے گی؟ نیز پھر ایسے امور کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

۵۔ اکثر تبلیغی بھائی ان حضرات کے لیے گمان کرتے ہیں جنہوں نے دعوت وتبلیغ میں وقت نہیں لگایا کہ ان کا طریقہ صحیح نہیں ہے جب تک وہ وقت نہ لگائیں۔ کیا ان کا طریقہ صحیح ہے؟

۶۔ کیا عورتوں کا تبلیغ میں جانا صحیح ہے؟

مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمادیجیے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

سائل: تنویر احمد شریفی

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

۱۔انوار مدینہ میں شائع شدہ دعوت وتبلیغ سے متعلق مضمون کو چھاپنے اور شائع کرنے کی عام اجازت ہے۔

۲۔تبلیغی جماعت سے متعلق امور کے بارے میں ہم نے بعض مصلحتوں سے یہ روش اختیار کی ہے کہ تحریری جواب نہیں دیں گے کیونکہ ہم آپس کی قیل وقال اور فتویٰ بازی میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔کبھی آپ کا لاہور آنا ہو اور آپ کے پاس وقت ہو اور دلچسپی ہو تو زبانی کچھ عرض کر دوں گا۔البتہ کبھی ضرورت محسوس کی تو رائے ونڈ کے علماء حضرات کے بات کو گوش گذار کر دیا۔آگے وہ ذمہ دار ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالواحد

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

.....☆☆☆.....

جامع المحاسن

مولانا احسن احمد عبدالشکور صاحب

بہاولپور

۱۸ شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور میں دوبارہ یتیم ہو گیا۔ پہلی مرتبہ تب جب یکم جون ۲۰۰۹ء کو میرے والد صاحب کی وفات کی اطلاع ملی تھی اور دوسری مرتبہ آج .....!!! اور دونوں مرتبہ سانس بند ہوتا، اور جان نکلتی محسوس ہوئی۔

محبت کے اپنے ہی پیمانے ہوا کرتے ہیں، محبوب کی ہر ہر ادا بے مثال اور کمی سے مبرا معلوم ہوا کرتی ہے۔ بندہ کا احساس یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کو ''جامع المحاسن'' بھی کہا جائے تو آپ کی شخصیت بڑی، اور اس جیسے بھاری بھرکم لفظ کا چولا تنگ معلوم ہوتا ہے، معلوم نہیں کہ مجھ جیسے گم نام کوتاہ نظر کو آپ سے کب اور کیسے اتنی شدید محبت ہو گئی۔

جب مفتی عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا اطلاعی فون آیا کہ ''حضرت ڈاکٹر صاحب وفات پا گئے'' تو اس اچانک خبر سے دماغ ماؤف سا ہو گیا، کان سائیں سائیں کرنے لگے، اور بھری دنیا اجڑی اجڑی معلوم ہونے لگی۔ چند ایک ساتھیوں سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے جنازے میں اکٹھے چلے جائیں، لیکن کسی سے بھی رابطہ نہ ہو سکا۔ اسی میں بہتری ہو گی۔ تشویش یہ تھی کہ کہیں جنازے میں شرکت سے محروم نہ رہ جائیں۔ مسنون ہے کہ جنازہ تیار ہو تو اس میں دیر نہ کی جائے، اور جلد سے جلد نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے۔ تو جو شخص خود اپنی ساری عمر سنتوں کی پابندی اور اہتمام سے گذار کر گیا ہو، اور جانشین وخلف الرشید بھی ایک نیک صالح عالم ومفتی کی صورت میں موجود ہو، تو اس سنت پر عمل ہونے کی حوصلہ افزا امید کے ساتھ ساتھ، خود کے دل میں یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں لاہور پہنچنے میں ذرا سی تاخیر ہو گئی تو جنازے میں شرکت سے محروم ہو جاؤں گا۔ خیر ماؤف دماغ کے ساتھ، اکیلا ہی بھاگم بھاگ لاہور کے لیے نکل پڑا۔ سارا راستہ گذرے دنوں کی باتیں یاد آتی رہیں، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شفقتیں، محبتیں، اور..... اور.....اور.....،

زندگی کے ہر ہر موڑ پر مختلف مسائل میں، ہمہ جہتی پیش آمدہ مشکلات میں، دینی رہنمائی اور مشکل کا حل یوں مل جایا کرتا تھا جیسے اس مسئلے کا اس سے زیادہ فطری اور آسان حل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھنے، اور ان کی روحانی توجہات کی برکت سے گتھیاں یوں سلجھتی چلی جاتی تھیں کہ بعض مرتبہ تو خود حیرت ہوا کرتی تھی کہ یہ بات پہلے کیوں ذہن میں نہ آئی، اور ذہن پہلے اس نکتے کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا۔ خیر، تعلیم وتربیت کے طویل

سلسلے میں یہ باتیں تو آئے روز کا معمول ہوتی ہیں۔ سارا راستہ ذہن میں گذرے لمحات کی یادوں کے نقوش ابھرتے مٹتے رہے، اور ہمت کے بقدر کچھ تلاوت وذکر کر کے ایصال ثواب کرتا رہا۔

عشاء کی نماز کے وقت لاہور پہنچا، اسی مسجد میں نماز پڑھی جہاں بارہا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے آتے تھے، تو پڑھا کرتے تھے، اور خشوع سے خالی نماز پڑھ کر ایک خشوع وخضوع سے بھری نماز پڑھنے والی شخصیت کا انتظار کیا کرتے تھے۔ سب باتوں کا پتہ ہوتے ہوئے بھی دزدیدہ سی نظروں سے، نمازیوں کی صفوں میں، نماز پڑھتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو نگاہیں تلاش کرتی رہیں، گو کہ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، اور جو ہونی تھی، وہ ہو چکی تھی۔

نماز جنازہ کا وقت تو کچھ دیر ٹھہر کر تھا، باہر آئے، کچھ ساتھیوں سے ملاقات ہوئی، کہنے کو کسی کے پاس کچھ نہیں تھا، بس بوجھل طبیعت اور بے زبان دل، اور اس آزمائش سے گذرتے لمحات۔ ع

زبان بے دل ہے، اور دل بے زباں ہے ہائے مجبور
بیاں میں کس طرح آئے کہ جو دل پر گزرتی ہے

بس مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے بہ مشکل تمام ایک مختصر سا جملہ کہا جو سب کی دلی ترجمانی تھی کہ: ''آج ہم یتیم ہو گئے''۔ اس قسم کے موقعوں پر اس قسم کے جملے سنتے رہے تھے لیکن علمی میدان، خصوصاً افتاء وارشاد کے میدان میں یتیم ہو جانے کا احساس کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے، اس کا شعوری تجربہ شاید پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔ بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکابرین کی بروقت قدردانی اور ان سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اجمالی خاکہ

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کا تفصیلی خاکہ لکھنا تو مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، فرزندِ اکبر حضرت ڈاکٹر صاحب کے ذمے ہے، اور وہی لکھ سکتے ہیں، اور علمی جولانیوں کی تفصیلی داستان پر دارالافتاء سے جڑے مفتیان کرام میں سے کوئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ لیکن میرے جیسا کوتاہ بین شخص اگر خاکہ سازی کی کوشش کرے تو یوں کہہ لیجیے کہ: تقویٰ، طہارت، سنجیدگی، متانت، وقار، شفقت ورافت، فکر ونظر، تحقیق وتدقیق، علمی رسوخ، فقہ الکتاب والسنۃ، احقاق حق، ابطال باطل، تعاقب فتن، معصومیت، سادگی، سلامتی فکر، اور اصول پسندی جیسی صفات کو مجتسد کیا جائے تو اس سے حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی سی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ قلم سیال تھا، اور خوب روانی سے چلتا تھا، مختلف علوم وفنون پر انتہائی قیمتی علمی ورثہ، صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑا ہے۔ اس تحریری سرمائے کی فہرست بترتیب حروف ابجد درج ذیل ہے:

۱۔ اسلامی صکوک، تعارف وتحفظات۔

۲۔ اسلامی عقائد۔

۳۔اصول دین۔
۴۔بہائی جماعت کی خدمت میں چند گذارشات۔
۵۔پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکنگ میں چند واجب اصلاح امور۔
۶۔تجارت کے اسلامی احکام۔
۷۔تحفۂ اصلاحی۔
۸۔تحفۂ خیر خواہی۔
۹۔تحفۂ غامدی۔
۱۰۔تین متفقہ مسائل کی تحقیق۔
۱۱۔جاگیرداری اور اسلام۔
۱۲۔جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا شرعی جائزہ۔
۱۳۔جوابِ نفیس۔
۱۴۔داستانِ عبرت (حصہ اول، دوم)
۱۵۔دین کے کام میں راہنما اصول۔
۱۶۔ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات کا جائزہ۔
۱۷۔سبزی منڈی و فروٹ منڈی کی آڑھت کے اسلامی احکام۔
۱۸۔سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام۔
۱۹۔شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قراءت متواترہ۔
۲۰۔صفات متشابہات اور سلفی عقائد۔
۲۱۔علوی مالکی کے عقائد۔
۲۲۔عمار خان ناصر کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی۔
۲۳۔فاضل بریلوی۔
۲۴۔فزکس اور میٹافزکس۔
۲۵۔فقہ اسلامی۔
۲۶۔فقہی مضامین۔
۲۷۔فہم حدیث، شرح الحدیث۔

۲۸۔فہم قرآن، تفسیر۔
۲۹۔قرآن کو قرآن کے مطابق سمجھیے۔
۳۰۔قرآن وحدیث سے عداوت کیوں؟
۳۱۔مرزا قادیانی۔
۳۲۔مروجہ مجالس ذکر ودرود شریف کی شرعی حیثیت۔
۳۳۔مریض ومعالج کے اسلامی احکام۔
۳۴۔مسائل بہشتی زیور۔
۳۵۔مسنون حج وعمرہ (مدلل)
۳۶۔مسنون حج وعمرہ (مختصر)
۳۷۔ہدیۂ فکر۔
۳۸۔متفرق مقالہ جات، جو ''انوار مدینہ'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اپنی بساط بھر استیعاب کی کوشش کے باوجود یقیناً کچھ کتابوں کا تذکرہ رہ گیا ہوگا۔اگر کسی ساتھی کو مزید کتابوں کا علم ہو، تو ضرور خبر کرے۔ان کتابوں پر تفصیلی تبصرہ، یا معاصر علماء ومفتیان کرام کی آراء کو تو اس مختصر سے مضمون میں نقل نہیں کیا جا سکتا، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں اور ان کے موضوعات کا مختصر سا تعارف کروا دیا جائے، جس سے اندازہ ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے کن کن جہتوں سے دین کی خدمت لی ہے۔

قرآنی خدمات:

اسلامی علوم ومعارف کی ابتداء قرآن مجید سے ہوتی ہے تو ''فہم قرآن'' نامی تفسیر سے اس کا موضوع روز روشن کی طرح واضح ہے۔اور علوم قرآن ہی کے ذیل میں قراءات کے موضوع پر بھی ایک رسالہ موجود ہے۔اس تفسیر کا کام سولہ پاروں تک حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں کافی عرصہ پہلے مکمل ہو چکا تھا، اور تین جلدوں میں طبع ہو کر عام دستیاب تھا البتہ سترہویں پارے سے آخر تک کی تفسیر کا موقعہ آخری عمر میں ملا جو بائیسویں پارے تک کا کام مکمل ہو چکا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا (یہ حصہ بھی طبع کے مراحل کے بالکل قریب ہے)۔آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب اور آپ کے دیگر تلامذہ سے امید ہے کہ اس کی اسی نہج پر تکمیل فرما دیں گے۔اس تفسیر میں لفظی ترجمہ، ''تفسیر بیان القرآن'' اور ''تفسیر عثمانی'' اور کہیں کہیں ''معارف القرآن'' سے استفادہ کیا گیا ہے، اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے ایک تشریحی تفسیر ہے، جس میں مصنف رحمہ اللہ کی اپنی تحقیقات بھی شامل ہیں۔

پھر قرآن مجید کو سمجھنے کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو متوارث ہے، یعنی اساتذہ سے پڑھ کر ایک خاص اسلامی ذوق کی تعمیر

اور پھر متقدمین اور اکابرین کے فہم اور ان کی فراست کے تابع ہو کر چلنا۔ لیکن آج کل پرویزی فکر کے نمائندہ محمد شیخ اور ڈاکٹر قمر الزمان وغیرہ جیسے منکرین حدیث اور ان جیسے بہت سے ایسے لوگ بھی جنہوں نے متوارث طریقے سے دینی علم بھی حاصل نہیں کیا ہوا، اور فہم قرآن وحدیث کے لیے مطلوبہ مقدار میں علم بھی حاصل نہیں کیا ہوا، اور طرفہ تماشا ہے کہ قرآن مجید سمجھنے کی خانہ زاد کوشش میں علماء کے منہ کو آتے ہیں کہ علماء بھی قرآن مجید کو اس طرح کیوں نہیں سمجھتے جس طرح ہمیں سمجھ میں آرہا ہے، اور عوام کو اپنی چرب زبانی سے بھٹکانے کا کام کرتے ہیں، تو ان جیسے لوگوں کی اصلاح کے لیے استاد جی نے ایک رسالہ بنام ''قرآن کو قرآن کو کہے کے مطابق سمجھیے'' تحریر فرمایا، جو ایک دعوتی کتابچہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور علوم قرآن مجید ہی میں قراءات وروایات کا علم بھی داخل ہے، اور قرآن مجید کی مختلف قراءات ہیں، اور مختلف روایات ہیں اور اتنی بات بہت سوں کو معلوم ہے، (گو افسوس ہوتا ہے کہ اب ان متواتر روایات کا بھی جاوید غامدی اور ان کے ہم نوالوگوں نے انکار شروع کر دیا ہے) لیکن فی نفسہ اس موضوع پر یہ سوال کہ حروفِ سبعہ کی روایات کا مفہوم ومطلب کیا ہے، اور اس سے کیا مراد ہے؟ ایک شہرۂ آفاق بحث ہے، اور علوم قرآن کی مشکل ابحاث میں شمار ہوتی ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس رسالے میں حروف سبعہ کے بارے میں وارد احادیث کی بڑی نفیس اور قیمتی شرح کی ہے، اور قراءات متواترہ کی تاریخ کو بھی اختصار سے بیان فرمایا ہے۔ اور اس طرح کے مشکل مباحث میں حضرت رحمہ اللہ کے قلم کے جوہر خوب کھلے ہیں، اور آپ کے قلم کی جولانی خوب لائق ملاحظہ ہے۔ چنانچہ حروف سبعہ کی شرح میں ایسے درر و جواہر لٹائے ہیں کہ متقدمین کی کتب میں بھی وہ توجیہات اور نکات نہیں جو یہاں ملتے ہیں۔ اور فقہ الحدیث کا یہی وہ میدان ہے جہاں بڑے بڑے متقدمین کے پائے کی توجیہات میں علمائے دیوبند بھی شریک وسہیم ہیں۔ **وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.**

حدیث پر کام

قرآن مجید کے بعد دوسرا نمبر حدیث وسنت کا ہے۔ اس موضوع پر ''فہم حدیث'' نامی کتاب تین جلدوں میں مرتب فرمائی کہ کتاب اللہ کا صحیح مفہوم حدیث کی مدد سے ہی متعین کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہ کتاب عقائد، اصول شریعت، عبادات، معاشرت اور معاملات وغیرہ جیسے تمام ابواب پر مشتمل احادیث کا ایک جامع، مفید اور علمی انتخاب ہے، جس میں احادیث کے ترجمے کے ساتھ بین القوسین تشریحی اضافے اور عنوانات بھی قائم کر دیے گئے ہیں۔

اسلامی عقائد

دین اسلام جس کی بنیاد کتاب وسنت پر قائم ہے، اس کی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تقسیم کے مطابق پہلی اساس ''عقائد'' ہے۔ تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''اسلامی عقائد'' کے نام سے عقیدے کے قدیم وجدید مباحث کو عصر

حاضر کی زبان میں بہت احسن انداز میں ترتیب دیا ہے، اور اسلامی عقائد پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا جواب اس انداز میں دیا ہے کہ انہیں باقاعدہ سوال، جواب، اشکال اور اس کا حل کا عنوان دے کر ذکر نہیں کیا، بلکہ تسلسل سے اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اگر کوئی اسے کسی استاد سے اچھے انداز سے محنت کر کے پڑھ لے تو معاصر شکوک وشبہات کا شکار نہ ہوگا۔

اصول دین

پھر کتاب وسنت پر عملی مسائل کے استنباط واستدلال کا مرحلہ بھی درپیش ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ میدان اس فن کے ماہرین کا ہے لیکن آج کے دور میں سطحی سی معلومات کی بنیاد پر شکوک وشبہات کے شکار لوگوں کی کثرت ہے، اور رسوخ تو دور کی بات ہے، موضوع کا تعارف بھی نہیں ہوتا، اور اعتماد کی عادت رہی نہیں، لہذا باطل فرقوں کا آسان شکار ثابت ہوتے ہیں۔ تو استاد جی نے ''اصول دین'' کے نام سے ایک کتابچہ اسی بیماری کے تریاق کے طور پر لکھا ہے، چنانچہ اس کتاب میں وحی، اصول تفسیر، اصول حدیث، سنت، اجماع، قیاس، سنت و بدعت کے اصول، اور ایمان وکفر کے اصول، اور اس جیسے اہم اور بنیادی اصولی مسائل کو آسان تفہیم اور دل نشین تعبیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فقہی تالیفات

کتاب وسنت کے نچوڑ اور حاصل کا نام فقہ ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''مسائل بہشتی زیور'' اور ''فقہ اسلامی'' (مناکحات جو طبع ہو چکی ہے اور حصہ معاملات جو عنقریب طبع ہونے والی ہے) نامی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات میں مختلف رسائل ومضامین بھی سامنے آتے رہے، جنہیں نظر ثانی کے بعد ''فقہی مضامین'' کے نام سے علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا تھا۔

- ''مسائل بہشتی زیور'' میں طہارت کے ابواب سے لے کر میراث تک کے تمام ابواب کے جزوی مسائل اور فروعات مذکور ہیں۔ لطف یہ ہے کہ جدید مسائل بھی کتاب کا جزو ہیں۔
- اور ''فقہ اسلامی'' (حصہ مناکحات) میں مناکحات کے ابواب پر فقہی مسائل دو خصوصیات کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں۔ (۱) مسائل کی فقہی تخریج اور حوالہ جات درج ہیں۔ (۲) مناکحات کے موضوع پر مصنف رحمہ اللہ کے تحقیقی مضامین بھی کتاب میں شامل ہیں۔
- ''فقہی مضامین'' ایک نادر تحقیقی کتاب ہے جس میں مختلف اوقات میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے نکلنے والے اکتالیس فقہی تحقیقی مضامین شامل ہیں، جو مصنف رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت، دقتِ نظر اور تحقیقی ذوق کے آئینہ دار ہیں۔

جس طرح تخصص کے ابتدائی طالب علموں کے لیے ان کتب کا مطالعہ خاص طور پر بہت مفید ہے، اسی طرح مفتیان کرام کے لیے بھی بہت مفید ہے۔

اس کے علاوہ بعض وہ رسائل جو عبادات سے متعلق ہیں، ان میں ''مسنون حج وعمرہ'' (مدلل) اور ''مسنون حج وعمرہ'' (مختصر جیبی سائز) بھی مرتب کیے ہیں، جو ہر عمرہ اور حج کرنے والے کے لیے ساتھ رکھنا بہت فائدہ مند ہیں۔ خصوصیت یہ ہے کہ حج وعمرہ کے جدید وقدیم مسائل اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ ساتھ ہی قرآن وسنت کے دلائل بھی مذکور ہیں، جن کی ضرورت ہر عالم وعامی کو حرمین شریفین میں بطور خاص پیش آتی ہے۔

اس کے بعد عام زندگی میں پیش آنے والے معاشی ومعاشرتی مسائل پر درج ذیل رسائل آپ کے قلم سے سامنے آئے، جو امت کے کئی ایک طبقات کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے:

o ''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'': اس کتاب میں مریض ومعالج سے متعلقہ طبی فقہی مسائل درج کیے گئے ہیں۔ چونکہ مصنف رحمہ اللہ خود ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے، اس لیے اس موضوع کا حق ادا کیا ہے، اور بہت سے مفید عنوانات کے تحت کام اس کتاب میں موجود ہے۔

o فزکس اور میٹا فزکس: یعنی طبعیات اور مابعد الطبعیات کے نام سے یہ مختصر کتابچہ اس بات سے بحث کرتا ہے کہ مسببات کے اسباب حسی اور روحانی دونوں طرح ہو سکتے ہیں۔ ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی ضروری نہیں اسی طرح ایک کے اثبات سے بھی دوسری کی نفی ضروری نہیں۔

o تجارت کے اسلامی احکام: اس کتاب میں ایک تاجر کی ضرورت کے شرعی مسائل اور ان سے متعلقہ نصوص بھی ذکر کی گئی ہیں۔

o سبزی منڈی وفروٹ منڈی کی آڑھت کے اسلامی احکام: اس کتاب سے اہل علم کے سامنے اس بازار کے بہت سے مسائل اور ان کا حل آجاتا ہے۔

o سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام: اس میں سونے چاندی کے بازاروں سے معلومات کے حصول کے بعد، ان مسائل کا شرعی حل مذکور ہے، اور صراف وزرگر حضرات کے بہت سے بنیادی سوالوں کے جوابات بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی طور پر بعض دینی کام کرنے والوں کی اصلاح وارشاد کے لیے کچھ مضامین لکھے، جنہیں ''دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند رہنما اصول'' کے نام سے ایک رسالے کی شکل میں شائع بھی کر دیا گیا، چنانچہ اس کتاب میں معاصر عملی تحریکوں، علمی اداروں اور افراد کے ہاں پائے جانے والے بعض انحرافات اور کچھ علمی فروگذاشتوں کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ صحیح رہنمائی بھی کر دی گئی ہے۔ ہر صاحب علم کے مطالعے سے گذرنے کے لائق ہے۔

تنقیدی تحریرات

پڑھنے والے کے سامنے واضح ہو گیا ہوگا کہ بہ حیثیت ایک عالم اور مفتی کے، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی زندگی

کا اصل مقصد امت کے مختلف طبقوں کی صحیح دینی رہنمائی ہی تھا۔ اور اب تک کی ذکر کردہ تمام تصنیفات اس کا واضح ثبوت ہیں۔ اور جس شخص نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تصنیفات کو دیکھ رکھا ہے اس پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ مذکورہ بالا کتب اچھی بھلی ضخامت کی ہیں، گویا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا اصلی میدان فقہ اسلامی ہی تھا، جہاں ان کی صلاحتیں اپنی جولانیاں دکھاتی تھیں۔ اس کے برعکس جو کتب ورسائل مختلف گمراہ یا بے اعتدال حضرات کے رد اور تعاقب میں لکھے گئے ہیں ان کی ضخامت بہت ہی کم ہے، اور ایک موقعے پر استاد جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں ''عمار خان ناصر کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی'' کا کام چل رہا تھا، تو فرمانے لگے: ''**ہم نے تو اپنی.....(فلاں کتاب) کے بعد فل سٹاپ لگا دیا تھا، خیال تھا کہ اب کسی کی تردید میں کچھ نہیں لکھیں گے، لیکن بعض حضرات مجبور ہی کر دیتے ہیں۔**'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کے رد یا تعاقب میں کچھ لکھنا ان کا محبوب موضوع نہیں تھا، بلکہ مجبوری سے لکھتے تھے۔ خیر ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، جن میں کسی باطل یا گمراہ کا رد کیا گیا ہے:

o مرزا قادیانی: یہ مضمون ایک صاحب کی فرمائش پر لکھا تھا۔

o بہائی جماعت کی خدمت میں چند گزارشات۔

o فاضل بریلوی میں مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب کی شخصیت اور بعض افکار وآراء کا تعارف کروایا گیا ہے۔

o عمار خان کا نیا اسلام اور اس کو سرکوبی: مولانا زاہد الراشدی صاحب کے صاحبزادے اور جاوید احمد غامدی کے شاگرد: عمار خان ناصر نے کئی ایک مسائل جیسے حدود وتعزیرات، اجماع امت، مسجد اقصیٰ کی تولیت، ناموس رسالت، اور جہاد کی تعبیر میں جمہور امت کی متوارث فکر وسوچ سے ہٹ کر گمراہ کن اور غلط تعبیرات اختیار کر لیں، اور اپنے خانوادے کے علمی پس منظر کی وجہ سے ایک سادہ لوح طبقے پر اثر انداز ہونا بھی شروع کر دیا۔ تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ان غلط نظریات کا بھرپور مدلل رد کیا ہے۔

o ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار ونظریات کا جائزہ: امین احسن اصلاحی کے ایک مسترشد ڈاکٹر اسرار احمد کے فکر اور حلقے میں پائی جانے والی چند اہم بنیادی اور سنگین نوعیت کی غلطیوں بلکہ گمراہیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تنقید کی ہے، جس کی تعریف مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے بھی فرمائی بلکہ اس سے استفادہ بھی فرمایا۔

o تحفۂ اصلاحی: جس میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی کتابوں ''مبادیٔ تدبر قرآن'' اور ''مبادیٔ تدبر حدیث'' پر تبصرہ وتحقیق ہے، جس میں امین اصلاحی صاحب کے اصول تفسیر، اور فہم حدیث پر عالمانہ گرفت، اور ان کے گمراہ کن اصولوں پر مضبوط استدلال اور باحوالہ ابحاث کے ساتھ کڑی تنقید کی ہے۔

o تحفۂ خیر خواہی: اس کتابچے میں کیپٹن مسعود الدین عثمانی کے گمراہ کن نظریات اور مغالطات کا جائزہ لے کر غلط استدلالات کا جواب دیا گیا ہے۔

o تحفۂ غامدی: جس میں مشہور ٹی وی مہمان، متجد د، منکر حدیث اور جمہور امت کی فکر سے منحرف جاوید احمد غامدی صاحب کے اصولی مغالطات ونظریات کی نشان دہی، ان کا عام فہم علمی جائزہ لیتے ہوئے تنقید کی گئی ہے، جس کا جواب تاحال اس حلقے سے نہیں بن سکا۔

o قرآن وحدیث سے عدوات کیوں؟: جس میں منکر حدیث ڈاکٹر قمر الزمان کے افکار کا محاسبہ کر کے اشکالات کا جواب دیا گیا ہے۔

o جاگیرداری اور اسلام: جس میں مولانا طاسین صاحب کے مضمون پر تبصرہ ہے، اور ان کے بعض مغالطوں کا جواب دیا گیا ہے۔

o علوی مالکی کے عقائد: عالم عرب کے ایک بدعتی عالم شیخ علوی مالکی کی دو عربی کتابوں ''الـذَّخائِر المحمَّدیَّة'' اور ''مـفـاهِـيـم يَـجـبُ أَنْ تُصَحَّح'' اور اس کے اردو ترجمے: ''اصلاح مفاہیم'' میں ذکر کردہ بدعات اور غلط عقائد کا علمی جائزہ لے کر تنقید کی گئی ہے۔

o داستانِ عبرت: اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے آپ نے مولانا عبدالحفیظ صاحب (مکہ مکرمہ)، صوفی اقبال صاحب (مدینہ منورہ)، حافظ صغیر صاحب (لاہور) اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کے بعض تسامحات وتساہلات اور ایک عرب بدعتی عالم علوی مالکی کے نظریات کی ترویج کے خلاف ایک ناصحانہ کتابچہ تحریر فرمایا۔ پھر اسی سلسلے کی دوسری کڑی کے طور پر اسی عرب بدعتی عالم علوی مالکی کی کتاب کے ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' پر علمی تبصرہ بھی کیا، اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کی کتاب ''اکابر کا مسلک ومشرب'' پر ناصحانہ تبصرہ بھی کیا۔

o جواب نفیس: حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب کی جانب سے واقعہ کربلا اور اس سے جڑے بعض افکار ونظریات میں پائے جانے والے افراط وتفریط اور غلو پر مبنی موقف کی اصلاح کے لیے یہ کتاب لکھی گئی، اور ساتھ ہی حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے صحیح موقف کا دفاع بھی کیا گیا ہے۔

o ہدیۂ فکر: تنظیم فکر ولی اللہی مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیر سے چند فروگذاشتوں کی نشاندہی پر مشتمل کتابچہ ہے۔

یہ فہرست ان رسائل اور کتابچوں کی ہے جو اختلافی اور تردیدی موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ اور جس نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے تحریری ذخیرے کو دیکھ رکھا ہے اسے خوب اچھی طرح معلوم ہوگا کہ تردیدی موضوعات پر ان کی لکھی گئی کتب ورسائل کی مقدار، مجموعی طور پر مثبت اور تعمیری کیے ہوئے کام کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

تحقیقی تالیفات

اس کے علاوہ استاد جی کے علمی کام کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے علمی اختلاف اور تحقیقی اختلاف سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی کتابیں تردید یا تعاقب پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ، انتہائی علمی اور تحقیقی ہیں۔ ذیل میں ان کتب کا مختصر

سا تذکرہ کیا جاتا ہے:

سب سے پہلے ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' نامی کتاب ہے۔ اس کتاب میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے انتہائی عرق ریزی سے شیخ ابن عثیمین اور سلفیہ کے معتبر و معروف علماء وغیرہ کی تصریحات اور واضح تعبیرات کی روشنی میں بحث کی، اور بحث کو نتائج تک پہنچا کر چھوڑا، اور پھر سلفیہ کی ان غلط تعبیرات کا علمی اور ناقدانہ جائزہ لیا، جس میں عالمانہ اسلوب اور فقیہانہ زبان کی چاشنی بھی شامل ہے، جنہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، انہیں اس عرق ریزی کا خوب اندازہ ہوگا۔ اور میں نے چونکہ اس کتاب کی تعریب بھی کی تھی جس کا ذکر آگے آتا ہے، اس لیے علی وجہ البصیرت اس کی قیمتی ابحاث کی اطلاع ہے۔ بعد میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس تفصیلی کتاب کا ایک خلاصہ بھی تیار کیا تھا، جو عدیم الفرصت عوام وطلبہ کے لیے کافی مفید ہے۔

اس کے علاوہ جدید معیشت وتجارت آج کے زمانے کا ایک حساس موضوع ہے۔ حضرت استاذ مکرم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو اس باب میں گوئے سبقت حاصل ہے، اور انہوں نے اس کے بارے میں بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے، اور اس بارے میں ان کی کئی تحریرات اور فتاویٰ بھی ہیں۔ بینکاری اور بیمہ وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن سے عموماً علماء کرام کو عمر بھر پالا نہیں پڑتا۔ اب حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیقات نے ان موضوعات پر غور وفکر کا ایک باب کھول دیا، اور اسلامی بینکاری اور تکافل جیسے متبادل طریقہ کار سے تعارف مفتیان کرام کے لیے گویا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ ان مسائل کے تنقیدی جائزے، اس پر تبصرے اور اگر کہیں اختلاف ہو تو اسے ظاہر کرنے کا حق یقیناً حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ جیسی شخصیات ہی کو حاصل تھا، ہم جیسے تو اگر ڈھنگ سے خوشہ چینی کر سکیں تو بھی بہت کافی ہے۔ تو تردید وتنقید کے میدان میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات کا ایک معتد بہ حصہ ان موضوعات پر مشتمل ہے اور جو کتب اس وقت میرے سامنے آسکیں وہ درج ذیل ہیں:

o جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا شرعی جائزہ: اس کتاب میں اسلامی بینکاری کے واجب الاصلاح امور، کریڈٹ کارڈ، تجارتی انعامی اسکیمیں، تکافل، شیئرز، کمپنیوں کی شرعی حیثیت جیسے معاشی مسائل کا فقہی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

o اسلامی صکوک، تعارف وتحفظات: اب اسلامی معیشت میں اسلامی صکوک نامی اصطلاح اجنبی نہیں رہی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے صکوک کے تعارف کے بعد، بعض اہل علم کی جانب سے ان کے پیش کردہ فقہی احکام ومسائل کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔

o پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکنگ کے چند واجب اصلاح امور۔

.....☆.....

میں حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تو تخصص فی الحدیث کے بھی بعد پہنچا ہوں۔

تعارف کی سرگزشت یہ ہے کہ میں نے درسِ نظامی کا اکثر حصہ مدرسہ عربیہ رائیونڈ تبلیغی مرکز (اور اس کی شاخ) میں پڑھا۔ ہمارے ایک ساتھی محمد شاکر لاہوری (جو ماشاء اللہ اب مفتی شاکر صاحب کے نام سے معروف ہیں)، بہت ہی رکھ رکھاؤ والے اور نستعلیق سے مزاج کے تھے۔ ان سے دوستی ہوئی، تو گاہے گاہے ان کے والد صاحب کی زیارت کا موقع بھی ملتا رہا۔ پہلی مرتبہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا نام انہی کی زبانی سنا۔ جامعہ مدنیہ (قدیم) کریم پارک کے اکابرین سے ان کا دیرینہ تعلق تھا۔ مولانا رشید میاں صاحب اور دیگر حضرات کے ساتھ ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بھی نیاز مندی کا تعلق تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ دورۂ حدیث کرنے کے بعد بیٹے کو تخصص کروائیں، چنانچہ شاکر بھائی کو، دوران درس نظامی ہی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے تاکہ کچھ مناسبت پیدا ہو جائے۔ شاکر بھائی نے اس مجلس کی کارگذاری بھی سنائی تھی جو پوری طرح یاد بھی نہیں رہی اور ساتھ کچھ کتابیں بھی دکھائیں جو حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی تھیں۔ اور یہی میرا استاد جی سے پہلا تعارف تھا۔

مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں جن اساتذہ سے مختلف فنون وعلوم کی کتب پڑھیں، ان میں مولوی آفتاب صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ علم میراث کی شامل نصاب واحد کتاب ''سراجی'' انہی سے پڑھی۔ وہ حساب کتاب کے ماہر اور یکتائے روزگار قسم کی شخصیت تھے۔ ان سے مناسبت بڑھی تو معلوم ہوا کہ استاد جی ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا دوسرا تعارف تھا۔ اس سے اتنا ہوا کہ کسی اجنبی شخصیت سے جو طبعی بے گانگی ہوا کرتی ہے اس میں کسی قدر کمی آ گئی، لیکن تعارف ہنوز سرسری سا ہی رہا۔

اللہ کا کرنا کہ دورانِ تعلیم ہی مولوی آفتاب صاحب کی وفات کا اندوہناک قصہ پیش آیا اور بہت خواہش کے باوجود مدرسے کے نظم کا پابند ہونے کی وجہ سے استاد جی کے جنازے میں شرکت نہ کر سکا۔ اس وقت کی اتنی بات البتہ یاد ہے کہ مولانا جمشید صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ رائے ونڈ، مزکر کی جانب سے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اور تبلیغی معمول کے مطابق انہوں نے مجمع اکٹھا ہونے کی بناء پر موقعہ کی مناسبت سے بیان فرمایا، اور تبلیغی طرز سے تشکیل بھی کی۔ اسی میں کافی دیر لگ گئی اور ہمیں سننے کو ملا کہ مولوی آفتاب صاحب کے بھائی حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالوحد صاحب رحمہ اللہ جنازہ تیار ہونے کے باوجود تاخیر ہو جانے پر کچھ ناراض بھی ہوئے، اور شاید اس موقعے پر کچھ ارشاد بھی فرمایا، جس کی مختصر سی کارگذاری سن کر میرے جیسے طالب علم کے کچے ذہن نے مولانا جمشید صاحب اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی غائبانہ شخصیت کا آپس میں تقابل کر کے، رجحان کا فیصلہ حضرت مولانا جمشید صاحب کے پلڑے میں ڈالا، اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں کوئی مثبت خاکہ نہ پایا۔ کیا خبر تھی کہ آگے چل کر یہ خاکہ اس کے بالکل برعکس ایک ایسی شخصیت کا کوہ ہمالیہ ثابت ہوگا جس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو حاصل زندگی کہا جائے تو بجا ہے۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ: کسی شخصیت کی تصویر کشی کے لیے الفاظ کا جامہ بہت ناکافی ہوا کرتا ہے اور یہ لفظی جامہ

کبھی تو بہت ہی ڈھیلا رہ جاتا ہے اور کبھی بہت ہی تنگ۔ صحیح تعارف کی ایک ہی صورت ہے کہ ملاقات کی جائے اور سر کی آنکھوں سے بالمشافہ زیارت کی جائے۔

مفتی شاکر صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے چند ایک رسائل جو اس وقت دکھائے تھے، انہیں دیکھ کر ذہن میں جو تاثر قائم ہوا، کچھ یوں تھا کہ: ان کتابوں کے مصنف کوئی حضرت ڈاکٹر صاحب ہیں جو مفتی صاحب بھی بن گئے ہیں، اور ان کے مزاج میں سختی بہت زیادہ ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ جتنے بھی رسالے دیکھنے کو ملے تقریباً سب ہی کسی نہ کسی کے نظریات کی تردید، یا کچھ بے اعتدالیوں کی نشان دہی پر مشتمل تھے، اور ہم ان دنوں دعوت وتبلیغ کے نہج پر صرف مثبت طریقے سے کام کرنے کے انداز پر عمل پیرا تھے۔ اور پھر اسی تاثر کو استاد جی کے جنازے کی خبر نے اور پکا کر دیا۔

خیر! مجموعی تاثر یہ رہا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بہت سخت اور درشت مزاج آدمی ہیں۔ اور جلتی پر تیل کا کام اس بات نے کیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا تبلیغ میں وقت بھی نہیں لگا ہوا۔ اس کے علاوہ کچھ خبر نہیں تھی کہ کون ہیں؟ کہاں سے پڑھے ہیں؟ کن اکابر سے علم حاصل کیا ہے؟ بیعت کا تعلق کن سے ہے؟ اور کن کن ہستیوں سے فیض حاصل کیا ہے؟ کیا عمر ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں تو بعد میں پتہ چلیں اور آہستہ آہستہ آشکارا ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کون ہیں، اور ان کا علمی قد کاٹھ کتنا بلند وبالا ہے۔

ہم نے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تخصص فی الحدیث کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کا رخت سفر باندھا، اور مولوی شاکر صاحب نے سال لگا کر حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کے ہاں تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا۔ اب گاہے ماہے حضرت ڈاکٹر صاحب کا نام کانوں میں پڑنے لگا، اور کچھ علمی وتحقیقی ابحاث میں ان کی وزنی وزنی آراء کا پتہ چلنا شروع ہوا، اور ایک تصوراتی خاکہ جو ابھی بھی بہت حد تک دھندلا ہی تھا، کچھ کچھ واضح ہونے لگا۔

تخصص فی الحدیث کے دوسرے سال کے دوران کسی کام کے سلسلے میں لاہور آنا ہوا۔ ان دنوں ارادہ تھا کہ تخصص فی الحدیث سے فراغت کے بعد تخصص فی الفقہ الاسلامی میں داخلہ لوں گا۔ سو پیش بندی کے طور پر مناسبت پیدا کرنے کے لیے جامعہ دارالتقویٰ حاضر ہوا۔ مفتی شاکر صاحب ان دنوں تخصص کے طالب علم تھے، ان سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کیا کچھ بتایا، یاد نہیں رہا لیکن یہ بھی بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائیں گے، اور یہ ممکن ہے کہ میں بھی سبق میں شریک ہو جاؤں۔ میری تو عید ہوگئی۔ وہیں دارالافتاء میں ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں استاد جی تشریف لائے۔ اچھی طرح یاد ہے کہ پینٹ کوٹ میں ملبوس کوئی ادھیڑ عمر کے ایک صاحب اختلافی موضوع پر کوئی تحریر لائے ہوئے تھے، اور مُصِر تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب ان کے موقف کی تائید کر دیں۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان کی تردید فرما رہے تھے۔ کافی دیر تک یہ گفتگو چلتی رہی، اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ان کی بات کی مکمل تردید بھی کی اور جو جو دلائل انہوں نے ذکر کیے، مختصر انداز میں ان کے جوابات بھی دیے، اور وہ صاحب مزید غور وفکر

کرنے کا کہہ کر چلے گئے۔

اس سارے دورانیے میں میرے دل میں یہی دھڑکا لگا رہا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب اب غصے ہوئے کہ تب غصے ہوئے، مگر مجال ہے کہ بالکل ہی سطحی معلومات والے شخص سے گفتگو کرتے ہوئے پیشانی ذرا بھی شکن آلود ہوئی ہو۔ میں اپنے سابقہ خاکے اور آنکھوں دیکھی کا موازنہ کرتا رہ گیا کہ سوچ کیا رہا تھا اور حقیقت کیا ہے!! بعد میں بہت سے علماء اور طلباء سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں اس طرح کے لاعلمی پر مبنی ''مگر محکم'' تبصرے سننے کو ملتے رہے، اور میں وضاحتی دفاع کے ساتھ اسے برداشت بھی کرتا رہا کہ جس کیفیت سے وہ ابھی گذر رہے تھے میں برسوں پہلے گذر چکا ہوں۔

خیر! جس طرح کی مجلس کی گفتگو ابھی دیکھی تھی، اس کے بعد طبیعت کا مکدر ہو جانا بھی طبعی ہے۔ خیال تھا کہ سبق کی ابتداء ہی میں ایک صاحب کا اس طرح معمول میں مخل ہونا تکدر کا باعث ہوا ہوگا جو سبق کے ماحول پر اثر انداز ہوگا، اور سبق میں وہ بشاشت نہیں ہوگی، لیکن وہاں سکون و متانت اور رعب و وقار کے ساتھ ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی اور معمول کے مطابق سبق۔

اسی موقعے پر شاکر بھائی نے میرا تعارف کروا دیا کہ رائے ونڈ میں اکٹھے پڑھے ہوئے ہیں، اور اب تخصص فی الحدیث میں ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب کے پاس ہیں، تو پھر تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت گویا اور بھی ہشاش بشاش ہو گئی۔ کچھ حدیث کی، کچھ فقہ کی، اور کچھ فقہ الحدیث کی باتیں پوچھتے رہے، اور میں بھی اپنی بساط کے مطابق کچھ جواب دیتا رہا، اور بعض چیزوں کے بارے میں سوال کرتا رہا، اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جواب ارشاد فرماتے رہے۔

اس کے بعد بھی کئی مرتبہ اسباق میں حاضر ہونے کا موقع ملا، اور مختلف موضوعات پر استفادہ کرتا رہا، لیکن جس جس موضوع پر مطالعہ کر کے جزئیات دیکھ کر، نصوص تلاش کر کے حاضر ہوا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو کسی جزیئے سے بے خبر نہیں پایا۔ اور جس مقام پر میں تھک کر بیٹھ چکا ہوتا تھا، استاد جی وہیں کھڑا کر کے رواں کر دیتے تھے۔ تخصص فی الحدیث سے فراغت کے بعد میرے گیارہ سالہ علمی سفر کے مسلسل رفیق مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے تو تخصص فی الفقہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں باقاعدہ داخلہ لے لیا اور میں سیرت کے ایک نادر مخطوط ''**الزّهْرُ البَاسِم فی سِیَر أَبِیْ القَاسِم ﷺ لمُغُلطای بن قِلِیْج**'' (متوفیٰ: ۷۶۲ھ) کی تحقیق میں مشغول ہو گیا اور باقاعدہ داخلہ نہیں لے سکا، لیکن جب بھی لاہور آنا ہوا، اسباق میں حاضر ہوتا رہا، اور بہت ہی محدود سہی لیکن استفادہ کرتا رہا۔ اور استاد جی کی وسعت ظرفی کہ میرے تخصص فی الافتاء والے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ جانے میں کبھی اجنبی ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بلکہ بارہا کا قصہ یاد آتا ہے کہ درس گاہ میں تشریف لا کر اپنی مسند پر تشریف فرما ہوتے، ایک نگاہ طلباء پر ڈالتے، مجھ پر نظر پڑتی تو مسکرا کر فرماتے: اچھا تو آج مولوی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔

یونہی جزوی سے استفادے میں جن کتابوں کے دروس میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ان کے نام یہ ہیں:

o رد المحتار الی الدر المختار، لمحمد امین ابن عابدین الشامی

o حجة الله البالغه للشاه ولی الله الدهلوی

o مسلم الثبوت للبهاری

o الموافقات للشاطبی

میں کہنے کی تو جرأت بھی نہیں کرسکتا کہ میں نے یہ کتابیں استاد جی سے پڑھی ہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان کتب کے بعض اسباق میں بطور طالب علم حاضر ہونے کی سعادت ضرور نصیب ہوئی ہے۔ و للّٰہ الحَمْدُ و الشُّکْر

میں خود چونکہ اس کیفیت سے گذر چکا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تاثر رہا کہ انتہائی سخت گیر اور درشت مزاج ہوں گے جس کی وجہ شاید یہ رہی کہ ان کے تحریری سرمائے کا ایک بڑا حصہ ابطال باطل پر مشتمل ہے، جو کہ لابدی طور پر احقاقِ حق کو مستلزم ہے۔ مختلف قسم کی شخصیات اور جماعتوں کی فکری بے اعتدالیوں کا تعاقب، اور بعض نامور حضرات کی علمی فروگذاشتوں پر تنبیہ، اور بعض فتاویٰ جات میں تحقیقی اختلاف، ان سب میدانوں میں آپ کے قلم نے جولانیاں دکھائی ہیں۔ اور احقاقِ حق اور ابطال باطل میں بعض لوگوں کا مزاج عموماً اس قسم کا بن جایا کرتا ہے کہ اپنے موقف اور اپنے ہم نوا لوگوں کی خواہی نخواہی تائید اور مقابل خواہ کتنی ہی ٹھکانے کی بات کہے، اس کی مخالفت اور بس مخالفت۔ اس لیے بعض دوستوں کے ذہن میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بھی ایسا ہی تأثر قائم ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے آپ کے قریب بیٹھنے اور آپ کو قریب سے دیکھنے سننے کا موقع ملا، اس کے بعد پوری دیانت داری سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بے جا طور پر نہ مخالفت تھی نہ موافقت، دینی تقاضا ہوا تو ایجابی انداز میں لکھا اور دینی تقاضا ہوا تو سلبی انداز میں لکھا، نہ بے جا طرف داری، نہ بے جا مخالفت۔ اور اس کا تجربہ مجھے ذاتی طور پر بھی ہوا، اور چند ساتھیوں نے بھی اس کی شہادت دی۔

چنانچہ عزیز مکرم جناب مفتی محمد راشد ڈسکوی صاحب جو جامعہ فاروقیہ کراچی میں مدرس اور رفیق شعبہ تصنیف وتالیف رہے ہیں، انہوں نے تخصص فی الفقہ الاسلامی سال دوم میں ''مروجہ تکافل کا فقہی جائزہ'' نامی مقالے کے سلسلے میں ملک بھر کے طول وعرض میں پھیلے مفتیان کرام تک رسائی کی ممکن حد تک کوشش کی، جس کا تذکرہ انہوں نے مقدمے میں کر دیا ہے۔ اسی سلسلے میں ان کی ملاقات حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے بھی ہوئی جس کا مختصر تذکرہ انہوں نے بایں الفاظ کیا ہے:

> ''اس کے بعد لاہور میں دارالافتاء والتحقیق کے رئیس جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ سے ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنے کا مدعا سامنے رکھنے پر حضرت نے تکافل پر اب تک کا کیا ہوا اپنا کام، اس پر دارالعلوم کی طرف سے دیے جانے والے جواب، اور اس کے جواب میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا جواب

الجواب، ساری خط و کتابت کی کاپی میرے سپرد کی، اور دعا دیتے ہوئے فرمایا: **''غیر جانب دارانہ طور پر محنت کرنا، باقی رب راکھا''**۔ (مروجہ تکافل کا فقہی جائزہ: ۲۸۔۲۹)

حالانکہ ایک موضوع پر تحقیق کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچ جانے والا شخص اگرچہ مخلص ہی ہو عموماً سائل کو قائل ہی کیا کرتا ہے، اس طرح وسعتِ نظری کا راستہ نہیں دکھایا کرتا۔ صاف واضح ہے کہ یہ علمی اختلاف اور فتوے کا فرق ان کا ذاتیات کا مسئلہ نہیں تھا، بلکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی کوشش تھا۔ جس بات کو علمی اور اصولی بنیادوں پر درست سمجھا اسے اختیار کرلیا، اور جن دلائل پر مطمئن نہ ہوئے، اسے ترک کردیا۔

بعض جدید مسائل میں موقف کا یہ اختلاف آخر عمر تک رہا، لیکن دیانت داری کا عالم یہ ہے کہ فریق ثانی کو لاعلمی اور جہالت کا طعنہ دیے بغیر بھرپور اختلاف کیا اور وہ بھی اس طرح کہ دوسرے کی علمی صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

یاد پڑتا ہے کہ غالباً ۲۰۰۸ء میں مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں چند مختلف فیہ مسائل کی تحقیق کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر ایک اجلاس ہوا۔ آخری اجلاس سے فراغت کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ باہر نکلے تو مفتی عبداللہ شوکت صاحب نے جامعہ بنوریہ چلنے کی دعوت دی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے قبول فرمالی۔ میں چونکہ خدمت کے لیے ساتھ ساتھ تھا، اس لیے گاڑی میں گنجائش کی بناء پر ساتھ ہی چلا گیا۔ چند دیگر اساتذہ کی موجودگی میں بینکنگ اور تکافل وغیرہ کے مسائل کے بارے میں مفتی نعیم صاحب نے کچھ گفتگو فرمائی، چند لوگوں کے شخصی حالات بیان فرمائے، اور اسلامی بینکاری کی بابت حضرت ڈاکٹر صاحب کی رائے پوچھی تو جدید معاشی مسائل میں مفتی تقی عثمانی صاحب سے اختلاف کے باوجود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

> **''مفتی تقی عثمانی صاحب کا ذہن ایک ماہر فقیہ کا ذہن ہے، بہت دور تک پہنچ جاتا ہے۔ انہوں نے اسلامی بینکاری کو بڑی محنت سے مرتب کیا ہے، اور بہت حد تک اصلاح کی ہے، اگر سو فیصد غلطی تھی تو اسے سدھار کر بیس فیصد غلطی تک لے آئے ہیں۔ اور ہم یہ تو نہیں کہتے کہ اب یہ سودی ہے، لیکن بعض معاملات ابھی بھی ایسے ہیں جو ناجائز ہیں۔ ان کی اصلاح ابھی باقی ہے''** [مکمل الفاظ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے نہیں ہیں لیکن مفہوم تقریباً مکمل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا]

ملاحظہ کیجیے کہ جدید اسلامی بینکاری اور معاشی و اقتصادی نظام کے واضعین کے سب سے بڑے ناقد ہونے کے باوجود کتنی دیانت داری سے متین اور معتدل تبصرہ کیا ہے جو ہم جیسے طالب علموں کے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔

''تکملہ فتح الملہم'' مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے قلم سے نکلا ہوا ایسا شاہکار ہے جس کی معاصرین میں نظیر دشوار ہی نہیں، قریب قریب عنقا ہے۔ اس کے مطالعہ کے دوران حدیث حِبر کی تشریح پڑھی تو اس پر کچھ اشکال پیدا ہوا۔ کتبِ علم کلام، کتب حدیث اور دیگر شروحِ کتب حدیث کی مراجعت کی، تو خیال ہوا کہ اپنا حاصلِ مطالعہ حضرت استاذ محترم مفتی تقی

عثمانی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دوں، یا تو میری اصلاح ہو جائے گی یا اگر تحریر میں تبدیلی مناسب معلوم ہوئی تو تبدیلی فرمادیں گے، لیکن کہاں مجھ سا ہیچ مدان، اور کہاں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب!! خیر وہ پانچ چھ صفحات کی تحریر، جس میں، میں نے بزعم خود حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی عبارت کا تخطئہ کیا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی، ذہن میں یہ تھا کہ یہاں سے تائید وتوثیق ہوگئی تو اس کے بعد مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں ارسال کر دوں گا، اور ذہن میں غالب امکان یہی تھا کہ تائید ہو جائے گی۔ اگر تائید نہ ہوئی تو بس نہیں بھیجوں گا، گو اس کا امکان نہیں تھا۔

مگر امید کے بالکل برعکس یہ ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے میری تحریر کا تخطئہ کر دیا کہ اعتراض قوی نہیں ہے، بلکہ ''تکملہ'' کی عبارت کی تائید کر دی۔ میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریر کو بار ہا پڑھا، لیکن ان کے تبصرہ سے ایسا اتفاق نہ ہو سکا کہ میں اسی جہت کو راجح مان لیتا، اور اپنے موقف کو چھوڑ دیتا، لیکن چونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تحریر پاس نہ ہو سکی، تو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی خدمت میں ارسال بھی نہ کی۔ بعد میں کئی دوستوں نے کہا بھی کہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی خدمت میں اپنی تحریر ارسال تو کر دو، لیکن بس ہمت ہی نہیں ہو سکی۔ آج بھی میری فائلوں میں وہ تحریر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے تنقیدی تبصرے سمیت ریکارڈ کے طور پر محفوظ ہے۔ جسے اپنی موجودہ صورت حال میں تو ارسال کرنا ممکن نہیں لیکن اتنا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے تبصرے کی روشنی میں مزید تحقیق کا دروازہ کھل گیا ہے۔ موجودہ علمی مصروفیات سے کچھ فراغت میسر ہوئی تو نظر ثانی کے بعد ہی دیکھوں گا کہ بحث کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اور پھر قابل ارسال بھی رہتا ہے یا نہیں۔ واللہ الموفق

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے عقیدت تو خیر پیدا ہو ہی چکی تھی، جوں جوں وقت گذرتا گیا توں توں محبت بڑھتی گئی۔ اور ان کی شفقت کا عالم بھی یہ تھا کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جب بندہ کی تحقیق وتعلیق سے کتاب: ''**الزّهرُ البَاسِم فی سِیَر أَبِیُ القَاسِم** ﷺ'' مصر سے دو جلدوں میں چھپ کر آئی تو اس کا ایک نسخہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے دو ہزار روپے عنایت فرمائے اور فرمانے لگے: یہ قیمت نہیں ہے، انعام کے طور پر ہے۔ اس پر جتنی خوشی ہوئی بیان سے باہر ہے، اور میں نے اس موقعے پر عرض بھی کیا کہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے جب ''تکملہ فتح الملہم'' کی ایک جلد بہ طور ہدیہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی تھی تو انہوں نے بھی پانچ سو روپے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کو بطور انعام دیے تھے، جس کا انہوں نے خود بھی تذکرہ کیا ہے۔

اس کے چند سال بعد بندہ کی تحقیق وتعلیق سے ایک دوسری کتاب ''**مَجمُوع اجَازَات و رَسَائل الامَام محمَّد عَابِد السِّندیّ**'' تین جلدوں میں اردن سے چھپ کر آئی، تو اس کا بھی ایک نسخہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت

میں پیش کیا۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مجھے پانچ ہزار روپے بہ طور انعام عنایت فرمائے، جو میرے لیے اندازے سے بہت زیادہ تھے۔ میں نے بہ طور حیرت کے عرض کیا: استاد جی! یہ تو پانچ ہزار ہیں!! حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سمجھے کہ شاید میں نے یہ کم سمجھے ہیں، فرمانے لگے: اچھا! کتنے ہونے چاہیے تھے؟ میں نے عرض کیا: جی! تین جلدوں کی کتاب ہے، فی جلد ایک سو روپے کے حساب سے تین سو روپے کافی ہیں۔ ورنہ فی جلد ایک ہزار کے حساب سے تین ہزار بھی بہت ہیں۔ لیکن اگلی کتاب "طَوَالِعُ الأَنْوَار شرح الدُّرِّ المُخْتَار" للشيخ محمد عابد السندِيِّ"، تو تقریباً چالیس جلدوں کی ہے، تو اس کے تو بہت زیادہ پیسے بن جائیں گے۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کافی دیر تک مسکراتے رہے، اور فرمایا: جلدوں کی تعداد کا حساب نہیں، بس جتنے موقعے کے لحاظ سے میسر ہوئے وہ دے دیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیروں ڈھیر انعام و اکرام سے نوازے، اور ان کے درجات بلند فرمائے، ان اکابر کی حوصلہ افزائیوں سے ہم جیسوں کے قدم جمے رہتے ہیں۔

اس جگہ اس بات کا ذکر کیے بغیر نہیں رہا جا رہا کہ چند سال پہلے حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ طواف زیارت کے موقعہ پر حرم کا مجمع اپنے جوبن پر ہوتا ہے، اس سب کے باوجود نہ کھینچا تانی کی اور نہ کوئی خاص شعوری کوشش، بلکہ مجمعے کا بہاؤ جہاں لے جاتا رہا، ادھر کو جاتا رہا جب طواف کا ساتواں چکر ختم ہوا تو بالکل ملتزم کے نزدیک کھڑا تھا۔ اب تھوڑی سی کوشش اور انتظار کے بعد ملتزم تک پہنچ گیا، اور جو دعائیں کیں سو کیں، ان میں سے ایک دعا اپنی شدید خواہش پوری ہونے کی بھی کہ: ''اے اللہ! طوالع الانوار'' کا کام آسانی سے پورا کرا دے، اور والدہ محترمہ، استاد جی حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب، ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی زندگی میں چھپوا بھی دے۔ بڑی آرزو تھی کہ کتاب مکمل ہو، اور ان حضرات کی خدمت میں پیش کر کے ان کی دعاؤں کی دولت سمیٹوں، مگر اللہ تعالیٰ غنی اور صمد ذات ہے، سب اس کے محتاج اور منگتے ہیں، وہ جو چاہے کرتا ہے۔ ان مذکورہ بالا حضرات میں سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ وفات پا گئے۔ دل مسوس کر رہ گیا، مگر تسلیم و رضا کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی اکابر حضرات کی زندگی میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔

کتابوں کا تذکرہ آیا ہے تو برسبیل تذکرہ، امام نسائی کی ''خصائص علی'' کا ذکر بھی مناسب ہے۔ میاں رضوان نفیس صاحب کی تشجیع و تحریض پر مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ کیا۔ پہلا ایڈیشن نفیس اکادمی سے انہی نے شائع کیا۔ اس کا ایک نسخہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں اس فرمائش کے ساتھ پیش کیا کہ اس پر کچھ تحریر فرما دیں۔ بڑی ہی سادگی سے فرمانے لگے: تقریظ لکھنی ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت سید نفیس شاہ صاحب کے حلقے کے بعض افراد کی طرف سے واقعۂ کربلا اور اہل بیت کے موضوع پر کچھ ایسی تحریریں سامنے آئی ہیں، جو افراط و تفریط پر مبنی ہیں، اور ان کی وجہ سے پورے حلقے میں تشویش پھیل رہی ہے۔ اگر اہل سنت و جماعت کے مسلک کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو جائے تو بہت مفید ہوگا۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ نے جو کچھ تحریر فرمایا، اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، اس لیے بھی کہ حضرت نفیس شاہ صاحب اور ان کے

متوسلین کے معتمد علیہ حضرات کا مسلک معلوم ہو جائے جو کہ افراط وتفریط سے خالی ہے، اور اس لیے بھی کہ ابھی تک مذکورہ کتاب کی دوسری مرتبہ طباعت نہیں ہوسکی، گویا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی یہ تحریر تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ تحریر درج ذیل ہے:

اہل السنہ کا مسلک اعتدال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علی رضی اللہ عنہ گوناگوں فضائل وخوبیوں والے تھے، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے داماد، اور آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

۳۔ جنت کے نوجوانوں کے سردار حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے اہل بیت میں سے شمار کیا۔

۵۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

۶۔ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

۷۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے چوتھے نمبر پر تھے۔

۸۔ سابقہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے معاون ومددگار تھے۔

۹۔ باغیوں کے محاصرے کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے اپنے صاحبزادوں کو مقرر کیا تھا۔

۱۰۔ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

۱۱۔ قضاء کے بڑے ماہر تھے: "أَقْضَاهُم عَلِيٌّ رضی الله عنه"

۱۲۔ مشاجرات میں بروئے نص حق پر تھے۔

۱۳۔ خارجیوں سے جنگ نہروان لڑی اور ان کی کمر توڑ دی۔

۱۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جن کا میں دوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں۔''

۱۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں۔''

۱۶۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علی کا تعلق مجھ سے ایسا ہے جیسا حضرت ہارون علیہ السلام کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔'' (البتہ اتنا فرق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی نہیں تھے۔)

۱۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کے لیے جو چھ نام تجویز کیے، ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور کہا کہ: ''رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک ان سے راضی تھے۔''

۱۸۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں فریق مخالف کی شرعی حیثیت واضح کی کہ: ''یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں، جنہوں نے (خطائے اجتہادی سے) ہمارے خلاف بغاوت کی۔'' یہ ایک بڑی علمی دریافت تھی، کیونکہ خارجیوں کو اس

میں اشکال تھا۔

ایسے فضائل والی ذات کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث کی کتاب نہایت عالی شان اور قیمتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا ہر فرد جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت کا قائل ہے، اسی طرح اس کا دل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب ''خَصَائِصُ عَلِیٍّ رضی الله عنه'' کا ترجمہ مولانا احسن احمد سلمہ نے کیا اور اس کو چھپوانے کا انتظام جناب رضوان نفیس صاحب سلمہ نے کیا۔ یہ دونوں حضرات بہت ہی مبارکبادی کے حقدار ہیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ کا مقالہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ومقام'' بھی شامل اشاعت ہے۔ پھر امام نسائی رحمہ اللہ کے حالات پر ایک ضخیم مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ تمام مضامین مل کر ایک بہت ہی جامع اور مفید کتاب بن گئی ہے۔

جن دیگر حضرات نے کتاب کی نشر واشاعت میں حصہ لیا، اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت اجر سے نوازیں، اور سب کے اجر کے مجموعے سے بھی کئی گنا زیادہ اجر حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ کو عطا فرمائیں، جنہوں نے اپنی عمر کا آخری بڑا حصہ اہل بیت کی محبت پھیلانے میں خرچ کیا۔ آخر میں یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم جیسے بے مایہ کو پار لگا دیں، جو اہل بیت اور اہل سنت کی محبت کا، اللہ تعالیٰ کی محض عطا سے کچھ قلیل سرمایہ رکھتے ہیں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(ڈاکٹر مفتی) عبدالواحد (۴ رجب ۱۴۳۵ھ)

مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا باقاعدہ شاگرد تو شمار نہیں کیا جاسکتا، بس جزوی استفادے کی سی کیفیت رہی، البتہ اپنے علمی وتحقیقی سفر میں رہنمائی کا سلسلہ ان سے ضرور جوڑے رکھا۔ البتہ چھوٹے بھائی مفتی طلحہ جواد صاحب نے دارالعلوم کراچی سے دورۂ حدیث کرنے کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس تخصص فی الفقہ الاسلامی میں باقاعدہ داخلہ لیا، اور تین سال تخصص کا دورانیہ مکمل کیا، اور اس کے بعد مدرسہ سیدنا علی میں ہی کئی سال تدریس بھی کی، اس وجہ سے مختلف موضوعات کی فقہی ابحاث ہمارے مابین چلتی رہتی تھیں، جن سے مجھے اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ مسائل کی تحلیل اور پھر ان کا شرعی حل معلوم کرنے میں ذہن اور طبیعت کے رواں ہونے کے لیے باقاعدہ ماحول میں رہنے اور سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلے میں مفتی طلحہ جواد صاحب کو ساتھ لے کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے وقت لے کر گھر میں حاضر ہوا، اور اپنا مدعا عرض کیا کہ مذکورہ بالا مقصد کے پیشِ نظر تخصص فی الفقہ میں داخلہ لینا چاہیے یا نہیں، یا کیا کروں؟ اور اس لیے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے یہ مشورہ کیا تھا کہ وہ میری ''طوالع الانوار'' کی مصروفیت اور مسلسل مشغولی کو بھی خوب اچھی طرح جانتے تھے، اور ٹوٹی پھوٹی استعداد سے بھی واقف تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پوری بات سن کر اپنی عادت کے موافق کچھ دیر سوچتے ہوئے خاموشی اختیار فرمائی، پھر فرمانے لگے: مولوی

صاحب! ہر آدمی کا اپنا اپنا میدان ہوتا ہے، اور ہر میدان میں کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ آپ ''طوالع الانوار'' کا کام مکمل کر لیں، اس کے بعد ہم ہی آپ کو تخصص کی سند دے دیں گے۔ گویا میرے لیے تصنیف و تالیف اور خصوصاً ''طوالع الانوار'' کے کام کو جاری رکھنا طے فرما دیا۔ اور تادمِ تحریر میں اسی کام میں مشغول ہوں، اور ان دنوں جب میں اس کام کو روک کر یہ مضمون لکھ رہا ہوں، بائیس جلدیں مکمل ہو چکی ہیں، اور تیئسویں جلد پر کام چل رہا ہے۔ **و الحمد لله علی ذلک، و بالله التوفیق**

اس کے بعد میں یکسوئی سے کتاب کے کام میں مشغول ہو گیا۔ اور مستفتی حضرات کے سوالات کچھ عرصہ تک تو عام پیش آمدہ مسائل کے دائرہ میں ہی رہے، لیکن پھر کچھ علماء حضرات نے بھی رجوع کیا تو کئی ایسے مسائل پیش آئے جن کے کسی قدر تفصیلی جوابات لکھنے پڑے۔ چونکہ اپنے آپ پر اعتماد نہ کل کیا نہ آج کرتا ہوں، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اساتذہ میں سے کسی کو دکھا لیا جائے، حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب، حضرت الاستاذ مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی اور مفتی عطاء الرحمٰن صاحب سبھی اساتذہ سے بہت اچھا تعلق رہا ہے، بلکہ اب بھی ہے، لیکن طبیعت کی مناسبت، اور نظر کی گہرائی و گیرائی کی وجہ سے نظر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر ٹھہر گئی، کہ آپ ہی سے مشورہ کروں کہ ایسے مسائل میں کچھ لکھا کروں یا نہیں یا جو لکھوں تو وہ آپ کو دکھا لیا کروں؟ اس میں اس طرف سے بھی اطمینان تھا کہ سابقہ تعلق اور کچا چٹھا سامنے ہونے کی وجہ سے مناسب ہوا تو ڈانٹ بھی دیں گے، کہ تمہیں کس نے فتویٰ لکھنے کی اجازت دی، مت لکھا کرو۔ اور اگر مناسب سمجھا تو کوئی رہنمائی فرما دیں گے کہ یوں لکھا کرو۔ خیر ہر چہ باداباد، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہی سے رابطہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

آخری چند مرتبہ کی کسی ایک حاضری میں جو چند تفصیلی تحریریں لکھی تھیں، ان کا خلاصہ اور نتیجہ نوٹ کر کے ساتھ لے گیا اور ان مسائل کی تحقیق کو بھی خدمت میں عرض کیا، اور اپنی اس مشکل کا بھی ذکر کر دیا کہ جی چاہتا ہے کہ ایسی تفصیلی تحریر اپنے اساتذہ میں سے کسی کو دکھا لیا کروں، اور ممکن ہو تو آپ کی نظر سے گذر جائے، مگر آپ کی مصروفیات کی وجہ سے تذبذب میں مبتلا ہوں، تو فرمانے لگے: ''ٹھیک ہے کوئی ایسا مسئلہ ہو تو لکھ کر دکھا لیا کیجیے۔ لیکن اس طرح کریں کہ پہلے مفتی رفیق صاحب کو دکھا لیا کریں۔ اگر ضرورت ہوئی تو وہ مجھے دکھا دیں گے''۔ ان کے اس جواب سے طبیعت بہت خوش ہوئی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ چلو میری تحریر کسی نہ کسی درجے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی نظر کے سامنے آجایا کرے گی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ سیدھا بوجھ حضرت ڈاکٹر صاحب پر نہ رہے گا۔ اور جناب مفتی رفیق صاحب سے کسی درجے میں بے تکلفی ہے، تو ان سے رابطہ کرنے میں اتنی ہچکچاہٹ نہ ہوگی۔ اور ساتھ ہی ساتھ مفتی رفیق صاحب پر حضرت ڈاکٹر صاحب کے اعتماد کا اندازہ بھی ہوا، کہ استاد جی فتوے جیسے حساس اور نازک کام میں کسی پر اعتماد کا اظہار یونہی رواداری میں تو نہیں کر سکتے تھے، ضرور ان پر تسلی کی بنیاد پر یہ فرمایا تھا۔

بہاولپور میں بڑی بڑی تعلیمی جامعات میں سب سے پہلے جامعہ دارالعلوم مدنیہ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ وہاں کے مہتمم شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مفتی عطاء اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ علاقے کے مشہور مفتی اور اہل اللہ میں سے ہیں۔ اسی ادارے کے مفتی جناب مفتی یوسف صاحب سے بھی میری اچھی یادُ اللہ ہے۔ مختلف فقہی مسائل میں ان حضرات سے افادہ واستفادہ کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ علاقائی سطح پر چند ایسے حضرات جو تبلیغی اور دیندار تو تھے، مگر ان کا کوئی علمی وتحقیقی پس منظر نہیں تھا، ان کی طرف سے شرعی مسائل بتانے اور باقاعدہ فتوے دینے کا سلسلہ شروع ہوا، اور سلسلہ بھی دراز ہی ہوگیا، تو اس پر غور وفکر اور اس کے سدباب کے لیے مفتی یوسف صاحب سے مشاورت ہوتی رہی، انہی مجالس کے نتیجے میں ''مَجْمَعُ الفِقْهِي الاِسلَامِي، بَهَاوَلْفُور'' کی تاسیس عمل میں آئی۔ مختلف مدارس اور جامعات کے اساتذہ سے ملاقاتیں، ان کی علمی وفقہی صلاحیتوں سے استفادہ کا لائحہ عمل اور پھر اس مجلس کے باقاعدہ اجلاسوں کی ترتیب بنی جس کی کچھ تفصیل شاید ماہنامہ ''المصطفیٰ'' میں چھپ بھی چکی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مختلف مسائل میں، خصوصاً جدید مسائل میں جو حضرات الل ٹپ قسم کے فتوے دے رہے ہیں، اور سیدھے سادے عوام کو بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ علماء کرام میں تو مسائل کا اختلاف ہی بہت ہے، ہم کدھر جائیں، اس تاثر کا سدباب ہو جائے۔ اور کم از کم بہاولپور کی سطح پر علماء کا ایک ایسا پلیٹ فارم ضرور ہو جس میں اتفاقی طور پر (یا پھر اختلافی نوٹ کے ساتھ) طے شدہ مسائل کو کوئی حتمی شکل دے کر حاصل بحث کو عوام کے لیے مرتب کر دیا جائے۔

کام تو بہت بڑا، اور بہت ہی اہم نوعیت کا ہے، اور جس سے بھی ذکر کیا، اس نے تائید وتوثیق بھی کی اور دعائیں بھی دیں، مگر اس کی حساسیت کے پیش نظر اس کا تقاضا یہ بھی تھا کہ اسے بہت دقیق النظر مفتیان کرام کی سرپرستی اور تائید کے ساتھ چلایا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جن حضرات نے سرپرستی قبول فرمائی، ان میں ایک تو مفتی عطاء الرحمٰن صاحب ہی ہیں۔ آپ نے عملی طور پر شریک ہونے سے تو معذرت کر لی کہ دوسری ذمہ داریاں بہت ہیں، مگر ہمارے کیے ہوئے کام پر نظر ثانی، اس کی تصحیح اور اس پر تنقید وغیرہ کے سلسلے میں سرپرستی قبول فرمائی۔

اس کے بعد اس کام کا خاکہ اور اس کی کچھ کارگذاری حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی عرض کی، اور سرپرستی کی درخواست کی، جو آپ نے قبول فرمائی، مگر اس مرتبہ بھی پہلے مفتی رفیق صاحب کی طرف رجوع اور پھر دیکھنے کی ترتیب بتائی، اور ہماری اس کوشش پر ہماری ہمت بندھائی، جو ہمارے لیے اطمینان کا باعث تھا۔ ورنہ اگر ہمیں اس طرز سے کام کرنے سے روک دیتے، تو یقیناً ہمارے لیے اس سے رکنا ہی طے تھا، کہ اپنے اکابر حضرات کی خدمت میں حاضری اپنی اصلاح کے لیے ہی ہوا کرتی ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خيراً أحسَن الجَزاء ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، ان شاء اللہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس سلسلے کے فوائد وبرکات کے عام ہونے کی وجہ سے اللہ کے ہاں عظیم اجر کے مستحق ہوں گے۔

جب مفتی عبدالرحمٰن نذر صاحب نے تخصص فی الفقہ الاسلامی کی تکمیل کی تو تخصص کے تیسرے سال میں عقائد کے موضوع پر مقالہ لکھنا ان کے ذمے لگا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے خود بھی ایک کتاب بنام ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' مرتب کی، جو چھپ کر اہل علم کے ہاں بہت مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں سلفی عقائد کے بعض ایسے گوشے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے تھے، جنہیں عام طور پر سلفی حضرات وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق بڑی گہرائی کے ساتھ موضوع کا مطالعہ کیا، اور پھر اپنی معروف گرفت کے ساتھ سلفیہ کے موقف کی کمزوری اور غلطی کا ذکر کیا جب کتاب چھپی تو میں نے دارالافتاء میں اپنے قابل قدر مفتیان کرام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کتاب کا عربی میں ترجمہ بھی آنا چاہیے۔ تو آپ حضرات میں سے کوئی ایک ساتھی اس کام کو سرانجام دیں، خصوصاً مفتی شعیب صاحب سے عرض کی، کہ ان کا قلم بہت سیال ہے۔ مگر بات مشورے تک ہی رہی اور کچھ طے نہیں ہو پایا۔ کچھ ہی عرصہ گذرا ہوگا کہ ایک دن مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کا فون آیا، فرمانے لگے کہ والد صاحب سے بات کریں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' کا عربی ترجمہ کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ میں چونکہ ''طوالع الانوار'' کا کام ذمے لیے بیٹھا تھا، اور تب تو بہت ہی ابتداء میں تھا، بظاہر وقت نکالنا ممکن نہ تھا، مگر استاد جی کا مجھ ناکارہ سے فون پر رابطہ کر کے کہنے کا وزن یقیناً بہت زیادہ تھا۔ میں نے عرض کیا: استاد جی! اس ضرورت کا اظہار تو میں نے بہت پہلے مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور مفتی شعیب احمد صاحب سے کر دیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ حضرات آپ کے پاس رہتے ہوئے زیادہ بہتر طریقے سے اس کام کو کر سکتے ہیں۔ لیکن اب آپ نے فرما دیا ہے تو بس دعا فرما دیں، میں ان شاء اللہ اسے ضرور پورا کروں گا۔ استاد جی نے اس کے معاوضے کا بھی ذکر فرمایا، مگر سعادت حاصل کرنے پر کیسا معاوضہ!! گو کتاب کا ترجمہ مکمل ہونے سے قبل ہی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بہت ہی معقول رقم مفتی عبداللہ صاحب کے ذریعے بھجوا دی تھی۔ **فجزاہ اللہ خیراً**

خیر کچھ ہی عرصہ گذرا، تھوڑا تھوڑا کام کرتے کرتے تعریب کا کام مکمل ہو گیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے خود نظر ثانی فرمائی۔ واصل واسطی صاحب نے کچھ جواب دیا، اس کی وجہ سے کچھ تبدیلیاں کرنے کی نوبت آئی۔ پھر اسے عربی کتب کے معاصر انداز میں ڈھالا تو کچھ کتابوں کے حوالے قابلِ مراجعت تھے، وہ سب بھی ہو گیا، اجمالی فہرست بھی تقریباً تیار ہو چکی تھی۔ مصر میں ایک مکتبے والوں سے طباعت کی بات چل رہی تھی۔ ایک دن مفتی عبداللہ صاحب کا فون آیا کہ والد صاحب فرما رہے ہیں کہ مولوی صاحب سے کہیں کہ آپ تو ہماری کتاب کو بھول ہی گئے۔ اور سچ یہ ہے کہ میں اس کو بالکل بھی نہیں بھولا تھا۔ بلکہ اس کے بعض مندرجات کے بارے میں ایک دن قبل ہی مفتی عبدالرحمٰن صاحب سے بڑی طویل بات ہوتی رہی تھی۔ میں نے وہ ساری کارگذاری سنا دی کہ مجھے نہ صرف یہ کہ یہ کام یاد ہے بلکہ میری ترجیحات میں سے ہے۔

مگر اس فون سے طبیعت پر بہت بوجھ رہا۔ اصل میں بات یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ملنے کے بعد ان کے ساتھ ایسا قرب ہوتا گیا کہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کب شدید محبت کی سی صورت پیدا ہوگئی، دل اس خطرے اور واہمے کو بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا تھا کہ استاد جی کو مجھ سے یا میری کسی کوتاہی سے کوئی رنج یا تکلیف پہنچے۔ خیر! یہ کتاب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں نہیں چھپ سکی، اور انتہائی عجلت کی کوشش اور شدید ضرورت کے باوجود ابھی بھی مکتبے والوں کے پاس طباعت کے انتظار میں رکھی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ کچھ ہی عرصے میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گی۔ لیکن دل مسوس کر رہ جاتا ہے جب یاد آتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اس کی طباعت کا کس شدت سے انتظار تھا، اور یہ ان کی زندگی میں چھپ نہیں سکی۔

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو کسی ادارے سے وابستہ ہو کر چمکتی ہیں اور بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے ادارے چمک جاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت اگرچہ ایسی بلند و بالا مقام کی حامل تھی کہ ادارے آپ کے ساتھ انتساب کو فخر محسوس کریں، لیکن آپ نے گویا اپنی شخصیت کو بالکل ہی مٹا دیا تھا، اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ میرا جامع مسجد الہلال آنا جانا بہت عرصے سے ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے نیازمندانہ تعلق تھا، اور باقی اساتذہ کرام اور علماء و مفتیان کرام سے دوستی بھی تھی، اور استفادے کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا۔ مفتی رفیق، مفتی عبدالرحمٰن، مفتی شعیب، مفتی سلیم صاحبان اور دیگر کی مجلس میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ جاری کرنے پر بارہا غور و فکر ہوتا رہا۔ اسی سلسلے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بھی مشاورت رہی، اور حضرت نے بھرپور رہنمائی کی۔ مفتی شعیب صاحب نے ہوم ورک کے طور ایک تحریر تیار کی، جس میں مختلف جگہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے تبدیلی بھی کی، اور کئی ایک تصحیحات بھی فرمائیں۔ چونکہ یہ شعبہ بہت اہم ہے، اور خصوصاً پنجاب میں اس نوعیت کے شعبے کے اجراء کی ضرورت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تصحیح و تبدیلی کے بعد مفتی شعیب صاحب کی حتمی تحریر کو بہ طور ضمیمہ مضمون کے آخر میں نقل کر دوں۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی نظر کتنی وسیع تھی، اور مستقبل میں کتنا دور تک دیکھا کرتے تھے، وہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بالکل عام سا سمجھتے تھے۔ دیکھنے کی چیز ہے کہ میرا تعلق حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تو بہت قریبی رہا لیکن بہ حیثیت ادارے کے، جامعہ دارالتقویٰ سے کسی قسم کا باضابطہ تعلق یاد نہیں پڑتا۔ اس کے باوجود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس تحریر میں اپنے قلم سے جو جملے ثبت فرمائے، ان میں یہ جملہ لائق توجہ ہے، فرماتے ہیں:

> **''.....ہمیں ایک بڑی سہولت یہ بھی حاصل ہے کہ مولوی مفتی عبدالرحمٰن نذر نے مولانا عبدالحلیم چشتی مدظلہ سے تخصص فی الحدیث کیا ہے، اور اسی طرح مولانا احسن صاحب کا بھی جامعہ سے بڑا تعلق ہے، اور جن کے تصنیفی کارنامے بھی بہت ہیں، وہ بھی تخصص مولانا مدظلہ سے کر چکے ہیں.....''**

تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر سے جتنا میرا دل شاد مان ہوا، اسے کیا بیان کروں! ع

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

کہ اس قسم کے علمی کام کی خدمت کا موقع تو خدا جانے، آئے یا نہ آئے، مگر اس کی اہلیت پر نظر کرتے ہوئے مفتی عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ جیسی محنتی، قابل اور ذمہ دار شخصیت کے ساتھ ساتھ حضرت رحمہ اللہ کی نظر مجھ جیسے ناکارہ پر بھی پڑی۔ بے ساختہ زبان پر جاری ہے: ع

ایں کہ می بینم بیداری است یا رب یا بہ خواب

لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیکھنے کی اصل چیز تو یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے میرے اس تعلق کو جو یقیناً حضرت رحمہ اللہ کی ذات کے ساتھ تھا، اپنے ساتھ تعلق نہیں فرمایا، بلکہ جامعہ سے تعلق فرمایا، یعنی آپ کی علمی و عملی صلاحیتوں کا محور اپنی ذات نہیں، ادارہ تھا۔ یقیناً بے نفسی اور اپنے آپ کو مٹا دینا اس کو کہتے ہیں۔

حضرت استاد جی سے میری آخری ملاقات ۱۴۳۹ھ کے رمضان میں ہوئی۔ مفتی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ استاد جی کے گھر حاضری ہوئی۔ کافی کمزور ہو چکے تھے، گو کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی، لیکن بایں ہمہ بیٹھ کر ہی سہی، مکمل بیس تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیں۔ اس کے بعد گھر گئے، کھانا کھلایا، اور مختلف علمی موضوعات پر گفتگو اور ہلکی پھلکی مزاح بھری باتیں فرماتے رہے۔ جب اندر سے چائے وغیرہ آنے لگی تو میں نے اس خیال سے کہ استاد جی کو اٹھنا نہ پڑے، مفتی عبدالرحمٰن صاحب سے کہا کہ آپ چائے پکڑو، میں ریڑھی (میری مراد Tea trolly یا Tea cart تھی) کو کھینچ کر قریب کرتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میری بات سن کر مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: ''دیکھو بنانے والے نے کتنی محنت سے اتنی خوبصورت چیز بنائی ہے، مولوی صاحب نے اسے ریڑھی بنا دیا۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ انتہائی سنجیدہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ جب کبھی ہنستے یا مسکراتے تو ہم جیسوں کی تو روح تک سرشار ہو جاتی تھی۔

بس یہ میری حضرت سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد اگلا رمضان آیا، جس کے بعد شوال میں انتقال ہوا، تو بہت چاہت کے باوجود بھی لاہور کا سفر نہ کر سکا، اور زیارت بھی نہ ہو سکی۔ وجہ یہ بنی کہ بچوں نے حفظ قرآن مجید شروع کر رکھا تھا، اور عید سے صرف ایک ڈیڑھ دن قبل ان کو مدرسے سے چھٹی ہوئی۔ اور عید کے چوتھے دن پھر باقاعدہ حاضری تھی۔ بس ترتیب ہی نہ بن سکی۔ اندازہ بھی نہ تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اتنا اچانک چھوڑ جائیں گے۔ اور پھر میں نے تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگ رکھی تھی کہ میری کتاب حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی شائع بھی ہو جائے۔ ایک انجانا سا یقین دل میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہ دعا دنیا ہی میں پوری ہو گی۔ کیا خبر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت کے لیے ذخیرہ بنایا ہوا ہے۔ بہرحال تقدیر غالب آ گئی۔

آپ کی وفات کا صدمہ امت مسلمہ کا صدمہ ہے، جس پر عوام، علماء اور اہل دل اور ارباب بصیرت بھی غم واندوہ سے دوچار ہیں۔ اور اس موقعے پر زبان پر یہی جاری ہے کہ "العَیْنُ تَدمَعُ وَ القَلْبُ یَحزُنُ، وَ اِنَّا بِفرَاقِکَ یَا أُستَاذَنَا لَمَحْزُوْنُوْنَ، وَ لا نَقُولُ اِلَّا بِمَا یَرْضَی رَبُّنَا. اِنَّا للّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

آخر میں یہ دعا ہے کہ: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہُ وَ ارْحَمْہُ، وَعَافِہ وَ اعْفُ عَنْہُ، وَ أَکْرِمْ نُزُلَہ، وَ أَنْزِلْہُ المَقْعَدَ المُقَرَّبَ عِنْدَکَ، وَ أَسْکِنْہُ الفِرْدَوْسَ الأَعْلَی، اِنَّکَ أَنْتَ العَزِیْزُ الکَرِیْمُ، وَ تُبْ علینَا اِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. آمِیْن."

.....☆.....

ضمیمہ: تحریری ریکارڈ برائے اجراء شعبۂ تخصص فی الحدیث:

شعبہ تخصص فی الحدیث

اہمیت، ضرورت، اور تقاضے

تحقیق وتصنیف/ پس منظر

تحقیق وتدقیق کسی بھی ٹھوس علمی وفنی بحث کی اساس ہے۔ اور فی زمانہ ہر ہر شعبے میں باریک بینی اور دقت نظر کا جو رواج روبہ ترقی ہے، اس کے پیش نظر، عام سے عام اور سادہ سی علمی بحث کو بھی تحقیقی مراحل سے گذار کر محکم انداز سے پیش کرنا انتہائی ضروری ہے۔ پھر اس میں کوئی دورائے نہیں کہ علوم وفنون کی وسعت اور انسانی صلاحیتوں کی کمی کی بناء پر

''یہ تخصصات کا زمانہ ہے''

پھر آج کل غیر مقلدیت اور آزادانہ تحقیق کا داعی ایک طبقہ بھی سادہ لوح عوام کو ان کے متواتر عمل اور مسلمات سے حدیث کے نام پر برگشتہ کرنے میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر رہا ہے۔ اسی طرح قدیم وجدید شبہات کو ذرائع ابلاغ کی مدد سے جس بے دردی سے اسلام کے خلاف پھیلایا جا رہا ہے، اس کے پیش نظر یہ بات اور بھی ضروری ہو جاتی ہے کہ اسلامی تعلیمی ادارے عوام وخواص کی قیادت ایسے عصری اسلوب سے کریں، جس کی رہنمائی میں امت اپنی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا شرعی حل معلوم کر کے اللہ کی مرضیات پر چلنے میں شکوک وشبہات کا شکار نہ ہو۔ علمائے امت نے آج تک جیسے عوامی مسائل میں عوام کی رہنمائی کی ہے، ایسے ہی پیچیدہ اور علمی اشکالات میں مبتلا خواص کی رہنمائی سے بھی کوتاہی نہیں کی۔

ہند وپاک میں ہمارے اسلامی تعلیمی اداروں کے عوام کے ساتھ براہِ راست اور فوری رابطے کا ذریعہ، دارالافتاء ہیں، جہاں سے یومیہ بیسیوں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں، اور دارالافتاء کی ذمہ داریاں چونکہ متخصصین فی الفقہ نبھایا کرتے ہیں، اس لیے اس شعبے کے رجال کی تیاری کے لیے لازم وملزوم شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی بھی جگہ جگہ موجود ہے۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ جامعہ دارالتقویٰ کے زیر اہتمام کئی سالوں سے یہ دونوں شعبے حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم و مدت فیوضہم کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔

دارالافتاء اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کے ساتھ ہی ایک اور شعبہ جو علمی وتحقیقی اور تصنیفی رسوخ کا باعث، اور علمی وتحقیقی رہنمائی کا ذمہ دار ہے، وہ تخصص فی الحدیث کا شعبہ ہے۔ اکابر علماء دیوبند کی دینی وعلمی تاریخ سے باخبر اصحاب

اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہمارے اکابر نے روزِ اول ہی سے قرآن وحدیث اور علوم نبویہ کی نشر واشاعت کو اپنا مطمح نظر اور مقصودِ اصلی بنالیا تھا۔ اور آج تقریباً ڈیڑھ صدی گذرنے کو ہے کہ یہ ادارے تمام علمی وتصنیفی شعبوں میں اسی نہج پر کام کررہے ہیں۔

شعبہ تخصص فی الحدیث:

دارالعلوم دیوبند کے مؤسس اور مظاہر علوم سہارنپور کے اولین سرپرست اور مربی روحانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی ہدایت اور وصیت، تاریخ کے صفحات پر ان الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے:

''مہتمم صاحب کو ضروری ہے کہ اس امر میں سعی فرمائیں کہ طلبہ، حدیث وفقہ کو بغور وتدبر پڑھیں، کہ اصلی مقصد، بنائے مدارس سے یہ ہے اور بس۔ اور دیگر فنون خادم ومبادی اس کے ہیں، جیسے فنون عربیہ وادبیہ واصول، یا مخل ومضر اس کے ہیں، جیسے فلسفہ جہل مرکب، مدرسین (مظاہر علوم) کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ در باب درسِ دینیات، طلبہ پر تنبیہ رکھیں کہ خوب تدبر کے ساتھ مطالعہ کر کے سمجھیں اور فنون دینیہ، خصوصاً حدیث شریف کا بہت اہتمام کریں۔ فقط

و أنا الرَّاجی رحمةَ ربِّه: رَشِید أحمد گنگوهی عُفِیَ عنه''

(علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات: جلد اول)

گو مذکورہ بالا تحریر میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مخاطب ذمہ دارانِ مظاہر علوم ہیں، مگر آپ کے دیگر تلامذہ اور ان کے تلامذہ نے آپ کی اس نصیحت کو ہمیشہ عظمت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے، اور آج بھی وہ اس کی اہمیت کو دل وجان سے تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ اس شعبے کی اہمیت وضرورت اور افادیت کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ

۱۔ اس شعبے سے باریک بین اور محقق علماء پیدا ہوتے ہیں، جن کا علم سطحی نہیں ہوتا، انہیں عبارات پر گرفت اور ہر طرح کی علمی کتابوں کے ساتھ مناسبت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے افراد کسی بھی علمی شعبے اور تعلیمی ادارے کے لیے مفید ہوتے ہیں۔

۲۔ اس شعبے سے جہاں علوم حدیث اور اسماءِ رجال کے فن میں راسخ اور ماہر افراد تیار ہوتے ہیں، وہیں نت نئی علمی جہتوں پر تصنیفات وتالیفات بھی منظر عام پر آتی ہیں۔

۳۔ آٹھ دس سال تک مختلف مدارس سے پڑھ کر آنے والے ذی استعداد طلبہ، جو تقریباً خالی الذہن ہوتے ہیں، اس شعبے کے ذریعے ان کی اپنے مزاج ومنہج پر تربیت کی جاسکتی ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں تخصص فی الفقہ اور تخصص فی الحدیث کا شعبہ کسی کی لگائی ہوئی پکی فصل کاٹنے کے مرادف ہوتا ہے۔

۴۔ اس شعبے کی ذمہ داریوں میں چونکہ دارالافتاء کی طرح عوام کے ساتھ براہ راست وابستگی نہیں ہوتی، اس لیے تحقیقی مسائل (خصوصاً حدیث وغیرہ سے متعلق جن میں تحقیق کی ضرورت ہو، ان) میں اس شعبے کے افراد مکمل یکسوئی اور اطمینان

سے تحقیق کا کام بخوبی کر سکتے ہیں۔ اگر چہ یہ کام قدرے آہستہ ہوگا، لیکن جو بھی ہوگا حوالے کا ہوگا۔

۵۔ بہت سی جگہوں پر تخصص فی الحدیث کے شعبے میں مخطوطات کی تحقیق وتعلیق کا کام بھی لازمی جزو ہے، جس کی بدولت بہت نادر کتابیں جو اب تک مخطوطات کی شکل میں تھیں، وہ منظر عام پر آرہی ہیں، جس سے امت کے اجتماعی فائدے کے ساتھ ساتھ خود کام کرنے والے کو بھی علمی فائدہ ہوتا ہے، اور ادارے کی ساکھ بھی بنتی ہے۔

۶۔ ماضی قریب میں مختلف علمی اداروں میں شعبہ تصنیف وتالیف کا اجراء کیا گیا، جس کے بیش قیمت نتائج سامنے آتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر حیدر آباد دکن میں ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' اور ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کے نام قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر ادارے سے متقدمین ومتاخرین کے نادر مخطوطات کی اشاعت ہوئی اور مؤخر الذکر ادارے سے مستشرقین کے شبہات کے جوابات، جدید انداز سے سیرت کی پیشکش اور عصری تقاضوں کے مدنظر مختلف موضوعات پر متنوع کتب سامنے آئیں۔

۷۔ تخصص فی الحدیث کا شعبہ آئندہ چل کر شعبہ تصنیف وتالیف کی بنیاد بھی بن سکتا ہے۔ اگر آئندہ شعبہ تصنیف و تالیف کے جاری ہونے کی صورت بنے، تو انہی متخصصین فی الفقہ والحدیث کے ذریعے بہت سا تحقیقی کام کروایا جا سکتا ہے۔ اور اگر علیحدہ سے یہ شعبہ جاری نہ بھی کیا جا سکا تو بھی تخصص فی الحدیث میں لکھوائے جانے والے مقالہ جات کے ذریعے کسی حد تک اس قسم کے تحقیقی کام ہو سکتے ہیں۔

ان فوائد اور مقاصد وضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے، اس وقت متعدد مدارس اور جامعات میں اپنے اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ شعبہ فعال ہے۔

علوم حدیث میں رسوخ اور اس کی اہمیت کے پیش نظر، حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے تو جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، کی ابتداء ہی شعبہ تخصص فی الحدیث سے کی تھی۔ اور درس نظامی کا بعد میں بتدریج اجراء کیا گیا تھا۔ اور اسی شعبے کے فعال رجال کی محنتوں اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کی سرپرستی کی بدولت ''ترمذی شریف'' کی عظیم الشان شرح ''معارف السنن'' منظر عام پر آئی۔ علاوہ ازیں ''کَشْفُ النِّقَاب'' اور کئی دیگر قابل قدر تصنیفات بھی اسی شعبے کی مرہون منت ہیں۔ اور بلاشبہ بنوری ٹاؤن کو اس شعبے میں گوئے سبقت حاصل ہے۔

بعد ازیں اکابرین کی توصیات وتوجہات کی روشنی میں یہ شعبہ کئی سال پہلے ۱۴۱۵ھ میں، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں جاری کیا گیا۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں بھی باقاعدہ تخصص فی الحدیث جاری کر دیا گیا۔ اور اب ہمارے ہاں پاکستان میں جامعہ فاروقیہ اور جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بھی یہ شعبہ فعال ہے۔ ابھی چند سال قبل راولپنڈی میں دو جگہوں پر اور امسال جامعہ مدنیہ جدید (رائے ونڈ روڈ لاہور) میں بھی تخصص فی الحدیث کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

بحمد اللہ جامعہ دار التقویٰ میں تخصص فی الفقہ کا شعبہ تو دار الافتاء کے ساتھ ساتھ جاری ہے، البتہ تخصص فی الحدیث کا

شعبہ جاری نہیں ہے۔ زیر قلم سطور کا مقصد اپنے ادارے جامعہ دارالتقویٰ میں شعبہ تخصص فی الحدیث کے اجراء کی طرف توجہ دلانا ہے، تاکہ مشورے میں تمام اساتذہ واکابرین کے سامنے اس شعبہ کی ضرورت اور اہمیت ہو، اور وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکیں۔ اور بحث وتمحیص کے بعد اس کے اجراء کی کوئی عملی صورت نکل سکے۔

ہمیں ایک بڑی سہولت یہ بھی حاصل ہے کہ مولوی مفتی عبدالرحمٰن نذر نے مولانا عبدالحلیم چشتی مدظلہ سے تخصص فی الحدیث کیا ہے، اور اسی طرح مولانا احسن صاحب کا بھی جامعہ سے بڑا تعلق ہے، اور جن کے تصنیفی کارنامے بھی بہت ہیں، وہ بھی تخصص مولانا مدظلہ سے کرچکے ہیں۔ یہ دونوں حضرات جامعہ دارالتقویٰ میں اس کے لیے پڑھانے کو تیار ہیں۔

جامعہ دارالتقویٰ لاہور

یکم ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

.....☆☆☆.....

ایک وسیع النظر عالم

مولانا ڈاکٹر اسامہ صاحب
مکہ مکرمہ

گزشتہ چند سالوں میں بڑے بڑے اصحاب علم اور اہل اللہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ ان اکابر میں رئیس المحدثین، استاذ الاساتذہ، شیخنا و شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال اس عاجز کے لیے ذاتی حادثۂ غم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ اس عاجز کے مشفق استاذ ہی نہیں، مربی بھی تھے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ بھی عاجز کے مہربان بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے گزر جانے کا غم بھی میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت میرے لیے کئی پہلوؤں سے نہایت قابل رشک تھی۔ وہ قدیم وجدید علوم کے حامل ایک باعمل اور وسیع النظر عالم تھے۔ تدریس، افتاء اور تصنیف تینوں ہی شعبوں میں انھوں نے گراں قدر کام کیا ہے۔

اس عاجز کا ان سے تعلق تقریباً بارہ تیرہ سال پر محیط ہے۔

۲۰۰۷ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی سے فراغت کا سال ہے۔ میں امتحانات سے فارغ ہوکر لاہور میں مقیم تھا۔ اسی سال ایک عزیز دوست مفتی سید رضا علی جعفری حفظہ اللہ، جو کہ کئی جہت سے میرے محسن ہیں، اور غنی عن التعارف (تعارف سے بے نیاز) ہیں، ان کے توسط سے مجھے کئی کبار علماء اور مشائخ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ان میں حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سرفہرست ہیں۔

میں پہلی بار حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ان کے گھر پر ملا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بہت اکرام اور شفقت والا معاملہ فرمایا۔ میں چونکہ جامعہ ام القریٰ میں رہ چکا تھا اس لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ مجھ سے زیادہ تر یونیورسٹی کے تعلیمی نظم، ماحول اور نصاب کے متعلق مختلف باتیں پوچھتے رہے، جو کچھ اس عاجز کو معلوم تھا، عرض کرتا رہا۔

کچھ باتیں میں نے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے پوچھی تھیں۔ ان میں ایک بات یہ تھی کہ سعودی عرب میں ہمارا واسطہ چوں کہ سلفی حضرات سے رہتا ہے، اس لیے تصوف کی خاص اصطلاحات مثلاً "مقامات"، "احوال"، "بیعت"، اسی طرح صوفیانہ اشغال، اور مخصوص اوراد و وظائف جن کا صوفیانہ حلقوں میں التزام کیا جاتا ہے، ان پر سلفی حضرات کی طرف سے جو اعتراضات اور اشکال ہوتے ہیں ان کے شافی جوابات کے لیے کوئی اطمینان بخش اور مدلل کتاب بتادی

جائے، اس کے لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید کی عربی زبان میں تصوف پر لکھی گئی کتاب ''عبقات'' کے مطالعے کا مشورہ دیا۔

اس پہلی نشست کے بعد ۲۰۱۰ء میں، پھر ۲۰۱۱ء میں جب بھی پاکستان گیا، التزاماً (پابندی سے) حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں بالعموم مدرسے ہی حاضر ہوتا تھا، لیکن حضرت رحمہ اللہ ہمیشہ مجھے میرے اہل خانہ کے ساتھ گھر حاضر ہونے کا حکم فرماتے۔ پھر میں گھر حاضر ہوتا، از حد شفقت، محبت اور اکرام کا معاملہ فرماتے۔ تمام خاندان والد، بھائی اور بچوں وغیرہ کی فرداً فرداً طبیعت وخیریت دریافت فرماتے۔ ایک مرتبہ میری والدہ پاکستان آئی ہوئی تھیں، حضرت رحمہ اللہ نے ان کو بھی گھر پر اصرار کے ساتھ مدعو فرمایا۔ میں بچوں کے ساتھ جب حاضر ہوتا، حضرت رحمہ اللہ بچوں پر خصوصی شفقت فرماتے، پیار کرتے، اگر بچے شرارت کرتے تو حضرت رحمہ اللہ کبیدہ خاطر نہ ہوتے، بلکہ اپنے انداز سے بہ خوشی اس کا اظہار فرماتے کہ بچہ ہے شرارت کرے گا ہی، بلکہ کوئی میٹھی چیز بچے کو دیتے تاکہ وہ بھی خوش ہو جائے۔ آخری ملاقات میں حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت بہت ہی خراب تھی، کچھ نسیان کا بھی اثر تھا، لیکن اس کے باوجود جب حضرت رحمہ اللہ کو اطلاع ہوئی کہ میں پاکستان آیا ہوا ہوں تو گھر بلایا، کھانے کا تکلف فرمایا۔ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے زیادہ دیر تک بیٹھنا دشوار تھا، اس کے باوجود تھوڑی دیر بیٹھے رہے، پھر لیٹ گئے۔ حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت دیکھ کر دل پر بہت بوجھ تھا کہ اس قدر علالت کے باوجود حضرت خود کو مشقت میں ڈال کر شفقت فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد بھی میں ایک مرتبہ پاکستان گیا، دارالافتاء حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت بہت ہی زیادہ خراب ہے اور نسیان کی کیفیت ہے، اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔ سعودی عرب واپسی کے کچھ عرصہ بعد فون پر حضرت رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ یوں تو نہایت گراں قدر اوصاف کے حامل بزرگ تھے۔ مگر جن امور نے اس عاجز کو بہ طور خاص متاثر کیا وہ یہ ہیں:

تواضع اور سادگی :

اتنے بڑے عالم اور مفتی ہونے کے باوجود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ عالمانہ کروفر اور مفتیانہ شان کے اظہار سے کوسوں دور تھے۔ اسی سادگی اور تواضع کے پیش نظر ہم خوردوں (چھوٹوں) کو بھی حضرت رحمہ اللہ کے روبرو بے تکلفی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کے بیان کا حوصلہ ہو جاتا تھا۔ ہم اپنے محدود تجربے اور قلیل معلومات کے مطابق جو کچھ عرض کرتے، حضرت رحمہ اللہ نہ صرف اسے توجہ سے سنتے بلکہ چہرے کے تأثرات اور آنکھوں کے انداز سے معلوم ہوتا کہ حضرت رحمہ اللہ ہماری باتوں پر غور فرما رہے ہیں۔ اس سے دل میں یہ خوشی ہوتی کہ ہماری بات بھی اس قابل ہے کہ حضرت رحمہ اللہ جیسا صاحب علم وعمل اس پر غور فرما رہا ہے۔

دل چسپی کے موضوعات پر گفتگو:

مجھ سے بالعموم ان ہی موضوعات پر گفتگو فرماتے جن سے مجھے مناسبت ہوتی۔ مثال کے طور پر مجھے عقائد سے دل چسپی ہے تو اسی موضوع پر علمی گفتگو فرماتے، اگر سیاست پر گفتگو فرماتے تو مجھ سے زیادہ تر سعودی عرب کے سیاسی احوال پر تبادلہ خیال فرماتے۔

خوردنوازی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی توجہ اور عنایات ہر اعتبار سے بندے کی حیثیت سے بڑھ کر تھیں۔ خوردنوازی کی سب سے بڑی مثال یہ تھی کہ حضرت رحمہ اللہ ایسے کہنہ مشق مصنف اور جید عالم اپنی کتاب ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' کی تالیف کے دوران مسلسل بندہ سے مشورے فرماتے رہے، اور تصنیف مکمل ہوجانے کے بعد نظر ثانی کے لیے بندے کے سپرد فرمائی، حالانکہ علمی اور عملی طور پر میں اس قابل نہیں تھا، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا حسن ظن اور حکم تھا، الحمد اللہ حضرت رحمہ اللہ کی توجہ کی برکت سے اس پر نظر ثانی کا کام مکمل ہوا اور وہ کتاب اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی۔ کتاب کے مقدمے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے یہ جملے تحریر فرما کر خوردنوازی کی انتہا کردی:

> ''.....پھر ان ہی دنوں سعودیہ میں رہنے والے ایک نوجوان عالم محمد اسامہ سلمہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اس موضوع پر ان سے بھی استفادہ کیا.....مولوی عبدالرحمٰن نذر سلمہ اور مولوی اسامہ سلمہ کے تعاون پر میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''
>
> (مولانا مفتی عبدالواحد، صفات متشابہات اور سلفی عقائد، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۱۲ء، صفات ۵ -۶)

دینی حمیت اور مسلکی تصلب

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی دینی حمیت اور مسلکی تصلب بہت قابل رشک تھا۔ اس سلسلے میں میرا اپنا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ شیخ محمد علوی مالکی نے اپنی کتابوں ''الذخائر المحمدية'' (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۷ء) اور ''مفاهيم يجب أن تصحح''، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۱۶ء) میں رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کا اثبات کیا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''داستان عبرت'' میں اس کو مشرکانہ عقیدہ فرمایا اس پر اپنی کم علمی کی وجہ سے مجھے اشکال ہوا، اور وہ اشکال میں نے ایک رقعے پر مفتی رضا صاحب کو لکھ بھیجا۔ مفتی رضا صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں وہ رقعہ پیش کیا، حضرت رحمہ اللہ نے پورے اہتمام سے میرے متذکرہ اشکال کا علمی و تحقیقی جواب عنایت فرمایا۔

اس کے کچھ دنوں بعد مجھے مفتی رضا علی جعفری صاحب کا فون آیا، وہ فرمارہے تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب پوچھ رہے ہیں کہ مولوی اسامہ نے اگرچہ دورۂ حدیث شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے کیا ہے، اور

حضرت شیخ کا وہ شاگرد ہے، اس لیے مسلک کے حوالے سے اس سے کسی تساہل کی تو امید نہیں ہے، لیکن پھر بھی پوچھ لینا بہتر ہے کہ کہیں وہ ان خلفائے اربعہ سے متاثر تو نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں! الحمدللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں نے بس اشکال کے طور پر پوچھا تھا۔

حضرت رحمہ اللہ کی بے پایاں شفقتوں کی وجہ سے میرا تعلق بڑھتا چلا گیا۔ حضرت رحمہ اللہ جب حجاز تشریف لاتے تو بندہ کے غریب خانے کو ضرور رونق بخشتے۔ وہ سعودی عرب کے سیاسی حالات اور یہاں پیدا ہونے والی تبدیلیوں پر کافی فکر مند رہتے تھے۔ مجھ سے ان کی گفتگو کا زیادہ تر محور ان ہی حالات اور تبدیلیوں کے متعلق استفسارات پر مشتمل ہوتا تھا۔ بندہ کے ذہن اور معلومات میں جو کچھ ہوتا، وہ عرض کر دیتا تھا، حضرت رحمہ اللہ بہت توجہ سے سنا کرتے تھے۔

ایام علالت میں جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ آخری بار عمرے کے لیے تشریف لائے تو حسب روایت اس عاجز کے گھر بھی آئے۔ کافی دیر رہے۔ ماحضر تناول فرمایا۔ حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ چلنا اور حرکت کرنا بہت دشوار تھا۔ اس لیے عمرے کے علاوہ زیادہ وقت ہوٹل ہی میں گزرتا جہاں قیام تھا، مجھ سے رخصت کے وقت فرمانے لگے کہ اگر آپ اپنے کتب خانے سے کچھ کتابیں مجھے مطالعے کے لیے عاریتاً عنایت فرمادیں تو بہت اچھا ہوگا، میں ہوٹل میں مطالعہ کرلوں گا اور واپس ہوتے وقت آپ کو لوٹا دوں گا۔ یہ سن کر میں حضرت رحمہ اللہ کو اپنے کتب خانے کے اس گوشے میں جہاں اردو کتابوں کا مختصر سا ذخیرہ ہے وہاں لے گیا اور عرض کیا حضرت رحمہ اللہ جو کتابیں مطلوب ہوں وہ لے لیں، فرمایا: آپ خود ہی ایک دو اچھی کتابیں دے دیں۔ چنانچہ دو کتابیں خدمت میں پیش کیں، ایک حضرت مولانا میاں اصغر حسین قدس سرہ کی کتاب ''حیات شیخ الہند'' (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۹ء) اور دوسری کتاب علامہ اقبال کے خطوط کا مجموعہ ''اقبال نامہ'' کے عنوان سے (مرتب: شیخ عطاءاللہ، لاہور: اقبال اکادمی ۱۹۵۱ء)، دونوں کتابیں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے ساتھ ہوٹل لے گئے۔ واپسی سے ایک دن قبل جب میں ہوٹل ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو دونوں کتابیں واپس فرمائیں اور ساتھ ہی علامہ اقبال کے ایک خط کی بہت تعریف کی جس میں مختلف نظام ہائے تعلیم پر گفتگو کی گئی تھی۔ وہ پورا خط مجھ سے پڑھوا کر سنا اور فرمایا اس خط کی کاپی اگر پاکستان بھیج دیں تو بہت اچھا ہوگا۔ حسب حکم اس کی کاپی اسی زمانے میں ارسال کر دی گئی تھی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تدریسی، تصنیفی اور افتائی خدمات صدقہ جاریہ ہیں اور آخری زمانے میں مختلف بیماریوں سے جس طرح وہ زار و نزار رہنے کے باوجود صابر و شاکر رہے وہ بھی، ان شاءاللہ، ان کے لیے رفع درجات اور دفع سئیات کا سبب ہوگا۔

.....☆☆☆.....

محقق اہل سنت، ترجمان اہل حق اور عالم ربانی

مولانا حمزہ احسانی صاحب
ماہنامہ صفدر لاہور

دارالافتاء والتحقیق جامعہ دارالتقویٰ لاہور کے صدر مفتی، بیسیوں علمی، مسلکی اور اصلاحی کتب کے مصنف، پاکستان کے بہت بڑے عالم، محقق اہل سنت، ترجمان علماء حق، عالم ربانی حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

پوری طرح تو یاد نہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا پہلا تعارف کب ہوا، مگر اتنا یاد ہے کہ بچپن ہی سے اُن کا نام اور کام دیکھنے اور سننے میں آتا رہا۔ زمانہ طالب علمی میں ہی مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بہت سی کتب ورسائل اور مضامین کا بالاستیعاب مطالعہ کرلیا تھا۔ اور بعض تحریرات کا استیعاب تو یاد نہیں، البتہ کچھ یا اکثر حصے کا مطالعہ رسمی تعلیمی زمانہ میں کر چکا تھا، اور بقیہ کتابوں سے استفادہ کا موقع فراغت کے بعد ملا۔ چند ایک تاحال دستیاب نہیں ہوسکیں۔

آج جب یہ مضمون لکھنے کے لیے ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور کے اشاریہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے مضامین اور حضرت مفتی صاحبؒ کی کتب میں اُن کی کتابوں کی فہرست دیکھنے بیٹھا ہوں تو بعض تحریرات کا اَب علم ہو رہا ہے۔ اِسے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے کام کی وسعت کہیں یا بندہ ناچیز کی نااہلی کہ اس قدر قرب وتعلق کے باوجود اُن کی حیات میں بعض تحریرات کا علم تک نہیں ہوسکا۔ ابھی نجانے اور کتنی تحریرات ہوں گی جو بندہ کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

☆.....ایک مضمون تو حضرت رحمہ اللہ نے بندہ ناچیز کی درخواست پر قلمبند فرمایا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں:

''عمار خان صاحب کے بارے میں ہمیں یہ تجربہ ہوا کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی ایسی قدر مشترک نہیں ہے جس کی بنیاد پر فریقین کی بات کو ناپا تولا جاسکے۔ اس لیے اس کتاب کو دیکھ کر رکھ دیا تھا کہ اس پر تبصرہ کرنے کا یا اس کا تنقیدی جائزہ لینے کا فائدہ نہیں۔ البتہ یہ خیال بھی تھا کہ اگر عمار خان صاحب اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو وہ جانیں دوسرے لوگوں کو تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔ اتنے میں مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے خاندان کے ایک فرد مولانا سرفراز حسن حمزہ کی جانب سے ماہنامہ صفدر کا ایک شمارہ ملا اور ساتھ ہی ان کا یہ مطالبہ بھی کہ عمار خان صاحب کی کتاب پر کچھ لکھ دو۔ ان کی تحریر اور مطالبے نے تحریک پیدا کی اور یوں بنام خدا ایک مضمون تیار ہوگیا۔ اس پر میں مولانا سرفراز حسن حمزہ کا ممنون ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر

اس کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنادیں گے۔''

[عمار خان کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی: ۲۱۷]

☆.....بندہ کے تعلیمی دورانیے کے آخری سال میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید اور رفیق دارالافتاء مولانا مفتی شعیب احمد مدظلہ نے بندہ کو توجہ دلائی کہ آئندہ سال حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فلاں فلاں کتب پڑھ لو! بظاہر یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تدریس کا آخری سال ہے، علالت بڑھتی جارہی ہے، اَب اُن کے لیے پڑھانا مشکل ہے۔ کل وقتی داخلہ لے کر مکمل وقت نہ بھی دے سکو تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے سبق میں شرکت کے لیے آجایا کرنا۔ شومئی قسمت کہ آئندہ سال لاہور میں رہنے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کی شدید خواہش کے باوجود یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔

پہلی اور آخری ملاقات:

☆.....عرصہ چار سال سے بندہ کی رہائش لاہور میں ہی ہے۔ اس دوران کئی مرتبہ دارالتقوی حاضری ہوئی، مگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زیارت نہ ہوسکی۔ ایک روز حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صالح فرزند مفتی عبداللہ صاحب کی دعوت پر حضرت کے گھر حاضری ہوئی۔ الحمدللہ زیارت کی سعادت ملی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے علمی رسوخ، وسعتِ مطالعہ، دینی تصلب اور دفاع حق کے جذبہ کے انمٹ نقوش تو اُن کی تحریرات نے پہلے ہی دِل و دماغ پر نقش کر رکھے تھے۔ اُن کی زیارت و ملاقات سے اُن کی سادگی، عاجزی، للّٰہیت، خداخوفی، دینی فکر و کڑھن اور اکابر اہل سنت دیوبند کی حقیقی نشانی اور یادگار ہونے کی تصویر دِل میں کچھ ایسی پیوست ہوئی کہ کتابوں میں پڑھے اکابر کے واقعات پر یقین مزید پختہ ہوتا چلا گیا۔ لیکن افسوس کہ یہ پہلی زیارت ہی آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

اس ملاقات میں بہت سے حضرات موجود تھے جو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے مختلف سوالات کرتے رہے، اور حضرتؒ نے بھی بعض حاضرین سے کچھ چیزیں دریافت فرمائیں، اس طرح بہت سے پہلوؤں پر حضرت رحمہ اللہ کے ارشادات سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ مثلاً آج کل سکول کالج کے برے ماحول سے بچوں کو بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے کہ تعلیم بھی حاصل ہوجائے اور اثراتِ بد سے حفاظت بھی، موجودہ سنگین حالات میں مجلّہ ''صفدر'' کا کیا حال ہے؟ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا تو نہیں؟ حضرت سندھی رحمہ اللہ کے تفردات اور مودودی صاحب کی ضلالت میں کیا فرق ہے؟ مولانا سلیم اللہ خان صاحب (رحمہ اللہ) نے جوابی مکتوب میں آپ کو توجہ دلائی کہ ''مولانا زاہد الراشدی صاحب سے آپ کا اختلاف بالکل درست اور اس میں آپ کا موقف ہی صحیح ہے، لیکن وہ چونکہ مسلمان ہیں، عالم دین ہیں، اور آپ کے تایا ہیں، اِس لیے اَدب واحترام اور فرق مراتب بہر حال ملحوظ رکھیں۔'' اور آپ نے اس کو شائع کردیا، اس سے کوئی منفی اثر تو نہیں پڑا؟ خلافت راشدہ موعودہ اور مطلقہ کا مصداق اور اس سے متعلقہ بعض مباحث کی توضیح۔ وغیرہ

متفرق عنوانات پر خاصی دیر مجلس رہی۔ مجلّہ صفدر کی پالیسی سے حضرت رحمہ اللہ کا اتفاق واطمینان ہمارے لیے انتہائی تسلی اور مسرت کا باعث ہوا۔ اور اپنے اور مجلّہ ''صفدر'' کے لیے حضرت رحمہ اللہ کی ڈھیروں دعائیں لیے ہم رخصت ہو گئے۔

☆.....اکابر اہل سنت کی سوانحی، مسلکی اور نایاب کتب کی اشاعت کے لیے قائم کیے گئے ادارے ''دارالامین'' کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کی متفرق تحریرات کی اشاعت میں حصہ لینے کی سعادت بھی الحمدللہ ہمیں نصیب ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تمام تحریرات کے صرف اجمالی تعارف کے لیے بھی کئی صفحات درکار ہیں، سردست وقت اور جگہ کی قلت کے باعث اِسی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے مضمون ''اتمام حجت'' کے آغاز میں شائع ہونے والی چند تعارفی سطور مکرر پیش کی جارہی ہیں:

''محقق جلیل، فقیہ نبیل حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت نہ صرف اہل علم بلکہ عوام میں بھی اپنے علمی کام اور دعوتی، اصلاحی وتنقیدی لٹریچر کی وجہ سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ایم بی بی ایس کرنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم وفنون کی تکمیل بھی فرمائی۔ فقہ وفتویٰ تو اوڑھنا بچھونا ہے۔ تصنیف وتالیف سے شغف ہے۔ شخصی استفتاءات کے جواب میں لکھے گئے فتاویٰ کی تعداد دس سے پندرہ (۱۰۔۱۵) ہزار کے درمیان ہے۔ اس کے علاوہ تصانیف میں تفسیر فہم قرآن (۳/جلد)، فہم حدیث (۳/جلد)، مسائل بہشتی زیور (۲/جلد)، فقہ اسلامی، مریض ومعالج کے اسلامی احکام، اُصول دین اور اسلامی عقائد وغیرہ جیسے وقیع علمی کام حضرت کے قلم سے امت کے سامنے پیش ہوئے ہیں۔ اِن خدمات سے نہ صرف عوام استفادہ کر رہے ہیں، بلکہ اہل علم بھی ان کی قدردانی کرتے ہیں، کئی ارباب فتاویٰ کی میز پر یہ کتابیں موجود رہتی ہیں۔

اِس علمی خدمت کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کا ایک خاص امتیازی وصف راہِ حق سے ہٹنے والے افکار کی بروقت اور مضبوط گرفت اور نقد بھی ہے۔ اِس میدان میں اللہ رب العزت نے حضرت کو خاص شان سے نوازا ہے۔ دین کی صحیح تعبیر وتشریح کرنا اور اس تعبیر کی فکری کج رویوں سے حفاظت کرنا حضرت مفتی صاحب کا نصب العین معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس راستے سے عصر حاضر میں جس قدر فتنے وجود میں آئے، حضرت مفتی صاحب کے قلم سے اُن کا عالمانہ اور محققانہ رد بروقت سامنے آیا۔ ڈاکٹر اسرار کے اَفکار ونظریات ہوں یا مولانا طاسین کی فروگذاشتیں، جاوید احمد غامدی کی گمراہیاں ہوں یا پرویزی فکر کے حامل ڈاکٹر قمر زمان کی ہرزہ سرائیاں، کیپٹن عثمانی کی کج رویاں ہوں یا مولانا زاہد الراشدی کے صاحبزادے عمار خان ناصر کی باطل تاویلیں حضرت مفتی صاحب کا قلم سب کی جراحی کا فریضہ کلیدی محور سے ادا کرتے نظر آتا ہے۔

تحقیق حق کے اِس تنقیدی سلسلے میں جہاں غیروں کی خبر لی گئی، وہیں الدین النصیحۃ کے تقاضے کو نبھاتے ہوئے کچھ اپنے نادان دوستوں سے بھی گفت وشنید کی گئی ہے۔ اِس فہرست میں محمد بن علوی مالکی (ایک بدعتی شیخ) کے نادان حامیوں (صوفی محمد اقبال صاحب، مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی اور حافظ صغیر احمد

صاحب) کے علاوہ پروفیسر ظفر اللہ شفیق صاحب وغیرہ کا نام شامل ہے۔

عقائد ونظریات کی اصلاح اور حفاظت کے جذبے سے لکھے گئے مواد میں ایک وقیع اضافہ ''صفاتِ متشابہات اور سلفی عقائد'' نامی کتاب سے ہوا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے موضوع پر ہے جس پر اردو میں خاطر خواہ مواد موجود نہیں تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور الحمد للہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ بقول حضرت مولانا مفتی محمود اشرف مدظلہم ''سلفیوں کی موہم تجسیم، تعبیر اور اہل سنت کے صحیح عقیدے میں فرق کو جس دقت اور وضاحت کے ساتھ اِس کتاب میں حضرت مفتی صاحب نے کھولا ہے، وہ حضرت مفتی صاحب کا ہی حصہ ہے۔'' حضرت مفتی صاحب کے قلم کی خصوصیت اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اہل علم نے اس کتاب کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ سلفیوں اور غیر مقلدین نے پانچ سال بعد بزعم خود اس کتاب کا جواب لکھ کر ایک جلد شائع کی، حضرت مفتی صاحب نے کتاب کا تجزیہ کر کے جوابی رسالہ میں خوب پوسٹ مارٹم کیا۔ اور بقامت کہتر بقیمت بہتر رسالہ تیار کر دیا۔ جزاہ اللہ عنا وعن سائر اہل الحق

مجلّہ صفدر کی یہ خوش قسمتی ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنا جوابی رسالہ طبع کرنے کے لیے اِس کا انتخاب فرمایا، چنانچہ اِس دفعہ کا شمارہ اِس سلسلے کا مختصر ''خاص نمبر'' ہے۔ اِس مضمون کے ساتھ اگر قارئین حضرت مفتی صاحب کی اصل کتاب بھی پیش نظر رکھیں تو اِن شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ ورنہ یہ تحریر بھی کافی ہے۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحب کی خصوصیت ہے کہ فریق مخالف کی پوری بات اپنے سیاق وسباق کے ساتھ پیش فرماتے ہیں، چاہے اس کے لیے اپنی کتاب کے صفحات ضائع کرنا پڑیں۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب کی ان کاوشوں کو قبولیت نصیب فرمائیں اور ہماری اِس پیش کش کو بھی قبول عام وتام نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم'' [مجلّہ صفدر، ۹۰]

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں۔ اُن کے صدقاتِ جاریہ کو تا قیام قیامت جاری وساری رکھیں۔ اُن کے اَخلاف اور جملہ اہل سنت کو اُنہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اخلاص واستقامت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

.....☆☆☆.....

مایہ ناز فقیہ ومفتی

مولانا عبدالصمد ساجد صاحب
جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا

ملک عزیز کے عظیم عالم دین، مایہ ناز فقیہ اور مفتی، جامعہ دارالتقویٰ لاہور کے رئیس دارالافتاء جامعہ مدنیہ قدیم کے سابق مفتی، حضرت سید نفیس شاہ الحسینی رحمہ اللہ کے خلیفۂ مجاز، مؤلف کتبِ کثیرہ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ بحکم ایزدی زحماتِ دنیا سے دامن چھڑا گئے، **انا للہ و انا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطیٰ و کل شئ عندہ باجل مسمّی، اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تضلنا بعدہ و لا تفتنا بعدہ.** ع

مرگِ صاحب دل جہانے را دلیلِ کلفت است
شمع چوں خاموش گرد و چراغ محفل می شود

بلاشبہ وہ بے شمار محاسن ومحامد کے جامع انسان تھے، ان کے جانے سے ایک عالم گویا ویران اور تاریک ہوگیا، بقول کسے: ع

رفتم و از رفتم یک عالَمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ دورِ حاضر کے محقق علماء، جید فقہاء اور مایۂ افتخار مفتیان میں سے تھے، ان کا علمی وفقہی قد کاٹھ بہت بلند تھا، وقت کے اہل فقہ وفتویٰ ان کی تحقیقات، تدقیقات، فتاویٰ اور فقہی آراء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، عصری مختلف فیہا ومجتہد فیہا مسائل میں دلائل کی بنیاد پر مستقل آراء کے حامل تھے، بڑے بڑے حضرات اہل علم سے انہوں نے بدلائل وبراہین اختلاف کیا، مثلاً غیر سودی بینکاری وغیرہ کے مسئلہ میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے ڈٹ کر اختلاف کیا اور اس پر مفصل تنقیدی تحریرات ومقالات زیبِ قرطاس فرمائے، اس سب کے باوصف ان کا باہم تعلق اور احترام لائقِ دید وقابل رشک تھا، حضرت شیخ الاسلام مدظلہم ان کی فقہی بصیرت کے قائل تھے، ان کی وفات سے کچھ عرصہ قبل جب وہ جامعہ دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہم نے بے

انتہاء خاطر مدارات فرمائی، نیز مجتہد فیہا قابل غور مسائل میں ملک عزیز کی جن شخصیات کی طرف رجوع کا فرماتے ان میں ایک حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ بھی تھے، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اکابر افتاء حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی، فقیہ العصر مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی اور مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات کے فقہ وفتویٰ کا طوطی بولتا تھا۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے زمانے کے صف اوّل کے مفتی تھے۔ اور وہ نہ صرف علوم کے مفتی تھے بلکہ مفتیوں کے بھی مفتی اور مرجع تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی خدمت میں جب یہ استفتاء بھیجا گیا کہ ''بیوی کا علاج شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں'' تو اس پر انہوں نے اپنی رائے ارشاد فرما کر آخر میں یہ تحریر فرمایا:

''لیکن یہ ساری باتیں ابھی تک سوچ ہی کی حیثیت میں ہیں، چونکہ کہیں منقول نہیں دیکھیں اور نہ دوسرے اہل علم سے اس پر مشورہ ہوا، اس لیے احقر کو اس پر جزم نہیں ہے، بہتر ہوگا کہ آپ مندرجہ ذیل حضرات کو بھی بھیج دیں:

۱۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب، دارالافتاء والارشاد، ناظم آباد کراچی۔ ۲۔ مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، دار العلوم حقانیہ، ساہیوال ضلع سرگودھا۔ ۳۔ مفتی عبدالستار صاحب، جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۴۔ مولانا مفتی عبدالواحد صاحب، جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ لاہور۔ ۵۔ مولانا مفتی عبدالقادر صاحب، دارالعلوم کبیر والا، ضلع ملتان۔

احقر نے اوپر اپنی جو سرسری سوچ لکھی ہے، اگر وہ بھی احقر کے بعینہ الفاظ میں ان کو بھیج دیں تو بہتر ہے، ان حضرات کے جو جوابات موصول ہوں ان سے براہ کرم احقر کو بھی مطلع فرمائیں، والسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم (بقلم محمد عبداللہ میمن) (فتاویٰ عثمانی)۔''

ترکِ سعی سے بچنے کے لیے اذانِ اول کو تقریر سے مؤخر کرنے کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ زیر بحث آیا تو اس سے متعلق حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تحقیق اور رائے کا مفصل و مدلل اظہار فرمایا، اور اس وقت فقہاءِ عصر کے درمیان فقہی تحقیقات کا تبادلہ ہوا، اس تحقیقی کاروائی کی مختصر کارگذاری ذکر کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اس موضوع سے متعلق ایک سوال کے جواب میں دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے فتویٰ جاری ہوا جو ''ماہنامہ البلاغ'' شوال ۱۴۱۵ھ کے شمارے میں بھی شائع ہوا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

''منتظمین کو چاہیے کہ وہ زوال کے بعد جلدی جمعہ ادا کیا کریں اور نیز اذان اول اور خطبہ کے درمیان زیادہ وقفہ نہ کیا کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ اذان کے کافی دیر بعد تقریر شروع کرنے کے بجائے اذان اول کے فوراً بعد تقریر ہو جائے اور مختصر تقریر کے بعد خطبہ کے لیے اذان دی جائے اور پھر خطبہ اور نماز پڑھ لی جائے یا اذان اول، تقریر کے فوراً بعد ہو اور اس کے بعد صرف اتنا وقت ہو کہ جو لوگ ابھی مسجد میں نہیں آئے وہ مسجد میں آکر سنتیں پڑھ سکیں اور اس کے بعد اذان ثانی اور خطبہ ونماز ہو۔''

ان ہی دنوں میں اس مسئلہ سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں جناب مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

نے ایک فتویٰ تحریر فرمایا جو رجب ۱۴۱۵ھ کے رسالہ ''انوار مدینہ'' میں شائع ہوا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''الف: جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال سے متصل بعد کا ہے۔

ب: بعض علماء کے نزدیک بیع وشراء وغیرہ کی حرمت کا تعلق وقت زوال سے ہے تنہا اذان سے نہیں، اگر زوال کے وقت ہی اذان ہو تب تو وقت اور اذان دونوں کے ساتھ حکمِ ممانعت کا تعلق ہوا اور اگر اذان اول کو تاخیر سے کہا گیا تو حکمِ ممانعت کا تعلق وقت زوال کے ساتھ ثابت ہوگا۔ اذان کہے جانے تک مؤخر نہیں ہوگا۔ ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھیں تو یہ سمجھنا دشوار نہیں ہوگا کہ اصلاح کے لیے جس صورت کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے انتہائی غیر مناسب ہے کہ اس میں ترک واجب کے ارتکاب سے بچاؤ تو کیا ہوتا الٹا عملی توارث اور ایک حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے یعنی اذان اول کی اس کے اصل وقت سے تاخیر۔

جن مساجد میں اذان اول کو مؤخر کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے ضروری ہے کہ وہاں اس طریقے کو ختم کر دیا جائے۔ اصلاح احوال کی متبادل صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اذان اول کو اپنے وقت پر رکھتے ہوئے اذان ثانی کو جہاں تک ہو سکے مقدم کر لیا جائے لیکن اس میں بھی اتنا وقفہ ضرور رکھا جائے کہ لوگ اذان کو سن کر مسجد میں جمع ہو جائیں اور فرضوں سے پہلے سنتیں پڑھ سکیں ..... موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہماری رائے میں یہ وقفہ آدھ گھنٹہ کا تو ضرور ہونا چاہیے یعنی اذان اول تو زوال ہوتے ہی کہہ دی جائے اور آدھ گھنٹے بعد اذان ثانی کہہ دی جائے۔ فقط و اللہ اعلم۔ عبدالواحد غفرلہ، جامعہ مدنیہ لاہور''

اس کے بعد سائل کی طرف سے ایک اور تحریر حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجی گئی اور حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے جواب لکھا گیا، بعد ازاں ماہنامہ ''البلاغ'' اور ماہنامہ ''انوار مدینہ'' میں شائع ہونے والی تحریرات ایک سوال کے ساتھ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اس لیے جن مساجد میں اذان اول کو اس کے اصل وقت سے مؤخر کر کے کہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کو ختم کر دینا ضروری ہے، کیونکہ یہ عملی توارث اور تصریحات سلف کے خلاف ہونے کے ساتھ اس اذان کی غرض مشروعیت کے بھی خلاف ہے، کما مر۔

اس لیے پہلی تجویز پر عمل کرنا چاہیے، اذان اول ظہر کے وقت شروع ہوتے ہی کہہ دی جایا کرے اور پندرہ بیس منٹ کا وقفہ نمازیوں کے مسجد آنے اور وضو وغیرہ کے لیے مختص کر دینے کا اعلان کر دیا جائے، اس کے بعد آدھا گھنٹہ مختصر ضروری وقتی مسائل پر مشتمل وعظ ہو جایا کرے، پھر اذان ثانی، خطبہ اور نماز ہو جایا کرے، لمبی چوڑی تقریروں اور بے ضرورت مضامین بیان کرنے کا جو رواج ہو گیا ہے اس کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ کرنے اور توجہ دلانے کی ضرورت ہے، نہ یہ کہ اصل وعظ وتقریر ہی کو بند کر دیا جائے یا عملی توارث سلف سے ہٹ کر نیا طریقہ جاری کیا جائے۔''

یہ تمام تحریرات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کی گئیں، حضرت دامت برکاتہم نے ان سب تحریرات کے مطالعہ کے بعد جو جواب تحریر فرمایا جس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم نے بھی تائیدی دستخط فرمائے، اس میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہم نے تحریر فرمایا کہ:

''احقر نے اس موضوع پر مرسلہ تمام تحریروں کا مطالعہ کیا۔ ان تمام تحریروں میں احقر اس تحریر سے حرف بہ حرف متفق ہے جو دارالافتاء دارالعلوم سے جاری ہوئی اور ''البلاغ'' میں شائع ہوئی۔''

جبکہ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا:

''مذکورہ بالا تحریر ناچیز کی رائے میں درست ہے اور دار العلوم کراچی کے دار الافتاء سے جو فتویٰ جاری ہوا اور ''البلاغ'' میں شائع ہوا ہے وہ بھی درست ہے، البتہ احقر کے نزدیک اذانین کے درمیان وقفہ اگر نصف گھنٹہ کا بھی ہو جائے تو مضائقہ نہیں، جس میں بیس پچیس منٹ تقریر اور پانچ منٹ سنتوں کے لیے مل سکتے ہیں اور لوگوں کے لیے اس میں انشاء اللہ دشواری بھی نہیں ہوگی اور جو گناہ سے بچنا چاہے گا وہ دشواری کے بغیر بچ سکے گا۔''

یہ تمام تفصیلات وتحریرات فتاویٰ عثمانی (۱/۵۳۰ تا ۵۴۶) پر موجود ہیں۔

تاہم ان کا اختلاف دین کی وجہ سے تھا نہ کہ ذات کی وجہ سے، اس کا باعث للّٰہیت، خلوص اور دیانت داری تھی، نفسانی آمیزش سے بالکل مبرا ومنزہ، چنانچہ بعض جدید معاشی مسائل میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی کچھ آراء سے انہوں نے اختلاف کیا تو پیش لفظ میں تحریر فرمایا:

''دارالعلوم کراچی کے جناب مولانا تقی عثمانی مدظلہ کو جدید اقتصادیات میں بھی درک حاصل ہے، انہوں نے اسلامی بینکنگ اور اسلامی انشورنس سے متعلق صرف نظریاتی حد تک ہی نہیں بلکہ عملی میدان میں بھی خاصی پیش رفت کی ہے اور اب نہ صرف بہت سے اسلامی بینک کھل گئے ہیں بلکہ بہت سے اسلامی انشورنس یا تکافل کمپنیاں وجود میں آرہی ہیں، اسی طرح پبلک کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت، سٹاک ایکسچینج اور کمپنیوں کی محدود ذمہ داری جیسے اہم مسائل بھی ہیں جن کے جواز کے حق میں مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا واضح مؤقف موجود ہے..... ہمیں مولانا مدظلہ کی نکتہ رسی کا اعتراف بھی ہے اور ہمیں لحاظ بھی آتا ہے کہ ہم مولانا مدظلہ کی سالہا سال کی محنت کی مخالفت کرتے ہیں اور عملی پیش رفت میں بھی ان سے تعاون نہیں کرتے لیکن بات دین کی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیانتداری سے وابستہ رکھیں۔''

(جدید معاشی مسائل اور حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دلائل کا جائزہ: ۳)

ملازمت یا تعلیم وتبلیغ کے لیے عرصہ دراز تک بیوی سے جدا رہنے سے متعلق مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کو ایک مکتوب برائے تحقیق لکھا، جس کے جواب میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

نے فتویٰ تحریر فرمایا، جو ''فتاویٰ عثمانی'' (جلد۲) میں موجود ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی اہم فقہی موضوعات پر قلم اٹھایا مثلاً مروجہ مجالس ذکر کا بدعت اور ناجائز ہونا، منیٰ اور مزدلفہ مکہ مکرمہ کے ساتھ اتصال اور اس کا حکم، مصنوعی تخم ریزی، ٹیسٹ ٹیوب بارآوری، انسانی اعضاء کی پیوندکاری، فارمی مرغی کا حکم، زندہ جانوروں کو تول کر فروخت کرنا، مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق چند اصول، محافلِ قراءت کی شرعی حیثیت، بنات کے مدارس کا حکم اور منکرِ عذاب قبر کی تکفیر کا حکم وغیرہ، آپ رحمہ اللہ کی یہ علمی نوادر و آراء ''فقہی مضامین'' کے نام سے مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کردی ہیں، آپ کے تخصص کا نصاب پاکستان میں اپنی نوعیت کا منفرد نصاب ہے۔

مروجہ مجالس ذکر و درود کے متعلق اپنی تحقیق میں جہاں انہوں نے دیگر اکابر کے حوالہ جات دیے، فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کا بھی حوالہ دیا، ملاحظہ ہو ''فقہی مضامین'' (ص: ۱۴۵)

مزید ان کی تحقیقات کا باب وسیع ہے جو واقفان حال پر مخفی نہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر یہ چند جواہر و یواقیت پیش کردیے ہیں۔

ہزاروں شناورانِ علم وفقہ وتحقیق نے اس دریا میں غوطہ زنی کی اور بیش بہا علمی جواہر حاصل کیے، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ تدین وتصلب میں اکابر کی یادگار تھے، اسلاف کی روایتوں کے امین تھے، مسلک کی نظریاتی سرحدوں پر بری نگاہیں ڈالنے والوں کو منہ توڑ اور دندان شکن جواب دیا، مغربیت وجدیدیت کا بیج مارا، سرسبز وثمرآور باغات میں پیدا ہونے والے کانٹوں کی بیخ کنی کے لیے جرات مندانہ کردار ادا کیا، غامدیت وناصریت کے خلاف ''ھل من مبارز؟'' کا نعرۂ مستانہ لگا کر مردانہ وار میدان میں اترے اور سرخرو ٹھہرے۔

حضرت رحمہ اللہ نے عقائد پر بہت کام کیا، گمراہ طبقے منکرین حدیث ودیگر فتنوں پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔

آپ رحمہ اللہ مجرد عالم نہ تھے بلکہ روحانی طور پر بلند نسبتوں کے حامل تھے، بیعت کا تعلق اپنے مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ سے تھا جو آپ کے استاد تھے، بعد ازاں حضرت سید نفیس شاہ الحسینی رحمہ اللہ (خلیفۂ حضرت عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ) سے تعلق قائم کیا اور منازل سلوک واحسان طے کرنے کے بعد اجازت وخلافت نصیب ہوئی۔

آسمان فقہ وفتویٰ اور دنیائے علم وتحقیق کا یہ ماہتاب وآفتاب تقریباً ستر (۷۰) برس مفید ضوفشانیوں اور جلوہ آرائیوں کے بعد ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ غروب ہوگیا، نماز جنازہ آنمرحوم کے صاحبزادہ مفتی محمد عبداللہ سلمہ نے پڑھائی اور مقبرۂ اولیاء وصلحاء میانی شریف میں سپرد خاک کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ رحمہ اللہ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، زلات معاف فرمائیں اور ان کی قبر کو نور سے بھر دیں۔ آمین

بقول غالب ع

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے متعلق تین باتیں

مولانا سلیم حقانی صاحب
مدرس جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے میرا نہ تو تلمذ رہا ہے اور نہ کوئی سوال وجواب کا تعلق رہا ہے اگرچہ میں نے جامعہ دارالتقویٰ میں بطور مدرس درس نظامی کی خدمت حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہوتے ہوئے آٹھ سال کی ہے۔ زیارت کا شرف تو بارہا اٹھایا مگر مجلس یا سبق وغیرہ میں حاضری اور استفادے کا موقع نہ ملا۔ البتہ ایک دو علمی امانتیں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے پیش کرنا چاہوں گا۔

ا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں بندہ نے مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ سے سنا تھا کہ ''ڈاکٹر صاحب کا تبادلہ بطور ڈاکٹر کے ''سی ایم ایچ ٹل'' میں ہوا، یہ وہ وقت تھا جب ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ''ہدایہ'' (ثالث، رابع) پڑھ رہے تھے، تو وفاق المدارس کے سابق ناظم اعلیٰ اور قاسم العلوم کے صدر مدرس حضرت مفتی انور شاہ صاحب مدظلہ نے وفاق کے دفتر کی طرف سے خط بھیجا، جامعہ عربیہ ٹل کے مہتمم صاحب کو کہ آپ کے ادارے میں کوئی اردو میں پڑھا سکتا ہے، تو حضرت ڈاکٹر صاحب کو ''ہدایہ'' (ثالث یا رابع) پڑھا دے۔ خط پڑھنے کے بعد مہتمم صاحب نے میرے [مفتی حمید اللہ جان صاحبؒ کے] ذمے یہ کام لگایا۔ چنانچہ کچھ عرصہ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) ڈاکٹر صاحب میرے پاس پڑھنے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خاص اور متاثر کن بات وقت کی پابندی تھی۔ گھڑی کی سوئی جوں ہی بارہ پر پہنچتی ڈاکٹر صاحب کمرے میں ہوتے تھے۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ سے کتنی مدت پڑھا؟ ایک دن بندہ کے استاد محترم جامع المعقول والمنقول مولانا تاج محمد صاحب اور شیخ احمد سعید صاحب لکی مروت سے لاہور آئے ہوئے تھے، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب سے رابطہ کیا چنانچہ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کا وقت مل گیا۔ ان حضرات نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے جہاں اور سوالات کیے ایک سوال یہ بھی کیا کہ آپ نے حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ سے کتنا وقت پڑھنے میں لگایا؟ تو حضرت رحمہ

اللہ نے فرمایا: ایک دو ہفتے پڑھا ہوگا۔ (مجھے خود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بات سنائی نہیں دی تھی، بلکہ بعد میں میں نے ان حضرات سے پوچھا تو انہوں نے ایک دو ہفتے کا وقت بتایا)۔

۲۔ جب حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ کافی علیل اور بستر مرگ پر تھے، تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مجھے مندرجہ ذیل پیغام پہنچانے کا فرمایا:

''حضرت مفتی صاحب سے میری طرف سے معذرت کر لینا اور بتا دینا کہ میں آپ کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہو جاتا لیکن میری طبیعت بھی کافی خراب ہے، دعا کے لیے بھی عرض کر دینا۔''

۳۔ میرے بہنوں کے دوست ڈاکٹر عبدالوہاب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کون سے ادارے میں پڑھا رہے ہیں؟ تو میں نے اپنے ادارے کی واضح نشانی کے طور پر بتایا کہ جہاں حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا دارالافتاء ہے، اس ادارے میں پڑھا رہا ہوں۔ تو انہوں نے کہا وہ مفتی صاحب جن کی گرفت دلائل کے اعتبار سے بہت پکی ہے اور اہل سنت کے عقیدے میں تحریف اور ردوبدل کرنے والے کو معاف نہیں کرتے۔

میں نے ایک دن یہی بات دورۂ حدیث کے طلبہ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے یہ سوال کر دیا کہ استاد جی آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کسی کو نہیں چھوڑتے، ہر کسی کی خبر لیتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مزاح کے لہجے میں تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا:

''بھائی! یہ تو بہت بڑا الزام ہے، میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور اسلاف صالحینؒ میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ میرا مزاج تنقید و رد کا نہیں ہے، بلکہ میں جب کسی موضوع پر کوئی کام شروع کرتا ہوں تو اس میں صحیح و سقیم کی تمیز میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔'' (مفہوم)

.....☆☆☆.....

تعزیتی پیغامات

لله ما أخذ وله ما أعطیٰ وکل شئ عنده بأجل مسمّٰی

بخدمت جناب حضرت مولانا مفتی شعیب احمد صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا خط ملا، جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل ہوگئی تھی الحمدللہ، بروقت جنازہ شروع کروانے پر، وقت کی پابندی کی مبارک باد دیتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے متعلق زیادہ معلومات اور استفادے کا موقع نہ مل سکا، البتہ شریف الطبع، سلیم الفطرت اور جید ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر علماء میں سے تھے اور وقت کے تقاضوں کو جان کر فقاہت، بصیرت اور فراست سے کام لیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے دین اور دنیا کا حسین امتزاج حضرت ڈاکٹر صاحب کی صورت میں عوام اور خواص کو دکھایا۔ اصول پسند تھے اور راہ حق سے ہٹنے والے کا تعاقب فرماتے تھے کہ دین کی بات یا سمجھ لو یا سمجھا دو تاکہ انتشار کی صورت نہ رہے۔ یقیناً ان کی خدمات بڑے بڑے علماء کے لیے ماشاء اللہ تعالیٰ رہنما ثابت ہوتی رہیں گی۔

بندہ ناچیز محمد عتیق الرحمٰن خادم جامعہ عبداللہ بن عمر کو حضرت سے زیادہ استفادے کا موقع نہ مل سکا لہذا ان چند سطور پر دعا کے ساتھ اختتام کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت کاملہ فرمائیں اور ان کو بلند مقام عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائیں اور عام بھی فرمائیں۔ آمین ثم آمین

حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن صاحب (مدظلہ)

صاحبزادہ صوفی سرور صاحبؒ و مہتمم جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

.....☆☆☆.....

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حال ہی میں آپ کے عظیم والد حضرت ڈاکٹر صاحب نوراللہ مرقدہ کی رحلت فاجعہ کا علم ہوا۔ اس جانکاہ حادثے پر آپ کے خاندان کی طرح بندہ ناچیز بھی بے حد رنجیدہ وافسردہ ہوا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بندہ ناچیز کو بالمشافہ ملاقات تو کم ہی میسر آئی لیکن غائبانہ استفادہ اپنی استطاعت کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا رہا، کئی مسائل میں آپ کی تحقیق ہمارے لیے گرہ کشائی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ علمی انحطاط کے اس دور میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جیسے صاحب علم وتحقیق کا رخصت ہوجانا صرف آپ کا خاندانی اور نسبی سانحہ نہیں بلکہ ہمارے جیسے کئی طلباء علم کے لیے نکتہ تحقیق کی گمشدگی کا سانحہ بھی ہے، اس لیے ہم سب ایک دوسرے سے تعزیت

کے مستحق ہیں۔ بہر حال حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے آپ کا نسبی رشتہ ہے، (جس کی وجہ سے آپ کو) حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی رحلت پر فطری غم یقیناً دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہے، اس لیے آپ سے اور آپ کے خاندان سے تعزیت مسنونہ کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اعلیٰ علیین میں مقام خاص نصیب فرمائے۔ آپ سمیت جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی جملہ تحقیقی و علمی خدمات کو ان کی حسنات میں شمار فرمائے، آپ جملہ لواحقین کو ان کے سلاسل خیر کے دوام کی توفیق سعید بخشے۔ آمین ثم آمین

والسلام

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب (مدظلہ)

بنوری ٹاؤن کراچی

.....☆☆☆.....

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد (صاحب رحمہ اللہ) کا اپنے وطن لاہور میں ۱۸ شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز شنبہ مختصر علالت کے بعد ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم نے لاہور سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد دینی تعلیم کے لیے جامعہ مدنیہ لاہور میں داخلہ لیا، اور عالمیت کا کورس مکمل کر کے انہوں نے تدریس اور تصنیف و تحقیق کا راستہ اختیار کیا اور بڑی علمی و تحقیقی خدمات پیش کیں۔

مولانا حامد میاں (صاحب رحمہ اللہ) بانی جامعہ مدنیہ لاہور ان کے خاص استاد تھے، عظیم محدث و محقق مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ سے علم حدیث میں خاص طور پر کسب فیض کیا اور کئی قابل قدر کتابیں یادگار چھوڑیں، جن میں ''فہم قرآن'' تین جلدوں میں، ''فہم حدیث'' تین جلدوں میں اور ''مسائل بہشتی زیور'' دو جلدوں میں بہت معروف ہیں۔ حضرت سید شاہ نفیس الحسینی صاحب سے بیعت و سلوک کا تعلق تھا۔

مولانا فضل ربی ندوی کے برادر نسبتی اور حاجی عبدالجبار کراچوی کے نواسہ تھے، پسماندگان میں دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، نماز جنازہ ان کے فرزند مفتی عبداللہ صاحب ہی نے پڑھائی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو (انڈیا)

۱۰، اگست ۲۰۱۹ء

.....☆☆☆.....

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے ایک بامقصد زندگی گذاری۔ انہوں نے مسلک اہل حق کی

مدلل ترجمانی کی۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ بندہ کا ان سے غائبانہ استفادہ ہے، بندہ نے ان کی تمام کتابیں خرید کر پڑھی ہیں اور پڑھتا رہتا ہوں۔ الحمد للہ ہر بات مدلل اور باحوالہ ہوتی ہے۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا مسعود خوشابی صاحب
ڈسٹرک بیورو چیف منڈی بہاؤالدین

.....☆☆☆.....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''**کل نفس ذائقة الموت**'' ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، یہ قانونِ فطرت ہے، ہر چیز فانی ہے سوائے اللہ جل شانہ کے، آج جو اس دنیا میں آیا ہے اسے کل جانا ہے۔ لیکن کچھ ہستیاں ایسی عظیم صفات و اعمال سے متصف ہوتی ہیں کہ جن کا دنیا سے پردہ فرمانا انفرادی و اجتماعی نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا شمار ایسی ہی عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے، ہمارے حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جو زندگی کی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد عزیمت سے زندگی گذارتے ہیں۔

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ڈاکٹر بنایا کہ لوگوں کا جسمانی علاج ہو سکے، ڈاکٹر بننے کے بعد پھر حضرت کو دین کا علم سکھایا۔ یعنی اللہ نے بدن اور جسم کے علوم سے بہرہ ور فرمایا، ایک طرف جسم میں ہونے والی بیماریوں کا علاج کرتے اور دوسری طرف غامدی نظریات، کیپٹن عثمانی نظریات اور بدعات وغیرہ پھیلانے والوں کا بھی بخوبی اور احسن طریقے سے علاج کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت رحمہ اللہ کو کالج اور یونیورسٹی کے طلباء اور عام مسلمانوں کی فکر تھی کیونکہ ان کی اصلاح بھی ضروری ہے، اس لیے ''فہم دین کورس'' متعارف کروایا دوسری طرف حضرت رحمہ اللہ خود استاذ العلماء ہیں۔ ''دین کا کام کرنے والوں کے لیے چند ضروری باتیں'' لکھ کر دینی کام کرنے والوں کی بھی رہنمائی فرمائی۔ حضرت کا ''فہم دین کورس'' ہمارے مرکز ''عثمان و علی'' میں باقاعدہ میرے شیخ امیر المجاہدین کے حکم کے مطابق سالہا سال سے پڑھایا جا رہا ہے۔

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ مجاہدین کا بہت اکرام کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجاہدین نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کی، حضرت نے بڑی دلچسپی اور دل جمعی سے کارگذاری سنی، اور دعائیں دیں، مجاہدین کو بھی دعاؤں کے لیے فرمایا۔ حضرت امیر المجاہدین کا بھی دریافت فرمایا۔ جب مجاہدین رخصت ہونے لگے تو حضرت نے انتہاء کر دی کہ مجاہدین کو خود باہر تک چھوڑنے آئے۔

حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی زندگی اتباع رسول ﷺ کا عملی نمونہ تھی۔ کسی شخصیت کے جانے سے کام تو نہیں رکتے مگر وہ خلا کبھی پُر نہیں ہوسکتا جو حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے دنیا سے رخصت ہونے سے عالم اسلام کو ہوا ہے۔ آپ سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ آپ کی وفات سے امت کو نا قابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اللہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے۔ حضرت رحمہ اللہ کی دینی مساعی جمیلہ کو قبول و مقبول فرمائے اور حضرت رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔

جناب حکیم محمد امجد شاکر صاحب
کھاریاں، گجرات

.....☆☆☆.....

تاثرات

رفقائے دارالافتاء

پہلی ملاقات سے آخری ملاقات تک

(حالات وواقعات، مشاہدات وتأثرات)

مفتی محمد رفیق صاحب
دارالافتاء والتحقیق جامعہ دارالتقویٰ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ پہلی ملاقات اور اس کا پس منظر:

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً وکاملۃً سے بندہ کی پہلی ملاقات شوال (پہلا عشرہ) ۱۴۲۴ھ بمطابق نومبر (آخری عشرہ) یا دسمبر (پہلا عشرہ) ۲۰۰۳ء کو ہوئی۔ اس سے پہلے بندہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا نام تو سنا ہوا تھا تاہم ملاقات یا زیارت نہیں ہوئی تھی، یہی پہلی ملاقات بھی اور یہی پہلی زیارت تھی۔

اس ملاقات کا پس منظر یہ تھا کہ جامعہ دارالتقویٰ کی انتظامیہ نے ۲۰۰۳ء کے اواخر میں اپنے مدرسہ ''سیدنا علی''، متصل ''الہلال مسجد'' میں دارالافتاء کھولنے کا فیصلہ کیا اور رئیس دارالافتاء کے لیے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا انتخاب کیا چونکہ جامعہ دارالتقویٰ کی پہلے دن سے بنیاد ہی دعوت وتبلیغ کے کام پر رکھی گئی تھی اس لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی معاونت کے لیے ایسے ساتھی رکھنے کا سوچا جو افتاء کا کورس کرنے کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کے کام سے بھی مناسبت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی معاونت کے لیے مولانا عثمان صاحب استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک ورکن شوریٰ جامعہ دارالتقویٰ اور مفتی مدثر شاہین صاحب کو طے کیا گیا یہ دونوں حضرات پہلے سے جامعہ دار التقویٰ میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

چونکہ بندہ نے اور مفتی مدثر شاہین صاحب نے درس نظامی کی ابتداء سے انتہاء (دورہ حدیث) تک اکٹھے یعنی ایک ہی مدرسے میں (پہلے ابتدائی پانچ سال تلمبہ میں اور آخری چار سال رائے ونڈ میں) پڑھا تھا (یہ الگ بات ہے کہ مفتی مدثر شاہین صاحب بندہ سے ایک سال آگے تھے) اور ہم دونوں کی آپس میں کچھ مناسبت بھی تھی اس لیے تیسرے معاون کے طور پر مفتی مدثر شاہین صاحب نے جامعہ دارالتقویٰ کی انتظامیہ کے سامنے بندہ کا نام پیش کر دیا۔ انتظامیہ نے ملاقات کرانے کا کہا اور ملاقات میں موٹی موٹی معلومات لے کر یہ طے کیا کہ ہمیں منظور ہے البتہ چند دن بعد دارالافتاء کی افتتاحی تقریب ہے اس میں

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے آپ کی ملاقات کرائیں گے اگر انہوں نے بھی منظور کرلیا تو ٹھیک ہے۔

چنانچہ تقریب والے دن بندہ اپنی تخصص کی سند (تصدیق نامہ) اور دوران تخصص تمرین (مشق) کے طور پر جو فتوے لکھے تھے (جو تقریباً دوسو تھے) وہ لے کر حاضر ہوا۔

جو کمرہ دارالافتاء کے لیے طے کیا گیا تھا اسی میں تقریب تھی جو قدیم مسجد الہلال کے شمال مشرقی کونے میں واقع تھا، اس کا ایک دروازہ مسجد کے شمال میں واقع سڑک کی طرف کھلتا تھا اور اسی کے بالمقابل دوسرا دروازہ مسجد کے صحن میں کھلتا تھا۔

اس کمرے کی شمالی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر جنوب کی طرف رُخ کیے کچھ بڑے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ ان بڑے حضرات میں نمایاں شخصیت حضرت اقدس سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تھی۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی اہل مجلس سے گفتگو فرما رہے تھے اور انہوں نے ہی اختتامی دعا کرائی جبکہ بندہ اپنے ذہن میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ افتتاحی موقع پر گفتگو فرمائیں گے اور دارالافتاء کے حوالے سے کچھ اصول وضوابط بیان کریں گے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی گفتگو کا ایک جملہ بندہ کو آج بھی یاد ہے۔ فرمایا کہ:

''**ان کی مجلس میں** (غالباً کسی کے واسطے سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فرمایا یا حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کا فرمایا) **اجتماعی ذکر نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر شخص اپنا اپنا ذکر کرتا تھا۔**''

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دائیں طرف ایک صاحب سمٹ کر دوزانو یا ایک پاؤں بچھا کر اور دوسرا کھڑا کر کے بیٹھے ہوئے تھے اور ہمہ تن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی گفتگو کی طرف متوجہ تھے، مجھے یاد نہیں کہ پوری مجلس میں انہوں نے ایک لفظ بھی بولا ہو۔ دعا کے بعد جامعہ کی انتظامیہ نے بندہ کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے سامنے پیش کیا تو معلوم ہوا کہ جو صاحب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دائیں طرف سمٹ کر بیٹھے ہوئے تھے یہی حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بندہ سے پوچھا ''**تخصص کہاں سے کیا ہے؟**''

بندہ: ''**بنوری ٹاؤن سے**''۔

حضرت ڈاکٹر صاحب: ''**وہاں کا نصاب کیا ہے؟**''

بندہ نے مختصراً وہاں کا نصاب بتایا۔

بنوری ٹاؤن کے نصاب میں ''فتاویٰ شامی'' کے کچھ منتخب ابواب اور اسی طرح ''البحر الرائق'' کے کچھ منتخب ابواب کا مطالعہ شامل تھا جبکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے نصاب میں (جس کا علم بعد میں ہوا) مکمل ''شامی'' کا مطالعہ شامل تھا اس لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ ''**ایسا کیوں ہے کہ کچھ ''شامی'' کا مطالعہ اور کچھ ''البحر الرائق'' کا؟**

پوری ''شامی'' کا ہی مطالعہ کیوں نہیں کرواتے؟''

بندہ کو تو خیال بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی کوئی سوال ہوگا کیونکہ اس سوال کا اصل تعلق تو بنوری ٹاؤن کے احباب سے تھا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ بہرحال کچھ دیر تو بندہ گم سم سا ہوگیا، پھر اپنے طور پر یہ جواب دیا کہ ''**شاید اس لیے تاکہ دونوں کتابوں سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہوجائے۔**'' خیر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بھی کچھ زیادہ کھود کرید نہیں کی۔

پھر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے کہنے پر یا از خود دوران تخصص لکھے ہوئے فتوے دکھائے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ابتداء سے کچھ دیکھا، ابتداء میں ایک تفصیلی فتویٰ تھا جو شیعوں کی مختلف اقسام (زیدیہ، اثنا عشریہ، اسماعیلیہ، بوہری وغیرہ) کی تکفیر سے متعلق تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اسے دیکھتے رہے، اب یاد نہیں کہ اس سے متعلق کچھ بات فرمائی یا نہیں؟

بس اتنی سی معلومات لے کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مدرسے کی انتظامیہ کو کہہ دیا کہ ''**ٹھیک ہے**''۔

اس کے بعد ظہر کی اذان ہوئی اور اہل مجلس نماز کے لیے اٹھ گئے نماز کے لیے اٹھتے ہوئے ایک صاحب (بابا مقصود صاحب کے سسر) نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ''**اذان کے جواب میں آخر میں "لا الـــہ الا اللہ" کے ساتھ "محمد رسول اللہ" بھی کہنا چاہیے یا نہیں؟**'' حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے قدرے توقف کے بعد ڈھیلے سے انداز میں جواب دیا کہ ''**حدیث (فقولوا مثل ما یقول المؤذن) سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف "لا الہ الا اللہ" کہا جائے**''

یہ بندہ کی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات اور اس کا پس منظر تھا۔

اس طرح حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ''ٹھیک ہے'' فرما دینا حضرت کی صحبت میں مستقل رہنے کا سبب بن گیا اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ صحبت حضرت کی حیات تک باقی رہی جو سولہ (۱۶) سال کے عرصہ پر محیط ہے۔

ان سولہ سالوں میں بندہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں جو خوبیاں اور اوصاف محسوس ومشاہدہ کیے ان کا احاطہ تو مشکل ہے البتہ ان میں سے چند نمایاں اوصاف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فقہی بصیرت

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت بہت اعلیٰ درجہ کی تھی جس کا احساس اور مشاہدہ وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا اور اس کے متعدد واقعات بھی بندہ کے سامنے آئے جن کی بناء پر حضرت رحمہ اللہ کو اگر ''فقیہ النفس'' کا لقب دیا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ ایک دو مثالیں بطور نمونہ کے لکھتا ہوں:

ایک مرتبہ کراچی کے کئی بڑے دارالافتاؤں سے تصدیق شدہ ایک فتویٰ حضرت کی رائے حاصل کرنے کے لیے دارالافتاء آیا جس میں ''ظاہر الروایہ'' سے ہٹ کر ''نوادر'' کی روایت کے پیش نظر بعض مخصوص حالات میں بڑے فلیٹوں کی

درمیانی منزل کو مسجد شرعی بنانے کی اجازت دی گئی تھی، حضرت نے پہلے وہ فتوی بندہ کو دیا کہ تم اپنی رائے دو، بندہ نے اس فتوی کا مطالعہ کیا تو بندہ کو کراچی کے مفتی حضرات کا مؤقف درست لگا۔ جب بندہ نے حضرت کے سامنے اپنی رائے رکھی تو حضرت نے ایک ایسے پہلو کی طرف متوجہ کیا جس کی طرف نہ کراچی کے مفتی حضرات کا ذہن گیا تھا اور نہ بندہ کا ذہن گیا تھا حالانکہ جب حضرت نے اس پہلو کی طرف متوجہ کیا تو وہ بالکل بدیہی سا معلوم ہونے لگا۔

اسی طرح کمپنی کی تکییف شرکت عنان کی بجائے شرکت املاک اور پھر اجارے پر کرنا بھی حضرت ڈاکٹر صاحب کی گہری فقہی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ عام طور سے اسے شرکت عنان قرار دے کر جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

اس طرح کے واقعات ومشاہدات کا یہ اثر تھا کہ جب اپنے آخری زمانہ میں اپنی وفات سے تین چار سال قبل حضرت نے فتوے کا کام بندہ سمیت دارالافتاء کے ساتھیوں کو سپرد کر دیا تو اس کے بعد جو فتوی بھی حضرت کو دکھائے بغیر جاری کیا جاتا تو خواہ وہ کتنا ہی آسان اور واضح ہوتا لیکن ہمیں پھر بھی یہی خیال رہتا کہ اگر یہ فتویٰ حضرت کی نظر سے گزرتا تو نہ معلوم کس پہلو کی طرف متوجہ کرتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت کے کچھ نمونے حضرت کی کتاب ''فقہی مضامین'' میں بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

۲۔احتیاط وتثبت

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مزاج میں احتیاط اور تثبت بہت زیادہ تھا بالخصوص نئے مسائل میں جب تک خوب اچھی طرح اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر نہ فرما لیتے اس وقت تک ان کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ فرماتے اور غور وفکر کے لیے عموماً ایسے مسائل کو پہلے دارالافتاء کے ساتھیوں کے سامنے رکھتے جن میں دارالافتاء کے رفقاء اور متخصصین سب شامل ہوتے اور ان مسائل میں سب کو کھلی بحث کرنے کی اجازت دیتے اور جب کوئی ساتھی کسی معمولی سے پہلو کی طرف بھی متوجہ کرتا تو حضرت اس پہلو کو سنجیدگی سے لیتے اور اس پر پورا غور وفکر فرماتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے۔ اس کے بعد دیگر مختلف دارالافتاؤں میں ان مسائل کو بھیجتے اور جہاں سے بھی کوئی جواب آتا اس پر بھی پورے غور وفکر کے بعد اس سے اختلاف یا اتفاق فرماتے۔

طویل غور وفکر

ایک مرتبہ ایک مسئلے میں بندہ کی رائے حضرت سے مختلف تھی۔ اس بارے میں جب کئی مرتبہ جانبین سے کچھ تحریری کچھ زبانی بحث ومباحثہ ہو گیا تو حضرت نے فرمایا کہ اس میں اور غور کرو۔ بندہ نے عرض کیا کہ مزید کتنا غور کروں؟ فرمایا: ایک سال تک اس مسئلے پر کوئی بات مت کرو بلکہ صرف غور کرتے رہو۔''

اپنے ایک دو مضامین (حرمت مصاہرت وغیرہ) پر جب حتمی رائے قائم فرمائی تو فرمایا: ''یہ مسئلے برسہا برس سے ہمارے زیر غور تھے۔''

کچھ نوخیز مفتی حضرات اس طرح کے مسائل پر جلدی سے جو رائے قائم کر لیتے ہیں حضرت اس کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ بعض کا نام لے کر فرماتے تھے کہ وہ اس طرح کے مسائل میں جلدی کرتے ہیں۔

۳۔تصلب اور عدم تعصب

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے فقہی مزاج میں نہ شدت تھی، اور نہ ہی تعصب یا تساہل تھا، البتہ تصلب ضرور تھا گویا حضرت رحمہ اللہ نہ محض جدت پسند تھے، نہ محض قدامت پسند، نہ متساہل تھے نہ متشدد بلکہ قدیم وجدید کا حسین امتزاج، معتدل، متصلب اور حقیقت پسند تھے، نہ ایسے تھے کہ حالات زمانہ اور جدید تحقیقات سے متاثر ہو کر قدیم مؤقف کو چھوڑ دیں اور نہ ایسے تھے کہ حالات زمانہ اور جدید تحقیقات کو درخور اعتناء ہی نہ سمجھیں، بلکہ جہاں تک ہوسکتا تھا جدید تحقیقات اور روایت قدیمہ میں توافق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور توافق پیدا کرنے کے لیے مسئلہ بدلنے کے بجائے توجیہ بدلنے کو اہون (ہلکا) سمجھتے تھے کیونکہ عموماً ائمہ مجتہدین سے مسائل منقول ہیں ان کی توجیہات منقول نہیں بلکہ توجیہات عموماً متاخرین فقہاء کرام نے ذکر کی ہیں اس لیے ائمہ مجتہدین سے منقول مسائل کے مقابلے میں توجیہات کے بدلنے کو اہون سمجھتے تھے۔

چنانچہ فساد اور عدم فساد صوم کے قدیم معیار اور جدید تحقیقات میں تطابق اور توافق کی جو تحقیق حضرت رحمہ اللہ نے اپنے ایک تفصیلی مضمون ''فساد وعدم فساد صوم کا معیار'' میں فرمائی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ اس تحقیق کی روشنی میں نہ قدیم فقہاء پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ جدید تحقیقات سے اعراض کی ضرورت پیش آتی ہے اور حضرات فقہاء کرام کی ذکر کردہ جزئیات بھی منضبط ہو جاتی ہیں۔ بندہ نے کئی مرتبہ حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میں نے فساد وعدم فساد کا معیار اور جدید تحقیقات میں تطبیق کی بات حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کے سامنے زبانی طور پر ذکر کی تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے یعنی جدید تحقیقات کو سامنے رکھنے سے قدیم فقہاء پر حرف آئے گا تو میں نے کہا کہ حضرت میں نے اس کا انتظام کر لیا ہے۔''

عدم تعصب کا ایک واقعہ یہ ہے کہ:

ایک مرتبہ ایک سوال آیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مفتی منیب الرحمٰن صاحب چونکہ بریلوی مکتبہ فکر کے ہیں جو کہ بدعتی مکتبہ فکر ہے لہذا رؤیت ہلال کے بارے میں ان کا فیصلہ معتبر نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ رؤیت ہلال کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں جو دیوبندی بریلوی حضرات کے درمیان مختلف فیہ مسائل میں سے ہو۔ لہذا اس مسئلہ میں مفتی منیب الرحمٰن صاحب کو محض بریلوی ہونے کی وجہ سے متہم نہیں سمجھا جا سکتا اور ان کے فیصلے کو غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح طب کے مسائل میں جدید میڈیکل سائنس کی تحقیقات کو قبول کرتے اور فرماتے تھے کہ موجودہ دور میں میڈیکل سائنس کی تحقیقات تقریباً مشاہدہ کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔

۴۔ فقہی مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود عزت واحترام کا معاملہ کرنا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اختلاف رائے کے باوجود دیگر اہل علم کی عزت واحترام کا پورا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت کا جن حضرات سے فقہی اختلاف رہا ہے ان میں نمایاں نام شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا ہے لیکن اپنی سولہ سالہ رفاقت میں مجھے یاد نہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کے بارے میں کوئی ایسا لفظ سنا ہو جو ان کی تکریم کے خلاف ہو۔ بلکہ ان دونوں حضرات کا اختلافات کے باوجود آپس کا ملنا جلنا انتہائی محبت اور اکرام والا ہوتا تھا۔

چنانچہ جب دارالافتاء والتحقیق کی عمارت نو کی افتتاحی تقریب کے لیے شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو دعوت دی گئی تو حضرت نے اس دعوت کو بخوشی قبول فرمایا اور جب حضرت شیخ الاسلام تشریف لائے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے دارالافتاء کے مین دروازے کے پاس آ کر حضرت شیخ الاسلام کا استقبال کیا اور کلمات ترحیب کہے۔ افتتاحی تقریب میں دونوں حضرات کی کرسیاں برابر میں تھیں اور باقی حضرات سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی گفتگو کی ابتداء ہی ان الفاظ سے فرمائی:

''الحمد للہ اس دارالافتاء میں حاضر ہو کر دوہری مسرت ہو رہی ہے۔ ایک تو حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب سے میری نیازمندی بہت پرانی ہے اور ان سے استفادے کا سلسلہ مدت دراز سے ہے۔ ان کی زیارت اور ان سے ملاقات کا شرف اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ ایک سعادت تو میرے لیے یہ ہے۔ اور دوسرے ماشاء اللہ دارالافتاء کا جو نظام اور اس کی جو تفصیلات برادر محترم نے بیان فرمائی ہیں، ان کو سن کر اور دیکھ کر الحمد للہ مزید مسرت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دارالافتاء کے کام کو زیادہ سے زیادہ مؤثر مفید اور ہمہ جہتی بنانے کے لیے ماشاء اللہ حضرت کی سرپرستی اور نگرانی میں بہت بڑا کام ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس میں برکت بھی عطا فرمائیں اور اس کو اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کا فائدہ عام اور تام فرمائیں۔''

افتتاحی تقریب کے بعد جب طلباء میں حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا تو اس وقت بھی یہ فرمایا:

''الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اس دارالافتاء کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے کہ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم تشریف فرما ہیں، ان کی تربیت میں آپ حضرات یہ کام کر رہے ہیں اور ان کی نگرانی میں کر رہے ہیں۔

پھر زمانے کی بدلتی ہوئی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شعبہ کے اندر الحمد للہ آپ کا یہ کام ترقی پذیر ہے، اور یہ بھی بہت اچھی بات ہے کہ مختلف شعبوں کے لیے مختلف اختصاصات اختیار کر لیے جائیں، عبادات کے لیے الگ، معاملات کے لیے الگ وغیرہ تاکہ جس شعبے کے اندر آدمی تحقیق کا کام کرے وہ اس شعبے میں ''مرجع'' بن جائے، یہ بھی بہت اچھی بات ہے۔ مجھے بہت ہی مسرت ہو رہی ہے اس ساری تنظیم کو دیکھ کر اور مفتی صاحب کے زیر سرپرستی

کام کے ہونے پر۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے آخری زمانے میں کراچی تشریف لے گئے تو ایک دو مسائل میں حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کی رائے معلوم کرنے دارالعلوم تشریف لے گئے اس موقعہ پر جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ رخصت ہوئے تو حضرت شیخ الاسلام خود بنفس نفیس گاڑی تک چھوڑنے کے لیے تشریف لائے بلکہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے ضعف اور رعشہ کی تکلیف کی وجہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب کا ایک ہاتھ بھی حضرت شیخ الاسلام صاحب نے تھام رکھا تھا۔اس موقع پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنی عادت کے موافق کچھ ہدیہ بھی پیش فرمایا۔

۵۔دینی خدمات پر معاوضہ نہ لینا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ حضرت نے اپنی دینی خدمت پر کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ قدیم، جامعہ مدنیہ جدید، احیاء العلوم، جامعہ دارالتقویٰ میں اپنی خدمات بغیر کسی تنخواہ کے سرانجام دیتے رہے۔جامعہ دارالتقویٰ کی انتظامیہ نے تنخواہ دینے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمائی،اسی طرح جامعہ دارالتقویٰ کی انتظامیہ کی طرف سے حضرت رحمہ اللہ کو اجازت تھی کہ حضرت کوئی کھانے پینے کی چیز منگوانا چاہیں تو منگوالیا کریں لیکن اس کے باوجود حضرت رحمہ اللہ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی چیز نہیں منگوائی بلکہ اپنی چائے بھی اپنے گھر سے لے کر آتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کا اپنی تالیفات وتصنیفات سے بھی کسی قسم کا کوئی دنیاوی فائدہ وابستہ نہ تھا۔

۶۔سادگی و بے نفسی اور سنت کا اہتمام

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ میں سادگی اور بے نفسی اعلیٰ درجہ کی تھی، جیسا پہننے کو مل گیا وہ پہن لیا، جو کھانے کو مل گیا وہ کھالیا، جہاں بیٹھنے کو جگہ مل گئی وہاں بیٹھ گئے۔اپنی یادداشت کے مطابق بندہ نے حضرت رحمہ اللہ کو کبھی چار زانو بیٹھے نہیں دیکھا۔

کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو ہمیشہ ایک پاؤں بچھا کر اور ایک پاؤں کھڑا کر کے بیٹھتے۔کبھی کوئی دعوت کرتا تو سنت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی دعوت کو رد نہ فرماتے خواہ دعوت قبول کرنے میں مشقت ہی کیوں نہ اٹھانی پڑتی۔

چنانچہ مولانا حسن صاحب دامت برکاتہم کے بیٹے مولوی زبیر الحسن (جنہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تخصص بھی کیا ہے ان) کی دعوت ولیمہ پر ان کے گاؤں رسول پورہ تشریف لے گئے حالانکہ ضعف اتنا تھا کہ واپسی پر جب ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے رُکے تو وضو کے بعد اٹھنا دشوار ہو گیا۔بندہ ساتھ تھا بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو میں اٹھاؤں؟ حضرت رحمہ اللہ نے اجازت دی تو بندہ نے حضرت رحمہ اللہ کو وضو کی جگہ سے دونوں ہاتھوں کا

سہارا دے کر اٹھایا۔

اسی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت رحمہ اللہ اپنی خدمت کروانے کے روادار نہ تھے چنانچہ بیماری کا عارضہ جب بہت بڑھ گیا تو بندہ نے بہت اصرار کر کے اجازت لی اور ایک دو طلباء کو خدمت پر مقرر کیا۔

اسی سادگی کا حصہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ باوجود ایم بی بی ایس ہونے کے ایک عرصہ تک نیلے رنگ کی ویسپا پر مدرسہ میں تشریف لاتے رہے، پھر موٹر سائیکل پر تشریف لاتے رہے اور اپنے آخری زمانے میں جب موٹر سائیکل پر بیٹھنے کی ہمت نہ رہی تو ایک سادہ سی گاڑی پر تشریف لاتے رہے۔ غرض حضرت رحمہ اللہ کی ظاہری وضع ایسی تھی کہ دیکھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ہیں جو پاکستان کے چوٹی کے مفتی اور محقق ہیں۔

۷۔ اکرام اور مہمان نوازی

حضرت رحمہ اللہ کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ حضرت آنے والے مہمانوں کا (خواہ وہ گھر میں آئیں یا مدرسے میں آئیں) اکرام کا بہت خیال فرماتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ میں جب کبھی بھی حضرت رحمہ اللہ کے گھر حاضر ہوا تو حضرت کی طرف سے کچھ نہ کچھ اکرام ضرور ہوا۔

بندہ نے ایک دو دفعہ عرض بھی کیا کہ حضرت (مسائل میں مشاورت وغیرہ کے لیے) ہمارا آنا جانا تو لگا رہتا ہے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے ہر دفعہ آنے پر ہمارا اکرام کیا جائے لیکن اس کے باوجود اکرام کے معاملے میں حضرت ہی ہم پر غالب رہے۔ ایک دفعہ بہت اصرار سے انکار کرنے پر کھجوریں لے آئے کہ چلو اس میں تو تکلف نہیں ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری رحمہ اللہ (انڈیا والے) پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے حضرت نے مولانا کی اپنے گھر دعوت کی اور مجھ سمیت دارالافتاء کے اور بھی کئی ساتھیوں کو مدعو کیا۔ حضرت نے پر تکلف دعوت کی اور کئی قسم کے کھانے تیار کروائے، مولانا غازی پوری رحمہ اللہ نے آخر کہہ ہی دیا کہ حضرت! ہمارے ہندوستان میں کھانوں میں اتنا تکلف اور تنوع نہیں ہوتا۔

۸۔ دوسروں کا لحاظ رکھنا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ حضرت اپنے ساتھیوں کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ بندہ نے مدرسے کی انتظامیہ کی اجازت سے ہفتے میں ایک دن میں کچھ وقت کے لیے ''نافع'' (حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں کا قائم کردہ ایک ادارہ جو کاروباری معاملات میں کاروباری حضرات اور دارالافتاؤں کے درمیان واسطے کا کام کرتا ہے اس) میں جانا شروع کیا۔

اس بات کا علم جب حضرت ڈاکٹر صاحب کو ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ ''بھائی! تم نے اپنے دارالافتاء کے دیگر

ساتھیوں سے بھی پوچھا ہے؟'' مقصد یہ تھا کہ تمہارے جانے سے ان پر دارالافتاء کے کام کا بوجھ بڑھ جائے گا اس لیے ان کا بھی لحاظ کرنا ضروری تھا۔

یہ ایسا پہلو تھا کہ بندہ شاید اسے سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

اسی طرح بندہ سے جب کوئی بات فرمانی ہوتی تو کئی مرتبہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آجاتے مجھے اس پر بڑی شرمندگی ہوتی چنانچہ بندہ نے جسارت کر کے حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت جب کچھ فرمانا ہو مجھے بلا لیا کریں آپ جب خود اٹھ کر میرے پاس تشریف لاتے ہیں تو میری طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے۔

چنانچہ پھر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس کا لحاظ فرمانے لگے لیکن میں کشمکش میں ہی رہا کہ یہ میں نے صحیح کیا یا غلط؟ کیونکہ اس میں دو طبیعتوں کے اقتضاء کا ٹکراؤ تھا، میری طبیعت یہ تھی کہ حضرت اٹھ کر میرے پاس تشریف نہ لائیں جبکہ حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت یہ تھی کہ میں دوسروں کا لحاظ رکھوں۔ میرے عرض کرنے کے بعد میری طبیعت کے تقاضے پر تو عمل ہو گیا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت کے تقاضے کے خلاف ہو گیا جس سے بظاہر ان کو تکلیف تو ہوئی ہو گی لیکن میری خاطر برداشت فرماتے ہوں گے۔

۹۔مردم شناسی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں مردم شناسی کا وصف بھی نمایاں تھا، ہر آدمی کو اس کے مرتبے کے مطابق حیثیت دیتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہم نے بعض احباب کو ترجیح دی لیکن حضرت نے انہیں ترجیح نہیں دی یا ہم نے کسی کو کچھ خاص ترجیح نہیں دی جبکہ حضرت نے انہیں خصوصی ترجیح دی اور بعد میں ہمیں احساس ہوا کہ ہم ہی غلطی پر تھے اور ان حضرات کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے تھے۔

۱۰۔اہل باطل کی تردید کرنے میں تہذیب کو برقرار رکھنا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ اہل باطل کے خلاف ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی تھی لیکن اس کے باوجود تحریر تہذیب کے دائرے میں رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت نے ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' نامی کتاب میں سلفیوں کے صفات متشابہات کے بارے میں غلط نظریات پر ایک مہذب اور علمی انداز میں زوردار تنقید کی۔

اس کتاب کی تالیف کے بعد ایک عرصہ تک سلفی حضرات پر سناٹا طاری رہا۔ آخر کار ایک سلفی عالم نے اس کتاب پر جوابی تنقید کی۔ اس تنقید کا نہ صرف رنگ غیر علمی تھا بلکہ اس کا انداز بھی غیر مہذب تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت نے جب اس کا جواب الجواب لکھا تو اس میں ان کی بدتہذیبی کا کسی قدر شکوہ تو کیا لیکن اپنی تحریر میں غیر مہذب الفاظ استعمال کرنے سے مکمل پرہیز کیا۔

۱۱۔تنقید مع الادب

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک نمایاں وصف ''تنقید مع الادب'' تھا یعنی کسی بڑے سے بڑے عالم کا تقدس ان کے لیے تنقید سے مانع نہ تھا اور زوردار تنقید کے باوجود ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ چنانچہ اپنی ایک کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''ہم نے کوشش کی ہے کہ احترام کا دامن تھامے رکھیں لیکن دلائل پر نقد وتبصرہ کچھ آزادی کا تقاضا بہرحال کرتا ہے''۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اکابر کا احترام اپنی جگہ پر ہے اور مسئلہ کی تحقیق اپنی جگہ پر ہے۔
یہ مسئلہ منصوص تو ہے نہیں، غیر منصوص ہے۔ اور غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا جاتا ہے، جس کے لیے علت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے آپ کی یہ بات تعجب خیز ہے کہ ''جب اکابرین اہل فتویٰ کسی چیز کی حرمت وحلت کی صراحت کردیں تو اس میں علت کا مطالبہ ہی درست نہیں''۔''

۱۲۔حق کی طرف رجوع کا جذبہ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ حق بات واضح ہوجانے کے بعد اسے قبول کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی ایک کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''میں نے الحمدللہ طے کرلیا تھا کہ اگر مولانا مدظلہ کی بات درست ہوئی تو اس کو قبول کرلوں گا لیکن کتاب پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ مولانا میری بات کا صحیح جواب نہ دے سکے۔''

اس سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جب سورہ ''ہود'' کی تفسیر لکھ رہے تھے تو حضرت کو خیال ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے جس بیٹے کا قصہ اس سورت میں مذکور ہے وہ کافر نہ تھا بلکہ فاسق تھا۔ اس قول کے پیش نظر حضرت نوح علیہ السلام پر اس بیٹے کے لیے دعا کرنے پر عام طور پر جو اشکال ذکر کیا جاتا ہے اس کا جواب سہل ہوجاتا ہے لیکن محض اپنے رجحان کی بنیاد پر اسے اختیار نہیں فرمایا بلکہ اس کے دلائل لکھ کر پہلے دارالافتاء کے ساتھیوں کے سامنے رکھے۔ جب اطمینان نہ ہوسکا تو اس کو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ''تفسیر عثمانی'' سے کچھ جملے ایسے نقل فرمائے جن سے حضرت کو اس بیٹے کے کافر ہونے کے قول پر شرح صدر ہوگیا۔ لہذا اس خیال کو ترک کردیا۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مسائل بہشتی زیور'' میں ٹیلی فون پر نکاح کے سلسلے میں عدم جواز کی ایک وجہ یہ ذکر کی تھی کہ ٹیلی فون پر گواہ، عاقدین (میاں بیوی) کے ایجاب وقبول کو براہ راست نہیں سنتے بلکہ فون کے واسطے سے سنتے ہیں جس کی وجہ سے ''**الصوت یشبہ الصوت**'' (ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی

ہے) کے پیش نظر یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ گواہوں نے جس آواز کو سنا ہے ہوسکتا ہے وہ آواز ان عاقدین (میاں بیوی) کی نہ ہو جن کی گواہ سمجھ رہے ہیں۔

دارالافتاء میں آئے ہوئے ایک استفتاء کے سلسلے میں بندہ کو اس پر غور کرنے کی ضرورت پڑی تو بندہ نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ٹیلی فون پر نکاح کے ناجائز ہونے کی مذکورہ دلیل کا ماخذ کیا ہے؟ تو حضرت نے اسی ''**الصوت یشبہ الصوت**'' (ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی ہے) کو اس کا ماخذ بتایا۔ بندہ نے اس ماخذ پر جب مزید غور کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اعمیین (نابینا گواہوں) کی موجودگی میں فقہاء کرام نے نکاح کو درست قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی صرف آواز سنتے ہیں اور ''**الصوت یشبہ الصوت**'' کا شبہ ان کے حق میں بھی موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان کی گواہی سے ہونے والے نکاح کو درست کہا گیا ہے۔ بندہ نے اپنی یہ بات حضرت کے سامنے ذکر کی تو حضرت نے کچھ دن غور وفکر اور کتب کا مطالعہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ

''فتاویٰ شامی میں علامہ نوح کے واسطے سے قاضی خان کی ایک عبارت مذکور ہے جس میں ہے کہ اعمیین (نابینا گواہوں) کی گواہی سے نکاح نہیں ہوتا اور موجودہ دور تزویر (ملمع سازی، فراڈ وغیرہ) کا ہے۔ لہذا ٹیلی فون پر نکاح کے مسئلے میں اس روایت کو لینا چاہیے۔''

حضرت کی اس بات کا ایک جواب یہ تھا کہ اعمیین (نابینا گواہوں) کی گواہی سے نکاح نہ ہونے کی بات صرف اسی ایک عبارت میں مذکور ہے جبکہ ''فتاویٰ شامی'' میں اسی جگہ متعدد کتب کے حوالوں سے اعمیین (نابینا گواہوں) کی گواہی سے نکاح کا منعقد ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ قاضی خان رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک عبارت موجود تھی اس لیے اختلاف کی گنجائش بہر حال موجود تھی۔

اس لیے بندہ نے مزید غور کیا تو خیال ہوا کہ خود ''قاضی خان'' میں اس عبارت کو دیکھنا چاہیے کہ وہاں عبارت ایسے ہی ہے یا کچھ فرق ہے؟ جب ''قاضی خان'' میں ''کتاب النکاح'' کی عبارت دیکھی تو اس میں عام معروف کتابوں کی طرح یہی مسئلہ مذکور تھا کہ اعمیین (نابینا گواہوں) کی گواہی سے بھی نکاح ہو جاتا ہے جبکہ ''شامی'' میں قاضی خان رحمہ اللہ کی جو عبارت مذکور ہے وہ قاضی خان کی ''کتاب الشہادات'' کی ہے۔

اس پر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت ''شامی'' میں قاضی خان کی ''کتاب الشہادات'' سے جو عبارت منقول ہے وہ قاضی خان کی ''کتاب النکاح'' کی عبارت کے معارض ہے لہذا اب اس تعارض سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ترجیح کی، دوسری تطبیق کی، اگر ترجیح کی صورت اختیار کریں تو کتاب النکاح کی عبارت کو دو وجہ سے ترجیح ہوگی، ایک اس وجہ سے کہ وہ دوسری کتب فقہ کی عبارات کے موافق ہے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ وہ اپنے متعلقہ باب میں ہے اور متعلقہ باب کی عبارت کو غیر متعلقہ باب کی عبارت پر ترجیح ہوتی ہے۔ اور اگر تطبیق کی صورت اختیار کریں تو بندہ کا خیال یہ ہے کہ ''کتاب

الشہادات'' کی عبارت میں ''لا ینعقد'' کے بجائے ''ینعقد'' ہے، ''لا'' کا لفظ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ آگے کی عبارت یہ ہے کہ ''لا یقبل شهادتهما ''جس سے بظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ ''کتاب الشہادات'' میں قاضی خان رحمہ اللہ اصل یہ بیان فرمانا چاہ رہے ہیں کہ نکاح منعقد تو ہوجاتا ہے لیکن عدالت میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ورنہ ''لا یقبل'' کا ''لا ینعقد'' کے ساتھ تقابل درست نہیں بنتا۔

جب بندہ نے یہ تفصیل ذکر کی تو حضرت رحمہ اللہ نے خوشی کے انداز میں فرمایا کہ ''مولانا! آپ نے تو میری تحریر کا تیا پانچہ کردیا'' (حضرت نے قاضی خان کی مذکورہ عبارت کے پیش نظر ایک تحریر تیار کی تھی اس کی طرف اشارہ ہے) بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اس میں میرا کیا کمال ہے یہ سب آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے چنانچہ حضرت نے بندہ کو دعاؤں سے نوازا اور آئندہ ایڈیشن میں اس مسئلہ کو تبدیل فرمادیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس توجہ دلانے کو یوں ذکر کیا:

''تنبیہ: اس مسئلہ کی تحقیق میں ہمارے ساتھی مفتی رفیق صاحب سلمہ کا اصل حصہ ہے۔ انہوں نے ہی ایک اور بات کی طرف توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله (او اعميين) كذا فى الهداية و الكنز و الوقاية و المختار و الاصلاح و الجوهرة و شرح النقاية و الفتح و الخلاصة و هو مخالف لقوله فى الخانية: و لا تقبل شهادة الاعمى عندنا، لانه لا يقدر على التمييز بين المدعى و المدعى عليه و الاشارة اليهما فلا يكون كلامه شهادة ولا ينعقد النكاح بحضرته.اه و المختار ما عليه الاكثرون نوح''. (۲/۲۹۷)

قاضی خان کی یہی عبارت قاضی خان کی کتاب الشہادۃ میں بعینہ اسی طرح ہے جبکہ کتاب النکاح میں قاضی خان صاف لکھتے ہیں کہ ''فيصح بشهادة الفاسقين و الاعميين و المحدودين''۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی کتاب الشہادۃ میں ''و لا ينعقد النكاح بحضرته'' والی عبارت میں ''لا'' زائد لکھا گیا جو پھر نسخوں میں لکھا ہی جاتا رہا یہاں تک کہ علامہ نوح اور علامہ شامی کی بھی اس صریح تعارض کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ مفتی رفیق صاحب سلمہ کی اس طرف توجہ نہ ہوتی تو ہم تو علامہ شامی رحمہ اللہ پر بھروسہ کرکے عدم نکاح کو قاضی خان کا مسئلہ سمجھنے لگے تھے۔

۱۳۔ وقت کی حفاظت اور اسباق کا اہتمام

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے بلکہ کسی نہ کسی اہم مشغلے میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت بہت ہی مجبوری کی صورت میں اسباق کا ناغہ کرتے تھے ورنہ عموماً حضرت کے ہاں اسباق کے ناغہ کا تصور نہیں تھا۔

۱۴۔امتحان لینے میں ناانصافی کا خوف

حضرت رحمہ اللہ امتحان لینے یا پرچے چیک کرنے سے بہت گھبراتے تھے اور بندہ کی معلومات کے مطابق اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ امتحان لینے یا پرچے چیک کرنے کے بعد نمبر دینے کا کوئی ایسا فارمولہ نہیں کہ دو اور دو چار کی طرح ہر طالب علم کو اس کی حیثیت کے مطابق بالکل پورے پورے نمبر دیے جاسکیں۔ بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ فرق آسکتا ہے جو لابدی ہے اور شاید ہی کوئی ممتحن اس پر پورا اتر سکے لیکن حضرت پر اس کا غلبہ رہتا تھا کہ کہیں کسی طالب علم کے ساتھ ناانصافی نہ ہو جائے۔اسی وجہ سے تخصص میں داخلے کا امتحان لینے میں عموماً طالب علم کو ایک جگہ بتا دیتے تھے تاکہ وہ اس کی پوری تیاری کر لے اور بغیر تیاری کے امتحان لینے میں اس کے ساتھ ناانصافی نہ ہو جائے۔

۱۵۔تخصص میں داخلے کا امتحان لینے کا طریقہ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا تخصص میں داخلے کا امتحان لینے کا طریقہ بھی رواجی طریقوں سے الگ تھا۔جس کی تفصیل یہ ہے:

مفتی صاحب امیدوار کو کسی کتاب کا متعلقہ مقام دیکھنے کے لیے دے دیتے تھے کہ اس مقام کو پندرہ بیس منٹ میں اچھی طرح دیکھ لو، جب تم یہ سمجھ لو کہ میں اس مقام کو سمجھ گیا ہوں تو پھر مجھے لاکر وہ مقام سناؤ۔اسی طرح دوران تخصص جب طلباء کا امتحان لیتے تو ''شامی'' کا متعلقہ صفحہ اور جلد لکھ کر دے دیتے کہ اس مقام کو کتاب دیکھ کر تحریر کر کے لاؤ کہ تم کیا سمجھے ہو۔

اس طریقہ کار سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا تھا کہ اس کی علمی استعداد کیا ہے۔چنانچہ ''ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ'' میں ہے:

> **''میری رائے امتحان کے بارہ میں یہ ہے کہ امتحان تقریری ہونا چاہیے۔تقریر میں بہت جلدی قلعی کھل جاتی ہے اور اگر کسی مصلحت سے تحریری بھی ہو تو اس کی لطیف صورت یہ ہے کہ طالب علم کو کتاب دے دی جائے اور اس کے شروح اور حواشی جو مانگے سب دیدیے جائیں اور کہا جائے کہ فلاں مقام حل کر کے لاؤ، مگر کسی سے مدد مت لو کیونکہ مقصود تو یہ دیکھنا ہے کہ کتاب جو پڑھی ہے اس کو سمجھ بھی گئے، یہ نہیں دیکھنا کہ یہ کتاب کا حافظ بھی ہے یا نہیں؟ اس میں طلباء کو بھی سہولت ہے اور امتحان کا مقصود بھی حاصل۔اور متعارف طریق میں تو پوری مصیبت ہے [کہ اس میں فہم سے زیادہ حافظے کا امتحان ہوتا ہے]۔''(۴/۲۴۷)**

۱۶۔صبر وشکر

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں صبر وشکر کا وصف بھی نمایاں تھا چنانچہ سخت بیماری کے ایام میں بھی بندہ نے کبھی بے صبری یا ناشکری کی کیفیت محسوس نہیں کی بلکہ صبر وشکر کی ہی کیفیت محسوس کی۔ جب بھی بندہ اکیلا یا رفقائے دارالافتاء کے

ساتھ بیماری کے ایام میں عیادت کے لیے حاضر ہوا اور حال احوال پوچھا تو ''الحمدللہ''، ''شکر ہے'' کے الفاظ ہی سننے کو ملے۔

۱۷۔خوش طبعی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مزاج میں خوش طبعی بھی اچھی خاصی تھی اور گاہے بگاہے اپنے شاگردوں اور رفقائے دارالافتاء کے ساتھ خوش طبعی کے جملے ارشاد فرماتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ بیماری کے ایام میں رفقائے دارالافتاء حضرت کی خدمت میں یہ سوچ کر گئے کہ حضرت سے کچھ خوش طبعی کی باتیں کریں گے تاکہ بیماری کی وجہ سے طبیعت میں جو ملال آجاتا ہے اس کا ازالہ ہو لیکن جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چند ہی منٹوں میں ہماری خوش طبعی کی باتوں کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ہم نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ہم تو یہ سوچ کر آئے تھے اور ہماری تو بس ہوگئی ہے، یہ سن کر حضرت نے خود خوش طبعی کی باتیں شروع کردیں جو کافی دیر تک چلتی رہیں اور اہل مجلس ان سے محظوظ ہوتے رہے۔

۱۸۔اپنی اولاد سے خدمت لینے میں بھی شرعی حدود کا اہتمام کرنا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا یہ بھی ایک خاص وصف تھا کہ اپنی اولاد سے بھی شرعی حدود میں رہتے ہوئے خدمت لیتے تھے۔چنانچہ آخری عمر میں جب بیماری نے شدت اختیار کرلی اور دن رات کسی نہ کسی کے پاس رہنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو بندہ کو فرمایا کہ مولانا اس کی تحقیق کرکے بتائیں کہ اولاد کے ذمے والدین کی جسمانی خدمت (مثلاً انہیں اٹھانا، بٹھانا، وضو کرانا وغیرہ) کی کس حد تک ذمہ داری ہے؟ مقصود یہ تھا کہ اولاد سے بھی اسی حد تک خدمت لی جائے جتنی ان کے ذمے ہے اس سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

۱۹۔کسی کے دیے ہوئے ہدیے کو حقیر نہ سمجھا

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی یہ بھی ایک خاص خوبی دیکھی کہ حضرت کسی کے معمولی ہدیے کو بھی معمولی نہ سمجھتے تھے بلکہ معمولی ہدیے کی بھی ایسی تعریف فرماتے کہ ہدیہ دینے والا یہ محسوس کرنے لگتا کہ میں نے پتا نہیں کتنی بڑی چیز ہدیہ کی ہے۔

بندہ کبھی کبھار اپنے گاؤں سے آئی ہوئی سبزیاں، ساگ وغیرہ حضرت کے گھر بھیجتا تو حضرت اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرماتے اور یوں محسوس کراتے کہ میں نے کوئی بڑی چیز ہدیہ کی ہے۔

اور پھر یہ بھی معمول تھا کہ حضرت معمولی قسم کے ہدیہ کے بدلے میں اپنی طرف سے بڑھیا ہدیہ عطا فرماتے۔کم از کم بندہ کے ساتھ تو یہ معمول اکثر رہا۔

۲۰۔مزاج میں نرمی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں عوام میں یہ شہرت تھی کہ حضرت بہت سخت مزاج کے ہیں لیکن بندہ نے سولہ سالہ عرصہ میں یہ محسوس کیا کہ حضرت کے مزاج میں بہت زیادہ نرمی تھی، عوام کے تاثر کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ حضرت

مسئلہ بتانے میں دوٹوک بات کرتے تھے، ایسی لچک کی بات نہ فرماتے تھے کہ سائل اسے جدھر مرضی موڑ لے۔

۲۱۔ تبلیغی کام کے بارے میں رائے

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو تبلیغ والوں سے کچھ چیزوں میں اختلاف تھا لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں تھا جس کی وجہ سے حضرت تبلیغی کام کے مخالف ہوں بلکہ وہ تبلیغی کام کی افادیت اور ضرورت کے قائل تھے اور اس کام کو اپنا کام سمجھتے تھے چنانچہ اپنے ایک کتابچے کے شروع میں لکھتے ہیں:

''مولانا الیاسؒ کے چلائے ہوئے کام کو ہم اپنا کام سمجھتے ہیں۔''

ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے کہ مولانا! ایک شخص نے مسئلہ پوچھا ہے کہ اس نے کسی کام کے ہونے پر چار ماہ جماعت میں لگانے کی منت مانی تھی، اب وہ کام ہو گیا ہے تو اس کے ذمے جماعت میں چار ماہ لگانا بنتے ہیں یا نہیں؟ پھر مجھے فرمایا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ بظاہر تو یہ منت نہیں بنتی۔ فرمانے لگے خیال تو میرا بھی یہی ہے لیکن یہ شخص بظاہر محض اس وجہ سے کہ یہ منت نہیں بنتی چار ماہ لگانے سے جان چھڑانا چاہتا ہے اس لیے میرا خیال ہو رہا ہے کہ اسلوب حکیم کے طور پر اسے یہ جواب دیا جائے کہ جب آپ نے کسی کام کے ہونے پر اللہ تعالیٰ سے ایک وعدہ کیا ہے تو اب اسے نبھائیں۔

بندہ رجب شعبان میں ہر سال تبلیغی جماعت میں چلہ لگاتا اور جانے سے پہلے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بتا کر جاتا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسکراتے ہوئے فرماتے کہ مولانا! آپ نقد کو چھوڑ کر ادھار کے پیچھے جا رہے ہیں، بندہ عرض کرتا کہ حضرت سارا سال نقد کے ہی پیچھے لگے رہتے ہیں صرف چالیس دن کے لیے ادھار کے پیچھے جاتے ہیں۔

ایک دفعہ سات ماہ کے لیے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو مسکراتے ہوئے فرمایا: مولانا! آپ یہ کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ آپ خدمت پر ہیں۔ بندہ نے عرض کیا: میں تو سمجھ لوں گا تبلیغ والے نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا: میری طرف سے ممانعت تو نہیں ہے بس دارالافتاء کا نظم بنا کر جائیں۔

متفرق باتیں اور یادیں

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے متخصصین اور رفقاء دارالافتاء کو کھل کر بحث کرنے کا موقعہ فراہم فرماتے تھے اور ہماری اوٹ پٹانگ باتوں سے بھی کبھی چیں بجبیں نہ ہوتے۔

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی فراخدلی نے میری عادت ایسی بنا دی تھی کہ بعض اوقات دوان درس حضرت کی بحث متخصصین کے ساتھ ہو رہی ہوتی تھی اور بندہ بھی ہونے والی بحث میں اپنی ٹانگ اڑا دیتا اور بات کہیں سے کہیں نکل جاتی۔ جب حضرت دیکھتے کہ بندہ کے بحث میں شامل ہونے کی وجہ سے بات کہیں سے کہیں نکل چکی ہے تو مسکرا کر فرماتے

مولانا آپ ابھی صبر کریں ابھی ان (متخصصین) سے نمٹنے دیں۔

o بندہ سے کبھی کچھ فرمانا ہوتا تو اکثر ''مولانا'' کا لفظ استعمال فرماتے۔

o ایک دفعہ بیماری کے دوران کچھ گھبراہٹ محسوس ہوئی تو دارالافتاء سے بندہ کو گھر بلایا، بندہ حاضر ہوا، کچھ دیر متفرق باتیں چلتی رہیں۔ پھر جب کچھ سکون ہو گیا تو بندہ واپس آ گیا۔

o ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا بات ہے کہ اردو کے بعض حروف تہجی کا تلفظ بے پے تے ٹے ثے یعنی یائے مجہول کے ساتھ ہے اور عربی کے انہی حروف کا تلفظ باتا ثا یعنی الف کے ساتھ ہے، اس کا مرکبات میں کوئی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے؟ بندہ کا تو کبھی اس طرف ذہن ہی نہیں گیا تھا اس لیے بندہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تو مرکبات میں اس کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

o بندہ شروع شروع میں استفتاء کے جواب میں ''صورت مسئولہ'' کے الفاظ استعمال کرتا تھا حضرت رحمہ اللہ نے متوجہ فرمایا کہ ''صورت مسئولہ'' کا لفظ عام فہم نہیں لہذا ''مذکورہ صورت'' کا لفظ استعمال کیا کرو۔

o ایک دفعہ بندہ نے اپنی تحریر میں ''بھائی'' کا لفظ ''بہائی'' یعنی یک چشمی ''ہ'' کے ساتھ لکھ دیا۔ تو حضرت نے اس کی اصلاح فرمائی کہ یہ یک چشمی ''ہ'' کے بجائے دوچشمی ''ھ'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے ورنہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

o مفتی رضا علی جعفری صاحب کے ولیمے پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مفتی رضا صاحب کو ایک لفافے میں کچھ پیسے ہدیہ کیے، مفتی رضا صاحب غایت تعلق کی وجہ سے میرے پیچھے پڑ گئے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ہدیہ کیا ہے تو آپ بھی مجھے ہدیہ دو۔ میں نے بھی ہنسی ہنسی میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو مجھے بھی پھنسا دیا کہ مفتی رضا صاحب آپ کو دلیل بنا کر مجھ سے بھی ہدیہ مانگ رہا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان سے کہو بھائی بڑے از خود کچھ دے دیں تو وہ لے لینا چاہیے بڑوں سے مانگنا نہیں چاہیے۔

o ایک دفعہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے گھر بندہ اور مفتی رضا صاحب موجود تھے مفتی رضا صاحب کہنے لگے کہ حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی اپنے گھر پر دعوت کروں لیکن آپ کے ضعف کی وجہ سے آپ کو کہنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ کہیں آپ کو زحمت نہ ہو۔ بندہ نے درمیان میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا کہ دعوت کا یہ طریقہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کھانا پکا کر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے گھر لے آئیں تاکہ دعوت بھی ہو جائے اور حضرت کو زحمت بھی نہ ہو، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں کوئی بات نہیں، ہم آپ کے گھر بھی آپ کی دعوت قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں۔

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بیماری کے دنوں میں رفقاء دارالافتاء حضرت کی عیادت کے لیے حاضر خدمت ہوئے، بیماری کی شدت سے طبیعت میں اضطراب زیادہ تھا۔ دوران گفتگو بندہ نے عرض کیا حضرت آپ کا ہمارے پاس دل نہیں لگتا؟ غالباً یہ بات دو دفعہ کہی۔ حضرت رحمہ اللہ نے فی البدیہہ فرمایا کہ جتنا تمہارا میرے پاس لگتا ہے اتنا میرا

تمہارے پاس لگتا ہے۔ بندہ ایسا جچا تلا جواب سن کر ششدر رہ گیا۔

آخری ملاقات

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بیماری جب کافی شدت اختیار کر گئی تو حضرت کو ڈاکٹر ہسپتال میں داخل کروایا گیا، کئی دفعہ خیال ہوا کہ حضرت کی عیادت کے لیے ہسپتال جانا چاہیے لیکن آج کل پر بات ٹلتی رہی۔

۱۸ شوال ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ تقریباً صبح نو بجے کے قریب بندہ گھر (ریواز گارڈن) سے دارالافتاء آ رہا تھا جب بندہ مدرسہ کے قریب پہنچا تو سامنے سے حضرت رحمہ اللہ کا خادم مولوی نعمان آتا ہوا ملا، مولوی نعمان نے بتایا کہ آج حضرت کی طبیعت کافی خراب ہے لیکن حضرت کے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اسے پھیلانے کی ضرورت نہیں۔

بندہ دارالافتاء پہنچا اور ہسپتال جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ مفتی عبداللہ صاحب کا بھی فون آ گیا کہ آج حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت کافی خراب ہے۔ چنانچہ بندہ نے چھوٹے موٹے کام جلدی جلدی نمٹا کر رفقائے دارالافتاء کو متوجہ کیا اور ملاقات کے لیے جانے کا نظم بنایا۔ مفتی طلحہ خالد صاحب سے گاڑی کی بات کی اور مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب، مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور بندہ ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئے، مفتی شعیب صاحب کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے مفتی صاحب ان کے ساتھ گارڈن ٹاؤن کے مدرسے میں گئے ہوئے تھے ہم مفتی شعیب صاحب سے رابطہ کرتے رہے تاکہ ان کو بھی راستے سے لے لیا جائے یا وہ ازخود ہسپتال پہنچ جائیں لیکن بار بار رابطہ کے باوجود مفتی شعیب صاحب سے رابطہ نہ ہو سکا اور ہم چار ساتھی (بندہ، مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب، مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور مفتی طلحہ خالد صاحب) ہسپتال پہنچ گئے، ہسپتال پہنچتے پہنچتے ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ چنانچہ ظہر کی نماز ادا کی اور نماز سے فارغ ہو کر حضرت کے کمرے میں حاضر خدمت ہوئے۔ بیماری کی صورت حال ایسی تھی کہ حضرت رحمہ اللہ نہ آنکھیں کھول سکتے تھے اور نہ بات کر سکتے تھے، اس لیے بس دل کو تھامے ہوئے اور آنکھوں پر قابو پائے ہوئے تھوڑی دیر حضرت کی زیارت کر کے اور صحت و عافیت کی دعا کر کے کمرے سے باہر آ گئے خیال یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحتیاب ہو جائیں گے اس لیے مفتی عبداللہ صاحب سے اجازت لے کر واپس مدرسے کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابھی جامعہ اشرفیہ کے پاس ہی پہنچے تھے کہ مفتی عبداللہ صاحب کا فون آ گیا، فون کی سکرین پر مفتی عبداللہ صاحب کا نام پڑھتے ہی دل کھٹک گیا کہ اللہ خیر فرمائے ابھی تو ہم مفتی صاحب کے پاس سے آ رہے ہیں۔ فون اٹھایا تو جو کھٹک تھی وہ سامنے آ گئی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ ہم نے وہیں سے گاڑی واپس ہسپتال کی طرف موڑی اور دل میں شدت کے ساتھ یہ خیال آیا کہ شاید آخری ملاقات کے لیے ہی حضرت ہمیں بلا رہے تھے اور زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے کہ ''پندرہ سولہ سال میرے ساتھ رہے ہو آخری ملاقات کر لو، پھر ڈھونڈے سے بھی ہم نہیں ملیں

گے''۔ ع

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
نگاہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

ہسپتال جاتے ہوئے راستے میں وفات کی تصدیق کے لیے لوگوں کے فون آنا شروع ہو گئے۔ ہسپتال پہنچے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بیٹوں مفتی عبداللہ صاحب، بھائی عبیداللہ صاحب کو حوصلہ اور تسلی دی اور میت کو گھر منتقل کرنے کا نظم بنانے لگے تاکہ تدفین میں غیر ضروری تاخیر نہ ہو۔ ایمبولینس کا انتظام کیا گیا اور بندہ اور مفتی عبداللہ صاحب ایمبولینس میں حضرت رحمہ اللہ کی میت کے ساتھ بیٹھ گئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور اسی وقت سے حضرت رحمہ اللہ کی روح کے لیے کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب شروع کر دیا۔ راستے میں مفتی عبداللہ صاحب فرمانے لگے کہ قبر بغلی بننی چاہیے، بندہ کو خیال آیا کہ یہ خدمت بھائی رضوان نفیس صاحب انجام دے سکتے ہیں کیونکہ ان کی رہائش ''میانی صاحب قبرستان'' کے قریب ہے شاید گورکنوں کے ساتھ ان کا کچھ تعلق ہو۔ چنانچہ میت لے کر گھر پہنچے تو بھائی رضوان نفیس صاحب پہلے ہی وفات کی خبر سن کر گھر پہنچے ہوئے تھے۔ بندہ نے عرض کیا کہ بھائی رضوان صاحب! قبر بغلی ہونی چاہیے اور اس کا نظم آپ نے بنانا ہے، اللہ تعالیٰ بھائی رضوان صاحب کو بہت ہی جزائے خیر دے انہوں نے فوراً حامی بھر لی اور اپنے بھائی نعیم صاحب کو اسی کام کے لیے میانی صاحب بھیج دیا تاکہ وہ اس کا نظم بنا سکیں چنانچہ قبر بغلی ہی تیار ہوئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی بیماری کے دوران ایک دفعہ فرمایا تھا کہ مولانا ''تجہیز و تکفین ایسے ہو کہ کوئی تماشا نہ لگے''۔ بندہ نے عرض کیا کہ ان شاء اللہ ایسے ہی ہوگا۔ یہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی فکر کا ہی اثر تھا کہ بفضلہٖ تعالیٰ تجہیز و تکفین سے تدفین تک کے تمام امور بحسن وخوبی انجام پائے۔ غسل دینے کے لیے مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب، مولانا نعیم الدین صاحب کے تربیت یافتہ مولوی شاہد ریاض صاحب اپنے دو، تین ساتھیوں سمیت تشریف لے آئے، اور ہمارے دارالافتاء کے رفقاء مفتی شعیب صاحب، مفتی عبدالرحمٰن صاحب، اور حضرت کے دونوں صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب اور بھائی عبیداللہ صاحب اور کچھ اور افراد بھی شریک غسل رہے جن کی وجہ سے غسل کے تمام امور بحسن وخوبی انجام پا گئے۔

اگلا مرحلہ یہ تھا کہ میت کو گھر سے اٹھا کر جنازے کی جگہ تک اور وہاں سے قبرستان تک لے جانے میں کوئی افراتفری نہ ہو۔ کیونکہ بعض بزرگوں کے جنازوں میں اس قسم کی بے ترتیبی ہو چکی تھی کہ جنازے پر آواز پہنچنے کا نظم نہ ہو سکا کچھ لوگوں کی کچھ تکبیریں ہو گئیں کچھ کی رہ گئیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص نظم یہ بنوا دیا کہ مولوی ولایت اللہ صاحب جو میرے دورۂ حدیث کے ساتھی بھی ہیں اور رائے ونڈ میں وہ ان مراحل سے گذر بھی چکے ہیں انہیں خاص طور سے اسی مقصد کے لیے فون کر کے بلا لیا۔ بندہ نے مولوی صاحب سے درخواست کی کہ یہ نظم آپ سنبھالیں اور ان کے ساتھ ان کی منشاء

کے مطابق طلباء کی ایک جماعت مقرر کر دی گئی۔ مولوی صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر دے کہ انہوں نے بخوشی اور اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس خدمت کو قبول کیا اور بہت ہی احسن انداز سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مولوی صاحب کو تاکید کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے آپ نے اور آپ کی جماعت نے چارپائی نہیں چھوڑنی (کیونکہ اپنے ساتھیوں سے چارپائی عوام کے ہاتھوں میں جانے کے اثرات بندہ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے جنازے میں دیکھ چکا تھا)۔ ان حضرات کو اس میں مشکل بھی پیش آئی لیکن آخری مرحلے تک مولوی صاحب اور ان کی جماعت چارپائی سے جدا نہیں ہوئے۔

نماز جنازہ کے لیے سوا گیارہ بجے کا وقت اور گلشن راوی فٹ بال گراؤنڈ کی جگہ طے کی گئی اور وہاں کے تمام انتظامات جامعہ دارالتقویٰ کے اساتذہ اور طلباء نے بہت ہی احسن طریقے سے انجام دیے۔ نماز جنازہ مقررہ وقت پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں ہزاروں لوگوں نے شرکت فرمائی۔ نماز جنازہ کے بعد میت کو گاڑی میں رکھ کر میانی صاحب قبرستان لایا گیا اور پھر گاڑی سے اتار کر غازی علم الدین شہید کے احاطے کے قریب ''احاطۂ سرکی بنداں'' میں قبر کے قریب لایا گیا۔ مذکورہ تمام مراحل میں جامعہ مدنیہ قدیم کریم پارک کے بعض احباب بھی پیش پیش رہے اور تدفین کا کام بہت احسن طریقے سے انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بھی خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔

تدفین کے بعد دعا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دیرینہ ساتھی حضرت مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کروائی۔ اور یوں علم و عمل اور عزیمت کے ایک پہاڑ کو خدا کے سپرد کر کے بوجھل قدموں کے ساتھ احباب و متعلقین، عزیز و اقارب تقریباً ایک بجے کے قریب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے اور تا حد نگاہ وسیع فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور مجھے اور ان کے تمام شاگردوں کو اور خاص کر جو دارالافتاء سے منسلک ہیں ان کو حضرت رحمہ اللہ کے فیوض سے مستفید فرمائے اور حضرت رحمہ اللہ کے اخلاق عالیہ اور صفات حسنہ سے مزین فرمائے۔ آمین **بجاہ سید الانبیاء و المرسلین**

.....☆☆☆.....

چند ناتمام یادیں

مفتی عبدالرحمٰن صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

پہلا تعارف

ہم رائے ونڈ کی شاخ اٹھیل پور میں درجہ ثالثہ یا رابعہ میں تھے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دو کتابیں ''اسلامی عقائد'' اور ''اصول دین'' پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ حضرت رحمہ اللہ کا پہلا تعارف تھا۔

اس کے بعد جب اٹھیل پور شاخ سے رائیونڈ آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب، مولانا آفتاب صاحب رحمہ اللہ کے بڑے بھائی ہیں، اور جامعہ مدنیہ کریم پارک میں پڑھاتے ہیں، اس کے بعد جب بنوری ٹاؤن کراچی میں تخصص فی الحدیث کر رہے تھے تو ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے (جو اسی جامعہ میں تخصص فی الفقہ کر رہے تھے) بتایا کہ لاہور سے حضرت مفتی عبدالواحد صاحب کا ایک خط آیا ہے جس میں انہوں نے حرمتِ مصاہرت والے مسئلہ میں حنفیہ کے موقف پر اپنے کچھ تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ ان صاحب سے وہ خط لے کر پڑھا تو دل میں یہ تاثر بیٹھ گیا کہ مفتی صاحب بہت گہرے آدمی ہیں۔ اس کے بعد حضرت کی کچھ اور تحریریں بھی نظر سے گذریں جنہیں پڑھ کر یہ تاثر بڑھتا ہی گیا۔

تخصص فی الحدیث سے فارغ ہونے کے بعد تخصص فی الفقہ کا ارادہ بنا تو اس کے لیے ملک کی دو شخصیات کی طرف دل کا میلان ہوا:

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

(۲) حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ۔

چونکہ کراچی کا فاصلہ بھی زیادہ تھا اور حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم سے براہ راست استفادہ بھی بہت زیادہ ممکن نہ تھا جبکہ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے متعلق معلوم ہوا کہ تخصص کے سارے اسباق خود ہی پڑھاتے ہیں۔ اس لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس تخصص فی الفقہ کرنے کا ارادہ پختہ کر لیا۔

پہلی زیارت

اسی سال رمضان المبارک میں استاد محترم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم حسب معمول

خانقاہ سید احمد شہید میں حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے، استاد جی کی زیارت کی غرض سے خانقاہ حاضری ہوئی تو رفیق محترم مولانا احسن احمد مدظلہ نے بتایا کہ استاد جی کے ساتھ یہ جو دبلے پتلے، سفید ریش بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں یہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھ کر حضرت رحمہ اللہ کی جو تصویر ذہن میں بنی ہوئی تھی وہ یکسر غلط ثابت ہوئی۔ حضرت رحمہ اللہ چشتی صاحب سے مل کر جانے لگے تو بندہ نے سلام ومصافحہ کے بعد عرض کیا کہ حضرت! آپ کے ہاں تخصص کا ارادہ ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: عید کے بعد آجائیں۔ چنانچہ عیدالفطر کے بعد غالباً دس شوال کو دارالافتاء والتحقیق متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور حاضر ہوا۔ مفتی رفیق صاحب دامت برکاتہم نے کوائف لکھے، کچھ دیر بعد حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لائے۔ مفتی رفیق صاحب نے کوائف نامہ حضرت کے سامنے رکھا، کوائف نامہ دیکھ کر مجھ سے فرمایا: ہاں مولوی صاحب! تخصص فی الحدیث کا کیا فائدہ ہوا؟ عرض کیا: حضرت وہ کتابوں کا.....وہ.....کیا؟.....جی وہ رعب ختم ہوگیا۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا: بھائی تم تو بڑے خطرناک آدمی ہو، کتابوں کا رعب ختم ہوگیا! عرض کیا نہیں حضرت.....وہ..... مجھے کوئی مناسب لفظ نہیں مل رہا تھا۔ حضرت میری پریشانی سمجھ گئے، فرمایا: وحشت (جھجک) ختم ہوگئی؟ عرض کیا جی جی.....جی حضرت۔

اس کے بعد ''شامی'' کی دوسطروں کی عبارت سنی اور فرمایا ٹھیک ہے، تمہارا داخلہ ہوگیا ہے۔ مزید کوئی رسمی امتحان نہ لیا۔ داخلہ ۲۰۰۷ء سے لے کر حضرت رحمہ اللہ کی وفات تک تقریباً ۱۳، ۱۴ سال کا عرصہ حضرت رحمہ اللہ سے استفادہ کا اور حضرت رحمہ اللہ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

دورہ تفسیر کی خواہش پر تبصرہ

تخصص کے غالباً دوسرے سال میں مفتی صاحب کے چھوٹے صاحبزادے بھائی عبیداللہ کے بارے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کو ''اسلامی عقائد'' کتاب پڑھا دیں جب وہ کتاب مکمل ہوئی اور ادھر شعبان کا مہینہ بھی قریب آگیا تھا اور ہمارے امتحانات بھی ہو رہے تھے تو ویسے ہی باتوں باتوں میں، میں نے ان سے کہا کہ شعبان میں اکٹھے چلّے پر چلتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کہہ دیا، بندہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے جب ہسپتال میں ملنے گیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں مولوی صاحب تم چلّے پر جا رہے ہو؟ میں نے کہا: جی کوئی ایسا پکا ارادہ تو نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا: چھٹیاں ہیں تم اپنا مطالعہ پورا کرو۔ میں نے کہا اصل میں چلے کا ارادہ تو نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ تخصص فی الحدیث کیا ہے تو فن حدیث سے تو کچھ نہ کچھ مناسبت ہوگئی ہے اور تخصص فی الفقہ کی وجہ سے فقہ سے بھی کچھ مناسبت ہوگئی ہے لیکن قرآن سے کچھ مناسبت نہیں ہے اس لیے میرا ارادہ تھا کہ چھٹیوں میں دورہ تفسیر کر لیتا۔ تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تم نے کیسی بات کی ہے کہ قرآن سے مناسبت نہیں ہے۔ یہ فقہ کیا قرآن نہیں ہے؟ اور جو حدیث تم نے پڑھی ہے وہ قرآن کی تفسیر نہیں ہے؟ پھر فرمایا: دورہ تفسیر تو تم خود کروا سکتے ہو۔

پہلے تو کچھ عجیب سا لگا پھر یاد آیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ آیات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جو احکام سے متعلق ہیں اور دوسری وہ جو فضائل، واقعات، وعیدات سے متعلق ہیں، اس لیے سمجھ آ گیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ احکام کے متعلق آیات جو کہ مشکل ہوتی ہیں وہ تو تم نے فقہ کی کتابوں میں پڑھ لی ہیں باقی دوسری قسم کی آیات تو وہ تو ترجمہ پڑھ کر بھی سمجھ آ جائیں گی۔

ربیع الاول کے جلسے سے احتراز

ایک دفعہ ربیع الاول کے مہینے میں حضرت مولانا عثمان صاحب دامت برکاتہم (رکن شوریٰ و استاذ الحدیث جامعہ دارالتقویٰ) سے مسجد غنی سنت نگر لاہور کی انتظامیہ نے تقاضا کیا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جلسوں کو پسند کرتے ہیں اور ہر طرف سیرت کے موضوع پر جلسے ہو رہے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کو قریب کرنے کے لیے ہم بھی سیرت کے عنوان سے جلسہ کر لیں تو آپ کوئی خطیب دے دیں، مولانا نے مجھے بیان کرنے کا فرمایا، میں نے کہا کہ میں آپ کو مشورہ کر کے بتاتا ہوں، تو میں نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہیں صاف کہہ دو کہ ربیع الاول کے مہینے میں ہم بیان نہیں کریں گے، کسی اور موقع پر آپ بلائیں گے تو ہم آ جائیں گے۔

امتحانی پرچہ

ہمارے امتحان ہوتے تھے تو ہم دیکھتے تھے کہ سوالیہ پرچے کا کاغذ چھوٹا ہے یا بڑا؟ اگر کاغذ چھوٹا ہوتا تو ہم سمجھ جاتے تھے کہ پرچہ مشکل ہے کیونکہ اس میں زبانی چیزیں پوچھی ہوتی تھیں کہ یہ لکھیں یہ لکھیں۔ مثلاً حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی، اشکال و جواب سمیت لکھیں۔ اور اگر کاغذ بڑا ہوتا تھا تو ہم سمجھ جاتے تھے کہ پرچہ آسان ہے کیونکہ اس میں عبارت ہوتی تھی چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ''اصول بزدوی'' کا پرچہ دیا اس میں عبارت دی تھی۔ میں نے اس کا ترجمہ لکھ دیا، نمبر تو ۱۰۰ میں سے ۸۰ آ گئے لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: مولوی صاحب تم صرف ترجمہ کر کے آ جاتے ہو۔ (ماشاء اللہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بڑا زبردست پرچہ چیک کرتے تھے، پورا پرچہ بڑے غور سے پڑھتے تھے اور غلطیوں پر نشان بھی لگاتے تھے، پھر چیک کر کے طلباء کو واپس کر دیتے تھے تاکہ وہ اپنی غلطی کو دیکھ لیں، اور آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔ یہ نہیں تھا کہ کوئی ان کو چکر دے جائے۔)

نتائج میں رعایت نہ کرنا

مجھے شروع میں ''حجۃ اللہ'' سے مناسبت نہیں ہوئی۔ کیونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ابتداء ہی سے عالم بالا کی باتیں شروع کر دیں ہیں جو ہماری ذہنی سطح سے اوپر کی تھیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے سامنے تو نہیں بولتے تھے لیکن ساتھیوں میں آپس میں کہتے رہتے تھے کہ یہ کیا بات ہے؟ یہ کیا بات ہے؟ ساتھی مجھے کہتے تھے کہ تجھے شاہ صاحب رحمہ اللہ

کی روحانی بدعا لگے گی چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ وہ سوال جو میں نے لڑکوں کو انگلیوں پہ گنوا کے یاد کروایا تھا جب پیپر آیا تو دوسرے سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا، لیکن اس کے باوجود دماغ ایسا بند ہوا کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آیا۔ میں مسجد میں امتحان کے دوران لیٹ گیا، (مفتی) شعیب صاحب یا (مفتی) صبیح الحسن صاحب نے کہا: کیوں لیٹ گئے؟ میں نے کہا کہ الہام کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ کچھ لکھوں۔ خلاصہ یہ کہ میں اس پرچے میں فیل ہو گیا۔ یہ غالباً ششماہی امتحان تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بہت غصہ تھا، پرچے چیک کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جب پڑھانے کے لیے آئے تو سب کو اجتماعی طور پر ڈانٹا، مجھے تو پتا تھا اپنی کرتوت کا، میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پھر خاص میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: او مولوی صاحب! تم تھوڑا سا لکھ کے آجاتے ہو (بس اتنی ہی حضرت رحمہ اللہ کی ڈانٹ ہوت تھی)۔ پھر سالانہ امتحان تک میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے آنکھیں نہ ملا سکا۔ یعنی اتنا رعب تھا اور شرمندگی اور ندامت بھی تھی لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس کے باوجود بہت شفقت فرماتے تھے۔

انداز تدریس

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا سبق پڑھانے کا انداز ہ نرالا تھا۔ سبق کے دوران اس سبق سے متعلق جتنی بھی فقہی، کلامی ابحاث تھیں سب کی سب ہی زیر بحث آتی تھیں۔ طالب علموں اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں تھا۔ ہم پہلے سال پڑھنے آئے تھے اور سامنے اتنے بڑے مفتی صاحب، لیکن پھر بھی ہم کھل کے بات کرتے تھے، یہ نہیں تھا کہ صرف کتاب سمجھاتے جا رہے ہوں بلکہ علی وجہ البصیرت پڑھاتے تھے اور ''مسلم الثبوت'' میں بعض اوقات صاحب کتاب سے اختلاف فرماتے تھے، لیکن طلباء سے تقاضا یہ تھا کہ اگر میری بات کو مانیں تو علی وجہ البصیرت مانیں۔

متبحر بنو

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے کسی مسئلے کے بارے میں فرمایا: کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت جیسے آپ فرما رہے ہیں ٹھیک ہے۔ فرمانے لگے: بس اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیے؟ ایک دفعہ کسی مسئلے پر بات چل رہی تھی تو میں نے کہا کہ یا تو بندے کو اندھا مقلد ہونا چاہیے یا غیر مقلد۔ تو فرمانے لگے یہ تم نے احمقوں والی بات کی ہے۔ یعنی غیر مقلد بننا احمقوں والی بات ہے۔ میں نے کہا اور کیا کریں فیصلہ تو کر نہیں پاتے کہ کونسی رائے راجح ہے؟ فرمانے لگے: محقق بنو آہستہ آہستہ قوت فیصلہ بھی آ ہی جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے صحیح استفادہ کے لیے اعلیٰ سطح کی استعداد اور ذہنی صلاحیت چاہیے تھی یعنی وہ طالب علم جو صحیح پڑھ کے آیا ہو اور اس کی دائیں بائیں بھی نظر ہو یعنی خارجی مطالعہ اور مناسبت بھی ہو کیونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تمہید نہیں باندھتے تھے بلکہ نکتے کی بات کرتے تھے۔ اسے صرف وہی صحیح طور پر سمجھ سکتا تھا جس کے ذہن میں سارا مسئلہ پہلے سے موجود ہو۔

غیر معمولی بات معمولی انداز میں

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ایک بہت بڑی بات یہ تھی کہ بڑی سے بڑی بات کو ہلکے سے انداز میں کہہ دیتے تھے۔ یوں نہیں ہوتا تھا کہ پہلے لمبی چوڑی تمہید باندھتے ہوں پھر کہتے ہوں کہ نکتہ دینے لگا ہوں۔ بلکہ بالکل ہلکے انداز میں بتا دیتے تھے۔

اجتہادی انداز فتویٰ

غیر کتابی جواب بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا بہت زبردست ہوتا تھا مفتی رفیق صاحب بھی فرماتے ہیں کہ کتابی جواب تو چلو ہم کتاب سے ڈھونڈ لیں گے لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا سا غیر کتابی جواب کیسے لکھیں گے؟

نصابِ تخصص

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جب ہسپتال میں ہوتے تھے تو ایک دفعہ بندہ، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس گیا اور عرض کی کہ حضرت! افتاء کرنے آئے تھے سوچا یہ تھا کہ وہاں اصول افتاء ''شرح عقود رسم المفتی'' پڑھیں گے لیکن یہ ''مسلم الثبوت'' نہ اس کتاب کی سمجھ آتی ہے اور نہ ہی یہ سمجھ آتی ہے کہ اس کی فقہ کے ساتھ اور اصول افتاء کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ تو فرمایا:

''مولوی صاحب آٹھ دس سال تم پڑھ آئے ہو مسئلہ تو تم نکال ہی لو گے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم میں گہرائی پیدا ہو، یہ کتاب پڑھانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کا فلسفہ ہے، تمہیں مسئلے کی وجوہات سمجھ میں آئیں گی کہ اس کے پیچھے کیا وجوہات ہیں۔''

افادہ میں سخاوت

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جو استاد و شاگرد میں حجاب ہوتا ہے وہ ختم فرما دیا تھا اس لیے ہم ہر طرح کی بات کر لیتے تھے۔ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہماری عام سی باتوں پر غور بھی فرماتے تھے اور ان کا جواب بھی دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا (مسئلہ تو یاد نہیں ہے) سبق میں کوئی بات چل رہی تھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مجھے مخاطب کر کے سوال کیا، پھر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جانے لگے تو میں نے اٹھ کر حضرت رحمہ اللہ کے سوال پر برسبیل تفنن سوال کر دیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسکرائے اور چلے گئے۔ میں نے سمجھا بات ختم ہو گئی ہے لیکن اگلے دن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو فرمایا: مولوی صاحب! کل تم نے یہ سوال کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے۔ اس سے بندہ کو اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تو ہر بات کو سنجیدگی سے لیتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

فتویٰ میں احتیاط کی تعلیم

ایک دفعہ تخصص فی الحدیث کا مقالہ جمع کروانے کراچی جانا تھا وہاں اپنے پرانے ساتھیوں سے بھی ملاقات ہوئی۔

واپسی پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے سفر کے بارے میں پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس تخصص فی الفقہ کر رہے ہیں وہاں کی کیا خصوصیات ہیں؟ تو میں نے کہا باقی دارالافتاء میں مسئلہ بتانا سکھایا جاتا ہے اور وہاں نہ بتانا سکھایا جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسکرائے پھر میں نے کہا کہ میں نے ساتھیوں کو اس کی وضاحت کی کہ مطلب یہ ہے کہ بریک لگاؤ اور سوچ سمجھ کر بتاؤ۔

تاثرات:

وقت کی قدر

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بڑی باکمال شخصیت تھے ہزاروں خوبیاں تھیں، اور ہر خوبی ہی نمایاں تھی لیکن کچھ میرے لیے متاثر کن تھیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے وقت کو قیمتی بنانا ہر وقت کام کام اور بس کام۔

مضبوط نقد

دوسری بڑی خوبی یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مخالف کی ایسی بات پر نقد فرماتے تھے کہ جس کی وہ تاویل نہ کر سکے اور اس پر دلائل بھی مضبوط دیتے تھے یعنی مخالف کی نہ کمزور بات کو لیتے تھے اور نہ کمزور دلائل دیتے تھے۔

اختلاف مع الادب

تیسری بڑی خوبی یہ تھی کہ جن اہل حق حضرات سے بھی اختلاف فرماتے تھے تو اختلاف آداب کے ساتھ فرماتے تھے۔

اعتدال اور تصلب

چوتھی بڑی خوبی تصلب اور اعتدال تھی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات واقوال میں تصلب اس قدر تھا کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسائل میں سخت ہیں حالانکہ سختی نہ تھی بلکہ **القول بالحق فی الرضا و السخط** تھا یعنی شریعت کے معاملے میں لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر مضبوط گرفت فرماتے تھے جسے لوگ سختی باور کرتے تھے۔

جن اہل حق حضرات سے فقہی اختلاف تھا ان حضرات کے بھی آداب کا اور ان کی علمیت کا خیال فرماتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بارے میں فرمایا: ''ہمیں ان کے علم اور تقویٰ پر کوئی شک نہیں ہے''۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے کمپنی کی محدود ذمہ داری پر جو عبدِ ماذون مدیون سے استدلال کیا ہے اس کو پڑھ کر فرمایا: ''ماشاءاللہ ان کا دماغ خوب چلتا ہے۔''

جب اسلامی بینکنگ کے متعلق مشاورتی کمیٹی کا ابتدائی اجلاس کراچی میں ہوا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بھی

بلایا گیا اور ان کے سامنے اس کا خاکہ پیش کیا گیا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تین اشکال اٹھائے تھے کہ اگر ان چیزوں کو درست کرلیا جائے تو پھر یہ نظام ٹھیک ہے جو کہ ''احسن الفتاویٰ'' کی ساتویں جلد میں موجود ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آخر تک اسلامی بینکنگ کے نظام کو درست نہیں سمجھتے تھے، اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مستقل کتابیں بھی چھپ چکی ہیں لیکن اس سب کے باوجود جب کراچی میں علماء کا اسلامی بینکنگ کی حرمت کے بارے میں متفقہ فتویٰ جاری کرنے کے بارے میں اجلاس طے ہوا اور جامعہ فاروقیہ میں علماء کو بلایا گیا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کو مفید نہیں سمجھا اور نہ ہی اس میں شرکت فرمائی۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نام خط بھیجا اور ساتھ مفتی حبیب اللہ صاحب کی کتاب بھی بھیجی جو کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خلاف لکھی تھی، اس میں بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جگہ جگہ نشانات لگائے کہ یہ دلیل کمزور ہے یہ بھی ان کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی، یہ نہیں کیا کہ چلو کتاب ہمارے حق میں ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خلاف ہے لہذا تائید کردینی چاہیے، یہ نہیں سوچا بلکہ کمزور بات اگر اپنا بندہ بھی کرے تو اس کی کمزوری کو بھی بیان فرمادیتے تھے۔

میں نے ایک دفعہ کہا کہ ''بخاری شریف'' میں حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ وہ تشہد میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھی اور ساتھ ہی فرمایا ہے ''و کانت فَقِیْهَةً ''میں نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان کا عذر بیان کررہے ہیں کہ وہ فقیہہ تھیں انہوں نے اجتہاد کرکے یہ کیا، باقیوں کو یہ اجازت نہیں ہے۔ تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ فقیہہ تھیں اور فقیہہ کا قول حجت ہوتا ہے۔ اس طرف میری توجہ نہیں تھی بس میری ایک مناظرانہ سوچ تھی۔

رفیق محترم مولانا احسن احمد صاحب مدظلہ نے ایک خط بھیجا جس میں ایک تفصیلی روایت تھی کہ ایک یہودی عالم آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہماری کتابوں میں یہ ہے کہ اللہ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھیں گے اور زمین کو دوسری انگلی پر۔ اس روایت کے آخر میں یہ ہے کہ آپ ﷺ مسکرائے ''تصدیقاً لقول الحبر ''اور آپ ﷺ نے ''ما قدروا الله حق قدره '' آیت پڑھی۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے مسکرانے کا مقصد اس یہودی عالم کی تصدیق کرنا تھی۔ مولانا احسن احمد صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے جو یہ آیت پڑھی کہ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ ''حبر'' اللہ کو انسانوں پر قیاس کررہا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدر پہچانی ہی نہیں ہے اس لیے آپ ﷺ مسکرائے۔ اپنے موقف پر انہوں نے کئی دلائل بھی ذکر کیے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس پر فرمایا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی بات کا احتمال بھی موجود ہے اور حوالے بھی ہیں اس لیے اسے قطعی طور پر غلط بھی نہیں کہہ سکتے یعنی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت میں یہ تھا کہ جو چیز جتنی غلط ہے اسے اسی حد

تک غلط کہا جائے۔

اسی طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تبلیغی جماعت والوں سے کچھ علمی اختلاف رہا ہے۔ مثلاً تبلیغ کے لیے چار مہینے سے زیادہ وقت کے لیے جانا۔ اسی طرح مولانا طارق جمیل صاحب کے بارے میں بھی ایک مضمون لکھا، جس سے بعض لوگوں میں خوش فہمیاں اور بعض میں بدگمانیاں پیدا ہوئیں اس وقت سرگودھا کے ایک شخص نے ایک کتاب بھیجی جو تبلیغی جماعت کے خلاف تھی اور ایک خط بھی بھیجا جس میں کئی چیزیں ذکر کرنے کے بعد سوال کیا تھا کہ ''ان حالات میں تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟'' حضرت نے ان کو جواب میں لکھا:

''تبلیغی جماعت کے حضرات کی جو غلطیاں ہیں ان کی طرف ہم خود بھی نشاندہی کرتے رہے ہیں، لیکن مجموعی اعتبار سے مفید کام کا غلبہ ہے۔ اس لیے ہم تبلیغ میں وقت لگانے کو جائز اور بہتر سمجھتے ہیں۔ کام کی مخالفت کے بجائے اصلاحِ احوال کی کوشش کی جائے۔''

اس آدمی کا دوبارہ خط آیا کہ میں نے آپ سے اس جماعت کا حکم پوچھا ہے اور آپ مجھے مشورہ دے رہے ہیں، آپ کتمانِ علم کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، اس لیے کہ آپ سمجھ گئے تھے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق ان باتوں کو بنیاد بنا کر تبلیغی جماعت کے خلاف صرف فتویٰ لینا چاہتا ہے، اصلاح احوال مقصود نہیں ہے۔

ایک صاحب کا خط آیا کہ تبلیغی جماعت والے تبلیغ کے نام پر مسجد پر قابض ہو جاتے ہیں اور مسجد کو بطور ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں، مسجد میں سوتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، اور ہنسی مذاق شور مچاتے ہیں..... از راہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیا جائے کہ مسجد میں سونا درست اور جائز ہے؟

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کو جواب میں لکھا:

''جماعت کو مسجد میں آنے اور رہنے سے نہ روکا جائے، وہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں ٹھہر سکتے ہیں اور کھانا کھا سکتے ہیں، اور سو سکتے ہیں، پھر وہ دین کے کام کے لیے مسجد میں رہتے ہیں۔ جو جماعت والے مسجد کے آداب کا خیال نہ رکھتے ہوں انہیں پیار محبت سے سمجھا دیا جائے۔''

یہ جواب چونکہ ان کی توقع اور خواہش کے خلاف تھا اس لیے انہوں نے دوبارہ خط بھیجا کہ ''میں نے آپ کو مسجد میں سونے اور ہوٹل کے طور پر استعمال کرنے کے بارے میں فتویٰ کے لیے لکھا تھا، آپ نے فتویٰ دینے کے بجائے اپنی رائے سے نوازا ہے، اس میں کہیں بھی قرآن وسنت کا حوالہ نہیں دیا گیا..... آپ نے مشورہ دیا ہے کہ یہ اعتکاف کے نام پر قیام کر سکتے ہیں، بہانہ بازی کر کے مسجد میں قیام غیر اخلاقی اور غیر شرعی معلوم ہوتا ہے۔''

اس کا جواب مفتی صاحب رحمہ اللہ نے یہ لکھا:

''ہم نے آپ کو فتویٰ ہی لکھ کر دیا ہے اپنی رائے نہیں کیونکہ ہماری رائے کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ اعتکاف کی نیت

ایک شرعی چیز ہے بہانہ بازی نہیں ہے۔ چوبیس گھنٹے مسجد میں رہنا اور دینی اعمال میں لگنا اور دوسروں کے لیے دینی اعمال میں نمونہ بننا، اس دور میں کیا یہ اچھی بات نہیں۔ اعتکاف بھی ایک دینی عمل ہے۔ اور یہ باتیں اتنی کھلی اور واضح ہیں کہ کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔''

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جن اہل حق سے علمی اختلاف تھا ان کے بارے میں اعتدال سے کام لیتے تھے، جتنی بات سے اختلاف ہوتا تھا اس سے تجاوز نہیں فرماتے تھے۔ اعتدال کی صفت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میں بڑی نمایاں تھی، اور کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور جن گمراہ فرقوں سے اختلاف کرتے تھے وہاں قلم میں زور تو تھا لیکن انصاف اور اعتدال کا دامن وہاں بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ گویا ﴿لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ﴾ کی تصویر تھے۔

کفایت شعاری

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی پانچویں خوبی یہ تھی کہ انہوں نے لاہور جیسے شہر کے اندر رہ کر اور اسباب ووسائل کے موجود ہونے کے باوجود دنیا کی طرف توجہ نہیں دی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے آپ کو بالکل ضرورت کے درجے میں رکھا۔ اگر چاہتے تو فارغ اوقات میں کلینک کر سکتے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کتابوں کی رائلٹی، حق تصنیف وحقِ طباعت کی بیع کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن اگر کوئی اپنی کتاب کا مسودہ بیچ دے تو اس کو جائز سمجھتے تھے۔ البتہ خود اپنی کتابوں کے مسودے بھی فروخت نہیں کیے بلکہ چھاپنے والے ہدیۃً کچھ نسخے بھیج دیں تو ٹھیک ورنہ اگر ضرورت ہوتی تو خرید لیتے تھے۔ البتہ جب ''اسلامی عقائد'' اور ''اصول دین'' نامی کتابوں کا انگریزی ترجمہ فرمایا اور ادارہ اسلامیات سے چھپوانے کا ارادہ فرمایا تو یہ معاہدہ فرمایا تھا کہ میری اولاد کو بھی ان کتابوں کے چھاپنے کی اجازت ہوگی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بڑی کفایت شعاری سے کام لیا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور ان کے تفردات

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے تفردات بہت ہیں۔ جب میں تخصص میں داخل ہوا اس دوران جامعہ اشرفیہ میں کوئی پروگرام تھا میں وہاں گیا، وہاں مجھے ایک ساتھی ملے، اس کو جب میں نے بتایا کہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس تخصص کر رہا ہوں تو مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ نے تخصص کرنا ہی تھا تو کہیں اور کر لیتے، ان کے تو تفردات ہی بہت زیادہ ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا تفردات ہیں تو ان کے پاس پیش کرنے کے لیے تفرد کی کوئی مثال نہیں تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے اور آپ کے تفردات کیوں نہیں ہیں؟ تفردات کے لیے بھی بندے میں کچھ ہونا چاہیے۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ

ان کے تفردات کو نہ مانا جائے، حالانکہ ان کو حنفیہ میں ''محقق'' ہونے کا مقام حاصل ہے تو تفرد کرنا تو ان کی قابلیت کی دلیل ہے۔ باقی جتنے بھی بڑے بڑے فقہاء ہیں ان کے کچھ نہ کچھ تفردات تو ہوتے ہی ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جمہور امت سے تفرد کیا ہے لیکن وہ سب کے شیخ الاسلام ہیں۔ اسی طرح کیا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ، مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے تفردات نہیں ہیں؟ اور جن علماء نے ڈیجیٹل تصویر کے بارے میں جواز کی رائے پیش فرمائی ہے اس کو ہم تفرد کیوں نہیں کہہ سکتے؟

اس لیے اگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر تفرد والا اعتراض کریں تو وہ تو مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ، مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سب پر ہوتا ہے۔ ایک محدث سے کسی نے پوچھا: آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید کیوں کرتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ یہ رائے سے کام لیتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ رائے سے تو امام مالک رحمہ اللہ بھی کام لیتے ہیں۔ اس محدث نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ زیادہ لیتے ہیں۔ تو ان سے کہا گیا کہ اگر امام مالک رحمہ اللہ کم رائے سے کام لیتے ہیں تو اتنی تنقید تو ان پر بھی کرو۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ (الجواہر المضیئۃ)

اصل یہ ہے کہ بعض حضرات کے بارے میں کوئی بات مشہور ہو جاتی ہے جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صاحب رائے اتنا مشہور کیا گیا کہ گویا وہ واقعی حدیث کی مخالفت کرتے ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے حضرات کو بھی اس سے غلط فہمی ہو گئی، امام ابوبکر ابن شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف کے اندر ایک باب قائم کر دیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ بہت سے مسائل ان تک صحیح پہنچے ہی نہیں ہیں اور بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس دوسری دلیل موجود تھی۔

گہری نظر

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ہر صفت ہی ایسی تھی کہ دل چاہتا ہے کہ وہ ہم میں پیدا ہو جائے مثلاً حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جیسا تقویٰ ان جیسی عمیق نظر اور ہر مسئلے کو گہری نظر سے دیکھنا۔ ایک دفعہ میں رمضان میں پارہ یاد کر رہا تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے اور فرمایا کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا پارہ یاد کر رہا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مفتی رفیق صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا مولانا! یہ سنانے کے لیے یاد کر رہا ہے، تلاوت کے لیے تو نہیں کر رہا۔ کیا اس پر اسے ثواب بھی ملے گا یا نہیں؟ بندہ کے لیے تو یہ بالکل نئی بات تھی کہ اس طرح بھی سوال ہو سکتا ہے۔

مشکل پسندی

مشکل پسندی بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا کمال تھا۔ ہمیں الجھن ہوتی تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ خود بھی اتنے مشکل کام میں پھنس گئے ہیں اور ہمیں بھی کھپا رہے ہیں۔ نصاب میں بھی مشکل کتابیں رکھیں ہیں۔ مشکل اور

دقیق علمی ابحاث حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا محبوب اور مرغوب مشغلہ تھا۔

جچا تلا تبصرہ

اسی طرح کسی کتاب اور شخص پر تبصرہ بڑا جچا تلا ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر میں بندے کو پہچان لیتے تھے کہ یہ کس درجے کا بندہ ہے۔ ایک صاحب کے متعلق جن کی کتابوں کی بڑی لائبریری تھی اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی ان کو جانتے تھے میں نے کہا: ان کو کتابوں کا بڑا ذوق شوق ہے۔ تو فرمایا کہ شوق تو ہے ذوق نہیں ہے۔ بعد میں، میں نے اپنے ایک ساتھی سے جو ان کے پاس ہوتے تھے پوچھا انہوں نے کہا جی بالکل ایسے ہی ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تبصرہ بالکل برمحل ہے۔

صلاحیتوں کا درست اندازہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مدار سبق پڑھانے پر ہوتا تھا، امتحان پر نہیں۔ بعض ایسے ساتھی جو سارے امتحان میں پاس ہوتے رہے لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا: مولوی صاحب تم محنت تو کرتے ہو لیکن تمہارا دماغ کام نہیں کرتا، اس لیے فتوے کا کام نہ کرنا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کلاس میں ہی دیکھ لیتے تھے کہ کون کتنی صلاحیت کا مالک ہے، بعض ساتھی ایک آدھ کتاب کے امتحان میں فیل بھی ہوئے لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے انہیں خود دارالافتاء کے کام کے لیے رکھا۔

مجھے تیسرے سال عقائد کا مطالعہ کرنے اور اس پر مقالہ لکھنے پر لگایا۔ میں نے مطالعہ تو کافی کتابوں کا کیا لیکن لکھنے کا سلیقہ نہ ہونے اور کم ہمتی کی وجہ سے مقالہ نہیں لکھ پایا۔ ۲۴، ۲۵ صفحے لکھے تھے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو چیک کروائے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: تمہارا مضمون آسان ہے اسے مکمل کرو، پھر جب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دیکھا کہ نہیں لکھ رہا تو ماشاء اللہ خود لکھنا شروع کر دیا اور اس کتاب کو مکمل کیا، ماشاء اللہ وہ کتاب ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' کے نام سے چھپ بھی چکی ہے۔

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے سامنے ایک مضمون پڑھ رہا تھا۔ تو ''کمپنی'' کے لفظ کو بندہ نے ''کومپنی'' پڑھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: بھائی! یہ لفظ ''کمپنی'' ہے، اردو میں بھی ''کمپنی'' ہے اور انگریزی میں بھی۔

اسی طرح ایک ساتھی ''سُوال'' (بضم السین و فتح الهمزة) پڑھ رہے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: عربی میں ''سُوال'' ہوتا ہے اور اردو میں ''سَوال'' (بفتح السین و الواؤ) ہوتا ہے۔

دارالافتاء کے کام میں لانے کی خواہش

ایک دفعہ فرمایا: مولوی صاحب! اب تمہیں بھی دارالافتاء کے کام میں کھینچنا ہے۔ اس سلسلے میں اگر انتظامیہ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہے تو بتاؤ۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت

ایک دفعہ دارالافتاء تشریف لائے پوچھا مولوی صاحب! کیا کر رہے ہو آج کل؟ میں نے عرض کیا کوئی خاص کام نہیں۔ (کیونکہ تدریسی اور انتظامی ذمہ داریاں ہیں کہ ان کے علاوہ کچھ کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا)، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے قدرے حسرت کے ساتھ فرمایا: ع

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت

پھر فرمایا: چلو اللہ خیر کریں گے۔

لکھنے سے توبہ

ایک دفعہ میرے کچھ تحقیقی رسائل (جو ''مجموعہ اجازات و رسائل الامام محمد عابد السندی'' میں دار الحدیث الکتانیہ بیروت سے چھپ چکے تھے) دیکھنے کے بعد فرمایا: ''**لگتا ہے اب تم نے لکھنے سے توبہ کر لی ہے۔**'' یعنی پہلے کچھ نہ کچھ لکھا، اب لکھنے سے ہچکچا رہے ہو۔

گنجائش بن ہی جاتی ہے

تخصص سے فراغت کے قریب بندہ نے عرض کیا حضرت میری خواہش تو تھی کہ دارالافتاء میں کام کروں لیکن یہاں گنجائش نظر نہیں آتی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: او مولوی صاحب! گنجائش کی بات کیا ہے۔ شاہ عالمی میں جا کر دیکھو تو تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے لیکن نئے سے نئے لوگ کاروبار کے لیے آ رہے ہیں اور سب کی جگہ بن جاتی ہے۔ پھر فرمایا: تم ایسا کر لو کہ اپنے علاقے میں دارالافتاء کھول لو۔ میں نے عرض کیا: میں وہاں کوئی فتنہ ہی کھڑا کروں گا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں ایسا نہیں ۸۰ فیصد سوالات کتابی ہوتے ہیں باقی رابطے میں رہنا۔

بندہ نے عرض کیا: جی میری خواہش تو یہاں کی ہی ہے۔ تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اچھا اللہ خیر فرمائیں گے۔ چنانچہ پھر خود ادارے کی جانب سے تقرری کی بات ہوگئی۔

علمی موضوعات کی طرف متوجہ کرنا

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ طالب علم کے ذوق کے موافق اسے علمی چیزوں کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ بندہ کا ذوق عقائد کا تھا لہذا بندہ کو کلامی مسائل کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کا ایک مضمون چھپا تھا صفات کے بارے میں، اس پر حافظ زبیر صاحب (محدث والوں) نے تنقید بھی کی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کا مضمون مجھے دیا اور کہا کہ اس کو دیکھو تمہاری کیا رائے ہے؟ بندہ نے کچھ چیزوں کی بابت عرض کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک صاحب نے مروان کی صحابیت ثابت کرنے کے لیے مضمون لکھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مجھے عنایت فرمایا اور فرمایا: مولوی صاحب! اس مضمون کو دیکھو اور اس کا جواب لکھو۔ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے بندہ کے ذمے یہ قرض ہے۔ اللہ تعالیٰ چکانے کی توفیق عطا فرمائے۔

چند متاثر کن ابحاث

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات ویسے تو ساری ہی علمی اور وقیع ہیں مگر بندہ کے لیے چند چیزیں بہت ہی متاثر کن ثابت ہوئیں۔

۱۔ یزید کے فسق کے حوالے سے ''فہم حدیث'' کے مضمون میں حدیث سے استدلال اچھا لگا کیونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں تاریخ پر بنیاد نہیں رکھی، ورنہ ناصبی لوگ اسے شیعوں کی مخترعہ تاریخ کہہ کر اڑا دیتے ہیں۔

۲۔ اصول دین میں سنت و بدعت کی بحث بھی بہت وقیع اور شاندار معلوم ہوئی۔

۳۔ اسلامی عقائد سے توحید کی بحث نے بھی شرک و توحید کے مسئلے کو اچھی طرح کھول کر سمجھا دیا۔

۴۔ ''فہم حدیث'' میں تجلی کی بحث۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں، اور حضرت کے فیض کو جاری ساری رکھیں۔

آمین بجاہ النبی الکریم

.....☆☆☆.....

واقعات وتاثرات

مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

ابتدائی تعارف

بندہ کا تعلق کوہاٹ سے ہے۔ جامعہ فاروقیہ کراچی میں چھ سال پڑھا، ۲۰۰۵ء میں دورہ سے فراغت ہوئی۔ تخصص کے لیے داخلے کا وہیں ارادہ تھا۔ شوال میں امتحان کی تیاری کرتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''اصول دین'' دیکھی، اس میں سے تعریفات یاد کیں تاکہ امتحان میں کام آئیں۔ جامعہ فاروقیہ میں امتحان دیا مگر تقدیر سے نام نہ آیا۔ اتنے میں ''اسلام اخبار'' میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے تخصص کا اشتہار دیکھا۔ نمبر پر رابطہ کیا غالباً حضرت مفتی رفیق صاحب نے فون اٹھایا اور فرمایا کہ ہمارے ہاں داخلے تو بند ہو گئے ہیں اب تو پڑھائی جاری ہے (یہ بات تقریباً بیس شوال کی تھی) بہرحال آپ آجائیں دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ وہاں سے بندہ روانہ ہوا اور اگلے روز ظہر کے قریب الہلال مسجد پہنچ گیا۔ یہ لاہور کا میرا پہلا سفر تھا۔ یہاں مفتی عبداللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا آج تو چھٹی ہو گئی ہے۔ اب ہفتے کو اگلی کاروائی ہوگی۔

تخصص میں داخلہ

ہفتے والے دن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ گیارہ بجے کے قریب تشریف لائے۔ حضرت رحمہ للہ کی شہرت اور سراپے میں زیادہ مطابقت معلوم نہ ہوئی۔ ڈاکٹر بھی اور مفتی بھی مگر اتنے سادہ اور بے تکلف۔ خیر! حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا: ہاں بھائی! اتنی دیر سے کیوں آرہے ہو؟ بندہ نے عرض کیا: کہ ابھی کراچی میں تو صرف ایک آدھ مدرسہ کا امتحان ہوا ہے ورنہ دوسرے مدرسوں میں دیر سے داخلے ہوتے ہیں۔ یہاں کی ترتیب کا علم نہیں تھا اس لیے دیر ہوئی۔ بہرحال حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کچھ جائزہ لیا، ''شامی'' کی عبارت سنی اور چند اصولی سوالات کیے۔ کچھ جائزہ حضرت مفتی رفیق صاحب نے لیا۔ مفتی رفیق صاحب کی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے مشاورت کے بعد مناسب قرار دے کر داخلہ دے دیا گیا۔ اور پھر پڑھائی میں شریک ہو گیا۔ یہ سال ''حجۃ اللہ'' اور ''موافقات'' کا تھا۔ دونوں کتابیں حضرت رحمہ اللہ سے ہی پڑھیں اور ''شامی'' کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اگلے سال ''اصول بزدوی'' اور ''مسلم الثبوت'' تھی۔ اس سال میں مفتی شعیب صاحب، مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور مفتی رضا علی جعفری صاحب وغیرہ حضرات بھی شریک درس ہو گئے۔

سال سوم میں اختصاصی مطالعہ

دوسال کے امتحان کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے سال سوم (جو کہ اختیاری تھا اس) میں بندہ کے ذمے لگایا کہ آپ ''سنت وبدعت'' کے موضوع پر مطالعہ کرواور کام کرو۔ چنانچہ تین کتابیں تجویز فرمائیں کہ ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرو:

۱۔ المدخل لابن الحاج: ابن الحاج ایک مالکی فقیہ وصوفی ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کی رائج رسومات و بدعات کو واضح کیا ہے۔

۲۔ الاعتصام للشاطبی: علامہ شاطبی بھی مالکی فقیہ، اصولی، ادیب اور محقق ہیں۔ تصوف سے بھی شناسا ہیں۔ ان کی یہ کتاب بھی سنت وبدعت کے موضوع پر بے نظیر اور مرجعیت کی حامل کتاب ہے۔

۳۔ براہین قاطعہ: یہ حنفی محدث وفقیہ اور صوفی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے۔ جو انہوں نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمہ اللہ کے ایماء ومنشاء پر لکھی تھی۔ اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے مکاتبت میں فرمایا تھا:

''جو آدمی اس کتاب کو پڑھ لے گا اسے باب بدعات میں تشفی حاصل ہو جائے گی۔''

بنیادی طور سے تو یہ تین کتابیں ہی تھیں اس کے ساتھ کئی دیگر کتابوں کے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ جیسے ''راہِ سنت'' مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، ''سنت و بدعت'' مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ۔ سال کے دوران وقتاً فوقتاً حضرت کارگذاری لیتے رہتے تھے۔ سال کے آخر میں حضرت نے اپنے حاصل مطالعہ کو سپرد قلم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک ضخیم مضمون لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت نے دقت نظر سے سارا مضمون ملاحظہ فرمایا اور کئی جگہوں پر سوالات اٹھائے اور کئی مقامات کی تحسین بھی فرمائی۔

حقیقت بینی اور قدر دانی:

بندہ کی لکھائی اگرچہ صاف تھی مگر پشتو زبان کی وجہ سے تذکیر وتانیث کے حوالے سے اونچ نیچ ہو جاتی تھی اور تعبیر میں بھی بہت سلاست نہ تھی، مگر پھر بھی حضرت رحمہ اللہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور قدر دانی فرماتے تھے۔ چنانچہ تحریری امتحانات میں محض اس وجہ سے نمبر نہیں کاٹے۔ اسی وجہ سے بحمد اللہ امتحانات میں پہلی دوسری پوزیشن آتی رہی۔

سال چہارم ۲۰۰۹ء میں بندہ کا تقرر دارالافتاء میں معاون کے طور پر ہو گیا۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے زیر سایہ کام شروع کر دیا۔

اعترافِ اوصاف:

ہمارے رفقاء میں سے سب سے پہلے جس کے نام کے ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''مفتی'' کا لفظ لکھا وہ

بندہ ہی تھا۔ جس پر رفقاء مبارکباد دینے لگے بلکہ کچھ کھلانے کا تقاضا کرنے لگے کیونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی عادت یہ تھی کہ ایسے الفاظ رسماً استعمال نہ فرماتے تھے۔

ایک دفعہ بندہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک مضمون توقع سے جلد کمپوز کر کے حضرت رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا تو فرمایا: ''ماشاء اللہ آپ تو (کمپوزنگ میں بھی) ایکسپرٹ ہو گئے۔''

اعتماد کا اظہار

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جب اسباق رفقاء کے حوالے فرمائے تو بندہ کو ''سراجی'' اور پھر ''الاشباہ والنظائر'' پڑھانے کی خدمت سپرد فرمائی۔ ۲۰۱۶ء میں جب اختصاص کا شعبہ قائم فرمایا تو تقسیم موضوعات میں بندہ کے ذمے ''عبادات'' کا شعبہ لگایا۔ جب فتویٰ نویسی رفقاء دارالافتاء کے حوالے فرمائی تو میراث کے مسائل (بالخصوص مناسخہ وغیرہ) کے مسائل پر بندہ کے دستخط کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ اب بھی رفقاء میں سے (مفتی عبداللہ صاحب، مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور بندہ میں سے) دو حضرات کے دستخط سے ایسا فتویٰ جاری ہوتا ہے۔

یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی ذرہ نوازی اور اعتماد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فتوی کے کام کے ساتھ ساتھ بندہ نے اپنے شوق سے کمپوزنگ بھی سیکھ لی بلکہ عملاً کرنے بھی لگا۔ چنانچہ کئی سال تک دارالافتاء کے فتاویٰ کمپوز کیے اور ریکارڈ رکھا۔ اس کی بدولت بحمد اللہ اب دارالافتاء کا تمام ریکارڈ کمپوزڈ ہے اور سرچ ایبل ہے **فلله الحمد و له المنة**

وسعتِ ظرفی

ایک وقت میں بندہ کو اپنے علاقہ میں ایک کالج سے تدریس کی پیشکش ہوئی۔ بندہ احباب کی ترغیب پر یہاں سے استعفیٰ دے کر چلا گیا۔ مگر نیرنگی تقدیر کہ کچھ ہی عرصے بعد وہ ادارہ بند ہو گیا۔ بندہ واپس آیا تو اہل ادارہ نے خندہ پیشانی سے دوبارہ تقرر فرمالیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بھی بلا تامل قبول فرمالیا۔ یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی فراخ دلی اور عمدہ اخلاق کی نشانی ہے ورنہ کہہ سکتے تھے کہ جب ہمیں چھوڑ کر گئے ہو تو اب جاؤ، دھکے کھاؤ۔ جزاہ اللہ خیراً

متفرقات

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ایک عجیب اور قابل رشک خصوصیت یہ تھی کہ وہ باوجود گوشہ نشین ہونے کے اور زیادہ اختلاط واستخبار نہ ہونے کے حالات حاضرہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور ان کے متعلق بڑی برمحل اور صائب رائے رکھتے تھے۔

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ خاموش رہتے ہوئے اپنے ماحول پر بھی اور اپنے تلامذہ و

رفقاء پر بھی نظر رکھا کرتے تھے۔

o ایک دفعہ بندہ نے کسی استفتاء کے جواب میں کوئی احتمال ذکر کیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ احتمال کہاں سے پیدا ہوا''۔ پھر ہاتھ سے صفر کا نشان بناتے ہوئے فرمایا: ''**مولوی صاحب! احتمال ناشی عن غیر دلیل کی ویلیو صفر ہوتی ہے صفر**''۔

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت میں شدت اور سختی نہ تھی مگر وقار اور رعب تھا۔ چنانچہ جب حضرت رحمہ اللہ نام لے کر بلاتے اگرچہ بلانے کا مقصد معلوم ہوتا تھا مگر پھر بھی دل دھڑکنے لگتا تھا اور چہرے کے رنگ میں بھی فرق پڑ جاتا تھا کہ نجانے کیا بات ہوگئی ہے جس کے لیے طلبی ہوگئی ہے۔

o حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کبھی کبھار بندہ کے لیے مفتی عبداللہ صاحب کے ہاتھوں کوئی کھانے پینے کی چیز (کیک وغیرہ) بھی بھیج دیتے تھے۔ یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی ذرہ نوازی اور کرم فرمائی تھی۔

o جب بندہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی پہلی کتاب کمپوز کی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مفتی عبداللہ صاحب کے ہاتھوں کچھ پیسے بھیجے۔ بندہ نے یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ میں نے اس نیت سے کام نہیں کیا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہمیں معلوم ہے اس نیت سے نہیں کیا تھا لیکن جو نعمت مل جائے اسے لے لیں۔''

.....☆☆☆.....

استاذِ کامل

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

یکم مارچ ۲۰۲۰ء بروز اتوار صفہ ٹرسٹ لاہور کے زیر اہتمام ''فقیہ العصر حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ'' کے عنوان سے حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی اور حضرت مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں سیمینار منعقد ہوا۔ بندہ نے سیمینار میں درج ذیل مضمون پڑھا۔ کچھ اضافوں کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

اجمالی تعارف

ہمارے استاد مکرم فقیہ النفس، ترجمان حق، مفتی اعظم، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ عصر حاضر کی ایک عبقری (Genius) شخصیت تھے۔ حضرت علم الابدان یعنی میڈیکل سائنس کی مہارت کے ساتھ ساتھ علم الادیان پر کامل دسترس کی وجہ سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے برصغیر میں ایک عدیم النظیر فقیہ تھے۔ عصری علوم، حالات حاضرہ، معاشیات وسیاسیات پر عمیق نظر اور علوم شریعت کے رسوخ نے ایک نہایت متوازن اور وسیع سوچ کا حامل پیکر تشکیل دیا تھا۔ علم وعمل کے تطابق اور کردار وگفتار کی یکسانیت کی وجہ سے وہ بجا طور پر عالم ربانی کے لقب کے مستحق تھے۔ وسیع مطالعہ کے حامل تو بہت سے لوگ ہوں گے مگر حضرت ڈاکٹر صاحب کی خصوصیت علم کی گہرائی اور رسوخ تھا، حضرت کے ہاں تصورات بہت واضح تھے۔ گویا حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا اظہر من الشمس تھا، اور علم کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ بحر علم کی جس سطح کو چھو کر بڑے بڑے غوطہ خور واپس پلٹ آتے تھے حضرت اس سے بھی کہیں نیچے جا کر گہر نایاب لاتے تھے۔ تواضع اور حلم رفتار وگفتار سے ٹپکتے تھے، معاملہ فہمی، باریک بینی، حقیقت شناسی اور حقیقت نمائی میں اپنی مثال آپ تھے۔ دنیا پر نظر رکھنے کے باوجود زہد فی الدنیا اور قناعت کے اوصاف سے مزین تھے۔

مذکورہ ان گنت باطنی اوصاف کے ساتھ ساتھ میانے قد، معتدل جسم، جھکے شانوں، متین صورت، دھیمی چال، عقابی نظروں، ستواں ناک، اور نور تقوی سے چمکتے چہرے نے ایک بہت جاذب سراپا تشکیل دیا تھا، جس میں جمال وکمال

دونوں ہی جلوہ گر نظر آتے تھے۔

جامعیت

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت میں کثیر الجہاتی اور جامعیت تھی:

1۔ تن تنہا بغیر کسی خاص قابل ذکر جماعت یا معاونت کے ایک بڑے ادارے کا دارالافتاء برسہا برس تک سنبھالا اور ہر فتوی مکمل ذمہ داری کے ساتھ لکھا۔ خود نوشت فتاوی کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہوگی۔

2۔ پھر اسی دوران فہم دین کورس کے نام سے ذی فہم طبقہ کے لئے ٹھوس اور وافر علمی مواد پر مشتمل ایک کورس لکھا اور چلایا۔ یہ کورس بھی کئی ضخیم کتابوں پر مشتمل ہے۔

3۔ متعدد فقہی اور علمی موضوعات پر نہ صرف مضامین (Research papers) لکھے بلکہ ضخیم کتابیں سپرد قلم کیں۔

4۔ پھر اس دوران اسلام کی تعبیر وتشریح کی سرحدوں پر بھی کڑی نظر رکھی اسلام کی باڑ کو نقصان پہنچانے والے ہر فتنہ پرور کے فتنے سے آگاہی فراہم کی اور ایک بڑی جماعت کے برابر کام کیا۔

5۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ تخصص کے عنوان سے افراد سازی کا کام سنبھالا اور ایک طویل عرصہ (یعنی ۲۰۱۳ء تک) تن تنہا تخصص کے اسباق پڑھائے اور مکمل تیاری اور مطالعے کے ساتھ پڑھائے۔

6۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنے معاش کے لیے کسی مدرسے سے پائی، پیسہ بھی نہ لیا اور نہ ہی اپنی کتابوں سے کسی قسم کی مالی منفعت حاصل کی۔ بلکہ اپنی ڈیوٹی دے کر معاش کے فریضے سے سبکدوش ہوئے۔

7۔ اتنی علمی وعملی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کو خود پڑھایا اور ان کی تعلیم وتربیت کی بڑی باریک بینی سے نگرانی کی۔

8۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اتنی علمی مصروفیات کے ہوتے ہوئے اپنے خاندان، برادری اور محلّہ داری سے کٹ کر الگ تھلگ گوشہ نشینی بھی نہیں رکھی بلکہ واجب حد تک اس ذمہ داری کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ **فللہ درہ**

حضرت کی زندگی میں اس جامعیت اور کثیر الجہاتی کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے ''**ان ابراھیم کا ن امة قانتا للہ حنیفا**''۔ بلاشبہ حضرت ڈاکٹر صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن اور فرد میں ایک جماعت تھے، ان جہات میں سے ایک ایک جہت ایک مفصل مضمون کی متقاضی ہے۔ فی الوقت بندہ حضرت کی زندگی کی ایک جہت کو اپنی گفتگو کا محور بنانا چاہتا ہے اور وہ ہے:

حضرت بحیثیت ایک استاد

کیونکہ بندہ کا تعلق حضرت سے تلمذ کا ہے، حضرت کی زندگی کے اس پہلو کو مجھ سے بہت اچھے طریقے سے سمجھنے اور

بیان کرنے والے موجود ہیں مگر ''الامر فوق الادب'' جو کچھ بھی ہے انہی کی نمائندگی میں کر رہا ہوں ع

زبان میری ہے بات ان کی

آمدم برسر مطلب!

اہل علم کچھ نقوش کاغذ پر چھوڑتے ہیں جبکہ کچھ نقوش وہ صفحہ ہستی پر مرتسم کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے نقوش کے لیے قلم اور روشنائی واسطہ ہوتے ہیں جبکہ دوسری قسم کے نقوش کے لیے اپنی ذات قلم اور خون جگر روشنائی ہوتی ہے۔ پہلی قسم کے نقوش کو کتابیں اور دوسری قسم کے نقوش کو تلامذہ کہا جاتا ہے۔

استاد کیا ہے؟

o استاد وہ ہستی ہے جو اپنی ہر چیز سے حتیٰ کہ حقیقی اولاد سے بھی زیادہ اپنے شاگردوں کو عزیز رکھتا ہے کیوں کہ اولاد اس کے جسم کی جانشین اور مال دنیا کی وارث ہے جبکہ شاگرد استاد کی ذات یعنی اس کی روح اور فکر کا وارث ہوتا ہے شاگرد اس درد کا محافظ ہوتا ہے، اس کرب کو سنبھالنے والا ہوتا ہے جو استاد کے سینے میں ہوتا ہے، شاگرد اس جذبے کو اپنے سینے میں اس طرح اتار لیتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو اس شاگرد میں استاد نظر آنے لگتا ہے۔

o استاد وہ ہستی ہے جو اپنی گردن پر پاؤں رکھوا کر بھی شاگرد کو آگے بڑھا دیتی ہے، اور شاگرد کی ترقی سے باغ باغ ہوتی ہے۔

o استاد وہ ہستی ہے جو شاگرد کا بوجھ بھی اپنے سر لیتی ہے۔

o استاد وہ ہستی ہے جو شاگرد سے پہلے پانی میں اتر کر اس کی گہرائی ماپتی ہے اور پھر شاگرد کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔

o استاد علم کے وہ گوشے اور حقائق دکھاتا ہے جو کتابوں میں نہیں ہوتے۔

o استاد وہ ہستی ہے جو اپنا تجربہ شاگرد کو عطا کرتی ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ استاد صرف حروف و نقوش نہیں پڑھاتا بلکہ اپنا آپ دکھاتا اور سمجھاتا ہے۔

o استاد صرف الفاظ سے نہیں بلکہ معانی اور حقائق سے آشنا کرتا ہے۔

بندے کا تلمذ

حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنی عنایت سے حضرت کی خدمت میں تقریباً ۱۴ سال کا عرصہ رہنے کا شرف بخشا۔

۲۰۰۵ء میں جامعہ مدنیہ میں بیضاوی شریف سے اس تلمذ کی ابتدا ہوئی۔

۲۰۰۶ء میں دورہ حدیث شریف کے لیے حضرت کی دعاؤں اور اجازت سے دارالعلوم کراچی جانا ہوا۔

۲۰۰۷ء سے تخصص میں داخلہ لیا، اور حضرت سے نصاب تخصص ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''الموافقات للشاطبی''، ''مسلم الثبوت''، ''اصول بزدوی''، ''شرح عقود رسم المفتی''، اور اضافی مضامین میں سے ''جینیاتی سائنس''، ''فلکیات جدیدہ'' اور

معاشیات کے باضابطہ اسباق پڑھے۔اس کے علاوہ جن چیزوں کا بے ضابطہ مرور ومطالعہ ہوا ان کی ایک طویل فہرست ہے۔

۲۰۰۹ء میں ایک سال حضرت رحمہ اللہ کے اشراف میں اصول فقہ کا اختصاصی مطالعہ کیا اور چند مضامین لکھے۔اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ کے زیر سایہ فتوی نویسی کی۔

۲۰۱۳ء میں حضرت رحمہ اللہ نے فتوے کی ذمہ داری رفقائے دارالافتاء کو سونپی، جن میں بندہ کو بھی شامل فرمایا۔

۲۰۱۶ء میں تخصص کے اسباق رفقائے دارالافتاء کے حوالے کیے جن میں سے دو سبق (حجۃ اللہ البالغہ، مسلم الثبوت) بندہ کے ذمے لگائے۔

۲۰۱۷ء میں اختصاص کا شعبہ قائم ہوا تو بندے کا تقرر معاشیات اور سیاسیات کے شعبے میں بطور نگران فرمایا۔

تاثرات

ان ۱۳، ۱۴ سالوں میں حضرت رحمہ اللہ کو بہت قریب سے مختلف مواقع پر مختلف احوال میں دیکھنے کا موقع ملا۔ بندے کے مشاہدے میں آنے والی چند خصوصیات یا عقیدت کے چند موتی پیش خدمت ہیں:

بلند نگاہی

حضرت رحمہ اللہ کے مزاج اور نصب العین میں بلند نگاہی تھی، رسمی علم یا سطحی معلومات پر قناعت کے روادار نہ تھے بلکہ عمیق اور راسخ علم کے طالب تھے خود بھی اسی صفت سے متصف تھے اور اپنے تلامذہ میں بھی اسی معیار کے خواہاں اور اسی کے لیے کوشاں تھے۔فرماتے تھے علم اس سطح تک حاصل کیا جائے کہ انسان اس علم میں مرجع بن جائے، اس علم کے اصول اس کی گرفت میں ہوں اور مستحضر ہوں۔اس لئے حضرت رحمہ اللہ کے ہاں تعلیم کا معیار بھی سخت تھا، نصاب میں بھی کتابیں اعلی سطح کی تھیں، طالبعلم سے محنت اور یکسوئی کا بھرپور تقاضا فرماتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ سوائے عیدین کے تم چوبیس گھنٹے کے لئے ہمارے پابند ہو، تخصص میں داخلے کے لیے امتحان بھی کڑا لیتے تھے، اس میں تسامح اور تساہل کے روادار نہ تھے۔فرماتے تھے: ''تھوڑے ہوں کام کے ہوں۔'' معیار کی بلندی کا شاید اثر تھا کہ دورے کے طلباء کی سند پر دستخط نہ فرماتے تھے۔ہمارے تخصص کے دوران ایک دفعہ فرمایا:

> ''آجکل تخصص تکمیل کے لئے کرتے ہیں بس کچھ چیزیں سراجی وغیرہ پڑھا دیں، ہمارے ہاں یہ نہیں ہے، اگر ہمارے نصاب میں نہیں چل سکتے تو چھوڑ دو، یہ تکمیل کیا ہوئی۔ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ ہمارے ہاں وہ طریقہ نہیں کہ استفتاء دیدیا اور کہہ دیا کہ ڈھونڈ کے جواب لکھو، وہ تو ویسے بھی تم کہیں سے لے آؤ گے۔آخر تم عالم ہو اردو فتاوی سے اور اردو کتابوں سے جواب لکھ دو گے۔تخصص کئے بغیر ۹۰ فیصد سوالات کے جوابات تم لکھ سکتے ہو مگر ہمارا مقصد استعداد اور تفقہ پیدا کرنا ہے، اس لئے ہمارے ہاں اسباق تو پڑھائے جاتے ہیں، مشق (تمرین) زیادہ نہیں کروائی جاتی۔آخر میں تھوڑی بہت کروادی جاتی ہے۔''

تعاون:

حضرت رحمہ اللہ طالبعلم کی تحقیق اور محنت میں اس کے ہمراہ چلتے بلکہ اسے اپنے ہمراہ چلاتے تھے یہ نہیں کہ طالبعلم تو محنت کررہا ہے اور وہ کچھ بن رہا ہے مگر استاد اسی سطح پر کھڑا ہے جہاں پہلے تھا نہیں، بلکہ شاگرد کے برابر بلکہ اس سے زیادہ وہ خود بھی محنت کرتے تھے، ایک ایک اشکال کو حل کرتے تھے، مطالعہ کئے بغیر سبق نہ پڑھاتے تھے، جس دن مطالعہ نہ ہوتا فرمادیتے کہ آج مطالعہ نہیں کیا، کچھ اور دیکھ لو۔ عام طور سے علم و تحقیق کی دنیا اور جامعات میں اشراف (Supervision) کا مطلب صرف اشراف ہی ہوتا ہے، حضرت کا مزاج یہ نہ تھا بلکہ خود بھی طالب علم سے زیادہ اس مسئلے یا موضوع کی گہرائی میں جاتے تھے۔

خوردنوازی

حضرت رحمہ اللہ اتنے بڑے فقیہ اور مفکر عالم تھے مگر برگد بننے کے روادار نہ تھے، اپنے تلامذہ کو آگے بڑھانے کی فکر رہتی تھی، تلامذہ سے کام لیتے تھے، ہمت بندھاتے تھے، کام ذمے لگا کر تشجیع فرماتے تھے، کیے ہوئے کام پر خواہ وہ جیسا بھی کیا ہو حوصلہ افزائی فرماتے تھے، فقہی مناقشے اور مباحثے کے دوران ہم جیسے ابتدائی سالوں کے طلبا سے بھی رائے مانگتے تھے ،جس سے حوصلہ پیدا ہوتا تھا، اپنی قائم کردہ رائے پر نقد کا مطالبہ کرتے تھے کہ اس پر تنقید کرو۔ فرماتے تھے:

''محض استاد ہونے کی وجہ سے ہماری رائے سے اتفاق نہ کرو ورنہ تم مجرم ہو، ہاں اگر دلیل سے اتفاق ہے تو کرو، اختلاف ہو تو کرو اور ضرور کرو، مگر دلیل کے ساتھ''

اختلاف کو خندہ پیشانی سے لیتے تھے، طلبہ کے سوالات سے اکتاتے نہ تھے۔ طلبہ تخصص اور رفقائے دارالافتاء سے فرماتے تھے کہ تمہارا مسئلہ ہم تمہیں نہیں بتائیں گے بلکہ تم خود دیکھو ہم تصدیق کردیں گے، ہم رفقاء اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو پہلے ہم سے رائے مانگتے کہ ''تمہاری کیا رائے ہے؟'' پھر اس کی یا تو تصدیق فرماتے یا تردید یا تفصیل فرماتے ،اس طرز عمل سے تلامذہ میں خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی ہے اور سلامت روی بھی، ورنہ یا تو خود اعتمادی نہیں ہوتی یا کج روی ہو جاتی ہے۔ طلبہ میں تحقیق کا مزاج پروان چڑھاتے تھے اور دلیل کی طلب و تلاش پر زور دیتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا:

''او مولوی صاحب! یہ خوش فہمی اور خوش اعتقادی کی باتیں چھوڑ دو، یہاں دلیل سے بات کرو فلاں نے یہ کہہ دیا فلاں نے یوں لکھا ہے یہ (خالص فقہی مسائل میں) کچھ حجت نہیں، دلیل حجت ہے۔ تحقیق کرو، خود تحقیق کرو۔ لیکن تحقیق کا مطلب یہ نہیں کہ خود سر ہو جاؤ۔ اپنے دائرے اور حدود میں رہ کر ہر چیز کی تحقیق کی عادت ڈالو اور ایک دم سے یہ عادت نہیں پڑتی، ہاں آہستہ آہستہ پڑ جاتی ہے۔''

تحقیقی مزاج بنانے میں بھی اعتدال فکر ملحوظ رہتی تھی۔ چاہتے تھے کہ طالبعلم نہ جامد محض رہے کہ کچھ اپنی سوچ اور رائے

ہی نہ رکھتا ہو اور نہ جری مجتہد بننے کی کوشش کرے جیسے متجد د (Modernist) ہوتے ہیں۔ بلکہ چاہتے تھے کہ طالب علم محقق و متبحر بنے مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے بڑوں کا ادب بھی ملحوظ رکھے۔ ایک دفعہ ایک پرچی لکھی جس میں یہ لکھا:

''ہمارے منہ سے اگر بزرگوں کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نکلی ہو تو اسے کالعدم سمجھا جائے۔ اللہ بے ادبی سے محفوظ رکھے۔''

قرب و موانست:

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت میں خداداد وقار تھا جو قریب بہ رعب ہو جاتا تھا مگر یہ وقار استاد و شاگرد کے درمیان فاصلہ نہ بنتا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے اور تلامذہ کے درمیان ادب کی ایسی دیوار حائل نہ کی جو استفادے اور افادے میں رکاوٹ ہو۔ طبیعت میں زیادہ بے تکلفی اور ہنسی مزاح تو نہ تھا لیکن استفادے میں کوئی حسی یا معنوی رکاوٹ بھی نہ تھی جب بھی چاہا جو بھی چاہا، پوچھا اور اطمینان بخش جواب پایا، بسا اوقات سوال کی بھی اصلاح فرماتے تھے کہ یہ بھی مجیب کا فرض ہوتا ہے مگر جواب بہر حال عنایت فرماتے تھے۔ زبانی بھی پوچھا، جواب ملا تحریری استفسار کیا جواب پایا اور ایسا تسلی بخش جواب پایا جس سے نہ صرف اشکال حل ہوا بلکہ تشفی بھی ملی۔ سوال کرنے کی حوصلہ افزائی تھی اور بہت زیادہ تھی۔ ''یہ بات بھلا پوچھنے کی ہے'' ''یہ سوال کرنے کا ہے''، ''کیا فضول سوال کر رہے ہو'' اس قسم کے حوصلہ شکن جملے نہ بولتے تھے، بلکہ ہر معقول سوال کو خندہ پیشانی سے سنتے اور جواب مرحمت فرماتے اگر فی الفور جواب نہ ہوتا تو مراجعت کے بعد بتاتے۔ خوامخواہ بات بنانے کی کوشش نہ ہوتی تھی۔

استاد شاگرد کی باہمی قرب و انسیت کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے لئے انبساط اور بے تکلفی کا ماحول بذریعہ خوش طبعی بھی رکھا کرتے تھے تاکہ حد سے زیادہ وقار رکاوٹ نہ بنے۔ ایسے علمی مزاج اور اتنی عمر کے ہوتے ہوئے اتنا نیچے اترنا بھی ایک کمال ہی تھا!!

انداز تدریس

حضرت رحمہ اللہ کا انداز تدریس بھی عام روش کی طرح تقلید والا نہ تھا کہ جس میں استاد رٹی رٹائی لمبی چوڑی تقریر کر دیتا ہے بلکہ کوشش ہوتی تھی کہ طالب علم خود مطالعہ کرے، عبارت پڑھے، ترجمہ کرے اور مطلب بیان کرے۔ بس جہاں ضرورت ہو استاد بولے۔ سبق کی تقریر از حد مختصر ہوتی تھی بڑے بڑے طویل اور معرکۃ الآراء مسائل کو چند جملوں میں بہت غیر معمولی انداز میں سمیٹ کر بیان فرما دیتے تھے۔ ع

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

کتابوں کی ابتداء وانتہاء میں رسمیات کی پابندی نہ تھی۔ رؤس ثمانیہ وغیرہ جیسی ابحاث نہ کرتے تھے۔ مقصودی بات سے شروع فرماتے۔ گویا مغز پسند تھے اور طلبہ کو بھی مغز پسندی کی عادت ڈالتے تھے۔

دوران درس بجائے اپنی علمی دھاک بٹھانے کے مسائل کے مراجع اور مآخذ کی طرف متوجہ فرماتے تھے تاکہ طالب علم ہمیشہ استاد کا دست نگر نہ رہے بلکہ خود کفیل بنے اور آگے بنانے والا بنے۔

مردم شناسی:

حضرت رحمہ اللہ کا طلباء سے تعلق اخلاص وللّٰہیت کا تھا ذاتی تعلق نہ تھا کیونکہ حضرت نہ تو طلباء سے کسی قسم کی خدمت لیتے تھے اور نہ کسی مالی منفعت کی توقع دور دور تک تھی اس لیے طالب علم کی ذاتی زندگی سے زیادہ دلچسپی نہ ہوتی تھی کہ اس کا گھر کہاں ہے خاندان کہاں ہے کیسا ہے وغیرہ وغیرہ البتہ خود طالب علم کی دلچسپیوں پر اور رجحانات ومیلانات پر گہری نظر رکھتے تھے اور باریک بینی سے اس کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ طلباء کے سوالات سے ان کی دلچسپیوں کا اندازہ لگاتے تھے اور اس کے مطابق ان کے بارے میں رائے قائم فرماتے تھے پھر ضرورت کے موقع پر اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ ہمارے ایک رفیق مفتی عبدالرحمٰن صاحب دوران تخصص عقیدے کے سوالات زیادہ کرتے تھے اس لیے انہیں اختصاصی مطالعہ بھی عقائد کا کروایا جبکہ بندہ کی اصول میں دلچسپی دیکھتے ہوئے اصول فقہ کا مطالعہ کروایا۔

نظریاتی تربیت:

حضرت رحمہ اللہ کے ہاں علم برائے علم نہ تھا بلکہ اپنے طلبا کی نظریاتی وفکری تربیت اور عقائد کی درستگی کا بھی اہتمام تھا چنانچہ بڑے غیر محسوس طریقے سے عقائد اور نظریات کی اصلاح فرماتے تھے جس میں یقیناً حضرت رحمہ اللہ کی دعاؤں اور توجہات کا بھی حصہ ہوتا ہوگا۔ ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم میں ایک سمجھدار طالبعلم دورہ حدیث تک پہنچتے پہنچتے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا ذہن ظاہرِ حدیث اور حنفیت اسی طرح عصر حاضر کے تقاضوں کے ہوّوں اور جمہور امت کی متصلبانہ تعبیر کے حوالے سے کئی سوالات بلکہ اشکالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ہمارا ذہن بھی کچھ ایسا ہی تھا لیکن حضرت رحمہ اللہ کے ہاں تخصص کی برکت سے نظریات میں لاشعوری تبدیلی بلکہ اصلاح ہوئی، اشکالات کی جڑیں کٹیں اور اہلسنت والجماعت کے دین فہمی کے منہج پر انشراح واطمینان نصیب ہوا۔ میں اسے ذاتی طور پر اپنے اوپر حضرت رحمہ اللہ کا بہت بڑا احسان اور کرامت سمجھتا ہوں۔ یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک استاد خود انشراح صدر سے متصف نہ ہو اور اس کا اللہ سے تعلق نہ ہو۔

حضرت رحمہ اللہ کے مزاج میں مروت بہت تھی مگر یہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے تابع تھی اگر کسی طالب علم کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ اہل سنت سے ہٹ کر نظریات رکھتا ہے اور اصلاح سے بھی مایوسی ہے بلکہ اپنے نظریات میں جامد ہو چکا ہے تو حضرت اسے اپنے تلمذ کا شرف نہ بخشتے تھے اپنی درسگاہ میں بھی آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ یہ تلمیذ

سے بیزاری نہیں تھی بلکہ اس کی فکری، نظری تربیت کا ہی ایک ڈھنگ تھا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جانب سے جہم بن صفوان کے لیے ''اخرج عنی یا کافر'' یا واصل بن عطا کے لیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی جانب سے ''اعتزل عنا'' کا نمونہ تھا۔

اپنے سر پر بوجھ لینا:

حضرت رحمہ اللہ کی ایک عادتِ کریمانہ یہ تھی کہ کام کا بوجھ ہر صورت طالب علم پر نہ ڈالتے تھے بلکہ اپنے سر لے لیا کرتے تھے جن سوالات کے جواب سے ہمارے رفقاء عاجز آ جاتے تھے حضرت رحمہ اللہ فرماتے: مجھے دے دو، مستفتیوں کی جانب سے ہاتھ کی لکھی ہوئی لمبی لمبی بے ربط تحریرات ہوتی تھیں مگر حضرت رحمہ اللہ اسے ساتھ لے جاتے، ان کو تفصیل سے پڑھتے اور ان کا جواب لکھ کر لاتے۔ کسی طالبعلم نے کوئی بے کار سے بے کار تحریر بھی دے دی تو اسے بھی مکمل سنجیدگی سے دیکھتے اور پھر اصلاح فرماتے اور اسے عنایت فرماتے تھے۔ طالب علم سے کام کروانے کے لیے ہر طریقہ سے حوصلہ بندھاتے تھے مگر بہت زیادہ اصرار نہ تھا اگر دیکھا کہ طالب علم خود کام نہیں کر پا رہا یا دلچسپی نہیں رکھ رہا تو بغیر کسی ملامت اور طعن وتشنیع کے خاموشی سے وہ کام خود کر لیتے۔ یہ صرف ایک دو مضمون کی بات نہیں بلکہ بڑی بڑی کتابوں میں بھی ایسی صورت حال پیش آئی جیسے ''صفات متشابہات'' اور ''اسلامی صکوک'' وغیرہ۔

اپنے مزاج و مذاق کا پابند نہ بنانا:

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں ایک بات بہت باریک بینی سے نظر آئی کہ حدود شرعیہ کی رعایت تو حضرت رحمہ اللہ بجا طور پر اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور اس ذمہ داری کو نبھاتے بھی تھے، لیکن اپنے مزاج و مذاق کا پابند نہ بناتے تھے۔ نہ اپنے مزاج کو ایسے طریقے سے بیان کرتے تھے کہ طلباء اس سے متاثر ہو کر از خود اپنائیں۔ ہاں کسی نے از خود نوٹ کر لیا اور کسی ذوقی بات کو اپنا لیا تو اپنا لیا مگر حضرت رحمہ اللہ کی جانب سے صراحتاً یا اشارتاً اس کا تقاضا نہ ہوتا تھا۔

بے طلب پر وقت ضائع نہ کرنا

حضرت رحمہ اللہ کے پیشِ نظر علمی معیار بلند تھا اور ایسے معیار کے لیے وہی طالب علم موزوں ہوتا ہے جو مارے باندھے کے نہ پڑھ رہا ہو بلکہ اپنے شوق سے علم کی تحصیل میں لگا ہو۔ باصلاحیت طالب علم اگر شوق نہ رکھتا ہو تو مارے باندھے سے اسے پڑھا دینے سے اس میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے بلکہ گذارا ہی ہوتا ہے۔ شوق رکھنے والے طالب علم سے حضرت خوب کام لیتے تھے اور اس کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ مگر بے طلب کے پیچھے نہ پھرتے تھے بلکہ اس سلسلے میں فرماتے تھے:

''اگر مجھے کسی بے طلب کے پیچھے طلب پیدا کرنے کے لیے پھرنا پڑا تو میں عوام کے پیچھے پھروں گا اور انہیں فرض

درجے کی تعلیم (کلمہ، نماز وغیرہ) کی ترغیب دوں گا۔ طلبہ کے پیچھے مستحب درجے کی تعلیم کے لیے کیوں پھروں؟''

یہ بظاہر بے نیازی تھی مگر حقیقت میں بڑے لطیف پیرائے میں طلبہ کے اندر احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے کا کچوکا تھا کہ بے چارے اساتذہ اور والدین تشویق وتحریض اور ترغیب وترہیب کا کام کب تک کرتے رہیں گے۔ بچپنے کی باتیں کب نکلیں گی۔ ع

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حالِ طفلی نگشت

حضرت رحمہ اللہ نے خود نہایت سنجیدگی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کیا تھا اور اس کے فوائد محسوس کیے تھے اس لیے بجا طور پر طلبہ سے یہ توقع باندھتے تھے۔

اس ظاہری شانِ بے نیازی کا ایک مظہر یہ تھا کہ درس نظامی کے اسباق میں حضرت رحمہ اللہ جماعت میں حاضری نہ لگاتے تھے اور نہ ہی کسی کے نہ آنے پر دارو گیر فرماتے تھے۔ جو اپنے شوق سے پڑھتا تھا اسے شوق سے پڑھاتے تھے۔ جامعہ مدنیہ میں ''بیضاوی'' میں سال کے اکثر حصہ میں بیس پچیس طلبہ کی جماعت میں سے صرف بندہ ہی حاضر خدمت ہوتا تھا۔ باقی کسی کا کبھی پوچھا تک نہیں کہ کہاں ہیں؟ کیوں نہیں آئے؟ انہیں بلاؤ وغیرہ کبھی نہیں فرمایا۔ حضرت رحمہ اللہ کے اسی مزاج کی وجہ سے تعلیم میں جکڑ بندیاں، مار پیٹ اور دارو گیر بھی نہ تھی۔ بے وقوف، احمق یا اُلّو وغیرہ جیسے (تعلیم کے میدان میں نرم سے نرم) الفاظ ہی تازیانہ تنبیہ ہوتے تھے۔ تنبیہ وسرزنش کا ایک انداز یہ بھی تھا: ع

ہم تو دشمن کو بھی پاکیزہ سزا دیتے ہیں
ہاتھ اٹھاتے نہیں نظروں سے گرا دیتے ہیں

اعترافِ صلاحیت

حضرت رحمہ اللہ اعلیٰ سے اعلیٰ علمی وتحقیقی معیار کی طلب وتلاش میں ایسے محو نہ ہوتے تھے کہ موجود کام اور صلاحیت کو کالعدم سمجھتے ہوں بلکہ امر واقعہ کی دل کھول کر تعریف اور حقیقت کا اعتراف واظہار بھی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ذمہ دار عالم لاہور کی سطح پر مجلس فقہی کی تشکیل کی تجویز لے کر آئے تو حضرت رحمہ اللہ نے تحسین فرمائی اور عملی کام کی بابت فرمایا اب ہم تو بوڑھے ہو گئے ہیں پھر اپنے تلامذہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''**یہ لوگ جوان ہیں اور خود کفیل بھی ہیں، یہ کام کر سکتے ہیں۔**''

اپنے بعد کی فکر

کامیاب استاد کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنا علم اور ذوق اپنے تلامذہ میں منتقل کر جائے۔ حضرت رحمہ اللہ نے

استاد ہونے کے ناطے اپنے تلامذہ کی ایک جماعت تیار فرمائی اور اپنی وفات سے تقریباً چھ سال قبل ہی اپنا فتوے اور تدریس کا بنیادی کام ان کے حوالے فرمادیا اور خود کو یکسوئی کے ساتھ اپنے چند باقیماندہ تالیفی کاموں کے لیے فارغ فرمالیا۔ اس اہتمام کی وجہ سے حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد دعاوں اور توجہات کا ظاہری سلسلہ تو منقطع ہوا مگر حضرت رحمہ اللہ کے جاری کردہ بنیادی کاموں میں سوائے تجہیز و تکفین کی مصروفیات کے ایک دن کا بھی تعطل نہیں ہوا، یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی ایک کرامت اور بطور استاد ایک کامیابی تھی۔

عنایات و شفقتیں

بندے کا حضرت رحمہ اللہ سے شاگردی کا تعلق تھا، اس تعلق کی بدولت بہت عنایات رہیں۔ ان عنایات، شفقتوں اور ذرہ نوازیوں کو سوچ کر بھی تشکر اور امتنان کے جذبہ سے سر جھک جاتا ہے۔ ع

سنگِ بے قیمت تراشا اور جوہر کر دیا
شمع علم و آگہی سے دل منور کر دیا

بطور نمونہ حضرت کی چند ایک شفقتیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ بندہ نے ایک دفعہ مضمون لکھ کر دیا تو فرمایا تمہاری لکھائی کے کچھ الفاظ سمجھ نہیں آتے، پہلے لفظوں کو پختہ کرو پھر تیز لکھو، اتنی باریک بات کی جانب بھی متوجہ فرمایا۔

۲۔ بندہ ماہنامہ دارالتقوی میں ایک عرصے تک کتابوں پر تبصرہ لکھتا رہا، توقع نہ تھی مگر حضرت رحمہ اللہ نے ان تبصروں کے مندرجات پر اس انداز سے تبصرہ فرمایا کہ اندازہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ اپنے ایک ناکارہ شاگرد کی باتوں کو اتنی گہرائی اور باریک بینی سے دیکھتے ہیں۔

۳۔ تلامذہ کی تربیت میں مروت کو آڑے نہ آنے دیتے تھے، بندہ نے ایک کتاب پر سخت سا تبصرہ کر دیا۔ صاحبِ کتاب نے شکایتی خط لکھا تو حضرت رحمہ اللہ نے جواباً لکھا:

"ہمارے تبصرہ نگار سے کوتاہی ہوئی کہ انہوں نے رسالے کی پالیسی کو ملحوظ نہیں رکھا۔"

۴۔ بندہ نے حضرت رحمہ اللہ کے کہنے پر عمار خان ناصر کے غامدیانہ تصور جہاد کی تردید میں ایک مضمون لکھا، یہ میری پہلی علمی تحریر تھی۔ تحریر حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں جیسے کیسے تھی پیش کر دی، حضرت رحمہ اللہ نے چند دن بعد فرمایا:

"تمہارا مضمون ایک دفعہ تو دیکھ لیا ہے دوبارہ دیکھ رہا ہوں"

بندہ کا خیال یہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ جب مضمون واپس کریں گے تو یہ فرمائیں گے کہ سارا مضمون بے کار ہے یا فلاں حصہ دوبارہ لکھو یا یہ کام ناقص ہے، اس پر اور محنت کرو وغیرہ وغیرہ یا کچھ باتوں کی طرف متوجہ فرمائیں گے۔ سوچا جائے تو فی الواقع اصلاح و اشراف کا تقاضا بھی یہی بنتا ہے۔ اس گئے گزرے دور میں کوئی مخلص انسان صحیح بات کی طرف متوجہ بھی

کر دے تو بڑی عنایت ہے۔ مگر جب حضرت رحمہ اللہ نے مسودہ واپس کیا تو میری حیرت اور ممنونیت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ حضرت رحمہ اللہ نے بندے کے مضمون میں اتنا زیادہ کام کر دیا تھا کہ اپنے نئے مضمون سے بھی زیادہ محنت فرما دی، اتنی دیر میں وہ اس سے کہیں زیادہ مفید اور قیمتی مضمون سپردِ قلم فرما سکتے تھے۔ مسودے میں لفظی کانٹ چھانٹ تو تھی ہی تھی کئی کئی طویل طویل عبارات اپنے ہاتھ سے نقل فرمائیں اور جگہ جگہ چپیاں لگائی ہوئی تھیں۔ مواد اگرچہ تقریباً 80 فیصد میرا ہی تھا مگر مضمون کی ترتیب ساری ادھیڑ کر نئے سرے سے لگائی، تبویب فرمائی، فصول قائم کیں، عنوانات لگائے، استدلال میں بہتری پیدا کی تعبیرات میں نکھار پیدا کیا۔ اور پھر اس سے بڑا کمال اور موجب حیرت بات یہ ہے کہ مضمون پر جو تقریظ لکھی، اس میں صرف یہ لکھا:

''میں نے مضمون پر نظر ثانی کی اور کچھ جزوی سی ترمیم کی۔ اب اس مضمون سے مجھے کلی اتفاق ہے۔''

مزید حیرت اور تعجب کی بات یہ تھی کہ صراحتاً، اشارتاً یا کنایتاً بھی یہ بات کبھی ظاہر نہ فرمائی بلکہ دل میں بھی نہ تھا کہ تمہارے مضمون نے مجھے تھکا دیا، مجھے اتنی محنت کرنی پڑی، آئندہ خیال رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کوئی ہلکا سا تاثر بھی کہیں سے محسوس نہ ہوا۔ **جزاہ اللہ خیراً و احسن الجزاء** ع

دے جزا اللہ تو اس باغبان علم کو
جس نے غنچوں کو کھلایا اور گلِ تر کر دیا

خاتمہ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہمارے مشفق استاد و مربی تھے، وہ عمل کی دنیا کے آدمی تھے، بہت بڑے آدمی تھے مگر ہم جیسے تلامذہ پر اپنی شفقتیں اور عنایتیں کرتے رہے، کرتے ہی رہے، اور کرتے ہی چلے گئے۔ **جزاہ اللہ خیرا کما یلیق بشانہ** اب ایسے نایاب لوگ کہاں ملیں گے؟ میں اپنی معروضات کا اختتام اس شعر پر کروں گا جو حضرت اکثر پڑھا کرتے تھے: ع

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

آنا اور پھر جانا دنیا کا دستور ہے، آج وہ گئے تو کل ہماری باری ہے، مگر مزے دار بات تو یہ ہے کہ جانا ایسا ہو کہ جانے والا نفس اپنے کیے پر مطمئن ہو اور پیچھے رہ جانے والے رشک کریں۔ ع

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

بلاشبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی زندگی ایسی ہی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کو انتہائی قیمتی بنایا، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔ ہر وقت کام کام اور کام، قلم و کاغذ سے رشتہ استوار رکھا۔ جب تک مرض نے بستر سے نہیں لگایا قلم و کاغذ نہ چھوڑا۔ بلکہ حقیقتِ حال کی ترجمانی کی جائے تو حضرت رحمہ اللہ نے علم کے میدان میں اتنی جان گُسِل محنت فرمائی کہ شہیدِ علم ٹھہرے۔ اپنے قلم سے ۵۰ کے قریب تالیفات چھوڑیں، دس ہزار کے قریب فتاویٰ چھوڑے اور تلامذہ کی ایک جماعت تیار فرمائی۔ ''وفی ذلک فلیتنا فس المتنافسون''

.....☆☆☆.....

نُقُوش وتاثّرات

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ لاہور

بندہ کو کم وبیش چودہ برس اپنے مخدوم ومربی، مشفق ومحسن استاد حضرت اقدس ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ و نوراللہ مرقدہ وقدس سرہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل رہا۔ اس عرصہ میں حضرت رحمہ اللہ کی عنایات اور شفقتیں ازحد افزوں رہیں۔ **فلله الحمد**. حضرت کو اتنا عرصہ اتنا قریب سے دیکھنے کے بعد جو تاثر قائم ہوا وہ کچھ ایسا ہے:

كان رجلاً كبيراً، فقيهاً بارعاً، برًّا راشداً تابعاً للحق حيث دار، كان استاداً ومربياً كاملاً، مفتياً وعياً، داعياً متكلماً، زاهداً قانعاً، خاشعاً قانتاً، حليماً وقوراً وجسوراً، يصدع بالحق مهما كان، لا يخاف في الله لومة لائم، كان عميق العلم وراسخه صائب الفكر، غالب السكوت، قليل الكلام، حامي السنة وماحي البدعة و الضلال، مدرك الفروع و حاوي الأصول، يتجلى فيه صفات الاسلاف ومزيات الاكابر رحمه الله

پہلے سوچا تھا کہ اشاعت خاص کے لیے کچھ مرتب مضمون سپردِ قلم کریں گے مگر جوں جوں سوچتے گئے تو ''شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیرہا'' کا منظر بننے لگا۔ حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت کے اتنے پہلو اور جہات، بیتے ہوئے واقعات اور سنے ہوئے ملفوظات سامنے آنے لگے کہ انہیں کسی ترتیب سے پیش کرنا ایک کارے دارد معلوم ہوا۔ لہذا ''مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ'' کے اصول کے پیش نظر یہی مناسب معلوم ہوا کہ جیسے کیسے بھی ہو متفرق باتیں لکھ دی جائیں۔ ربط و ضبط تلاش کرنے والوں کو مل گیا تو فبہا ورنہ کچھ باتیں تو سامنے آ ہی جائیں گی۔ علاوہ ازیں حضرت رحمہ اللہ سے متعلق کچھ موضوعاتی تحریریں اور کسی قدر مربوط تاثراتی مضمون ''استادِ کامل'' کے عنوان سے زیرِ نظر مجموعے میں شامل بھی ہو چکا ہے۔ ذیل میں چند سطور بصورتِ نکات پیشِ خدمت ہیں۔

(۱)۔ نمونہ اسلاف

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات ان الفاظ میں نقل فرمائی ہیں:

كانوا ابر هذه الامة قلباً و اعمقها علماً و اقلها تكلفاً.

کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

۱۔اس امت (یعنی قرن اول سے لے کر قیامت تک آنے والے آخری طبقے تک کے مجموعے) میں سے سب سے زیادہ نیک دل لوگ تھے۔

۲۔ان کا علم بہت گہرا تھا۔

۳۔ان کی زندگی بے تکلفی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔(رکھ رکھاؤ کرّ وفرّ اور مصنوعی وضعداری نہ تھی، ان میں تصنع نہ تھا بلکہ جو کچھ تھا حقیقت ہی حقیقت تھا، اندر باہر ایک سا تھا، عمل میں سچائی اور صداقت کے معیار پر پورے اترتے تھے۔)

قیامت تک کے لیے کسی شخصیت کی خیریت کا معیار یہی ہے کہ وہ خیر القرون میں موجود خیر الخلائق سے کتنی مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت میں اوپر ذکر کردہ اوصاف کی بہت نمایاں جھلک نظر آتی تھی۔ (لف ونشر غیر مرتب کے طور پر اپنا تجزیہ پیشِ خدمت ہے)۔

سادگی و بے تکلفی

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی سچائی اور سادگی کا نمونہ تھی اور حضرت رحمہ اللہ نے یہ سادگی باضابطہ پورے شعور کے ساتھ اپنائی تھی۔اپنی کتاب ''فہم حدیث'' جلد اول (۱/۱۷۴) پر حضرت رحمہ اللہ نے ایک باب باندھا ہے ''آخرت کے اعتبار سے دنیا کے ساتھ معاملہ''، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے تو ناگزیر وسائل کی پیداوار ضروری ہے لیکن افراد کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اپنا معیار زندگی سادہ رکھیں، اسباب دنیا میں خوب سے خوب تر کی تلاش اور اپنی آمدنی وحاصلات میں مستقل اور مسلسل اضافے اور آسائشوں کی فکر نہ پالیں۔''فہم حدیث'' میں ہے:

''دنیاوی ترقی کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: کسی معاشرے اور ریاست کی جو اجتماعی ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا مثلاً:

i۔یہ اہتمام کرنا کہ ہر فرد کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔غذا اور پانی کی فراہمی۔۲۔ضروری لباس کی فراہمی۔۳۔ضروری سکونت کی فراہمی۔۴۔حفظان صحت اور بیماری کا علاج۔۵۔نقل وحمل کے لیے سواری۔۶۔تعلیم۔۷۔ملک کے اندر امن وسکون اور انصاف کی فراہمی۔۸۔روزگار کی فراہمی۔

ii۔جہاد خواہ دفاعی ہو یا اقدامی اس کے لیے بھرپور تیاری کرنا۔

ان اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے دنیوی ترقی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ ریاست ذمہ دار ہے کہ وہ نئی نئی تحقیقات و دریافتیں کر کے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرے۔وسائل ہوں یا ان کو پیدا کیا جا سکتا ہو پھر بھی ریاست اس میں کوتاہی کرے تو وہ مجرم ہے۔وہ افراد کو بھی مجبور کر سکتی ہے کہ وہ جدید طریقے سیکھیں اور ہو

سکے تو جدید اور مفید وسائل دریافت کریں اور ایجاد کریں۔

دوسرا پہلو: افراد کا اپنا معیار زندگی (Standard of Living) بلند کرنا یعنی

۱۔خورد ونوش میں تنوع واسراف۔۲۔لباس میں تکلفات۔۳۔عالی شان سواری۔۴۔ضرورت سے زائد یا عالی شان مکان۔۵۔غیر ضروری تقریبات۔۶۔تقریبات میں اسراف وغیرہ۔۷۔مال ودولت کی فراوانی۔

اس [دوسری] قسم کی ترقی کو مطلوب بنانا پسندیدہ نہیں ہے۔افراد اپنی زندگی کو اپنے اختیار سے سادہ بنائیں۔اگرچہ آسائشوں اور آرائشوں کا استعمال جب کہ وہ حلال ذرائع سے حاصل ہوں حرام نہیں لیکن جب دنیا ہماری منزل ہی نہیں بلکہ مسافر کا وقتی پڑاؤ ہے اور آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے تو عقلمند کو کب روا ہے کہ وہ اس سے دل لگائے۔''

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی اپنے علم اور عمل میں تطابق کا قابل تقلید نمونہ تھی۔اپنے آپ کو بھی اسی ضابطے اور اصول پر رکھا ہوا تھا۔زندگی سادہ اور تکلفات سے بالکل عاری تھی، دیکھنے والے کو بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اتنے بڑے مفتی اور ڈاکٹر ہیں۔شروع کے زمانے میں سائیکل پر، اور بسوں پر سفر، پھر ویسپا سکوٹر، پھر بوجہ ضرورت سیلف سٹارٹ موٹر سائیکل اور پھر زیادہ نقاہت ہوئی تو گاڑی لی، اور گاڑی بھی کون سی؟ مہران سوزوکی کا پرانا ماڈل۔گھر میں اے سی لگوانے پر عدم آمادگی، پھر گھر کی ظاہری زیبائش سے احتراز برتا، کپڑے سستے اور سادہ، کپڑوں میں کسی خاص رنگ کا التزام نہ ہونا۔ٹوپی شروع میں شاید قراقلی بھی استعمال کی۔بعد میں سفید کناروں والی قدرے سخت ٹوپی (جسے بنگالی یا فاروق کیپ کہا جاتا ہے وہ) استعمال فرماتے تھے، جوتا پنجے والی چپل، قریب ودور کی نظر والی دو عینکیں مگر سادہ لوہے کا فریم، نہ جانے کتنے سال پرانے!

بالعموم بال پوائنٹ استعمال فرماتے تھے کسی خاص قسم کے قلم کا غذ یا نشست کا التزام نہ تھا کسی چیز کو اپنی طبیعت کا حصہ نہ بنایا تھا کبھی کالے قلم کبھی نیلے اور کبھی سرخ سے بھی کچھ لکھ لاتے تھے۔باوجود یکہ بال پوائنٹ کے سرے میں پھسلن ہوتی ہے حضرت رحمہ اللہ کی تحریر میں جماؤ اور خوبصورتی ہوتی تھی۔قلم تین انگلیوں سے پکڑنے کا معمول تھا دو انگلیوں سے پکڑ کر تیسری کا سہارا نہ دیتے تھے، الفاظ قلم کو جما کر اور دبا کر لکھتے تھے، لکھائی گویا موتی پروئے ہوتے تھے۔خط بہت واضح خوشنما اور جاذب تھا، لفظ چھوٹے اور گول ہوتے تھے، کشش والے حروف کو کشش سے لکھتے تھے۔شروع کی تحریرات میں عربی اعداد ہوتے تھے بعد میں شاید ان پیج کی وجہ سے انگریزی اعداد بھی استعمال فرماتے تھے۔قلم جیب میں رکھنے کا معمول نہ تھا بالعموم کپڑے کے تھیلے میں ہوتا تھا البتہ تھیلا کم وبیش ہر وقت ساتھ ہوتا تھا ہسپتال میں بھی، گھر میں بھی اور مدرسے میں بھی۔ تھیلا بالعموم کپڑے کا ہوتا تھا، کبھی ریگزین کا بھی ہوتا اور کبھی سبز ترپال کا، کبھی موٹے سرخ پھول دار پھولوں والا۔آخری زمانے میں جب کاغذات تھوڑے ہوتے اور کتابیں نہیں ہوتی تھیں تو پلاسٹک کا شاپنگ بیگ بھی لاتے تھے۔کہاں تک بیان کیا جائے۔بات بات سے سادگی ٹپکتی تھی اور ادا ادا سے بے تکلفی جھلکتی تھی۔

نیک دلی

دل کی نیکی کا ٹھیک ٹھیک حال تو اللہ بہتر جانتے ہیں البتہ ظاہری قرائن و آثار سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت رحمہ اللہ روحانی اعتبار سے بہت بلند مقام کے حامل تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے پہلے حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور سلوک کی منازل طے فرمائیں پھر ان کی وفات کے بعد حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے اصلاح کا تعلق قائم فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت رحمہ اللہ کو عمومی اور حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے سلسلہ جہاد و احیاء سنت میں خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ بسا اوقات لوگوں کو حضرت رحمہ اللہ سے اصلاحی و روحانی فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ بھی فرماتے تھے۔

دل محل اخلاق ہے اور تصوف عملی اعتبار سے دل کو اخلاق حسنہ سے مزین کرنے کی محنت ہے۔ حضرت رحمہ اللہ اخلاق حسنہ سے متصف تھے۔ تواضع، فنائیت، تقویٰ، توکل، صبر و شکر، قناعت، خوف و خشیت، رجا و امید، زہد و فقر اور رضا بر قضا جیسے بنیادی ضروری اوصاف حضرت رحمہ اللہ کی گفتار و اطوار سے ٹپکتے تھے۔ جلوت و خلوت میں طبیعت کی حالت یکساں رہتی تھی، ایک خاص قسم کی سنجیدگی اور تمکنت ہمہ حال طاری رہتی تھی۔ غفلت و لاابالی پن دور دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ روحانی کیفیات و احوال بھی بہت تھے مگر بوجہ اخفاء کامل بالعموم اظہار نہ فرماتے تھے صحبت میں بیٹھنے والوں کو اپنے دل کی حالت میں نمایاں تغیر محسوس ہوتا تھا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے تو اپنا تجربہ بیان کیا کہ حضرت رحمہ اللہ کے سامنے محض بیٹھنے سے ان کے لطائف جاری ہو گئے۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ نے اپنی اس روحانیت کے پہلو کو انتہائی مخفی رکھا ہوا تھا اور اپنے علم کے پہلو کو غالب رکھا ہوا تھا۔ یہ بھی اللہ کی حکمتیں ہوتی ہیں کہ جس شخصیت سے جس وقت جو کام لینا ہوتا ہے اس کے اس پہلو کو نمایاں کر دیتے ہیں تاکہ خلقِ خدا ان سے اس پہلو سے فائدہ اٹھالے۔ بسا اوقات اس شخصیت کا سلوک اور سیر فی اللہ وہی خدمت بن جاتی ہے اور اسی سے اس کو ترقی ہوتی رہتی ہے ''حتّٰی یأتیه الیقین''۔

دل کی دنیا پر محنت کرنے والوں (یعنی صوفیاء کرام) نے اپنی جدوجہد کا جو نقطۂ عروج بیان فرمایا ہے یعنی اتباع شریعت مع دوام استحضار خداوندی وہ حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت میں نمایاں طور سے نظر آتا تھا۔ نیز حدیث پاک میں ہے:

اذا رأیتم الرجل قد اعطی زهداً فی الدنیا و قلة منطق فاقتربوا منه فانه یلقی الحکمة.

جب تم دیکھو کہ کسی آدمی کو زہد فی الدنیا اور قلت کلام کی صفت عطا کی گئی ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ اس کو دانائی اور حکمت القاء کی جاتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت میں یہ دونوں وصف کامل طور پر نظر آتے تھے۔ زہد کا حال تو معلوم ہو ہی گیا (کچھ برادرم مفتی عبداللہ صاحب کے مضمون میں آ گیا ہے۔) باقی رہی قلتِ کلام تو یہ حضرت رحمہ اللہ کی بہت نمایاں صفت تھی۔ بے فائدہ گفتگو نہ فرماتے تھے گفتگو نپی تلی، جامع مانع، الفاظ مختصر اور پر مغز ہوتے تھے نہ گفتگو میں زائد الفاظ ہوتے نہ تحریر میں حشو و زوائد۔

تحریر میں تسوید و تبییض کا مرحلہ پیش نہ آتا، جو لکھتے ایک ہی دفعہ لکھتے۔ گویا مضمون کاغذ پر آنے سے پہلے دماغ میں مرتب ہو چکا ہوتا تھا۔

آخری زمانے میں ہمارے ساتھی حضرت مفتی سید رضا علی جعفری صاحب نے عرض کیا: حضرت! اب علمی مشاغل سے کچھ یکسوئی ہوگئی ہے (کہ اسباق اور فتوے کی ذمہ داری تلامذہ نے سنبھال لی ہے) تو اب امت کی کچھ اصلاح و تربیت اور تصوف و تزکیہ کی طرف بھی توجہ ہو جائے۔ حضرت رحمہ اللہ نے کمال عاجزی سے حسب عادت مسکراتے ہوئے فرمایا:

''یہ تو کم لوگ ہوتے ہیں جو دو دو شعبوں کو سنبھال لیتے ہیں ہمارے سے ایک بھی نبھ جائے تو بڑی بات ہے۔''

اول تو علمی مصروفیات بھی کم نہ ہوئی تھیں ''فہم قرآن'' اور دیگر مضامین کی ترتیب و تالیف کا کام آخر تک جاری رہا، دوسرے کچھ نہ کچھ ساتھیوں کا حضرت رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق (محدود سا) بھی رہا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے ذمے علمی اصلاح کی خدمت تھی جسے وہ نبھا گئے۔ **تقبله الله و اتم فائدته و عمم**

حضرت رحمہ اللہ کی صحبت کی برکت کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فتویٰ نویسی کی مکمل ذمہ داری (۲۰۱۳ء) میں رفقاء دارالافتاء کے حوالے فرمادی تھی۔ چنانچہ عمومی فتاویٰ حضرت رحمہ اللہ کی تصدیق کے بغیر جاری کر دیے جاتے تھے۔ وفات سے تقریباً ایک سال پہلے کی بات ہے کہ بندہ نے فتویٰ کے اجراء کے ضابطہ کار کے حوالے سے ایک تحریر حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت رحمہ اللہ نے ملاحظہ کے لیے اپنے پاس رکھی دوسرے دن واپس کر کے فرمایا: ''جو طریقہ چاہو اختیار کر لو ''الجواب صحیح'' لکھنا چاہو، تو بھی ٹھیک ہے، اور صرف دستخط کرنا چاہو، تو بھی ٹھیک ہے اس میں بھی حرج نہیں۔'' اس پر میں نے عرض کیا: حضرت! سادہ دستخط میں پھر وہ فتویٰ کس کا شمار ہوگا؟ حضرت رحمہ اللہ نے یقیناً محسوس فرمایا ہوگا کہ اس سوال کا منشا کوئی صحیح جذبہ نہیں ہے۔ اس لیے بڑے عجیب انداز میں اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھا کر فرمایا:

''فتویٰ اللہ کے حوالے کرو''

یہ بات اس انداز سے سنتے ہی بندہ کا بوجھ اتر گیا اور کسی فتوے کو اپنی پراپرٹی سمجھنے کا خیال اور طلب گویا کافور ہوگئی۔ سچ کہا ہے کہنے والوں نے ''اہل اللہ سے کرامت طلب نہ کرو بلکہ ان کے وجود کو ہی کرامت سمجھو''۔ ع

ہستی شیخ وہ شے ہے جو دل تیرہ و تاریک میں امید کے سورج کا پتا دیتی ہے
ہاں وہ ہستی جو گرا دیتی ہے کس شان سے اک آن میں اصنام انا، فضل الٰہی سے سبھی
اپنی رفتار سے، گفتار سے، کردار سے، اطوار سے، ہم جیسوں کو پیغام فنا دیتی ہے

حضرت رحمہ اللہ کی صحبت ہی کا یہ غیر معمولی اثر دیکھا کہ بغیر کسی خاص گفت و شنید اور لے دے کے زاویہ نگاہ میں تبدیلی واقع ہوئی۔ دورہ حدیث سے فراغت تک طالب علم کے ذہن میں ظاہر حدیث اور عقل وغیرہ کے حوالے سے کافی

الجھاؤ ہوتا ہے۔ کہیں اسے ظاہر حدیث اپنے اکابر کی ترجیحات سے ٹکراتا ہوا محسوس ہوتا ہے تو کہیں عصر حاضر کے خیر وشر کے پیمانوں سے اپنی کتابی معلومات کا تعارض نظر آتا ہے۔ اس کے ذہن میں اس قسم کے سوالات ابھرتے رہتے ہیں کہ جو کچھ ہم ہیں وہی حق کیوں ہے؟ دوسرا بھی تو ہوسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت خطا پر ہوں؟ کیا عصر حاضر میں ہمیں اپنی روایتی تعبیر اسلام پر ہی اصرار کرنا چاہیے یا یہ تعصب ہے؟ اس طرح تصلب اور تعصب میں کیا فرق ہے؟ اکابر پرستی کیا ہے اور کیا ہم شخصیت پرستی نہیں کرتے؟ اور ہم کیا خود افراد کی ذہنی غلامی میں پھنسے ہوئے نہیں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

ہم بھی چونکہ اسی نظام اور ماحول سے گذر رہے تھے اور چیزوں کو اپنے نقطہ نگاہ سے سوچنے سمجھنے کی کوشش بھی کرتے تھے اس لیے ہمارا ذہن بھی ایسا ہی تھا لیکن الحمد للہ حضرت رحمہ اللہ کی صحبت اور استفادے کی بدولت وہ بڑے بڑے لاینحل سوالات اور الجھاؤ بے حیثیت لگنے لگے اور جمہور امت، علماء حق، علماء اہل سنت کے مسلمات اور دین فہمی کے اصول اور منہاج ومزاج پر شرح صدر اور اطمینان پیدا ہوتا اور بڑھتا چلا گیا۔ اب بحمد اللہ اطمینان اور یقین کے ساتھ دل ودماغ میں یہ بات راسخ ہوچکی ہے کہ جمہور علماء اہل سنت کی رائے ہی واحد حق ہے اور اس رائے کے مخالف جو بھی بات ہوگی چاہے وہ ظاہر میں کتنی ہی خوشنما ہو اور دلائل سے مبرہن ومزین معلوم ہوتی ہو وہ اصل میں باطل اور بودی ہے۔ غور وفکر کرنے سے توفیق ایزدی کے ساتھ اس کا بطلان کھل جاتا ہے، کسی بڑے سے بڑے جغادری کی بظاہر بڑی معقول اور مضبوط بات سن کر اب یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ شاید یہ بات درست ہو اور ہمارے اکابر اہل سنت آج تک غلط بات پر جمے ہوئے ہوں کیونکہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر اتنے اتنے بڑے خطابیانہ استدلالات کے پول کھلے اور اتنے بڑے بڑے قلمکاروں کی دھول اڑی کہ اب باطل کے واقعتاً باطل ہونے اور حق کے حق ہونے کا یقین ہوگیا ہے۔ "**بل نقذف بالحق علیٰ الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق**"، "**جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً**"۔

اللہ تعالیٰ ہمارے سب نوجوان فضلاء کو ایسی نیک اور راسخ ومتصلب شخصیتوں کی صحبتیں نصیب فرمائے جو اشکالات کے گرداب سے نکال کر ان کی کشتیوں کو اطمینان کے ساحل پر لاکر یقین وانشراح کے کھونٹے سے باندھ دیں۔ **اللهم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابه.**

ایسی کبریت صحبت کی برکت سے اب اہل سنت کا حق ہونا اور اہل زیغ وضلال کا باطل ہونا ایسا الم نشرح ہوگیا ہے کہ **لا یحتمل النقیض** اور یہ حضرت رحمہ اللہ کی بہت بڑی کرامت اور ہم پر احسان عظیم ہے۔ جزاہ اللہ خیراً

ظاہر ہے کہ یہ بات صرف لفظی موشگافیوں سے نہیں ہوتی کیونکہ دنیا میں اپنے تئیں ہر سوال کا جواب ہے اور ہر جواب پر سوال ہے بلکہ یہ بات دلائل سے آگے بڑھ کر توفیق ایزدی اور روحانی برکت سے ہوتی ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے اسی بات کو اپنی بعض تحریرات میں کھولا ہے کہ دل ودماغ دونوں سے حق کو قبول کرنا یہ صرف اہل سنت کا امتیاز ہے ورنہ باقی فرقے صرف عقل مجرد کی پرخار وادیوں میں ہی الجھے رہتے ہیں۔ اور عقل مجرد کے ریگستان سے کون سلامت نکلا ہے!

کسراب بِقِیعة یحسبه الظمآن ماء

اپنی اس حالت سے اس بات کا احساس بھی ہوا کہ ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں دورے سے فارغ ہونے والے فاضل کا اپنے زعم میں اپنے آپ کو علم کے اعتبار سے کامل اور خود کفیل و مستغنی سمجھنا ایک خطرناک خام خیالی ہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

علمی رسوخ کے لیے اسے کسی راسخ کی خدمت میں بہرحال جانا پڑے گا ورنہ وہ کسی لمحے لاشعوری طور پر لقمہ اضل (کسی گمراہ کا لقمہ) بن سکتا ہے۔ ہمارے بعض فضلاء کے غامدی وغیرہ اور یونیورسٹیوں کے کچھ لفاظ پروفیسروں سے متاثر و مرعوب ہونے کی بنیاد اپنی یہی خامی اور کمزوری ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ ہمارے باصلاحیت فضلائے مدارس کو فراغت کے ساتھ ہی معاش کے طوفانی تھپیڑے اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور کچھ بچنے والے عصری جامعات کو سونے کی ایک نایاب کان سمجھ کر اس میں گھس جاتے ہیں جبکہ حقیقی علم کی منزلیں ان کی راہ تکتی رہ جاتی ہیں!

حضرت رحمہ اللہ کی صحبت کے ان اثرات میں سے ایک اثر یہ بھی ہوا کہ حقیقت پسندی کا رجحان پیدا ہوا اور ہر چیز کو دلیل سے دیکھنے کا مزاج پروان چڑھا۔ اور اس بات پر شرح صدر ہوا کہ انسان ظاہری طور پر چاہے علم و فضل کا کیسا ہی پہاڑ ہو جب تک اہل سنت والجماعت کے نہج اور دائرے میں نہیں ہے قابل رحم ہے، جو اپنی صلاحیتوں کو بے جا صرف کر رہا ہے۔ آخر معتزلہ کے اکابر علم والے تو تھے، اور زبان و بیان کی نزاکتوں کے بھی شناور تھے، خود امت کے پاس بلاغت پر معتد بہ کام معتزلہ کا ہے، جرجانی ہوں یا زمخشری و جاحظ، ان میں سے کسی کی علمی صلاحیت کا انکار کس سے بن پڑے گا۔ مگر سب کے باوجود قابل تقلید یا قابل حوصلہ افزائی نہ ہوئے بلکہ قابل رحم ہی کی فہرست میں شامل ہوئے کیونکہ انہیں بہت لطیف مگر بہت بڑی غلطیاں لگیں۔ **اللهم ثبتنا على "الحق" وعلى "ما انا عليه و اصحابى".**

یہ تو حضرت رحمہ اللہ کی روحانیت یا نیک دلی کا اثر تھا اور میرے لیے تو یہ حضرت رحمہ اللہ کی بہت بڑی کرامت ہے کہ اس کی برکت سے ایمان محفوظ ہوا، ضلالت کی شاہراہوں کی بجائے حق (اہل السنّت والجماعت) کی شاہراہ کھلی، اور پورے انشراح صدر اور اطمینان کے ساتھ کھلی۔ **جزاه الله خيرا**

علم کی گہرائی

باقی رہی علم کی گہرائی تو اس کا تو ذکر ہی کیا! حضرت رحمہ اللہ سے زیادہ وسیع المطالعہ افراد موجود ہوں گے اور ہیں بلکہ بعض دفعہ حضرت رحمہ اللہ، احقر سے پوچھتے: ہاں بھائی تم نے مطالعے میں کوئی ایسی بات کہیں دیکھی ہے؟ لیکن حضرت رحمہ اللہ کا خاص وصف علم کی گہرائی تھی۔ اور سچ پوچھیے تو علم کی اصل حقیقت بھی یہی ہے، علم، کثرتِ معلومات کا نام نہیں، الا یہ کہ

وہ کثرت عمق کے لیے مفید ہو تو وہ عمق ہی کا مقدمہ ہو کر قابل مدح ہوگی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس میں لکھا کہ آپس میں باہم ملتے جلتے مسائل کے فروق پر نظر رکھو۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ

''**هل خصكم رسول الله ﷺ بشيئ**''

کیا حضور ﷺ نے آپ کو کوئی خاص چیز عنایت فرمائی ہے؟

تو فرمایا: نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ ہاں ''**الا فهماً اعطيه رجل**''

یعنی قرآن وحدیث کے الفاظ تو ہمارے پاس بھی وہی ہیں جو دیگر لوگوں کے پاس ہیں لیکن فہم اور سمجھ کی گہرائی کا فرق تو لازمی بات ہے۔ یہی فہم، علم کے شہر کا دروازہ ہے۔

کیا یہ بات علم کے وسائل کی کثرت کے اس زمانے میں لائق تعجب نہیں ہے کہ ایک آدمی چند صفحات کا ایک متن لکھتا ہے، جسے ''فقہ اکبر'' کے نام سے دنیا جانتی ہے اور وہ متن آج تک مستند و معتمد ہے اس کے ایک ایک حرف کی خدمت کے لیے زندگیاں وقف ہوئی ہوں تو تعجب نہیں۔ مگر یہ متن لکھنے والے کے گھر میں دس کتابیں بھی نہیں ہیں، اس کی مجلس علمی میں کوئی متن پڑھا نہیں جاتا، اس کے گھر اور مجلس کو چھوڑیئے اس وقت پورے عالم اسلام میں موجود کتابوں کی تعداد ایک متوسط یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود کتابوں سے کہیں کم ہوگی۔ کیا بات ہے کہ آج بھی وہی ''فقہ اکبر'' اور ''عقیدہ طحاویہ'' کا متن ہی عقائد کی تحقیق میں قبلہ کیوں ہے! اب تو نت نئی کتابیں آرہی ہیں، وسائلِ تحقیق میں بہت جدت اور اضافہ ہو گیا ہے، اب تک تو ''فقہ اکبر'' سے کہیں فائق متون تیار ہو جانے چاہیے تھے، جو اس کی اہمیت کو پس منظر میں بھیج دیتے مگر ایسا کیوں نہیں ہوا؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے کاپی رائٹس رکھے ہوئے تھے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی علم کی اس نوعیت کے حامل تھے۔ صحیح اور درست نتیجے تک پہنچ جاتے تھے اور بہت جلد پہنچ جاتے تھے۔ کسی بھی بات میں ایسی رائے قائم فرماتے تھے جس سے سمجھ دار انسان اتفاق کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا تھا۔ شطرنج کا ماہر کھلاڑی وہ سمجھا جاتا ہے جس کی نظر زیادہ سے زیادہ چالوں پر ہو، اسے اپنی اگلی اور اگلی سے اگلی حتیٰ کہ نو چالوں تک کے عواقب ونتائج کی خبر ہو۔ ہمارا بارہا تجربہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ کسی مشکل سے مشکل سوال کا جواب ایسا نتھرا ہوا اور ہادف (To The Point) لکھتے تھے کہ طبیعت باغ باغ ہو جاتی اور دل گواہی دیتا کہ اس سوال کا جواب یا اس مشکل کا حل یہی ہونا چاہیے، ہم زیادہ سے زیادہ کتابی معلومات اور رسمی الفاظ میں جواب دیتے مگر اجتہادی شان کا حامل جواب کب دے سکتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ معاملے کی جڑ پکڑتے تھے اور گویا مسئلے کی جڑ کاٹ دیتے تھے ظاہر ہے کہ اصل میں جڑ وہی کاٹ سکتا ہے جس کی وہاں تک رسائی ہو۔ ورنہ آدمی تنے اور شاخوں بلکہ پتوں سے الجھا رہتا ہے اور پریشان رہتا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی نظر مسئلے کے ان پہلوؤں پر جاتی تھی جو عام نظروں سے اوجھل ہوتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ خاص مزاج اور سوچ محض توفیق الٰہی ہے، انسان ایسی باتیں کسب سے نہیں سوچ سکتا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا علم گہرا تھا، اس میں عمق تھا اور اصابت رائے پھر صلابت رائے کا وصف حاصل تھا۔ بات پکی ہوتی تھی جو بولا سوچ سمجھ کر، جو لکھا خوب چھان پھٹک کر۔ بعض حضرات نے ہمارے ماضی قریب کے اکابر حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی، علامہ عثمانی صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کی علمی تحقیقات کی بابت فرمایا ہے کہ ان کے سادہ سادہ اور مختصر مختصر جملوں کی حقیقی قدر تب ہوتی ہے جب آدمی فن کی مطولات کی ورق گردانی کر کے واپس آتا ہے، تب اسے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے کتنے سادہ انداز میں مسئلے کو چٹکیوں میں حل کر دیا ہے۔

بقول حضرت تھانوی رحمہ اللہ: ''کامل کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اسے تکلف سے کام نہیں لینا پڑتا، اور کامل کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا بھی انداز یہی تھا، بہت مرتبہ دفع دخل مقدر کے انداز میں بات کر جاتے اور مختصر سی بات لکھ جاتے تھے بلکہ بڑی بڑی اہم باتیں غیر اہم انداز میں کر جاتے تھے۔ ''فہم حدیث'' میں عنوان، فوائد اور بین القوسین کی تشریحی عبارات دیکھنے سے اس اپروچ کا خوب خوب اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے یہاں کتنی علمی بات فرما دی ہے۔ یہی حال ''فہم قرآن'' اور دیگر تالیفات کا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا فاروق مکی صاحب دامت برکاتہم (جو کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ جیسے حضرات کے تلمیذ اور مولانا سعید احمد خان صاحب رحمہ اللہ جیسے بزرگوں کے تربیت یافتہ اور صاحب نظر آدمی ہیں انہوں) نے فرمایا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا علم بہت نورانی ہے، ان کی تحریرات کو پڑھ کر اسی طرح کا اطمینان اور انشراح نصیب ہوتا ہے جیسا اکابرین کی تحریروں کو پڑھ کر ہوتا ہے۔

فتوے میں علمی تحقیقات اور تنقید میں حضرت رحمہ اللہ کا معیارِ تحقیق یکساں تھا، ہر جگہ پکی بات، مدلل گفتگو اور اصل مغز و ماخذ تک رسائی۔ اس علمی گہرائی اور رسوخ کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ حضرت رحمہ اللہ نے پہلے انتہائی محنت سے ایم بی بی ایس کیا اور پھر انتہائی محنت اور جانفشانی سے علوم شرعیہ حاصل کیے اور پھر علوم شرعیہ میں صرف رسمیات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس وقت کے درس نظامی میں شامل منقولات و معقولات کی تمام کتب پڑھیں حتیٰ کہ طب یونانی کی کتب بھی پڑھیں اور مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری رحمہ اللہ سے باضابطہ سند لی۔ حضرت مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ ماہر حکیم بھی تھے اور انہیں کتابیں پڑھانے کا شوق بھی تھا اور ذوق بھی تھا۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی وفات پر علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے تقریر فرمائی تو اس میں یہ فرمایا کہ تمہارے اشکالات حل کرنے کے لیے تو ہم ہیں مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اشکالات حل کرنے والا چلا گیا، ہم اپنی الجھنیں کس سے سلجھائیں گے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ صرف عوام کے مفتی نہ تھے بلکہ مفتیوں کے مفتی اور مرجع العلماء والافاضل تھے۔ حضرت رحمہ اللہ اس اعلیٰ طبقے کے ایک فرد تھے جو شریعت کی تعبیر وتشریح کے نازک منصب پر فائز ہوتا ہے اور اس کا کام شریعت کی تعبیر کے سلسلے کی ایک کڑی بن جاتا ہے۔ ملک میں جب بھی کسی نئے یا اہم مسئلے پر رائے طلبی کی بات ہوتی تو حضرت رحمہ اللہ کی رائے ضرور لی جاتی۔ بالخصوص جدید مسائل میں اور شعبہ طب سے وابستہ مسائل میں تو حضرت رحمہ اللہ ہی مرجع وحید تھے کیونکہ حضرت رحمہ اللہ نے باضابطہ ایم بی بی ایس کر رکھا تھا اور فیلڈ میں بھی تھے۔ ریٹائرڈ ہونے تک دا تادربار ہاسپٹل میں عملی کام کرتے رہے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کے علم کی گہرائی اور تصلب کا شاہد ایک واقعہ قابل ذکر ہے ایک دفعہ احقر کے مطالعہ میں ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کی کتاب ''محاضرات فقہ'' تھی۔ شاید کسی بات کے دوران اس کا حوالہ بھی دیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ ڈاکٹر محمود احمد غازی وغیرہ ان کا مطالعہ تو بہت ہے اور لکھنے کا سلیقہ بھی ہے مگر یہ لوگ حجت نہیں ہیں۔''

اس وقت طالبعلمانہ ذہن تھا تو شاید یہ بات کسی قدر چبھی بھی کیونکہ جب انسان کسی کی تحریر کے سحر میں ہوتا ہے تو اسی کا گرویدہ ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس بات کو ذہن نارسا نے کسی قدر تعصب پر بھی محمول کیا ہو لیکن جوں جوں معاملات آگے بڑھے، علم کی سطح بلند ہوئی اور حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا تو یہ احساس ہوا کہ ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

ڈاکٹر غازی صاحب کے کئی رجحانات اور ترجیحات ایسی سامنے آئیں کہ جن سے اندازہ ہوا کہ ''ہنوز دلی دور است''۔ علمائے اہل سنت کو شریعت کے فہم اور تعبیر میں جو رسوخ اور کمال حاصل ہے وہ یہاں پوری طرح نہیں ہے۔ یہی حال ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے بارے میں تاثر کا ہوا۔ مولانا عبداللہ صاحب کی ''خطبات بہاولپور'' پر تنقید اور مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی رحمہ اللہ کی تحریر ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' کے ابتدائی صفحات پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود وسعت مطالعہ اور سلیقہ گفتار پھر بھی ایک آنچ کی ہی سہی بہرحال کسر باقی ہے اور کچی روٹی بہرحال پیٹ کے لیے مفید نہیں۔

(۲)۔ اکابر کی جھلک

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ اکابر کے اوصاف حسنہ کا مجموعہ تھے اور گویا ایک فرد میں انجمن اور حسین پھولوں کا گلدستہ تھے۔ بندہ کے اپنے ذاتی تجزیہ میں حضرت رحمہ اللہ میں تین اکابر کی جھلک نمایاں تھی۔

رجل رشید

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی جھلک بھی بہت نمایاں تھی۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے نمایاں اوصاف یہ تھے:

۱۔ بدعات سے تنفر، احیاء سنت کی سعی اور اس کے لیے لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرنا حتیٰ کہ مادح وذام کو یکساں جاننا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بھی بدعات سے غایت درجہ کا نفور تھا حتیٰ کہ شبہات سے بھی بچتے تھے۔ یہ بات حضرت رحمہ اللہ کی تحریرات اور فتاویٰ سے ظاہر ہے، مجلس ذکر پر رسالہ اس سلسلے کا شاہد عدل ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں بدعتی کی تعظیم والی مجلس فقہی میں شرکت سے احتراز فرمایا۔ حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک کا مقصد عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ خلافت قائم کرنا تھا لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت کی تحریک کے تین مقاصد تھے:

۱۔ ایک تو احیائے حج، جس کی طرف لوگوں کی توجہ نہ تھی، لوگ حج پر جانے کو جان گنوانا سمجھتے تھے، اتنے بڑے پیمانے پر انہوں نے پہلی دفعہ یہ کارنامہ سرانجام دیا جس سے لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا خوف ختم ہوا اور حج کا تسلسل قائم ہوا۔ یہ ان کا ایک غیر معمولی تجدیدی کارنامہ ہے۔

۲۔ دوسرا احیائے جہاد، جس کا مقصد تھا کہ ہنگامی حالات میں سرکاری سرپرستی کے بغیر بھی منظم طریقے سے جہاد ہو سکتا ہے۔

۳۔ تیسرا احیائے سنت کا کام ہے۔ نکاح بیوگان اور دیگر بدعات ورسومات کی تردید بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، حتیٰ کہ مفکر اسلام مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے لکھا ہے مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا:

''مولوی ابوالحسن! ہم ابھی تک سید صاحب رحمہ اللہ کے سایہ تجدید میں جی رہے ہیں۔''

شاہ شہید رحمہ اللہ کی محنتیں اور ''تقویۃ الایمان'' اسی سلسلے کی کاوشیں ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سلسلہ سید احمد شہید رحمہ اللہ میں بھی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی جو عزیمت اور تجدید واحیائے سنت کا عظیم سلسلہ ہے۔

۲۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی دوسری خصوصیت فقہی بصیرت ہے جس کی وجہ سے حضرت کو ''ابوحنیفہ ثانی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت کشمیری رحمہ اللہ جیسے وسیع النظر عالم جو علامہ شامی کو فقیہ النفس ماننے میں تامل فرماتے تھے مگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو بلا تامل فقیہ النفس مانتے تھے۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ جیسے جبال علم وفضل ان سے رہنمائی لیتے تھے اور اپنے فقہی اشکالات حل کرواتے تھے اور اطمینان بخش جواب پاتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی نوعیت کی فقہی بصیرت سے نوازا تھا۔ مشکل سے مشکل فقہی گتھیوں کو سلجھانے کا ملکہ اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ بلکہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی طرح مشکل مسائل میں گھسنا ہی حضرت رحمہ اللہ

کو شاید مرغوب تھا۔ وہ مشکل مسائل جس سے اہل علم بھی پہلو تہی کرتے ہیں، حضرت رحمہ اللہ ان میں گھسنے کو ترجیح دیتے تھے۔ گویا: ع

لطف آیا ڈوبنے کا جتنی گہرائی ملی

۳۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تیسری نمایاں صفت ''فقہ الحدیث'' تھی۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا اشتغال بالحدیث معروف معنیٰ میں نہ تھا جس میں علوم الحدیث، اسماء الرجال وغیرہ پر زیادہ ارتکاز ہوتا ہے بلکہ حضرت کا میدان اور پہچان فقہ الحدیث تھی۔ حدیث کے متن پر اٹھنے والے اشکالات، متعارض روایات میں تطبیق یوں کہہ لیں گویا مشکل الحدیث حضرت کا فن تھا۔ جس کا اندازہ ''لامع الدراری'' اور ''الکوکب الدری'' دیکھنے سے ہوتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ صحاح ستہ تنہا پڑھاتے تھے، کتب اربعہ میں تو سرد ہی ہوتا تھا البتہ ''بخاری'' و ''ترمذی'' میں ابحاث ہوتیں تھیں۔ لیکن ابحاث بھی کیا تھیں! ''لامع الدراری'' دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لمبی چوڑی تقریر نہ ہوتی تھی بلکہ چھوٹے چھوٹے جملے بلکہ کوزے ہیں جن میں دریا بند ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف بھی وافر عطا فرمایا تھا چنانچہ حدیث شریف کے سبق میں اس قسم کے تطبیقی اور تحلیلی انداز کا مشاہدہ ہوتا تھا۔ بڑی بڑی ابحاث کو چند جملوں میں سمیٹ کر آگے گذر جاتے تھے۔ لمبی تقریر کا تو مزاج ہی نہ تھا، صفحوں کے صفحے عبارتِ حدیث ہوتی، خلاصہ چند جملوں میں کیا اور فرمایا: ''آگے چلو''۔ اس لحاظ سے حضرت رحمہ اللہ کا انداز تدریس انہی حضرات (حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمہما اللہ) کے مشابہ تھا۔ اس کے علاوہ ''فہم حدیث'' حضرت رحمہ اللہ کے اپنے فہم حدیث کا بھی شاہکار ہے بالخصوص احادیث کے ترجمۃ الباب (فقہ البخاری فی تراجمہ) اور ترجمے میں بین القوسین اضافے بہت مفید اور قابل قدر ہیں۔ تطبیق احادیث حضرت رحمہ اللہ کا خاص وصف اور ذوق تھا۔ ''سبعہ احرف'' کی بحث اسی طرح ''جرّ ازار'' اور ''سدل ثوب'' کی احادیث کی باہمی تطبیق عمدہ نمونے ہیں۔

۴۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی چوتھی خصوصیت حضرت رحمہ اللہ کی روحانیت تھی۔ (اس حوالے سے پیچھے تفصیل ذکر کی جا چکی ہے وہ دیکھ لی جائے، اعادے کی ضرورت نہیں)۔

کفایتِ ثانی

اکابر میں سے دوسری شخصیت جس کی نمایاں جھلک حضرت رحمہ اللہ کی ذات میں نظر آتی تھی، وہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ہیں۔ عہد حاضر کے انشاء کے نقیب مختار مسعود نے ملا واحدی (جو دلی کے عاشق زار تھے ان) کی زبانی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی صفات کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''دو آدمی میں نے اپنے زندگی میں بڑے متوازن طبیعت کے دیکھے ہیں۔ ایک مفتی کفایت اللہ اور دوسرے حکیم اجمل خان۔ مفتی صاحب اس معاملے میں حکیم صاحب سے بھی بازی لے گئے تھے۔ مفتی کفایت اللہ جمعیت

العلماء ہند کے صدر تھے، قوم پرست اور کانگریسی تھے مگر حالات کی رفتار پر نظر رکھتے تھے، نئی صورتحال کے بارے میں ان کی رائے میں ہمیشہ توازن ہوتا تھا..... بیرسٹر آصف علی (ملا واحدی کے عزیز) بڑے اچھے مقرر تھے، وکالت بھی بڑی لگن اور محنت سے کرتے تھے۔ قانونی موشگافیوں اور دل نشیں انداز تقریر کی وجہ سے بڑی موثر شخصیت پائی تھی.....ایک بار میں نے طلاق کا ایک مسئلہ آصف علی اور مفتی کفایت اللہ صاحب کے سامنے رکھا، دونوں کی رائے میں اختلاف تھا۔ آصف علی ٹھہرے وکیل! فوراً بڑی کتابیں اور حوالے نکال لائے، ساڑھے تین گھنٹے تک گرما گرم بحث ہوتی رہی۔ گرم جوشی زیادہ آصف علی نے دکھائی، مفتی صاحب نے بڑی دلچسپی اور تحمل سے اس بحث میں حصہ لیا آخر طبیعت پر اختیار رکھتے تھے، ان کے علم اور سمجھ کا یہ عالم تھا کہ آصف علی کی ذہانت اور دلائل انہیں مرعوب نہ کر سکے۔ اس طویل بحث میں ایک بار بھی مفتی صاحب کی کسی دلیل یا سند کا درجہ آصف علی کے دیے ہوئے دلائل اور لائی ہوئی اسناد سے کم نہ تھا۔ تبحر عالم تھے۔

جب آصف علی نے گھر کا قصہ پورا کرتے ہوئے بتایا کہ شنکر لال نے ارونا کے بیچ میں پڑنے کے باوجود مسلمان کو مکان کرائے پر دینے سے انکار کر دیا تو مفتی صاحب کہنے لگے: واحدی صاحب! حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آنے والا زمانہ مسلمانوں کے لیے کتنا خراب اور تکلیف دہ ہوگا۔''

(آواز دوست: مختار مسعود: ۱۰۶ تا ۱۱۰)

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھنے والے یہی محسوس کریں گے کہ یہ پیرا حضرت رحمہ اللہ ہی کے اوصاف کا بیان ہے کیونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت میں بھی:

(۱) توازن واعتدال

(۲) حالات زمانہ کی رفتار پر نظر

(۳) نئے حالات پر متوازن رائے

(۴) طویل اور گرما گرم بحث میں بھی طبیعت پر قابو اور تحمل

(۵) مدلل گفتگو

(۶) علم وفہم کی گہرائی جیسے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فقہ کا کتابی علم بھی گہرا اور وسیع تھا چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو ''شامی'' کی عبارتوں کی عبارتیں زبانی یاد تھیں۔ اور فقہ الواقع (حالات وزمانے کا علم) گہرا اور وسیع تھا اور فقہ الکتاب اور فقہ الواقع کے امتزاج نے بڑا خوبصورت پیکر قائم کیا تھا، پھر اس پر حضرت مفتی صاحب کی زبان دانی اور الفاظ کے انتخاب اور تعبیر پر قدرت نے اس پیکر کو چار چاند لگا دیے۔ اس لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ قوت و

صحت کے لحاظ سے سند ہونے کے ساتھ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اہل فتویٰ کی نظر میں معیاری فتویٰ شمار ہوتا تھا۔ حضرت مفتی عیسیٰ گورمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میں نے فتویٰ نویسی شروع کی تو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ زبان اور تعبیر کے لیے ''کفایت المفتی'' کو سامنے رکھو۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو مفتی کفایت اللہ صاحب دِلّی کے باشندے تھے۔ حضرت نے ''تعلیم الاسلام'' اور دینی تعلیم کے رسالوں میں بھی بہت ستھری زبان استعمال کی ہے۔ فتویٰ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت بڑی نپی تلی، بلیغ اور پرشکوہ ہوتی تھی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی فتویٰ کی عبارت بھی اسی قسم کی تعبیر کا نمونہ تھی۔ خیر الکلام ما قل و دلّ یعنی اظہار مافی الضمیر اور ابلاغ بھی مکمل ہوتا تھا اور الفاظ بھی پورے پورے اور مقتضائے حال کے مطابق۔ فصاحت بھی ہوتی تھی اور بلاغت بھی۔ مفردات کے انتخاب میں سہل، واضح، اور حقیقت کے اقرب ترین لفظ ہوتا تھا جو فصاحت کی تعریف ہے، اور پوری عبارت اور جملے بھی مقتضائے حال کے مطابق ہوتے تھے جو بلاغت ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی دِلّی والے ہیں شاید دِلّی کا اشتراک بھی دونوں کے دل و دماغ اور زبان کے اشتراک کی بنیاد ہو۔ واللہ اعلم

رائپوری نسبت:

تیسری شخصیت جن کے فکر و بیان کی جھلک حضرت رحمہ اللہ کے اندر نظر آتی ہے وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کی ہے۔ حضرت کے ملفوظات ''مجالس حضرت رائے پوری'' اور ان کی تلخیص ''ارشادات'' کے مطالعے کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مجالس میں بیٹھنے والا دونوں میں بہت اشتراک پاتا ہے۔ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے ہاں فکر کا وضوح، حقیقت پسندی، حالات کا درست تجزیہ، تحریکوں کا پس منظر، پیش منظر، افکار کا مختصر لفظوں میں تحلیل و تجزیہ، مستقبل کی دور بین نگاہ، بڑے بڑے معرکۃ الآراء مسائل و ابحاث کے خلاصے اور آسان تعبیرات پائی جاتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ''ارشادات'' نامی ملفوظات کے مجموعہ میں ہے:

o مولوی نے بہت کچھ انقلابی داؤ کیے مگر سیاست کے سامنے مذہب مات کھا گیا۔ پورا تو پتہ نہیں مگر خیال ہے کہ ہندوستان کی اگلی نسلیں یہ دیکھ کر کہ مذہب آپسی نفاق کا موجب ہے مذہب کو خیرباد کہہ دیں گی حالانکہ مذہب نفاق نہیں سکھاتا یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے جو نفاق سکھا رہی ہے (انگریز کی شاطرانہ چالیں تھیں) مگر آنے والی ہندو مسلم نسلیں پھر بھی مذہب کو مطعون کریں گی، اور مولوی بیچارہ پھر بھی پٹتا رہے گا۔ یہ (بات ہمارا اپنا ذاتی) خیال ہے کوئی الہام نہیں۔''

o لوگوں کو بجائے مذہبی لڑائی کے اب زمیندار، کاشتکار، مزدور، سرمایہ دار وغیرہ سوالات پر لڑنا چاہیے اس سے مذہب کو بدنام کرنے کا قصہ تو ختم ہو جائے گا۔''

''o انسان کو اپنی حقیقت جاننی اور پیش نظر رکھنی چاہیے جو کوئی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے وہ ولی کہاں ہوا۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ خدا تعالیٰ تکبر کرنے والوں، شیخی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کے بندے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ اپنے اندر تو کوئی خوبی نہیں ہے، اپنے اندر کوئی خوبی ان (صوفیاء) کے ہاں یہی تو شرک ہے۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بھی حالات اور مستقبل کے اس قسم کے تجزیات ملا کرتے تھے ایک دفعہ یہ بات ہونے لگی کہ انگریز نے یہاں اہل بدعت کو ہوا دی اور فرقہ بندیاں قائم کیں اور پھر ہمارے ہاں پاکستان میں بھی سرکاری سطح پر یہ فرقے تسلیم کر لیے گئے۔ بلکہ ضیاء صاحب کے زمانے میں تو باضابطہ قانون سازی ہوگئی کہ مسلمانوں کے چار مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، شیعہ) کی نمائندگی مذہبی معاملات میں ضرور ہوگی۔ اس پس منظر میں مسکرا کر فرمایا:

''مولوی صاحب پھر تو سیکولرزم ہی بچتا ہے''

اس قسم کی باتوں کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ بزرگ لامذہبیت کی حمایت کر رہے ہیں بلکہ مخاطب کو خاص انداز میں انذار و تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اگر تم نے مذہب کو پیش کرنے کا یہ انداز رکھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔

حضرت رائے پوری کے ہاں خمول و گمنامی اور سادگی بھی بہت ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بھی گمنامی ہی غالب رہی۔ اس نسبت کے پیچھے ممکن ہے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق بھی ہو۔

نفس کے مکاید اور برائیوں پر بات کرتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بھائی! ہمیں اپنا نفس کہاں نظر آئے گا۔ ہم تو خود سراپا نفس ہیں۔''

ایک صاحب نے ایک طویل تحریر لکھی۔ جس میں موجودہ حالات میں مغربی ممالک کی اسلام کش پالیسیوں بالخصوص گستاخانہ خاکوں وغیرہ پر امت مسلمہ کے لیے اپنی دانست میں مفید لائحہ عمل تجویز کیا۔ جس پر حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل تبصرہ فرمایا:

''۱۔ اپنی بات کو مثبت طور پر کیجیے، منفی انداز میں تنقید نہ کیجیے۔ خصوصاً دارالافتاؤں پر (تنقید نہ کیجیے) کہ اس کی زد اپنے اوپر پڑتی ہے۔ اگرچہ (آپ) حق ہی پر ہوں کیونکہ آپ نے اپنی بات پہنچانی ہے آپس کی محاذ آرائی نہیں کرنی۔

۲۔ معاشی مقاطعہ بھی خاصا مفید ہے لیکن اس کے لیے اہل حل وعقد کی رہنمائی و قیادت ضروری ہے اور اتحاد فکر و عمل ضروری ہے۔ اور ہمارے ہاں دونوں باتیں مفقود ہیں۔''

۳۔ احتجاجی مظاہروں کی فی الجملہ افادیت سے انکار نہیں ہے ہاں موجودہ حالات میں خباثت سے روک نہیں سکتے کیونکہ کفار کو معلوم ہے کہ مسلمان اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔''

o ایک صاحب نے استفتاء لکھا کہ لوگ حج فرض کرنے کے بعد نفل حج اور عمروں پر عمرے کرتے ہیں۔ ایک نفل کام

کے لیے اتنی رقمیں خرچ کرتے ہیں انہیں ترغیب دینا چاہیے کہ وہ اس سے زیادہ اہم کاموں (غریب بچیوں کی شادیوں، مریضوں کا علاج وغیرہ) پر پیسہ خرچ کریں۔ حضرت رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا:

''اس زمانے میں جو آدمی جس درجے میں بھی کارِ خیر میں لگا ہوا ہے اسے روکا نہ جائے ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے بھی جائے۔''

(۳)۔قاسم وحافظ علوم دین

حدیث پاک میں ہے:

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله، ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین.

اس حدیث پاک میں رسالت مآب ﷺ نے اہل علم کی دو بنیادی ذمہ داریاں بتائی ہیں۔

(۱) تحمل علم یعنی دین کو مثبت طور سے محفوظ کریں گے، سمجھیں گے کہ دین کیا ہے اور دوسروں کو سمجھائیں گے کہ دین یہ ہے۔ یہاں ظاہر ہے کہ عقائد سے لے کر حظر واباحت تک سارا دین مراد ہے صرف ایک جزء نہیں۔ اسے ''تحمل'' سے تعبیر فرمایا گیا۔

(۲) خرابیوں سے حفاظت کریں گے یہ خرابیاں تین طرح کی ہوں گی جو دین کو خراب کریں گی:

i۔غلو پسند لوگوں کی طرف سے دین کے مفاہیم میں تحریف ہوگی مثلاً ایک چیز امت کے اجماع سے طے شدہ چلی آرہی ہے مگر یہ اپنے جوش وحمیت دینی اور پورے اخلاص کے ساتھ اس مفہوم کو آگے پیچھے کریں گے، غلو خیر ہی کے ارادے سے خیر ہی کے رنگ میں خیر کی حدود سے تجاوز کر جانے کا نام ہوتا ہے۔ یہ کام عام طور سے نادان دوست کرتے ہیں۔ بس ایک بات کو اپنے دماغ پر سوار کر لیا اور پھر پورے دین کی تعبیر وتشریح اس نکتے کو محور بنا کر اس پر گھما دی جیسے مودودی صاحب نے چار بنیادی اصطلاحات بنائیں: دین، عبادت، الہ، ربّ۔ یا ڈاکٹر اسرار صاحب نے ایمان واسلام کا فرق گھڑا۔ یا مولانا سندھی کے حلقے نے دین کو سیاسی تحریک کا رنگ دیدیا۔ یا بعض لوگوں نے توحید کو اتنا سوار کیا کہ انہیں اپنے مزعومہ معتقدات کے سوا ہر چیز شرک ہی نظر آنے لگی۔ جیسے کیپٹن عثمانی وغیرہ۔ ایسے فلسفوں کو ماننے کے لیے گویا دین کی فہم کا ایک نیا ہی نقشہ وجود میں لانا پڑتا ہے۔

ii۔ باطل پرست لوگ جن کی اغراض ہی فاسد ہوتی ہیں وہ بعض دفعہ دین کی حقیقت کو سمجھنے کے باوجود اپنی خواہشات کے لیے دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں جیسے ابوالفضل وفیضی جو اکبر کے دین اکبری کے موجد ہوئے یا بقول بعض اس زمانے میں غامدی صاحب ہیں کہ جو حالات کے تقاضے کے مطابق دین کی تعبیر بدل دیتے ہیں اور دونوں تعبیریں پوری قطعیت سے لبریز ہوتی ہیں۔ ضیاء صاحب کے زمانے میں جہاد بہت بڑی خیر تھا اور مشرف کے زمانے میں نائن الیون کے بعد وہ

دہشت گردی اور دین سے بالکل خارج چیز ہوگئی، پہلے داڑھی بھی سنن المرسلین سے تھی پھر وہ عرب کا رواج بن گئی۔ و ھلم جرّاً

iii۔ بعض دفعہ کم علم لوگ اپنی لاعلمی یا کم علمی کی وجہ سے دین کے مفاہیم کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ''بہشتی زیور'' اور ''اصلاح الرسوم'' وغیرہ اسی طبقے کے امراض کا علاج ہیں۔ جاہل صوفی اور پیر بھی اسی طبقے میں داخل ہیں چنانچہ شریعت وطریقت میں جدائی کی باتیں یا وحدت الوجود وغیرہ کے غلط مفاہیم اور اس کے نتیجے میں اباحیت پسندی کی باتیں اسی قبیل سے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے زمانے میں اس حدیث کا پورا پورا مصداق معلوم ہوتے تھے حضرت رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی اسی کام میں لگا دی۔ مثبت علم کی نشر واشاعت تو حضرت رحمہ اللہ کا اوڑھنا بچھونا رہا ہی اس کے علاوہ ان تین چور دروازوں سے آنے والی خرابیوں پر بھی نظر رکھی اور خوب رکھی بلکہ اہل علم کے فریضہ کا کفایہ بن گئے۔ **جزاہ اللہ عنا و عن سائر الامة و جعلنا من الذین یحذون حذو ھؤلاء.**

(۴)۔ فنائیت و بے نفسی

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

نفس کے شرور اور فتن سے خلاصی حاصل کرنا عام انسان کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان اخلاقی رزائل سے چھٹکارا نہیں پاتا اور اتباع شریعت علی وجہ البصیرت نصیب نہیں ہوتا اور نتیجتاً اللہ کا قرب ورضا حاصل نہیں ہوتی۔ مگر ایک عالم کے لیے اور پھر مفتی کے لیے تو یہ چیز بہت ہی زیادہ ضروری ہے کہ اس کی نفسانیت بالکلیہ فنا ہو کیونکہ وہ شریعت کی تعبیر و تشریح کے نازک منصب پر فائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یھدم الاسلام ثلاثة: زلة العالم، وجدال المنافق بالکتاب وحکم الائمة المضلین''
(ترجمہ: اسلام کو تین چیزیں ڈھاتی ہیں: (۱) عالم کی لغزش (۲) منافق کا کتاب اللہ کے ذریعے جھگڑنا (۳) گمراہ حکمرانوں کے فیصلے)۔

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں جہاں اس بے نفسی کا مظاہرہ ہوا اور اندازہ ہوا کہ فنائے نفس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج طے کیے ہوئے تھے۔ اپنی ذات کے لیے غصے میں آنا یا انتقام لینا متصور نہ تھا۔ ایک واقعہ جو ہمارے بہت سے رفقاء اور حضرات کے ذہن میں ہوگا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس واقعے نے کم سے کم احقر پر حضرت رحمہ اللہ کی فنائیتِ نفس کا گہرا نقش مرتسم کیا۔ قصہ یوں ہوا کہ جھنگ کے عبدالحق نامی ایک عامل تھے جن کے طریقہ علاج کے بارے میں یہ معروف ہوا کہ وہ عورتوں کو خاص دم کرتے ہیں جس کے لیے جسم کے خاص حصوں پر پھونک ماری جاتی ہے۔ ان کے خلاف کچھ لوگوں نے تحریریں لکھیں۔ ایک صاحب جو کسی زمانے میں جامعہ مدنیہ کے طالب علم بھی رہ چکے تھے اور

انہوں نے کچھ سبق شاید حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بھی پڑھے تھے انہوں نے بھی مذکورہ عامل کے خلاف ایک فتویٰ لکھا۔ اس فتوے میں دفع دخل مقدر کے طور پر بات کی یا شاید واقعی اعتراض کا جواب دیا۔ اعتراض یہ تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی تو داتا دربار ہسپتال میں عورتوں کو دوا لکھ کر دیتے ہیں۔ جیسے وہ درست ہے ایسے ہی عبدالحق کا یہ عمل بھی درست ہے۔ مذکورہ صاحب نے بجائے اس کے کہ عقل سے کام لیتے اور اتنے بدیہی فرق کو پہچانتے، ایک ہی حکم دونوں پے لگا دیا اور اپنے فتوے میں یہ لکھ دیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی غلط کرتے ہیں اور ناجائز عمل کے مرتکب ہیں وغیرہ، پھر تنقید کے لیے یا بزعم خویش اصلاح کے لیے اس فتویٰ کی ایک نقل حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی ارسال کر دی۔ مذکورہ فتوے کا متعلقہ حصہ یہ ہے:

''حضرت ڈاکٹر صاحب کا طریقہ تو ہرگز ہرگز جائز نہیں کیونکہ ''کل عین زانیة العینان تزنیان و زناهما النظر لعن الله الناظر و المنظور اليه اللسان يزنى ''یعنی بے پردگی عورت کرے یا بدنظری مرد کرے دونوں ملعون ہوں گے اور لعنت و زنا موجب حرام ہے اور عورت کے چہرے وغیرہ کو بلا وجہ دیکھنا حرام ہے۔ اور علاج معالجہ کی صورت میں بے پردہ خواتین کے امراض کی تشخیص و علاج کے لیے درکار متاثرہ مقامات و اعضاء اور مطلوبہ علامات کا معاینہ و ملاحظہ جائز ہے.....الخ''

حضرت رحمہ اللہ نے ان کی بات کا جواب یہ دیا:

''بسم اللہ حامداً و مصلیاً.....

میرے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے میں ذاتی طور پر رنجیدہ نہیں ہوا۔ میرے پاس اپنے دلائل ہیں۔ میرے لیے یہ بات بھی تسلی بخش ہے کہ میرے اساتذہ نے سب کچھ دیکھنے کے باوجود میرے کام پر اعتراض نہیں کیا اور میرے ساتھی جو ماشاء اللہ علم اور تقوے میں مجھ سے اور آپ سے کہیں آگے ہیں انہوں نے اس کو منکر نہیں سمجھا ورنہ نہی عن المنکر ضرور کرتے۔''

حضرت رحمہ اللہ کے اس جواب پر ان صاحب کا جوابی خط آیا جس کے آخر میں مندرجہ ذیل عبارت تھی:

.....دوسرے حصے میں مطلوب تنقید کی بجائے ڈاکٹر صاحب اپنی صفائی دے رہے ہیں اور وہ بھی مہمل انداز میں۔ دلائل کیا کیا ہیں؟ اور کہاں ہیں؟ اور تسلی بھی بہانہ ہے کیونکہ اساتذہ خیر القرون کے ائمہ نہیں اور محض دیکھنے سے بات نہیں بنتی، معرض تحقیق و استدلال اور تفصیلی ملاحظہ ضروری ہے اور پھر نصوص کے خلاف ہو اور تعامل اسلاف کے منافی ہو اور فقہاء کی تصریح فتاویٰ سے متعارض ہو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ اور میری نسبت اساتذہ کرام کی شان کے آگے بلاشبہ آپ کی فرمودہ ہی ہے۔ الفضل السابق اٹل حقیقت ہے اور العدل ہوالموافق الحق بھی ازلی اصول ہے۔''

یہ ہمارے تخصص کا غالباً دوسرا یا تیسرا سال تھا حضرت رحمہ اللہ نے پہلے ہمیں فتویٰ پڑھوایا پھر اپنا جواب پڑھوایا پھر ان صاحب کا مذکورہ بالا جوابی مکتوب پڑھوایا۔ جوابی مکتوب پڑھنے والے ہمارے ساتھی سید صبیح الحسن ہمدانی صاحب مدظلہ

تھے۔ وہ پہلے بھی بہت جی کڑا کر کے پڑھ رہے تھے مگر جب وہ آخری جملوں پر پہنچے تو رُک گئے، حضرت رحمہ اللہ نے انہیں فرمایا: ''پڑھو بھائی!''۔ ان سے شاید نہ پڑھا گیا تو حضرت رحمہ اللہ نے وہ اپنے ہاتھ میں لے کر خود پڑھا۔

اس سارے طویل قصے میں سنانے کی اصل بات یہ تھی کہ اس دوران حضرت رحمہ اللہ کے چہرے پر ذرہ بھر ناگواری کے اثرات ظاہر نہ ہوئے۔ نہ ہی یہ تھا کہ اندر تو غصہ ہو مگر ضبط کیا جا رہا ہو ایسا بھی کچھ نہ تھا۔ گویا ایسی بدتمیزی پر تلاش کرنے سے بھی کہیں ناگواری اور نفسانیت کا کوئی اثر دور دور تک نظر نہ آ رہا تھا۔ نہ باز و چڑھائے نہ آنکھوں میں سرخی دکھائی گویا تقریباً وہی منظر تھا جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک اعرابی کی جانب سے حضور ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈالنے، کڑوی کسیلی باتیں سننے کے وقت ملاحظہ کیا۔ دوسری جانب وہ صاحب بھی عجیب خمیر کے تھے پھر بھی حضرت رحمہ اللہ کے پاس گھر میں آتے جاتے رہے، اور حضرت رحمہ اللہ بھی کمال تواضع و صاف دل سے ہمیشہ ان کے ساتھ اکرام اور مروت کا معاملہ فرماتے رہے۔ ان سے نہ تو تعلقات میں فرق آنے دیا نہ ان کے اس خط پر برافروختگی دکھائی۔

حضرت رحمہ اللہ کی ایسی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے اتنے بعید زمانے کے افراد ایسے عالی ظرف اور با اخلاق ہیں تو خود مصدر اخلاق اور ''**وانک لعلی خلق عظیم**'' کی خدائی شہادت کی حامل ہستی کے اخلاق کا عالَم کیا ہوگا!

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی آخری زمانے میں ظاہری بینائی چلی گئی۔ اس زمانے میں احمد رضا خان صاحب علماء حق کی تردید میں اپنے مخصوص اسلوب میں رسائل لکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے خادم سے فرمایا: بھائی کافی دن ہو گئے ہمارے دوست نے ہمیں یاد نہیں کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا حضرت کچھ تحریریں تو آئیں تھیں مگر ان میں تو مغلظات تھے بس اس لیے آپ کو نہیں بتلایا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**بھائی دکھا دیتے شاید کوئی ایسی بات ہوتی جس سے ہماری اصلاح ہو جائے۔**''

بے نفسی کا تقاضا ہے کہ حق چاہے جیسے انداز میں بھی ہو قبول کیا جائے نہ یہ کہ حق بات کے لیے یہ شرط لگا دی جائے کہ۔ ع

اے شیخ! گفتگو تو شریفانہ چاہیے

حضرت رحمہ اللہ کی بے نفسی ہی کی یہ بھی مثال تھی کہ حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب کے خلاف جب تحریر لکھی تو ان سے ملاقات اور فہمائش کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن انہوں نے مان کر نہ دیا مگر حضرت رحمہ اللہ مسکراتے ہوئے اٹھے۔ حتیٰ کہ حضرت رحمہ اللہ کی مسکراہٹ بھی حافظ صاحب کو بری لگی جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی تحریر ''اقرار مودت'' میں کیا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ انتظامی معاملات میں بھی صاحب رائے اور صائب الرائے تھے۔ جامعہ مدنیہ میں اور جامعہ

دارالتقویٰ میں رئیس دارالافتاء اور رئیس تخصص تھے۔ دونوں شعبوں کے تعلیمی اور انتظامی معاملات حضرت رحمہ اللہ خود ہی طے فرماتے تھے اور اس سلسلے میں بے جا مداخلت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اور تعلیمی لحاظ سے اسے مفید نہ سمجھتے تھے۔ مگر بایں ہمہ کسی کشاکشی اور محاذ آرائی سے بھی اجتناب فرماتے تھے۔ آخری دم تک کوشش ہوتی تھی کہ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے رہیں کچھ باتوں سے دستبردار بھی ہو جاتے تھے۔ جامعہ مدنیہ میں جب انتظامیہ نے (ابتداءً عدم تعاون اور پھر بالآخر) نظام میں مداخلت کی تو حضرت رحمہ اللہ نے آخر دم تک کوشش کی کہ اصولی چیزوں کو باقی رکھتے ہوئے معاملات کو چلایا جائے۔ مگر جب معاملات بالکلیہ خراب ہونے لگے تب دستبردار ہو کر وہاں جانا ترک فرمایا۔ پھر بھی جب تک انتظامیہ نے نہ کہا، آپ نے دارالافتاء کی مہر اپنے پاس رکھی اور اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ کے ساتھ ساتھ جامعہ مدنیہ بھی لکھتے رہے۔ یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی بے نفسی اور وضعداری کی ایک قابل تقلید مثال ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی بے نفسی ہی کا شاید ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ طبیعت میں انفعال اور ردِّ عمل (ری ایکشن) بالکل نہ تھا۔ یعنی کسی بات کو سنتے ہی فوراً یا بلاوجہ مسترد کرنے کا رجحان بالکل نہ تھا، ورنہ عام طور سے بعض دفعہ اہل علم کے ہاں بھی یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اپنے مخالف یا متغایر بات کو سن کر ایک دفعہ مسترد کر دیتے ہیں چاہے بعد میں اسی بات کو ذرا رنگ یا انداز کی تبدیلی سے قبول کر لیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے ہاں مخالف سے مخالف، غلط سے غلط آدمی کی گھٹیا سے گھٹیا بات کو اول وہلہ میں فوراً مسترد کرنے کا رجحان نہ تھا۔ گویا اخلاص کا اعلیٰ درجہ تھا اور طبیعت پر بے حد قابو تھا۔ اس معاملے میں انفعال تلاش کرنے کو نہ ملتا تھا۔

(۵)۔ اعتدال فکر

کمال جمع اضداد کا نام ہے۔ آدھے بھرے ہوئے گلاس کو دیکھ کر رویے مختلف ہو جاتے ہیں کچھ صرف خالی کو ہی دیکھنا اور دکھانا شروع کر دیتے ہیں جبکہ کچھ نصف بھرے کو دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے مزاج میں یہ بات دیکھی کہ حضرت رحمہ اللہ حقیقت کے ان دونوں پہلوؤں کو بڑی باریک بینی اور خوبی سے نبھاتے تھے۔ نہ ایسی خوش فہمی تھی جو اصلاح و تکمیل کے جذبے سرد کر دے اور نہ ہی ایسی منفی سوچ کہ مثبت پہلوؤں کو بھی نظر انداز کر دے۔ ہمارے ہاں اسلامی بینکاری وغیرہ پر دو طرح کے رویئے موجود ہیں ایک بالکلیہ حمایت کا جس کی نمائندگی دارالعلوم کراچی کرتا ہے۔ دوسرا اصولی اور بنیادی مخالفت کا جس کی ترجمانی بنوری ٹاؤن کے پاس ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے ہاں ایک تیسرا رویہ تھا۔ اس لیے بنوری ٹاؤن والے فتوے سے بھی بالکلیہ اتفاق نہ تھا۔ جس کا اظہار بھی تحریراً حضرت رحمہ اللہ نے فرما دیا تھا۔ بندہ نے ایک دفعہ اس سلسلے میں عرض کیا کہ بنوری ٹاؤن کے فتوے میں بینکاری پر اصولی نقد بھی ہے کہ بینک کا تصور ہی گویا غلط ہے اور بینک اور اسلامی کی ترکیب مضحکہ خیز ہے۔ جبکہ آپ کی تنقید جزوی ہے۔ جس کا عنوان ہی ''چند واجب الاصلاح امور'' ہے۔ آپ نے اسلامی بینکاری پر اصولی تنقید کیوں نہیں فرمائی؟ اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جب بینک اپنے آپ کو تجارتی ادارہ کہتا ہے تو تجارت جیسے ہوگی وہ کرے گا اور وہ تجارت کے لیے وہی عقود مرابحہ اجارہ وغیرہ ہی استعمال کرے گا اس کے علاوہ اس نے کیا کرنا ہے۔ باقی رہی بنوری ٹاؤن والوں کی حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب پر تنقید تو اس میں تو حضرت مفتی صاحب خود پھنسے ہیں پہلے انہوں نے اپنی تحریروں میں اسلامی بینک کا قد اتنا اونچا کر دیا اور اتنا بڑا آئیڈیل بنا دیا کہ عملاً اتنا نظام جاری نہ کر سکے۔ تو اب وہ بنوری ٹاؤن والے انہی کی عبارتیں ان کے سامنے لے آئے۔''

اسلامی بینکاری وغیرہ کے اختلاف سے حضرت رحمہ اللہ عملاً خوش نہ تھے۔ خواہش تو یہ تھی کہ اختلاف نہ رہے کیونکہ ایسے عمومی اور عوامی مسائل میں عوام آزمائش میں پڑ جاتے ہیں کہ اب کیا کریں اور کدھر جائیں؟ ادھر بھی اہل علم ہیں ادھر بھی اہل علم ہیں۔ لیکن دوسری جانب اس خیال سے کہ صحیح بات ریکارڈ پر رہے تا کہ اصلاح کا امکان باقی رہے اختلاف کا اظہار بھی ضروری تھا۔ چنانچہ یہ اختلاف بادل نخواستہ تھا خوشی کا نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ ''ایسے مسائل میں جہاں تقریباً ہر دوسرے تیسرے آدمی کا واسطہ پڑتا ہے اختلاف نہ ہونا اچھا ہے کوئی ایک بات آنی چاہیے۔''

اعضاء کی پیوندکاری میں آخری زمانے میں مسئلے پر اس خیال سے کہ شاید مجوزین حضرات کے ساتھ اتفاق کی کوئی صورت بن جائے دوبارہ غور فرمایا لیکن اتفاق نہ ہو سکا۔ لگتا تھا کہ حضرت کی منشا یہ ہے کہ مسئلہ متفق علیہ ہو جائے مگر دین کا معاملہ ہے جب دلیل ساتھ نہ دے تو محض دل کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری والے مسئلے میں ایک ساتھی نے بتایا کہ بندہ نے ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ عرب علماء تو علی الاطلاق جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا میں بھی جواز کی آواز مضبوط ہے اور دارالعلوم والے حضرات بھی مشروط و محدود قسم کی اجازت دیتے ہیں تو پھر ہم ہی مخالفت میں رہ جائیں گے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے بڑی گہری بات فرمائی۔ فرمایا: (مفہوم یہ تھا)

''عضو دینا کوئی فرض واجب تو ہے نہیں، مجوزین کے ہاں بھی زیادہ سے زیادہ جواز ہی ہے، اگر جواز کا ماحول بن جائے اور ایک آدمی بوڑھا ہو، اس سے رشتہ دار عضو دینے کی توقع باندھے ہوئے ہوں اور وہ نہ دینا چاہے تو لوگ اسے ملامت کریں گے اور بخل کا الزام دیں گے، جس کی وجہ سے اسے چار و ناچار دینا پڑے گا (گویا عملاً فرض واجب بنا دیا جائے گا) اگر مخالف آواز معتد بہ پیمانے پر رہے گی تو یہ صورت پیدا نہیں ہوگی۔ لینے دینے والوں کو یہ ہوگا کہ ہم کوئی اتنا بڑا کارِ خیر نہیں کر رہے۔ بہت مشکل سے لے دے کر ایک جواز پیدا ہوا ہے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ایک رائے تو اس کے بھی عدم جواز کی ہے۔ اس لیے مخالف رائے باقی رہنی چاہیے اس سے اعتدال قائم رہتا ہے''۔

کسی نظام پر مصلحانہ تنقید اس کی بہتری کی طرف بڑھنے کے دروازے کھلے رکھتی ہے اگر سب آمنا و صدقنا کہہ دیں تو نظام وہیں رک جاتا ہے۔ اگر سودی بینکاری پر تنقید نہ ہوتی تو کیا آج اسلامی بینکاری وجود میں آپاتی؟ اس طرح اگر اسلامی

بینکاری پر مصلحانہ تنقید بالکلیہ ختم ہو جائے تو خود بینکاری کے مجوزین جس قسم کے معیار کے خواہاں ہیں کیا بینکار اس معیار کی طرف بڑھنے کے لیے با آسانی آمادہ ہو جائیں گے؟ ع

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کرتا ہے کار تریاقی

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں الحمد للہ کمال درجے کی اتباع شریعت اور اعتدال پسندی دیکھی گویا ''**لا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا** '' کا نمونہ تھے۔ دوران تخصص کی بات ہے جمہوریت پر بات کرتے ہوئے فرمایا: ہم نے ایک دفعہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے پوچھا کہ آپ کا جمہوریت کے بارے میں کیا نقطہ نظر ہے؟ تو انہوں نے آگے سے کہہ دیا کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، آپ وہ پڑھ لیں۔ میں نے کہا: میں آپ سے پوچھ رہا ہوں اور آپ مجھے آگے چلا رہے ہیں۔ اس طرح حضرت رحمہ اللہ جمعیت کی سیاسی و تنظیمی کارکردگی سے بھی مطمئن نہ ہوتے تھے، نہ ہی ووٹ بنک والے فلسفے سے اتفاق تھا، نہ ہی ووٹ کے شرعی حیثیت والے معروف فتوے سے اتفاق تھا۔ لیکن بایں ہمہ وفات سے ایک دو سال پہلے کی بات ہے کہ حکومت کی کسی پالیسی یا اقدام کا تذکرہ ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بھائی انہوں نے اصل میں تو تمہارے مدرسوں تک پہنچنا ہے اور انہیں ختم کرنا ہے۔ اب یہ مولانا فضل الرحمٰن پہ ہے کہ وہ کتنا سٹینڈ لیتے ہیں۔''

مجھے یہ بات سن کر اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا نام ایسے حضرت رحمہ اللہ کے منہ سے سن کر حیرت ہوئی اور ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوا کہ بڑے حضرات کی کسی کے لیے منفی رائے بھی نفسانیت پر مبنی نہیں ہوتی جو ہر حال میں رہتی ہو بلکہ اس منفی رائے کے باوجود انہیں اپنے جذبات پر قابو ہوتا ہے اور وہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہ نہیں کہ جس کی مخالفت ہوئی اس کی ہر چیز ہی بلیک لسٹ ہو جائے۔

(۶)۔ٹھہراؤ اور تثبت

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں ٹھہراؤ، تثبت اور احتیاط بہت زیادہ تھی۔ **الاناءۃ من اللہ** کے وصف پر پورے اترتے تھے۔ بظاہر معمولی معمولی باتوں میں بھی گہرے سوچ بچار اور تفکر سے کام لیتے تھے، ہماری جلد باز طبیعت کو بسا اوقات اس سے ایک الجھن سی ہونے لگتی تھی۔ مثلاً معمولی مسئلہ ہے تحریری جواب ہے، سادہ سا تین طلاقوں کا مسئلہ ہے تو حضرت رحمہ اللہ اس پر فوراً دستخط نہ فرماتے تھے بلکہ کپڑے کے تھیلے میں ساتھ رکھ لیتے اور دوسرے روز لاتے۔ امتحانات وغیرہ کے انتظامی امور اور تاریخیں وغیرہ طے کرنی ہوتی تھیں اس میں بھی تجویز لینے کے بعد فوراً فیصلہ نہ فرماتے تھے بلکہ فرماتے: اچھا دیکھتے ہیں..... اندازہ یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ ایسے امور میں بھی استخارہ فرماتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں استخارے کا معمول غیر معمولی تھا۔ وفد عبدالقیس کے رئیس اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ کو دربار رسالت ﷺ سے یہ تمغہ ملا تھا:

"ان فیک لخصلتین یحبھما اللہ الحلم و الاناۃ"

آپ کے اندر دو ایسے اوصاف ہیں جنہیں اللہ پسند فرماتے ہیں: حلم اور ٹھہراؤ۔

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت بھی ان دو اوصاف کا نمونہ تھی۔ جھنجھلاہٹ، جذباتی پنا، غصے سے مغلوبیت جیسی باتیں دور دور تک نظر نہیں آتی تھیں۔

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں ایثار کا مادہ بھی بہت تھا۔ بندہ ایک سفر میں بالاکوٹ حاضر ہوا۔ واپسی پر حضرت رحمہ اللہ سے کارگذاری عرض کی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ہم بھی دوران ملازمت بہت پہلے کی بات ہے بالاکوٹ گئے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک اور ڈاکٹر صاحب بھی تھے جو تبلیغ سے وابستہ تھے، اڈے پر پہنچ کر سیٹ لے لی، ڈرائیور کے ساتھ والی یا پیچھے والی سیٹیں تھیں۔ جب بس بھر گئی تو ہم آئے دیکھا تو ہماری سیٹوں پر کوئی اور صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ہم تو خاموش رہے مگر وہ ڈاکٹر صاحب اڑ گئے کہ ہماری سیٹ خالی کرو حتیٰ کہ کنڈیکٹر سے کہہ کر سیٹ خالی کروائی گئی۔ جب بس چلی تو ڈاکٹر صاحب نے حسب معمول ساتھ والی سواری کو دعوت دینی شروع کی۔ تو اس نے جھٹ سے کہا: بس جی بس آپ کے عمل کی دعوت سن لی ہم نے، ابھی آپ دوسرے مسلمان کے لیے ایک سیٹ تو چھوڑ نہیں سکے تو آپ نے دعوت کیا دینی ہے! اس پر ڈاکٹر صاحب بہت کھسیانے ہوئے اور خاموش ہو گئے۔''

حضرت رحمہ اللہ کا (بقول مفتی عبداللہ صاحب) اپنا معمول یہ تھا کہ بس پہ بک کرائی ہوئی سیٹ پر اگر کوئی اور بیٹھ گیا تو اس سے خالی نہ کروائی۔ ایک آدھ دفعہ متوجہ تو کر دیا لیکن اصرار نہیں کیا بلکہ بچوں کو بھی کہا کوئی بات نہیں گاڑی تو ایک ہی ہے یہاں نہیں تو وہاں بیٹھ جائیں۔ سچ ہے کہ انسان کی سماحتِ نفس اور اخلاقِ فاضلہ کے امتحان کے مواقع یہی ہوتے ہیں اس لیے تو کہا جاتا ہے: اصل دعوت مسلمان کا عمل ہے ''**من لم ینفعک حالہ لم ینفعک قالہ**'' حال سے حال جنم لیتا ہے اور قال سے قال۔

(۷)۔ اتباع شریعت

حضرت رحمہ اللہ کے مزاج کے بارے میں تحریرات وغیرہ پڑھنے سے ایک سخت قسم کے مفتی صاحب کا تاثر قائم ہوتا ہے لیکن عملاً ایسا نہ تھا۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے جو نرمی ہو سکتی تھی اسے اپنے لیے بھی اختیار فرما لیتے اور دوسروں کو بھی دیتے تھے۔ جہاں شریعت روک دیتی وہاں رک جاتے اور روک دیتے تھے۔ بعض دفعہ انسان شریعت کے

پردے میں اپنے جذبات کو مسلط کر رہا ہوتا ہے ایسا نہ تھا۔ حضرت کے ہاں اونٹ نگلنے اور مچھر چھاننے کے مزاج کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی تھی لوگ پوچھتے اس مسئلے میں تقویٰ کیا ہے اور فتویٰ کیا ہے؟ تو فرماتے: بھائی! فتویٰ ہی تقویٰ ہے۔ انسان صحیح معنوں میں (صرف لباس اور وضع قطع کے مظاہر میں نہیں اپنی پوری زندگی میں) فتوے پر چل لے تو بہت غنیمت ہے۔

کچھ لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کسی ایک شعبے میں مستحب اور افضل کی رعایت انہیں فکر مند رکھے ہوئے ہوتی ہے، مگر زندگی کے دوسرے شعبوں میں صریح حرام اور ناجائز امور کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں انسان شریعت کے تمام شعبوں (عبادات، معاشرت، معاملات وغیرہ) میں صرف حرام اور مکروہ تحریمی سے بچ کر زندگی گذار لے تو بھی ولی اللہ ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ عبادات میں استحباب کی رعایت ہے لیکن معاملات کا بیڑا غرق ہے۔ اور اگر معاملات میں سدھار ہے تو خونی رشتہ داروں سے قطع تعلقی ہے، کسی کی حق تلفی ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔

حضرت رحمہ اللہ کے محلّہ کی مسجد کا واقعہ ہے کمیٹی کے کچھ لوگوں کو سوجھی کہ مسجد میں امام رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس جو زیادہ تقوے والا ہوگا وہ امام بن جائے گا۔ حضرت رحمہ اللہ کے سامنے بات آئی تو فرمایا: تو اب تم لوگوں کے تقوے ماپو گے؟ اور پھر تقویٰ کی پیائش کا تمہارے پاس معیار کیا ہے؟

اسی طرح کے غلو بعض دفعہ دین میں نئے نئے آنے والے یا کم فہم لوگوں کو سوجھتے رہتے ہیں۔ انہیں یہ باور ہونے لگتا ہے کہ امت کے ذمہ دار لوگ اہل علم وعمل جس انداز سے جس چیز پر چل رہے ہیں وہ تو دین کی ناقص ترجمانی ہے اور صحیح کام نہیں ہے، دین کا جو منشاء ومزاج ہمیں سمجھ میں آیا ہے وہ کامل ومکمل ہے۔ یہ لوگ بعض دفعہ اہل علم کو بھی تعلیم وتلقین کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنے غلو پر ان سے مہر تصدیق ثبت کروانے لگتے ہیں۔ (**اعاذنا الله منه**)

حضرت رحمہ اللہ کو اپنی زندگی کے تمام کاموں اور شعبوں میں اس بات کا نہایت اہتمام ہوتا تھا کہ کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو۔ کم سے کم جواز کے دائرے میں ضرور ہو۔ آخری زمانے میں اپنی علالت کے دوران یہ استفتاء کروایا کہ والدین کی خدمت اولاد کے ذمے کس حد تک ہے بالخصوص جسمانی خدمت۔ یعنی اگر وہ کوئی ملازم وغیرہ رکھ دیں تو کیا سبکدوش ہو جائیں گے یا انہیں عملاً وقت دینا ضروری ہے؟ اتنی باریک بات کی طرف عام طور سے کس کا ذہن جاتا ہے۔

بیماری کے دوران حاضری ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ نے مفتی رفیق صاحب سے استفسار فرمایا کہ مولانا جب رعشہ وغیرہ کی تکلیف شروع ہوئی تو میں نے اپنے طور پر اس خیال سے کہ اس میں عافیت رہے کچھ رقم ہر ماہ صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اب تک کر رہا ہوں۔ خیال ہو رہا ہے کہ یہ کہیں اس نذر کے تحت تو نہیں آتی جس میں کہا گیا ہے: ''**ان النذر لا یرد شیئاً من قدر الله و انما یستخرج به من البخیل**'' مفتی رفیق صاحب نے عرض کیا: کہ جی یہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نذر تو معلق ہوتی ہے، یہ تو محض تصدق ہے خیر وبرکت کے لیے۔ تب حضرت رحمہ اللہ کو اطمینان ہوا۔

(۸)۔محنتی مزاج اور وقت کی قدر دانی

حضرت رحمہ اللہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ محنتی تھے۔اپنی ذہانت پر اعتماد کر کے بیٹھ رہنے والے نہ تھے۔فرمانے لگے کہ اب تو وقت نہیں ملتا لیکن جوانی میں مطالعہ بہت کیا ہے اور کیف ما اتفق تھا جو سامنے آیا اسے دیکھا پڑھا۔حضرت رحمہ اللہ پڑھنے لکھنے سے بالکل اکتاتے نہ تھے علم اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا،تحقیق طبیعت ثانیہ بلکہ شاید اولیٰ بن گئی تھی۔ فرماتے تھے:

''مولانا! ہمارے دماغ کی چولیں ہلی ہوئی ہیں ان مسائل میں غور کر کے۔''

حضرت رحمہ اللہ بلا مبالغہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی حیات مستعار کا ایک منٹ بھی شاید ضائع نہیں کرتے **الاھم فالاھم** کی ترتیب تو ہو سکتی ہے مگر ضائع کرنے یا لایعنی مشاغل میں صرف کرنے کا سوال نہ پیدا ہوتا تھا۔لکھنے سے فارغ ہوئے تو مطالعہ شروع کر دیا،علمی مطالعے سے تھکے تو اخبار یا کوئی ہلکی پھلکی تحریر دیکھنے لگے۔گویا علم ہی اوڑھنا بچھونا تھا۔قلم و کاغذ کا رشتہ لازوال تھا۔اگر یہ دونوں کام ممکن نہ ہوتے تو دماغ سے مسائل کو سوچنا شروع کر دیتے۔بلکہ یوں کہیے کہ حضرت رحمہ اللہ کے مزاج میں خاموشی غالب تھی،بامقصد گفتگو فرماتے تھے۔بھرتی کی بات نہ ہوتی۔مگر سکوت اور خاموشی عجز نہ تھی گہرے تفکر پر مشتمل ہوتی تھی اور اس خاموش سمندر سے بڑے بڑے قیمتی موتی نکلتے تھے۔ ع

تم اس خاموش طبیعت پر طنز مت کرنا
وہ سوچتا بہت ہے مگر بولتا کم ہے

(۹)۔کانٹے کا سوال کرنا

حضرت رحمہ اللہ کی ایک عادت یہ تھی کہ ہر فن یا شعبے کے آدمی سے اس کی دلچسپی کا سوال کرتے اور وہ سوال بھی بہت بنیادی ہوتا بلکہ شاید اس کے لیے بھی چونکا دینے والا ہوتا۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ہاں تشریف لے گئے تو ان سے پوچھا: یہ جو اسلامی بینکاری ہے اسے ملک میں قانونی تحفظ بھی حاصل ہے یا نہیں؟ یا سٹیٹ بینک وغیرہ کے رحم و کرم پر ہے؟ تو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا: ایسا تو کوئی تحفظ حاصل نہیں۔

مولانا احمد لاٹ صاحب (انڈیا) جامعہ دارالتقویٰ میں تشریف لائے۔حضرت رحمہ اللہ سے بھی ملاقات ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ نے ان سے دو سوال پوچھے۔ایک تو یہ تھا کہ آپ کے نام کے ساتھ ''لاٹ'' کا لفظ کیا ہے؟ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہمارے بڑے تاجر تھے ''لاٹ'' کا مال خریدتے تھے،وہاں سے نام کا حصہ بن گیا۔دوسرا یہ کہ تبلیغ کے مروجہ طریقے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بیماری کے دوران دو ماہر ہومیو پیتھک ڈاکٹر صاحبان حاضر ہوئے۔ حضرت رحمہ اللہ نے دورانِ گفتگو ان سے ہومیوپیتھی پر بڑے بنیادی قسم کے سوال کیے جس پر وہ حیران رہ گئے کہ ایسی تکلیف اور بیماری کی حالت میں اس درجے کا سوال کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کے لیے نسخہ تجویز کرتے ہوئے اس بات کو بطور خاص ملحوظ رکھا۔

ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور بتایا کہ میں اقبالیات پر کام کر رہا ہوں حضرت رحمہ اللہ نے ان سے اس سلسلے کے چند سوالات فرمائے کہ اقبالیات پر کام کرتے ہوئے ان کے خطوط اور خطبات دیکھے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اقبال کی فکر و فلسفہ تو ان تحریروں میں ہے۔ ان کو نہیں دیکھا تو اقبالیات پر کام کیا ہوگا؟

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی نظر صرف خالص شرعی علوم اور ان کے متعلقات تک محدود نہ تھی بلکہ بہت سے دیگر موضوعات پر بھی نظر تھی اور خاصی گہری نظر تھی۔

(۱۰)۔ عالمی حالات و واقعات پر نظر

من لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل.

ترجمہ: جو آدمی اپنے اہل زمانہ کے حالات سے باخبر نہیں وہ جاہل ہے۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ بہت بڑے عالم تھے، مدرس تھے، مصنف و خطیب تھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے تربیت یافتہ بھی تھے ایک دفعہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے پاس آئے پوچھا: حضرت کیا حالات چل رہے ہیں؟ حضرت اخبار پڑھ رہے تھے تو اٹھا کر تھما دی کہ پڑھ لیں اس میں کیا لکھا ہے۔ مولانا کاندھلوی نے اخبار پکڑی اور اس کے صفحات گننے لگ گئے: ایک دو تین چار و ھلم جرّاً پھر مولانا کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اتنی دیر میں تو میں ''بخاری'' کے تراجم ابواب کا مطالعہ کر لوں گا۔ تصویر کا ایک رُخ تو یہ ہے۔

دوسری جانب حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کی لاہور جامعہ اشرفیہ میں تشریف آوری ہوئی۔ مفتی حسن صاحب رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ و خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ) نے بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ حضرت مفتی صاحب سے ذکر کیا کہ میں نے مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کو بھی یہاں بلا لیا ہے۔ تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: ''ان سے کتاب جو مرضی پڑھوا لینا مگر فتویٰ نہ پوچھنا''

سبحان اللہ! اکابر کی کیا دیانت دارانہ اور کسی لگی لپٹی کے بغیر دینی معاملات میں رائے دہی ہے کہ باوجود اتنے تعلق اور احترام کے دینی معاملے میں جو بھی رائے تھی وہ دیدی۔ حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے تھے کہ ایک دفعہ شعبان یا رمضان میں ہم لاہور میں تھے تو چاند کا کوئی مسئلہ درپیش ہوا۔ والد صاحب کراچی میں تھے چنانچہ رابطہ کی صورت نہ بن سکی اس وقت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ لاہور میں بڑے عالم تھے۔ ہم ان کی خدمت میں گئے کہ حضرت ایسی

صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت نے بڑے پیار سے فرمایا: بھائی! تم مفتی شفیع (صاحب) کو جانو؟ عرض کیا: جی۔ فرمایا: انہوں نے مجھے منع کر رکھا ہے کہ فتویٰ مت دیجیو! میں تو فتویٰ نہیں دیتا۔

اللہ اکبر! مولانا کاندھلوی کی بھی بے نفسی اور حقیقت پسندی وشناسی کہ اپنے بارے میں اس منفی رائے کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس تسلیم کو آزمائش کے وقتوں میں بھی نبھایا۔

اس واقعے سے اس نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہے کہ صحیح مفتی کے لیے احوال زمانہ سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔ حالات زمانہ سے مراد صرف افراد کے باہم سرانجام دیے جانے والے عقود و معاملات کی صورتیں ہی نہیں ہیں بلکہ لوگوں کے رویے اور معاشرے میں چلنے والی باتیں، افکار، مزاج اور نفسیات بھی ہیں۔ اس کے لیے مفتی کو بیدار مغزی سے معاشرے کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے، مفتی کی تاریخ پر بھی ضروری نظر ہونی چاہیے اور عصر حاضر کے معاملات بھی اس کے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ جس کی ایک آسان صورت یہ ہے کہ کسی مناسب اخبار کو اور ماہانہ رسالہ میں سے کسی رسالے کو مطالعے میں رکھے کیونکہ اخبار عصر موجود کی تاریخ ہی ہوتی ہے۔ اسے خبر ہو کہ اس وقت لوگوں کے ذہنوں میں کیا باتیں چل رہی ہیں اور کیا رجحانات پنپ رہے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے پاس آنے والے مسائل کے نہ صرف پیش منظر بلکہ پس منظر سے بھی واقف ہو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مطالعہ میں اخبار رہتی تھی، پہلے ''نوائے وقت'' دیکھتے تھے پھر ''اسلام اخبار'' آنے لگی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی عالمی حالات پر بھی گہری بلکہ بہت گہری نظر تھی، ملکی حالات تو سامنے رہتے ہی تھے۔ برصغیر کی ماضی قریب کی تحریکوں اور انگریز کے تسلط کے بعد پیش آنے والے احوال ومسائل بھی نظر میں تھے۔ جس کا اظہار گفتگو میں اور مضامین میں ہوتا تھا۔ نیشنلزم کے فلسفے کے تحت وجود میں آنے والی ریاستیں اور ان کے نتیجے میں ہر چیز کا بالواسطہ حکومت اور ریاست سے وابستہ ہو جانا بھی پیش نظر تھا۔ پھر عالمی حالات میں امریکہ کی اجارہ داری اور نیو ورلڈ آرڈر وغیرہ بھی پیش نظر رہتا تھا۔ ان سب چیزوں پر حضرت رحمہ اللہ کی مفکرانہ اور مجتہدانہ نظر تھی، تقلیدی نہ تھی۔ کسی بھی چیز کو ایسے ہی دیکھنے کے روادار نہ تھے جیسے کوئی اپنا یا پرایا دکھا رہا ہو بلکہ بعض دفعہ مزاحاً فرماتے تھے: ''مولوی صاحب! ہمارا دماغ تو الٹا ہی چلتا ہے۔''

o ہمارے تخصص کے سال (۲۰۰۷-۸ء) میں فرمایا: اب امریکہ یہ کرنا چاہتا ہے کہ مسلم دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کرے گا۔ شیعہ اور سنی بلاک۔ شیعہ بلاک کا ذمہ دار ایران ہوگا اور سنی بلاک کا وہ سعودیہ کو بنانا چاہے گا۔ پھر ان کی مستقل ٹسل بازی رہے گی۔

o ایرانی انقلاب کو بھی امریکہ کا منظور نظر فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے: طالبان کا انقلاب تو کچھ عرصہ بھی برداشت نہ ہوا اور ایران کا انقلاب ابھی تک چل رہا ہے۔ یہ اتفاق محض تو نہیں ہے۔

o فرماتے تھے: پاکستان میں مقتدر لوگ امریکہ کے پٹھو ہیں، عوام کے سامنے بڑھکیں مارتے ہیں، اگر امریکہ کا کوئی آدمی آجائے تو ان کے پیشاب خطا ہو جائیں۔ ''شہاب نامہ'' میں ان کے حالات پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے۔

o طالبان کے انقلاب اور امارتِ اسلامی کی حمایت کے باوجود بعض جزوی امور پر نقد بھی فرماتے تھے کہ انہیں فلاں موقع پر ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ القاعدہ کی بعض پالیسیوں پر بھی نقد فرماتے تھے۔ اگرچہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ان کی کوششوں کے نتیجے میں عالمی استعمار کے خلاف بیداری تو پیدا ہوئی ہے۔

o ایک دفعہ ایک سوال آیا کہ افغانستان میں پوست کی کاشت کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت رحمہ اللہ نے تنقیح لی کہ یہ بتائیں کہ اس کی کاشت سے طالبان کو فائدہ ہے یا نقصان؟ اگر فائدہ ہے تو عدم جواز کا فتویٰ نہ دیں گے۔

o ووٹ کی شرعی حیثیت میں جو فتویٰ معروف ہے حضرت رحمہ اللہ اس سے اتفاق نہ فرماتے تھے بلکہ اس کے بجائے اپنا فتویٰ صادر فرمایا۔ حالانکہ بالعموم وہی فتویٰ ہمارے حلقوں میں چلتا ہے (یہ فتویٰ اس اشاعت خاص میں بھی موجود ہے)۔

o عالمی حالات میں ملکی اور عالمی تنظیموں کے ماضی، حال اور مستقبل پر بھی نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا:

> ''یورپ والوں اور انگریزوں کی واپسی کا دور شروع ہونے لگا تو مسلمان ملکوں میں جو طبقہ برسر اقتدار آنا تھا وہ کہنے کو تو اگرچہ مسلمان تھا لیکن مغربی آقاؤں کا فکر اور عمل دونوں طرح سے مکمل غلام تھا۔ مغرب والوں کو دین کے نام پر ٹکرانے کی مزید سکت نہ تھی۔ لیکن ان غلام حکمرانوں کو یہ اطمینان تھا کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور اسلام بس وہی ہے جو ہم نے سمجھا ہے لہٰذا دین کے نام پر ہمارا مقابلہ کرنے والے قابل گردن زنی ہیں۔ مصر اور بعض دیگر ملکوں میں اور اب پاکستان میں بھی اس کا مظاہرہ ہو چکا ہے کہ نئے مسلم حکمرانوں نے دینی قوتوں سے اپنے فائدے نکالے اور پھر ان کو پوری طرح کچلنے میں مصروف ہو گئے اور دھوکہ وفریب اور ظلم و بربریت میں اپنے مغربی آقاؤں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ ایسے حالات میں جب کہ ساری قوت نئے حکمرانوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہونے والی تھی اور مغربی دنیا کی ان کو مکمل پشت پناہی حاصل ہونی تھی اور بے دینی اور بد دینی کو پھیلانے کی بھرپور کوششیں ہو رہی تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاسؒ کو یہ طریقہ الہام فرمایا تاکہ ظاہری کشمکش سے بچتے ہوئے ایمان و یقین کی دعوت چلے اور بحمد اللہ اس طریقے سے بہت فائدہ ہوا اور ہو رہا ہے۔''

o حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے پوتے عمار خان ناصر کی گمراہی اور ان کے والد مولانا زاہد الراشدی کی پشت پناہی کسی سے مخفی نہیں ہے۔ حضرت نے خود اس سلسلے میں مضامین سپرد قلم کیے اور مولانا راشدی صاحب کو بھی ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ مگر نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا۔ اس ماحول میں کچھ احباب نے سوچا کہ مولانا راشدی صاحب کے مذہبی بائیکاٹ کی مہم چلائی جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک تحریر بھی مرتب کی اور اس پر مختلف اکابر واصاغر کے دستخط بھی لینے کی کاوش شروع ہو گئی۔ کافی سارے دستخطوں سے بھری یہ تحریر حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی

تائید کے لیے آئی تو حضرت رحمہ اللہ نے بالکل خلاف توقع اس پر درج ذیل الفاظ لکھے:

''بسم اللہ حامداً ومصلیاً

میری رائے یہ ہے کہ اس طرح کی کوئی تحریر یا فتویٰ نہ جاری کیا جائے جس پر بہت سے لوگوں کے تائیدی دستخط ہوں کیونکہ اس سے بہت تفرق وانتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب سے محبت کرنے والے لوگ بھی بہت سے ہیں اور بہت سے پلیٹ فارموں پر یہ مل جل کر کام کرتے رہے ہیں اور کام کر بھی رہے ہیں۔ بہت سے حمایتیوں نے یہ نہیں دیکھنا کہ مولانا کی کیا غلطیاں ہیں وہ تو اسی پر برافروختہ ہو جائیں گے کہ مولانا سے بائیکاٹ کی تجویز ہی کیوں دی گئی۔ مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ اور مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب مدظلہ کا ادب واحترام اپنی جگہ لیکن اس کے باوجود اسلامی بینکنگ کے مسئلے پر جو بدمزگی پیدا ہوئی وہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔ لہذا کسی نے کچھ لکھنا ہے تو وہ انفرادی طور پر لکھے اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کی جو واقعی خطائیں ہیں ان کو ذکر کرے۔ نومبر ۲۰۱۳ء کے ''برہان'' میں مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب کا مضمون متوقع انتشار کی پہلی کڑی بن سکتی ہے۔ اسی طرح جامعہ امدادیہ اسلامیہ فیصل آباد والے مولانا زاہد صاحب بھی مولانا زاہد الراشدی صاحب کی رائے سے بظاہر متفق نظر آتے ہیں۔ واللہ اعلم''

o کبھی کبھی ابنائے زمانہ کی تیزی اور دو نمبریاں دیکھ کر فرماتے تھے:

''ابھی سے ہر چیز میں اتنا دجل ہے تو دجال نہ جانے کیا کرے گا!''

o نت نئی تجارتوں اور معاملات میں آنے والی تبدیلیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا:

''پہلے لوگ سادہ ہوتے تھے، انہیں اتنی عقل نہیں ہوتی تھی، آجکل لوگ بہت تیز ہو گئے ہیں، ان کی عقلیں بہت کام کرنے لگی ہیں یہ ہر چیز کو مال بنا کر کمانے کا سوچتے ہیں، بس حقوق کو بھی مال بنا دو، کیونکہ ان سے اتنا اتنا نفع آئے گا۔ یہ سب سرمایہ دارانہ نظام کی سوچ ہے، بس کماؤ جس طرح ممکن ہو۔''

سچ فرمایا حضرت رحمہ اللہ نے: پرانے زمانے میں کمائی کے ذرائع اور قابل فروخت اشیاء بہت کم ہوتی تھی، بازار ایک محدود جگہ کا نام تھا، اس کے علاوہ سارا معاشرہ تھا۔ جبکہ اب ایسا نہیں، بازار نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ہر قدر پیسے کے آگے ڈھیر ہوئی جاتی ہے۔ اور تو اور جب علم جیسا مقدس شعبہ مادیت کی لپیٹ میں آ گیا ہے اور ان اداروں کے پڑھنے پڑھانے والے اور کام کرنے والوں کے سامنے پیسہ ناچتا پھرتا ہے تو پھر کیا کہا جائے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے زمانے میں یعنی آج سے تقریباً ایک صدی قبل لکھا تھا:

''ہندوستان میں سرکاری تعلیم نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائص واعمال کو پہنچائے ہیں، ان میں سب سے زیادہ نقصان یہ ہے کہ تحصیل علم کا مقصد اعلیٰ ہماری نظروں سے محجوب ہو گیا ہے۔ علم خدا کی ایک امانت ہے اور اس کو صرف اس لیے ڈھونڈنا چاہیے کہ وہ علم ہے لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ بتلائی ہے۔ وہ علم کا

شوق اس لیے دلواتی ہے کہ بلا اس کے سرکاری نوکری نہیں مل سکتی۔ پس اب ہندوستان میں علم کو علم کے لیے نہیں بلکہ معیشت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نوآبادیاں ہیں، کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں۔ مشتاقانِ علم وتشنگان حقیقت سے؟ نہیں ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالہ چاول کے پرستاروں سے جن کو یقین دلایا گیا ہے کہ بلا حصولِ تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے، لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ علم کی اس عام توہین وتذلیل کی تاریکی میں سچی علم پرستی کی روشنی برابر چمکتی رہی ہے۔ یہ ملت کے طالبان علم کی وہ جماعتیں ہیں جو اسلام کے قدیم مذہبی علوم اور مذہبی زبان کے فنون مختلف عربی مدارس میں حاصل کر رہی ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ بجا طور پر آج صرف یہی ایک جماعت علم کی سچی پرستار کہی جا سکتی ہے، ان لوگوں کو معلوم ہے کہ انگریزی تعلیم کی ڈگریاں لے کر بڑے عہدوں اور نوکریوں کے دروازے میں قدم رکھ سکتے ہیں اور ایک کلرک سے لے کر ڈاکٹر سنہا کی نوکری تک صرف انگریزی تعلیم ہی سے مل سکتی ہے، ان کو پوری طرح یقین ہے کہ عربی تعلیم کو آج کوئی نہیں پوچھتا، حتیٰ کہ روٹی بھی اس کے ذریعے نہیں مل سکتی، پھر بھی ان کے دلوں میں ایک مخفی مگر طاقت ور جذبہ موجود ہے جو انگریزی تعلیم کی طرف جانے نہیں دیتا اور اس کس مپرسی میں عربی تعلیم ہی کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیتے ہیں، یہ جذبہ بجز علم پرستی اور رضائے الٰہی کے اور کوئی دنیاوی غرض نہیں رکھتا اور اس لیے دنیا بھر میں علم کو علم کے لیے اگر پڑھنے والی جماعت ہے تو وہ عربی مدارس ہی کی جماعت ہے۔'' (تحریک خلافت کے دور کے ایک خطبے سے مقتبس)

(۱۱)۔عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

بڑے حضرات میں جامعیت بھی بے مثال ہوتی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ خالص علمی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کی دینی تربیت کے حوالے سے بھی فکرمند اور کوشاں رہتے تھے، فہم دین کورس اسی فکر کی عملی مثال ہے۔ اپنے تلامذہ کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے تھے کہ اس افراتفری کے زمانے میں کرنے کا کام یہ ہے کہ عوام کو دین کا صحیح شعور اور فہم دیدو تا کہ وہ کسی گمراہ کا شکار نہ بن سکیں۔ عوام کے ساتھ اس بنیاد پر ربط وضبط کی فکر رہتی تھی۔

بندہ کو گذشتہ سے پیوستہ سال جامع مسجد چوبرجی کوارٹر کی طرف سے امامت وخطابت کی پیشکش ہوئی تو بندہ متردد تھا۔ مفتی رفیق صاحب کی رائے بھی یہ تھی کہ قبول نہ کروں، صرف جمعہ کی حد تک ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مسجد کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں۔ لیکن کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل حضرت رحمہ اللہ سے اجازت لینا ضروری تھا (الحمدللہ اپنے اہم اور زندگی کے کلیدی فیصلے حضرت رحمہ اللہ سے پوچھ کر ہی کرنے کی عادت تھی) پھر اس فیصلے سے قبل بندہ کا دارالافتاء کے لیے وقت صبح ۸ بجے سے عشاء تک تھا۔ اب اس کے نتیجے میں عصر تک ہونا تھا۔ اس لحاظ سے بھی رائے لینا ضروری تھا۔ چنانچہ بندہ مفتی رفیق صاحب کے ہمراہ گھر پر حاضر خدمت ہو گیا اور مدعا عرض کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے سنا اور خلاف معمول فوراً ہاں فرما دی ٹھیک ہے قبول کر لو۔ حالانکہ اس کی نسبت بہت چھوٹے چھوٹے معاملات میں حضرت رحمہ اللہ سوچ بچار فرماتے اور

تامل بلکہ بسا اوقات ایک آدھ دن لے کر فیصلہ فرماتے تھے مگر یہاں فوراً فیصلہ فرمادیا۔ بندہ نے بھی اور مفتی رفیق صاحب نے بھی عرض کیا کہ حضرت! مفتی کو صرف مفتی ہونا چاہیے، یہ دیگر مصروفیات ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ کیا بات ہے ہمارے جو بڑے حضرات تھے (مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہ) یہ ساتھ اور بھی بہت کچھ کرتے تھے۔ صرف مفتی تو نہیں تھے۔''

بندہ نے عرض کیا کہ حضرت میں متردد ہوں ایک طرف رہائش وغیرہ کے حوالے سے کچھ وسعت کا خیال ہے جبکہ دوسری طرف فیلڈ تبدیل ہونے کا بھی اندیشہ ہے کیونکہ فتوے کی دنیا علمی ہے اور عوام کے کام کے اپنے تقاضے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے بلا تاخیر فرمایا:

''فیلڈ کہاں تبدیل ہوگی وہ بھی یہی فیلڈ ہے''۔

پھر ساتھ ہی فرمایا:

''بھائی ساری عمر کنویں میں رہو گے یا نکلو گے بھی!''

پھر ساتھ میں مفتی رفیق صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''مولانا! یا تو ہم ان ساتھیوں کو اتنا وظیفہ دیں جس سے ضروریات بآسانی پوری ہوسکیں تو انسان پھر تو یکسو ہو کر ایک کام کرے، جب ہم اتنی کفالت ہی نہیں کرتے تو پھر روکنے کا کوئی جواز نہیں رہتا''۔

چنانچہ بندہ نے پھر بنام خدا یہ ذمہ داری قبول کر لی اور الحمد للہ اگرچہ کچھ مصروفیات تو بڑھیں۔ مگر بزرگوں کی سرپرستی میں ذمہ داری لینے میں اللہ کی مدد بھی شامل حال دیکھی اور علمی و عملی فوائد بھی محسوس کیے۔ عوام کی نفسیات سمجھنے میں بہت مدد ملی جو کہ ایک مفتی کے لیے بھی لازمی ہے۔ سب سے منفرد تجربہ یہ رہا کہ عوام کے ساتھ ایسی بات کیسے کی جائے کہ جس میں علمی ثقاہت و وقار بھی برقرار ہو اور عوام کی سطح بھی ملحوظ رہے۔

ذمہ داری اٹھانے کے بعد بھی حضرت رحمہ اللہ سے معمولات وغیرہ عرض کرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ اپنی ایک الجھن ذکر کی کہ حضرت! جب آدمی منبر پر بیٹھتا ہے اور ایک تسلسل سے مضمون چل رہا ہوتا ہے تو زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جس کے استناد پر پوری تسلی نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ضعیف یا موضوع درجے کی چیزیں بھی بیان ہو جاتی ہیں، مثال بھی دی کہ ''اصلاحی خطبات'' میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ بیانات ہیں تو اس لیے ان کے استناد کا وہ درجہ نہیں ہے (مفہوم)۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بھائی! پہلے سے ہی سوچ کر اور پختہ بات کرو، بعد میں وضاحت یا تردید کرنے کی نوبت نہ آئے۔''

بندہ نے یہ بھی عرض کیا کہ بسا اوقات نصوص میں وعیدات ہوتی ہیں اگر علمی انداز میں بات ہو تو اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر سیدھا سیدھا ترجمہ کر دیں تو علمی اعتبار سے اشکال ہوتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: مثال دو۔ بندہ نے عرض کیا: مثلاً ''من

ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر''۔حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:''ایسی نصوص کا ایسا مطلب بیان کرو جس سے عوامی فائدے اور علمی اصول کا تقاضا دونوں نبھ جائیں''، پھر فرمایا کہ مثلاً ایسا ترجمہ کرو''کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے تو کافروں والا کام کیا۔ یہ نہ کہو کہ کافر ہو گیا، نہ ہی یہ کہو کہ عملی کفر ہوا یا اعتقاد میں ہوا وغیرہ وغیرہ''۔حضرت رحمہ اللہ کے فرمودہ اس ایک اصول نے بہت راہنمائی کی۔اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کوشش ہوتی ہے کہ علمی ثقاہت اور عوامی تقاضا دونوں کو ملحوظ رکھ کر بات کی جائے۔اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔یہ بھی حضرت ہی کا فیض ہے۔

عوامی دینی کام ہی سے متعلق ایک اور واقعہ یاد آیا۔بندہ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے چوبرجی کے علاقے کی ذمہ داری سونپنے کی بات ہوئی۔اپنے مخدوم ورفیق حضرت مفتی رضا صاحب سے تذکرہ ہوا تو انہوں نے فرمایا:''مفتی محمود اشرف صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مفتی کی کسی تنظیم سے وابستگی نہیں ہونی چاہیے۔''بندہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں اجازت مانگی تو حضرت نے فرمایا: میرا حتمی فیصلہ تو مدرسے والوں کی اجازت کے بعد ہوگا لیکن مفتی محمود اشرف صاحب والی بات علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ دیکھا جائے گا کہ وابستگی کی نوعیت کیا ہے؟ اگر وابستگی سے فائدہ ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ مفید ہے۔آخر مفتی کفایت اللہ صاحب بھی تو تھے، مفتی اعظم ہند تھے اور جمعیۃ العلماء کے ذمہ دار رکن بھی تھے۔مدرسہ سے اجازت کے بعد بندہ نے ذمہ داریوں کی نوعیت بھی عرض کر دی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اگر عملی ذمہ داریاں کچھ ایسی خاص نہیں ہیں تو پھر قبول کر لیں، اگر کوئی مسئلہ نہ ہو تو قبول کرنے میں حرج نہیں بلکہ سعادت کی بات ہے۔لیکن فی الحال آزمائشی طور سے قبول کریں اور کہہ دیں کہ اگر زیادہ مسئلہ نہ ہوا تو قبول رکھوں گا ورنہ معذرت کر لوں گا۔''

(۱۲)۔حب فی اللہ کے ساتھ ساتھ بغض فی اللہ

آج کل کا یہ بھی ایک خوشنما فتنہ ہے کہ بھائی کسی کو کچھ نہ کہو۔اپنی اپنی جگہ سب ٹھیک ہیں۔اور اگر کہنا بھی ہو تو فتویٰ نہ لگاؤ بلکہ مکالمہ کرو اور مکالمہ بھی ایسے جیسے دو دوست آپس میں پرانے گلے شکوے دور کر رہے ہوں اور شکر رنجیاں مٹ رہی ہوں اور بس۔حضرات علماء کرام اس طرز فکر اور طرز عمل سے قطعاً متفق نہ تھے نہ ہیں اور نہ ہوں گے۔کیونکہ اگر سب ٹھیک ہیں تو پھر ابوجہل بھی تمغہ شجاعت کا حق رکھتا ہے، فرعون بھی لائق تحسین ہے، عین وقت پر''**آمنت برب موسیٰ و ھارون**''کا اعتراف تو کر لیا۔پھر خوارج سے لڑائی کس بات کی، قرآن کے حامی تھے، معتزلہ سے جھگڑا کس نکتے پر کہ وہ بے چارے بھی تو قرآن ہی کو عدل وتوحید کے اصولوں پر سمجھنے نکلے تھے اور انہوں نے شریعت کی تفہیم اور تعبیر کی ایک نئی روایت قائم کی تھی۔اگر سبھی ٹھیک ہیں تو حضرت مجدد الف ثانی صاحب کو مجدد کہنے کی بنیاد کیا بچتی ہے، ابوالفضل وفیضی کے تو نام ہی فضل وفیض والے ہیں۔علم وفضل کے تو وہ پہاڑ تھے فیضی بے نقط تفسیر لکھنے والا ہے اور تو اور آخر دین اکبری کی ایجاد معمولی کارنامہ ہے؟ اگر سب اپنے ہیں اور بدعات ورسومات بھی گلے سے لگانے ہیں یا ان کے حاملین کو گلے سے لگانا

وسعت ظرفی ہے تو حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تجدید و احیاء سنت اور اکابر علمائے دیوبند کی اہل بدعت کے سامنے مظلومیت اور اہل بدعت کی ناانصافیوں کا رونا کس لیے؟

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ دین کی حفاظت کے اس سلسلے اور اسی طرز کے امین تھے جو ماضی بعید سے لے کر ہمارے اکابر کے ہاں موجود ہے۔ان حضرات کا شعار یہ نعرہ صدیقی ہے: **اینقص الدین و أنا حی.**

ڈاکٹر فضل الرحمٰن (جو صدر ایوب کے زمانے کا غامدی تھا وہ) اسلام آباد میں تقریر کر رہا تھا فلسطین کے مفتی اعظم صدر مجلس تھے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنی ہانکنی شروع کیں۔مولانا بنوری رحمہ اللہ کی رگ صدیقی پھڑکی فوراً اپنی نشست سے اٹھے اور فرمایا:

سماحة الرئيس! أرجو كم أن تلجموا هذا الخطيب.

صدر مجلس! میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس بلا رے کو لگام دیں گے۔

سب کو ٹھیک کہنے کا فتنہ بھی عصر حاضر کا ایک فتنہ ہے جس کے نتیجے میں پہلے ایک فقہی مسلک کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے اور شناخت ختم ہوتی ہے اور پھر انسان تمام ادیان کو بھی حق کے ترجمان سمجھنے لگتا ہے۔**اعاذنا الله من الغواية بعد الهداية**

صفہ ٹرسٹ لاہور ہر سال کسی بزرگ پر سیمینار کرتا ہے۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ مجلس شیخ الاسلام کے سرپرست بھی تھے۔گذشتہ سے پیوستہ سال مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی صاحب رحمہ اللہ پر سیمینار تھا۔جس میں بیان کے لیے مولانا زاہد الراشدی صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔حضرت رحمہ اللہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اول تو جانے سے انکار فرما دیا پھر اصرار پر یہ بات فرمائی کہ جب تک راشدی صاحب سٹیج پر ہوں گے میں وہاں نہیں جاؤں گا۔چنانچہ عملاً بھی ایسا ہی ہوا۔جب تک وہ رہے حضرت رحمہ اللہ تشریف نہیں لے گئے۔

ایک صاحب جن کی حکمت اور پھر عملیات و وظائف کے حوالے سے خاص شہرت تھی اور پھر تصوف کی لائن میں بھی شہرہ ہوا۔ان کے بارے میں دارالافتاء میں سوال آیا کہ ان سے بیعت یا اصلاحی تعلق قائم کرنا کیسا ہے؟ دارالافتاء کے بعض رفقاء نے ایک قدرے تفصیلی جواب لکھا۔حضرت رحمہ اللہ نے ملاحظہ فرمایا اور تصدیق فرمائی مگر ساتھ میں یہ فرمایا کہ فی الحال سائل کو بس اتنا جواب دیدو کہ ''ہمیں ان پر تسلی نہیں ہے۔'' وجوہات کوئی پوچھے تو زبانی بتا دیں۔مزید تفصیل کے لیے رضوان نفیس صاحب سے پوچھو کہ حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ان صاحب کے بارے میں کیا رائے تھی؟ ان سے باضابطہ جواب مانگو۔اسی طرح خود ان سے وضاحت مانگو کہ آپ کا اصل سلسلہ تصوف کیا ہے؟ اور اس میں بیچ کے لوگوں کے احوال و کوائف کیا ہیں؟ پھر فرمایا باقی ہمیں ان پر تسلی ہے نہیں۔ایک خاتون ہمارے ہاں گھر میں تفسیر پڑھنے آتی تھیں۔انہوں نے گھر والوں کو بتایا کہ میں ایک دفعہ ان کے پاس دوائی لینے گئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ منہ سے نقاب اتارو۔میں نے کہا: کیوں؟ میری بیماری کا تعلق چہرے کے ساتھ تو نہیں ہے۔تو آگے سے لاجواب ہو کر کہنے لگے:

بدتمیز ہو! تم اپنے خاوند کے ساتھ بھی ایسی ہی بدتمیزی کروگی؟ میں نے کہا اس کے ساتھ تو میرا نکاح ہوگا آپ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ بہرحال میں نے نہیں اتارا اور انہوں نے بھی نقاب اتروانے کی کوئی ایسی وجہ ذکر نہ کی جو معقول ہو یا طبی لحاظ سے کوئی بات ہو۔ اس لیے ہمیں ان صاحب پر اطمینان نہیں ہے۔

(۱۳)۔ حقیقت پسندی، حزم واحتیاط اور بلا مروت تربیت

حضرت رحمہ اللہ کے اوصاف میں ایک نمایاں وصف حقیقت پسندی تھا۔ خوش فہمی سے دور تھے۔ جیسی کیسی اور جس کی بھی بات ہوتی اس کے ظاہر سے متاثر نہ ہوتے تھے بلکہ اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش فرماتے۔ اپنے علم وتدین کی برکت سے اللہ کے فضل سے پہنچ بھی جاتے تھے اور بہت جلد اور بغیر کسی قابل ذکر تکلف کے پہنچ جاتے تھے، طبیعت پر اگرچہ مروت کا غلبہ تھا مگر حقیقت بینی اور حقیقت نمائی میں یہ رکاوٹ نہ بنتی تھی۔ کسی کی محبت بھی اس وصف میں حجاب نہ تھی اور کسی کی مخالفت اور عداوت بھی رکاوٹ نہ تھی۔ **کلمة الاخلاص فی الرضا و الغضب** اور ''**لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا**'' کا نمونہ تھے۔

الغرض حضرت رحمہ اللہ حقیقت جُو بھی تھے، حقیقت پسند بھی تھے، حقیقت بین بھی تھے اور حقیقت شناس بھی تھے اور حقیقت نما بھی تھے۔ اللہ ان کی برکت سے ہمیں بھی حقیقت سے لقاء نصیب فرمائے۔ **اللھم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابه**

o تخصص کا سال سوم اختیاری ہوتا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور بندہ سے دریافت فرمایا کہ کیا ارادے ہیں تمہارے؟ بندہ نے عرض کیا جیسے آپ فرمائیں گے ویسے کروں گا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: بھائی پہلے اپنے والدین اور گھر والوں سے پوچھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کچھ فرمادیں پھر وہ کچھ کہیں تو ہمارا فرمایا دھرے کا دھرا رہ جائے!۔

o بسا اوقات کتب فقہ میں کچھ بڑے نادر اور غریب قسم کے جزئیات ہوتے ہیں۔ اس قسم کی جزئیات کی نسبت فرماتے: ''**مولوی صاحب! کچھ باتیں کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔**''

لاہور کے کچھ حضرات نے اسلامی طریقہ تجارت پر کچھ لٹریچر تیار کیا۔ جس میں مروجہ تجارت کے بنیادی تصورات پر کچھ انقلابی قسم کی باتیں کیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس لٹریچر کا باوجود مصروفیات کے باریک بینی سے مطالعہ فرمایا جو حضرت رحمہ اللہ کی محنت اور ہمت کی قابل رشک مثال ہے۔ یہ حضرات ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ہمارا ہدف یہ ہے کہ سونے کی کرنسی کو رائج کیا جائے، ملائیشیا کے ایک صوبے میں سونے کی کرنسی جاری بھی ہو چکی ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگ بجائے بینک کے امانتیں علماء کے پاس رکھوایا کریں جیسے خیر القرون میں ہوتا تھا امام صاحب وغیرہ کے پاس، ہر مسجد کے ساتھ ایک امانت خانہ ہو۔ کچھ اس قسم کی اور باتیں بھی ان حضرات نے کیں اور یہ کہ ہم صحابہ کا طریقہ

تجارت زندہ کرنا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان کی بات سن کر قدرے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''مولانا! آپ کی تھیوری تو ٹھیک ہے، پریکٹیکل مشکل ہے۔ دجال نے بھی تو آنا ہے آپ تو دجال کے راستے روک رہے ہیں۔''

حقیقت پسندی کی ایک اور مثال ملاحظہ کی جائے۔ ایک صاحب کو اپنے بارے میں ایک مکتوب میں لکھا:

''گذارش ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ ''دارالعلوم'' (شمارہ جون ۲۰۰۶ء) میں مولانا عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ کے خلفاء کی فہرست میں جو میرا نام دیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ مولانا عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ سے سلام دعا تھی اور حضرت شفقت بھی فرماتے تھے لیکن اصالۃ یا تبرکا کسی بھی طریقہ سے مجھے ان سے اجازت نہیں تھی۔ کم از کم میرے سامنے تو انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔''

اس طرح کی مشہور اجازت کو زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھئے کے تحت بھی لایا جا سکتا تھا۔ اور یہ بھی کہ ہو سکتا ہے کہ مجھے نہ بتایا ہو مگر کسی کو بتایا ہو، یہ بھی سوچا جا سکتا تھا مگر حضرت رحمہ اللہ کے ہاں اتنے سلسلے نہ تھے، سیدھی سیدھی بات تھی۔

بیماری کے دوران حاضر خدمت ہوئے۔ تذکرہ آیا کہ آج کل زمزم مخصوص مقدار میں آنے دیا جاتا ہے۔ بندہ نے عرض کیا ایک بزرگ فرما رہے تھے کہ یہ ہماری ناقدری کا نتیجہ ہے کیونکہ ہمارے حاجی وہاں رہ کر بھی زمزم چھوڑ کر پیپسی پی رہے ہوتے ہیں۔ اس پر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا:

''چلو! یہ خطابیات ہوتی ہیں ان پر نہ ملامت ہوتی ہے نہ کوئی مدح ہوتی ہے بس لوگوں کا دل چاہتا ہے کچھ نہ کچھ بڑھا چڑھا کر بات کریں۔ اور کرتے ہیں بس بات یہ ہے کہ جیسی نیت ہوگی ویسے بن جائے گا۔''

حضرت رحمہ اللہ تعریف اور تنقید میں حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیتے تھے، حقیقی وصف بیان فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے کچھ کاغذات کمپوزنگ کے لیے دیے، مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب نے توقع سے جلد کمپوز کر کے واپس کر دیے، تو حضرت رحمہ اللہ نے بڑی خوشگوار حیرت کے ساتھ فرمایا: ''بھائی یہ تو ایکسپرٹ ہو گئے ہیں''۔ ہمارے رفقاء میں سے سب سے پہلے حضرت رحمہ اللہ نے انہی کے نام کے ساتھ ''مفتی'' کا لفظ بھی لکھا تھا۔ رفقاء نے انہیں مبارک باد دی کہ حضرت رحمہ اللہ کے قلم سے آپ کو مفتی کا لقب مل گیا ہے۔ اس کے بعد پھر باقی حضرات کے لیے بھی استعمال فرمایا، یعنی یہ بات بجا تھی کہ حضرت رحمہ اللہ نے اگر یہ لفظ لکھا ہے تو محض مروت اور دلجوئی کے لیے نہیں لکھا بلکہ حقیقت سمجھ کر دیانتدارانہ رائے کے طور پر لکھا ہے۔ اور اپنے تلامذہ میں سے کسی کے نام کے ساتھ اس لکھنے کو بجا طور پر ایک دلیل سمجھا گیا۔

ایک صاحب نے تخصص میں داخلہ لیا اور تصوف کے کسی خاص حلقے سے ان کی وابستگی بھی تھی مگر ڈھنگ سے سال بھی پورا نہیں کیا، پھر بیمار پڑ گئے، مگر اپنے نام کے ساتھ ''مفتی'' کا سابقہ لگا لیا۔ وہ کچھ عرصہ بعد حضرت رحمہ اللہ سے سرپرستی اور دعائیں لینے کے لیے آئے اور مدعا یہ رکھا کہ ہمارے ہاں تخصص ہو رہا ہے اور کچھ مختصر کورسز ہیں۔ آپ چل کر ان حضرات کو

اپنے ہاتھ سے اسناد عنایت فرمادیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے بڑے احسن انداز میں ان سے معذرت فرمائی۔ فرمایا: اول تو کہیں آنے جانے کا مزاج بھی نہیں ہے۔ دوسرے مجھے کیا پتہ جن لوگوں نے آپ سے پڑھا ہے کیا پڑھا ہے؟ اور ان کی اہلیت کیسی ہے؟ تو میں انہیں سند کیسے دوں گا؟

حضرت رحمہ اللہ دورہ حدیث کے اسباق پڑھانے کے باوجود صرف اس طالب علم کی سند پر دستخط فرماتے تھے جس کے بارے میں اطمینان ہوتا تھا، سب طلبہ کی اسناد پر رسمی طور پر دستخط نہ فرماتے تھے۔ کسی بدعتی یا اہل حق کے نظریات سے منحرف طالب علم کو تو دورہ حدیث کے سبق میں بیٹھنے کی اجازت دینے کے بھی روادار نہ تھے۔

o جامعہ اشرفیہ کے سابق مدرس ماہر معقولات حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ (تلمیذ مولانا کاندھلوی و مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ) کا ایک واقعہ سنا۔ ہوا یہ کہ مولانا کے رفیقِ درس مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ (ناظم دارالعلوم کراچی) نے مولانا سے یہ پوچھا کہ آپ کی جامعہ میں تنخواہ کیا ہے؟ مولانا نے جو بتایا سو بتایا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: آپ کے لیے ہمارے دروازے کھلے ہیں، آپ کو اتنی تنخواہ دی جائے گی۔ اس پیشکش کے جواب میں مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا:

''آپ کی بات بجا ہے مگر میرے اساتذہ نے مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تک مدرسے والے تمہیں دھکا دے کر مدرسے سے باہر نہ نکال دیں تب تک تم نے مدرسے سے نہیں نکلنا۔ اور ابھی وہ وقت نہیں آیا۔''

بندہ نے یہ واقعہ سنا اور موجودہ حالات اور کچھ واقعات دیکھے تو ذہن پر ایک بات سوار ہوئی کہ ایسی قربانی اور تربیت والے افراد تو اب عنقاء ہوتے جارہے ہیں، مادیت نے اذہان کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر رکھا ہے۔ ایسے میں اگر مدارس نے کفالت کے نظام میں بہتری پیدا نہ کی تو خدانخواستہ آئندہ اچھے اور قابل مدرس ملنا مشکل نہ ہو جائیں۔ اس خیال اور احساس سے ایک ترغیبی بلکہ انذاری مضمون سپردِ قلم کیا اور حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں اصلاح کے لیے ذیل کے عریضے کی صورت میں پیش کیا۔

''عرض: بندہ کے ذہن میں کچھ عرصہ قبل منسلکہ سطور پر مشتمل خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک کالم کی طرز پر مضمون لکھ دیا۔ اس تحریر کے مخاطب صرف ارباب اہتمام وانصرام اور سوجھ بوجھ رکھنے والے بااثر اہل علم ہیں۔ عمومی اشاعت کی چیز نہیں۔ حضرت والا کو دکھانے کا مقصد یہ تھا کہ کیا یہ سوچ حقیقت پر مبنی ہے؟ اور کیا اسے سنجیدگی سے لینے اور بات چلانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ یا یہ واقعیت سے زائد تاثر ہے؟''

اس پر حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل رائے لکھ کر عنایت فرمائی:

''آدمی کی بنیادی ضرورتیں اور ان کا پورا کیا جانا ایک حقیقت ہے جس سے کسی طور پر مفر نہیں۔ مدرس کی آمدنی بھی دو طرح سے ہوسکتی ہے:

ا۔ تنخواہ واجارہ کے طور پر [جو اس کی خدمات کے بقدر ہو]۔

۲۔ وظیفہ کے طور پر جو گھر کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات کو پورا کر رہا ہو۔
کل وقتی مدرس یا خادم ہو تو اس کو وظیفہ کے طور پر دیا جانا چاہیے اور جزء وقتی ہو تو اس سے اجرت پر کام لیا جا سکتا ہے۔ جو استاد ایک مدرسہ میں اپنی پوری تدریسی زندگی یا مثلاً 75% گذارے باقی کسی دوسرے مدرسہ میں تو اس کے وارثوں کو معقول پینشن دی جائے۔ عرف بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔ جہاں پینشن نہیں ہوتی وہاں تنخواہ زیادہ ہوتی ہے۔ پینشن میں دونوں طرح کی پینشن مراد ہے ذاتی بھی اور فیملی پینشن بھی۔''

آخر میں یہ لکھا:

''اس مسئلے کو آپ وفاق المدارس کے رسالہ میں اٹھا سکتے ہیں۔''

بندہ کو (۲۰۱۶ء) میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی تو واپسی پر آ کر وفور جذبات میں ''سفر الحرمین'' کے نام سے ایک سفر نامہ قلم بند کیا۔ حضرت رحمہ اللہ سے تذکرہ ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے دیکھنے کی دلچسپی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ پیش کر دیا اور ساتھ میں لکھا:

o ''بندہ نے سفر عمرہ سے واپسی پر وفور جذبات میں پیش آمدہ سفر نامہ لکھ دیا تھا۔ تاہم جیسے جیسے وقت گذرتا رہا اس کی اشاعت پر آمادگی کم ہوتی چلی گئی۔ تاحال جوں کا توں رکھا ہے، دینی فائدہ تو شاید اس میں کوئی نہیں ہوگا البتہ وقت گذاری کا ایک بہانہ ہے۔ حضرت والا نے ایک آدھ دفعہ دکھانے کا فرمایا تھا۔ اس لیے پیش خدمت ہے فرصت کے کسی وقت میں دیکھنا چاہیں تو پیش خدمت ہے۔

o ماہنامہ دارالتقویٰ اسے قسط وار چھاپنے کی خواہش رکھتا ہے۔ بندہ نے تاحال تسلی نہ ہونے کی وجہ سے حامی نہیں بھری۔ عدم تسلی کی وجہ سفر نامے کی افادیت کا نہ ہونا ہے۔ نیز ''فہم حدیث'' جلد اول میں حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے حوالے سے سفر کے احوال کے بیان کو بھی لایعنی اشغال میں شامل فرمایا ہے۔''

اس عریضے کے ساتھ سفر نامہ حوالہ کر دیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے سفر نامہ پڑھا اور اس عریضے کا جواب یہ دیا:

''قصہ کہانی کے طور پر سفر کے حالات بیان کرنا یا سننا لایعنی ہے۔ جو سفر عبادت کا ہو اور بہت سے دینی مسائل و فضائل پر مشتمل ہو وہ لایعنی کیوں ہونے لگا۔''

پھر عمومی تبصرہ کرتے ہوئے زبانی فرمایا:

''سفر نامہ پڑھ لیا ہے، دلچسپ ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کا انداز تحریر ہے۔ مجھے خیال ہی نہ رہا کہ عمرے کا سفر ہے میں سوچ رہا تھا منیٰ وغیرہ تو گئے نہیں پھر خیال آیا کہ عمرے کا ہے۔
باقی ایک بات ہے کہ جن کیفیات کا اظہار کیا ہے وہ شاعرانہ تخیلاتی نہیں ہونی چاہئیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہونی چاہئیں۔''

بندہ کچھ عرصہ ماہنامہ ''دارالتقویٰ'' کی مجلس ادارت میں شامل رہا جس دوران کتابوں پر تبصرہ کی ذمہ داری نبھاتا رہا۔ اس دوران کے دو واقعات یادگار ہیں۔ ایک کتاب آئی تھی (غالباً تبصرے کے لیے نہیں آئی تھی) ''شرح مسند امام اعظم

رحمہ اللہ'' اس کے اندر علمی لحاظ سے کچھ فروگذاشتیں تھیں۔ بندہ نے بعض احباب کے توجہ دلانے اور ترغیب دینے پر اس پر کرارا سا تنقیدی تبصرہ کر دیا اور رسالہ میں شائع کر دیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے دیکھا تو اس تبصرہ پر یوں تبصرہ فرمایا:

''رسالوں میں بھیجی جانے والی کتابوں پر تبصرے سے مقصود تعارف اور مثبت تبصرہ ہوتا ہے۔ اگر تنقیدی تبصرہ کرنا ہو تو پہلے ارسال کنندہ سے اجازت لو یا اسے کہہ دو کہ ہمارے لیے اس کتاب پر مثبت تبصرہ ممکن نہیں۔ یہ کہہ کر کتاب واپس کر دو۔''

ایک اور واقعہ بھی دلچسپ ہوا۔ ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی جس کا مدعا یہ تھا کہ دیوبندی بریلوی تنازعہ کی دو بنیادیں ہیں: (۱) بدعات و رسومات (۲) مزعومہ عبارات۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ بریلویوں کے سنجیدہ علماء بدعات کو اور رسومات کو غلط کہتے ہیں، ان کے حوالجات بھی دیے گئے۔ البتہ ان کے بقول ان کا دیوبندیوں سے جھگڑا صرف ان عبارات کا ہے جو دیوبندی اکابرین نے لکھی ہیں۔ لہذا اب گیند دیوبندیوں کی گود میں ہے، وہ ان عبارات کو اپنی کتابوں سے نکال دیں تو اتحاد امت ہو سکتا ہے۔ تحریر نگار کی یہ بات چونکہ خلاف واقعہ تھی اس لیے بندہ نے اس کتاب پر بھی ذرا سخت سا تبصرہ کر دیا۔ مرسلِ کتاب نے پلٹ کر رسالے کے سرپرست حضرات کے نام خط لکھ دیا جس میں حضرت رحمہ اللہ کا نام بھی تھا۔

بندہ اپنے تبصرے کی کاپی اور ان صاحب کا مکتوب لے کر حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس توقع کے ساتھ حاضر ہوا کہ حضرت داد و تحسین دیں گے کہ خوب اچھا کیا ہے، ان بدعتیوں کی ایسی کی تیسی۔ حضرت رحمہ اللہ نے دونوں تحریریں اپنے پاس رکھ لیں۔ اور غالباً دوسرے دن حضرت نے ان کے طویل مکتوب کا جواب ایک پرچی پر لکھا (حضرت رحمہ اللہ بڑی بڑی باتیں بھی چھوٹی چھوٹی پرچیوں پر ہی لکھ دیا کرتے تھے یا یوں کہہ لیں کہ حضرت رحمہ اللہ کی چھوٹی چھوٹی پرچیاں بھی بڑی بڑی باتیں ہوتی تھیں) جو بعینہ درج ذیل ہے:

''ہمارے ادارے کی پالیسی میں یہ بات شامل ہے کہ فرقہ وارانہ اختلاف سے متعلق اس رسالے میں کچھ نہ لکھا جائے صرف مثبت طور پر اپنی بات لکھی جائے۔ اختلافات کے موضوع پر اور بہت سے رسائل موجود ہیں۔ ہمارے تبصرہ نگار سے یہ کوتاہی ہوئی کہ انہوں نے ادارے اور رسالے کی پالیسی کو پیش نظر نہیں رکھا۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ آپ کی تجویز اصلاح کے لیے ہے تو اس کے لیے آپ وفاق المدارس یا مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب سے رجوع کیجیے۔''

مواد بندہ کو دیا کہ یہ انہیں بھیج دو۔ پرچی پڑھ کر ایک دفعہ تو چکرا گیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ ہم نے کیا سوچا اور کیا ہو گیا۔ خیر مرتا کیا نہ کرتا لیکن اس واقعے نے سبق دیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرنی۔ سچ کہتے ہیں'' یک من علم را دہ من عقل باید'' حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت رحمہ اللہ نے میری بات اور میرے جذبات کا مروتاً ہی سہی کچھ بھی خیال نہیں رکھا نہ رسمی دلجوئی فرمائی لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ بڑے حضرات اگر چھوٹوں کی ناراضگیوں کا خیال کرتے رہیں تو اصلاح و تربیت کہاں سے ہو گی۔ یہ واقعہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی گہری سمجھ اور معاملات کو

جڑ سے اکھاڑ دینے کی عمدہ مثال ہے کہ عام دستور کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس خط کا جواب یا تو عبارات کی غلطی تسلیم کر کے دیا جاتا یا پھر میری طرح جواب ترکی بہ ترکی دیا جاتا یا پھر اسی نوعیت کا کوئی اور کام کیا جاتا مگر حضرت رحمہ اللہ نے ایک الگ ہی بات نکالی اور خوب نکالی۔ **فللہ در فقاھتہ**

بندہ نے نمل سے انگریزی زبان کا ایک کورس کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا فائدہ ہوا؟ بندہ نے عرض کیا کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا: بھائی! نوع من الفائدہ سے تو کوئی چیز خالی نہیں ہوتی۔ مقصد تو یہ ہے کہ جتنے وسائل اور اوقات لگائے اس حساب سے فائدہ ہوا یا نہیں؟

ایک دفعہ بندہ سے پوچھا فلاں کتاب ہے یہاں؟ بندہ نے عرض کیا: ہوگی۔ حضرت نے فرمایا: ہوگی کیا ہوتا ہے، ہے یا نہیں ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! پہلے تو تھی مگر دارالافتاء کی منتقلی کے بعد نظر نہیں آئی شاید کہیں آگے پیچھے ہوگئی ہو۔ اس لیے احتمال کے ساتھ جواب دیا ہے۔ تب عذر قبول ہوا۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے تو استفسار فرمایا کہ تخصص میں کیا پڑھتے ہیں؟ تذکرہ ہوا کہ ''شامی'' کا مطالعہ ہوتا ہے۔ فرمانے لگے: کیسے مطالعہ کرتے ہو میاں! یہ دیکھتے ہو ''شامی'' کا منہج کیا ہے، ''شامی'' کے مراجع کیا ہیں۔ براہ راست مراجع کیا اور ثانوی مراجع و مآخذ کیا ہیں، رجال کون سے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے نفی میں جواب دیا تو حضرت نے فرمایا: واہ میاں! پھر کیا دیکھتے ہیں آپ لوگ ''شامی'' جب یہی باتیں نہیں دیکھیں۔ بندہ نے قدرے تاثر کے ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں یہ بات نقل کر دی۔ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے خاص انداز میں فرمایا:

''حضرت اپنے حساب سے بات کر رہے ہیں، ہمارا یہ مقصد ہی نہیں، ہمارا مقصود تو جزئیات اور پھر حل عبارات کی استعداد ہے'' (اوکما قال)

اس سے بوجھ ختم ہوگیا اور اندازہ ہوا کہ **لکل مقام مقال و لکل فن رجال** ایک فن کا اصول اور مزاج دوسرے پر نہیں چلایا جا سکتا۔ ورنہ آدمی الجھاؤ ہی کا شکار رہتا ہے۔

(۱۴)۔ اصولوں میں لچک اور رعایت

کامل کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں ہر کہتر مہتر کے لیے ایک جیسے اصولوں پر اصرار نہیں کرتا بلکہ فقہی اصطلاح میں کہا جائے تو وہ قیاس سے آگے بڑھ کر استحسان پر بھی عملدرآمد کرتا ہے۔ حضرت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا اگرچہ حضرت کے ہاں اصولوں کی پاسداری تھی۔ مگر اصول سادہ ہوتے تھے اور محدود ہوتے تھے زیادہ اصول سازی اور ان کو زیادہ سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل کرنے کا مزاج نہ تھا لیکن جتنے بھی تھے ان کی پاسداری ہوتی تھی تاہم بعض جگہوں پر اپنے اصولوں میں رعایت بھی فرما لیتے تھے۔

o ایک صاحب حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی سفارش سے داخلہ تخصص کے لیے آئے مگر بے چارے استعداد میں بالکل فارغ تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ امتحان لے لیں ان کا؟ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں امتحان بھی نہیں لینا۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ نے انہیں ویسے ہی داخلہ دیدیا۔ مگر وہ صاحب ایک سال بمشکل چل پائے۔

o ہمارے مخدوم ومحترم مفتی رضا صاحب نے چونکہ حضرت رحمہ اللہ کے پاس دورۂ حدیث میں اسباق پڑھے جس کی وجہ سے ان کی استعداد ولیاقت اور علمی دلچسپی کا اندازہ تھا۔ تخصص میں غیر رہائشی داخلے کے لیے صبح آٹھ سے عصر تک حاضری لازمی ہوتی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے انہیں ان کے اصرار پر صبح تاخیر سے (گیارہ بجے تک) آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

o صوبہ سرحد کی طرف سے ایک عالم جنہوں نے پہلے مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ کے پاس تخصص کیا تھا، وہ استفادے کے لیے حضرت رحمہ اللہ کے پاس آئے تو حضرت رحمہ اللہ نے انہیں اپنے ہاں ایک سال لگوایا اور افتاء وتخصص کی سند دیدی۔

o ہمارے ہر دلعزیز، محنتی اور فاضل دوست مولانا احسن احمد عبدالشکور صاحب (متخصص فی الحدیث از چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ) سے ایک دفعہ فرمایا: ''او مولوی صاحب! آپ ''طوالع الانوار'' پر کام کرلیں ہم آپ کو تخصص کی سند ویسے ہی دیدیں گے۔'' غالباً انہوں نے اپنی تخصص فی الفقہ کی خواہش کا قدرے حسرت کے ساتھ اظہار کیا تھا تو اس کے جواب میں حضرت رحمہ اللہ نے یہ فرمایا۔ بظاہر حضرت رحمہ اللہ نے یہ بات سنجیدگی میں فرمائی تھی۔ ممکن ہے حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں ایسا ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ کچھ تمرین وغیرہ کروا کے اور کچھ چیزیں نکلوا کر انہیں سند مرحمت فرمادیتے۔

(۱۵)۔ظرافت اور برمحل تبصرہ

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں خوش طبعی اور ظرافت بھی معتد بہ موجود تھی جس کا اظہار مناسب موقعوں پر ہوتا رہتا تھا۔ جسے ہمارے ساتھی بے تکلفی سے چھکا لگانا کہتے تھے کہ حضرت نے فلاں کو چھکا لگایا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے یہ جملے زیادہ طویل نہیں ہوتے تھے بلکہ جیسے عام گفتگو با مقصد اور مختصر ہوتی تھی ایسے ہی مزاح بھی بڑا با مقصد اور ٹو دی پوائنٹ ہوتا تھا لیکن اس موقع کے مطابق بہت ہی برمحل اور لطیف ہوتا تھا۔ آدمی سوچتا رہ جاتا تھا کہ یہ کہاں سے آکر لگی ہے۔ خوش طبعی اور ظرافت کے چند واقعات مندرجہ ذیل ہیں:

o ایک دفعہ حضرت ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف فرما تھے تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مولانا ہمارے لوگ کہتے ہیں کہ یہاں لاہور کا تو بیوقوف بھی کراچی میں جا کر سمجھ دار ہو جاتا ہے''۔ جس پر حضرت چشتی صاحب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ غالباً بات یہ تھی کہ چشتی صاحب نے فرمایا کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کراچی کے لوگ بڑے

سمجھدار ہوتے ہیں۔

o جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق کے بارے میں دوران گفتگو فرمایا: ''سراج الحق صاحب تو نرالی شان کے بزرگ ہیں''۔

o ایک صاحب نے یہ تجویز رکھی کہ فتاویٰ ''رشیدیہ'' کو ایسے چھاپا جائے کہ ہر باب کے شروع میں فقہ کے مسائل معتبر کتب سے شامل کر دیے جائیں تاکہ موضوع کے لحاظ سے کتاب مکمل ہو جائے تو حضرت رحمہ اللہ نے جواباً لکھا: ''اس طرح تو یہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' کم اور ''افادات فلانیہ'' زیادہ ہو جائیں گے''۔

o ہمارے ایک ساتھی کو دوران تخصص عصری تعلیم کے پرچے دینے کا شوق ہوا انہوں نے داخلہ بھیج دیا امتحانات کی اجازت کے لیے بندہ انہیں لے کر حضرت رحمہ اللہ کے پاس ہسپتال حاضر ہوا اور مدعا عرض کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ہم منع بھی نہیں کرتے لیکن یہ ہمیں پسند بھی نہیں ہے ایک وقت میں ایک ہی کام کرو۔ یہ جو ہر فن مولیٰ ہوتے ہیں ان کے پاس فن ون تو ہوتا نہیں بس مولیٰ ہی مولیٰ ہوتے ہیں۔''

o ایک دفعہ حضرت ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے تو طلبہ نے اجازت حدیث مانگی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے خاصی مسکراہٹ بلکہ قریب بہ قہقہہ انداز میں فرمایا: ''مولانا! انہیں اجازت مت دیجیے گا۔ انہوں نے ''موافقات'' میں پڑھ رکھا ہے کہ یہ سندیں جمع کرنا مُلَحِ عِلْمُ میں سے ہے، اصل علم نہیں ہے۔'' حضرت چشتی صاحب بھی مسکرائے اور فرمایا: ہاں مولانا گنگوہی بھی فرماتے تھے: میاں یہ سندیں جمع کرنا تو گڈیوں کا کھیل ہے۔ یعنی جیسے بچیاں گڈیوں سے کھیلتی ہیں ایسا ہی یہ بھی ایک مشغلہ ہے۔

o کراچی کے ایک مدرسے کے فاضل حاضر خدمت ہوئے تو حضرت نے ازراہ تفنن ان سے فرمایا: یہ آپ کے مہتمم صاحب کو الٹی الٹی متیں (تجاویز، آراء) کون دیتا ہے؟

o اشتراکیت کے معاشی فلسفے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اشتراکیت کا فلسفہ یہ ہے کہ سوائے حکمرانوں کے باقی سب کو ولی اللہ بنا دو۔''

o ایک دفعہ ایک صاحب نے مطالبہ کیا کہ ہمارا پروگرام ہے اس میں آنجناب شرکت فرمالیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے صحت وغیرہ کا عذر رکھا مگر انہوں نے بایں الفاظ اصرار کیا کہ آپ کے شرکت فرمانے سے ہمارے پروگرام میں جان آجائے گی۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے برجستہ فرمایا:

''آپ کے پروگرام میں جان آئے گی مگر ہماری جان نکل جائے گی۔ کہاں تک جائیں پروگراموں میں۔''

o ایک متخصص نے حرم میں حج کے موقع پر اگلے نمازی کی پشت پر سجدہ کرنے کے حوالے سے عورت کی پشت پر بھی

سجدہ کی اجازت لکھی۔ حضرت رحمہ اللہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''بھائی یہاں ''ظہراخیہ'' (اپنے بھائی کی کمر) ہے، ''ظہراختہ'' (اپنی بہن کی کمر) کا لفظ تو نہیں ہے۔ وہاں کیمرے بھی ہوتے ہیں، اگر عورت نے ہنگامہ کھڑا کر دیا تو کیا ہوگا؟''

o ایک سوال میں سائل نے کافی باریک بینی سے کام لیتے ہوئے ایک نکتہ اٹھایا تھا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''پہلے سارے الٹے کام کر لیتے ہیں، پھر عقل آنے لگتی ہے اور عقل بھی زیادہ ہی آنے لگتی ہے۔''

o طریقت کے عنوان سے ناجائزہ فائدہ اٹھانے والوں کی نسبت فرمایا:

''بھائی! پہنچے ہوئے ہیں تو اپنے گھر پہنچے ہوں گے ہم تو بات کو دیکھیں گے، درست ہے یا نہیں؟''

o بعض اوقات فرماتے تھے:

''لوگ اپنے مشائخ کو قطب الاقطاب اس لیے کہتے ہیں کہ خود قطب تو بنیں گے ناں۔''

o قرآن پاک بھولنے پر وعید ہے، اس بھولنے کا مصداق کیا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ اس کا مصداق وہ ہے جسے ناظرہ بھی پڑھنا نہ آئے۔ اسی پس منظر میں فرمایا:

''ہم تو سہولت والا قول لیتے ہیں۔ لیکن عوام میں یہ بتایا جائے تو مزہ نہیں آتا کیونکہ عوام پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا، عوام ڈرتے نہیں اس لیے خطباء وغیرہ حضرات کو دوسرا قول اچھا لگتا ہے۔ پھر مسکراتے ہوئے فرمایا:

''سہولت والا قول ہوتے ہوئے سخت قول بتانا علمی دہشتگردی ہے۔''

o حضرت رحمہ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے بھائی عبیداللہ صاحب نے بتایا کہ گھر میں والدہ نے رفتہ رفتہ سالن بالکل پھیکا پکانا شروع کر دیا۔ میں نے ایک دن بڑے شکوے کے انداز میں عرض کیا: ابا! اب اماں سالن بالکل ہی پھیکا بنانے لگی ہیں۔ تو والد صاحب نے بڑے معقول اور نستعلیق انداز میں فرمایا:

''بھائی! تمہاری والدہ نے بہت خدمت کی ہے ہماری، اب تمہاری والدہ کو تو ہم بدل نہیں سکتے، تم ہی اپنے مزاج میں تبدیلی پیدا کر لو۔''

o حضرت رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے سنایا کہ ایک دفعہ مجھے شوق ہوا کہ کمپوزنگ سیکھوں تو میں نے ابا جی سے ذکر کر دیا تو پوچھا کیوں سیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کام آجاتی ہے، تو فرمایا:

''پھر پنکچر لگانا بھی سیکھو۔''

مقصد یہ تھا کہ انسان کی ضرورتیں تو کافی ساری ہیں اگر کسی چیز کو سیکھنے کا یہی معیار ہے تو پھر ہر چیز ہی سیکھو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں تو پھر انسان کو اپنے مقصدِ زندگی کی طرف توجہ دینی چاہیے کہ میں نے زندگی میں کرنا کیا ہے۔ اس کے ساتھ معاون ومفید کام کرے ہر مفید کام کے پیچھے نہ پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جامعہ دارالتقویٰ میں ماہنامہ کے اجراء

کی بات آئی اور حضرت سے تذکرہ ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے ادارے والے اپنے طور پر نکالیں تو نکالیں، مگر ہمارے دارالافتاء (یا تخصص کے شعبے) کی یہ ذمہ داری نہیں ہوگی۔ ہم اپنی مرضی یا صوابدید سے مضمون دینا چاہیں تو دیدیں مگر مطالبہ نہیں ہوگا۔''

حضرت رحمہ اللہ نے بہت اہم صول بیان فرمادیا، ہوتا یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں انسان دلچسپی کی بنیاد پر گھس جاتا ہے اور اپنے اصل ہدف زندگی سے دور ہو جاتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ یہ بھی اصول بیان فرماتے تھے کہ تم یہ طے کرو کہ زندگی میں کرنا کیا ہے؟ پھر اسی حساب سے اپنی ترجیحات کا تعین کرو۔ اور جو کام اپنے لیے چنو پھر اس میں اپنے آپ کو ایسا لگاؤ کہ مزیداری پیدا ہو اور کوئی خاطر خواہ حاصل بھی نظر آئے۔ اگر علم میں لگنا ہے تو اسی میں لگو، دعوت میں لگنا ہے تو پھر خوب لگو، یہ نہیں کہ جوش آیا تو گشت کر لیا ورنہ حیلے بہانے تراشنے لگے۔ اگر جہاد میں جانا ہے تو پھر وہیں کے ہو رہو۔ یہ نہ ہو کہ چند دن ایک کام کیا پھر جوش بدلا تو دوسری پھر تیسری جگہ خیر نظر آنے لگی۔ ثُمَّ خیر کی بیماری انسان کو کچھ بھی نہیں کرنے دیتی، انسان آنے جانے میں اور اپنے شعبہ ہائے حیات اور پیشے تبدیل کرنے میں ہی سارا وقت ضائع کر دیتا ہے۔

(۱۶)۔ رسمی کاروائیوں میں دلچسپی نہ لینا

حضرت رحمہ اللہ کے مزاج میں ایک خاص بات یہ تھی کہ ایسے معاملات جو صحافیوں وغیرہ کی طرف سے ہوتے تھے یا یونیورسٹیوں یا تحقیقی اداروں کی جانب سے رسمی کاروائیاں ہوتی تھیں ان میں زیادہ دلچسپی نہ لیتے تھے اور اس فکر میں نہ پڑتے تھے کہ اچھا موقع ہے علماء کا وقار بنے گا، یا مخاطب کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان مہیا ہوگا کیونکہ ایسے مخاطب طالب صادق نہیں ہوتے کچھ تو اپنی رسمی کاروائی چاہتے ہیں، جبکہ کچھ اپنے پہلے سے طے شدہ اہداف اور اغراض کے تحت اہل علم سے اپنے مطلب کی بات اگلوانا چاہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت رحمہ اللہ میڈیا پر علماء کے آنے اور ٹاک شوز وغیرہ کو بھی لایعنی بلکہ مضر خیال کرتے تھے کہ اس سے مقصود نہ تو علم ہوتا ہے نہ اصلاح ہوتی ہے بلکہ پہلے سے طے شدہ ایجنڈوں پر کام ہوتا ہے، یا اہل دین کی باہم لڑائی کروا کر پرانے بادشاہوں کی طرح بٹیر بازی کروائی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں بہرحال بدنامی مذہب کی ہوتی ہے جو کہ سیکولر ایجنڈے کی تکمیل ہے، مذہب کی خدمت کسی صورت نہیں۔

o ایک صحافی نے کوئی سوال بھیجا حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا جس پر ان کا یہ خط آیا:

''محترم عبدالواحد صاحب

السلام علیکم!

آپ سے تحریری طور پر چند مسائل کے بارے میں دین اور شریعت اسلامیہ کے مطابق رہنمائی فرمانے کو کہا گیا لیکن آپ نے کوئی واضح جواب تحریر نہیں کیا، آپ سے التماس ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق دین اور شریعت

اسلامیہ کی روشنی میں جواب سے نوازیں کہ یہ سب درست ہے یا نہیں؟ بجائے گول مول جواب دینے کے واضح اور مکمل جواب ارسال کر کے ہماری رہنمائی فرمائیں۔۔۔۔۔۔۔۔عبدالقادر حسن"

جس پر حضرت رحمہ اللہ نے یہ جواب لکھا: ع

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ع

در مجلس خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

اگر اس کے باوجود آپ کا اصرار ہو تو آ کر زبانی بات کر لیں جو خلاف قانون تو نہیں ہوگی لیکن اپنی طبع کی بناء پر یہ شرط ہے کہ بات ساری OFF THE RECORD ہوگی۔ اگر شرط منظور نہ ہو تو آپ کی مرضی پھر زحمت نہ فرمائیں۔"

o اسلامی نظریاتی کونسل نے چند سال قبل سود پر سوالنامہ مرتب کیا اور بھیجا۔ حضرت رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا:

"مجھے ایسے سوالات کا جواب دینے میں کچھ دلچسپی نہیں اگر چہ آپ اس کو ذوق یا بدذوقی سے تعبیر کریں۔ بار بار نئے سرے سے گڑے مردے اکھیڑنے میں کوئی مثبت فائدہ نہیں بلکہ وقت اور توانائی کو ضائع کرنا ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے ایک طویل فیصلہ لکھا تو وہ ان مسئولہ امور کے جواب سے خالی تو نہ ہوگا۔"

o ایک صاحب نے یونیورسٹی سے اختلاف ائمہ میں ترجیح کے کچھ اصول پوچھے حضرت رحمہ اللہ نے انتہائی سادہ سا یہ جواب دیا:

"آپ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

۱۔ شرح عقود رسم المفتی (اس کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے) ۲۔ اختلاف ائمہ پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اور مولانا زکریا رحمہ اللہ کی کتاب ۳۔ ابوداؤد کی شرح بذل المجہود (یہ عربی میں ہے) یا مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی درس ترمذی (یہ اردو میں ہے)۔ رہی ہماری اپنی رائے تو اس پہلو سے ہم نے پہلے کبھی غور نہیں کیا۔ اس لیے کچھ رائے دینے سے معذرت خواہ ہیں۔"

o ایک یونیورسٹی کے مقالہ نگار نے قلمی انٹرویو کے ذریعے سوالات کیے جس میں ایک سوال یہ تھا کہ آپ کی زندگی کا حاصل کیا ہے؟ ہمارے جیسا کوئی ہوتا تو شاید پورا صفحہ نصیحتوں سے بھر دیتا اور اپنی بزرگی اور عالمانہ وقار کا چوغہ سینے لگ جاتا مگر حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا:

''اتنی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔''

انسان اپنی بہت سی صلاحیتیں خود بینی اور خودنمائی کی نذر کر دیتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ وہ دین کا مفید اور مثبت کام کر رہا ہے، حالانکہ وہ نفس کی آبیاری ہوتی ہے۔ اپنے آپ سے غافل ہوگا تو کسی کا ہوگا اور کسی کے کام آئے گا۔ ایسے میں یہ جواب بڑا سامان عبرت رکھتا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو کبھی دیکھا ہی نہیں کہ اپنے حاصل اور محرومیاں جمع کرتے رہیں۔

(۱۴)۔ متفرقات:

بارعب شخصیت

اول وہلہ میں حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت بڑی بارعب تھی مگر قرب سے رعب مبدل بہ انس ومحبت ہوتا چلا جاتا تھا۔ اگرچہ اپنے قریبی احباب کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ خوش طبعی بھی فرما لیتے تھے مگر اس کے باوجود جوں ہی خاموش ہوتے تو وہی رعب اور وقار عود کر آتا۔ سبق کے دوران وہ منظر بڑا ہوش ربا ہوتا تھا جب عینک کے اوپر سے عقابی نظریں ڈال کے دیکھتے تھے۔ جب اس کے ساتھ ''او بھائی!'' کا خطاب بھی ہوتا تو گویا پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی تھی۔ حالانکہ مارنا تو دور کی بات ہے کبھی زیادہ غصے میں نہیں بولے اور سخت وجارحانہ الفاظ میں نہیں ڈانٹا مگر پھر بھی یہ دیکھنا ہی سب کچھ ہوتا تھا۔ بالخصوص جب ''شامی'' کا مذاکرہ ہوتا سب کے دل دھڑکنے لگتے، نہ جانے کس کی جانب نظر اٹھ جائے۔ کئی طلبہ تو رعب کی وجہ سے ٹھیک سے اظہار مافی الضمیر بھی نہ کر پاتے۔ ڈانٹ میں بھی ''بے وقوف، احمق'' یا زیادہ سے زیادہ ''الّو'' کے الفاظ ہوتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر ان لفظوں کے پیچھے جو بات ہوتی تھی وہی اصل بات ہوتی تھی۔ کبھی اعراض اور عدم التفات ہی سزا بن جاتا تھا۔

یہ حضرت رحمہ اللہ کے دیانت، تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت کا رعب تھا، اسی رعب یا مقصدیت کی اہمیت تھی کہ حضرت رحمہ اللہ سے ان کی ذات کے بارے میں سوالات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کسی نے قلمی انٹرویو کیا تو اس کو بہت غنیمت جانا کہ چلو اس بہانے کچھ معلومات مل گئیں۔ (یہ قلمی انٹرویو شاملِ اشاعت ہے)

کتابوں کے بارے میں ذوق

حضرت رحمہ اللہ کے ہاں کتابوں کے جمع کرنے کا محض شوق نہ تھا بلکہ کتابوں کے مغز اور اصل مآخذ ومراجع کی اہمیت تھی جس کتاب کے بارے میں اس لحاظ سے اہم ہونے کا احساس ہوتا وہ کتاب خریدتے اور مدرسے کے لیے بھی خریدنے کی تجویز فرماتے۔ بندہ نے دوران اختصاص (اصول فقہ کے اختصاصی مطالعے کے سال میں) حضرت رحمہ اللہ سے اصول فقہ کی کچھ کتابوں کے مندرجات ذکر کیے۔ تو فرمایا:

''ہاں کتابوں میں باتیں تو ایک جیسی ہی ہوتی ہیں کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔''

ایک دفعہ مفتی رفیق صاحب نے کسی بڑی موسوعاتی قسم کی کتاب کی بابت تذکرہ کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مولانا ایسی کتابیں تو بڑی لائبریریوں میں ہوتی ہیں جن کی کبھی کبھی مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے، شخصی اور ذاتی لائبریریوں میں تو مآخذ اور زیادہ ضروری چیزیں ہونی چاہئیں۔''

ایک دفعہ مسکرا کر فرمایا:

''پرانے زمانے میں فتویٰ لکھنا آسان تھا، دو چار کتابیں ہوتی تھیں ''عالمگیری''، ''شامی'' وغیرہ بس انہیں کو دیکھا اور جواب لکھ دیا۔ اب تو کتابوں کی بہتات ہے اور جب کتاب سامنے آجائے تو جب تک دیکھ نہ لو اطمینان نہیں ہوتا۔''

اپنے ذوق کا پابند نہ بنانا

حضرت رحمہ اللہ کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ اگرچہ بہت سی چیزوں میں اپنی ترجیحات اور ذوق تھا لیکن اپنے اس ذوق کو دوسرے پر لادنے یا پابند کرنے کی کوشش نہیں فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنے قریبی تلامذہ پر بھی نہیں اور نہ ہی اس ذوق کا ایسے انداز سے اظہار فرماتے تھے کہ جس سے وہ دوسروں تک بہرصورت منتقل ہو جائے۔ کسی نے از خود نوٹ کر لیا تو کر لیا۔ ہاں کبھی حسب ضرورت اظہار فرما دیتے تھے اور کبھی اس کے دوسرے مخالف پہلو پر تبصرہ بھی فرما دیتے تھے۔ لیکن یہ بات صرف ذوقیات کی حد تک تھی شرعی حدود میں ایسا نہیں تھا وہاں نکیر بھی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ دارالافتاء میں ادھیڑ عمر کے ایک صاحب حاضر تھے، ان کے فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی جو موسیقی کی دھن (Musical Tune) تھی، حضرت رحمہ اللہ نے قدرے تیز لہجے میں فرمایا: ''بھائی! اس گھنٹی کو تبدیل کرو۔'' انہوں نے آگے سے ایک چلتا ہوا عذر کر دیا کہ حضرت! اس میں یہی ہے دوسری کوئی نہیں۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے مزید تند لہجے میں فرمایا: ''اسے توڑ دو اگر دوسری نہیں ہے تو۔''

بڑوں کا ادب واحترام

بندہ تخصص کے دو سالوں میں حضرت رحمہ اللہ کی درسی مجالس اور دارالافتاء میں حضرت رحمہ اللہ کی موجودگی میں ہونے والی علمی سرگرمیوں کے یومیہ احوال لکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ بحث مباحثہ میں دیگر حضرات پر نقد بھی ہوتا تھا۔ اور تنقید تھوڑی بہت الفاظ میں آزادی بھی مانگتی ہے، اس لیے کچھ قدرے تند جملے بھی زبان سے نکل جاتے تھے۔ بندہ جوں کے توں لکھ لیتا تھا، نجانے حضرت رحمہ اللہ کو اس بات کا از خود پتہ چلا یا کسی نے بتایا (واللہ اعلم) حضرت رحمہ اللہ کے ہاں سے گھر سے واپس آنے والے کاغذات میں ایک دن ایک پرچی تھی جس پر دو سطری عبارت لکھی تھی۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہماری زبان سے اگر بڑوں کے بارے میں ایسی ویسی بات نکل جائے تو اسے کالعدم سمجھا جائے اور تحریر میں ہو تو اسے کاٹ دیا جائے۔ اللہ ہمیں بے ادبی سے محفوظ رکھے۔ یعنی گویا یہ جملے یا تبصرے صرف علمی مناقشے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہیں ورنہ ہمارا دل ان حضرات کے احترام اور محبت سے لبریز ہے۔ دیگر ساتھی اس پرچی کو دیکھ کر نہ سمجھ پائے مگر بندہ کو

خیال ہوا کہ روئے سخن میری طرف ہے۔ اللہ ہمیں بھی اپنے بڑوں کے بارے میں ایسے اعتدال والا رویہ (**النقد مع الادب**) اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

توکل علی اللہ

ایک دفعہ ہم لوگ دارالافتاء میں تھے کہ زلزلہ آ گیا۔ طلبہ وغیرہ فوراً عمارت سے نکلنے کے لیے لپکے، اور نکل بھی گئے مگر حضرت رحمہ اللہ اپنی جگہ زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے اطمینان سے بیٹھے رہے۔

.....☆☆☆.....

کچھ یادیں

مولانا محمد مبشر کاشمیری
دارالافتاء جامعہ دارالتقوی، لاہور

۲۰۰۳ء میں جب میں نے جامعہ مدنیہ قدیم (کریم پارک راوی روڈ لاہور) میں درجہ ثالثہ میں داخلہ لیا تو اس وقت استاد محترم ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت سے متعارف ہوا، پھر جب تک استاد جی رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ میں رہے تو میں گاہے بگاہے تخصص کی کلاس میں چلا جاتا، جس کا نقد فائدہ یہ ہوا کہ میرا بھی فراغت کے بعد تخصص کا ارادہ بنا۔ چنانچہ فراغت کے بعد استاد جی رحمہ اللہ کے پاس تخصص میں داخلہ لیا۔

استاد جی رحمہ اللہ انتہائی مخلص اور محنتی استاد تھے، وقت کے قدردان تھے، ہم نے ہمیشہ استاد جی رحمہ اللہ کو پڑھتے ہوئے یا لکھتے ہوئے دیکھا، انتہائی متبع سنت دیکھا، اس کے ساتھ ساتھ طبیعت میں اللہ رب العزت نے استقامت جیسی دولت عطا فرما رکھی تھی، سبق میں چھٹی کا معمول بالکل نہیں تھا، گرمی ہو یا سردی، بارش ہو یا دھوپ استاد جی نے سبق پڑھانے کے لیے ضرور آنا ہوتا تھا، طبیعت میں انتہائی اعتدال تھا، ہر کسی کی بات کو بڑے دھیان سے سنتے تھے اور اتنے ہی اطمینان سے جواب مرحمت فرماتے، لکھنے اور پڑھنے میں ایک خاص بات جو ہم نے دیکھی وہ یہ تھی کہ اکابر کے مزاج کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، جو فرماتے یا لکھتے اس میں بھی انتہائی ذمے داری کا مظاہرہ فرماتے۔

استاد جی رحمہ اللہ کی شخصیت اہل علم کے لیے واقعتاً قابل تقلید تھی، اپنی زندگی کو انتہائی با مقصد بنایا تھا، زندگی ایک نظام الاوقات کے تحت چل رہی تھی، طبیعت میں سادگی اور عاجزی اور کھانے پینے میں انتہائی اعتدال تھا۔ ایک دفعہ بندہ استاد جی رحمہ اللہ کے پاس داتا دربار ہسپتال میں حاضر ہوا، اور چائے کی پیشکش کی، جس پر استاد جی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی کھانا کھایا ہے لہذا اب چائے پینے سے تبخیر ہو جائے گی۔

متواضع اور سادہ طبیعت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ بارعب بھی تھے۔ اسی پر ایک واقعہ یاد آیا کہ دوران تخصص ایک دفعہ پاکستان میں ''ناموس رسالت'' کا مسئلہ بڑے زور وشور سے شروع ہوا، اسی مناسبت سے استاد جی رحمہ اللہ نے علامہ ابن عابدین کی کتاب ''مجموعہ رسائل ابن عابدین'' کا ایک رسالہ ''**تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام او احد اصحابہ الکرام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام**'' مطالعہ کے لیے فرمایا، اور ساتھ فرمایا کہ

ایک ہفتہ کے بعد اس کا مذاکرہ ہوگا، تیاری کر کے آنا۔ چنانچہ جس دن مذاکرہ تھا تو مجھ سے پہلے غالباً پانچ ساتھی بیٹھے تھے جن سے استاد جی رحمہ اللہ نے سبق پوچھنا تھا، ان میں سے بعض ساتھیوں کو استاد جی رحمہ اللہ نے اچھی خاصی ڈانٹ پلائی، جب میرا نمبر آیا تو استاد جی رحمہ اللہ نے پوچھا: ہاں مولوی صاحب! تم بتاو۔ میں اتنا انڈر پریشر ہو گیا کہ مجھ سے بولا نہیں گیا، اور استاد جی رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اگر آپ کہیں تو میں لکھ کر دے سکتا ہوں، آپ کے رعب کی وجہ سے زبانی نہیں سنایا جائے گا۔ اس پر استاد جی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**مولوی صاحب! تم نے تو ایسی بات کر دی ہے کہ ہم کچھ کہہ ہی نہیں سکتے**''۔ پھر جب ہماری تمرین شروع ہوئی تو مجھے طلاق کا مسئلہ دیا گیا جس میں زوجین کا الفاظ طلاق میں اختلاف تھا بیوی کہتی تھی کہ تین دفعہ طلاق کے لفظ بولے ہیں جبکہ میاں منکر تھا۔ اس کا جواب دیکھ کر استاد جی رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ مبشر کون ہیں؟ تو میں نے ہاتھ بلند کیا، جس کو دیکھ کر استاد جی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**اچھا تم ہو**'' اور ہنس پڑے۔ پھر یہاں تک شفقت فرمانے لگے کہ جب استاد جی رحمہ اللہ مولانا عثمان صاحب نے استاد جی رحمہ اللہ سے کہا کہ جامعہ مدنیہ کا دارلافتاء باقاعدہ کھلنا چاہیے اور باقاعدہ ایک کل وقتی ساتھی کو بیٹھنا چاہیے، تب استاد جی رحمہ اللہ نے مجھے جامعہ مدنیہ قدیم کے دارالافتاء کے لیے منتخب فرمایا، اور گاہے بگاہے پوچھتے بھی رہتے تھے۔ اور حتی الامکان میری کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ جس مسئلہ کا بھی جواب دیا جائے وہ استاد جی رحمہ اللہ کے نظرِ ثانی اور دستخط سے جاری ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب تک میں دارلافتاء میں رہا اس کی بھرپور کوشش کرتا رہا (الحمدللہ) اور استاد جی رحمہ اللہ بھی گاہے بگاہے قیمتی نصائح سے مستفید فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ استاد جی رحمہ اللہ کی انتھک کاوشوں اور دینی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور بعد میں آنے والوں کے لیے صدقہ جاریہ فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

.....☆☆☆.....

متفرق یادیں

مفتی طلحہ خالد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ لاہور

بسم اللہ ان الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ

استادِ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ بہت بڑی شخصیت تھے، پیکرِ علم و عمل تھے، امت کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ مجھ جیسے حقیر اور ناچیز کے بس میں نہیں کہ حضرت کی شان میں کوئی مضمون لکھوں۔ البتہ بندہ کے پاس کچھ متفرق یادیں ہیں جو شاید کسی درجہ میں میرے پاس امانت بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور سے مقصود انہی متفرق یادوں کو یکجا کرنا اور قارئین کے سامنے لانا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے میرے تعلق کے کئی مراحل ہیں:

۱۔ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۰۹ء (یعنی اولیٰ سے سادسہ تک)۔
۲۔ ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۰ء (موقوف علیہ کا سال)
۳۔ ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۴ء (دورانِ تخصص)
۴۔ ۲۰۱۴ء سے آخر حیات تک (تخصص کے بعد)

۱: اولیٰ سے سادسہ تک:

جس سال حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ دارالتقویٰ چوبرجی پارک تشریف لائے وہ سال بندہ کا درجہ اولیٰ کا تھا۔ اس سے پہلے مجھے حضرت کا تعارف نہ تھا۔ ان چھ سالوں میں بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے زیادہ تعارف نہ ہوسکا۔ ابتدائی تاثر (Perception) یہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ بہت سخت ہیں۔ ان چھ سالوں میں کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ کو مدرسہ سے گھر تک چھوڑنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کی ظاہری وجہ یہ بنی کہ میرے چچازاد بھائی مولوی سعد نعمان سلمہ کے پاس گاڑی تھی، اس لیے بعض اوقات حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو گاڑی پر ان (اپنے چچازاد بھائی) کے ساتھ چھوڑنے جاتا، کبھی ان کی گاڑی لے کر اکیلا چھوڑنے چلا جاتا۔ حضرت رحمہ اللہ کی عادت اکثر خاموش رہنے کی تھی۔ اس دوران گھر کا راستہ سمجھانے کے علاوہ کم ہی کوئی اور بات کرنے کی نوبت آتی۔ ہم نے کبھی جرأت/ہمت کر کے کوئی مسئلہ پوچھ لیا تو اس کا جواب تسلی سے مرحمت فرمادیا۔ حضرت رحمہ اللہ کا اکثر معمول یہ تھا کہ ظہر سے پہلے تشریف لے جاتے تھے۔

البتہ بعض اوقات حضرت کسی وجہ سے ظہر الہلال مسجد میں ہی پڑھتے۔ حضرت رحمہ اللہ کی نماز کو بغور دیکھا، حضرت رحمہ اللہ بہت ہی سکون اور آرام و اہتمام سنن کے ساتھ نماز پڑھتے۔ حضرت رحمہ اللہ کی نماز کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔

۲: موقوف علیہ کا سال:

۲۰۰۹ء سے پہلے ہمارے مدرسہ میں درجہ سادسہ تک پڑھائی تھی۔ ۲۰۰۹ء میں موقوف علیہ کے سال کا آغاز ہماری جماعت سے ہوا۔ جب ہمیں پتا چلا کہ ''ہدایہ ثالث'' پڑھانے کے لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا طے ہوا ہے تو ہماری خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ ذہن میں یہ خیال آیا کہ حضرت رحمہ اللہ تو ملک کے نامور بڑے مفتیوں میں سے ہیں، سارے جدید اور پیچیدہ مسائل کے ماہر ہیں، لہذا ان سارے مسائل پر تفصیل سے بحث ہوگی، سارے نئے معاملات اور ان کی جدید شکلوں کو حضرت رحمہ اللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ لیکن جب حضرت رحمہ اللہ نے پڑھانا شروع کیا تو خود ہی پڑھتے اور خود ہی سمجھاتے۔ کچھ دن گذرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ جدید مسائل پر تو کوئی بحث نہیں ہو رہی تو میں نے کسی عبارت سے کسی جدید مسئلے کے استنباط کی کوشش کی، تو حضرت رحمہ اللہ نے مسکرا کر جواب دیا:

''بھائی! ایک ہے کتاب کو حل کرنا، اور ایک ہے نئے مسائل پر بحث کرنا۔ اگر ان مسائل کو چھیڑا تو کتاب تو (پوری) نہیں ہوگی، اس لیے ہم کتاب کو ہی حل کریں گے۔''

پھر کچھ دن پڑھانے کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اب تک میں نے آپ کو دکھایا ہے کہ ہمارے پڑھنے کا طرز کیا ہوگا۔ اب آگے آپ لوگ خود پڑھو''۔

اس کے بعد طالب علم ہی عبارت پڑھتے اور ترجمہ کرتے۔ اور یہ سعادت اکثر بندہ کو نصیب ہوتی۔ حضرت رحمہ اللہ ایسے ترجمہ کو پسند فرماتے جو اردو محاورے کے مطابق ہو اور عام بول چال میں استعمال ہوتا ہو۔ اس معاملے میں بندہ کی بہت اصلاح ہوئی۔ ایک دفعہ میرے کسی ترجمہ پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مولوی صاحب! اب یہ متوسط درجے کے طالب علموں والا ترجمہ چھوڑ دو''۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ''یہ تو اولیٰ کے درجے کے طالب علموں والے ترجمے ہیں''۔

اس معاملے میں حضرت رحمہ اللہ نے جو اصلاحات فرمائیں ان میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ فاء تعقیبیہ کے ترجمہ میں ''پس'' کہنا ناپسند فرماتے تھے۔ فرماتے کہ ''تو'' یا ''پھر'' کہو۔

۲۔ ''امابعد'' میں ''بہرحال'' کے بجائے ''یہ مسئلہ تو''، ''باقی رہا یہ کہ''۔

۳۔ ''طعام'' کا ترجمہ ''کھانے'' کے بجائے ''اناج''۔

۴۔ ''رجل'' کے ترجمہ میں فرماتے کہ ''آدمی'' کے بجائے ''مرد'' کہو، کیونکہ ''آدمی'' انسان کے معنیٰ میں ہے، عورتیں بھی آدمی کے تحت آتی ہیں۔

شروع میں تو ایسا محسوس ہوا کہ زیادہ تفصیل نہیں بیان ہو رہی، حضرت رحمہ اللہ اپنی طرف سے تھوڑا ہی ارشاد فرماتے ہیں، آہستہ آہستہ احساس ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ اہم نکتے کی بات بڑی سادگی سے ارشاد فرما دیتے ہیں۔ مزید اس کی اہمیت کا اندازہ تب ہوا جب مولانا فاروق مکی صاحب ہمارے مدرسہ میں تشریف لائے۔ ان کو میں نے بتایا کہ ہم ''ہدایہ ثالث'' حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھ رہے ہیں تو مولانا فاروق مکی صاحب نے انتہائی خوشگوار حیرت کا اظہار فرمایا اور اپنے مخصوص مشتاقانہ انداز میں پوچھا کہ ان کے درس کو آپ نے تحریر کیا ہو تو مجھے بھی عنایت فرمائیں، مجھے کسی طرح ان کے درس کی تقریر مل سکتی ہے؟ میں نے شرمندگی سے عرض کیا کہ ہم تو نہیں لکھتے، اور شاید یہ بھی کہہ دیا کہ استاد جی تو زیادہ بحث نہیں کرتے۔ اس پر مولانا نے فرمایا:

''آپ لوگوں کو تو قدر ہی نہیں، حضرت بڑے بڑے مضامین کے سمندروں کو آپ کے لیے کوزے میں بند کر دیتے ہیں، آپ اس کو معمولی سمجھ رہے ہیں۔''

اس وقت اندازہ ہوا کہ جس کو ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ کچھ تفصیلی بحث نہیں ہو رہی وہ پورے مضامین اور مباحث کی لے دے کا خلاصہ ہے۔ اور جب اس نظر سے پڑھنے لگے تو ایسا ہی پایا کہ بڑے بڑے اعتراضات کے جواب کا خلاصہ بڑی سادگی سے دے دیتے تھے۔

اسی دوران اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہوا کہ حضرت استاد محترم کبھی بھی بغیر مطالعہ کے سبق نہ پڑھاتے تھے، ہمارا اندازہ تو یہ تھا کہ اتنے بڑے مفتی کو مطالعہ کی کیا ضرورت ہوگی؟ جب حضرت رحمہ اللہ کا یہ معمول دیکھا تو اندازہ ہوا کہ مطالعہ کتنی اہم چیز ہے۔

اسی سال حضرت رحمہ اللہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، ہم نے اپنی پوری جماعت کے نام ایک پرچہ پر لکھ کر دیے، اور دعاؤں اور روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کا عرض کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے قبول فرما لیا۔ اس سفر کے دوران حضرت رحمہ اللہ کی غیر موجودگی میں ''ہدایہ ثالث'' مفتی شعیب صاحب نے پڑھائی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا جو ہم پر رعب تھا اس سال اس میں کچھ کمی آئی۔ اس لیے اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ سے کچھ نہ کچھ سوال و جواب کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ دوران سبق حضرت رحمہ اللہ کو فون آیا، بات کرتے ہوئے حضرت رحمہ اللہ ذرا ہنسے، جس سے آپ کے دندان بھی نظر آنے لگے۔ بندہ نے پہلی دفعہ حضرت رحمہ اللہ کو اس طرح ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ ہماری جماعت کے بعض ساتھیوں نے بعد میں از راہ مذاق آپس میں کہا کہ دیکھو حضرت ڈاکٹر صاحب ہنستے بھی ہیں۔

اس سال کے بعد دورہ حدیث کے لیے جامعہ اشرفیہ جانا ہوا۔ خماسی کے امتحانوں کے بعد ہماری جماعت نے چوبرجی میں اساتذہ کی دعوت کی۔ اس دعوت میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بھی مدعو کیا۔ خیال یہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ بہت

مصروف ہوتے ہیں، ان کو پتا نہیں ہم یاد بھی ہوں گے یا نہیں؟ اور شاید وہ تشریف بھی نہ لائیں۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ نہ صرف خاص وقت نکال کر دعوت میں تشریف لائے بلکہ کھانے کے بعد ہمارے ساتھ کھڑے بھی ہوئے، ہمیں ملے بھی اور بڑے اچھے طریقے سے حال چال پوچھ کر دعوت کا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دے کر پھر تشریف لے گئے۔ ہم حیران رہ گئے کہ کتنی عاجزی کے ساتھ ملے اور ہمارا شکریہ بھی ادا کیا۔

۳۔ تخصص:

جماعت میں سال لگانے کے بعد بندہ نے استاذ محترم حضرت مولانا عثمان صاحب مدظلہم سے مشورہ کیا کہ تخصص کرنے کا ارادہ ہے، حضرت نے فوراً فرمایا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کرلو، ان کی تحقیق کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔

شوال میں داخلے کے لیے مدرسہ حاضر ہوا۔ اس وقت داخلے کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلا امتحان مفتی رفیق صاحب یا مفتی شعیب صاحب لیتے تھے اور اگر مناسب استعداد ہوتی تو پھر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ امتحان لیتے، اور داخلہ مکمل حضرت رحمہ اللہ کی صوابدید پر منحصر ہوتا۔ میرا پہلا امتحان مفتی رفیق صاحب نے لیا۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس نام گیا تو حضرت رحمہ اللہ نے بغیر امتحان کے ہی داخلہ دے دیا۔ یہ حضرت رحمہ اللہ کا حسن ظن تھا۔

چونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ایک سال پڑھ چکے تھے، اس لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مزاج سے کچھ آشنا تھے، تو اکثر عبارت پڑھنے اور ترجمہ کرنے کی سعادت ملتی رہی۔ حضرت رحمہ اللہ سے کوئی بات پوچھنی ہوتی یا اپنا کوئی خلجان حضرت رحمہ اللہ کے سامنے رکھنا ہوتا تو رکھ لیتے۔ اب پہلے جیسی جھجک نہیں رہی تھی۔ خصوصاً جب ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو گھر چھوڑنے جاتے تو راستے میں بات کرنے کا اچھا موقع مل جاتا تھا۔ ایک دفعہ گاڑی میں گھر جاتے ہوئے اچانک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے خود ماہنامہ ''البرہان'' کا اور ڈاکٹر امین صاحب کا تذکرہ کیا، اور ان کی مدارس کے نصاب کے بارے میں سوچ کے بارے میں اپنے تحفظات کا ذکر کیا، اور یہ بھی فرمایا کہ شاید انہوں نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نصاب کو سامنے رکھا ہے حالانکہ وفاق کافی چیزوں کو تبدیلی کر کے اپنا چکا ہے۔

ایک دفعہ ہم سبق میں بیٹھے ہوئے تھے کسی مسئلے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور مفتی رفیق صاحب کے درمیان بات ہو رہی تھی۔ مفتی رفیق صاحب کسی معاملے کے بارے میں فرما رہے تھے کہ معاملات میں اصل مدار مقاصد کا ہوتا ہے، اور چونکہ اس معاملے میں اگرچہ نام سود کا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے سود نہیں بنتا، اس لیے یہ معاملہ جائز ہونا چاہیے۔ اور غالباً اسی بارے میں ''احسن الفتاویٰ'' کا حوالہ بھی ساتھ دکھایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا اس وقت رجحان عدم جواز کی طرف تھا، اور حضرت رحمہ اللہ کے سامنے اس کے دلائل بھی تھے۔ اسی بات چیت کے دوران اچانک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں بھائی! تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ میں بے فکر بیٹھا ہوا تھا، اچانک سے حضرت کے اس طرف توجہ کی وجہ سے ہڑبڑا سا گیا اور عرض کیا کہ اگر اس طرح دیکھیں تو جواز کی طرف ذہن

جاتا ہے، اور اگر اس نظر سے دیکھیں تو عدم جواز سمجھ آتا ہے۔ گویا دونوں حضرات کے ہی دلائل ذکر کر دیے۔

میں بعد میں سوچتا رہا کہ حضرت رحمہ اللہ نے آخر میری رائے کیوں لی؟ بظاہر اس طرف متوجہ کرنا مقصود تھا کہ کسی بات کو سرسری نہ سمجھوں، خود بھی غور کروں اور جب کوئی علمی گفتگو ہو رہی ہو تو ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھوں۔

سنت ولیمہ:

تخصص کے شروع میں ہی بندہ کی شادی طے ہوگئی۔ والد صاحب کے ذہن میں تھا کہ ہر کام سنت کے مطابق کرنا ہے، اور ان کے ذہن میں تھا کہ حضور ﷺ کا ایک ولیمہ ایسا بھی ہوا ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے صحابہ سے کہا کہ جس کے پاس جو کھانا ہو وہ لے آئے۔ اور اس طرح حضور ﷺ کا ولیمہ ہو گیا۔ والد صاحب نے اس بات کا تذکرہ مفتی احمد علی صاحب (جامعہ اشرفیہ والے) سے کیا۔ انہوں نے بہت سراہا، اور فرمایا کہ آپ کو ایک مٹی ہوئی سنت زندہ کرنے کا ثواب ہوگا۔ چنانچہ رخصتی کے اگلے دن ایسے ہی ہوا۔ سب لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آئیں جو سب نے مل کر کھایا۔

اس پر دارالافتاء میں بحث چل پڑی کہ کیا اس کو سنت کہنا ٹھیک ہے؟ سنت کی تعریف کیا ہے؟ یہ واقعہ سفر کا تھا وغیرہ وغیرہ۔ جب اس میں بحث کافی بڑھ گئی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بس اس بات کو چھوڑ دیں، انہوں نے اتباع سنت کے شوق میں ایسا کیا ہے، ان شاء اللہ ان کو اس کا ثواب مل گیا ہوگا۔

مروجہ ولیمہ:

اس سے اگلے دن مدرسہ میں اساتذہ کی دعوت ولیمہ رکھی۔ اس کے لیے مفتی رفیق صاحب سے عرض کیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو دعوت دے دیں۔ مفتی رفیق صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ہنستے ہوئے فرمایا: سنت ولیمہ کے بعد جو عام مروجہ ولیمہ ہے، اس کی دعوت ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے قبول فرمایا اور دعوت میں شریک ہوئے۔

فتویٰ کی اصلاح

غالباً حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اندازہ تھا کہ مجھے کچھ انگریزی سے مناسبت ہے۔ اس لیے کبھی نیٹ سے کوئی مضمون نکالنا ہوتا یا کسی ایسی چیز کے بارے میں تحقیق کرنی ہوتی جس کا مواد انگریزی میں ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ مجھے ہی کہتے۔ نیز تمیرین کے دوران ایک آدھ دفعہ انگریزی کا استفتاء بھی حل کرنے کا موقع ملا۔ ایک دفعہ بندہ نے خالی انگریزی میں جواب لکھ دیا، جس پر حضرت رحمہ اللہ نے تبصرہ لکھا: ''what are the arguments'' (دلائل کیا ہیں؟) جب بندہ نے دلائل ساتھ لگائے تو حضرت رحمہ اللہ نے مناسب ترمیم کر کے تصحیح فرما دی۔

حضرت رحمہ اللہ اس بات کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ فتویٰ کی عبارت عام فہم ہو، تاکہ سائل کو جواب سمجھنے میں دقت

نہ ہو۔اس بارے میں کئی مواقع پر حضرت رحمہ اللہ نے اصلاح فرمائی، جس سے بندے کو بہت فائدہ ہوا۔

اپنی بات سے رجوع کا جذبہ

تخصص کے پہلے سال ہی کا واقعہ ہے کہ ایک سوال آیا جس میں کھانے پینے کی اشیاء میں شامل مختلف اجزائے ترکیبی کے بارے میں سوال تھا۔منجملہ ان کے وے پاؤڈر بھی تھا۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ابتداء اس کا جواز لکھا۔میں نے عرض کیا کہ اس کے بارے میں میں نے پڑھا تھا کہ اس کو علی الاطلاق حلال کہنا درست نہیں، اس میں کچھ کلام ہے۔ حضرت نے مفتی رفیق صاحب سے بھی فرمایا کہ اس میں کیا مسئلہ ہوسکتا ہے؟ یہ تو دودھ سے پنیر نکال لینے کے بعد جو پانی بچ جاتا ہے اس کو کہتے ہیں۔مفتی رفیق صاحب نے فرمایا کہ اس کو دیکھ لیتے ہیں۔اگلے دن جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو میں نے نیٹ سے معلومات نکال کر حضرت رحمہ اللہ کے سامنے رکھ دیں۔اس کو دیکھ کر حضرت رحمہ اللہ نے اپنے جواب میں ترمیم فرمادی۔

دوران تمرین بندہ نے ایک جواب لکھا جس میں ملازم کے فوت ہونے پر اس کے خاندان والوں کو جو فنڈز ملتے ہیں، ان کے متعلق حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی رائے کے خلاف لکھا۔جب حضرت رحمہ اللہ کو حکومت کے ضوابط دکھائے تو حضرت رحمہ اللہ نے اپنے سابقہ فتوے سے رجوع فرمالیا۔اس واقعہ سے ایک تو حضرت رحمہ اللہ کا بڑا پن ظاہر ہوا، دوسرا یہ کہ حضرتؒ کے نزدیک اصل دلائل تھے کہ دلائل سے کیا بات ثابت ہوتی ہے، اس معاملے میں انا بالکل آڑے نہ آتی تھی۔

وضعداری

شروع میں جو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک Image (ظاہری تاثر) تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سخت ہیں، وہ تخصص کے اخیر تک بالکل دور ہوگیا۔حضرت رحمہ اللہ سخت ہرگز نہیں تھے بلکہ اصول پسند تھے۔اس کے ساتھ ساتھ حضرت رحمہ اللہ میں رکھ رکھاؤ کا بھی بہت اہتمام تھا۔جب بھی خدمت کا موقع ملتا تو ہمیشہ دعائیں دیتے۔اگر کبھی ہم دعوت دیتے تو خاصا تکلف اٹھا (out of way جا) کر اس دعوت میں شریک ہوتے۔اس لیے جب ساتھی یہ دیکھتے کہ کسی ولیمے / شادی پر حضرت کو آنے میں تکلیف ہوگی تو پھر دعوت ہی نہ دیتے۔کیونکہ اگر ایک دفعہ دعوت دیدی تو حضرت اپنی طبیعت پر جبر کر کے اور اپنے آرام پر سمجھوتہ کر کے ضرور تشریف لائیں گے۔اس لیے بندہ نے اپنے بھائی مولوی مصعب کے ولیمے پر مفتی عبداللہ صاحب (صاحبزادہ حضرت ڈاکٹر صاحب) کے مشورے سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو مدعو نہیں کیا۔

نیز اگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو کوئی ہدیہ دیتے تو حضرت رحمہ اللہ اس کو قبول فرمالیتے۔بندہ نے ایک دفعہ ایک مفلر حضرت رحمہ اللہ کو دیا، تو نہ صرف حضرتؒ نے قبول فرمایا بلکہ اس کو پہن کر مدرسہ بھی تشریف لائے۔اس کو دیکھ

کر دل باغ باغ ہو گیا۔

میرے بہنوئی سعد عظمت اور ''لمز یونیورسٹی'' کے سابقہ پروفیسر ڈاکٹر ذیشان صاحب اسلامک فائنانس کے متعلق کچھ سوال و جواب کی غرض سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں وقت لے کر حاضر ہوئے۔ بعد میں کسی وقت میں میں نے اپنے بہنوئی سے اس ملاقات کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت رحمہ اللہ تو بالکل بھی سخت نہیں، اور بہت ہی اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں، انہوں نے مناسب مزاح بھی فرمایا، ہمارا مختصر ہدیہ بھی قبول فرمایا، بڑی عاجزی کے ساتھ بیٹھے اور خود اکرام کا سامان لا کر ہمارے سامنے رکھا۔ ایسا بالکل محسوس نہیں ہونے دیا کہ ہم کسی بڑے مفتی کی معیت میں ہیں، بلکہ بڑی عاجزی اور نرمی کے ساتھی عام بندوں کی طرح پیش آئے۔

۴۔ تخصص کے بعد

تخصص سے فراغت کے بعد ایک سال تک میری دارالافتاء میں باقاعدہ حاضری نہیں ہوئی۔ لیکن جب بھی حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات ہوتی حضرت رحمہ اللہ حال احوال لیتے کہ کیا کر رہے ہو؟ کدھر مصروف ہو؟ وغیرہ۔

ایک سال کے بعد جب مدرسہ میں باقاعدہ اسباق اور دارالافتاء میں حاضری شروع ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ نے بعض اوقات کوئی مضمون دیکھنا ہوتا، جیسے کسی خاص دوا، کیمیکل یا نئی بیماری کے متعلق تو مجھے ارشاد فرماتے کہ اس بارے میں نیٹ پر مواد دیکھو اور نکال کر مجھے دکھاؤ۔ چنانچہ نیٹ پر دیکھ کر اس میں سے مخصوص منتخب مواد کا پرنٹ نکال کر حضرت رحمہ اللہ کو دکھا دیتا۔

اسی اثناء میں حضرت رحمہ اللہ نے بندے کے ذمے کام لگایا کہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی کے متعلق مواد جمع کرو۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس کافی کیسیٹیں ہیں ان میں سے سن کر جو باتیں قابل اعتراض ملیں، ان کو جمع کر لو۔

اس پر کام شروع کیا، لیکن وہ کیسیٹیں تلاش کے باوجود نہ ملیں۔ پھر ایسا کیا کہ جو تحریری مواد نیٹ پر ملا اس کو جمع کیا، اس کو پڑھا، جو باتیں بھی اپنے مؤقف سے ہٹی ہوئی ملیں ان کو جمع کر کے حضرت رحمہ اللہ کو دکھایا۔ حضرت رحمہ اللہ نے بغور پڑھ کر فرمایا کہ یہ تو ساری وہ فروعی باتیں ہیں جن کے غیر مقلدین حضرات قائل ہیں، اور ان کے پاس ان کے کچھ دلائل بھی ہیں۔ مطلوب ایسا مواد ہے جس میں عقائد یا صحابہ یا اکابر کے بارے میں کوئی بات ہو۔ حضرت رحمہ اللہ نے ایک مثال بھی دی جیسے جب انہوں نے فرحت ہاشمی کو سنا تو اس میں فرحت ہاشمی کی یہ بات سامنے آئی کہ ''بہشتی زیور کا ایک ایک لفظ ایسا ہے جو سر پر ہتھوڑا بن کر برستا ہے۔''

اس کے بعد نیٹ پر جو صوتی (Audio) مواد تفسیر کا موجود تھا اس کو سننا شروع کیا۔ حضرت رحمہ اللہ کو کارگذاری بھی سناتا۔ اس کا مواد اتنا طویل تھا اور کچھ میری نااہلی بھی تھی کہ وہ کام معتد بہ حد تک نہ ہو سکا۔

اختصاص فی فقہ الحلال کی بنیاد

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مجھے اور مفتی عبداللہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کچھ مضامین ہیں (مجھ سے) پڑھ لو۔ چنانچہ روزانہ کی بنیاد پر حضرت رحمہ اللہ نے ہمیں پڑھانا شروع کیا۔ جن میں پہلے جنیاتی سائنس کے متعلق ڈی این اے پر ایک کتاب پڑھائی۔ پھر اسی (سائنس) کے متعلق چند مضامین اور پڑھائے۔ اس کے بعد ان سے متعلق جو فقہی مسائل ہیں جیسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی، کلوننگ کے احکام وغیرہ پڑھائے۔ اس میں تقریباً ایک تعلیمی سال لگا۔ اس کے بعد شعبان، رمضان کی چھٹیاں آ گئیں۔

الحمدللہ مدرسہ کے اہل شوریٰ کی مستقل کوشش اور فکر رہی ہے کہ دارالافتاء کی کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنایا جائے، اور اس میں ہونے والے کاموں کو عوام کے فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک عام کیا جائے، اس کے انتظامی معیار کو بہتر بنایا جائے۔ اس کے لیے یہ سوچا گیا کہ اگر ایک شخص اسی کام کے لیے مختص کر دیا جائے جو ان سارے امور کو دیکھے تو بہت مناسب ہوگا۔ احباب دارالافتاء کے مشورہ سے بندہ کا نام سامنے آیا، اہل شوریٰ نے مجھے بلا کر پوچھا کہ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ اس پر میں نے عرض کیا جیسے حضرات طے کر دیں، میں تیار ہوں۔ اب یہ طے ہو گیا میں اس کام کو شوال سے شروع کر دوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شوال میں دارالافتاء حاضری ہوئی تو پتا چلا کہ میرے متعلق مشورہ کرنے کے لیے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے گھر جانا ہے، کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ کیا مسئلہ ہے لیکن تفصیلی علم تو حضرت رحمہ اللہ کے گھر جا کر ہوا۔

حضرت رحمہ اللہ کے گھر مفتی شعیب احمد صاحب کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بھائی! کام کرنے کا یہ کیا طریقہ ہوا کہ کام کرنے والے بندوں کی نگرانی پر بندے لگا دو، پھر ان کی نگرانی پر بندے لگا دو۔ کام تو احساس ذمہ داری سے ہوتا ہے۔''

پھر میری طرف متوجہ ہو کر کچھ ناراضگی سے فرمایا: ''بھائی! ہم نے تو تمہارے لیے اونچا کام سوچا ہوا ہے، یہ جو ایک سال کام کیا ہے، اس کو آگے چلانا ہے۔'' حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس سے پہلے میرے سے کبھی ناراض نہ ہوئے تھے، اس لیے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا عرض کروں! بس نظروں کو جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مفتی شعیب صاحب نے میرا عذر بیان کیا کہ کچھ معاشی اعتبار سے بھی مسئلہ تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا جو میں نے ایک سال محنت کی ہے اس کا کیا ہوگا؟ مفتی شعیب صاحب نے پھر میرے دفاع میں کہا کہ انہوں نے (طلحہ نے) خود اپنے آپ کو پیش نہیں کیا، بلکہ ہم نے ہی رائے دی تھی، اس نے تو کہا تھا کہ جیسے بڑے کہہ دیں میں تیار ہوں۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جس نے میری سوچ کا رُخ بدل دیا اور مجھے زندگی کا اصول ملا۔ فرمایا:

''یہ کیا بات ہوئی اپنا بھی تو کوئی ذہن ہونا چاہیے، لوگ اگر کہیں گے کہ خالی تدریس کر لو، تو خالی تدریس کرو گے؟''

اور بھی کچھ بات چیت فرماتے رہے۔ یہ بھی فرمایا:

''ہم نے تمہارے لیے وہ فیلڈ (فقہ الحلال اور فقہ الطب المعاصر) سوچی ہے، جس کی بہت زیادہ ڈیمانڈ ہے اور ضرورت ہے، اور تم اپنے آپ کو کہاں لگا رہے ہو؟''

اخیر میں مجھ سے کہا کہ اس کو سوچو۔ میں واپسی پر سوچتا رہا کہ ہم یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا وژن (Vision) کتنا اونچا ہے، وہ ہمیں کس درجہ تک لے کر جانا چاہتے ہیں۔

ایک سال سے جو ہمیں پڑھا رہے تھے وہ دراصل فقہ الحلال میں اختصاص کی ابتداء تھی۔ اسی وجہ سے ای نمبرز (E Numbers) یاد کرنے کا بھی فرمایا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ یہ چاہتے تھے کہ ہم اتنی مہارت حاصل کرلیں کہ اس شعبے میں مرجع بن جائیں۔

اب یہ تو طے ہوگیا تھا کہ آگے اس شعبے میں بڑھنا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ مدرسہ کے اہل شوریٰ نے اتنی سوچ و بچار اور مشوروں سے ایک چیز سوچی تھی، اس کا کیا ہوگا؟ ان تک خبر تو پہنچ گئی۔ جامعہ دارالتقویٰ کے مہتمم حضرت مولانا اویس صاحب نے مجھے بلایا اور ایسی بات کہی جس سے مجھے عملاً نظر آیا کہ بڑا پن کسے کہتے ہیں؟ بڑا پن اسے نہیں کہتے کہ اپنی بات کو زبردستی منوایا جائے۔ بڑا پن یہ ہوتا ہے کہ بڑوں کی سوچ کے آگے اپنی رائے کو جھکا دینا۔ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب ہمارے ادارے کے بڑے ہیں، چلنا تو ویسے ہی ہے جیسے حضرت فرمائیں گے، آپ سے ہمارا جو وقت طے ہوا تھا آپ اتنا ہی وقت دیں، کام وہ کریں جو حضرت فرمارہے ہیں، اور معیاری کریں کہ اس کو آگے پیش بھی کیا جاسکے، اور جو معاوضہ طے ہوگیا تھا آپ کو وہی ملے گا۔

اس ملاقات سے دو باتیں سامنے آئیں: (۱) مدرسے کے بڑوں کا اخلاص (۲) اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ان کے ہاں قدر و منزلت۔

شوال میں جب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ دارالافتاء آنا شروع ہوئے تو اس شعبے کا کام دینا بھی شروع کیا اور کارگذاری بھی لیتے رہے، جب کچھ عرصہ بعد طبیعت زیادہ ناساز ہونا شروع ہوئی تو یہ کام حضرت مفتی رفیق صاحب دامت برکاتہم کے ذمہ لگایا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت بڑی تیزی سے نیچے گئی، دیکھتے ہی دیکھتے حضرت رحمہ اللہ کا آنا کم ہوگیا۔ ذہنی کام سے روک دیے گئے، کمزوری بڑھ گئی اور دارالافتاء آنا چھوڑ دیا۔ حضرت رحمہ اللہ کی بیماری کی حالت میں عیادت کی غرض سے گھر حاضری ہوتی۔ شروع میں تو لگا شاید پہچانا ہی نہیں لیکن کچھ دیر گفتگو کے بعد یقین ہوگیا کہ پہچان بھی لیا۔ تبدیل ماہیت پر بات بھی فرمائی اور والد صاحب کا حال بھی پوچھا۔ اس حالت میں بھی علمی بات کرتے ہوئے آنکھوں میں ایک خاص چمک سی آگئی۔

حضرت رحمہ اللہ کی ایک کرامت

۱۔ ہمارے گھر میں دو گاڑیاں تھیں۔ ایک چوری ہوگئی، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے مشورہ کیا کہ گھر میں ضرورت بہت ہے اور نئی گاڑی خریدنے کی استعداد نہیں ہے تو والد صاحب پوچھ رہے ہیں کہ کیا ان حالات میں اسلامی بینک سے گاڑی نکلوانے کی گنجائش ہے؟ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: نئی گاڑی لینی ہی ضروری نہیں، کوئی سادہ پرانی گاڑی لے لیں۔ میں نے عرض کیا اس وقت حالات ایسے ہیں کہ اس کی بھی طاقت نہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ اپنا فتویٰ بدلنا چاہتے ہیں تو بدل لیں۔ میں نے عرض کیا میرا کیا فتویٰ ہے؟ جو آپ نے فرمانا ہے وہی کرنا ہے، یہ تو والد صاحب پوچھ رہے ہیں۔ فرمایا کہ اگر آپ کے والد دارالعلوم کے فتوے پر عمل کرنا چاہیں تو ہم ان کو اپنے فتوے پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ میں نے جب دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ کی طرف سے چھوٹ نہیں ملی تو حضرت رحمہ اللہ سے جدا ہوتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ دعا فرمادیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے فضل و عافیت کی دعا دی۔ اس کی یہ برکت ہوئی کہ چند دنوں بعد والد صاحب کے ایک دوست نے کہا میں نے یہ گاڑی کسی کے لیے منگوائی تھی، یہ تم لے لو، پیسے جب ہوں، دے دینا۔ مزید یہ کہ آٹھ نو ماہ بعد وہ چوری شدہ گاڑی بھی مل گئی۔

۲۔ میری شادی کو دو سال ہوئے تھے، اولاد کی نعمت سے اللہ تعالیٰ نے ابھی تک نہیں نوازا تھا۔ اس کا تذکرہ میں نے ابھی تک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے نہ کیا تھا۔ ایک دن غالباً گھر چھوڑتے ہوئے درخواست کی تو حضرت رحمہ اللہ نے دعا دی، اسی ماہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمادیا۔

مزاح

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مزاح کم فرماتے تھے لیکن جب فرماتے تو کھل کر مسکراتے تھے۔ ایک دو واقعے اس کے بھی یاد ہیں:

۱۔ جب اللہ تعالیٰ نے بیٹی کی دولت عطا فرمائی تو میں نے حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ والد صاحب کی خواہش ہے کہ نام ''ہاجرہ'' رکھو کیونکہ ان کی دین کی خاطر بڑی قربانی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت قبولیت سے نوازا۔ مسئلہ یہ ہے کہ عربی کی جتنی کتابیں دیکھی ہیں ان میں یہ نام ''ہاجر'' ہے بغیر ''ہاء'' کے، تو کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت رحمہ اللہ نے تھوڑی دیر خاموشی سے سوچا، پھر مسکرا کر فرمایا: ''**اس بیٹی کا نام ''ہاجرہ'' رکھ دو، اگلی بیٹی کا نام ''ماجرہ'' رکھ دینا۔**''

۲۔ ایک دفعہ کتابوں کی رائیلٹی اور حق طباعت کے مسئلہ پر کچھ بات ہو رہی تھی۔ اخیر میں مسکرا کر کہنے لگے (غالباً مفتی رفیق صاحب سے) مولانا! اس مسئلہ میں غور کر لیں، یہ نہ ہو کہ خسر الدنیا والآخرۃ ہو جائے۔ (یعنی ہم نے تو کبھی پیسے لیے نہیں، بعد میں پتا چلے کہ مسئلہ غلط تھا)۔

آخری زیارت

ایک دن دارالافتاء پہنچا تو مفتی رفیق صاحب نے استفسار فرمایا کہ تمہیں پتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہسپتال میں داخل ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں، بالکل علم نہیں۔ مفتی رفیق صاحب نے فرمایا کہ جمعرات سے ہسپتال میں داخل ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھنے کے لیے مفتی رفیق صاحب، مفتی عبدالرحمٰن صاحب، مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب اور میں ڈاکٹرز ہسپتال گئے۔ وہاں مفتی عبداللہ صاحب قرآن پڑھ رہے تھے۔ ایک ایک، دو دو کر کے اندر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھنے گئے، میں آخر میں گیا۔ حضرت رحمہ اللہ ہوش میں نہیں تھے، دعا کر کے واپس آ گئے، ابھی گھر پہنچا بھی نہیں تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر آ گئی۔ چنانچہ احساس ہوا کہ جس وقت حضرت رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی تھی اس وقت ان کی آخری سانسیں چل رہی تھیں۔ دوبارہ ہسپتال پہنچا، وہاں سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے گھر گئے، پھر تدفین کی دعا کے بعد گھر واپسی ہوئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جماعت میں موزمبیق افریقہ جانا ہوا، وہاں ایک مدرسہ میں گئے جہاں ہندو پاک کے مختلف مدارس کے علماء مدرس تھے، دارالعلوم ڈھابیل (انڈیا) کے دو مفتی حضرات سے طویل گفتگو ہوئی۔ جب ان کو پتا چلا کہ بندہ نے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے تخصص کیا ہوا ہے اور ان کے دارالافتاء میں ہوتا ہوں تو ان کی نگاہ ہی بدل گئی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف سے ہم نے بہت استفادہ کیا ہے، ان کا اسلامک فائنانس پر کام بے مثل ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی ساری تصانیف کا تذکرہ چلتا رہا۔ اس پر اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے علمی کام کو نہ صرف پاکستان میں مقبولیت عطا فرمائی ہے بلکہ بیرون ممالک میں مقیم لوگ بھی اس سے استفادہ اور اس کی قدر کر رہے ہیں۔

یہ چند سطور ہیں جن میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی کچھ یادیں ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی ساری کاوشوں کو قبول فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائیں، ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی اور ان کا حقیقی سرمایہ بننے کی توفیق عطا فرمائیں، اور جنت الفردوس میں ہم سب کو اکٹھا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم.

.....☆☆☆.....

چند تاثرات

مفتی حسیب احمد صاحب
دارالافتاء، جامعہ دارالتقویٰ لاہور

پہلا تعارف

ہمارا گھر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ والے محلے میں تھا۔ ہم نماز دوسری مسجد میں پڑھتے تھے مگر میرا بھائی اس مسجد میں حفظ کرتا تھا جہاں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نماز پڑھتے تھے۔ میں نے ناظرہ کی ابتداء بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مسجد کے قاری صاحب سے کی تھی لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کوئی تعارف نہ تھا۔ ایک دفعہ ظہر کی نماز میں والد صاحب مجھے لے کر اس مسجد میں گئے اور نماز کے بعد حضرت رحمہ اللہ سے عقیقہ کا ایک مسئلہ پوچھا۔ یہ میرا حضرت رحمہ اللہ سے پہلا تعارف تھا کہ یہ کوئی مفتی صاحب ہیں اس کے بعد یہ یاد ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے اس مسجد میں جمعہ پڑھانا شروع کیا تو کبھی کبھی حضرت رحمہ اللہ کے پیچھے جمعہ بھی پڑھتے تھے۔

باقاعدہ تعارف

Fsc کرنے کے بعد اللہ رب العزت کی توفیق سے تبلیغی جماعت میں چار ماہ لگا کر مدرسہ میں داخل ہوا تو یہ وہی مدرسہ تھا جہاں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ دارالافتاء کے رئیس مفتی تھے یعنی جامعہ دارالتقویٰ، یہاں آکر معلوم ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ نہ صرف مفتی ہیں بلکہ پاکستان کے چوٹی کے مفتیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہیں حضرت رحمہ اللہ کے بارے میں تفصیلی تعارف ہوا۔

شرف تلمذ

جب ہم نے مدرسہ میں درجہ موقوف علیہ پڑھ لیا تو مدرسہ والوں کا مشورہ ہوا کہ امسال دورۂ حدیث کے اسباق بھی شروع کر دیے جائیں۔ چنانچہ ہماری پہلی جماعت تھی جس نے یہاں سے دورۂ حدیث کیا۔ دورۂ حدیث میں ''مسلم شریف'' کا سبق حضرت کے پاس طے ہوا۔ یوں حضرت رحمہ اللہ سے باقاعدہ تلمذ کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد تخصص میں بھی حضرت رحمہ اللہ سے اسباق پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ہماری تخصص کی آخری جماعت تھی جس نے ''حجۃ اللہ البالغہ''، ''موافقات''، ''مسلّم''، اور ''اصول بزدوی'' چاروں کتابیں حضرت رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ بعد میں حضرت

نے اسباق اپنے تلامذہ میں تقسیم فرمادیے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کے سبق کا انداز

دورۂ حدیث میں خاص طور پر جو بات دیکھی وہ یہ تھی کہ ائمہ کے اختلاف پر تو دوسرے اسباق میں بحث ہوتی تھی مگر حضرت رحمہ اللہ عموماً صرف تشریح میں وہ باتیں بیان فرماتے تھے جو عام طور پر اور کوئی نہیں بیان کرتا تھا ''جدید فقہی مسائل'' اور حالات حاضرہ کے بارہ میں باتیں، حدیث کے متن پر پیدا ہونے والے اشکالات کا بڑے مختصر سے انداز میں حل وغیرہ۔

عبادت کا ذوق اور سنت کا اہتمام

حضرت رحمہ اللہ کی ایک بڑی صفت سنت کا اہتمام اور عبادت کا ذوق تھا۔ بڑھاپے اور رعشہ کی بیماری اور کمزوری کے باوجود دیکھا کہ عشاء کی نماز سنن ونوافل سمیت مکمل پڑھتے تھے۔ اسی طرح آخری سالوں میں دیکھا کہ شدید ضعف کے باوجود مسجد میں تراویح پڑھنے کے لیے تشریف لاتے اگرچہ کھڑے ہوکر پڑھنے کی ہمت نہ ہوتی اور شدید رعشہ ہوتا تھا۔

تفویض اور رضا بالقدر

حضرت رحمہ اللہ کی بیماری اور آخری عمر میں ایک یہ صفت دیکھی کہ بیماری کی شدت کی وجہ سے غنودگی شروع ہوچکی تھی، اکثر آنے والوں کو پہچانتے بھی نہ تھے مگر پھر بھی کوئی کہتا کہ آپ کا کیا حال ہے تو فرماتے اللہ کا شکر ہے، کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو مگر کبھی ناشکری کا کلمہ زبان سے نہیں سنا۔

عاجزی اور انکساری

حضرت رحمہ اللہ اگرچہ پاکستان کے بڑے مفتی حضرات میں سے تھے اور حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مجاز بھی تھے مگر حضرت رحمہ اللہ میں عاجزی اور سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، کوئی اجنبی پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے مفتی ہیں۔

غیروں کا اعتراف:

جس طرح قریب کے لوگ حضرت رحمہ اللہ کے تفقہ کے قائل تھے اسی طرح غیر اور دور والے بھی اس بات کے معترف تھے چنانچہ وفات سے کچھ عرصہ قبل ہمارے دارالافتاء کے ایک استاد جناب مولانا مفتی شعیب احمد صاحب مدظلہ العالی کو فون آیا کہ غالباً بولان یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی میں پاکستان کے بڑے مفتیوں پر مقالہ لکھنا طے ہوا ہے تو اس میں دو دیوبندیوں کے اور دو بریلویوں کے مفتی طے ہوئے ہیں۔ دیوبندیوں کے جو دو مفتی حضرات طے ہوئے ان میں سے ایک حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی تھے اور دوسرے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور تبلیغ:

عام طور پر لوگوں میں اور خاص طور پر تبلیغی حلقہ میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تبلیغ کے مخالف ہیں جبکہ یہ بات بالکل غلط تھی، جزوی طور پر چند باتوں میں علمی اختلاف ضرور تھا مگر نفس تبلیغ (مروجہ) اور تبلیغی جماعت کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رائے موافقت میں تھی اور تحسین فرماتے تھے، جب میں مدرسہ میں داخل ہوا تو دوسروں کی طرح سنی سنائی باتوں کی وجہ سے میرا ذہن بھی یہی تھا غالباً میں ثانیہ میں تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ کی چند غلطیاں سامنے آنے پر ''مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں'' کے نام سے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور میں چھپا۔ جس سے میرا ذہن اور بھی پختہ ہو گیا مگر جوں جوں میں دارالافتاء اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے قریب ہوتا گیا تو ذہن بدلتا گیا۔ ذیل میں چند باتیں اور واقعات ذکر کرتا ہوں تاکہ دوسروں کے سامنے بھی یہ باتیں آجائیں اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں جو غلط تاثر ہے وہ دور ہو جائے۔

o زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ میں دارالافتاء گیا تو وہاں ایک فتویٰ رکھا ہوا تھا جس کا جواب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اس فتوے میں ایک عورت نے اپنے ذاتی حالات بیان کر کے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے مشورہ مانگا تھا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس میں لکھا تھا کہ کسی محرم کے ساتھ تبلیغ میں کچھ وقت لگائیں حالانکہ مستورات کے کام کے بارے میں بہت سے حضرات کو اشکال تھا، مگر مفتی صاحبؒ اس کو ضرورت کی حد تک جائز اور مفید سمجھتے تھے۔

o تخصص کے زمانہ میں جب عمران خان کا دھرنا چل رہا تھا تو ایک دن میں نے سبق میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کی اس دھرنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا ایک جاتا ہے دوسرا آجاتا ہے، چپ کر کے اپنے ایمان کی فکر کرو اور تبلیغ میں لگے رہو۔

o حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب کو خود ان کے زمانہ طالب علمی میں دو دفعہ چلہ لگانے کے لیے بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں موقوف علیہ کے آخر میں کمرے میں بیٹھا امتحان کی تیاری کر رہا تھا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے اور باتوں باتوں میں پوچھا: دورے کے بعد کیا ارادہ ہے، سال پر جاؤ گے؟ تو میں نے عرض کیا کہ سال پر جانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ بس چھ نمبر ہی آئیں گے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا: ''**اگر ایک سال میں چھ نمبروں کی حقیقت نصیب ہو جائے تو کیا یہ کم ہے؟**''

o مفتی عبداللہ صاحب نے بتایا کہ میری ہمشیرہ یعنی مفتی صاحب کی صاحبزادی کے لیے ایک بہت قریبی عزیز کی طرف سے ان کے بیٹے کا رشتہ آیا ان لوگوں کا ماحول اتنا دینی نہیں تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں اس

شرط کے ساتھ منظور ہے کہ لڑکا چار ماہ لگائے۔ انہوں نے بڑا زور لگایا کہ ابھی چلہ لگا لیتا ہے شادی کے بعد چار مہینے لگا لے گا، مگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چار مہینے سے کم میں عام طور پر آدمی کا مزاج نہیں بدلتا۔ وہ شادی سے قبل چار ماہ پر آمادہ نہ ہوئے تو رشتہ بھی نہ ہوا۔

o ایک دفعہ دعوت کے موقع پر ایک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بڑے درد سے عرض کیا کہ میری تقرری اسلام آباد میں ہے، وہاں محکموں کے سربراہ (بیوروکریٹس) آتے ہیں، ان میں سے کوئی دین اور وطن کا مخلص نہیں، سمجھ نہیں آتا آخر دین دار طبقہ اور علماء کیسے آگے آئیں حالانکہ میرٹ بھی ہر ایک کے لیے کھلا ہوتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**پھر تو تبلیغ والوں سے ہی کچھ امید ہے۔**''

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ
کی شخصیت کے چند پہلو

مولانا وسیم طفیل صاحب
شعبہ استقبالیہ: دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ

بندہ نے جب ۲۰۱۴ء میں جامعہ مدنیہ میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی اور اپنے اساتذہ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عبدالرشید کشمیری صاحب رحمہ اللہ (جو کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے) سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ تو ان بزرگوں نے یہ فرمایا کہ بھئی تخصص کرلو اور حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے تخصص کرو۔ بندہ نے بزرگوں کا حکم سمجھتے ہوئے تخصص میں داخلہ لے لیا۔ دوران تخصص حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں جو باتیں دیکھیں یا محسوس کیں ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک جامع شخصیت تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا وہ انہی کے لائق تھا کہ میڈیکل کی لائن میں ہوتے ہوئے پڑھا بھی اور ایسا پڑھا کہ پڑھائی کا حق ادا کیا۔

۲۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اکثر خاموش رہتے اور کام میں مصروف رہتے اور صرف کام کی بات کرتے اور بات بھی خیر الکلام ما دلّ وقلّ کا مصداق ہوتی تھی۔ بھائی عبید صاحب (فرزند حضرت ڈاکٹر صاحب) نے بتایا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے والد صاحب کو کبھی گھر میں فارغ نہیں دیکھا ہمیشہ کام میں مصروف دیکھا۔ اکثر سبق کے لیے گھر سے تشریف لاتے تو گاڑی میں بھی کتاب کھول کر مطالعہ فرماتے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں مستقل مزاجی رکھی تھی کہ باوجود علیل ہونے کے سبق کی چھٹی نہیں کرتے تھے۔ کئی دفعہ جب سبق کے لیے تشریف لاتے تو گاڑی سے اترنا بھی مشکل ہوجاتا، اگر کوئی سہارا دینے کی کوشش کرتا تو فرماتے کہ میں خود ہی اترتا ہوں۔

۴۔ آخری عمر میں رعشہ بہت بڑھ گیا تھا لیکن تصنیفی اور تدریسی مصروفیات کو برابر جاری رکھا۔ یہ حضرت رحمہ اللہ کی کرامت تھی کہ جب تحریر لکھتے تو الفاظ ایسے سیدھے ہوتے کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ تحریر رعشہ کے دوران کی ہے۔ آخری تحریریں بھی ایسی تھیں کہ پڑھنے میں دقت نہ ہوتی تھی۔

۵۔دوران سبق کوئی اختلافی بات ہوتی تو فرماتے کہ میری رائے سے کوئی اختلاف ہوتو دلائل سے بات کر سکتے ہیں اورمخالف رائے کوخندہ پیشانی سے سنتے اور جواب عنایت فرماتے ،علمی اختلاف کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

۶۔آخری عمر میں بہت علیل ہوگئے اور صاحب فراش بھی مگر زبان سے بیماری کا اظہار تک نہیں فرماتے تھے اور زبان سے فرماتے کہ ''الحمدللہ اللہ کا شکر ہے۔''

۷۔ایک دفعہ بندہ نے حضرت رحمہ اللہ سے گذارش کی کہ ''فتاویٰ شامی'' میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتابت بالبول والا مسئلہ لکھا ہے اس بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ ''کفایت المفتی'' یا ''امداد الفتاویٰ'' کو دیکھو۔متعلقہ کتب دیکھنے کے بعد دوبارہ بات کی تو فرمایا: ہاں یہ مرجوح قول ہے۔

۸۔حضرت رحمہ اللہ باوجود یکہ نہ مارتے تھے نہ زیادہ ڈانٹتے تھے لیکن اس کے باوجود اتنا رعب اور وقار تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کا آنکھ بھر کر دیکھ لینا ہی کافی ہوتا تھا۔ایک دفعہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا سبق ہو رہا تھا جو ساتھی عبارت وترجمہ پڑھ رہے تھے انہوں نے ذرا ترجمہ میں غلطی کی تو بندہ کو فرمایا: جی مولوی صاحب! آپ ترجمہ کرو۔بندہ کو مارے رعب کے کتاب کی عبارت ہی نظر نہ آئی تو اتنے میں اگلے طالب علم سے فرمایا کہ ہاں بھئی! آپ پڑھو۔انہوں نے عبارت وترجمہ میں غلطی کی تو فرمایا کہ کیا داخلے کے بغیر بیٹھ گئے ہو؟ امتحان بھی دیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو غریق رحمت فرمائیں اور ان کی طرح بے لوث دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

.....☆☆☆.....

تلامذہ کی نظر میں

قابل تقلید صفات کے حامل انسان

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب
استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ایام رفاقت

بندہ کا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے پہلا تعارف ایک عام طالب علم کی حیثیت سے ہوا۔ غالباً یہ ۱۹۹۰ء کا سال تھا درجہ ثانیہ میں آپ کے پاس ''زاد الطالبین'' کا سبق آیا، اس کے بعد ہر سال کوئی نہ کوئی سبق آپ کے پاس رہا۔

درجہ رابعہ میں ''نور الانوار'' پڑھی اور یہ سبق ہسپتال جا کر پڑھتا تھا۔ اس سال سے جامعہ کے سبق کے علاوہ باقاعدہ ہسپتال جانا شروع کیا، اس سے قبل کبھی کبھار حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہسپتال بلا لیتے۔ ''نور الانوار'' مکمل کرنے کے بعد ''ہدایہ ثانی'' آپ سے شروع کی۔ ابتداء ہی سے بہت ہی تفصیل کے ساتھ شروع کیا اور ہر اہم مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو ہوتی، اس لیے دو ماہ گذرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی آپ کو پڑھانے کے لیے بہت مطالعہ کرنا پڑتا ہے اس لیے اسے آئندہ کسی وقت رکھ لیں گے۔

''نور الانوار'' کے بعد ''حسامی'' بھی مکمل حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ہی پڑھی۔ ''ہدایہ ثانی'' حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پھر جامعہ میں اگلے سالوں میں پڑھی۔ اس میں چونکہ سوالات کا سلسلہ بہت رہتا اور ساتھی طلبہ بوریت کا شکار ہو جاتے اس لیے اس سال بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ہم ایک دو لوگوں کے علاوہ باقی ساتھیوں کا سبق بدل دیا۔ اور ہمیں پورے اہتمام کے ساتھ کتاب پڑھائی۔

دورۂ حدیث میں آپ کے پاس ''ابوداؤد شریف'' پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے بندہ کو تخصص فی الحدیث شروع کروا دیا، تین سال مستقل آپ کے ساتھ گذارے، دن کا ایک بڑا حصہ آپ کے ساتھ جامعہ اور ہسپتال میں گذرتا۔ اس دوران آپ سے چند اسباق پڑھے مثلاً ''نزہۃ النظر''، ''توضیح الافکار'' اور ''مقدمہ ابن الصلاح'' مستقل طور پر پڑھیں۔ اس کے علاوہ بہت سی کتب اصول حدیث سے بعض مضامین پڑھے، اصول فقہ میں ''مسلم الثبوت'' مستقل طور سے پڑھی۔ ''التحریر'' لابن ہمام بھی اکثر مطالعہ میں رہی، ''کشف الاسرار شرح اصول بزدوی'' سے حضرت کو کافی مناسبت تھی وہ آپ کے مطالعہ میں بہت رہتی۔

پھر ''مسائل بہشتی زیور'' کی ترتیب کے دوران ''عالمگیری'' اور ''شامی'' کا بالاستیعاب مطالعہ کروایا اور اس دوران

آنے والے مسائل پر طویل مناقشات بھی ہوئے۔

تخصص کے تیسرے سال تدریس کا آغاز بھی راقم نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی نگرانی میں کیا۔ ''فہم دین کورس'' کی ترتیب وتدوین کے سلسلہ میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ ایک بڑا وقت گذرا، ''فہم دین کورسز'' حضرت رحمہ اللہ کی زیرنگرانی مختلف مقامات پر شروع کروائے، حضرت رحمہ اللہ باقاعدہ ان کی کارگذاری سنتے اور گاہے بگاہے ان مقامات پر تشریف لاتے اور بھرپور سرپرستی فرماتے۔ مزنگ کی مسجد نمرہ، راوی روڈ کی مسجد خلفاء راشدین اور دی بیم اکیڈمی سنت نگر کی تحتانی مسجد میں جو کورسز ہوئے حضرت باقاعدہ ان جگہوں پر تشریف لاتے اور بھرپور سرپرستی فرماتے۔ ''فہم دین کورس'' حضرت کا ایک طرح سے ''ہمِّ اَکبَر'' (بڑا مقصد) اور بڑا مشن تھا۔

ان تعلقات کے علاوہ دوران تدریس بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں آنا جانا رہا ہے۔ ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۵ء تک مستقل اور پھر کبھی کبھی حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ وقت گذرا، اس عرصے میں حضرت رحمہ اللہ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا آپ کی تدریسی مصروفیات، افتاء نویسی، ملازمت اور نجی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حضرت رحمہ اللہ کی چند خصوصیات جو اپنے قریبی مشاہدے سے سامنے آئیں وہ پیش خدمت ہیں۔

ضبط اور تحمل

ایک مفتی کا چونکہ عوام الناس سے براہِ راست سوال و جواب کا تعلق ہوتا ہے اور پبلک ڈیلنگ ایک دشوار گذار امر ہے جہاں آدمی سے تحمل اور برداشت کا دامن چھوٹ جاتا ہے لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا طرز عمل اس معاملے میں قابل رشک تھا۔ بہت دفعہ حضرت رحمہ اللہ سے سوال کرنے والے آداب مجلس یا آداب سوال کا لحاظ کیے بغیر سوال کرتے مگر آپ ہر ایک کی بات خواہ وہ کسی بھی انداز سے کر رہا ہو تحمل اور صبر کے ساتھ سنتے اور پھر اسے مختصر انداز میں جواب دیتے۔ بعض اوقات لوگ مسائل میں اصرار کرتے اور جواز پر زور دیتے تو آپ ان کے جواب میں فقط اتنا فرما دیتے کہ بھائی مسئلہ تو یوں ہی ہے۔ کبھی بھی آپ سائل کی ترش روئی، بدکلامی اور بدمزاجی پر نہ الجھتے تھے بلکہ دھیما انداز اپناتے اور فقط اتنا کہہ دیتے کہ بھائی ''مسئلہ تو ایسے ہی ہے۔''

خواص ہوں یا عوام سب کے ساتھ آپ کا معاملہ اس پہلو سے یکساں تھا۔ ''**مفاهيم يجب ان تصحح**'' اور ''اکابر کا مسلک ومشرب'' پر جب آپ رحمہ اللہ نے ناقدانہ مضامین لکھے تو اس حلقے کے ایک معروف عالم دین ملاقات کے لیے آئے۔ آپ نے ان کو کتاب کے وہ مقامات دکھائے جو قابل اعتراض تھے۔ انہوں نے دورانِ گفتگو انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنایا لیکن حضرت رحمہ اللہ بہت تحمل سے اپنے مؤقف پر دلائل دیتے رہے اور کتاب کے قابل اعتراض مقامات دکھاتے رہے بالآخر وہ یہ کہہ کر چلے گئے کہ آپ امت (دیوبندی و بریلوی حضرات) میں مصالحت کرنا ہی نہیں چاہتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان کے سخت اور ناگوار رویے کے باوجود ان کے جانے کے بعد بغیر کسی تبصرہ اور

اظہار تاثر کے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ایک اور بڑے مشہور عالم وخطیب صاحب کے حوالہ سے بھی پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ تھی کہ:

انہوں نے کسی واقعے یا حدیث کی تحقیق کا استفتاء کیا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے میرے سے تحقیق کروائی اور پھر جواب مرتب کیا گیا۔ جب وہ آئے تو اول تو ایک ہاتھ سے سلام کیا جو ہمیں بہت ہی عجیب لگا۔ مگر حضرت رحمہ اللہ نے اس بات کا مطلق تاثر نہ لیا۔ پھر وہ بڑی بے نیازی کے لہجہ میں بات کرنے لگے اور کہنے لگے آپ نے میری بات ہی نہیں سمجھی..... وغیرہ وغیرہ ان کے لہجہ میں کچھ تناؤ اور درشتی تھی مگر حضرت رحمہ اللہ وقار اور تحمل کا کوہ گراں بنے بیٹھے رہے اور مختصر انداز میں جواب دیتے رہے۔ بالآخر وہ مکالمے کو خوشگوار انداز میں ختم کیے بغیر بلکہ مصافحہ بھی کیے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔ مگر حضرت رحمہ اللہ نے ان کے جانے کے بعد ایک لفظ بھی ان کی بابت ارشاد نہ فرمایا، شکوے کے انداز میں قدرے بات بھی ہو جاتی ہے مگر حضرت رحمہ اللہ نے بالکل کچھ نہ فرمایا۔ ہمیں تعجب تھا کہ اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے مگر حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت پر اس کا سرے سے اثر نہیں تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ بے نفسی اور اخلاص کے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

ایک مرتبہ ایک دکاندار نے پوچھا کہ دکان میں مالکِ دکان نے تصاویر لگا رکھی ہیں جنہیں میں ہٹا نہیں سکتا، تو میں تو اس معاملہ میں مجبور ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تم ان کو اتار نہیں سکتے تو ان پر کوئی پردہ یا کور چڑھا دو، اس پر وہ خاصا بولتا رہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اس کے انداز اور جاہلانہ رویہ سے ہم سب ساتھیوں کو بہت غصہ آیا لیکن حضرت رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ کوئی بات نہ کی کہ **''بھائی! مسئلہ تو ایسے ہی ہے۔''**

طلاق کے مسائل پوچھنے والے لوگ عموماً بہت بحث وتکرار کرتے اور اکثر تلخی سے بات کرتے تو آپ جواب میں فقط فرماتے کہ **''مسئلہ تو ایسے ہی ہے''** ایک موقعہ پر فرمایا کہ **''ہمیں تو مسئلہ بتاتے ہوئے خود احساس اور تکلیف ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے مسئلہ تو ایسے ہی ہے۔''**

اہل علم اور اساتذہ کا ادب

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے اساتذہ اور اکابر معاصرین کا بہت ادب فرماتے۔ آپ نے درس نظامی کی بہت سے کتب جامعہ کے بزرگ استاذ حضرت مولانا عبدالرشید کشمیری صاحب رحمہ اللہ سے پڑھیں تھیں ان کا حد درجہ احترام فرماتے۔ ایک زمانہ تک ان کے لیے گھر سے چائے ساتھ لے کر آتے، کسی دن اگر گھر کی چائے نہ لا سکتے تو راقم کو بھیج کر کینٹین سے چائے منگوا کر بھجواتے۔

اتباع دلیل

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں بعض حلقوں میں یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اختلافی یا تحقیقی مسائل میں فریق مخالف کی رائے نہیں سنتے اور اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں اور ان کی سوئی جہاں اٹک

جائے اسے کوئی ہلا نہیں سکتا۔ یہ غلط فہمی نہ جانے کیسے اور کیوں پھیل گئی؟ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی آدمی کو متبع الدلیل (دلیل کی پیروی کرنے والا) نہیں دیکھا۔ حضرت رحمہ اللہ دلیل سے بات کرنے اور سننے کے قائل تھے۔ کوئی کیسا بھی اعتراض یا اشکال ہو اس کو اس غرض اور جذبے سے دیکھتے تھے کہ اگر اپنے مؤقف پر نظر ثانی کی ضرورت ہو تو کی جائے اور کرتے بھی تھے۔ نظر ثانی کے نتیجے میں اپنے مؤقف سے رجوع بھی فرما لیتے تھے۔ راقم کو ایک طویل زمانہ تک حضرت رحمہ اللہ کی رفاقت اور صحبت نصیب ہوئی ہے اس لیے متعدد مواقع آئے کہ حضرت رحمہ اللہ نے دلیل کی بنیاد پر اپنے موقف کو چھوڑا اور دوسرے مؤقف کو اپنا لیا۔

درس و تدریس کے دوران یا افتاء کے دوران جب بھی کوئی شخص حضرت رحمہ اللہ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کرتا تو حضرت رحمہ اللہ بڑے تحمل کے ساتھ اس کی پوری بات سنتے اگر مخاطب کے سوال میں کوئی بات کسی درجے میں بھی قابل اعتبار ہوتی تو اس پر بات فرماتے، ورنہ خاموشی سے آگے چل پڑتے سائل کو زچ کرنا یا اس کی عزت نفس کو مجروح کرنا کہ یہ تم نے کیا اعتراض کیا ہے یہ مزاج نہیں تھا۔ بارہا ایک مسئلہ پر درسگاہ میں یا انفرادی مجلس میں کئی کئی دن تک بحث چلتی رہتی لیکن حضرت رحمہ اللہ کے چہرے پر ایک مرتبہ بھی اکتاہٹ یا ناگواری کے اثرات نہیں دیکھے گئے۔

حرمت مصاہرت کا ایک جزوی مسئلہ تھا کہ اجنبیہ سے مس بالشہوت سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ پر دو ڈھائی ماہ بحث چلتی رہی، حضرت رحمہ اللہ کا مؤقف تھا کہ احناف کے مؤقف پر ہی فتویٰ دیا جائے اور راقم ابتلائے عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کی رائے اختیار کرنے کا کہتا رہا۔ اس طویل دورانیہ کی بحث کے دوران کبھی بھی حضرت رحمہ اللہ کے چہرہ پر ناگواری یا اکتاہٹ کا تاثر نہیں ملا۔

اسی طرح طلاق سکران (نشہ کی حالت میں طلاق) کے وقوع اور عدم وقوع میں حضرت رحمہ اللہ سے بہت دن تک یہ بحث چلتی رہی اور خود حضرت رحمہ اللہ اس کے وقوع کے قائل رہے اگرچہ بعد میں اس مسئلہ میں حضرت رحمہ اللہ نے عدم وقوع کے قول کو اختیار فرما لیا اور شاید فتویٰ بھی اسی پر دیتے تھے۔

''مسائل بہشتی زیور'' کی ترتیب کے دوران بہت سے مسائل ایسے تھے کہ حضرت رحمہ اللہ طوالت کے خوف سے انہیں کتاب میں درج نہ کرنا چاہتے تھے لیکن راقم کے اصرار پر ان کو درج فرما دیتے کیونکہ میری دلیل یہ ہوتی کہ حضرت عوام الناس یہ مسائل پوچھتے ہیں چونکہ راقم مختلف مقامات پر ''فہم دین کورس'' کرواتا تھا اس لیے حضرت رحمہ اللہ یہ فرما کر مسائل درج فرما دیتے کہ ''**تمہارا لوگوں سے واسطہ ہے اس لیے تم کہتے ہو تو میں ان مسائل کو درج کر دیتا ہوں۔**'' اکثر مسائل میں فرماتے کہ ''**صاحبِ معاملہ کی رائے زیادہ معتبر ہے کیونکہ یہ اصولی بات ہے لیس الخبر کالمعاینة**''.

سادگی و جفاکشی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا رہن سہن اور طرز معاشرت انتہائی سادہ تھا آپ کی زندگی ہر قسم کے تکلف سے خالی

تھی۔ جن لوگوں کا حضرت رحمہ اللہ کے ہاں آنا جانا تھا وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کے ہاں اس سلسلہ میں ضرورت اور تعیش میں ایک واضح فرق رہتا۔ جو چیزیں عموماً معاشرہ میں سہولت اور آسانی کی خواہش کی وجہ سے ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہیں ان میں بھی آپ کے ہاں ضرورت اور تعیش کا دائرہ بہت واضح تھا۔ آپ نے ساری زندگی انتہائی سادہ اور انتہائی عملی گذاری۔ آپ ایک زمانہ تک جامعہ میں سائیکل پر اور پھر ضرورت پڑنے پر ایک معمولی سکوٹر پر تشریف لاتے رہے، ایک زمانہ تک پبلک ٹرانسپورٹ پر بھی سفر کر کے آتے رہے، سفر کی مشکلات اور پریشانیوں کا کبھی تذکرہ نہ فرماتے۔ گھر کے ماحول پر بھی اس سادگی اور کفایت شعاری کا گہرا اثر تھا۔ جس زمانہ میں آپ بندروڈ سے لاہور قصور چلنے والے مزدہ کا سفر کر کے جامعہ آتے جاتے اس زمانہ میں یہ ایک تنگ اور بہت رش والا روڈ تھا۔ بندہ آپ کے ساتھ بندروڈ تک آپ کو بٹھانے جاتا تو شدید رش کی وجہ سے عموماً آپ کو لٹک کر بھی سوار ہونا پڑتا تھا، کئی مواقع پر راقم اس خوف سے ساتھ سوار ہو جاتا کہ آپ رش کی وجہ سے گر نہ پڑیں۔ ان تمام مشکلات کے باوجود آپ کی زبان سے شکایت یا شکوہ کا تذکرہ کسی نے نہیں سنا۔ اس تمام تر مشقت کو آپ خدمت دین کی وجہ سے خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

آخری عمر میں جب موٹر سائیکل پر بیٹھنا دشوار ہو گیا تو ایک معمولی گاڑی جس میں اے سی تک کی خاطر خواہ سہولت نہ تھی خرید لی اور چوبرجی دارالافتاء آتے جاتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ کے چھوٹے بیٹے نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ **''اے سی والی گاڑی لینی چاہیے''**، تو آپ نے دوٹوک فرمایا کہ ''**بھائی مجھے تو اس کی ضرورت نہیں اگر تمہیں ہے تو لے لو۔**''

جامعہ مدنیہ میں تدریس کے دور میں آپ اپنے ضروری سامان کے لیے جو بیگ لاتے اسے جگہ جگہ پیوند لگے ہوتے، کسی نے آپ سے کہا کہ ''حضرت بیگ ہی بدل لیں۔'' تو فرمایا: ''**بھائی! اس سے بھی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔**''

فہم سلیم اور ادراک کامل

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی کرم تھا کہ آپ تھوڑے مطالعہ سے ایسے باریک اور عمیق نتائج اخذ کر لیتے جن کے حصول کے لیے بہت کثیر مطالعہ درکار ہوتا۔ راقم نے کئی مواقع پر اس کا مشاہدہ کیا کہ بعض اوقات راقم کسی موضوع سے متعلق بہت سی کتابوں کو دیکھتا اور کچھ لکھنے کی کوشش کرتا جب آپ کے سامنے اسے پیش کرتا تو آپ کوئی چھوٹی سی پرچی نکالتے جس پر اس مسئلے کا حاصل لکھا ہوتا جو بالکل صحیح اور کامل نتیجہ ہوتا۔ ایک دفعہ بہت ساری کتابوں سے حوالہ جات تلاش کر کے سنت کے موضوع پر ایک مضمون سا بنا لیا اور اپنے خیال سے بہت محنت کر کے ایک مکمل مضمون بنایا۔ حضرت رحمہ اللہ نے سارا مضمون سنا اور پھر اپنے تھیلے سے ایک چھوٹی سی پرچی نکالی اور مجھے پڑھنے کو دی۔ بندہ نے جب پرچی دیکھی تو اندازہ ہوا کہ میری اتنے روز کی محنت تو بے کار تھی۔ صحیح بات تو یہی ہے جو حضرت رحمہ اللہ نے چند نکات میں سمیٹ کر رکھ دی ہے۔

ایک مرتبہ ایک مسئلہ آیا کہ عذاب قبر کے منکر کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ راقم نے جب اس پر حوالہ جات جمع کیے تو

بہت سی کتب سے ایسے حوالے ملے جن سے عذاب قبر کے منکر کی تکفیر ملی۔ ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی اسے کافر ہی لکھا تھا۔ جب حوالہ جات حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دکھائے تو آپ نے ان حوالہ جات کی تاویل کی اور عدم تکفیر کے قول کو اختیار کیا اور فرمایا: ''ان حوالہ جات میں کافر سے مراد یہ ہے کہ وہ مماثل بالکفر قرار پائے گا یعنی اس نے ایک کفریہ بات کہی ہے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔'' راقم کو اس وقت اس تاویل سے اطمینان نہ ہوا لیکن مزید دیکھنے پر ''شرح مواقف'' وغیرہ میں اس کے نظائر اور مسئلہ کی صحیح توجیہ مل گئی جس سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے قول کی موافقت بھی مل گئی اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے قول پر اطمینان بھی حاصل ہوا۔

اس فہم سلیم اور ادراک کامل کے پیچھے دیگر چیزوں کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ کی ایک عادت کارفرما تھی جو ان کی زندگی کی ایک عجیب اور غیر معمولی عادت تھی اور جس کو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ سے اخذ کیا تھا۔ وہ یہ کہ آپ کسی فارغ وقت میں بھی تفکر و تدبر سے فارغ نہیں رہتے تھے بلکہ اس دوران مختلف مسائل اور درسگاہ میں ہونے والے سوالات کے جوابات پر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ آپ کا یہ کثرت تفکر ایک ایسا عمل تھا جس کا آج کل کے خواص میں بھی بالعموم فقدان ہے۔ درسگاہ میں بعض اوقات کوئی سوال کیا جاتا تو آپ اس کا فوری جواب عنایت نہ فرماتے بلکہ جواب کے لیے عموماً وقت لیتے پھر آپ بعض اوقات کئی کئی دن اس کے جواب میں غور و فکر کرتے۔ بعض اوقات راہ چلتے چلتے کئی ایام قبل کیے گئے سوال کا جواب بتاتے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت اتنے دن تک اس مسئلہ میں غور و فکر فرماتے رہے ہیں۔

یہ ادراک کامل اور سلامتی فہم صرف علمی معاملات میں ہی نہیں تھی بلکہ نجی زندگی اور معاشرتی معاملات میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ راقم کو حضرت رحمہ اللہ نے اپنے بڑے بیٹے مفتی عبداللہ صاحب کو ''میر قطبی'' پڑھانے کی ذمہ داری سونپی، دورانِ تدریس سبق سننے وغیرہ کی وجہ سے کچھ سختی والا معاملہ ہونے لگا، شاید مفتی عبداللہ صاحب کے بتانے سے یا حضرت رحمہ اللہ کو خود محسوس ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے راقم کو بلا کر بہت حکمت سے یوں فرمایا کہ ''اسے بس آگے پڑھا دیا کرو، پچھلا سبق نہ سنا کرو۔''

اسی طرح گھریلو اور نجی قسم کے الجھے سے الجھے معاملہ میں حضرت رحمہ اللہ فوراً ایسا اقدام فرماتے کہ بڑی حکمت کے ساتھ معاملہ حل ہو جاتا اور آدمی دل سے گواہی دیتا کہ اس سوال کا جواب یا معاملے کا حل یہی ہونا چاہیے تھا۔

بیان مسائل میں احتیاط

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے معاصرین میں اس بات میں ممتاز تھے کہ سوال تحریری ہو یا زبانی، جواب دینے اور لکھنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے۔ جب تک سوال کے سارے پہلو واضح نہ ہو جاتے اس وقت تک جواب تحریر نہ فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا جواب اگر مگر کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ بعض اوقات کسی سوال کی تنقیح کے لیے فریقین سے

ملنا ضروری سمجھتے تو ان سے ملاقات کرتے اور پوری بات سنتے، اجتماعی مسائل کی بابت موقع پر لوگوں سے صورت حال کا خود جائزہ لیتے۔ اگر کسی معاملے میں سروے کی ضرورت ہوتی تو وہ بھی کروالیتے۔

اس بارے میں آپ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے کہ

''ہم اپنے مسئلوں کو عوام میں فٹ بال نہیں بننے دیں گے۔''

ایک مرتبہ ایک صاحب نے اپنے امام مسجد کے بارے میں سوال کیا کہ وہ مسجد کی دکانوں کا کرایہ خود استعمال کر لیتے ہیں لہذا ان کو معزول کر دیا جائے۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ امام صاحب کو لے کر آئیں تاکہ میں ان سے پوچھوں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ صاحب اسی پر اصرار کرتے رہے کہ آپ مسئلہ لکھ دیں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ امام صاحب کتنے عرصہ سے دکانوں کا کرایہ لے رہے ہیں تو اس نے کہا کہ دس بارہ سال سے وہ کرایہ لے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آپ نے دس بارہ سال پہلے یہ سوال کیوں نہیں پوچھا؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اب آپ کو ان سے کوئی اختلاف ہوا ہے تو آپ اعتراض کر رہے ہیں آپ جب امام صاحب کو لے آئیں گے تو میں جواب لکھوں گا۔

حضرت رحمہ اللہ محض سائل کے لکھے ہوئے سوال پر جواب نہیں دیتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے:

''اجکل مفتی کو قاضی کی طرح ہونا چاہیے اس لیے پوری صورت حال کی واقفیت کے بغیر مفتی کو جواب نہیں لکھنا چاہیے ورنہ فتویٰ مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔''

اس لیے حضرت رحمہ اللہ پوری صورت حال کی تحقیق کے بعد اس طرح جواب لکھتے کہ بعد میں مزید معلومات ملنے پر جواب بدلنا نہ پڑے۔

آپ سے جب بھی کوئی سوال کرتا تو آپ اس سے وقت لیتے اور اچھی طرح دیکھ کر اگلے روز مسئلہ بتاتے۔ بعض اوقات عام پیش آنے والے مسائل کے فوری بتانے سے بھی احتراز کرتے۔ نماز اور اس کے متعلقات میں خاص طور پر احتیاط برتتے، اکثر راقم کو کہہ دیتے کہ آپ بتا دیں۔ کیونکہ نماز وطہارت کے مسائل میں زیادہ جزئیات سے کام ہوتا ہے، اصولی باتیں یہاں ایسی نہیں جیسی دیگر ابواب میں ہیں۔

فتویٰ وغیرہ میں حضرت بہتے پانی کے رُخ پر تیرنے یا ہوا کے دوش پر سفر کرنے کے عادی نہ تھے بلکہ صورت حال کا جائزہ لے کر جو بھی مناسب رائے ہوتی قائم فرماتے۔

اس زمانہ میں میڈیا پر ایک مشہور کیس ''صائمہ ارشد کیس'' کے نام سے آیا۔ صائمہ، رَوْ پَڑِی (ایک خاندان کا نام) خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا ایک معروف مذہبی خاندان ہے۔ ارشد اسے پڑھانے جاتا تھا انہوں نے آپس میں کورٹ میرج کر لیا۔ اس کیس کو میڈیا پر بہت شہرت ملی، اہل حدیث علماء نے ''لا نکاح الا بولی'' کی وجہ سے اور بہت سے ہمارے علماء نے اس وجہ سے کہ چونکہ روپڑی خاندان ایک مذہبی گھرانہ ہے یہ فتویٰ دیا کہ ان دونوں میں عدم کفوٴ کی

وجہ سے یہ نکاح نہیں ہوا۔ ہمارے علماء نے اس معاملہ میں حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی روایت کو بنیاد بنایا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس یہ بات آئی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی پہلے ہم دیکھیں گے کہ اس واقعہ کی نوبت ہی کیوں آئی۔ انہوں نے اپنی جوان بیٹی کو ایک نامحرم سے تعلیم دلوانے کا اقدام ہی کیوں کیا؟ پھر اس اقدام کے بعد بھی کیا رو پڑی گھرانہ صالح ہی رہے گا؟ ان امور کی بنیاد پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس پر فتویٰ ہی نہیں دیا بلکہ اس میں توقف اختیار کیا حالانکہ عمومی طور پر یہ رائے رواج پا چکی تھی کہ نکاح نہیں ہوا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ حدیث کو بیان کرنے میں بھی حد درجہ احتیاط فرماتے۔ زبانی بالکل بیان نہ فرماتے۔ اوّلاً تو حدیث کا حوالہ بہت کم دیتے اور جہاں حدیث کا حوالہ بیان کرنا مقصود ہوتا تو کتاب سے حدیث نکلوا کر اسے تفصیل سے بیان کرتے۔ اس معاملہ میں آپ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کا گہرا اثر تھا۔ بلکہ آپ کی شخصیت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گہرا اثر اور نقش تھا۔ حضرت کو ان سے محبت بھی بہت تھی۔

آپ رحمہ اللہ کے پاس مختلف دواساز کمپنیوں کے نمائندے جو دوائیوں کی تشہیر اور مارکیٹنگ پر مامور ہوتے ہیں وہ آتے اور آپ رحمہ اللہ کو ان کی ادویہ تجویز کرنے پر مراعات اور انعامات کی پیشکش کرتے، آپ رحمہ اللہ انہیں سمجھاتے کہ یہ عمل رشوت کے زمرے میں آتا ہے لہذا یہ پیشکش کسی کو بھی نہ کیا کریں۔ اسی طرح سیمپل کی ادویات کبھی فروخت نہ کرتے، کسی نہ کسی مریض کو دے دیتے۔ ایک مرتبہ راقم کو سیمپل کی ادویات میں سے ایک دوائی دی لیکن ساتھ ہی اپنے پاس سے پیسے دے کر پرچی بنوائی اور اسے ریکارڈ میں درج کروایا۔

شریعت کے اصولوں کی پابندی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نجی زندگی اور اجتماعی زندگی سے متعلق اور معاشرتی امور سے متعلق شریعت کے اصولوں کی اہتمام سے پاسداری فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت رحمہ اللہ ان باتوں کو بھی جائز، ناجائز کے خانے میں لاتے جن کی طرف اچھے خاصے لوگوں کا دھیان بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔

ایک مرتبہ راقم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو علاج کے سلسلہ میں ایک معروف عامل کے پاس اصرار کر کے لے گیا، عامل موصوف نے چیک کرنے کے بعد کچھ وظائف بتلائے اور تعویذ دیتے ہوئے کہا کہ ان کو یقین کے ساتھ استعمال کیجیے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس کے یہ الفاظ سن کر فوراً استفسار فرمایا کہ یقین سے آپ کی کیا مراد ہے؟ (کیونکہ تعویذات وغیرہ کی ذات پر شفاء کا یقین تو شرک کے زمرے میں آتا ہے) تو راقم نے وضاحت کی کہ حضرت ان کی مراد یقین عرفی ہے کہ اس امید پر استعمال کریں کہ ان کے سبب اللہ تعالیٰ ضرور شفاء عطا فرمائیں گے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اچھا''۔

یعنی عام گفتگو میں بھی وہ شریعت کے اصولوں کے پیشِ نظر اصلاحِ احوال کو ضروری سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے احمد رضا خان صاحب کے بارے میں دوران گفتگو یہ کہا کہ ان کی ساری تحریک انگریزوں کے ایماء پر تھی، ان کا مسائل میں اختلاف کسی تحقیق کی بنیاد پر نہیں تھا تو اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: بھائی! مجھے تو کوئی ایسا ثبوت مہیا نہیں ہوسکا جس سے یہ ثابت ہو کہ انگریزوں کی ایماء پر انہوں نے اختلافی مسائل کو پروان چڑھایا ہے۔ یہاں بھی **لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا** (یعنی کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف کا دامن چھوڑ دو) کے اصول پر عمل فرمایا۔

کبھی کوئی کسی کی شکایت لے کر آتا تو آپ سب سے پہلے صاحب واقعہ سے اس بات کی تصدیق فرما لیتے، پھر اس کے بعد اس بارے میں کوئی ردّعمل ظاہر کرتے۔ راقم کے بارے میں متعدد بار ایسا ہوا کہ کسی نے کوئی شکایت کی تو آپ پہلے راقم سے تصدیق کرتے اگر میں نفی کر دیتا کہ ایسی کوئی بات نہیں تو حضرت رحمہ اللہ اس بات کو فوراً وہیں ختم کر دیتے۔ اس کی جرح، قدح اور نقد و تفتیش میں نہ لگتے۔ یوں لگتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ پہلے سے اس معاملے کی تہہ تک پہنچے ہوئے ہیں اور علی وجہ البصیرت بات فرما رہے ہیں۔ اس حوالے سے بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مشابہت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تھی۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ ''وہ تیز فہم آدمی تھے'' حضرت رحمہ اللہ بھی ایسے ہی تھے۔ اور اگر واقعی کوئی بات ملتی تو پھر اس کی اصلاح بھی فرماتے۔

ایک مرتبہ کسی نے شکایت کی کہ یہ (راقم) مناظرے بہت کرتا ہے اور اساتذہ سے اس طرح بحث کرتا ہے کہ انہیں لا جواب کر دیتا ہے۔ اور واقعتاً معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ یہ بات میرے مزاج کا حصہ بنی ہوئی تھی، ہر ہر بات پر اعتراض اور بحث، مباحثہ شروع کر دیتا حتیٰ کہ عقائد پر لڑکوں کو عاجز کر دیتا۔ اس شکایت پر راقم کو بلا کر پوچھا کہ کیا یہ بات درست ہے؟ میں نے عرض کیا: جی درست ہے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے تھوڑی دیر خاموشی فرمائی اور پھر اپنے خاص انداز میں دیکھتے ہوئے فرمایا:

''یا تو پڑھائی چھوڑ کر کوئی اور کام کاج کر لو یا پھر اس عادت کو قلبِ ماہیت کے ساتھ چھوڑ دو اور ابھی اسی وقت اس کا فیصلہ کرو۔''

ایک دفعہ تو اوسان خطا ہو گئے کہ یہ کیا ہوا لیکن اللہ کی توفیق سے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی توجہ اور دعا کی برکت سے اسی وقت راقم نے حضرت رحمہ اللہ سے اس عادت کو چھوڑنے کا وعدہ کیا اور پھر الحمد للہ حضرت رحمہ اللہ کی یہ کرامت تھی بحث مباحثہ طبعاً ہی ناپسند ہو گیا اور بہت آسانی سے یہ عادت چھوٹ گئی۔

ایک مرتبہ راقم کے ''فہم دین کورس'' کے ایک شریک نے کسی شخص کے ذریعے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے فون پر بات کی اور پوچھا حضرت! یہ (راقم) مسائل بتاتا ہے کیا اس نے آپ سے افتاء کا کورس کر رکھا ہے؟ آپ نے اسے کہا کہ بھائی! اگر کسی مسئلہ میں آپ کو ان سے کوئی شکایت ہے تو آپ وہ بیان کریں۔ اسے حل کر دیا جائے گا یعنی اصل نقطہ کی طرف اسے لائے۔ یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ اصل بات اور جڑ کو پکڑتے تھے، دائیں بائیں کی ہر بات میں نہ الجھتے تھے۔

لاہور میں ایک مسجد سے ملحق زمین کے بارے میں انتظامیہ مسجد اور اہل محلّہ کے درمیان تنازعہ ہوا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس مسئلہ میں فریقین نے حَکَم مقرر کر دیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بڑی جانفشانی کے ساتھ اس تنازعہ کے سارے پہلوؤں پر شواہد اکٹھے کرنے لگے اور موقعہ پر جا کر بھی لوگوں سے سوالات کیے۔ ایک فریق کو جب یہ احساس ہونے لگا کہ فیصلہ شاید ان کے حق میں نہ آئے تو انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ کو نہ صرف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ یہ الزام بھی لگایا کہ حضرت اس معاملے میں جانبداری کا شکار ہو رہے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کو اس کا کافی رنج ہوا۔ راقم نے حضرت رحمہ اللہ سے بات کی کہ فیصلہ آجانے سے قبل فریقین کو شرعی طور پر اختیار ہوتا ہے کہ وہ حکم نہ بنائیں۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''**بات یہ نہیں کہ انہوں نے مجھے فیصل (حکم) بنانے سے انکار کیا ہے بلکہ انہوں نے مجھ پر جانبداری کا الزام لگایا ہے۔**'' پھر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے راقم کو وہ خط دکھایا جو اس فریق کے ایک ذمہ دار نے لکھا تھا۔ چنانچہ آپ نے پھر اس سلسلہ میں ان حضرات کے مرکز میں خط لکھ کر یہ مطالبہ کیا کہ ''**یا تو یہ مجھ پر جانبداری کے الزام کو ثابت کریں یا پھر اس الزام سے رجوع کریں۔**'' یعنی آپ نے اس سلسلہ میں ایک اصولی مؤقف اپنایا کہ ایک طرف یہ مجھ سے مسائل پوچھتے ہیں اور ایک طرف جانبداری کا الزام عائد کرتے ہیں یہ دوہرا معیار ہے اور اگر کوئی کسی پر اس قسم کا الزام لگائے تو اصول شریعت کے مطابق یا تو اسے الزام ثابت کرنا چاہیے یا پھر اس قسم کے الزام سے رجوع کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ ایک جگہ ''فہم دین کورس'' کے شرکاء میں سے بعض نے میرے واسطے سے کسی بات کی شکایت کی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ان لوگوں کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ لوگ آئے اور اپنی شکایت بتائی تو آپ نے اس شکایت کا ازالہ کیا اور پھر ان سے فرمایا کہ بھائی! جب کوئی شکایت یا کوئی مسئلہ ہو تو براہ راست مجھے بتایا کرو کیونکہ واسطہ تو واسطہ ہی ہوتا ہے خواہ کتنا قابل اعتبار کیوں نہ ہو، یعنی راقم جو کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے اتنا قریب تھا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا راقم پر حد درجہ اعتماد بھی تھا لیکن اس کے باوجود ایک اصولی بات کہی کہ جو مسئلہ بھی ہو وہ براہ راست بیان کرنا چاہیے۔ یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کی ایک عادت تھی کہ کسی مروت یا لحاظ کی وجہ سے اصولی بات اور صحیح رائے دہی میں کمی یا اخفاء نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ بلا کم و کاست اظہار فرما دیا کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا اسلوب تدریس

o حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا انداز تدریس رواجی اور رسمی نہیں تھا بلکہ تحقیقی تھا۔ آپ عمومی طور پر رائج بیانیہ کا انداز اختیار نہیں کرتے تھے اس لیے آپ سے صرف ان لوگوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے جو پوری طرح مطالعہ اور تیاری کے ساتھ آئے، آپ مشکل سے مشکل مقام کے بارے میں آنے والے سوالات اور اشکالات کا ایسا مختصر اور جامع جواب عنایت فرماتے کہ سارے اشکالات اور سوالات رفع ہو جاتے۔ چنانچہ آپ کا انداز تدریس یہ تھا کہ طلبہ تقریر کرتے اور

آپ صرف اس مقام کی وضاحت فرماتے جہاں تقریر میں کمی رہ گئی ہوتی۔

o حضرت رحمہ اللہ کے ہاں نصاب یا کتاب ختم کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا آپ فرماتے کہ اچھے طریقے سے جتنا بھی پڑھ لیا جائے کافی ہوتا ہے۔

o غیر حاضر طلبہ سے کبھی نہ پوچھتے کہ کل کیوں نہیں آئے؟ حتیٰ کہ راقم کا حضرت رحمہ اللہ سے جو تعلق قائم ہو گیا تھا وہ میری معلومات کے مطابق شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو اور پھر راقم بلا ناغہ حضرت رحمہ اللہ کے پاس جامعہ کے علاوہ ہسپتال بھی پڑھنے جاتا تھا اس کے باوجود اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی چھٹی کی تو اگلے روز آپ نے یہ سوال نہ کیا کہ کل کیوں نہیں آئے؟

o راقم نے حضرت رحمہ اللہ سے تخصص شروع کیا تو اس میں حضرت رحمہ اللہ نے جو انداز اختیار کیا اور جو چیزیں مقرر کیں اس میں آپ کا انداز تحقیقی تھا، تقلیدی نہیں تھا۔ سب سے پہلے ''نزہۃ النظر'' پڑھائی، پھر حدیث وسنت کی تفصیلی بحث پڑھائی، جس میں ان کے مصداقات، استعمالات اور فروق پر تفصیلی بحث کی۔

راقم نے تمام دستیاب کتب سے مفصل بحث اور ایک طویل بحث تیار کی پھر سارا دن حضرت رحمہ اللہ سے اس پر گفتگو کی، آخر میں حضرت رحمہ اللہ نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹی سی پرچی نکالی جو میری ساری بحث پر حاوی تھی، پھر اسی تحریر کو حضرت رحمہ اللہ نے پھیلا کر ''اصول دین'' کا حصہ بنا دیا۔

o حدیث صحیح کی تعریف میں ''تام الضبط'' کی بحث آئی تو کافی دن اس پر بحث چلتی رہی کہ خفت ضبط اور کمال ضبط کا معیار کیا ہے؟ تفصیلی بحث کے بعد جو چیز واضح ہوئی وہ یہ تھی کہ محدثین کے ہاں اس کا کوئی ایک معیار نہیں ہے اور محدثین کے اصول فقہاء کے اصولوں کی نسبت مبہم اور غیر جامع ہیں، اسی وجہ سے جب ان کے اصولوں کو ان کی جزئیات پر منطبق کرتے ہیں تو مستثنیات کثرت سے نکلتی ہیں اور اکثر اصول جزئیات پر منطبق نہیں ہوتے۔

ان کے مقابلے میں فقہاء کے اصول انتہائی واضح، غیر مبہم اور جامع ہیں۔ آپ نے یہ بات دروانِ تعلیم کئی مواقع پر بیان فرمائی اور عملی طور پر حضرت رحمہ اللہ کی یہ بات بالکل صحیح ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے رواۃ کی تحقیق بھی کروائی۔ چنانچہ بعض رواۃ پر محدثین کے ہاں محض چند روایات کی بنیاد پر قلیل الضبط ہونے کا حکم لگایا گیا ہے اور اس کے برعکس بعض رواۃ کو تام الضبط قرار دیا گیا ہے حالانکہ ان کی مرویات میں نمبر اول کے رواۃ کی نسبت کہیں زیادہ اخطاء (خطائیں) موجود ہیں۔

متفرق

o جب اجتماعی ذکر کے بارے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مضمون لکھا جس کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت ہے، جس کے ایک طریق میں ذکر جہری کا تذکرہ ہے اور دوسرے طریق میں ذکر سری کا

تذکرہ ہے، جس کو حضرت رحمہ اللہ نے دو الگ الگ واقعات پر محمول کرتے ہوئے دونوں طرح کے اجتماعی ذکر کے عدم جواز کو ثابت کیا تو ہمارے بہت سے ان حلقوں کی طرف سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا جن میں اس اجتماعی ذکر کا اہتمام تھا۔

چونکہ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بھی ذکر کی صورت اجتماعی تھی (جو اگرچہ حقیقت میں اجتماعی نہ تھا) حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ راقم کو لے کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنا مضمون پورا پڑھ کر سنایا اور تفصیل سے بات کی۔ اور یہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ آپ پورا مسئلہ بتایا کرتے تھے۔ جب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو پورا مضمون سنایا تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اپنا اپنا ذکر کرو لیکن لوگ از خود اجتماع کی صورت بنا لیتے ہیں (یعنی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں لیکن ایک وقت ایک ذکر کرنے کا التزام و اہتمام نہیں کرتے نہ جہراً اور نہ سراً۔ اور یہ صورت اس اجتماعی ذکر کی نہیں جس کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ناجائز لکھا ہے)۔

لیکن اس کے باوجود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ التزام کر لیا کہ اپنی مجلس بدل لی، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بالکل الگ کمرے میں بیٹھتے اور وہاں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہوتی اور ساتھ ساتھ تاکید بھی فرماتے کہ انفرادی طور پر (یعنی اپنا اپنا) ذکر کریں (چاہے سب ایک وقت میں اور ایک جگہ میں کریں) اگرچہ اس سے قبل بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ انفرادی ذکر کا کہتے تھے لیکن اس کے بعد تو بہت اہتمام اور تاکید فرمانے لگے۔

o جب کتاب ''**مفاهيم يجب ان تصحح**'' چھپ کر آئی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ یہ کتاب لے کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ آپ نے اس کتاب پر تقریظ لکھی ہے جبکہ اس کتاب میں تو ایسے ایسے مضامین ہیں، پھر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کتاب کے مختلف مقامات دکھائے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے تو ان حضرات (دیگر حضرات جن کی تقریظ کتاب پر درج تھی) کے اعتماد پر لکھ دی اور ان کے اطمینان پر ہم نے بھی اطمینان کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حکم پر آپ نے اس کتاب پر کام کیا اور پھر آپ کے کام پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تقریظ لکھی جس میں آپ نے ''مفاہیم'' پر لکھی گئی تقریظ سے رجوع فرمایا۔

o ''انوار مدینہ'' میں آپ رحمہ اللہ نے ایک اہم مسئلے سے متعلق ایک مضمون لکھا وہ مسئلہ یہ ہے کہ حرام مال سے جو چیز خریدی جائے تو وہ بھی حرام ہوتی ہے یعنی حرام مال کا ثمن اور اس سے خریدی گئی چیز دونوں کا استعمال حرام ہے۔ یہ ایک معروف مسئلہ تھا۔ لیکن حرام مال کے شیوع اور ابتلاء عام کی وجہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''انوار مدینہ'' میں اس پر ایک مضمون لکھا کہ چونکہ ایسے اموال کا شیوع ہے اور اس قدر شیوع ہے کہ اگر مبیع اور ثمن دونوں کے حرام ہونے کا

قول کریں تو شدید حرج اور تنگی لازم آتی ہے تو آپ نے ''شامی'' میں موجود امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو لیا اور اس کے مطابق فتویٰ لکھا کہ اگر حرام مال سے پیشگی ادائیگی نہ کریں اور نہ ہی اس رقم کو اشارہ وغیرہ سے متعین کریں اور پھر اس رقم کو بطور ثمن ادا کریں تو نہ وہ رقم دوسرے شخص پر حرام ہوگی اور نہ مبیع اس پر حرام ہوگی۔ گویا ثمن ذمہ میں دین ہو گیا اور پھر اس دین کی ادائیگی اس حرام مال میں سے ہوگئی۔ البتہ خریدار کے ذمہ اتنا مال صدقہ کرنا واجب ہے جتنا اس نے استعمال کیا ہے۔

جب یہ مسئلہ چھپ گیا تو اس پر مفتی عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو خط لکھا اور اس مسئلہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے وہ خط راقم کو پڑھ کر سنایا۔ اس میں مفتی عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا تھا کہ کراچی والوں کا تو یہ کام تھا اب لاہور والوں نے بھی یہ کام شروع کر دیا ہے؟ یعنی مسائل حرام وحلال کو جدت سے ہم آہنگ کرنا۔ تو اس خط پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہم نے کسی حرام کو حلال نہیں کیا، ہم نے تو فقط وہ گنجائش بتلائی ہے جو امام کرخی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ بعد میں راقم کو مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ''کفایت المفتی'' سے کچھ جزئیات ملیں کہ قربانی وغیرہ کے مسائل میں انہوں نے اسی قول کو لیا ہے۔ جب راقم نے وہ حوالہ جات حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو دکھائے تو حضرت رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ موافقت مل گئی۔ [نیز ''عطر ہدایہ'' میں بھی مولانا فتح محمد لکھنوی رحمہ اللہ نے امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو بطور اصول اپنایا ہے۔ ش۔ا]

مولانا امین صفدر اکاڑوی صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ تشریف لائے اور فرمایا کہ **''ہم ہر ماہ انتظار کرتے ہیں کہ اس ماہ آپ اسلامی سونڈیوں پر کون سا سپرے کریں گے۔''**

مولانا امین صفدر اکاڑوی رحمہ اللہ کا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طرف بہت آنا جانا رہتا تھا، بے تکلفی بھی تھی، آتے ہی خود سے فرماتے ''چاہ وی پیاں گا تے نال بسکٹ وی منگوالو'' (یعنی چائے بھی پیوں گا اور ساتھ میں بسکٹ بھی منگوا لیں)، حضرت بھی ان کے اکرام کا اہتمام فرماتے۔

o حضرت قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ کے ایماء پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے افکار ونظریات پر ایک کتاب لکھی۔ کتاب طبع ہونے سے قبل آپ نے اس کا ایک نسخہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو بھیجا تاکہ اگر کوئی بات قابل تنقیح ہو تو اس کی تنقیح ہو جائے اور شاید ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے ان افکار سے رجوع فرما لیں۔ تو ایسی صورت میں کتاب چھاپنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن جب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ نے خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے وقت لیا اور پھر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو لے کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے خود پوری کتاب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو پڑھ کر سنائی، درمیان میں جہاں وضاحت کی ضرورت ہوتی حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ وضاحت فرماتے اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بھی وضاحت لیتے۔ پھر حضرت شاہ صاحب رحمہ

اللہ کی اجازت سے اسے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے نشر کروادیا۔

o ایک مرتبہ ڈاکٹروں کی ایک جماعت آپ سے ملنے آئی تو آپ نے ان سے گفتگو کے دوران فرمایا کہ **"میں نے دیوبند کے مسلک ومشرب کو تقلیداً نہیں لیا بلکہ تحقیقاً لیا ہے۔"**

o ایک مرتبہ ایک تعلق والے نے آپ کے بچوں کو کچھ پیسے دیے آپ نے منع کیا انہوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا اخلاص قابل قدر ہے لیکن اس لیے منع کر رہا ہوں کہ اس سے بچوں میں طمع بیدار ہو جاتی ہے اس لیے آپ اصرار نہ فرمائیں۔

o ہسپتال میں عموماً آپ رحمہ اللہ کی ڈیوٹی دوسرے (یعنی شام کے) وقت ہوتی اول وقت میں آپ رحمہ اللہ جامعہ آتے اور تعلیمی وتدریسی خدمات سرانجام دیتے۔ایک مرتبہ آپ رحمہ اللہ کی ڈیوٹی کی شفٹ تبدیل کردی گئی، جس سے آپ رحمہ اللہ کی ترتیب کافی متاثر ہوئی۔آپ رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ تو یہ فیصلہ کرلیا کہ ڈیوٹی سے استعفیٰ دے دیا جائے لیکن پھر آپ کی ڈیوٹی شام کی کردی گئی۔ حالانکہ آپ رحمہ اللہ کے معاش کا انحصار اسی ڈیوٹی پر تھا لیکن آپ رحمہ اللہ نے درس و تدریس کے مشغلہ کی خاطر اسے قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

o حج کے دوران آپ رحمہ اللہ نے ایک معروف عالم دین سے ملاقات کا پروگرام بنایا لیکن جب آپ کو علم ہوا کہ ان کی داڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے تو آپ رحمہ اللہ بغیر ملاقات کے واپس آ گئے۔

o مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ کو جامعۃ الرشید آنے کی دعوت دی گئی، آپ کافی دن اس بارے میں سوچ وبچار کرتے رہے، پھر آپ کی وہاں جانے کی رائے بننے لگی، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے راقم سے مشورہ کیا (حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ عموماً نجی ودینی مسائل میں راقم سے مشاورت کیا کرتے تھے جو کہ راقم کے لیے ایک بہت بڑی سعادت تھی) راقم نے عرض کیا کہ کراچی والوں سے آپ کی طبیعت نہ ملے گی، اس لیے آپ کا وہاں جانے کا فیصلہ مناسب نہیں۔اس کے بعد آپ نے کافی سوچ وبچار کے بعد وہاں جانے کے پروگرام کو ختم فرمادیا۔

آپ کو یہ پیشکش غالباً مفتی غلام مصطفیٰ صاحب کے ذریعے آئی تھی۔

.....☆☆☆.....

کچھ منتشر یادیں

مفتی قاسم امین صاحب
دارالافتاء ٹوبہ ٹیک سنگھ

حضرت کی چند خصوصیات

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ رب العزت نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا۔

وقت دینے میں فراخ دلی

1۔آپؒ کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ طالب علم کے ساتھ خصوصی شفقت اور مہربانی کا معاملہ فرماتے تھے۔آپ کسی دینی یا عصری جامعہ میں چلے جائیں سب سے مشکل کام ماہر اساتذہ سے وقت لینا ہوتا ہے۔عموماً یہ حضرات علمی اور تحقیقی مشاغل کی وجہ سے طلبہ کو بہت محدود وقت دیتے ہیں۔بقول ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب ان حضرات سے وقت چھیننا پڑتا ہے۔حضرت مفتی صاحبؒ اس معاملے میں بہت فیاض تھے۔طالب علم مطالعہ کر کے آئے اسے خوب خوب وقت دیتے تھے اور بہت تعاون فرماتے تھے۔

بندہ جب زیر تعلیم تھا اس وقت کی آپ کی مصروفیات متنوع تھیں۔صاحبزادگان کی عمریں زیادہ نہ تھیں ظاہر ہے خانگی مصروفیات بھی تھیں پھر بیک وقت متعدد موضوعات پر کتب زیر تصنیف تھیں فتاویٰ کا کام اس پر مستزاد۔ایک سال جامع ترمذی اور دوسرے سال صحیح مسلم، ہدایہ ثالث و دیگر اسباق بھی زیر تدریس تھے۔ہسپتال میں ڈیوٹی بھی مستقل تھی اس سب کے باوجود بہت مرتبہ چھٹی کے دن گھر بلوا لیتے اور چھٹی کے دن بھی سبق ہوتا۔

جب بندہ داخلہ کے لیے حاضر ہوا تو فرمایا:

"بھائی چوبیس گھنٹے کی غلامی ہے سال بھر میں عیدین کے علاوہ کوئی چھٹی نہیں ہوگی جو کام دیں گے پورا کرنا ہوگا کر سکتے ہو تو داخلہ لو"

نہ صرف طالب علم سے کام لینے کا یہ انداز تھا بلکہ خود کو بھی اسی طرح علم کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

دراصل یہ انتھک محنت رضاء الٰہی کے حصول کے لیے تھی ہسپتال میں ڈیوٹی کے علاوہ آپ کی تمام تر خدمات لوجہ اللہ تھیں آپ کی تدریس، تصانیف اور افتاء کی خدمات کے ساتھ کسی قسم کا معاشی مفاد وابستہ نہ تھا۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہم تنخواہ لیتے ہیں اس کے باوجود طلبہ کو اتنا وقت نہیں دے سکتے جتنا حضرت مفتی صاحبؒ بلا معاوضہ عنایت فرماتے تھے۔

وقت کی قدردانی

2۔حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک خوبی وقت کی قدر تھی آپؒ اپنے اوقات کی بہت حفاظت فرماتے تھے عموماً سال میں دو سفر ہوتے تھے ایک کراچی کا اور ایک راولپنڈی کا۔اس کے علاوہ سفر سے حتی الامکان اجتناب فرماتے تھے مدرسہ عربیہ رائیونڈ کے حضرات نے امتحان کے لیے درخواست کی تو آپ تشریف لے گئے امتحان لینے کے بعد واپس ہوتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ مجھے نہ بلایا جائے۔وجہ یہی تھی کہ اس میں اچھا خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔سامان سفر میں مطالعہ کے لیے کتب اہتمام سے رکھتے تھے

3 ۔بے مقصد گفتگو سے اجتناب فرماتے تھے۔علمی کتابوں کے مطالعے سے اگر کچھ تھکاوٹ یا اکتاہٹ ہوتی تو کوئی ہلکی پھلکی چیز پڑھنا شروع کر دیتے جیسے اخبار،سوانحاتی تحریریں وغیرہ۔

تخصص کا خاص انداز

4۔تخصص میں آپ کا طریقہ تدریس بہت مفید تھا۔فتاویٰ شامیہ (کے دو تہائی حصے) کا بالاستیعاب مطالعہ اور مذاکرہ نصاب کا اہم حصہ تھا اس کی ترتیب یہ تھی کہ طالب علم خوب اچھی طرح مطالعہ کر کے آئے اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کسی بھی مسئلہ کے متعلق دریافت فرمالیتے۔اس مسئلہ کی تفصیل طالب علم بیان کرتا۔اس بارہ میں اتنا عرض کر دینا کافی نہ ہوتا کہ علامہ شامیؒ نے کس قول کو ترجیح دی ہے بلکہ علامہ شامیؒ کے استدلال کو واضح کرنا اور اس کا دفاع و تنقیح بھی شامل مناقشہ ہوتی تھی۔

بعض مسائل پر خود علامہ شامیؒ اور دیگر قدیم و جدید اہل افتاء نے مستقل رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے اس مسئلہ کو مختلف کتب اور فتاویٰ دیکھ کر تحقیق کرلو اس کے بعد اس کے بارہ میں جو رسائل دستیاب ہیں ان کا مطالعہ کرو اگر پہلے ہی رسائل کا مطالعہ کرلیا تو مسئلہ کے بارہ میں ذہن محدود اور مقید ہو جائے گا۔اور واقعتاً ایسا ہوا کہ اس انداز سے مطالعہ سے بہت مرتبہ نئے زوایے سامنے آتے بعض ایسی تفصیلات کتب میں مل جاتیں جو رسائل میں نظر انداز ہو گئی تھیں۔بعض مسائل پر حضرت مفتی صاحبؒ نے خود بھی مضامین و رسائل سپرد قلم فرمائے تھے۔ان پر طالب علم کو آزادی سے تنقید کا موقعہ دیتے۔بندہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' تکمیل کے نصاب میں بھی پڑھی تھی داخلہ کے امتحان میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' سے سوال ہوا تھا۔لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت عمدہ انداز میں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' پڑھائی۔ ''عبقات''،''ہمعات'' وغیرہ کی روشنی میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی اصطلاحات کو حل کرنا اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کو مربوط انداز میں ایک نظام کی شکل میں پیش کرنا حضرت مفتی صاحبؒ کی خصوصیت تھی۔

''الاشباہ والنظائر'' میں قواعد کی فروعات پر تطبیق کے ساتھ ساتھ جدید مسائل کے استخراج کی کیفیت کی طرف بھی راہنمائی فرماتے ان کے علاوہ ''الاعتصام'' (للشاطبی) ''الموافقات''، ''کشف الاسرار''، ''مسلم الثبوت'' کی اہم مباحث اور ''توضیح'' کے مقدمات اربعہ بھی بہت عمدہ انداز میں حل فرماتے۔

اعتدال

5۔آپ کی طبیعت میں اعتدال کمال درجہ کا تھا لندن کی ایک معروف شخصیت عبدالرحمٰن باوا نے تبلیغی جماعت کے متعلق مضمون لکھا اور تصدیق وتائید کے لیے حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس بھیجا۔حضرتؒ خود بھی بعض موضوعات پر لکھ چکے تھے ان صاحب سے تعلقات کے باوجود ان کے مضمون کی تائید نہیں فرمائی بلکہ اس مضمون پر ہی لکھ دیا کہ اس تحریر میں تبلیغی جماعت کے بارہ میں شدت اختیار کی گئی ہے اس لیے اس کی تائید نہیں کی گئی۔

تصلب

6۔آپ اکابر اہل سنت والجماعت کے مسلک ومشرب پر مضبوطی سے کاربند تھے اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی انحراف پسند نہ فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصلب فی الدین کی نعمت سے بھی نوازا تھا ایک مرتبہ بندہ اور دیگر دو ساتھی سفر کی وجہ سے عصر با جماعت نہ پڑھ سکے پیر مکی دربار کے ساتھ مسجد میں ہم نے نماز عصر ادا کی نماز کے بعد دیکھا کہ مسجد کے ساتھ ملحق کمرہ میں کتابیں ہی کتابیں ہیں ایک صاحب مصروف مطالعہ ہیں ہم قریب چلے گئے وہاں حضرت مفتی صاحبؒ کی بھی بعض کتب رکھی ہوئیں تھیں۔انہوں نے بتایا کہ میرے اساتذہ دیوبندی بھی ہیں اور بریلوی بھی اور میرا بھتیجا جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم ہے۔اپنے ایک دو رسائل بھی دیے اور کہا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنا۔اگلے روز جب حضرت تشریف لائے تو بندہ نے عرض کیا حضرت! علی احمد سندیلوی صاحب سلام عرض کر رہے تھے۔حضرت مفتی صاحبؒ نے کوئی جواب نہ دیا تب مجھے خیال ہوا کہ شائد اس لیے سلام کا جواب نہیں دیا کہ وہ بدعتی ہیں صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ فلاں شخص نے آپ کی خدمت میں سلام بھیجا ہے فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے اگر واقعتاً ایسا ہے تو میری طرف سے اس کو سلام مت کہنا۔(کتاب الایمان صحیح مسلم)

اساتذہ کا ادب

7۔اکابر نیز اساتذہ کرام کا ادب خصوصی طور پر ملحوظ رکھتے تھے آپ کے استاذ جن سے آپ نے بعض فنون میں استفادہ کیا اور وہ اپنے فن میں سند کی حیثیت رکھتے تھے اور خاصے معروف تھے ایک صاحب نے استفتاء بھیجا جس میں آپ

کے ان استاذ صاحب کا حوالہ تھا کہ ان سے مسئلہ دریافت کیا اور انہوں نے یوں جواب دیا جو مسئلہ ان استاذ صاحب کے حوالہ سے بتایا وہ حوالہ جات کے خلاف تھا۔ حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ نے حضرت.....صاحب کا حوالہ دے کر اصولی غلطی کی ہے آپ ان کا نام لیے بغیر سوال لکھیں۔

اساتذہ کی خدمت

8۔ آپ بلند علمی مقام کے باوجود اپنے بعض ابتدائی اساتذہ کرام کی خدمت مستقل مزاجی سے بجالاتے۔ روزانہ چائے پینے سے قبل حضرت مولانا عبدالرشید کشمیری صاحبؒ کی خدمت میں چائے بھیجتے اسی طرح حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن ڈیرویؒ کی بعض خدمات آخر تک سرانجام دیتے رہے۔

القاب میں حقیقت پسندی

9۔ الفاظ کے استعمال میں مبالغہ آمیزی سے احتیاط فرماتے تھے۔ ایک طالب علم نے جو جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں دورہ حدیث شریف کر رہے تھے استفتاء بھیجا جوابی لفافہ پر بندہ نے نام کے ساتھ مولانا کا سابقہ لگا دیا غالباً نصف سال گزر چکا تھا حضرتؒ نے دیکھ لیا فرمایا: ''مولانا'' کیوں لکھا بندہ نے فوراً کاٹ دیا۔

مفتی کو غیر جانبدار ہونا چاہیے

10۔ آپ نے دو صفحات پر اصول افتاء کے صرف عناوین (بطور خلاصہ) لکھے تھے اس میں ایک عنوان یہ تھا کہ آپ کا کسی جماعت یا شخصیت سے تعلق آپ کی تحقیق پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے چنانچہ آپ کا تعلق ایک تبلیغی جماعت سے وابستہ خاندان سے تھا اس کے باوجود آپ نے جماعت کے بارہ میں جن امور کو لائق توجہ سمجھا ان کے بارہ میں تحریری ،زبانی توجہ دلاتے رہے بعض مسائل پر اکابرین جماعت کے ساتھ مراسلت بھی ہوئی۔

اسی طرح آپ کے استاذ اور پہلے شیخ طریقت حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ مجلس ذکر کا انعقاد کیا کرتے تھے۔ آپ نے مجالس ذکر و درود کی شرعی حیثیت پر بھی لکھا۔

11۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو احقاق حق اور ابطال باطل کا خصوصی جذبہ اور سلیقہ عطا فرمایا تھا آپ کی خدمت میں بیٹھنے والا اس جذبہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا کہ بندہ دورۂ حدیث کے طلبہ کی خدمت میں خصوصیت سے عرض کرتا ہے کہ موقع ملے تو اپنی مساجد میں درس قرآن کریم، درس حدیث، فہم دین کورس کا خصوصی اہتمام کریں۔ اس سے باطل نظریات کی خود بخود غیر محسوس طریقے سے سرکوبی ہوتی رہتی ہے۔

تنقید سے پہلے مکمل تحقیق و تفتیش

12۔ آپؒ نے اگر کسی کے رد میں لکھا ہے تو پہلے اسی مکتبہ فکر کی کتب اور دیگر علمی ذرائع سے اسے خوب اچھی طرح

سمجھا ہے۔ تنظیم فکر ولی اللہی کے بارہ میں لکھنا تھا تو اس تنظیم کی شائع کردہ کتب، رسائل، مضامین کا مطالعہ کا پھر تنظیم کے لاہور کے ذمہ دار عباس شاد صاحب کو بلایا ان سے معلومات لیں۔ تنظیم کے دفتر میں بندہ کو بھیجا اور مکمل معلومات لینے کے بعد ''ہدیہ فکر'' نامی کتابچہ لکھا۔

کچی باتوں یا مفروضات پر بنیاد نہ رکھتے تھے۔

اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار ونظریات پر پہلے ان کو زبانی توجہ دلائی پھر جب ان کے بارہ میں کتاب لکھی تو سب سے پہلے انہیں کے پاس بھیجی۔

اختلاف رائے کے ساتھ محبت واحترام

13۔فروعی فقہی مسائل میں اختلاف رائے کے ساتھ ساتھ محبت واحترام کا حسین امتزاج بھی آپ کی خصوصیت تھی چنانچہ اہلسنت والجماعت کے بعض اکابر کے ساتھ آپ کا علمی وفکری اختلاف ہوا خصوصا معاشی مسائل کے حوالہ سے لیکن ادب واحترام کا رشتہ بدستور قائم رہا۔حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بیمار ہوئے تو آپؒ ان کی صحت یابی کے لیے دعا گو بھی ہوئے حالانکہ ان ہی دنوں میں جدید معاشی مسائل نامی کتاب نئی نئی طبع ہوئی تھی۔

مضبوط علمی تحقیق

14۔ بعض مسائل پر آپ کی تحقیق بہت عمدہ اور اچھوتی ہے مثلا حدیث سبعۃ احرف کی شرح میں ایک رسالہ لکھا۔ یہ ایسی بہترین تحقیق ہے جس سے جملہ اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔اور تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہ جاتی ۔آپ کسی مسئلہ پر لکھتے تو خود ہی اس کا تنقیدی جائزہ لیتے اور کسی بات کا کمزور سا جواب یا رد بھی ممکن ہوتا تو آپ یا تو اس کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے یا اس کو قلم زد کر دیتے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر بہت ٹھوس اور مدلل ہوتی تھی اور مغز مغز ہوتی تھی۔

روحانی تاثیر وبرکت

15۔حضرت مفتی صاحبؒ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ سے تھا آپ کی روحانی توجہ تھی یا صحبت کی تاثیر کہ آپ کی خدمت میں بیٹھ کر جذبہ عمل نہ صرف بیدار رہتا تھا بلکہ ترقی کرتا تھا۔اس سلسلہ میں بہت سے واقعات خود بندہ کے ساتھ پیش آئے۔عُجب اور خودستائش کے اندیشہ سے انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

علمی وسعتِ ظرفی

17۔آپ کی وسعت ظرفی کا یہ عالم تھا کہ ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی بندہ نے کچھ حوالہ جات پیش کیے حضرت مفتی صاحبؒ کی رائے گرامی جمہور کے موافق تھی بندہ کو اس میں خلش تھی دوسرے دن مزید حوالہ جات پیش کیے حضرت مفتی

صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارہ میں فتاویٰ شامی، امداد الاحکام اور کفایت المفتی دیکھ لو۔ مذکورہ تینوں کتب دیکھنے کے باوجود بندہ کا اشکال رفع نہ ہوا تو فرمایا تم چاہو تو اس کے موافق عمل کرلو لیکن ہمارا فتویٰ اسی پر ہے جو جمہور کے موافق ہے۔ الحمدللہ بعد میں مزید مطالعہ سے اطمینان ہوگیا اور بندہ کا خلجان دور ہوگیا۔

.....☆☆☆.....

استادمحترم کا ذکر خیر

مولانا مختار احمد صاحب
امام وخطیب نمرہ مسجد مزنگ روڈ لاہور

محترم بھائی مفتی مبشر صاحب کے بار بار اصرار پر ہمت کر رہا ہوں کیونکہ مزاج لکھنے کا نہیں۔

دوسرے محترم استاد مکرم جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ میرا قریبی اور قلبی تعلق اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بے شمار احسانات بھی اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کی ذات گرامی کے متعلق اپنی بساط علمی کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور تحریر کروں جو کہ دیگر حضرات کے لیے بھی نفع کا سبب بنے۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے میرا تعلق اور محبت اس وقت انتہا کو پہنچا جب میں درجہ ثالثہ میں اپنے ایک شرعی عذر اور مجبوری کی وجہ سے تعلیمی سال کے دوران جامعہ مدنیہ کریم پارک کو بغیر رخصت لیے چھوڑ کر جامعہ فریدیہ اسلام آباد چلا گیا، درجہ ثالثہ مکمل کرنے کے بعد جب دوبارہ درجہ رابعہ میں داخلہ کے لیے جامعہ مدنیہ حاضر ہوا تو بعض اساتذہ کرام نے مجھے داخلہ دینے سے منع کر دیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے میرے لیے سفارش کی اور مجھ پر خصوصی شفقت فرمائی اور داخلہ دلوایا۔

''ابوداؤد شریف'' اور دورہ حدیث کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے مزید علمی استفادے کا موقع بھی ملا جس کی بدولت حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

میں مدرسہ کے علاوہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس ہسپتال (داتا دربار ہسپتال) میں بھی پڑھنے کے لیے ظہر کے بعد جایا کرتا تھا اور مدارس کی تعطیلات میں آپ کے گھر گلشن راوی بھی جاتا تھا۔

انداز تادیب

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ انتہائی شفیق اور خوش اخلاق انسان تھے۔ میں آپ کی شفقت اور احسانات کو کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔ میں نے کبھی کسی کو جسمانی سزا دیتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا، نہ اپنے پاس ڈنڈا یا چھڑی رکھتے تھے سوائے ایک مرتبہ کے کہ ہسپتال میں، مفتی عبداللہ صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو قرآن پاک سناتے ہوئے جب بار بار اٹک رہے تھے، منزل صحیح یاد نہیں تھی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک دوان کی کمر میں لگا دیں۔

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں کرک سے کچھ مفتی حضرات استفادہ کے لیے مدارس کی تعطیلات میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان کو گھر میں وقت دیتے تھے۔ ''درمختار'' کی عبارت پڑھنا میرے ذمہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی مسئلہ میں سب اپنی رائے دے رہے تھے۔ میں نے بھی اپنی رائے دینے کے لیے بولنا شروع کیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ خاموشی اور ناگواری سے میری طرف دیکھنے لگے تو میں سمجھ گیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور اس موقع پر بڑوں کی موجودگی میں میرا بولنا مناسب نہیں۔

تادیب کا یہ انداز مجھ پر بہت اثر انداز ہوا اور زیادہ سے زیادہ یہ سزا تھی جو پورے تعلیمی زمانہ میں مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے بطور تادیب کے دی گئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جب جامعہ سے گھر جانے لگتے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے سکوٹر کو صاف کرتا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بطور شفقت فرماتے: ''مختار صاحب! آپ یہ نہ کیا کریں''۔ میں آپ کی کتابیں جو ہر وقت ساتھ ہوتیں سکوٹر میں رکھتا اور سکوٹر اسٹارٹ کر کے دیتا، یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے میرے ذمہ لگایا کہ اس کے نیچے والا حصہ زنگ کی وجہ سے گل گیا ہے یہ نیا لگانا ہے۔ میں نے مارکیٹ سے پتہ کر کے بتایا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بجٹ اس وقت اتنا نہیں، کسی اور سے معلوم کرو۔ میں نے دو تین جگہ سے معلوم کیا تو سب نے وہی ریٹ بتایا۔ تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فی الحال کام کروانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ تو میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اپنی طرف سے بتایا کہ ایک آدمی اس سے کم ریٹ پر بھی یہ کام کر دے گا اور وہ ریٹ بتایا جو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ خرچ کر سکتے تھے تو اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ راضی ہو گئے اور میں نے باقی رقم اپنی طرف سے ادا کر کے وہ کام کروا دیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس جو شخص بھی کسی حاجت یا ضرورت کے لیے آتا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی کوشش ہوتی کہ اس کا کام ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جامعہ کے ایک ملازم کی والدہ جس کو پنجابی میں ''بولے دی مائی'' کہتے تھے آئی، اس کی آنکھوں کے آپریشن کا مسئلہ تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ان کو میرے ساتھ اپنے ہاسپٹل بھیجا اور اس کا آپریشن کروا دیا۔

اساتذہ اور بزرگوں کا احترام

جب بھی کوئی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام میں سے تشریف لاتے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان کے احترام میں کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور بہت عاجزی سے ان کے ساتھ پیش آتے۔ اور خاص طور پر جب مہتمم حضرات میں سے کوئی تشریف لاتا (سید محمود میاں صاحب اور سید رشید میاں صاحب) تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان کے احترام میں فوراً کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ بیٹھ نہ جاتے یا تشریف نہ لے جاتے کھڑے رہتے۔

پابندی اور ذمہ داری

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی ذمہ داری اور کام کے بہت پابند تھے، وقت پر تشریف لاتے اور پورے سال میں شاذ و نادر ہی ان کی کوئی غیر حاضری ہوتی تھی۔

علمی ذوق اس قدر زیادہ تھا کہ جب بھی کوئی ان سے ملنے آتا ان کو پڑھتے یا پڑھاتے یا لکھتے ہوئے پاتا، خواہ گھر میں ہوں، جامعہ میں ہوں، ہسپتال میں ہوں۔

ہسپتال میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا معمول پڑھانے یا لکھنے کا تھا البتہ جب کوئی مریض آجاتا تو کام چھوڑ کر پہلے اس کو چیک کرتے اور دوائی لکھ کر دیتے، اس کو انتظار نہیں کرواتے تھے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مجھ ناچیز پر خاصی شفقت تھی۔ انہی کے مشورہ سے اپنا مدرسہ بنایا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ہی خصوصی شفقت فرمائی اور مدرسہ کا نام ''مدرسہ علوم اسلامیہ'' تجویز فرمایا اور افتتاحی تقریب میں مہمان خصوصی کے طور پر شرکت فرمائی اور گاہے گاہے تشریف لاتے رہے اور اپنے قیمتی مشوروں اور آراء سے رہنمائی فرماتے رہے اور فرمایا کہ مدرسہ کا نام تو چھوٹا اور سادہ ہونا چاہیے مگر کام اس میں بڑا ہونا چاہیے۔

وفات سے کچھ عرصہ پہلے زیارت کے لیے حاضر ہوا تو پوچھا کہ مدرسہ میں کس درجہ تک تعلیم دی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ درجہ سادسہ تک۔ تو فرمایا کہ آپ دورہ حدیث بھی شروع کروادو۔ چنانچہ اب ہم نے مدرسہ کو دورہ حدیث تک کر دیا ہے۔ غالباً ۲۰۰۵ء میں مدرسہ کی مسجد کی تعمیر کے لیے مجھے بلا کر ۲ لاکھ روپے مرحمت فرمائے۔

احتیاط فی الافتاء

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فتویٰ دینے اور مسئلہ بتانے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ کوئی مسئلہ پوچھا ہے تو جواب نہیں دیتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ حضرت رحمہ اللہ نے سنا ہی نہیں مگر بعد میں خود ہی فرماتے کہ آپ نے یہ مسئلہ پوچھا تھا اس کا یہ جواب ہے۔ جواب دینے میں جلدی اور عجلت سے کام نہیں لیتے تھے، جواب اچھی طرح غور و خوض کے بعد دیتے تھے اور اسی کا یہ ثمرہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا فتویٰ ہو جس سے آپ کو رجوع کی ضرورت پیش آئی ہو۔

ذاتی تاثرات

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جیسی ہستی صدیوں میں پیدا ہوتی ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک ہی وقت میں فقیہ و مفتی بھی تھے، مبلغ بھی تھے، مدرس بھی تھے، واعظ بھی تھے، مجاہد بھی تھے، صوفی و بزرگ بھی تھے، بہترین قاری بھی تھے اور شفیق استاد بھی تھے۔

مشکل وقت میں انسانوں کی مدد کرنے والے تھے، کئی مرتبہ میرے ہاتھوں غریبوں اور متاثرین کی امداد کے لیے پیسے بھجوائے۔

رمضان المبارک میں اکثر ہسپتال سے رخصت لے لیتے اور گھر میں قرآن پاک کی تلاوت، تسبیحات اور نوافل اور دعاء میں وقت گذارتے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا فیض قیامت تک جاری وساری رکھے۔ آمین

.....☆☆☆.....

متفرق یادیں

مولانا عرفان صاحب

مرغزار کالونی، لاہور

استاذ محترم حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سچی بات یہ ہے کہ ان حضرات میں سے ہیں کہ جنکی وفات پر ہر کوئی تعزیت کا مستحق ہے۔ اللہ رب العزت کے حقیقی فیصلوں کی حکمت و مصلحت وہ خود ہی جانے۔ اپنی فہم نارسا اور عقل ہیچمداں تو ابھی تک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور اس عاجز کے استاذ محترم فخر جامعہ مدنیہ اور فخر اہل سنت حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ کی عین جوانی میں وفات کی حکمت و مصلحت تک نہ پہنچ پائی جنہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو لکھایا پڑھایا گویا ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا۔ کم وبیش چھتیس سال پرانی بات ہے جبکہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ غلط روش اختیار کرنیوالے لوگوں پر ان کی غلطیاں واضح کرنے میں ہچکچاہٹ سی محسوس کرتے تھے یہ ان کے استاذ محترم فخر اہل سنت ہی تھے جنہوں نے مختلف زاویوں سے مطالعہ کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی راہ پہ ڈالا اور بالآخر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک منجھے ہوئے لکھاری کی صورت میں جلوہ گر ہوئے پھر اللہ کے فضل وکرم سے کسی بھی رائے زن اور راہ زن کی کسی بھی میدان میں نہ چلنے دی۔ وہ ''فتنہ غامدیت'' ہو یا ''رضا خانیت''، ''غیروں کی جہالت'' ہو یا ''اپنوں کا بھولا پن''، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اللہ تعالی کے دیے ہوئے علم وفہم وبصیرت وتدین اور تقوی کی روشنی میں جس کسی کو بھی مذہب اہل سنت کیخلاف پایا اسے ذاتی طور پر سمجھایا اور جب اسے ضد وعناد کے دہانے پر کھڑا ہوا محسوس فرمایا تو قلم کو تلوار بنا کر اس کیخلاف علم جہاد بلند فرمایا حتی کہ حیات مستعار کے آخری چند برسوں میں جبکہ آپ خاصے بیمار رہنے لگے تھے اور آپ کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ نے جہاد علمی وقلمی کے ان ہتھیاروں کو آپ سے چھین لینے کی خاصی کوشش کی جو کہ ناکام رہی اس وقت بھی آپ کا قلم ''الصارم المسلول'' بن کر چمکتا رہا۔

کسی بھی شخص کے کلام یا تحریر پر گرفت کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا اس کو سمجھا جاتا ہے کسی کی بات غلط ہے یا صحیح؟ یہ ثابت کرنے کے لیے سب سے پہلے جذباتیت سے ہٹ کر اس کی بات کو سننا، اسکی تحریر کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرنا، غصہ سے ماورا ہو کر پورے طور پر اس کی بات پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ کسی کی غلط بات کو غلط ثابت کرنے کے بجائے انسان خود ہی تماشہ بن جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کسی کی تحریر پر قلم اٹھانے سے پہلے ایک بار نہیں بلکہ کئی بار بلکہ بار بار انتہائی دقت نظر سے مطالعہ فرماتے اس پر مقدمات تحریر فرماتے ہر شق کی غلطی کو واضح فرماتے

اور آخر میں پورے مضمون کو سمیٹ کر نتائج اکٹھے فرماتے۔

☆ غالباً ۲۰۰۶ء کی بات ہے حج کے موقع پر مکہ شریف میں حرم کے بالکل قریب قدیم اسلامی مدرسہ ''صولتیہ'' جانا ہوا، اس عاجز کے ہمراہ دو دوست بھی تھے، ''صولتیہ'' کے مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میرے ایک ساتھی نے اس عاجز کا تعارف ''صولتیہ'' کے مہتمم سے بایں الفاظ کرایا کہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے فاضل اور دفتر تعلیمات کے ناظم ہیں، اس پر مہتمم صاحب نے یک لخت ارشاد فرمایا:

''آپ کے جامعہ میں مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کی ہر مسئلہ پر ایک الگ ہی رائے نظر آتی ہے۔''

چند منٹ خاموشی کے بعد اس عاجز نے ان سے گذارش کی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''موجودہ اسلامی بینکاری'' پر اپنے کچھ تحفظات کا اظہار فرمایا ہے جو کہ انتہائی علمی اور نہایت سنجیدہ انداز میں سامنے آچکا ہے، آنجناب نے اس کا مطالعہ فرمایا ہے؟ مہتمم صاحب نے فرمایا ''نہیں''۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت'' پر جو مقالہ تحریر فرمایا وہ جناب نے ملاحظہ فرمایا ہے؟ مہتمم صاحب نے فرمایا: ''نہیں''۔ اس عاجز نے عرض کیا ''گاڑی کی لیزنگ'' سے متعلق حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریر آنجناب نے دیکھی ہے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ ''بزناس'' کے بارے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا مضمون جناب نے دیکھا ہے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ فقیر نے عرض کیا کہ کیا جناب نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ''فقہی مضامین'' کا مطالعہ فرمایا ہے؟ فرمایا ''نہیں''۔ آخر میں اس عاجز نے مہتمم صاحب سے پوچھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''بہشتی زیور'' کے حصہ مسائل کی تدوین فرمائی ہے اور اس میں دورِ حاضر سے متعلق بہت سے جدید مسائل کو شامل فرمایا ہے۔ ترتیب جدید کے ساتھ یہ ''بہشتی زیور'' آپ کی نظر نواز ہوئی ہے؟ مہتمم صاحب نے فرمایا ''نہیں''۔ فقیر نے عرض کیا کہ انتہائی ادب سے گذارش ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں جناب کی معلومات کا ذخیرہ چند سنی سنائی باتیں ہی ہیں، بہتر ہوگا کہ پہلے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات آپ ملاحظہ فرمالیں جن کا عاجز نے تذکرہ کیا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کافی دیر تک کچھ نہ بولے، بعد میں مہتمم صاحب نے چائے اور متعلقات چائے سے تواضع فرمائی اور ہم نے اجازت چاہی۔

پاکستان واپسی پر عاجز نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے سارا قصہ گوش گذار کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے ہلکے تبسم کے ساتھ سنا اور کوئی جواب نہ دیا۔

☆ یہ عاجز ہندوؤں، عیسائیوں اور مرزائیوں میں اپنے دعوتی مشن سے متعلق روئیداد اور ساری کارگذاری حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو سناتا اور آپ سے مفید مشورے لینے اور شرعی حل دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ ڈھیروں دعاؤں کا طلب گار ہوتا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی تمام تر تعلیمی، تدریسی، اصلاحی، تصنیفی، نجی اور ہسپتال میں بطور فزیشن مصروفیات کے باوصف بڑی خندہ پیشانی سے وقت عنایت فرماتے، پھر اصلاح فرما کر مفید مشورے بھی عنایت فرماتے۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کسی بھی معاملہ میں حق وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ عام حالات میں اگر کسی سے ٹھن جائے تو ذاتیات پر اتر آتے ہیں، مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے سخت سے سخت مخالف کے ساتھ بھی دامن انصاف کسی طور ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیتے۔ کوئی شخص اپنی بات کو حق و سچ ثابت کرنے کے لیے کتنا ہی زور لگا لیتا اور اپنے مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے کیسی ہی کوشش کر لیتا مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس کی تمام تر بات سن کر غور وخوض فرماتے اور از خود صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش فرماتے۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب سے کئی مرتبہ حضرت جی پیر ذوالفقار نقشبندی صاحب مدظلہ العالی کے ذکر وفکر کے طریقۂ کار خاص طور پر اجتماعی مراقبہ کو فیض رسانی کے ذریعہ کے طور پر عمل میں لانے پر بات چیت کا موقع ملا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو یہ اجتماعی مراقبہ خلافِ ماثور لگتا تھا۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ کئی وجوہات کی بناء پر فقیر کو سلسلہ نقشبندیہ سے خصوصی لگاؤ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس عاجز کو سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق تنہا مجمع سے الگ حاصل کرنے کو ارشاد فرمایا۔

☆ فقیر نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بتایا کہ مودودی صاحب مرحوم نے محترمہ جمیلہ صاحبہ کے قبول اسلام اور اس کے بعد کی رہنمائی میں خصوصی کردار ادا کیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ناچیز کی طویل گفتگو سننے کے بعد فرمایا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی تحریک اور ان کی تحریر سے بہت سوں کو دین اسلام کا تعارف ہوا اور بہت سے لوگ دین اسلام کی راہ پر گامزن ہوئے لیکن ان کے قلم نے جو گل کھلائے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، خصوصاً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کے معاملہ میں تو مودودی صاحب اور ان کی تحریرات سے متاثر ہونے والے سب ہی بالکل الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔''

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی تدریسی، تعلیمی، بال بچوں اور ہسپتال کی مصروفیات کے باوجود اچھا خاصا وقت تصنیف وتالیف کے لیے نکال لیتے تھے اور حقیقی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کے اوقات میں بہت برکت رکھ دی تھی، آپ رحمہ اللہ لکھنے لکھانے میں الاول فالاول کے اصول کو پیش نظر رکھتے تھے، جو فتنہ جتنا سنگین ہوتا اتنا ہی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس پر پہلے، سخت اور گہری گرفت فرماتے۔ چنانچہ ''فتنہ انکار حدیث'' اور ''غامدیت'' پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنجناب کو اس موضوع پر درجہ اختصاص حاصل تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جس موضوع پر بھی لکھا متخصصین کی مانند ہی لکھا۔ ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک سربمہر تحریر اس عاجز کو عنایت فرمائی کہ یہ ڈاکٹر قمر زمان صاحب کو دے آؤ۔ چنانچہ فقیر نے یہ مضمون خود ان کے کلینک پر جا کر ان کے حوالے کر دیا۔

تنقیدی تبصرہ وصول کرنے کے بعد ڈاکٹر قمر زمان نے استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

سے رابطہ کیا اور ملاقات کا وقت طے کیا۔ حضرت الاستاذ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فقیر کو فرمایا کہ فلاں دن گفتگو ہے ڈاکٹر قمر زمان کے ساتھ تم بھی آجانا۔ فقیر نے عرض کیا کہ میں کیا کروں گا؟ فرمایا بس تم وقت پر آجانا اور میرے ساتھ بیٹھنا۔ حضرت الاستاذ، محقق، مدقق، مصنف، مؤلف، اصولی سب کچھ تھے مگر لسان اور زبان کے تیز نہ تھے جس کی بحث ومناظرہ میں اشد ضرورت ہوتی ہے شاید ایمانی حیاء اور ہر ایک سے رواداری کو ملحوظ رکھنے کے سبب وہ چرب زبان نہ تھے، خیر کچھ بھی سبب ہو ڈاکٹر قمر زمان طے شدہ دن آگیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب کے حکم کی وجہ سے بندہ گھر پہنچ گیا اور اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لے آیا کہ وہ زنان خانہ میں حضرت الاستاذ کی اہلیہ محترمہ سے مل لیں گے اور فقیر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس بیٹھ جائے گا لیکن ڈاکٹر قمر زمان بہت ہوشیار آدمی نکلا کہ ایک تو وہ مقرر وقت سے کافی پہلے ہی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے گھر آدھمکا اور آتے ہی اس نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کہا کہ گفتگو آپ کی اور میری ہوگی، تیسرا آدمی نہ بیٹھے گا، اگر تیسرا آدمی بیٹھا تو گفتگو نہ ہوگی۔ حضرت الاستاذ نے اس کی یہ بات مان لی۔ چنانچہ فقیر سے فرمایا کہ تم گفتگو کی جگہ سے باہر بیٹھ جاؤ، چنانچہ امتثالاً للامر عاجز گفتگو والی جگہ سے باہر جہاں گفتگو کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی بیٹھ گیا، اور ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی چرب زبانی سے اپنی سمع خراشی کرتا رہا۔

☆ راقم الحروف چونکہ عرصہ سے ہندوؤں، عیسائیوں اور مرزائیوں میں دعوت وتبلیغ کے حوالے سے کام کر رہا ہے اس لیے بہت سے مسلمان ہو جانے والے نومسلمین جن میں کئی کے نام ''عبداللہ'' ہیں، اس عاجز کے فون میں ان کے نمبر محفوظ ہیں، فقیر اکثر اپنے فون میں ہلکے سے تعارف یا فرق کے ساتھ ان کے نام محفوظ کر لیتا ہے، سات آٹھ سال پرانی بات ہے کہ ایک فون آیا، فون کرنے والے نے اپنا واضح تعارف نہ کرایا بلکہ شرماتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ میں عبداللہ بول رہا ہوں، والد صاحب نے آپ سے بات کرنی ہے۔ عاجز سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کون سا نومسلم عبداللہ ہے جس کے والد سے بھی فقیر کا تعلق ہے کہ وہ فقیر سے بات کرنا چاہتے ہیں، دوسری جانب سے آواز آئی ''میں عبدالواحد عرض کر رہا ہوں''۔ اس عاجز نے اپنے حواس کو قابو میں رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور کامیاب بھی ہو گیا مگر شدت احترام میں فون لے کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری طرف لائن پر استاذ محترم حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ گفتگو فرما رہے تھے۔ ''ارے میاں! آپ نے ہمارے بڑے والے لونڈے کی عربی میں زبان چلوانی ہے، آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟ فقیر نے چھٹی حس کے ساتھ تمام حسوں کو جمع کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں فارغ ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ''آپ بالکل فارغ ہو، چلو میں اس کو بھیجتا ہوں آپ اس کے ساتھ ترتیب بنالو۔'' اگلے روز بھائی عبداللہ (حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب) فقیر کے گھر آگئے، فقیر نے بڑے غصے کا اظہار کیا کہ یار! کم از کم فون پر پہلے بندے کو اپنا تعارف تو کرانا چاہیے، فقیر سے دسیوں ''عبداللہ'' نام کے نومسلموں کا تعلق ہے، آپ نے صرف ''عبداللہ'' نام بتا کر اباجی کو فون پکڑا دیا جبکہ عاجز تو سمجھ بھی نہ سکا اور سنبھل بھی نہ سکا کہ کون ''عبداللہ''؟ چلو خیر! اب تو ہی بتا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو فقیر اپنی مصروفیات بتاتا اچھا لگتا؟ اس

لیے میں تمہیں وقت ضرور دوں گا لیکن ہوسکتا ہے زیادہ نہ دے پاؤں۔ چنانچہ ہم نے ایک جگہ طے کر لی اور وہاں عربی تکلم کی مشق شروع کر دی، کچھ ہی عرصہ میں عبداللہ صاحب کو عربی بولنے میں معتد بہ روانی حاصل ہوگئی۔

☆ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ محض اپنی ذات کی خاطر نہ تو انتقام لیتے تھے اور نہ ہی ناراض ہوتے تھے، آپ رحمہ اللہ کی تدریس کا غالباً پہلا ہی سال تھا یہ عاجز ابھی لڑکپن کی بہاروں سے لطف اندوز ہو رہا تھا شاید ۱۴۰۱ھ کا سال تھا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہمیں ''قدوری شریف'' پڑھا رہے تھے عاجز کی عمر ۱۲ یا ۱۳ سال تھی کہ دوران سبق ایک طالب علم نے سوال کیا وہ طالب علم محنتی تو نہ تھا البتہ درمیانے درجے سے کچھ اوپر ذہن کا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی کہ کوئی سوال کرتا تو جواب فوراً ارشاد نہ فرماتے بلکہ سوال کو بھی اچھی طرح سنتے اور پھر جواب بھی خوب سوچ سمجھ کر عنایت فرماتے، گویا ''پہلے تولو پھر بولو'' کا مصداق تھے، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے اپنے اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے اس کے سوال کا جواب باصواب دینے سے قبل غور وفکر فرمانے کے لیے گردن جھکالی وہ طالب علم اپنی ذہانت کے زعم میں مبتلا ہو کر ہلکا سا مسکرایا اور اس نے عاجز کی طرف دیکھا اور مکا بنا کر بازو اونچا کیا، گویا مجھ سے کہنا چاہتا تھا کہ دیکھا استاذ کو کیسے خاموش کرا دیا۔ خدا کی قدرت کہ جس لمحہ اس عاجز کی نظر اس کی نظر سے ٹکرائی اور وہ مکا اونچا کر کے اپنی علمیت، ذہانت وفطانت کا سکا سب کے قلوب پر بٹھا رہا تھا تو اچانک حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے جواب ارشاد فرمانے کی غرض سے جو نظر اٹھائی تو اس مکا کو بلند کرنے اور اپنی دھاک بٹھانے والے اشارے کو بنظر خود دیکھ لیا لیکن حیاء ایمانی کے مارے فوراً نظر جھکا کر جواب دینا شروع کر دیا۔ یہ عاجز اس طالب علم کی اس حرکت میں شریک نہیں تھا البتہ دوران سبق نظر اٹھانے کا مجرم ضرور تھا لیکن پھر بھی چونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اس عاجز اور اس طالب علم کی نظروں کے ٹکراؤ کو ملاحظہ فرما لیا تھا اس لیے فقیر کو بڑی ہی شرمندگی ہوئی، اس کے بعد آخیر سبق تک سبق تو بھلا کیا سمجھ میں آتا پریشانی کے عالم میں کچھ سجھائی نہ دیا کہ اب کیا کروں۔ جیسے تیسے سبق مکمل ہوا اب طلبہ جامعہ مدنیہ کریم پارک کی قدیم مسجد کے جنوب مغربی کونے سے اٹھ کر چلے گئے، یہ عاجز بیٹھا رہ گیا، ذہن میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ معذرت کے الفاظ کیسے ہوں اور کیا کہوں بہر حال عجیب وغریب خیالات میں غلطاں وپیچاں تپائی سے اٹھ کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے کتاب رکھنے کے ڈیسک کے پاس آیا، اور صرف یہ کہہ سکا کہ حضرت معاف فرما دیں۔ اس مکے کو دیکھنے کا مجرم ضرور ہوں مگر اشارہ کرنے یا اشارہ کا جواب دینے یا اشارہ کی تائید کا مرتکب نہیں ہوں۔ حضرت الاستاذ صاحب پر اللہ تعالیٰ بیش از بیش رحمتیں فرمائے کہ آپ رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص انداز میں معاف کرتے ہوئے فرمایا: **''ارے میاں! چھوڑو بھی اس بات کو۔''**

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد اور جامعہ مدنیہ کے مایہ ناز استاذ الحدیث مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب نے ایک مرتبہ عاجز کو بتایا کہ فلاں طالب علم نے (جس نے آپ (عاجز) سے فارسی بھی پڑھی اور اس کے بعد بھی کئی کتابیں پڑھیں)، کئی مرتبہ محمد بن اسحاق راوی سے متعلق لن ترانیاں ہانکتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے گفتگو

کے دوران انتہائی نازیبا بلکہ گستاخانہ انداز اختیار کیا، یہ سن کر عاجز تلملا گیا، صرف اور صرف اس طالبعلم کے نفع کی خاطر بلایا (کہ استاذ سے اختلاف تو درست ہے مگر اختلاف کی اداؤں پہ نظر رکھنا بہت ضروری ہے) اسے بلا کر کافی دیر پیار محبت سے سمجھاتا رہا، آخر میں کہا کہ اس عاجز نے تو ایسا کوئی سبق تمہیں نہ پڑھایا تھا، یہ سبق تم نے کہاں سے پڑھا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، الٹا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے اپنے اختلاف کے انداز پر بے کار سی دلیلیں دینے لگا جس سے اس عاجز کو اس کی ہٹ دھرمی پر ختم اللہ علیٰ قلوبھم کا شبہ گذرا اور فقیر نے اسے اپنے دفتر تعلیمات سے نکل جانے کا کہا، وہ نہ اٹھا حتی کہ عاجز یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ تم نہیں نکلتے تو میں نکل جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور فقیر نے اپنے دفتر کے دروازہ کو کنڈی لگالی، مگر اس کی گستاخی پر بہت دکھ ہوا۔ اس طالب علم کے بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ اساتذہ سے گستاخی سے پیش آنے والے طلبہ علمی برکت سے محروم تو ہو ہی جاتے ہیں دنیوی زندگی میں بھی کوئی کارنامہ انجام دینے سے یکسر دور کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین

☆ فقیر ایک مرتبہ وقت لے کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! جس طرح ہم لوگ دینی مدارس کے نصاب میں عربی ادب کی کتب پڑھتے ہیں مثل ''مقامات''، ''سبعہ معلقہ''، ''دیوان متنبّی'' اور دیگر کتب ادب وغیرہ۔ کیا اسی طرح اردو ادب میں کسی مصنف کی کتب ملتی ہیں کہ جن میں الفاظ کا ذخیرہ، خوبصورت تراکیب اور استعاروں کی بھرمار ہو؟ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی معلومات کے مطابق بہت سی کتب کے نام بتائے، بعد میں عاجز نے چوہدری افضل حق مرحوم کا نام لیا کہ چوہدری صاحب اپنے قاری کو ان تمام چیزوں سے محروم نہیں کرتے۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے بھی چوہدری افضل حق مرحوم کے انداز تحریر کی بڑی داد دی۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ایک کتاب عاجز کو ہدیۃً عنایت فرمائی جس میں بریلوی حضرات کے عقائد ونظریات پر تنقید کی گئی تھی، جس پر مصنف ''پروفیسر ابوعبید دہلوی'' لکھا تھا۔ فقیر مطالعہ کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! یہ پروفیسر ابوعبید دہلوی کون صاحب ہیں؟ تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ہنسی کی شدت کو قدرے ضبط کرتے ہوئے فرمایا: چھوٹے بیٹے کا نام ''عبید'' ہے تو ہم ''ابوعبید'' ہوئے۔

☆ ۱۹۹۲ء کی بات ہے جب فقیر پہلی مرتبہ کوئٹہ کے دعوتی سفر پر تھا تو اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہاں کتابوں کے بازار گیا اور بیرونی کتب اور بہت سی ایرانی مطبوعات مثلاً تفسیر قرطبی، تفسیر امام رازی اور ''الخوالوافی'' اور دیگر کئی کتب خرید کر ایک بڑے ڈبے میں پیک کر لیں اور شوق شوق میں ایک من کے قریب وزنی وہ ڈبہ فقیر اپنے ہی سر پر اٹھا کے لایا اور اسٹیشن سے گاڑی میں خود ہی رکھا کہ کہیں یہ قلی لوگ دینی کتب کی بے احترامی نہ کریں، لاہور پہنچنے پر فقیر نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو قیمت کا بتایا (کتابوں کی قیمتوں میں بالکل ایسے ہی فرق تھا جیسے کہ لاہور اور کوئٹہ میں مسافت کا فرق ہے) اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کا اظہار فرمایا، فقیر کو

ایسے لگا کہ جیسے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ''تفسیر قرطبی'' لینے کے خواہش مند ہوں، اس عاجز نے اس کے بعد کی ملاقات میں بتایا کہ فقیر کوئٹہ سے دو سیٹ ''قرطبی'' کے اور دو ''تفسیر رازی'' کے لایا تھا، جن میں سے ایک ایک سیٹ زبردستی اور زوراز وری آنجناب کا ایک شاگرد مولوی محمد سلیم (باکسر) قیمتاً لے گیا ہے اور ایک ایک اس عاجز کے پاس باقی بچا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ''تفسیر قرطبی'' کا ایک سیٹ مجھے دے دو، مگر قیمت ضرور لینی پڑے گی اور دوں گا بھی قسطوں میں۔ فقیر نے عرض کیا کہ حضرت! یہ جناب کی خدمت میں ہدیہ ہے قبول فرمالیں۔ فرمایا ابھی تو میں نے خود مانگی ہے، پھر کبھی کوئی اور چیز لے لیں گے۔

☆ جامعہ مفتوحہ اعوان ٹاؤن کی محترمہ ساجدہ نے مولانا سید مسعود میاں مدظلہ (عاجز کے ہم سبق) سے کسی کورس کی ترتیب دینے کا کہا، تو انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ حضرت اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔ اس دوران استاذ شاگرد (سید مسعود میاں اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ) کی بات چیت جاری تھی کہ اس عاجز کا بھی قریب سے گذر ہوا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں فقیر سے فرمایا: ارے میاں! تم بھی کورس کے بارہ میں کہو۔ فقیر نے اپنی بے بضاعتی، علم وعمل سے تہی دستی ودامنی کے باوجود امتثالاً للامر عرض کیا کہ اب تک بچوں، بچیوں، مردوں، عورتوں میں کام کرنے کے بعد تجربہ یہی ہوا کہ طلبہ وطالبات کے ذہن بنانے اور ان کی ذہنی علمی نشوونما میں اچھے سے اچھے کورس کا کردار تیس سے پینتیس فیصد ہی کارفرما نظر آیا، اکبرالہ آبادی کے بقول کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں، آدمی، آدمی بناتے ہیں۔ مگر ہو یہی رہا ہے کہ اچھے کورس کی جانب دوڑ لگی ہے، اچھے استاذ اور معلم کی تلاش کی توفیق کسی کو نہیں ہو رہی، سو فیصد اچھے کورس اور نصاب کو کسی ناپختہ علم اور ناتجربہ کار معلم کے حوالہ کر کے دیکھ لیا جائے نتائج خود ہی سامنے آجائیں گے، جبکہ مخلص، شفیق علم وعمل کے رسیدہ استاذ کے حوالہ کوئی عام سے نصاب کا کوئی سا سبق دے کر دیکھ لیجیے طلبہ کے اٹھنے بیٹھنے سے ہی استاذ کی تعلیم وتدریس کا پتہ چل جائے گا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے خاموشی کے ذریعہ فقیر کی جرأت بے جا کی تائید فرمائی مگر نصاب تو بہرصورت چاہیے ہی تھا جو بعد میں تیار کرلیا گیا۔

☆ ڈاکٹر سید رضوان ندوی مرحوم (کراچی) کئی کتب کے مصنف تھے، ان کی کئی کتب عربی میں ہیں غالباً دمشق یونیورسٹی میں تاریخ کے استاذ بھی رہے ہیں اور اپنے قیام مصر میں ''الاخوان'' کے ساتھ بھی انکا گہرا تعلق رہا ہے۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم کی عربی پر تنقید کی، بلکہ ایسی تنقید کی کہ اسے کھچائی کہنا مناسب ہے، غالباً اس وقت کی بات ہے جب عمران خان کی پہلی شادی ہوئی تھی، ڈاکٹر اسرار مرحوم نے انہی دنوں اپنے خطبہ جمعہ میں خان صاحب کی سابقہ بیوی کے نام کے معنیٰ پر لغت کے اعتبار سے کچھ تنقید کی تو ڈاکٹر سید رضوان ندوی مرحوم نے آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا کہ کم از کم ڈاکٹر اسرار نے یہ معنیٰ بیان کرنے سے قبل فیروز آبادی کی ''القاموس المحیط'' ہی دیکھ لی ہوتی.....ہم نے تو عربوں کی عربی درست کرائی ہے، فقیر نے حضرت الاستاذ مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے ندوی صاحب

مرحوم کے آخری جملہ کے بارہ میں عرض کیا کہ کیا اس سے ایک طرح کی تعلّی کی بو نہیں آتی؟ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نہیں، بعض اوقات ایسی باتیں نوک قلم پر اس لیے بھی آجاتی ہیں کہ جب کوئی آدمی ایک ہی موضوع پر کام کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے اور اس موضوع کے تمام زاویوں کو علی وجہ البصیرت سمجھنے لگتا ہے تب اس موضوع پر سرسری سا مطالعہ رکھنے والوں کے بارہ میں زبانِ قلم سے ایسی تحریر نکل جانا بعید نہیں ہوتا۔''

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں طلب علم کا جذبہ خود کہنہ مشق مدرس اور استاذ الحدیث ہونے کے باوجود بالکل اسی طرح تھا جیسا کہ ابتدائی درجوں کے طلبہ میں دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ محقق العصر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ جب پیر طریقت سید انور حسین نفیس رقم شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مہمان تھے تو جامعہ مدنیہ قدیم کے استاذ مولانا خالد محمود صاحب (حال مقیم و مدرس جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ)، استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ قدیم مولانا نعیم الدین صاحب اور حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت نعمانی صاحب رحمہ اللہ سے ان کی تصانیف پڑھنے کا پروگرام بنایا اور اپنی سعادت سمجھتے ہوئے بڑے شوق، ذوق سے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، مولانا خالد محمود صاحب نے فقیر کو بھی شریک درس ہونے کی دعوت دی اور یہ عاجز بیٹھ بھی گیا، مگر معاً حضرت شاہ صاحب الحسینی رحمہ اللہ کے پاس تشریف فرما مناظر اسلام، محافظ ختم نبوت حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم و مداللہ ظلہ للاسلام والمسلمین نے اس عاجز کو حضرت سید انور حسین نفیس رقم شاہ صاحب الحسینی رحمہ اللہ کے توسط سے طلب فرمایا، فقیر فوراً حاضر ہوا، حضرت علامہ صاحب نے فقیر کو ارشاد فرمایا کہ جامعہ مدنیہ کی لائبریری سے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ''الرسالہ'' مل سکتی ہے؟ فقیر چونکہ ان دنوں رائے صدیق صاحب مرحوم (لائبریرین ایم اے او کالج لاہور) کے ہمراہ جامعہ کی لائبریری کو نظام لائبریری کے کیٹلاگ سسٹم کے تحت منظّم کرنے میں معاون تھا اور انہیں ہر عربی اور فارسی کتاب، ہر موضوع، مصنف اور سرورق کی نشاندہی کرتا تھا اس لیے تقریباً تمام کتب نظر سے گذر چکی تھیں اور کچھ کچھ یہ بھی ذہن میں تھا کہ کون کون سی کتاب کہاں رکھی ہے، اس لیے حضرت علامہ صاحب کے سوال پر فوراً ہاں جی کہہ کر لائبریری گیا اور مطلوبہ کتاب لے آیا۔ حضرت علامہ صاحب مدظلہ نے اندازہ سے کتاب کھولی تو ان کا مطلوبہ ورق ہی نکلا، علامہ صاحب کو جو عبارت مطلوب تھی اس کو پڑھا اور پھر صفحہ میں انگلی رکھ کر کتاب کو بند کیا، کئی مرتبہ اس عبارت کو زبانی دہرا کر دوبارہ کتاب کھول کر اپنی حفظ کی ہوئی عبارت کی تصدیق کی اور پھر کتاب بند کر کے عاجز کو دیدی، فقیر کتاب کو لائبریری میں رکھنے کی غرض سے چلا گیا اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ، مولانا نعیم الدین صاحب، مولانا خالد محمود صاحب کے ساتھ مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کے سبق میں جو کہ انہی کی کتاب کا سبق تھا شریک نہ ہو سکا جبکہ یہ مصنف کتاب کا اپنا سبق حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے گھر واقع بالمقابل جامعہ مدنیہ قدیم میں جاری تھا۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اس عاجز کی تحریک پر لڑکیوں کے مدارس کی شرعی حیثیت پر ایک

تفصیلی مضمون سپردِ قرطاس کیا، جس میں مدارس کو دو قسموں پر تقسیم کیا یعنی کل وقتی، جزء وقتی اور رہائشی، غیر رہائشی، اور پھر ہر ایک کی خرابیوں اور پیش آنے والے حادثات و واقعات پر تفصیلی بحث کی، اس مضمون کے لیے کئی ایک واقعات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ (جامعہ مدنیہ قدیم) نے بتائے اور کچھ اس عاجز نے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ذکر کیے، اس مضمون کے چھپ جانے کے بعد مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ کو دکھایا جبکہ حضرت کے ہمراہ مولانا لطیف الرحمٰن صاحب مدظلہ (مدرسہ بیگم پورہ والے) بھی تشریف فرما تھے۔ فقیر نے واپس آ کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بتایا کہ اس عاجز نے طالبات کے مدارس کے خلاف جناب کا مضمون دو بزرگوں کو پیش کر دیا ہے، جو طلبہ کے ساتھ ساتھ طالبات کے مدارس کے بھی مہتمم ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ان سے یہ بھی گذارش کر دیتے کہ تائید یا تردید ضرور فرمائیں، بہر حال اس مضمون کے بارہ میں دونوں بزرگوں کی جانب سے کوئی تردید دیکھنے میں نہیں آئی۔

اس کے بعد جبکہ یہ عاجز طالبات کے لیے بادامی باغ کے علاقے میں ایک ادارہ کی بنیاد رکھ چکا تھا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ارے میاں! تم طالبات کے لیے مدرسہ تو بنا ہی چکے ہو تو چلو اب ہماری والی کتاب ''اسلامی عقائد'' بھی طالبات کو پڑھا دو۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ حضرت جناب کی مرتب کردہ ان نصابی کتب کی کچھ تسہیل ہو جائے تو بہتر ہے، تاکہ ان کا نفع اور عام ہو جائے۔ فرمایا ٹھیک ہے تم تسہیل بھی کر دو۔ ایک مرتبہ یہی کتاب ''اسلامی عقائد'' دوبارہ یا سہ بارہ شائع کرانے سے قبل تصحیح کے لیے اس عاجز کو عنایت فرمائی۔ فقیر نے دوران تصحیح کچھ الفاظ مثلاً: ''انھی، انھیں، تمھیں، تمھارا، تمھاری'' لکھ کر دکھائے تو فرمایا کہ یہ دوسری طرح مثلاً ''انہی، انہیں.....'' لکھا جانا زیادہ رواج پا گیا ہے، عاجز نے عرض کیا کہ فقیر نے اس قسم کے الفاظ لکھ کر باقاعدہ سلطان الخطاطین حضرت سید انور حسین نفیس رقم شاہ صاحب رحمہ اللہ کو دکھائے تھے اور ان سے اصلاح چاہی تھی تو حضرت رحمہ اللہ نے اسی طرح لکھ کر تصحیح فرمائی تھی، جس طرح فقیر نے پیش کیے ہیں، تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

☆ عاجز حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی وفات والے دن ایک کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں اردو بازار میں تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہی ہے مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فردِ واحد کے بجائے ایک پوری جماعت، ایک پوری انجمن کی حیثیت رکھتے تھے، آپ رحمہ اللہ کی وفات پر ہر شخص تعزیت کا مستحق ہے خصوصاً ان کے وہ شاگرد جنہوں نے ایک معتد بہ وقت ان کے ساتھ گذارا ہے اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا خصوصی اعتماد حاصل کیا، ان میں مولانا مفتی مختار صاحب، مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب، مولانا شاہد ریاض صاحب خاص کر بھائی عبداللہ صاحب جو آپ کے حقیقی معنیٰ میں علمی وارث ہیں، شامل ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو قبول فرما کر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

حضرت الاستاذ صاحب کی چند خصوصیات

مولانا محمد عارف چنیوٹی صاحب
سابق ناظم جامعہ مدنیہ قدیم کریم پارک

حضرت الاستاذ المکرّم کا احقاق حق اور فتنوں کا تعاقب

دین وشریعت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ طریقہ زندگی ہے، دین اسلام کامل ومکمل مذہب ہے، اس میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں، دین اسلام محفوظ ہے محفوظ رہے گا، اس کی حفاظت کا ذمہ رب ذوالجلال نے خود اٹھایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ''(ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔ گذشتہ ادیان وآسمانی کتب میں دین دشمن لوگوں نے تحریف کی۔ اس طرح کی کوششیں دین اسلام کے خلاف بھی کی گئیں اور کی جارہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، اس لیے ہر دور میں ایسے رجال کار امت میں پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے جنہوں نے اس دین کی حفاظت تحریر وتقریر سے بھرپور انداز میں کی اور دین اسلام کے خلاف ہونے والے ہر فکری حملے کا مؤثر اور منہ توڑ جواب دیا۔ الحمدللہ اب تک دین اسلام کامل اور مکمل انداز میں پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے اور موجود رہے گا۔ ان رجال کار کا تذکرہ خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن ابراهيم بن عبدالرحمن رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يحمل هذا العلم من

کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین.
(مشکوٰۃ)

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس کے نیک لوگ اس علم کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس کے ذریعہ حد سے گذرنے والوں کی تحریف کو باطلوں کی افتراء پردازی اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔

دوسری حدیث میں ہے:

سیکون آخر ھذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر یامرون بالمعروف ینھون عن المنکر و یقاتلون اھل الفتن. (مشکوٰۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت کے آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کو پہلے زمانہ کے لوگوں جیسا اجر ملے گا (وہ تین کام کریں گے) نیکی کا حکم کریں گے، برائی سے منع کریں گے اور فتنہ پرداز (اہل بدعت وغیرہ) سے قتال کریں گے۔ (بالسیف، بالقلم اور باللسان)۔

حضرت الاستاذ المکرّم کو جہاں بھی معلوم ہوتا کہ فلاں صاحب نے فلاں مسئلہ میں حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے یا قرآن وسنت کی نصوص میں تحریف کی ہے تو اس کی گرفت فرماتے اور سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ٹھوس دلائل کی روشنی میں اس کا ردّ فرماتے اور احقاق حق کا حق ادا کر دیتے۔ کسی کی شخصیت کا رعب اور علمی دبدبہ حضرت الاستاذ المکرّم کے لیے اظہار حق سے رکاوٹ نہ بنتا۔

عوام الناس کے لیے اصلاحی وعلمی خدمات

مدارس دینیہ میں علم دین حاصل کرنے والوں کی تعداد اقل قلیل ہے، اگر کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ کے خاندان میں عالم دین کتنے ہیں؟ تو جواب میں ایک آدھ عالم نظر آئے گا اور بعض خاندانوں میں تو کئی پشتوں تک عالم دین کا وجود نہیں۔ اس لیے مدارس میں دین کی تعلیم کو تبلیغ خواص کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عوام الناس میں پورے دین کی تعلیم کا خاطر خواہ کوئی انتظام موجود نہیں۔ عام طور پر عوام الناس تک دینی تعلیمات پہنچانے کے ذرائع چار ہیں:

۱۔ درس قرآن کریم ودروس حدیث۔
۲۔ خاص موضوعات پر اجتماعات وتقاریر۔
۳۔ جمعۃ المبارک کے خطبہ سے پہلے وعظ ونصیحت۔
۴۔ تبلیغی محنت۔

باقی دینی کتب ورسائل یا دیگر ذرائع تو ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ ان

چار ذرائع سے بیان ہونے والی تعلیمات بھی ضرورت کا علم دین سکھانے میں ناکافی ہیں اور ان چار ذرائع سے استفادہ کرنے والے عوام بھی تقریباً دو سے تین فیصد ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر حضرت الاستاذ المکرّم نے دینی تعلیمات پر مشتمل دو حصوں میں ایک عوامی دینی نصاب مرتب فرمایا۔ پہلے مرحلہ میں تین کتابیں ہیں: ''اسلامی عقائد''، ''اصول دین''، ''مسائل بہشتی زیور''۔ روزانہ ایک گھنٹہ تعلیم ہو تو چھ ماہ میں یہ نصاب مکمل ہو جاتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں تفسیر ''فہم قرآن'' و ''فہم حدیث'' پر مشتمل نصاب ہے۔ یہ نصاب روزانہ ایک گھنٹہ کی تعلیم کی صورت میں ایک سال میں مکمل ہو جاتا ہے۔ پڑھانے والے حضرات ذمہ داری سے یہ نصاب پڑھائیں تو ضروری علم دین جس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، ہر پڑھنے والے کو حاصل ہو جائے گا۔ الحمد للہ احقر نے بھی حضرت الاستاذ المکرّم کی سرپرستی و رہنمائی میں اس نصاب کا پہلا مرحلہ مکمل کیا اور تقریباً تیس ساتھیوں نے یہ نصاب پڑھا۔ جنہیں ادارہ تعلیمات دینیہ کی طرف سے حضرت الاستاذ المکرّم کے دست شفقت سے سندات سے نوازا گیا۔ الحمد للہ یہ نصاب عوام الناس میں مقبول ہوا اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔ یہ نصاب حضرت رحمہ اللہ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہے۔

حضرت الاستاذ المکرّم کا مسئلہ بتانے کا انداز

شرعی مسئلہ بتانا بڑی ذمہ داری ہے، مستفتی کی بات کو سمجھ کر اس کے حال کے مناسب شرعی جواب دینا مفتی کا بنیادی کام ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مسئلہ پوچھنے والا جیسے ہی خاموش ہو بلکہ بعض دفعہ مسئلہ بتانے والے، سائل کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی جواب دینا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت الاستاذ المکرّم سائل کی پوری بات بڑے اطمینان سے سنتے، بات ختم ہونے کے بعد خوب غور و فکر فرماتے، اگر مستفتی نے مزید کوئی بات کہنی ہوتی تو وہ بول پڑتا، آپ مزید اس کی بات سنتے یعنی مستفتی کو پورا پورا موقع دیتے کہ اس نے جو کچھ کہنا ہے کہہ لے، اس کے دل میں جو بات ہے وہ مکمل کر لے۔ حضرت الاستاذ المکرّم کو جب یقین ہو جاتا کہ یہ اب مزید کوئی بات نہ کرے گا جو کچھ اس کے دل میں تھا سب بتا چکا ہے تو کچھ دیر توقف کے بعد حضرت الاستاذ المکرّم اس کا جواب مرحمت فرماتے۔ ہم نے کئی دفعہ بطور تجربہ یہ مسئلہ پوچھا کہ درمیانی تشہد میں درود شریف پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اس کے جواب میں بھی کچھ دیر توقف فرماتے، پھر جواب دیتے۔ ایک مرتبہ ہم لوگ سبق سے فارغ ہوئے تو باہر ایک مرد و عورت بیٹھے تھے، دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ احقر نے از راہ خیر خواہی ان کے پاس آ کر آنے کی وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ طلاق کا مسئلہ پوچھنا ہے۔ میں واپس درس گاہ گیا حضرت الاستاذ المکرّم سے اجازت طلب کی اور ان صاحب سے ساری بات پوچھ کر ساتھ اندر لے گیا، بات سننے کے بعد پوچھا کوئی اور بات ہے، جب اس نے ساری بات بتا دی تو جواب دیا ''طلاق ہوگئی''۔ وہ شخص پریشان ہوا، باہر آ کر عورت سے بات کی، پھر مجھے کہنے لگے: بات اس طرح نہ تھی بلکہ ایسے تھی۔ میں اس کو دوبارہ لے کر حاضر خدمت ہوا، حضرت

الاستاذ المکرّم نے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یہ یوں کہہ رہا ہے۔ حضرت الاستاذ المکرّم نے سخت لہجے میں جھڑکا اور واپس بھیج دیا اور فرمایا: اب بیان بدلنے کی اجازت نہیں، جو حکم تھا بتا دیا۔ [یہ بات فتوے کے وقار کے لیے ضروری ہے اس لیے حضرت رحمہ اللہ نے ادارے میں بھی اصول اسی طرح رکھا تھا کہ فتویٰ جاری ہو جانے کے بعد وضاحتی اضافہ قبول نہ ہوگا۔ شعیب احمد]

حضرت الاستاذ المکرّم کے پڑھانے کا انداز

حضرت الاستاذ المکرّم سے ہم نے ''شرح جامی'' اور ''ترمذی شریف'' جلد اول پڑھی ہیں۔ تعلیم و تعلم کے، مدارس میں عموماً دو طریقے ہیں:

۱۔ استاذ محترم عبارت کا ترجمہ کر کے مضمون کے متعلق تقریر کر دیں اور طلبہ سن کر سبق سمجھ لیں اور یاد کر لیں۔

۲۔ طلبہ خود مطالعہ کر کے اپنا سبق حل کرنے کی کوشش کر کے استاذ محترم کی خدمت میں جائیں، خود عبارت پڑھیں، ترجمہ کریں، مسئلہ کی وضاحت کریں اور استاذ محترم سن کر غلطی کی نشاندہی کر دیں اور ضرورت کی جو بات رہ جائے وہ سمجھا دیں۔

دوسرا طریقہ علمی اعتبار سے زیادہ مفید ہے۔ اس لیے حضرت الاستاذ المکرّم کے یہاں یہی طریقہ رائج تھا، ہم طلبہ خود عبارت پڑھتے، حل کرتے، جہاں ضرورت ہوتی وہاں حضرت الاستاذ المکرّم مطلب ارشاد فرماتے، الحمد للہ سبق سمجھ بھی آجاتا اور یاد بھی رہتا۔

''ترمذی شریف'' پڑھنے کے لیے جب حاضر خدمت ہوئے تو ''تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی'' کا مقدمہ تفصیل سے پڑھایا اور مقدمۃ العلم و مقدمۃ الکتاب خوب حل کروا دیا۔ جب کتاب شروع ہوئی تو فرمایا کہ یہ بات سمجھ لو کہ صرف عربی عبارت ہوگی، ترجمہ نہ ہوگا کیونکہ ''مشکوٰۃ شریف'' میں احادیث کا ترجمہ، مشکل الفاظ کی تشریح اور دیگر مباحث آپ لوگ پڑھ آئے ہو۔

مذاہب فقہیہ، ان کے دلائل، وجوہ ترجیح بھی بیان نہ ہوں گی کیونکہ یہ عام باتیں ہدایہ میں پڑھ آئے ہو۔ باقی رہی کتاب کی خصوصی باتیں تو وہ بیان ہوں گی۔ چنانچہ حضرت الاستاذ المکرّم مختصر الفاظ میں کتاب کی فنی باتیں بڑی جامع و مانع تشریح کے ساتھ ارشاد فرما دیتے۔ فرمایا کرتے یہ جو مدارس میں لمبی لمبی تقریروں کا سلسلہ چل پڑا ہے ہمارے اکابر کی یہ ترتیب نہیں تھی، پہلے مدرسین اتنی لمبی تقریریں نہیں کرتے تھے کیونکہ ان تقریروں کی وجہ سے طلباء اصل کتاب سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت الاستاذ المکرّم نے اپنی ترتیب کے مطابق ''ترمذی شریف'' ہمیں پڑھائی اور سالانہ امتحان سے تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ پہلے ہی کتاب مکمل ہوگئی اور الحمد للہ ہمیں اپنی استعداد کے مطابق سمجھ بھی آ گئی۔

حضرت الاستاذ المکرّم کا اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے منفرد اور عجیب انداز

اپنی اولاد کی بہتر سے بہتر تعلیم و تربیت کے لیے ہر شخص بھرپور کوشش کرتا ہے اور اچھے سے اچھا استاذ، اچھے سے اچھا

مدرسہ اور ادارہ منتخب کرتا ہے، بھاری بھرکم اخراجات برداشت کرتا ہے لیکن پھر بھی بعض اوقات مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر پاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جو کچھ اولاد کو بنانا چاہتا ہے اس کا نقشہ اس کے ذہن میں موجود ہوتا ہے لیکن وہ نقشہ دوسرے استاذ یا ادارہ کو منتقل نہیں کر سکتا، اس کا درست اور فطری طریقہ یہی ہے کہ وہ خود اپنے بچوں کو وقت دے، اپنی اولاد کی خود تربیت کرے، ان کو خود تعلیم دے، روزانہ جتنا زیادہ وقت دے گا اتنے ہی بہتر نتائج حاصل کرے گا۔ حضرت الاستاذ المکرّم نے یہ عمل نہایت استقامت اور خوبی کے ساتھ نبھایا اور اپنے بچوں، بچیوں کو خود پڑھایا اور جب کسی اور ادارے میں پڑھنے لگے تو ان کی تعلیم کی خوب نگرانی فرمائی۔ ہم نے بارہا مشاہدہ کیا کہ حضرت الاستاذ المکرّم اپنے موٹر سائیکل پر اپنے بچوں کو بٹھائے آ رہے ہیں اور سبق کے بعد واپس لے جا رہے ہیں۔ حضرت الاستاذ المکرّم کے بچے جب صفہ اکیڈمی داخل ہوئے تو وہ خود ان کو چھوڑنے بھی آتے اور لے بھی جاتے۔ جامعہ مدنیہ میں جب اسباق پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تو اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بٹھا کر سبق یاد کراتے اور سنتے۔ ہسپتال میں آپ کی بطور میڈیکل آفیسر ڈیوٹی ہوتی تو پھر بھی بچوں کو ساتھ لاتے اور وہاں بھی یہ تعلیمی سلسلہ جاری رہتا۔ الحمد للہ حضرت الاستاذ المکرّم کی اولاد اس لحاظ سے بہت ہی خوش نصیب رہی اور خوب خوب اپنے والد گرامی سے استفادہ کا موقع پایا۔ ہمارے احباب میں ایک مفتی صاحب نے اپنی اولاد کی تعلیم کے بارے میں مشورہ کیا تو میں نے انہیں حضرت الاستاذ المکرّم کے احوال سنائے اور ترغیب دی کہ وہ اپنے بچوں کو خود تعلیم دیں، کچھ عرصہ کے بعد ملاقات میں فرمانے لگے کہ میں نے بھرپور کوشش کی کہ اپنے بچوں کو وقت دوں اور خود پڑھاؤں لیکن کامیابی نہیں مل سکی، یہ آپ کے الاستاذ المکرّم کی کرامت تھی۔

.....☆☆☆.....

چند ارشادات

مولانا عبید اللہ صاحب
فرزند مولانا عبدالرشید کشمیری صاحب

بندہ کا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تلمذ کا تعلق ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بندہ کا، والد صاحب حضرت مولانا عبدالرشید کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے اکرام فرماتے تھے کیونکہ والد صاحب، حضرت رحمہ اللہ کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن سے حضرت رحمہ اللہ نے درس نظامی کی تعلیم میں کافی استفادہ کیا۔ یہ حضرت رحمہ اللہ کی جانب سے اپنے اساتذہ کی قدر دانی کی مثال ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے صاحب فراش ہونے کے دوران عیادت کے لیے حاضری ہوئی تو چند یادداشتیں جمع ہوگئیں جو پیش خدمت ہیں۔

فرمایا: جامعہ مدنیہ میں ڈاکٹر اسرار صاحب کے مشورہ سے داخل ہوا۔ کیونکہ ان کا اس زمانے میں مولانا حامد میاں صاحب کے پاس آنا جانا تھا۔ پہلا سال تو جیسے کیسے گذرا دوسرے سال کتابیں سمجھ آنے لگیں گویا ہم پیدا ہی دوسرے سال ہوئے۔ ہماری استعداد عربی کی ٹھیک تھی یا یوں کہو: استعداد تھی یا نہیں اساتذہ نے ہمیں آگے نکال دیا۔

فرمایا: والدہ ماجدہ سے زیادہ بے تکلفی تھی، ان سے جو بات کرنی ہوتی تھی زبانی کرتا یا کبھی لکھ کر دیتا، وہ والد صاحب کو لکھ کر یا زبانی کہہ دیتی تھیں۔

فرمایا: مجھے والد صاحب سے جو پیسے ملتے تھے کسی کام کے لیے میں ان میں بددیانتی نہیں کرتا تھا۔ شکر ہے اللہ نے نعمتیں عطا کیں، بس اللہ ایمان اور عمل صالح عطا کرے۔ والدین کو اللہ بہت اجر عطا فرمائے۔ (والدین کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کچھ روتے رہے اور پھر فرمایا) **رب ارحمهما كما ربياني صغيراً**

فرمایا: اساتذہ اچھے سے اچھے اللہ نے دیے، انہوں نے حق ادا کیا، ہمارا کیا حق بنتا ہے انہوں نے اپنا حق عطا کیا۔

فرمایا: مولانا عبدالرشید کشمیری صاحب کے پاس ''کافیہ'' تھی، انہوں نے کہا: ''جامی'' بھی پڑھ لو تو ''جامی'' بھی ایک سال پڑھی۔ مولانا کشمیری صاحب کے پاس رات کو ان کے گھر پڑھنے جاتا تھا، ''ہدایہ'' رات کو پڑھی۔ بسا اوقات تھکے ہوتے تو عبارت ترجمہ میں خود پڑھ لیتا۔ ''حسامی'' بھی کچھ پڑھی اور مولانا انور شاہ صاحب سے بھی پڑھی۔ مولانا کشمیری صاحب علم میں کامل تھے، پڑھانے کا بھی ملکہ تھا۔ اللہ کا شکر ہے ہم فرمانبردار رہے، اساتذہ چاہے چھوٹے درجوں کے تھے وہ خوش رہے۔

فرمایا: دنیا کے نقشے میں ایک کارساز ہے اللہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔

فرمایا: میڈیکل کالج میں ۱۸ سال کی عمر میں داخل ہوا۔

فرمایا: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اچھے آدمی تھے، اچھے عالم چاہے نہ ہوں۔ میں نے کلینک کھولنا چاہا تو کہا: ڈسپنسر کھا جائیں گے یہ میز کرسی ہے لے لو۔ میں اگرچہ ڈھنگ سے استعمال نہ کر سکا۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کے اچھے اخلاق کی وجہ سے ان کی جماعت میں شامل ہوا، [بعد میں ڈاکٹر اسرار صاحب کی کچھ علمی غلطیوں کی وجہ سے الگ ہو گیا جن کا تذکرہ ''ڈاکٹر اسرار صاحب کے نظریات و افکار تنقید کے میزان میں'' میں کر دیا گیا ہے]۔ ان کی جماعت کا اصول تھا کہ ہر منبر اپنی آمدن کا پانچ فیصد جماعت کو دے گا البتہ کوئی مجبوری ہو تو بات کرے جتنی ضرورت ہو گی کم کر دیں گے۔

فرمایا؛ ہم تو دوسروں کی بھی سنتے تھے اپنی بھی سناتے تھے۔

فرمایا: ادب بھی ادبی الفاظ سے آتا ہے، انسان زیادتی پر آئے تو شیطان کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ انصاف پسند ہونا چاہیے چاہے اس کے خلاف ہو، اس سے راہیں کھلتی ہیں علم کی بھی، ادب کی بھی۔

فرمایا: انبیاء جن کو اللہ نے اپنے اور لوگوں کے درمیان واسطہ بنایا ان کا کیا رتبہ ہو گا۔ (اس جملے کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ آبدیدہ ہو گئے)۔

میں نے ایک دن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا: حضرت میں خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: یہ ٹھیک ہے آپ خدمت میں بیٹھیں ہم آپ کی خدمت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

فرمایا: آپ تو ہمارے استاذ زادے ہو۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مجھے جو دعائیں دیں وہ میرے لیے قیمتی سرمایہ ہے۔

فرمایا: ''اللہ آپ کو علم واسع، رزق واسع، حلال رزق عطا فرمائے، تمام دینی و دنیاوی مشکلات دور فرمائے، قیامت تک کی مشکلات دور فرمائے، اللہ کشمیری صاحب کو حضرت لاہوری کے انوارات سے سرفراز فرمائے، حضرت لاہوری کی سرکردگی میں درجات بلند فرمائے، اللہ تعالیٰ مولانا کشمیری صاحب کے طفیل آپ میں اور آپ کے خاندان میں علم کو آباد کرے، آپ کی پریشانی کو دور کرے، مولانا کی نیکیوں کو روشنی کا چراغ بنائے۔''

اللہ ہمیں بھی مصیبت سے بچائے، شکر اور صبر عطا فرمائے۔

میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے قرض کی دعا پوچھی تو فرمایا: ''حصن حصین'' میں لکھی ہے اور فرمایا جنہوں نے پڑھی انہوں نے لکھا کہ ہم نے ویسا ہی پایا جیسا حدیث میں فرمایا گیا۔

.....☆☆☆.....

چند یادیں، چند باتیں

مولانا زاہد حسین رشیدی صاحب مدظلہ
سیکرٹری جنرل تحریک خدام اہل سنت والجماعت

۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء راقم کو دورہ حدیث شریف [درسِ نظامی کا آخری سال] میں داخلہ لینا تھا۔ چناچہ مشاورت کی غرض سے اپنے شیخ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ [ولادت: اکتوبر: ۱۹۱۴ء، وصال: جنوری ۲۰۰۴ء، فاضل دیوبند، خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، بانی تحریک خدام اہل سنت و الجماعت پاکستان] کی خدمت میں چکوال حاضر ہوا۔ لاہور میں کتنی جگہ دورہ حدیث شریف کروایا جاتا ہے، کے جواب میں ممکنہ ادارے عرض کیے تو فرمایا:

''آپ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں داخلہ لے لیں، اس کی دو وجوہات ہیں (۱) ہمارے شیخ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی روحانی نسبت کے اثرات اور فیوضات کی برکت سے سندِ حدیث کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ (۲) وہاں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد حدیث کے استاد ہیں۔ پختہ عالم ہیں، مسلکی اعتبار سے نہایت حساس اور صائب رائے رکھتے ہیں، اکابر کے مسلک ومشرب کے پابند اور اسی پر کاربند ہیں۔ لہذا ان کی تربیت وصحبت سے بہت نفع ہوگا۔''

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے ارشاد گرامی میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے لیے مذکورہ الفاظ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ آپ الفاظ کے چناؤ میں خاص طور پر کسی کی تعریف کے حوالے سے حد درجہ محتاط بزرگ تھے، اس لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بابت تعریفی کلمات نے بہت متاثر کیا۔ چنانچہ دورۂ حدیث شریف کے دوران ''ترمذی شریف'' کی کلاس میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ کے دوران اپنی تائیدی کلمات کو پیش نظر رکھا اور استفادہ کی اپنے طور پر کوشش کی اور اپنی اوقات سے بڑھ کر مستفید ہوا۔ اس دوران حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت میں قدرت کی طرف سے ودیعت اوصاف سے واقفیت ہوتی گئی اور عقیدت ومحبت کے نقوش گہرے ہوتے چلے گئے۔

آہ! استاذِ ذی وقار اب ہم میں نہیں رہے..... ع

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ انتہائی کم اور جچی تلی گفتگو فرماتے تھے۔ اختصار اور جامعیت کے ساتھ اپنے مدعا کی وضاحت میں کمال حاصل تھا۔ لفظوں کی قیمت کا احساس غالب تھا۔ اس لیے مبالغہ یا بے مقصد بات چیت سے کوسوں دور تھے۔ نجی محافل بھی گویا درس گاہ ہی ہوتی تھیں۔ ادھر اُدھر کی گفتگو چھیڑ کر تبصرہ کے منتظر کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے ہمیشہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ درس گاہ ہو، گھر کی بیٹھک یا پھر دارالافتاء اور ہسپتال کا کمرہ ہمیشہ علمی شغف غالب رہتا اور کسی صورت بھی وقت کا ضیاع گوارا نہ فرماتے۔ یاد پڑتا ہے ہمارے ایک محترم استاد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب مدظلہ کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ لاہور تشریف آوری کے موقع پر خواہش کا اظہار فرمایا، تو ہم سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے مزار کے عقب میں واقع دربار ہسپتال پیشگی اجازت لے کر حاضرِ خدمت ہو گئے۔ آپ کا دفتر لائبریری کا منظر پیش کر رہا تھا۔ میز پر کتب ایسی ترتیب سے رکھی تھیں جیسے انہیں ابھی ابھی کچھ حوالہ جات کی تلاش کے لیے بار بار کھولا اور رکھا گیا ہو۔

انتہائی مختصر سی ملاقات ہوئی۔ مجھے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مزاج سے واقفیت تھی لیکن میرے استادِ محترم کے لیے یہ اختصار شدید حیرت کا باعث تھا۔ موبائل پر کسی سوال کے جواب میں بس اتنا ہی فرماتے تھے:

''جی ہوگئی۔ السلام علیکم''

وقت کی قدر و قیمت کے احساس کا نتیجہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتاء کی لائن میں بہت کام لیا اور آپ ایک ماخذ اور حوالہ بننے والا علمی خزانہ تا قیامت راہنمائی کے لیے امت کے سپرد کر گئے۔ تحریر برائے تحریر کے طور پر کوئی ایک سطر بھی نہ لکھی۔ اور نہ ہی اپنی کتب بڑھانے کا کبھی خیال آیا۔ جہاں جو چیز وقت کی ضرورت سمجھی اظہارِ حق میں کوئی باک محسوس کیا اور نہ کسی تعلق کو آڑے آنے دیا۔

یہی وہ خاص وصف تھا کہ آپ ہمارے شیخ قبلہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کے منظورِ نظر ٹھہرے اور آپ کی تحریرات کو حوالہ بناتے ہوئے حضرت قاضی صاحب نے سندِ اعتماد و اعتبار سے آپ کو نوازا۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اربابِ مدارس کے لیے شخصیت کا یہ پہلو حیرت کا باعث ہوگا کہ آپ طلباء کو پابہ زنجیر بنانے کے ہرگز قائل نہ تھے۔ رجسٹر حاضری سال بھر آپ کی میز پر دھرے کا دھرا رہ جاتا اور آپ ''ح۔ غ'' سے بے نیاز ''طالبانِ علم'' کو سیراب فرماتے جاتے۔ اس حوالے سے استفسار پر آپ کا فرمانا تھا کہ علم اسے ہی ملتا ہے جو طلب رکھتا ہے، جسے علم کی طلب ہو وہ پیریڈ اور ضابطوں سے بے نیاز ہو کر پڑھتا ہے اور جسے طلب ہی نہیں محض جسمانی حاضری کا پابند بنا کر ہم اس کے دماغ میں علم کیسے گھسا سکتے ہیں؟

مفتی صاحبان بننے والوں کے لیے مخصوص کورس یا دورانیہ کے بھی آپ قائل نہ تھے اور نہ ہی سندِ افتاء کے رواج کو تسلیم کرتے تھے۔ میری موجودگی میں ایک عالم نے افتاء کے لیے داخلہ کورس اور دورانیہ کی بات کی تو فرمایا:

''بھائی! ہمارے ہاں باضابطہ داخلہ کی کوئی شکل نہیں ہے، نہ ہم دورانیہ کا تعین کر سکتے ہیں اور نہ سند کی کوئی گارنٹی دے سکتے ہیں۔ آپ ماخذ کتب لے کر آجائیں، ہم راہنمائی کرتے جائیں گے اور آپ مسائل حل کرنے کی مشق کرتے جائیں ہم جب سمجھیں گے چاہے پانچ دن ہی کہ آپ فتویٰ دے سکتے ہیں تو آپ کو اجازت ہوگی کہ آپ اپنے مقام پر لوگوں کی راہنمائی کریں اور ہماری سمجھ میں نہ آئے تو ہم پانچ سال بعد بھی آپ کو فتویٰ کی اجازت نہ دیں گے۔''

ع

ضوابط دین کامل کے دیے ہیں تیرے ہاتھوں میں
تجھی سے خُلق کی تکمیل کا بھی کام لینا ہے

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی متعدد وقیع اور مرجعیت کی حامل تصانیف، اور ہزاروں فتاویٰ، تلامذہ اور سب سے بڑھ کر برادرم حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب زید مجدہم بلاشبہ ذخیرہ آخرت اور صدقۂ جاریہ ہیں۔ وصال سے چند ماہ قبل سیدی شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ کے ہمراہ عیادت کے لیے حاضری ہوئی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ دنیا و جہاں سے بے خبر و بے نیاز آنکھیں بند کیے آرام فرما رہے تھے، گھنٹہ بھر زیارت ہوتی رہی۔ کیا خبر تھی کہ اس کے بعد یہ آنکھیں کھلی ہوئی ہم نہ دیکھ سکیں گے..... ع

آنکھوں میں کون آکے الٰہی نکل گیا
کس کی تلاش میں مرے اشکِ رواں چلے

اللہ جل شانہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور انہیں اعلیٰ درجات سے نوازتے ہوئے جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین **بجاہ النبی الکریم** ﷺ

.....☆☆☆.....

چند متفرق باتیں

مولانا شاہد ریاض صاحب
فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

ژرف نگاہی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ بات کو جڑ سے پکڑتے تھے اور ایسی بات فرماتے تھے جس سے اگلا بندہ لاجواب ہو جاتا تھا یعنی سوال کی جڑ کٹ جاتی تھی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں سوچ کر گیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے یہ سوال کروں گا اور یہ بات کروں گا اور اگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کوئی ایسا جواب دیں گے تو میں اس پر اور سوال کروں گا، لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا۔ حضرت رحمہ اللہ شروع میں ہی ایسی بات فرماتے جس سے نہ صرف اشکال ختم ہو جاتا بلکہ اطمینان بھی ہو جاتا اور جو چیزیں حضرت رحمہ اللہ کے فن کی نہیں تھیں ان میں بھی حضرت رحمہ اللہ ایسا وقیع جواب دیتے کہ آدمی مطمئن ہو کر بس خاموش ہو جائے۔

طبیعت پر قابو اور تحمّل

ہم جب پڑھتے تھے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہم سے دو تین مرتبہ کوئی سوال کرتے، جب ہم میں سے کوئی جواب نہ دیتا تو فرماتے کہ تم بہت چغد [چھوٹا الو] ہو۔ اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ نے کبھی نہ ڈانٹا نہ مارا نہ غصے میں کبھی آپے سے باہر ہوئے۔ اس کے بعد ہم سمجھتے تھے کہ اب یہاں بیٹھنا مناسب نہیں، بھاگو یہاں سے۔

استقامت کی تلقین

میں ''مقدس مسجد'' میں جمعہ پڑھاتا ہوں، ایک دفعہ میں نے بیان میں میلاد کے بارے میں کچھ کہہ دیا، تو وہاں کے میلاد منانے والے لوگوں نے میرے خلاف بڑا جلوس نکالا اور مجھے مارنے کے لئے بھی کچھ لوگ آئے اور کہا کہ اس کو یہاں سے نکالو، میرے ساتھ چونکہ وہاں کا گجر طبقہ تھا اس لئے نہیں نکال سکے لیکن میرا دل بہت پریشان تھا اور ارادہ کیا کہ بس مسجد چھوڑ دیتا ہوں۔ استاذ محترم حضرت مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ کیا انہوں نے فرمایا کہ ہمارے اکابرین کو کیا کیا تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر کریں۔ اور اس مسجد کو مت چھوڑیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی میرے پاس کارخانے میں تشریف لائے تو ان سے بھی بات ہوئی کہ یہ لوگ میرے بارے میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''**شاہد! تم اس مسجد کو نہیں چھوڑو گے یہ عام مسجد نہیں**

ہے یہاں بڑے بڑے اکابر رہے ہیں۔'' حضرت رحمہ اللہ کے اس فرمانے کے بعد طبیعت میں اطمینان ہو گیا۔

اخفائے حال

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مزاج میں اخفائے حال بہت زیادہ تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے حضرت رحمہ اللہ اپنے احوال کی خبر شاید اپنے آپ کو بھی نہ ہونے دیتے تھے۔ **(حتی لا تعلم شماله ما انفقت یمینه)**

حضرت رحمہ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ شاہد تمہیں یہ بات بتا رہا ہوں اور آج تک میں نے یہ بات کسی سے نہیں کہی کہ ''جب میں کوئی ایسا خاص فتوی حل کرتا ہوں جس میں مجھے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے تو مجھے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ میرے ساتھ حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہی رحمہ اللہ بیٹھے ہیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں وہ فتوی آرام سے لکھ لیتا ہوں، کوئی پریشانی ایسی ہو کہ یہ فتوی میں کیسے لکھوں؟ کیا لکھوں؟ یہ سب کچھ حل ہوتا چلا جاتا ہے۔ (گویا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے تعلق اور محبت کی برکت سے اللہ کا فضل اور کرم متوجہ ہو جاتا ہے) اور فرمایا کہ یہ کیفیت عرصہ دراز سے میرے ساتھ ہے۔

ایک دفعہ ایک شادی سے واپسی پر حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ میں اور بھائی عبید اللہ (حضرت کے چھوٹے صاحبزادے) تھے۔ تو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فرمایا کہ بھائی شاہد آپ آگے میرے ساتھ بیٹھو! اور بھائی عبید اللہ کو فرمایا کہ تم گاڑی سے باہر جاو۔ وہ چلے گئے۔ فرمایا شیشے بھی چڑھا دو پھر مجھے فرمایا کہ شاہد میں نے تم سے ایک خاص بات کہنی ہے کہ مجھے کثرت سے حضور ﷺ کی زیارت رہتی ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت! صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خصوصا زیارت کا کیا مطلب ہوگا؟ تو فرمایا کہ میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں قرآن پاک کی تفسیر (فہم قرآن) مکمل کروں، شاید اس کی مناسبت سے ایسا ہوتا ہے۔ [''فہم قرآن'' کی تین جلدیں حضرت کی حیات میں طبع ہو گئی تھیں، چوتھی مطبع جانے کے لیے تیار تھی کہ حضرت رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا]۔ حضرت رحمہ اللہ کی شاید توجہ اور خواہش اخفاء کا اثر تھا کہ یہ بات مجھے بھی بھول گئی اور حضرت رحمہ اللہ کی حیات میں کسی کو نہ بتا سکا۔ خیر یاد آتی بھی تو حضرت رحمہ اللہ کی امانت تھی کسی کو بتانی تو نہیں تھی، انتقال کے بعد یاد آئی۔ مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم سے ذکر ہوا تو حضرت نے فرمایا: ''بھائی شاہد! پہلے بتاتے تو ہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں کچھ استفادہ ہی کر لیتے۔''

استخارے کا اہتمام

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں استخارے کا اہتمام بہت تھا حتیٰ کہ اگر کوئی عام سا دنیوی کام بھی کرنا ہوتا تو حضرت

رحمہ اللہ پھر بھی استخارہ فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ویسپا سکوٹر پر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بہت وزنی سواری ہے جو آپ کی طبیعت کے موافق نہیں ہے اور خدانخواستہ اگر پینکچر ہو جائے تو آپ جیسا نحیف (کمزور بدن) آدمی تو ہلا بھی نہیں سکتا، آپ نے یہ کیوں لیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ''بھائی! استخارے میں سکوٹر آ گیا بس لے لیا''۔

صفائی معاملات کا اہتمام

ہم جب دورۂ حدیث شریف میں پڑھتے تھے تو ''بخاری شریف'' کا سبق حضرت مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ کے پاس تھا۔ اس وقت حضرت مفتی عبدالحمید صاحب بہت بیمار تھے اس لئے سبق کے لئے گھر بلا لیتے تھے۔ عبارت میں پڑھتا تھا یا مولوی عمران صاحب پڑھتے تھے حضرت کی نظر بہت کمزور تھی اور موٹے شیشوں والی عینک لگی ہوتی تھی اس لئے وہ کتاب کی طرف ہی دیکھتے رہتے تھے، مفتی صاحب چونکہ حکیم بھی تھے اس لیے ان کے گھر میں بہت مرتبان بھی رکھے رہتے تھے ایک دن ہمارے ایک ساتھی کو شرارت سوجھی اس نے ایک مرتبان کھولا تو اس میں مربہ تھا اس نے نکال کے خود بھی کھایا، اور باقی ساتھیوں کو بھی کھلایا، مولوی عمران صاحب عبارت پڑھ رہے تھے میں نے بھی کھایا۔ ایک دفعہ کوئی معجون تھی وہ کھائی، اس طرح اور بھی کئی چیزیں کھائیں۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ ہم کچھ کھا رہے تھے تو مولانا عبدالحفیظ صاحب (حضرت مفتی عبدالحمید صاحبؒ کے صاحبزادے) پہنچ گئے۔ کہنے لگے یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ بہت مزاحیہ آدمی بھی ہیں کہنے لگے چلو کھا لو۔ انہوں نے تو ہمیں کچھ نہیں کہا لیکن بات اوپر تک پہنچ گئی قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ (حضرت مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ کے دوسرے صاحبزادے) کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی خاموشی اختیار فرمالی۔ ہمارا ایک ساتھی تھا، اس کو پتہ نہیں کیا سوجھا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس ہمارا ''ابوداود شریف'' کا سبق تھا تو اس نے سبق کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ذکر کر دیا کہ استاد جی ہم وہاں جا کر ان کا مال کھاتے رہتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے غصہ سے فرمایا، چغد کہیں کے! دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ جاؤ ان سے معاف کروا کے آؤ۔ اب ہم پریشان کہ بڑے مفتی صاحب رحمہ اللہ سے معاف کیسے کروائیں، ان سے معاف کرانے جائیں تو انہوں نے ڈیسک کا تالا اٹھا کر مارنا ہے۔ ہم نے جا کر قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ کو بتایا، قاری صاحب سے ہم ''ترمذی اول'' پڑھتے تھے۔ تو قاری صاحب نے فرمایا کہ اچھا! حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کہنا کہ معافی ہو گئی۔

اخلاقیات میں باریک بینی

ایک بات بہت عجیب میں نے دو حضرات میں دیکھی، ایک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں اور دوسرے مولانا محمود میاں صاحب (دامت برکاتہم) میں کہ کسی کو بھی میرے پاس بھیجا ہے تو اسے یہ ضرور فرماتے کہ اس کے وقت کا خیال کرنا، یہ نہ ہو کہ تم بے وقت جا کر بیٹھ جاؤ۔ اگر بے وقت چلے جاؤ اور وہ انکار کر دے تو خاموشی سے واپس چلے آنا۔ بلکہ ایک

صاحب کو تو یہ فرمانے لگے کہ وہاں میرا نام نہ لینا، میرا نام لوگے تو وہ تمہیں مل لے گا اس لئے اس کو تنگ نہ کرنا۔ محمود میاں صاحب بھی ایسے ہی منع فرماتے تھے۔ بڑوں کی نظریں بڑی اور گہری ہوتی ہیں۔

ضروری ملاقات کے لیے ایک دفعہ میرے ہاں تشریف لائے۔ صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب لے کر آئے تھے۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا اندر بیٹھے تو فرمانے لگے کہ بھائی تمہارا وقت نہ خراب ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت بالکل بھی خراب نہ ہوگا پھر فرمایا کہ باہر جو لوگ بیٹھے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ انہوں نے تو ٹوکن لیا ہوا ہے وہ تو وقت نکال کر آئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان کا وقت بھی خراب نہ ہوگا۔ فرمایا کہ وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ ساتھی بیٹھے ہیں یہ دیکھ لیں گے۔ فرمایا کہ وہ لوگ تو تمہیں ملنے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہم نے یہ نظام بنایا ہوا ہے کہ یہ ساتھی دیکھ لیتے ہیں اگر کوئی ضروری بات ہو جو مجھ ہی سے کرنی ہو تو وہ انتظار کر لیتے ہیں اس لئے آپ پریشان نہ ہوں۔ حضرت رحمہ اللہ کو اصول کی پاسداری اور دوسروں کے حقوق کا اس حد تک اہتمام تھا۔

ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کہ تم یہ کیسے معلوم کرتے ہو کہ جن ہے یا کیا ہے؟ تمہیں کیسے پتہ لگتا ہے؟ میں نے تفصیل بتائی کہ ایک تو استخارہ ہے دوسرے موکلات کا سلسلہ ہے پھر اس کے بعد حساب کا سلسلہ ہے۔ فرمایا کہ تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ کبھی کچھ محسوس ہوتا ہے، اور کبھی آواز سے پتہ چلتا ہے۔ فرمایا کہ یہ موکل کیا ہوتا ہے؟ دیکھنے میں کیسے دکھتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ موکل کے بارے میں حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے اپنی بیاض میں لکھا ہے کہ یہ ایک نورانی مخلوق ہے جو نہ جن ہیں نہ فرشتے یہ علیحدہ مخلوق ہیں۔ قرآن کی حفاظت کے لئے اللہ پاک نے ان کو علیحدہ پیدا فرمایا ہے، حفاظتِ قرآن کے اسباب میں سے ایک سبب ہیں۔ اس پر حضرت خاموش ہو گئے۔ نہ تائید فرمائی نہ تردید۔

حضرت رحمہ اللہ میں یہ چیز بہت تھی کہ جس فن کے آدمی کے ساتھ بیٹھتے تھے اس سے اسی فن کے چوٹی کے سوالات کرتے تھے۔

ایک دفعہ کسی مستفتی نے سوال کیا کہ حضرت! ''شمس المعارف'' (ایک کتاب کا نام) کو عاملین استعمال کرتے ہیں اور اس میں ایسی باتیں لکھی ہیں کہ قرآن پاک کی آیت اور گندگی۔

تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تو دیکھی ہی نہیں ہے، میں دیکھ کر بتاؤں گا۔ پھر مجھ سے ''شمس المعارف'' منگوائی اس کو پڑھا۔ پھر فرمایا یہ صاف لگ رہا ہے کہ یہ علامہ بونی رحمہ اللہ کا عمل نہیں ہے۔ وہ ایسے آدمی نہیں تھے۔ کسی نے ایسے ہی یہ ڈال کر چھاپ دیا ہے۔ اس لیے اس عمل کی نسبت ان کی طرف کرنا درست نہیں۔

.....☆☆☆.....

میرے استاذ، میرے شیخ!

مفتی محمد یعقوب صاحب
دارالافتاء جامعہ مدنیہ کریم پارک

سیدی واستاذی حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ میرے استاذ بھی ہیں اور شیخ بھی ہیں۔ان کے پاس فقہ وافتاء میں تخصص کی توفیق ملی، تخصص سے قبل دوران طالب علمی جامعہ مدنیہ میں زیارت کا موقع تقریباً روزانہ ملتا تھا۔حضرت مفتی رحمہ اللہ کو جامعہ مدنیہ میں ہی اتنی محنت کرنے والا دیکھا کہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت مفتی رحمہ اللہ کو کسی وقت فارغ دیکھا ہو، کبھی پڑھنے پڑھانے میں مصروف تو کبھی لکھنے لکھانے میں مصروف۔ جامعہ مدنیہ میں دورۂ حدیث کرنے کے بعد جامعہ دارالتقویٰ میں افتاء میں تخصص کا موقع ملا، دوسال اسباق اور ایک سال تمرین میں گذرا۔ان تین سالوں میں حضرت رحمہ اللہ کو مزید قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، تو اس عرصے میں حضرت رحمہ اللہ کو سراپا علم دیکھا، فقہ وافتاء کی عظیم خدمات اور فتنوں کا تعاقب حضرت رحمہ اللہ کا اوڑھنا بچھونا تھا، افتاء کے سلسلے میں جو احتیاط کا پہلو حضرت رحمہ اللہ میں دیکھا کہیں اور نہیں دیکھا چنانچہ بندہ ناچیز کو حضرت رحمہ اللہ کی بات اب بھی یاد ہے جو دوران سبق فرمائی تھی:

''اگر مسئلہ میں تھوڑا سا بھی ذہول ہو تو مسئلہ ہرگز مت بتاؤ۔کوئی سائل یہ کہے کہ مجھے جلدی ہے اس سے کہو کہیں اور سے پوچھ لو۔''

بندہ حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ سے بیعت تھا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے خلفاء میں جن کو سب سے زیادہ صاحب علم دیکھا وہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تھے اس لیے بیعت کے لیے گلشن راوی مسجد خالق پہنچا اور بیعت کی درخواست کی۔حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا سوچ لو۔دوسرے دن حاضر خدمت ہوا عرض کی کہ حضرت رحمہ اللہ سوچ لیا تو حضرت رحمہ اللہ نے بیعت کر لی اوراوراد وغیرہ تلقین فرمائے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی باقاعدہ اجازت سے جامعہ مدنیہ کے دارالافتاء میں کام شروع کیا۔جب کوئی اہم بات پیش آتی تو بندہ ناچیز مشورے کے لیے حضرت رحمہ اللہ کے گھر گلشن راوی پہنچ جاتا۔حضرت بذات خود مہمان نوازی کرتے اور افتاء کے کام میں رہنمائی فرماتے۔یہ میرے لیے سعادت ہے کہ مجھے حضرت رحمہ اللہ سے فقہ وافتاء میں تخصص کی سند لینے اور پھر ان کی حیات میں ان کی رہنمائی میں کم ازکم چھ سال تک جامعہ مدنیہ میں کام کا موقع ملا۔حضرت رحمہ اللہ

کی رہنمائی آج بھی بندہ ناچیز کے لیے مشعل راہ ہے۔حضرت رحمہ اللہ سے جو اہم رہنمائی ملتی میں اسے اپنی ڈائری میں لکھتا رہتا اور اب بھی کبھی کبھار دیکھتا ہوں اور اپنے کام میں رہنمائی لیتا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی تمام مساعی دینیہ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور حضرت رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام سے سرفراز فرمائیں۔آمین

.....☆☆☆.....

ایک نابغہ روزگار شخصیت

مولانا شمس الدین صاحب
تلمیذ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ

ع

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

فقیہ العصر، استاذ العلماء حضرت اقدس ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال ایک ایسا سانحہ ہے کہ جس کی تلافی شاید ممکن نہ ہو، حضرت اقدس رحمہ اللہ کا وجود مسعود امت مسلمہ کے لیے عموماً اور وطن عزیز کے علمی حلقوں کے لیے خصوصاً باعث رحمت اور کئی فتنوں کے لیے سد راہ تھا۔

حضرت رحمہ اللہ نے ملک کے نامور ادارے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے طب کی تعلیم کے بعد درس نظامی اور تخصص کی تعلیم ملک کے نامور علماء سے حاصل کی اور اس کے بعد ساری زندگی دین کی خدمت میں مصروف رہے، مختلف اداروں میں درس نظامی کی تدریس سے وابستہ رہے۔

حضرت رحمہ اللہ نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور نہایت ہی کم گو تھے، عام دیکھنے والا یہ محسوس ہی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہ مفتی عبدالواحد صاحب ہیں جن کی علمیت اور فقاہت کا لوہا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ، مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ، مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، مفتی نظام الدین شامزئی صاحب رحمہ اللہ اور مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ جیسی نامور شخصیات بھی مانتی تھی۔

جدید و قدیم مسائل کی تحقیق میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا، فتنوں کے تعاقب میں سد باب اور امت کی اصلاح کے لیے حضرت رحمہ اللہ نہ صرف خود بھی کوشاں رہتے بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی اس طرف توجہ دلا کر کام کے لیے تیار کرتے۔ حضرت رحمہ اللہ کی تحریر کردہ مختلف کتب اپنی دیانت و متانت کی آئینہ دار اور شاہد عدل ہیں۔

''عوام کی اصلاح کے لیے آپ نے ''فہم دین'' کے نام سے ایک کورس ترتیب دیا جو ملک کے طول و عرض میں کئی مساجد کے اندر کامیابی سے جاری رہا اور لوگوں کے عقائد و اخلاق کی اصلاح کا ذریعہ بنا۔

حضرت رحمہ اللہ بے مقصد گفتگو اور وقت کے ضیاع کو ناپسند فرماتے تھے۔ شام کو جہاں ہسپتال میں حضرت رحمہ اللہ

طبی خدمات بطور میڈیکل افسر سرانجام دیتے تھے وہاں بھی حضرت رحمہ اللہ کے سامنے میز پر کوئی نہ کوئی کتاب موجود رہتی، جب کوئی مریض موجود نہ ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو جاتے۔

ورع وتقویٰ اور شرعی احکام کی پابندی آپ کے مزاج کا خاصہ بن چکی تھی۔ حضرت کے صاحبزادے فرماتے ہیں: گرمیوں یا سردیوں میں جب پائپوں میں پانی بہت زیادہ گرم یا سرد ہوتا ہے اور تازہ پانی لینے کے لیے لوگ عموماً ٹوٹی کھول کر وہ پانی ضائع کر دیتے ہیں تو حضرت رحمہ اللہ اس کو ناپسند فرماتے اور گھر والوں کو ہدایت کرتے کہ اس پانی کو ضائع مت کرو، بلکہ کسی برتن میں بھر لو کسی اور کام میں استعمال ہو جائے گا۔

حضرت رحمہ اللہ طلبہ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے، اور بعض اوقات طلبہ کے لیے گھر سے پھل وغیرہ یا کھانے کی کوئی چیز بھیج دیتے۔

حضرت رحمہ اللہ نے ساری زندگی احتیاط واعتدال کا پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی بھی شخصیت یا ذات سے متاثر ہوئے بغیر بے لاگ انداز میں امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

آخری عمر میں جب ضعف اور بیماری نے آن گھیرا تو اس حال میں بھی جب تک بہت زیادہ علیل نہیں ہوئے آپ نے درس وتدریس اور تحقیق وتصنیف کا سلسلہ ترک نہیں کیا، ساری عمر بے لوث دین کی خدمت کرنے کے بعد بالآخر داغ مفارقت دے گئے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے اور حضرت رحمہ اللہ کے فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھتے ہوئے ہمیں بھی اپنے دین متین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے اور اپنے اکابر واسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

چند متفرق یادیں!!!

مفتی سید رضا علی جعفری صاحب
رکن ادارہ ''نافع'' لاہور

۱۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مولوی اسامہ مکی صاحب کے نکاح میں شرکت کے ارادہ سے کیولری گراؤنڈ تشریف لائے۔ بندہ گاڑی چلا رہا تھا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ساتھ والی نشست پر تشریف فرما تھے۔ سارے رستے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسلسل ''سبحان اللہ، سبحان اللہ'' کی تسبیح آہستہ آواز میں اور ٹھہر ٹھہر کے پڑھتے رہے۔

۲۔ ایک دفعہ ایک عام مستفتی نے ایک مسئلہ پر بحث برائے بحث شروع کر دی اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا خاصا وقت لے لیا۔ بالآخر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کو روکا اور نہایت حسرت سے فرمایا کہ اس بحث کی بجائے ہم ''اللہ، اللہ'' کی تسبیح پڑھ لیتے۔

۳۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہر اتوار جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ ''ترمذی شریف'' کا سبق پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو گھر سے مدرسہ اور مدرسہ سے گھر لانے لیجانے کی سعادت بندہ کو حاصل ہوتی۔ آنے جانے کے دوران حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ وقت ضائع نہ فرماتے، اکثر مطالعہ فرماتے۔ کبھی کبھار بندہ مشاورت بھی کرتا اور مسئلہ بھی پوچھ لیتا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے جب مسئلہ پوچھتا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ خاموش ہو جاتے اور گہری سوچ میں چلے جاتے، کبھی سر بھی جھکا لیتے۔ بندے کو لگتا شاید حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بہت مشکل یا اہم مسئلہ پوچھا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو پریشان کر دیا، رفتہ رفتہ اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہر مسئلہ کا نہایت غور و فکر اور سوچ و بچار کے بعد جواب دیتے ہیں۔ آج کل کے نئے فارغ التحصیل علماء اور متخصصین کے لیے نہایت عبرت کی بات ہے جو بے دھڑک مسئلے کا اندازے سے بنا سوچے سمجھے جواب داغ دیتے ہیں۔

۴۔ بندے کی دلچسپی کی بناء پر بعض دفعہ اس سفر کے دوران اہل اللہ اور مشائخ کے ملفوظات یا احوال بھی دریافت فرماتے۔ یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ آدمی سے اس کی دلچسپی کے مطابق گفتگو فرماتے اور وہ گفتگو بھی بامقصد اور وقیع ہوتی تھی۔ سیاسیات والے سے سیاسیات پر اور دین والے سے دین پر، تبلیغ والے سے تبلیغ پر، وعلیٰ ہذا القیاس۔

۵۔ ادارہ نافع کے شعبہ فقہیات کے تحت بعض مسائل پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے تحریری مکاتبت ہوئی۔ بندہ کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ پر جب بھی مدلل تنقید یا اشکال کا مرحلہ آیا تو حضرت مفتی صاحب

رحمہ اللہ نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ جواب میں اپنی دلیل کا ذکر فرمایا، اپنے قول کو لینے کی وجوہات ارشاد فرماتے اور دوسرے کے قول کو ترجیح دینے کی صورت میں اس کے دینی و دنیوی نقصان کو واضح فرماتے اور بندہ کی تسلی اور تشفی فرماتے، کبھی بھی ڈانٹا نہیں اور نہ الفاظ یا انداز سے یہ تاثر دیا کہ کل کے بچے اور آ گئے اعتراض کرنے۔ حضرت مفتی صاحبر حمہ اللہ کو ہمیشہ حق کا طالب اور دلیل کا متتبع و متبع پایا۔

چند ایک بار اپنے فتویٰ سے رجوع بھی فرمایا۔ اور مطلق عبارت کو مقید یا مقید کو مطلق تو ہمارے اور دیگر ساتھیوں کے کہنے پر بھی کئی بار فرمایا۔ یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا بڑا پن تھا۔ آج کل کے دور میں یہ رویہ خال خال ہی نظر آتا ہے۔ بقول حضرت تھانوی رحمہ اللہ:

''ہمارے اکابر حضرات میں سے جو جتنا بڑا ہوتا تھا اپنی غلطی سے اتنی جلدی رجوع کرتا تھا۔''

۶۔ ایک صاحب غیر مقلد حضرات سے غالباً ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کا فتویٰ لائے اور اس کے حق میں بحث کے دوران کہنے لگے اس مسلک کے مفتی حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ ''ہم اس جواب پر قیامت کے دن جوابدہ ہوں گے، ہمیں پکڑ لینا۔'' ممکن ہے الفاظ میں فرق ہو لیکن مفہوم کچھ ایسا ہی تھا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر ایک دم خشیت طاری ہوگئی اور گلوگیر لہجے میں فرمایا کہ ہم مسئلہ دلائل شرعی (قرآن و حدیث، اجماع، قیاس) وغیرہ کی روشنی میں خوب تحقیق اور تثبت کے بعد ہی بتاتے ہیں مگر پھر بھی ہم اللہ جل شانہ کے سامنے جوابدہی سے ڈرتے ہیں، ہم یہ کہنے کی ہمت/ جرات نہیں کرتے کہ قیامت کے دن ہم اس کے جوابدہ ہوں گے۔

۷۔ فتویٰ لکھنے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا انداز اجمال اور اختصار کا تھا جیسے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا تھا دوران تمرین بندے کو بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے براہ راست یہی نصیحت کی کہ کم سے کم الفاظ ہوں مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے مطابق اصل عرب کا بھی یہی انداز تھا یعنی ایجاز و اختصار مع جامعیت و ابلاغ کامل جبکہ عجم کے ہاں تفاصیل اور تشریحات یعنی بات کو پھیلانے کا انداز اور رواج تھا۔

ایک۔۔۔ نیم بریلوی حکیم صاحب نے حضرت رحمہ اللہ سے فتویٰ لیا تو یوں تعریف کی کہ ''ان کا فتویٰ خیر الکلام ما قل و دلّ'' کا مصداق ہوتا ہے۔

۸۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ متخصصین کے لیے تمرین برائے تمرین کے قائل نہ تھے۔ اس کے بجائے گہرے اور وسیع علمی مطالعہ کو زیادہ فائدہ مند گردانتے تھے۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں تخصص کا نصاب ایسا تھا کہ جس میں تمرین دیگر اداروں کے مقابلے میں کم تھی۔ بندہ نے بھی تخصص کے فوری بعد نافع کے قیام کے دوران ایک سال خوب مطالعہ کیا، اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ کی سرپرستی میں فتویٰ نویسی کی تو بندہ بھی اسی طرز کا قائل ہوگیا۔ گو دوسرا انداز بھی ہمارے اکابر کا ہی ہے اور اس کے فوائد بھی یقیناً ہیں۔

۹۔ ہمارے ساتھی مفتی عاطف کرامت صاحب اردن تبلیغی سفر پر گئے تو اردن کے امیر صاحب خصوصی ملاقات کے لیے ان کو وہاں کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے پاس لے گئے۔ اب عاطف صاحب حیران و پریشان کہ ان سے کیا بات کریں! تبلیغ کے دستور کے مطابق جماعت کی کارگذاریاں بیان کیں۔ وہ صاحب کوئی خاص متاثر نہ ہوئے، پھر انہوں نے اپنی تعلیمی کارکردگی میں تخصص کا ذکر کیا اور تخصص کے نصاب کا ذکر کیا کہ ''موافقات''، ''اصول بزدوی'' اسی طرح ''مسلم الثبوت'' پڑھی ہیں، تو وہ بہت حیران ہوئے اور مکرر پوچھا: کہ کیا آپ نے یہ کتابیں پڑھیں ہیں اور سبقاً پڑھیں ہیں؟ اس نصاب کی بہت تحسین کی۔ اور پھر ایسا ہی واقعہ وہاں کے مفتی اعظم سے ملاقات پر پیش آیا۔ بقول عاطف صاحب ان کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے تخصص کے نصاب کی اس وقت بے حد قدر محسوس ہوئی۔

۱۰۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے باوجود جواز کا قول ہونے کے اپنا پراویڈنٹ فنڈ سارا کا سارا صدقہ کر دیا تھا۔

۱۱۔ اسی طرح ایک موبائل پیکج ایسا آیا جس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ جواز کا تھا۔ مگر احتیاطاً خود اس کو استعمال نہ فرمایا۔

۱۲۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ایک قریبی عزیز (غالباً مولانا عبدالقیوم صاحب) کے ولیمہ پر ہم دارالافتاء کے چند طلباء اور متخصصین بھی مدعو تھے۔ ولیمہ ایک بڑے باغ میں تھا۔ جس میں فرشی نشست کے علاوہ میز کرسیوں کا بھی انتظام تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کھانے سے قبل مختلف عزیزوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھ کر ملاقات اور گفتگو کرتے رہے لیکن جیسے ہی کھانا شروع ہوا میز کرسی چھوڑ کر ہم طلباء کے پاس آ گئے اور بیٹھ کر فرشی نشست پر عاجزی سے کھانا کھایا۔

۱۳۔ ایک دفعہ حضرت مفتی رفیق صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ (دنیا سے) جاتے جاتے کسی کو طریقت میں بھی خلیفہ مجاز فرما دیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے انکساری سے ہی کام لیا۔ پھر مفتی رفیق صاحب نے اپنے ایک معتمد ساتھی (جس کو دوسری جگہ سے بھی اجازت تھی) کا نام لے کر عرض کیا کہ یہ بچہ دیکھا بھالا ہے آگے پیچھے کا پتا ہے اسے خلافت دے دیں، مگر حضرت رحمہ اللہ نے انکار ہی فرمایا۔

۱۴۔ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شام کی مجلس میں بندہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے قریب بیٹھا تھا۔ ایک ساتھی نے ایمان کے خلاف سخت وساوس کی شکایت کی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کو سختی سے فرمایا کہ کسی اللہ والے کی مجلس میں جایا کرو۔ پھر فرمایا کہ شام کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس چلے جایا کرو، ان کے پاس بیٹھو۔

۱۵۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بندے کے ولیمے پر تشریف لائے اور ہمارے خسر محترم حضرت مولانا مفتی محمود الحسن شاہ مسعودی مدظلہ (مظفر آباد، آزاد کشمیر) کو بتایا کہ ہماری بھی دو بیٹیاں کراچی بیاہی ہیں۔ اس طرح کہنے سے غرض میرے خسر محترم کو تسلی اور حوصلہ دینا تھا کہ دور رشتے کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن شاہ مسعودی مدظلہ کبھی کبھار حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے لیے سلام پیام کے علاوہ

ہدیہ کا اہتمام فرماتے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی سلام پیام کے علاوہ جیسا موقع ہوتا حضرت مفتی محمود الحسن صاحب مدظلہ کے لیے ہدایا کا اہتمام فرماتے۔

۱۶۔ایک دفعہ بندے نے قصیدہ غوثیہ پڑھنے کے بارے میں پوچھا کہ یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا صوفیانہ حالتِ عروج وسُکر کا کلام ہے جو کہ بعض روحانی کیفیات کے حصول کے لیے پڑھا جاتا ہے۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس قصیدہ کو بغور پڑھا اور فرمایا: بعض الفاظ موہم ہیں اس لیے احتیاط بہتر ہے۔ بندہ نے مکرر پوچھا کہ بندہ آپ کا شاگرد ہے تو یہاں تو ایسا احتمال نہیں؟ تو فرمایا کہ جب کسی چیز سے عوام کو منع کرتے ہیں تو خواص کو بھی اجتناب یا احتیاط کا ہی کہا جاتا ہے۔اس کے بعد غالباً شغل رابطہ کی مثال فرمائی (جس کو تصور شیخ بھی کہتے ہیں) کہ جب اس میں غلو ہوا تو خواص کو بھی حضرات منع کرتے رہے۔

۱۷۔ایک دفعہ غالباً ''اجارۃ الاشجار'' پر اردو کتبِ فتاویٰ میں موجود ایک حیلہ ایک مستفتی کے لیے بندے نے تجویز کیا، اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے اس کی تصحیح چاہی۔تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بھائی! اس طرح کے (کمزور) حیلوں سے اس کو تو جواز مل جائے گا، مگر تمہارا نامۂ اعمال سیاہ ہو جائے گا۔'' (یوں ہاتھ سے اشارہ کیا جیسے کسی تحریر کو قلمزد کیا جاتا ہے)۔

۱۸۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ایک مجلس میں بندہ، مولانا عاطف کرامت صاحب اور مولانا سید ہشام مغربی صاحب بیٹھے تھے اور کسی انتظامی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہر ایک سے علیحدہ لہجے اور انداز سے بات فرماتے تھے، فرقِ مراتب کا اہتمام فرماتے تھے۔ نیز بعض باتوں میں مکمل رد فرماتے تھے اور بعض باتوں میں فرماتے تھے کہ ہمارا خیال یوں ہے.....تجربہ ایسا رہا.....یعنی افراد کے علاوہ مسائل میں بھی مراتب کا لحاظ بے حد تھا۔

۱۹۔ایک دفعہ ایک خانقاہ والوں نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اپنی خانقاہ میں تشریف آوری کی دعوت دی۔ بندہ بھی اس دعوت کا حامی تھا۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا: تم کیوں لے جانا چاہتے ہو؟ بندہ نے عرض کیا کہ ان کا دینی مسائل میں مشاورت کا تعلق آپ کے بڑوں سے تھا، اب ان کے بعد آپ سے ہو جائے۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بھائی! یہ تو صحیح نیت نہیں، اس لیے جانا تو ٹھیک نہیں۔''

یہ بات سن کر بندہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا اور وہاں کا جانا ملتوی ہو گیا۔

۲۰۔بندہ کو ''رجال'' سے خصوصی دلچسپی ہے، اس لیے تخصص فی الحدیث کی خواہش تھی، مگر کراچی کے حالات کی بناء پر والدین نے اجازت نہ دی، تخصص فی الفقہ کا بھی شوق تھا مگر ثانوی درجے میں۔ پھر دو سال حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس تخصص کر لیا۔ بعد میں ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اصل شوق تو حدیث اور رجال کا تھا لیکن مختلف

حالات کی وجہ سے فقہ کی طرف لگ گیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بسا اوقات انسان خود کچھ چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ بندے کو کسی دوسری کام میں لگا دیتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ بس اللہ کی تقسیم پر راضی رہیں۔'' (اوکما قال)

پھر ادارہ ''نافع'' کے کاموں کی ضرورت، اہمیت اور تحسین فرمائی۔

۲۱۔ اکابر کے ادب پر ایک دفعہ متوجہ فرمایا بلکہ ایک تحریر کے آخر میں لکھا کہ:

''میری تحریر میں کسی جگہ اکابر سے سوءِ ادبی محسوس ہو تو اس کو کاٹ دیں''۔ (یہ تحریر محفوظ ہے)

۲۲۔ ایک دفعہ بندہ نے پوچھا کہ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ ذکرِ قلبی خود چل پڑے تو بار بار نیت تازہ کرنا ضروری ہے، ورنہ بغیر نیت خود بخود ذکر کا ثواب نہ ہوگا؟ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کی نظیر میں ایک دوسرا مسئلہ ذکر فرمایا کہ حافظ قرآن رمضان میں یاد کرنے کے لیے جو پڑھتا ہے، اس پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ فرمایا: مولانا نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ملے گا، ہماری رائے تو دوسری تھی مگر ہم نے اصرار نہ کیا، اسی طرح یہاں دیکھ لو اور مسکرا دیئے.....

۲۳۔ جامعہ اشرفیہ کے معمر استاذ الحدیث جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ سے بندہ نے چھٹیوں میں ''متن الکافی'' پڑھی تھی۔ مولانا رحمہ اللہ سے بہت اچھا تعلق قائم ہو گیا۔ ان کو میرا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے تلمذ کا پتا چلا تو وقتاً فوقتاً اہتمام سے سلام پہنچاتے۔ میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ آپ حضرت ڈاکٹر صاحب کو کیسے جانتے ہیں؟ تو فرمایا کہ چند سال قبل سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں، میں اپنی رہائش گاہ کا پتہ، راستہ سب بھول گیا اور حیران و پریشان کھڑا تھا کہ اچانک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ مل گئے، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو پتا چلا کہ میں اپنی رہائش گاہ کا پتہ بھول گیا ہوں تو خاصی محنت مشقت سے بھاگ دوڑ کر کے معلومات کر کرا کے مجھے میری جگہ پہنچا دیا۔

.....☆☆☆.....

ایک خاموش سرپرست

مفتی سید رضا علی جعفری صاحب
رکن ''نافع'' لاہور

۲۰۰۸ء میں ادارہ ''نافع'' کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ادارے (چاہے تعلیمی ہوں یا تجارتی) اپنے تمام معاملات اور عقود (Agreements and Practices) کو شریعت کے سانچے میں ڈھالیں اور اس کے لیے دار الافتاؤں اور اداروں کے درمیان ایک پل کا کام کیا جائے۔ ادارہ ''نافع'' اداروں میں جا کر ان کے ممکنہ تمام معاملات کا شرعی جائزہ لے کر اسے دار الافتاء کے سامنے پیش کرتا ہے اور فتویٰ لے کر ادارے کو دیتا ہے اور پھر عملی تنفیذ میں بھی تعاون کرتا ہے پھر یومیہ بنیاد پر ادارے میں شریعہ ڈیپارٹمنٹ کی صورت میں شعبے کے ماہر مفتی حضرات کا تعین کرتا ہے۔

شروع دن سے ہی استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ادارے کی سرپرستی فرماتے رہے۔ وقتاً فوقتاً احوال معلوم فرماتے اور اپنی قیمتی آراء سے نوازتے۔

۲۰۰۸ء میں جب ادارے نے کام شروع کیا تو صرف راقم الحروف ہی کل وقتی رکن تھا اور مولانا سید ہشام صاحب مدظلہ تقریباً چار گھنٹے/ آدھا دن ادارے کو دیتے تھے۔ بندہ نیا نیا تخصص سے فارغ ہوا تھا۔ ادارے کو ایک اور قابل مفتی/ متخصص کی ضرورت تھی جو کہ کسی قدر تجربہ رکھتا ہو، تو حضرت رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب کی تشکیل فرمائی۔ جنہوں نے ایک سال سے زائد ادارے میں خدمات سرانجام دیں۔ اسی دور میں ادارے کے بہت سے اہم اصول وضوابط طے پائے۔ کام کا نہج واضح ہوا اور آئندہ کا رُخ متعین ہوا۔

ادارے کی خدمات کا ایک بنیادی جزء ''کاروباری دستاویز'' ہے جس کو بی ڈی (B.D) بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلی بی ڈی بھی اسی زمانے میں مفتی عبداللہ صاحب نے بہت محنت سے بغیر کسی نمونہ کے لکھی۔ نیز اس دستاویز (جو ایک کاروبار کی تمام صورتہائے مسئلہ پر مشتمل تھی) کے تمام مسائل پر فقہی آراء اور فتاویٰ بھی مفتی عبداللہ صاحب نے حضرت رحمہ اللہ کی نگرانی میں لکھے۔

یوں یہ باپ بیٹا ادارہ نافع کی عمارت کی بنیاد کے ایسے پتھر ہیں جن پر پوری عمارت کھڑی ہے مگر یہ نظر نہیں آتے۔

مفتی عبداللہ صاحب کی واپسی کے بعد جب ادارے کا کام مزید بڑھا تو حضرت رحمہ اللہ سے درخواست کی گئی تو

فتاویٰ کی تصحیح اور تصدیق کے لیے حضرت مولانا مفتی رفیق صاحب مدظلہم اور پھر مفتی شعیب صاحب مدظلہ کی خدمات بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اجازت سے حاصل کی گئیں۔

ادارہ نافع کا رابطہ جن دارالافتاؤں سے ہے ان میں صرف اور صرف دارالافتاء والتحقیق ہی واحد دارالافتاء ہے جو ادارے کی طرف سے بھیجے ہوئے تمام استفتاءات کو باقاعدہ فتویٰ کے طریقہ کار کے مطابق تصحیح وتصدیق کے مراحل سے گذارنے کے بعد مہر اور دستخط کے ساتھ فتویٰ جاری کرتا ہے۔ اس قدر تعاون بھی صرف حضرت رحمہ اللہ ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔

جب تک حضرت رحمہ اللہ کی صحت اچھی رہی ادارے کی طرف سے بھیجے گئے تمام استفتاءات کی حتمی تصحیح اور تصدیق حضرت رحمہ اللہ خود ہی فرماتے رہے۔ خواہ پیچیدہ مسئلہ ہو خواہ روزمرہ کا مسئلہ حضرت رحمہ اللہ نے کبھی تفریق نہیں کی۔ بعض عام سی کمپنیوں کے تمام مسائل پر بھی تصحیح کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے دستخط فرمائے۔ پراپرٹی کے مسائل کی ایک فائل کو دو تین ماہر مفتی حضرات کو دکھانے اور رائے لینے کے بعد حضرت رحمہ اللہ کو بھیجا گیا تو حضرت رحمہ اللہ نے اول تا آخر ملاحظہ فرما کر ہر جگہ اپنی رائے لکھی کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً۔

ادارے کی شوریٰ کے رکن مولانا عاطف کرامت صاحب مدظلہ نے ''لمز یونیورسٹی'' میں تین چار ماہ ایک کورس ایگزیکٹو ایم بی اے (E.MBA) والوں کو پڑھایا۔ اس میں عموماً وہ حضرات شریک ہوتے ہیں جو عملی زندگی میں کسی بڑے یا اہم عہدہ پر خدمات سرانجام دے رہے ہوں۔ اس لیے عموماً یہ حضرات سنجیدہ ہوتے ہیں۔ ان کو معاملات سے متعلق اصول وضوابط اور مسائل پڑھائے گئے۔ پھر کاروبار اور معاملات سے متعلق فرضی مسائل اور صورت ہائے مسئلہ انگریزی میں دیے گئے کہ ان کے شرعی حکم کے بارے میں بتائیں۔ ان جوابات کو نافع کے ذمہ داران اراکین نے دیکھا، اس کے بعد یہ تمام جوابات حضرت رحمہ اللہ نے ملاحظہ فرما کر ان کی غلطیوں کو واضح کیا۔ اس تمرینی عمل کا مقصد یہ تھا کہ ان طلباء کو عملاً واضح کیا جائے کہ مسائل پڑھنے کے باوجود سمجھنے اور عملی تطبیق کے لیے ماہر مفتی کی رائے کی ضرورت رہتی ہے۔

ایک فقیہ العصر کا چند فرضی مسائل بلکہ طلبہ کی تمرینات کو بغور دیکھنا اور ان پر اپنا قیمتی وقت صرف کرنا شفقت اور ذرہ نوازی کی انتہاء ہے۔ **جزاہ اللہ عنا ما ھو اھلہ**

اس کے علاوہ ادارے کی تمام ورکشاپس، علمی نشستیں اور ان کا مواد حضرت رحمہ اللہ ملاحظہ فرماتے رہے۔ ان پر علمی رائے کے علاوہ دیگر پہلوؤں پر بھی اپنی رائے سے نوازتے۔

ادارے کے تمام انتظامی قواعد وضوابط، معاملات، اراکین سے عقد، دیگر اہم پالیسیوں پر جب بھی حضرت رحمہ اللہ سے وقت لیا گیا حضرت رحمہ اللہ نے اپنا قیمتی وقت عنایت فرمایا۔ جب بھی عرض کیا گیا تو اراکین سے علمی اور تربیتی مذاکرہ فرمایا۔ آخر میں بعض مسائل میں فقہ الواقع بلکہ فقہ الشرع کے حوالے سے بھی نافع کے اراکین کی آراء دریافت فرما لیتے۔ یہ حضرت کا بڑا پن اور طلبِ حق کا جذبہ تھا کہ اپنی رائے عنایت فرمانے کے بعد ہم سے بھی اس پر رائے یا تبصرہ مانگتے۔

کراچی اور دیگر شہروں سے جب بھی مہمان علماء اور مفتی حضرات ادارہ نافع میں تشریف لائے اور حضرت رحمہ اللہ کی زیارت اور ملاقات کی فرمائش کی حضرت رحمہ اللہ نے کبھی بھی اس کو نہیں ٹالا، ہمیشہ نافع کے مہمانوں کو اپنا مہمان سمجھ کر وقت بھی عنایت فرمایا اور حسبِ موقع اچھے سے اچھا اکرام فرمایا اور مہمان نوازی میں کسر نہ چھوڑی۔

دار الافتاء والتحقیق کی تعمیر نو کا افتتاح شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے کیا۔ اس موقع پر ان کو دار الافتاء کی خدمات بیان کی جارہی تھیں تو یہ تذکرہ بھی آیا کہ دار الافتاء کے چند فضلاء نے ایک ادارہ ''نافع'' کے نام سے قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ دار الافتاء کا پابند تو نہیں ان کی اپنی پالیسی اور اصول وضوابط ہیں لیکن اچھا کام کر رہا ہے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے متکلم کو روک کر اس ادارے کی خدمات کو مزید واضح کرنے کا ارشاد فرمایا۔ یقیناً یہ سب کچھ حضرت رحمہ اللہ کے ادارے سے تعلق خاطر کا آئینہ دار ہے۔

اس بات میں دو رائے نہیں کہ اگر حضرت رحمہ اللہ کی شروع دن سے شفقت، سرپرستی، دعا شامل حال نہ ہوتی تو یقیناً نافع اس مقام سے بہت پیچھے ہوتا جہاں آج کھڑا ہے۔

اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں اور کہنا چاہیے کہ یہ ادارہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کا صدقہ جاریہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی لاج رکھنے کی اور حضرت کے علمی وفقہی معیار کو برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

چند یادیں اور خصوصیات

مولانا محمد اسامہ صاحب
مدرس جامعہ دارالتقویٰ لاہور

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ہمارا تعلق بچپن سے ہے ڈاکٹر صاحب ہمارے محلے میں بلکہ ہم حضرت کے محلے میں رہتے تھے اور بچپن سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور اس وقت بھی ہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو ''مفتی صاحب'' کے نام سے ہی جانتے تھے۔

اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جامعہ مدنیہ میں ہمارے والد صاحب (مولانا عثمان صاحب دامت برکاتہم رکن شوریٰ واستاذِ حدیث جامعہ دارالتقویٰ وامام مسجد بلال پارک) جہاں پڑھاتے تھے وہاں پر ہم کبھی کبھی والد صاحب کے ساتھ چلے جایا کرتے تھے واپسی پر ابا جی نے چونکہ دکان پر جانا ہوتا تھا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ گھر تشریف لاتے تھے تو حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ سکوٹر پر بیٹھ کر گھر آیا کرتے تھے۔ کبھی پیچھے بیٹھتے، کبھی آگے کھڑے ہوتے۔ حضرت رحمہ اللہ کے حوالہ سے ایک یہ بات ذہن میں ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی کمال شفقت، کتنے بڑے مفتی اور اتنے بڑے عالم اور ہم جیسے ناسمجھ بچوں کے ساتھ اتنی شفقت! یہ ان کی شخصیت کا گہرا نقش ہے جو دل پر مرتسم ہے۔

پھر دوسری چیز اس وقت بچپن میں جو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اس میں جو بہت زیادہ ابھی تک دل ودماغ میں ہے وہ یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی ہر کام اپنے ہاتھوں سے خود کرنے کی عادت تھی، جفاکشی کی عادت تھی، خودداری حضرت کی طبیعت میں بہت زیادہ تھی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جامعہ مدنیہ کے قریب جو بڑی منڈی تھی واپسی پر حضرت رحمہ اللہ گرمی کی شدید دوپہر، تپتی دھوپ میں خود ہی وہاں سے سبزی خریدنے تشریف لے جایا کرتے تھے، ہمیں ایک ہوٹل کے پاس کھڑے کر دیتے اور خود تشریف لے جاتے اور بھر بھر کر سبزی لاتے، لگتا تھا کہ ہفتہ بھر کی سبزی خریدتے ہیں، حالانکہ کسی شاگرد کو بھیج سکتے تھے لیکن اس کے باوجود حضرت رحمہ اللہ خود تشریف لے جاتے اور اپنا کام حتی الامکان خود کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ یہ عجیب خصوصیت ہے۔

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ کے پاس جامعہ مدنیہ میں بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا پھر تخصص میں بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا جامعہ مدنیہ میں یہ دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ ہر فن کے ماہر تھے، حضرت کا جیسے فقہ میں ایک مقام ہے، اسی طرح سے تجوید

وقراءات سبعہ وعشرہ کے بھی ماہر تھے۔ جامعہ مدنیہ میں قاری رمضان صاحب قراءات سبعہ وعشرہ پڑھایا کرتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس کا امتحان لیا کرتے تھے۔ جامعہ مدنیہ میں ہمارے ایک استاد حضرت مولانا عبدالرشید کاشمیری صاحب رحمہ اللہ (جو کہ مولانا رسول خان صاحب کے شاگرد تھے اور وہ شیخ الہند رحمہ اللہ کے براہ راست شاگرد تھے) ان سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ابتدائی درجات کی کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ حضرت کاشمیری صاحب رحمہ اللہ نے ایک دفعہ سبق میں فرمایا کہ بھائی! یہ جو ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ہیں یہ تو اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ خود ہی مطالعہ کر کے تشریف لاتے اور مطالعہ پڑھتے جاتے تھے جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوتی وہاں وہاں پوچھ لیا کرتے تھے ورنہ اس کو خود ہی پڑھا کرتے تھے اور ہمیں آ کر مطالعہ سنایا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شروع سے ہی دینی علوم کے اندر دلچسپی بہت زیادہ تھی اور محنت بھی خوب فرماتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو ہمارے والد صاحب سے گہرا تعلق تھا، محلّہ داری کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ ہمارے والد صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہم سبق بھی ہیں، ہمارے والد صاحب نے بتلایا کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ بہت مرتبہ ایسا ہوتا رات کو مغرب کے بعد سے لیکر رات ۱۰ بجے تک (مغرب کے بعد فرمایا، یا عشاء کے بعد فرمایا) میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھ جاتا ہوں اور پوری یکسوئی اور انہماک سے اپنے مطالعہ، اور لکھنے لکھانے میں مشغول رہتا ہوں، اور اس دوران کسی قسم کی مشغولیت ومصروفیت نہیں رکھتا۔ حضرت رحمہ اللہ کی اس عادت اور انہماک ہی کا نتیجہ تھا کہ ماشاءاللہ حضرت کی رائے بہت گہری اور مضبوط ہوتی تھی اور بہت ساوقیع علمی کام سرانجام دے گئے۔

حضرت والد صاحب کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ہم سبق ہونے کی وجہ سے تعلق تھا، حضرت رحمہ اللہ نے یہ تعلق اس طرح نبھایا کہ لگتا نہیں تھا کہ اتنے بڑے مفتی ہیں بلکہ یوں لگتا جیسے ایک ہمدرد دوست ہوں۔

میں پہلے تخصص کے لیے کراچی گیا، وہاں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت رحمہ اللہ کے پاس تخصص کرنا طے ہوا، اجازت کے لئے ہم لوگ حضرت رحمہ اللہ کے گھر چلے گئے، رمضان شریف کا مہینہ تھا صبح تقریباً دس بجے کا وقت تھا، والد صاحب ساتھ تھے، تو حضرت رحمہ اللہ نے اس وقت جو اپنے ہاں کے تخصص کے بارے میں ایک دو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک اہم بات ابھی تک ذہن میں ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں، ان کی تقلید کرتے ہیں لیکن یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ قول کیوں اختیار کیا ہے، یہ قول اختیار کرنے کی وجہ کیا ہے؟ ہمارے ہاں تخصص میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ یہ بات معلوم ہو محض اقوال معلوم ہو جانا کافی نہیں، ان کی سمجھ بوجھ بھی تو ہو۔''

جب حضرت رحمہ اللہ کے پاس تخصص پڑھنے کا اتفاق ہوا تو واقعی ایسا تھا، حضرت رحمہ اللہ خاص طور پر ''موافقات'' اور ''حجۃ اللہ البالغہ'' سبقاً سبقاً پڑھایا کرتے تھے، جتنا بھی ہم نے اپنی ناقص استعداد کے مطابق پڑھا لیکن پھر بھی ان دونوں

کتابوں کے پڑھنے سے ایسا محسوس ہوا کہ اگر یہ کتابیں نہ پڑھی جائیں یا کوئی بھی مضبوط استعداد کا مفتی ان دونوں کتابوں کو نہ پڑھے تو شاید تفقہ کا وہ درجہ جو حاصل ہونا چاہیے وہ حاصل نہ ہو سکے، ان دو کتابوں کو پڑھنے سے ہی اس بات کا اندازہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ کے تفقہ، علمی استعداد اور گہرائی کی باتوں میں غالباً انہیں دو کتابوں اور ان جیسی کتابوں کے مطالعہ اور درس وتدریس کا اثر ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کے سبق میں سنجیدگی کا عنصر غالب ہوتا تھا، سبق سے باہر کی باتیں حضرت رحمہ اللہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کے سبق پڑھانے کا انداز ویسا ہی تھا جیسے حضرت رحمہ اللہ نے پڑھا تھا چنانچہ مطالعہ اور ترجمہ ہر ساتھی کے اپنے ذمہ لازم ہوتا تھا، عربی عبارت بھی خود ہی پڑھنی ہوتی تھی اور اس کا ایسا لفظی ترجمہ جو بامحاورہ بھی ہو وہ بھی طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا، اور مطالعہ میں باری نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ ہر ایک کے ذمہ مطالعہ کر کے آنا ہوتا تھا حضرت رحمہ اللہ کسی سے بھی فرمادیتے تھے، حضرت رحمہ اللہ جہاں پر مناسب سمجھتے وہاں پر روک کر اس کے بارے میں کوئی بات ارشاد فرمادیتے تھے، لمبی تقریر کا مزاج نہ تھا۔

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت کسی بھی موقف کو اختیار کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے، بلکہ کئی دن بعض اوقات کئی کئی مہینے کے غور وخوض اور عبارتوں کو دیکھنے کے بعد کوئی موقف اختیار فرمایا کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ اپنے مؤقف سے رجوع کرنے کی نوبت کم ہی آتی تھی۔ باطل فرقوں کا رد کرنے کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ کو کئی مرتبہ سبق میں یہ فرماتے ہوئے سنا:

''مولوی صاحب اس طرح سے رد کیا کرو کہ بالکل مکمل ردّ ہو اور اس کے بعد اس باطل فرقہ کو کسی طرف سے کوئی موقع نہ ملے، کہیں پر چھپنے کی، یا کہیں پر کسی قسم کی مزید بات کرنے کی گنجائش نہ ملے، اس طرح سے رد کیا کرو''۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے بھی یہی تھے اور حضرت رحمہ اللہ کا اپنا طریقہ بھی یہی تھا لہذا جن فتنوں کا حضرت رحمہ اللہ نے تعاقب کیا ان کے بارے میں ایسے دلائل بیان فرمائے ہیں اور ایسا مضبوط موقف اختیار کیا ہے کہ اب تک وہ لوگ اس کا صحیح طریقہ سے جواب نہیں دے سکے۔ حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں تواضع وعاجزی بھی اس قدر تھی کہ اگر کبھی اپنے مؤقف کے خلاف کوئی مضبوط دلیل سامنے آجاتی تو چاہے اس دلیل کو لانے والا حضرت رحمہ اللہ سے مرتبہ میں، عمر میں، علم میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہوتا حضرت رحمہ اللہ رجوع کرنے میں دیر نہیں لگاتے تھے، ہم نے دارالافتاء میں سبق کے دوران ایسا دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ کوئی مؤقف اختیار فرماتے، اس کو دارالافتاء کے ساتھیوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ حضرت مفتی رفیق صاحب زید مجدہم اگر اس پر کوئی اشکال اٹھاتے، تو حضرت رحمہ اللہ بعض اوقات اس کا جواب موقع پر دے دیا کرتے تھے اور بعض اوقات اس کو اپنے پاس نوٹ فرمالیتے اور اگلے دن یا ایک دو دن میں اس کے بارے میں کچھ دیکھ کر اس کا جواب ارشاد فرمادیتے، پھر بھی اگر مفتی رفیق صاحب کی طرف سے کوئی مضبوط دلیل سامنے آتی تو حضرت رحمہ اللہ اپنے

مؤقف سے رجوع کرلیا کرتے تھے۔ بڑے حضرات کی بڑی باتیں ہوتی ہیں، حالانکہ مفتی رفیق صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں کی طرح تھے، یہ حضرت رحمہ اللہ کے کمال اخلاص کی نشانی تھی کہ ایک مؤقف کو اپنانے اور اس سے رجوع کرنے میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا۔

دور سے دیکھنے والے حضرت رحمہ اللہ کو بہت سخت سمجھتے تھے لیکن جنہوں نے حضرت رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھا ہے وہ بتا سکتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ اپنے طلبا پر کس قدر شفیق تھے اور حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں کس قدر لحاظ و مروت تھی اور کس قدر شفقت تھی۔

حضرت رحمہ اللہ پر ہمارے اکابر کا یہ ضابطہ بالکل صادق آتا ہے کہ ہمارے اکابر ایسے ہوتے تھے کہ جوان کے جتنا قریب ہوتا تھا وہ ان کا اتنا گرویدہ ہوتا تھا۔(**و من راہ بداھة ھابه و من خالطه معرفة اَحبَّه**)

جتنا ہم حضرت رحمہ اللہ کے قریب ہوتے گئے اتنا ہی حضرت رحمہ اللہ سے تعلق بڑھتا گیا، اور جتنا قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اتنا اتنا حضرت کی بزرگی اور تقوی مزید نمایاں ہوتا گیا اور شخصیت کا نقش ان مٹ ہوتا چلا گیا۔

.....☆☆☆.....

ہمہ جہت کمالات کا نایاب مرقع

مولانا طلحہ جواد صاحب
امام وخطیب نیوی بیس، کراچی

آہ اے موت کہ تیرے ہاتھوں اب ہم استاذ مرحوم حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب کے اسم گرامی کے ساتھ ''رحمہ اللہ تعالیٰ'' اور ''قدس اللہ سرہ العزیز'' جیسی دعائیں لاحق کرنے پر مجبور ہیں۔ آہ کہ اب حضرت استاد جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصور کے ساتھ ''موجود ہیں'' کی طمانیت کی جگہ ''وفات پا گئے'' کا تاسف لے چکا ہے۔ ایک نور تھا جو غروب ہو گیا، ایک ستارہ تھا جو ٹوٹ گیا، ایک شمع تھی جو بجھ گئی۔

حضرت استاد جی رحمہ اللہ کی ذات گرامی جیسی جامع الصفات اور مجمع الکمالات تھی، اسی اعتبار سے حضرت رحمہ اللہ کی جدائی کا غم بھی تہ بہ تہ ہے۔ یہ غم کئی پہلوؤں سے دل فگار اور جگر سوز ہے۔ اپنے اپنے تعلق کی گہرائی اور مضبوطی کے بقدر حضرت رحمہ اللہ سے وابستگی رکھنے والے اعزہ واحباب اور تلامذہ کا جذباتی صدمہ ایک پہلو ہے، دنیا میں اب کبھی ملنے کا امکان نہ ہونے کے ساتھ دائمی جدائی کا طبعی صدمہ ایک اور پہلو ہے، نابغہ عصر شخصیت کے علوم وفیوض سے تلامذہ کی محرومی کا غم ایک علیحدہ پہلو ہے، مقاصد شریعت اور اصول دین کے شناور محقق یگانہ ویکتا کی رخصت کا نقصان بھی ایک پہلو ہے، انتھک مصنف کی جدائی ایک الگ پہلو ہے، فتنہ وروں کی بروقت شناخت کرنے والے اور بھرپور تعاقب کرنے والے محافظ شریعت کا فراق ایک جدا پہلو ہے، فقہی کلیات وجزئیات، اصول وفروع اور قواعد وضوابط سے روشناس نکتہ سنج اور نکتہ ور بیدار مغز مفتی سے محرومی ایک مزید پہلو ہے، ایک عارف ربانی، خندہ برلب وآتش پارہ دردل رکھنے والے باظرف صوفی صافی کی ابدی فرقت ایک مختلف پہلو ہے، بدعملیوں سے تباہ اس دوزخ نما خرابہ عالم میں جو چند قدسی نفوس اللہ رب العزت کی رحمتوں اور عنایتوں کو کھینچ لانے والے ہیں ان میں سے ایک عظیم شخصیت کا اٹھ جانا ایک اور پہلو ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم جیسے کوتاہ نظر جب حضرت رحمہ اللہ کی ذات گرامی کے افاداتی پہلوؤں کا ہی احاطہ نہیں کر سکتے تو آپ کی رخصت سے واقع ہونے والے گھاٹے اور خسارے کا ادراک بھی کیسے کر سکتے ہیں؟ آہ کیسی نیرنگی ہے کہ یہ موت تو ایک ہے لیکن نقصانات بے شمار ہیں۔ یہ موت انسانیت کے بیاباں کو فتنوں اور گمراہیوں کی شب تاریک میں ایک چمکتی دمکتی قندیل رہبانی سے محروم کر گئی۔

اللہ والوں کا معاملہ ہمیشہ سے ہی ایسا عجیب رہا ہے کہ ان کی زندگی تو خلق خدا کے فائدے سے عبارت ہوتی ہی ہے،

بعد از وفات ان کے احوال وافعال اور آثار وعادات کے تذکرے بھی چراغِ راہ ہوتے ہیں۔ حضرت استاد جی رحمہ اللہ بھی ایسی ہی صاحب کرامت شخصیت ہیں کہ آپ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک نقش نشانِ منزل ہے اور آپ کی کتابِ زیست کا ایک ایک ورق نصابِ ہدایت ہے۔ آپ کی زندگی کے کسی بھی دور کو دیکھ لیا جائے، آپ کی شخصیت کے کسی بھی پہلو کو دیکھ لیا جائے اور کسی بھی معیار پر پرکھ لیا جائے، فلاح وسعادت کے نئے معیار وضع ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ ان تذکار مبارک میں کسی بھی صورت میں مشغول ہونا اس عالم ربانی کے نقوش تابندہ سے رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے ہی ہونا چاہیے۔ البتہ اس سلسلے میں یہ اعتراف پہلے قدم پر ضروری ہے کہ اس عاجز راقم السطور کی یہ اوقات ہرگز نہیں کہ یہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے محاسن وکمالات کو شناخت کرنے کا بھی دعوی کر سکے۔ ایک اندھا اگر سورج کی وضاحت کرنے لگے تو سنی سنائی کے علاوہ جو کچھ بھی کہے گا، ہذیان ہوگا۔ ایک کوتاہ نظر، کم عقل، کم فہم حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے کمالات کو دیکھے گا ہی کیسے، اور سمجھے گا ہی کتنا، پھر اظہار سے عاجز رہ جانے والا ان کمالات کا بیان کیسے کر پائے گا؟ کہاں حضرت رحمہ اللہ کی طویل وعریض اور عمیق علمی خدمات، عملی کمالات، حسنِ ظاہر وباطن سے آراستہ دل کش ودل آویز شخصیت، کہاں مجھ ایسا کور چشم، بے بہرۂ علم وادب جسے نہ کسی خوبی سے کوئی نسبت، نہ کسی کمال کو شناخت کرنے کی کوئی لیاقت، نہ بیان کرنے کا سلیقہ۔ اس تذکارِ مبارک کو قلم بند کرنے کا تقاضا بھی احباب نے اس عاجز سے کافی عرصہ قبل فرمایا تھا، لیکن اپنی حیثیت کے پیش نظر ہمت نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے ساتھ محبت رکھنے والوں میں اپنا نام درج کروانے کی غرض سے یہ کوشش کی ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ راقم کی خطاؤں سے درگذر فرما کر حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے ذکر سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش فرمائیں۔

عزیمت کی نایاب مثال

حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے کارناموں کی بنیاد آپ کا وہ حیرت انگیز فیصلہ اور اس پر استقامت ہے جب آپ نے ڈاکٹر بن جانے کے بعد مولویت کو اختیار فرمایا۔ یہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ کی ایسی بے مثال کرامت اور اس کرامت پر استقامت ہے جس کا ثانی تلاش کرنا کارے دارد۔ کیا یہ کوئی چھوٹی بات ہے کہ ایک ذہین وفطین ایم بی بی ایس ڈاکٹر چند دینی دروس کو سن کر اپنی زندگی کا رخ یکسر بدل ڈالے۔ اس فیصلے کی وقعت وعظمت کا درست اندازہ کرنے کے لیے کچھ تخیل اور تصور سے کام لیا جائے تو شاید حقیقت زیادہ وضاحت سے سمجھ آ سکے گی۔ جب حضرت استاد جی رحمہ اللہ نے اپنی ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کر لی ہوگی تو ظاہر ہے والدین کو اور خاندان والوں کو ان سے وہی امیدیں ہوں گی جو ایک ڈاکٹر سے ہونی چاہئیں۔ یعنی اب یہ ڈاکٹر معاشرے میں مقام ومرتبہ حاصل کرے گا، مال ودولت کمائے گا، سٹیٹس اور کلاس میں بہتری کا سبب بنے گا اور نام بھی کمائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اور یقیناً حضرت استاد جی رحمہ اللہ کو ان امیدوں کا اندازہ بھی رہا ہوگا۔ پھر آپ خود بھی تو عمر کے اس حصے میں تھے جب یہی چیزیں ایک انسان کے لیے زندگی کی سب سے بڑی منزل ہوتی ہیں۔

لیکن ان سارے بندھنوں کو توڑ کر جو انقلاب آپ اپنی زندگی میں لے کر آئے وہ یقیناً بے مثال ہے اور کم از کم فی زمانہ ایسا زہد اختیار کرنے کی کوئی ایک مثال بھی میرے علم میں نہیں ہے۔ ایسی مثالیں تو شاید متعدد مل جائیں گی کہ کسی رئیس ابن رئیس نے معاشی افکار لاحق نہ ہونے کی وجہ سے دینی خدمات کو ہمہ وقتی مشغولیت بنا لیا ہو، اور ایسی مثالیں بھی الحمد للہ کثیر ہیں کہ علماء کرام معاشی تنگی کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے بلکہ اپنا امتیاز جان کر ہمہ وقت تن من دھن سے دینی خدمات میں ہی لگے ہوئے ہیں، لیکن جو راستہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا اس کی کوئی مثال ملنا غالبا بہت مشکل ہے۔ شاید اس موقع پر بہت سے ''سمجھدار'' لوگوں نے حضرت استاد جی رحمہ اللہ کو سمجھایا بھی ہوگا اور نفس وشیطان کی جانب سے بھی ایسے وسوسے آئے ہوں گے کہ طبی خدمات میں مشغولیت کون سا دنیا کا کام ہے۔ یہ بھی تو بڑی عظیم الشان خدمت خلق ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے، پھر دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ اپنے بچوں کو مال و دولت اور سہولت و آسائش فراہم کرنا کون سا دین میں منع ہے؟ اگر میں علم دین کا راستہ اختیار نہیں کر سکا تو اس میں میرا کیا قصور؟ میں نے وہی کچھ تو کرنا تھا جو میرے والدین نے میرے ذمے لگایا تھا۔ ہاں میں اب یہ تلافی کروں گا کہ اپنی اولاد کو ضرور علم دین کا حصول ذمے لگاؤں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن موقع اور اسباب میسر ہوتے ہوئے بھی جس طرح استاد جی رحمہ اللہ نے سارے وساوس کا جال تار عنکبوت کی طرح اڑا کر رکھ دیا اور اپنی ہی نہیں اپنے پورے خاندان کی اور نسلوں کی زندگی کا رخ موڑ دیا وہ بے مثال ہے۔ اپنی زندگی کے اہم ترین موڑ پر حضرت استاد جی رحمہ اللہ نے علوم دینیہ کی خدمت کا راستہ اختیار فرما کر دراصل اپنی فہم وفراست کا بھی بے مثال نمونہ پیش فرمایا اور زہد فی الدنیا کا بھی اعلی ترین معیار قائم فرما دیا۔

اہم ترین بات یہ بھی ہے کہ یہ انقلاب وقتی یا ظاہری حدوں تک نہیں تھا کہ بس ایک بار جیسے تیسے مدرسہ سے سند فراغ حاصل کرتے، دین و دنیا کے اعلی مقامات پر فائز ہونے کی دوہری عظمت کا تاج سر پر سجا لیتے، اور بالآخر اسی معاشی چکر میں گھومتے رہتے جس میں ساری دنیا اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور گھوم ہی رہی ہے۔ بلکہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ نے حقیقتاً اپنی زندگی کا رخ تبدیل کر دیا اور اپنی اعلی ترین صلاحیتوں اور محنتوں کا میدان دین اور علم دین کی خدمت کو ٹھہرایا۔ یعنی آپ مدرسے میں اس لیے نہیں آئے تھے کہ مولویت جو ایک فضیلت کی چیز ہے، اسے حاصل کر کے واپس دنیا میں مشغول ہو جائیں گے، بلکہ آپ دنیا کی حقیقت سے واقف ہو کر، اس کو پس پشت ڈال کر مدرسے میں اس لیے آئے تھے کہ اب اپنی ساری زندگی کمالِ علم وعمل کی اسی بارگاہِ فضیلت میں لگانی اور کھپانی ہے۔ چنانچہ اس کے سارے لوازم اور تقاضے پوری طرح سے نبھا کر دکھا دیے اور اس جادۂ صدق وصفا میں خود کو بتمام وکمال اپنے مقام ومرتبے سمیت فنا کر کے دکھا دیا۔ جب ایک کم عمر اور کم علم بچہ مدرسے میں حصول علم کے لیے آتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اس کی عظمت نہیں بلکہ اس کے سرپرست کی عظمت ہے۔ لیکن ایک برسر روزگار، معاشرے میں مقام ومرتبہ رکھنے والا ڈاکٹر یہی راستہ اپنائے تو یہ اس کی کئی پہلوؤں پر مشتمل عظمت کی دلیل ہے۔ سب سے پہلے تو اسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے یہ راستہ کسی قسم کے خاندانی سماجی

معاشرتی دباؤ پر اختیار نہیں کیا بلکہ یہ خالص اس کا اپنا کارنامہ ہے۔ پھر مدرسے میں داخل ہو کر اول قدم پر یہ جھٹکا برداشت کرنا پڑے گا کہ خود سے کہیں کم عمر طلبہ کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ پھر ایسے افراد کو استاذ تسلیم کرنا ہوگا جن کو اس کے سابقہ ماحول والے لوگ برتر تو کیا، برابر حیثیت کا بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس راستے پر چلتے ہوئے بڑی قربانی اور فنائیت درکار ہوگی، اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے امور ہیں جو اس انقلاب کی عظمت کی دلیل ہیں۔ حضرت استاد جی رحمہ اللہ نے یہ گفتہ و ناگفتہ تمام تقاضے ایسی خوبی سے نبھائے اور اس عمل میں ایسی بے نفسی دکھائی کہ مدرسے میں خود سے کہیں کم عمر طلبہ کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر حصول علم کا سالوں پر محیط صبر آزما مرحلہ پوری خندہ پیشانی سے طے فرمایا۔ اس دوران کہیں کوئی شارٹ کٹ لگانے کی کوشش نہیں کی، اس ٹھیٹھ مولویانہ نصاب کے بوجھل ہونے کی شکایت یا بعض ادق کتب کو غیر ضروری قرار دے کر ان سے پہلوتہی کی کوئی کوشش تو کیا ہوتی، ایسی ایسی کتب اور ایسے ایسے علوم حاصل فرمائے جو علماء میں سے بھی چند بلند ہمت حضرات ہی حاصل کرتے ہیں۔

مجددانہ شان

حضرت استاد جی رحمہ اللہ کا علمی اور فقہی مرتبہ تو فقہاء کرام ہی طے فرمائیں گے کہ آپ فقہاء کے کس طبقے میں شمار ہونے کے لائق ہیں لیکن یہ راقم السطور اتنا ضرور جانتا ہے کہ آپ جیسے مجمع البحرین عبقری صفت مردانِ علم وفن، تاریخ علم میں ارزاں و عام ہرگز نہیں ہیں۔ ایک جانب تو روایاتِ علم وآداب دینیہ کی ایسی پاسداری فرمائی جو ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اور دوسری جانب آپ نے بے بنیاد روایات کو محض عقیدت اور خوش گمانی کے پردے میں ملفوف ہونے کی وجہ سے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ روایاتِ دینیہ کی پابندی کا کمال یہ ہے کہ انتہائی متدین ومحتاط، زیرک و ہوشیار اور متصلب و بیدار مغز اساتذہ کرام نے خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو منصب افتاء پر فائز فرمایا اور پھر اس منصب کی لاج آپ نے یوں نبھائی کہ آپ کا اسم گرامی تحقیق و دیانت اور فتاوی کی حقانیت کا استعارہ بن گیا۔ یہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ کا ہی اعجاز ہے کہ اپنے عمل سے واضح کر کے دکھا دیا کہ عجز وانکسار کی صفاتِ طیبہ کے ساتھ ادائے فرض کے لیے اعلان حق کا فریضہ کیسے جمع ہوتا ہے۔

اصول وفروع کی کامل رعایت

علماء ربانی کا ایک خاص امتیاز جمع بین الاضداد رہا ہے جس کا ایک خاص مظہر احکامِ شریعت کو اسرارِ طریقت کے ساتھ پوری نزاکت واحتیاط کو نبھاتے ہوئے جمع کرنا ہے۔ یہ امتیاز بھی حضرت استاد جی رحمہ اللہ کو حاصل تھا لیکن آپ کو خالص علمی اور فقہی لحاظ سے یہ کمال ایک اور پہلو سے حاصل تھا۔ یعنی ایک جانب تو اصول دین اور اصول شریعت پر ایسا عبور حاصل تھا کہ اس باب میں استاذ الکل اور مرجع الانام کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن دوسری جانب ایک متصلب مفتی کی حیثیت

میں آپ نے ہمیشہ فقہی جزئیات کا احاطہ اوران کی مطلوب پیروی کی روایت بڑے اعلی معیار پر برقرار رکھی۔ چنانچہ حسب اقتضاء کبھی تو آپ کی اجتہادی وتحقیقی شان اس طرح نمایاں ہوتی کہ معرکۃ الآراء اور نئے، اچھوتے مسائل کو دلیل کے ساتھ یوں حل فرماتے کہ مجالِ اختلاف باقی نہ رہتی۔ کبھی تصلب واحتیاط کا تقاضا ہوتا تو اپنی ذات کی نسبت سے مسئلے کی عبارت مرتب فرمانے سے بھی پرہیز فرماتے اور حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی آپ کے مسائل اوران کا حل کے حوالے سے مسائل بیان فرمانے میں بھی کوئی عار نہ ہوتی۔ آپ کا علمی ذخیرہ ان دونوں شانوں کی متعدد نادر مثالوں سے مزین ہے۔

فنائیت و بے نفسی

یوں تو حضرت استاد جی رحمہ اللہ کی شخصیت کا ہر پہلو دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہے لیکن اپنے سارے کمالات کے اوپر جس خوبی سے آپ نے فنائیت کا پردہ ڈال رکھا تھا، وہ سب سے بڑا کمال تھا۔ اپنی ہر ہر ادا اور ہر ہر انداز آپ میں اسی سادگی، فروتنی، بے نفسی اور اسی عجز وانکسار کا مرقع تھے جو بڑے بزرگوں کے تذکروں میں پڑھتے آئے ہیں اور جسے دیگر علماء حقانی کے ہاں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اہل نظر کے ہاں تو یہ ایسی ضروری چیز ہے جس کے بغیر سارے کمالات ہی بے فائدہ رہ جاتے ہیں۔ راقم السطور کی پہلی حاضری تخصص کے داخلہ امتحان کے سلسلے میں ہوئی۔ مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے پہلے سے رہنمائی بھی فرمادی تھی کہ اصول فقہ کی اصطلاحات کو تازہ کرلو، ان میں سے استاد جی رحمہ اللہ سوال کر لیتے ہیں۔ لیکن اس عاجز کو کبھی اصول کی کتب پڑھتے ہوئے بھی وہ اصطلاحات ازبر نہ ہوئی تھیں تو اب کہاں سے یاد ہوتیں۔ خیر، شامی کی عبارت سنا کر فارغ ہوا تو حضرت استاد جی رحمہ اللہ نے نص کی دلالت کی اقسام میں سے کوئی قسم دریافت کی کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ میں نے جواب میں کچھ عبارت سی گھڑ کر سنادی۔ اس پر استاد جی رحمہ اللہ نے جو تبصرہ ارشاد فرمایا وہ اب کبھی بھولتا نہیں ہے۔ فرمایا:

''بھئی کچھ سمجھ نہیں آئی''۔

داخلہ امتحان کے لیے آئے ایک جاہل کے غلط جواب تک کو یہ نہیں فرمایا کہ کیا حماقت ہے، کیا کہہ رہے ہو، تم نے یہ غلط بتایا ہے وغیرہ بلکہ اس غلط جواب کو گویا ایک عبارت قرار دے کر اس کی غلطی کو تعبیر کی صعوبت کے مرادف قرار دیا اور درگذر سے کام لیا۔ اس حسن سلوک کا منشاء سوائے طبعی وشرعی حیاء اور عجز وانکسار کے کیا ہوسکتا ہے۔

طبیعت پر بے مثال گرفت

یہ نقشِ اولیں تھا، ازاں بعد تو دو برس جو حضرت رحمہ اللہ کے پاس زیر درس رہ کر گزارے، ہر دن حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے محاسن کی ایک نئی شان کے ظہور کے ساتھ طلوع ہوتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے محبوب استاد مولانا

یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا ایک خاص وصف بتکرار ذکر فرمایا ہے کہ بڑی سے بڑی علمی تحقیقات اور معرکۃ الآراء مسائل کو نہایت سادہ لہجے میں اور معمولی انداز میں بیان فرمادیا کرتے تھے۔ ہم نے اس وصف کو حضرت استاد جی رحمہ اللہ میں مجسم دیکھا اور جانا کہ یہ کیسا نادر و نایاب وصف ہے۔ انتہائی اہم معرکۃ الآراء تحقیقات و مسائل وغیرہ بیان کرتے ہوئے اپنے لہجے اور آواز تک میں فرق نہ آنے دیتے۔

مجسم سادگی

اسی سلسلے کی ایک خاص ادا آپ کے ظاہر کی سادگی بھی تھی۔ باطن میں جیسے کمالات حاصل تھے اور جیسا مقام بلند رکھتے تھے، ظاہر میں اتنا ہی سادہ و بے تکلف انداز تھا۔ اس قدر سادہ اور مٹے ہوئے تھے کہ بغیر تعارف کے دیکھنے والا آپ کو نہ ڈاکٹر سمجھ سکتا تھا نہ عالم۔ انتہائی سادہ اور عام کپڑے اور طرز کا کرتہ زیب تن فرماتے تھے جس میں کسی رنگ اور خاص وضع کا التزام تک نہیں تھا۔ چال ڈھال اور نشست و برخاست سے عاجزی اور انکساری پھوٹتی تھی۔ تکلف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اپنے تلامذہ و خدام تک کو ہدیے کا بدل عطا فرمایا کرتے تھے۔ اعمالِ دین اور خدمتِ علم میں فنا ہو چکے تھے اور ہر گفتگو اسی رخ پر مڑ جاتی تھی۔ حضرت استاد جی رحمہ اللہ کی سادگی کے کچھ خاص مظاہر سے ہم خدام بہت لطف لیتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ بنگلہ دیشی سفید ٹوپی سر پر لیتے تھے۔ اور عموماً جب بھی تشریف لاتے تو کہیں نہ کہیں سے اس میں ایک ڈینٹ ہوتا ہی تھا۔ یہ ادا ہم سب کو بہت محبوب تھی اور اس کی نقل کر کے خود کو ایک دوسرے کے سامنے گویا استاد جی رحمہ اللہ باور کرواتے تھے۔ اسی طرح کبھی آپ سر کھجاتے تو ٹوپی تھوڑا ماتھے پر آجاتی۔ اس کی بھی ذوق وشوق سے نقل کی جاتی تھی۔ آنکھوں پر بھنوؤں کے بال کبھی بڑھ جاتے تو ان کو برابر کرنے کی فکر نہیں فرماتے تھے۔ مونچھیں غالباً مشین کے ذریعے بالکل صاف کرتے تھے [اخیر میں کرتے تھے ورنہ ہمیشہ قینچی سے کتری ہیں]۔ سر کے بال ہمیشہ برابر رہتے اور موٹی مشین سے تراشے گئے ہوتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ محض اطراف میں باقی رہ گئے تھے۔ البتہ بالوں کی ترتیب ایسی تھی کہ جب سر پر ٹوپی ہوتی تو اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ٹوپی کے نیچے بال نہیں ہیں۔ اس لیے کبھی ٹوپی اتارتے تو ہم خدام اس منظر سے بھی بہت لطف لیتے تھے۔

وقار و محبوبیت

مفتی صبیح الحسن صاحب نے ایک بار فرمایا تھا کہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ میں وہ وصف بھی نمایاں ہے جو حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی کی نسبت سے سیرت میں معلوم و معروف ہے، یعنی جو آپ کو پہلے پہل دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا اور جب گھل مل کر معاملہ ہوتا تو محبت کرنے لگتا۔ یہ عاجز راقم السطور اس تجربے سے اچھی طرح گذرا ہے۔ بلکہ پہلے پہل تو مجھے حضرت رحمہ اللہ سے زیادہ مناسبت ہی نہیں تھی۔ اللہ رب العزت نے دورۂ حدیث شریف میں جامعہ دارالعلوم کراچی

میں شرکت کی نعمت نصیب فرمائی تھی اور انہی دنوں ۱۴۳۰ھ میں اسلامی یا غیر سودی بینکنگ پر ہمارے محبوب استاذ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی مساعی اور ان پر دیگر علماء کے نقد اور گرفت وتبصرہ وغیرہ کا سلسلہ چل رہا تھا، ہم فطری طور پر حضرت شیخ الاسلام صاحب کے ہی متبع تھے۔ جب کہ استاد جی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی ناقدین میں شامل تھے۔ اس لیے ابتداء میں بس یونہی مارے باندھے چلتا رہا، لیکن پھر رفتہ رفتہ محبت اور عقیدت بھی پیدا ہوگئی۔

علمی رسوخ اور گہرائی

آپ رحمہ اللہ کو کبھی اس فکر میں نہیں دیکھا کہ اپنے علم کی دھاک بٹھادیں یا وسعت معلومات کا رعب قائم کردیں۔ جس چیز کا علم نہ ہوتا بڑی ہی سادگی سے لاعلمی کا اظہار فرمادیا کرتے تھے۔ اپنے تلامذہ وخدام سے سوال کرنے میں قطعاً ہچکچاہٹ نہ ہوتی۔ جب کوئی بات عرض کی جاتی تو بسا اوقات جواب میں یہ فرماتے دوبارہ کہو، پھر کہو۔ بات سن کر اس پر غور فرماتے، کچھ خاموش رہتے اور پھر اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔ حضرت استاد جی رحمہ اللہ کو ہزاروں کتب اور ہزاروں علماء کے نام تو ازبر نہ تھے لیکن ایک ناقابل شکست اور مثالی جذبۂ تحقیق ضرور حاصل تھا۔ اس باب میں وہ استقامت حاصل تھی کہ بڑے بڑے معرکۃ الآراء مسائل کو پانی کر کے رکھ دیا۔ ہمارے سامنے بھی یہ واقعہ بارہا پیش آیا کہ کسی مسئلے پر بالکل ابتداء سے غور وفکر شروع فرمایا۔ نہ تو ابتداء میں یہ حجاب ہوا کہ اپنی لاعلمی کو چھپائیں، اور نہ ہی لاعلمی کی وجہ سے اس مسئلے سے پہلوتہی فرمائی۔ رفتہ رفتہ اس پر تحقیق کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور بالآخر وہ مسئلہ اور موضوع ایک نادر تحقیق اور کتاب کی صورت میں افادہ عام کے لیے امت کو تحفے میں عنایت فرمادیا۔

دل کش ودل ربا شخصیت

تدریس کے لیے تشریف لاتے تو بسا اوقات ابتدائے درس سے قبل کسی ایک ساتھی کو غور سے دیکھتے۔ جس سے اسے اندازہ ہوجاتا کہ آج عبارت وغیرہ پڑھنے کے لیے مجھ سے فرمائیں گے۔ اکثر اوقات یہ اندازہ درست ثابت ہوتا۔ ایک عجیب دل کش ودل ربا شخصیت تھی کہ جس کی ایک ایک ادا سے عقیدت بھی تھی اور محبت بھی۔ متعدد لوگوں سے یہ بات سننے میں آئی کہ جب قریب سے دیکھا جائے تو بہت سے بڑے سمجھے جانے والے لوگ اتنے بڑے نہیں ہوتے جتنے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت استاد جی رحمہ اللہ کے بارے میں سچ یہی ہے کہ جتنا قریب سے آپ کو دیکھا اتنا ہی اپنا بونا پن واضح ہوا اور استاد جی کی بلند قامتی کا پہلے سے بڑھ کر یقین حاصل ہوا۔

بے نفسی کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ خود ڈاکٹر ہونے کے باوجود ہومیو پیتھک علاج بھی اختیار فرمالیتے تھے۔

طبیعت کا ایک خاص رنگ یہ بھی تھا جس کے پیش نظر آپ کو ''درویش خدامست'' بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک جانب تو انتہائی کوشش اور محنت سے اپنے طلبہ کی تعلیم کی فکر فرماتے تھے لیکن کبھی کسی سے اس طرح وابستہ نہیں ہوئے کہ اس کے گھریلو

حالات کے بارے میں چھان پھٹک کی ہو۔

تلامذہ کی فقہی تربیت

اپنے تلامذہ کی تربیت کے لیے فقہی مذاکرہ آپ رحمہ اللہ کی تعلیم کا ایک خصوصی باب تھا۔اس کی دو امتیازی خصوصیات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ایک تو یہ کہ اپنے تلامذہ کو اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کی تربیت دیتے تھے اور اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔یہ نازک عمل اس خوبی سے انجام دیتے کہ طالبعلم فقہی آراء اور اقوال کا مقارنہ اور مقابلہ اور قوی وضعیف میں فرق کرنا تو ضرور سیکھ جائے لیکن خودرائی اور علمی غرور سے ہرگز آلودہ نہ ہونے پائے۔یہ نادر صفت کس نزاکت اور احتیاط سے تربیت کا تقاضا کرتی ہے،اس کا اندازہ اہل فن ہی کر سکتے ہیں۔مذکورہ احتیاط کے ہم رکاب،اس مذاکرے کا دوسرا نادر وصف یہ تھا کہ اپنے تلامذہ سے اپنی رائے تسلیم کرنے کا مطالبہ تک نہیں فرماتے تھے۔اگر کوئی طالبعلم چند حوالوں سے اپنی کوئی رائے پیش کرتا تو جہاں گنجائش ہوتی،مقابلے،مناقشے اور تغلیط وتصحیح کی الجھنوں سے دامن بچا کر صاف یہ ارشاد فرما دیتے:''ہاں یہ بھی ایک رائے ہوسکتی ہے۔اگر تم چاہو تو اسے اختیار کرلو۔''

امت کے اجتماعی مسائل پر نظر

ہر صاحب درد کی طرح امت مسلمہ کے اجتماعی اور عمومی حالات پر بھی غور فرماتے تھے اور اپنے منصب کے پیش نظر ان معاملات پر اپنی خاص رائے بھی رکھتے تھے۔آپ کی آراء فقہی جزئیات اور فلسفہ شریعت کا ایک حسین مرقع ہوتی تھیں اور ان سے معاملات کے بارے میں پوری رہنمائی بھی حاصل ہوجاتی تھی ساتھ ہی شریعت کا تقاضا اور تکوینی فیصلوں پر سر تسلیم خم کرنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوجاتا تھا۔مدارس کی تعلیم کے بارے میں فرماتے تھے کہ دیوبند کی روایتی فکر سے تو ہم اب ہٹ گئے ہیں،ندوہ والی جدت پسندی کو اپنا چکے ہیں۔ایک موقع پر بچوں کی تعلیم وتربیت اور سکول کی تعلیم دلوانے یا نہ دلوانے کے بارے میں حضرت نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اس بارے میں کوشش کرنی چاہیے کہ خود بھی تربیت کی ذمہ داری اٹھائی جائے اور سکول تو بھیجا جائے کہ اس سے مفر نہیں،لیکن اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو گھر پر دینی اور روایتی اقدار کی تعلیم دینے پر بھی بھرپور توجہ دی جائے اور محنت کی جائے۔

حضرت استاد جی رحمہ اللہ کی یہ مبارک داستانِ حیات وہ سب کچھ بتاتی ہے جو فلاح وہدایت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔آپ نے جس جادۂ مستقیم کو اپنا کر کہکشاں بنا دیا ہے اس پر چلنے کے لوازم میں جو اہم عناصر ہم جیسے کم نظر بھی پہچان کر بیان کر سکتے ہیں،یہ ہیں:

(۱) ظاہر وباطن کی کامل اصلاح۔

(۲) ہمہ جہت طبعی توازن اور راست فکری۔

(۳) ہمت مردانہ۔

(۴) پیہم محنت وجستجو۔

(۵) تحقیقی ذوق

(۶) علی وجہ البصیرت حاصل ہونے والا دینی ومسلکی تصلب۔

اللہ سے دعا ہے کہ حضرت استاد جی رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور امت کو ان کی خیروں سے مستفید ہونا نصیب فرمائے۔آمین

.....☆☆☆.....

چند متفرق نقوش وتاثرات

مولانا عاطف کرامت صاحب
نافع، لاہور

بندہ کو دینداری کا شوق اس وقت ہوا جب بندہ ایم ایس سی (MSC) کے سلسلے میں امریکہ میں مقیم ہوا۔ بے دینی کے اس ماحول میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی بعض عرب اور ہمارے علماء ومشائخ کی صحبت میسر آئی، تبلیغ والوں کے پاس بھی کچھ وقت بیٹھنے کا موقع ملا۔

پاکستان آکر مشائخ تصوف اور تبلیغ کے حضرات کی مزید صحبتیں نصیب ہوئیں تا آنکہ بندہ نے والد صاحب کی دعا اور اپنے شیخ اول رحمہ اللہ کی توجہ کی برکت سے لمز (Lums) یونیورسٹی کی تدریس سے استعفیٰ دے دیا اور باضابطہ مدرسہ کا طالب علم بن گیا۔

طالب علمی کے زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک دومرتبہ جانے کا موقع ملا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا بے پایاں فضل متوجہ ہوا اور بندہ مدینہ منورہ میں مقیم اکابر اور سلف صالحین کی نشانی حضرت مولانا عبدالقادر متقی صاحب مدظلہم کی خدمت میں پڑھنے کے لیے حاضر ہوگیا اور تین سال ادھر ہی رہا۔ اس کے بعد موقوف علیہ والے سال میں جامعہ مدنیہ جدید میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی چند بار زیارت کرنے اور صحبت میں مزید بیٹھنے کا موقع ملا۔

اس کے بعد جب ادارہ ''نافع'' کا قیام ہوا تو بار بار حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہا۔ ۲۰۱۰ء میں دورہ حدیث شریف کے بعد عربی سیکھنے کے لیے مزید ایک سال مدرسہ ابن عباس کراچی میں لگایا۔ اس سے اگلے سال حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس تخصص کے داخلے کی خواہش پیدا ہوئی، مگر ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ داخلہ کا امتحان خود لیتے تھے، اور طلباء سے عبارت اور مضمون کی غلطی پر سخت گرفت فرماتے تھے۔ مگر ساتھیوں کے ہمت دلانے پر بندہ نے داخلہ کا امتحان دیا اور بحمد اللہ بندہ کا داخلہ ہوگیا۔ تخصص کے دوران حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ''الاشباہ والنظائر'' کی عبارت پڑھنا بندہ کے ذمے لگائی۔ ایک دفعہ عبارت کی غلطی آئی تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ''مولوی صاحب'' کہہ کر تنبیہ فرمائی، اس کے علاوہ شفقت ہی غالب رہی۔

دوران تعلیم بندہ کو کمر درد کا عارضہ لاحق ہوا تو بندہ سبق میں کرسی پر بیٹھنے پر مجبور ہوا، اس دوران حضرت رحمہ اللہ کی

فرشی نشست ہوتی تھی اور بندہ کی کرسی والی مگر پھر حضرت رحمہ اللہ بھی عذر کی وجہ سے کرسی استعمال فرمانا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد بندہ کو ایک اور عارضہ لاحق ہوا کہ دوران سبق کبھی نیند یا غنودگی کا حملہ ہوتا مگر حضرت رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت نے کبھی اس پر ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ حضرت رحمہ اللہ اختیاری اور غیر اختیاری امور کا فرق اور اس کے مطابق گرفت فرماتے تھے۔ ہر ایک کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کا انداز قطعاً نہ تھا۔

دیندار طبقے کے مختلف الخیال افراد سے بندہ کا واسطہ پڑتا رہتا ہے، ایک طبقہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو قدامت پسند، سخت مزاج، جامد اور متشدد شخصیت کا مالک سمجھتا ہے، مگر بندہ جوں جوں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے قریب ہوا یہ سب تاثرات ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئے۔

جب ادارہ ''نافع'' قائم ہوا تو ماضی کے بعض واقعات کی وجہ سے علماء اور مفتی حضرات بہت محتاط رویہ کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ مگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ہر طرح کی حوصلہ افزائی فرمائی اور چھوٹے سے چھوٹے انتظامی یا شرعی مسئلہ میں اپنی پوری توجہ عنایت فرمائی۔

شرعی مسائل میں بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حتی الوسع ''یُسر'' والے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے کئی مسائل میں افتاء بمذہب الغیر اختیار فرمایا۔ نافع میں ہسپتالوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ آیا تو حضرت اس مسئلے کے حل کے لیے بہت متفکر رہے چنانچہ اپنے احباب کے ساتھ کئی مجالس میں اس پر مناقشہ ہوا اور تحریریں بھی لکھیں۔

اس کے بعد تعلیم کے میدان میں ''احیاء'' کے نام سے محنت شروع کی تو پھر بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ نافع میں ادارے کا طریقہ کار اور تمام انتظامی امور بہت جلد واضح ہو گئے۔ مگر ''احیاء'' میں ہم خود اپنی سمت اور کام کی جہت متعین کرنے میں سرگرداں رہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مختلف اوقات میں بار بار سوالات فرماتے رہے، اصولی باتیں ارشاد فرماتے اور کوشش فرماتے کہ طریقہ کار طے ہو جائے اور بہت واضح ہو جائے لیکن کبھی بھی اشارتاً یا کنایۃً حوصلہ شکنی نہیں فرمائی بلکہ دلچسپی کا اظہار فرمایا۔

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مسائل بہشتی زیور'' کا ایک صفحہ انگریزی ترجمے کے لیے دیا۔ بندہ نے جلد ہی ترجمہ کر کے پیش کر دیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پسند فرمایا۔ بظاہر حضرت رحمہ اللہ ترجمہ کروانا چاہ رہے تھے مگر شاید میری مصروفیات وغیرہ کو دیکھ کر اسے موقوف فرما دیا۔ پھر دوبارہ یہ بات سامنے نہ آئی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے بچوں کی شادی میں مدعو کیا، کئی بار کھانے پر بلایا۔ غرض محبت اور شفقت کا برتاؤ ہماری حیثیت سے بڑھ کر کیا۔

اپنی زندگی اور آج کل کے نوجوان دیندار طبقے کے حالات کو دیکھنے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کو دیکھا تو چند سبق حاصل کیے۔

۱۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ڈاکٹر بننے کے بعد مدرسہ کی زندگی میں آئے مگر دیر سے آنے کو عذر لنگ نہ بنایا اور محنت وکوشش فرما کر ملک کے چیدہ مفتی حضرات کی صف اول میں شامل ہوگئے۔اپنی علمی ترقی کا یہ سفر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی شام کے اوقات کی ملازمت، گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی تعلیمی تربیت کے ساتھ ساتھ سرانجام دیا اور عملی مصروفیات کو علمی دلچسپیوں پر حاوی نہ ہونے دیا۔

۲۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ڈاکٹری لائن سے آئے اور آخری عمر تک اس سے وابستہ بھی رہے مگر اس کے باوجود زہد، قناعت، سادگی کا عجیب نمونہ تھے۔سادگی تو ایسی تھی کہ بہت سے دیندار حلقوں میں اس کا تصور بھی محال ہے۔آج بہت سے نوخیز اہل علم بھی دنیا کی ظاہری چمک سے متاثر ہورہے ہیں۔

۳۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بہت یکسوئی سے اپنے شعبہ میں محنت فرمائی۔ جلسے جلوسوں میں جانے کا معمول نہیں تھا، یکسوئی سے فقہ، فتویٰ، تدریس، تالیف اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تو چوٹی کے مفتی بنے اور کئی اہم کتب تصنیف و تالیف فرمائیں، اور اہم فتاویٰ جاری کیے۔

آج اس یکسوئی کا مزاج کم نظر آتا ہے حالانکہ یکسوئی بفضلہٖ تعالیٰ کامیابی کا زینہ ہے۔اسی یکسوئی، محنت اور زہد نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔

.....☆☆☆.....

تاثرات

مولانا فرحان عاطف صاحب
نافع، لاہور

استادِ محترم حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں بعض لوگوں کی سرسری واقفیت کچھ غلط فہمیاں پیدا کر دیتی تھی، لیکن جن لوگوں نے حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ کچھ وقت گذارا ہے انہیں بخوبی اندازہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ انتہائی مخلص، مشفق اور گہرا علم رکھنے والے باعمل انسان تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے عوام الناس اور اہل علم ہر دو طبقوں کے لیے بہت سی دینی خدمات سرانجام دیں بالخصوص دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کو اعتدال پر قائم رہنے کے لیے بہت ہی جامع اور مؤثر انداز میں رہنمائی فرمائی، اس سلسلے میں حضرت رحمہ اللہ کی قیمتی تصانیف شاہدِ عدل ہیں۔

تبلیغی کام کی تفصیلات کے حوالے سے اگرچہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی ایک رائے رکھتے تھے، اس کے باوجود تبلیغی علماء کرام و دیگر احباب سے حضرت رحمہ اللہ کے بارے میں بارہا نیک جذبات اور اچھے تاثرات سننے اور دیکھنے کو ملے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور ہم تلامذہ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

.....☆☆☆.....

کچھ خوشگوار تاثرات

مولانا شہریار الٰہی صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقوی، لاہور

پہلی زیارت اور حیران کن تاثر

پہلی دفعہ میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی زیارت اس وقت کی جب میں الہلال مسجد میں درجۂ اولیٰ میں پڑھتا تھا۔ مجھے اگر کوئی نہ بتاتا کہ یہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہیں تو شاید مجھے پتا بھی نہ چلتا۔ چونکہ ہم دنیاداری کے ماحول سے آئے ہوئے تھے یعنی سکول کے ماحول سے تو وہاں کے بڑوں کا تصور یہ تھا کہ دنیا کے اعتبار سے چیزوں کی بڑی ریل پیل اور فراوانی ہوگی لیکن جب حضرت رحمہ اللہ کو دیکھا تو ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب کے ساتھ موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جس پر ایک گدی پڑی ہوئی تھی مدرسہ سے گھر کی طرف جارہے تھے۔ مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھ کر بڑا عجیب لگا کہ ان کا پاکستان کے بڑے مفتیوں میں شمار ہوتا ہے لیکن ان کی زندگی اتنی سادہ ہے یہ کیسے مفتی ہیں!

تلمذ کا تعلق

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بندہ کا تین سال کا تلمذ کا تعلق ہے ایک سال دورہ حدیث کا جس میں حضرت رحمہ اللہ سے ہم نے ''مسلم شریف'' پڑھی اور پھر دو سال تخصص کے بھی حضرت مڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ انتہائی سادہ مزاج کے انسان تھے ہمیشہ با مقصد اور مختصر گفتگو فرماتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت ایک بارعب شخصیت تھی۔ کبھی کبھار مدرسہ سے گھر پہنچانے کی سعادت مجھے ملتی تو راستے میں، میں کچھ نہ کچھ حضرت رحمہ اللہ سے سوال جواب کرتا رہتا تھا۔ جن کے حضرت رحمہ اللہ مناسب حال اور بڑے نپے تلے اور ٹو دی پوائنٹ جوابات دیتے تھے۔

انتہائی گہری بصیرت

حضرت رحمہ اللہ سے قریب کے تعلق سے پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ انتہائی سخت مفتی ہیں اور ان کے ہاں مسئلوں میں کوئی گنجائش اور لچک نہیں ہوتی لیکن میں نے یہاں آ کر بالکل برعکس پایا۔ حضرت ڈاکٹر

صاحب رحمہ اللہ انتہائی پریکٹیکل آدمی تھے اور ان کے سوالوں کے جواب بھی انتہائی پریکٹیکل ہوتے تھے اور ان سے بات کر کے کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ ان کو سائل کے سوال کی سمجھ نہ آئی ہو یا سائل کی نوعیت اور مجبوری سمجھ نہ آئی ہو، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جو معاشرے اور خارجی چیزوں سے بخوبی واقف تھے اور جواب بہت گہرائی سے دیتے تھے۔ جب بھی میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کوئی سوال کیا تو انہوں نے کبھی بھی فوراً جواب نہیں دیا بلکہ حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا تھوڑی دیر کے بعد جواب ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ بہت کم بولنے والے تھے۔ مجھ سے اکثر میرے والد صاحب کی صحت کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا روحانی مقام

میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو صرف بطور استاد اور مفتی ہی جانتا تھا اور مجھے ایسا لگتا تھا کہ باقی یعنی دوسرے دینی شعبوں (بالخصوص تصوف وطریقت) سے حضرت رحمہ اللہ کا کوئی زیادہ تعلق نہیں لیکن بیماری کے ایام میں جب حضرت کی عیادت کے لیے جانا ہوا تو دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ ایک مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف کے میدان میں بھی خاص مقام رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں زمزم لے کر حاضر ہوا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے خادم سے فرمایا:

''اس کو اٹھائیں بھی اکرام کے ساتھ اور اس کو دیکھیں بھی اکرام کے ساتھ۔ اللہ تعالی سب کے حق میں اس کو نافع اور بابرکت بنائیں''۔

پھر فرمایا:

''انہوں نے ہم غیر مستحق لوگوں کا اکرام کیا، اللہ تعالی ان کو بہت بہت اجر عطا فرمائیں، اور ان کے والد کو بھی، ان کے گھروں میں اللہ تعالی اپنا علم خالص داخل فرمائیں، ویسے یہ حضرات تو ماشاءاللہ عبادات میں خاصے آگے بڑھ جاتے ہیں چلو علم میں بھی اللہ تعالی ان کو آگے بڑھا دیں یہ کسی کی اجارہ داری تو ہے نہیں اللہ کی مرضی ہے جس کو چاہے دے دے۔

جب یہ باتیں سنیں تو مجھے بڑا عجیب لگا میں نے اس سے پہلے کبھی حضرت رحمہ اللہ سے ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اکثر کسی سوچ میں رہتے ہیں۔

جدائی کی خبر

۲۲ جون کو رائیونڈ مرکز میں جب میں نماز ظہر پڑھ کر فارغ ہوا تو میسج آیا ہوا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب انتقال کر گئے ہیں طبیعت پر ایک عجیب سا بوجھ تھا ہم تین مہینے بیرون جماعت کا سفر شروع کر چکے تھے۔ جنازہ کی اطلاع ملی کہ رات گیارہ (۱۱) بجے ہوگا ہم رائیونڈ سے مغرب پڑھ کر نکلے مگر پہنچتے پہنچتے تاخیر ہوگئی جس کی وجہ سے جنازہ گھر سے اٹھ چکا تھا مجھے بڑا

افسوس ہوا کہ اب میں استاد جی رحمہ اللہ کی زیارت نہیں کرسکوں گا بہرحال دل میں طلب تھی اور خواہش تھی ہوایوں کہ جیسے ہی جنازہ کے بعد میت کو ایمبولینس میں ڈالا گیا تو میں بھی ساتھ ایمبولینس میں داخل ہوگیا میرے ساتھ اور بھی بہت سارے لوگ داخل ہوئے لیکن مفتی عبدالقیوم صاحب نے ایک ایک کر کے سب کو باہر نکال دیا اور مجھ سے کہنے لگے تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے ان سے کہا کہ میں ادھر ہی رہنا چاہتا ہوں بہرحال ایمبولینس کا دروازہ بند ہوا اور ایمبولینس قبرستان میانی شریف کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں مولانا ولایت اللہ صاحب نے استاد جی رحمہ اللہ کے ایک رشتہ دار جو ایمبولینس میں ساتھ تھے ان سے کہا کہ یہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں وقت میں چل رہے ہیں رائیونڈ سے دیر سے پہنچے ہیں جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی زیارت نہ کر سکے لہذا ان کو حضرت رحمہ اللہ کی زیارت کرادیں تو انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر مجھے زیارت کرائی استاد جی رحمہ اللہ کا چہرہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا۔ بڑا پرسکون چہرہ لگ رہا تھا۔ اللہ تعالی ان کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض سے مستفید فرمائے اور ان کی خوبیوں سے آراستہ فرمائے۔ آمین **یا رب العالمین بوجھک الکریم وبحق محمد نبی الامیین آمین.**

.....☆☆☆.....

مخلص وگمنام ہستی

مولوی طارق کامران صاحب
مخصص جامعہ دارالتقویٰ

میں نے جب جامعہ مدنیہ جدید میں ۲۰۰۹ء کو درجہ اولیٰ میں داخلہ لیا تو اس وقت پہلی مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ استاد محترم شیخ الحدیث سید محمود میاں صاحب مدظلہ سے سنا۔ ۲۰۰۹ء سے پہلے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ جدید میں دورہ حدیث شریف کی کچھ کتب پڑھاتے تھے لیکن پھر بیماری کی وجہ سے جامعہ مدنیہ جدید میں پڑھانے کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ جب دورہ حدیث شریف سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد تخصص فی الفقہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کتابیں اور مضامین پڑھنے کا موقع ملا، جن میں رسالہ ''تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام'' لابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ''فقہی مضامین''، ''اسلامی صکوک''، ''جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن'' اور دیگر کتابیں شامل ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ جب بھی اکابرین کی رائے سے اختلاف کرتے، نہایت ہی ادب اور علمی طریقے سے کرتے تھے اور کبھی بھی کسی بزرگ یا عالم کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے جن سے بے ادبی یا ہلکے پن کا اشارہ ملتا ہو۔ ایک دفعہ شعبان المعظم کے مہینے میں دورہ صرف ونحو کے موقع پر استاد محترم مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم طلباء کو دینی کتابوں کے آداب ارشاد فرما رہے تھے اور فرمایا کہ میں جب جامعہ مدنیہ قدیم میں پڑھتا تھا تو اس وقت حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سائیکل پر جامعہ مدنیہ قدیم پڑھنے کے لیے آتے تھے اور میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھتا کہ کتابیں ہمیشہ سامنے رکھتے تھے، سائیکل پر ہینڈل کے آگے ایک ٹوکری لگا رکھی تھی کتابیں اس میں رکھتے تھے، پیچھے نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ استاد جی! کبھی آپ کو کسی جلسے میں تقریر یا کبھی جمعہ پڑھانے کا موقع ملا ہے تو ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے یکسو رکھا اور اپنے آپ کو چھپا کے رکھا، بس صرف پڑھانے اور تصنیف کے کام سے اپنے آپ کو جوڑے رکھا۔ حضرت رحمہ اللہ کی اس قدر علمی کامیابی وکامرانی کے پیچھے یہ یکسوئی اور یک گیر ومحکم گیر کا اصول کارفرما تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علم وعمل میں ایسا اخلاص ویکسوئی نصیب فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

حضرت کی خدمت میں

مولوی نعمان صاحب
متخصص دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

حضرت رحمہ اللہ کی پہلی زیارت اس وقت ہوئی جب میں جامعہ مدنیہ جدید میں دورۂ حدیث شریف پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ کے ہاں تخصص میں داخلہ ہوا، دو سال کے دوران حضرت رحمہ اللہ سے مختلف کتابیں اور مضامین پڑھنے کا موقع ملا۔ جن میں ''رسائل ابن عابدین''، ''شامی''، ''تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام''، ''فقہی مضامین''، ''اسلامی صکوک''، ''جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن'' اور ''عمار خان کا نیا اسلام'' اور دیگر مختلف مضامین شامل ہیں۔ ان سالوں میں حضرت رحمہ اللہ تخصص کے بنیادی اسباق اپنے تلامذہ کو سپرد فرما چکے تھے۔

میں دو سال کے بعد تیسرے سال میں صبح کے وقت تجوید پڑھتا تھا اور ظہر کے بعد دارالافتاء میں تمرین کرتا تھا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت کافی خراب ہوگئی اور کمزوری بڑھ گئی۔ رفقائے دارالافتاء نے اصرار کر کے حضرت رحمہ اللہ سے خدمت کی اجازت لی اور خدمت کے لیے قرعہ فال بندہ کے نام نکلا تو بندہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا اور اپنی سعادت سمجھ کر اس خدمت کو کیا۔ دوران خدمت چند باتیں مشاہدہ میں آئیں۔

۱۔ حضرت رحمہ اللہ کو نماز کی بہت فکر ہوتی تھی، تمام نمازوں کو شروع وقت میں ادا فرماتے تھے جیسے ہی اذان ہوتی فوراً گھر پر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، پھر عصر کی نماز کے بعد عام طور پر تھوڑی دیر کے لیے قرآن پاک کی تلاوت یا تفسیر کا مطالعہ فرماتے اور چند دن بندہ کو ''دین کا کام کرنے والوں کے لیے چند ضروری باتیں'' کتاب پڑھائی۔ اتنی دیر میں گھر کی طرف سے چائے آجاتی اور ساتھ میں بسکٹ وٹوسٹ ہوتے تھے۔

۲۔ حضرت رحمہ اللہ بندہ سے کھانے کو بار بار فرماتے تھے ''یہ لو بھائی، یہ کھالو''۔ ایک دن بندہ کے انکار کرنے پر خوش طبعی سے فرمایا: ''کھالو جوان آدمی ہو کھاؤ گے نہیں تو کام کیسے کرو گے؟''۔

۳۔ دوران بیماری حضرت رحمہ اللہ اکثر تفسیر یا ''چمنستان ختم نبوت'' کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے۔

۴۔ حضرت رحمہ اللہ کافی کمزوری اور سخت بیماری کے باوجود بھی بڑے پیارے، نرم اور شائستہ انداز سے گفتگو فرماتے تھے۔ مثلاً کسی چیز کی طلب ہو تو فرماتے: ''قرآن پاک دیجیے، کتاب دیجیے، پانی دیجیے''۔

۵۔ حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو ہم کوئی بھی سوال کر سکتے تھے۔ سوال کا بڑی تسلی سے جواب دیتے تھے، یہ

نہ فرماتے کہ یہ باتیں کیوں پوچھ رہے ہو۔ایک دن دوران گفتگو فرمایا: ''امتحانات میں کبھی نقل نہیں کی، پھر جو بھی نتیجہ آیا اس پر کوئی افسوس نہیں ہوا اور اللہ کے فضل وکرم سے اچھے نمبروں سے ہی پاس ہوتا رہا۔''

۶۔حضرت رحمہ اللہ سے سخت بیماری میں بھی جب پوچھتے تھے کہ کیا حال ہے؟ تو فرماتے تھے: ''اللہ کا شکر ہے''۔

۷۔حضرت رحمہ اللہ کی بیماری بتدریج بڑھتی گئی۔ایک وقت آیا کہ حضرت رحمہ اللہ بیٹھنے سے قاصر ہوئے، پھر کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے لیکن بات کر سکتے تھے، اور بات کا جواب بھی دے سکتے تھے چنانچہ گفتگو فرماتے رہتے تھے۔پھر وقت آیا کہ ہم حضرت کی بات سننے کے لیے بھی کافی دیر تک ترستے رہتے تھے۔

۸۔حضرت رحمہ اللہ کو جب بے چینی زیادہ ہوتی، یا رات کو نیند نہ آتی تو جب ہم قرآن پاک یا کوئی کتاب پڑھ کر سناتے حضرت پرسکون ہو جاتے۔ایک دفعہ مجھے یاد ہے کہ میں قرآن پاک سنا رہا تھا پھر میں مسجد میں نماز پڑھنے گیا جب واپس آیا تو حضرت کی اہلیہ نے پردے میں بتایا کہ آپ نماز سے پہلے کچھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔حضرت بار بار کہہ رہے تھے کہ ''آگے پڑھو' لہذا آپ حضرت کے پاس جائیں اور دوبارہ پڑھنا شروع کریں۔میں پھر حضرت کے پاس گیا اور دوبارہ قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔

۹۔مرض الوفات میں حضرت رحمہ اللہ ڈاکٹر ہسپتال میں داخل رہے۔جمعرات والے دن ڈاکٹروں نے داخل کر دیا تھا، جمعہ والے دن حضرت کے پاس جانا ہوا۔حضرت رحمہ اللہ کی حالت یہ تھی کہ لمبے لمبے سانس لے رہے تھے، اندازہ یوں ہو رہا تھا کہ حضرت کے آخری سانس چل رہے ہیں۔رات کو تقریباً گیارہ بجے میں واپس مدرسہ میں آ گیا کیونکہ رات کو بھائی انعام اللہ حضرت رحمہ اللہ کے پاس ہوتے تھے۔ہفتہ کی صبح حضرت رحمہ اللہ کے پاس جانے سے پہلے مفتی رفیق صاحب کو کان میں بتا دیا کہ ہمارے لیے اہلخانہ کی طرف سے ہدایت ہے کہ کسی کو از خود حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت نہیں بتانی لیکن آپ کے علم میں ہو کہ حضرت مفتی صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔مفتی رفیق صاحب اور دیگر رفقاء دارالافتاء ظہر کے وقت حضرت مفتی صاحب کی زیارت کے لیے تشریف لائے اور زیارت ہوگئی، واپس مدرسہ تشریف لے جا رہے تھے کہ دوبارہ ان کو اطلاع ملی کہ حضرت رحمہ اللہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ گیا ہے۔ظہر کے بعد کا وقت تھا اور ہفتے کا دن تھا، عصر کے وقت غسل دیا گیا، رات کو گیارہ بج کر پندرہ منٹ پر نماز جنازہ ادا ہوگئی، ۱۹ شوال ۱۴۴۰ھ/ ۲۲ جون ۲۰۱۹ء کو سپرد خاک کر دیے گئے اور یوں حضرت رحمہ اللہ ہم سے رخصت ہو گئے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کی خدمت میں ضرور کمی کوتاہی ہوئی ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرما دیں۔آمین یارب العالمین

.....☆☆☆.....

چند طالب علمانہ سوالات

مولوی عُزیر خان صاحب
شعبہ اختصاص، جامعہ دارالتقویٰ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہمارے نہایت شفیق ومہربان استاذ تھے۔حضرت رحمہ اللہ کا نام بندہ نے ثانیہ والے سال سنا اور زیارت بھی تب ہی ہوئی ہم لوگ ظہر کی نماز کے لیے (پرانی الہلال مسجد میں) نیچے اترے تو ایک طالب علم ساتھی نے بتایا یہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (رحمہ اللہ) ہیں۔حضرتؒ اس وقت ظہر کی نماز کے لیے پرانے وضو خانے میں وضو فرما رہے تھے۔حضرتؒ کا عام معمول ظہر کی نماز اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنے کا تھا۔مگر کبھی کبھار الہلال میں بھی ظہر کی نماز ادا فرما لیتے تھے۔

بعد کے سالوں میں حضرتؒ کی دور سے زیارت ہی ہوتی رہی۔دورے والے سال (۱۴۳۸ھ) حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔''مسلم شریف'' کا سبق پڑھنے کے لئے ہم دارالافتاء حاضر ہوتے تھے۔ہماری خوش قسمتی کہ ایک دن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج سبق نہیں ہوگا، غالباً مطالعہ نہیں فرمایا تھا۔اب تم چاہو تو چلے جاؤ اور چاہو تو بیٹھے رہو۔بندہ کو خیال ہوا کہ فی الحال حضرتؒ کی کوئی اور مصروفیت بھی نہیں ہے تو حضرتؒ کے پاس بیٹھنے کا اچھا موقع ہے، ساتھیوں سے مشورہ کے بعد ہم وہیں بیٹھے رہے۔تھوڑی دیر بعد ہم نے حضرت رحمہ اللہ سے ان کی اجازت سے سوالات کرنا شروع کیے۔یہ سوالات تب کے لحاظ سے اگرچہ بہت سنجیدہ تھے مگر اب کسی حد تک (چاہے انداز کے لحاظ سے ہی سہی) بچگانہ معلوم ہوتے ہیں۔لیکن حضرت رحمہ اللہ کی بے نفسی اور کمال انکساری کہ حضرت رحمہ اللہ نے کسی سوال کو سطحی کہہ کر مسترد نہ فرمایا بلکہ ہر سوال پوری سنجیدگی سے سنا اور اس کا پورے وقار اور ذمہ داری کے ساتھ جواب عنایت فرمایا۔حسن اتفاق سے یہ استفساری مجلس یا انٹرویو ریکارڈ ہو گیا تھا۔اب سنا تو اندازہ ہوا کہ یہ ایک علمی امانت ہے جسے حضرت رحمہ اللہ کے محبین کی نظروں سے اوجھل رکھنا روا نہیں۔چنانچہ من وعن (کسی حد تک جملوں کی تقدیم وتاخیر کے ساتھ جو کہ تحریر کا لازمہ ہے) پیش خدمت ہے:

سوال: استاذ جی آپ دینی اداروں کی تقریبات میں کیوں شرکت نہیں کرتے؟

جواب: اس عمر میں ان جگہوں پر جانے کی ہمت نہیں اور دوسری بات یہ کہ زیادہ مزاج بھی نہیں اور ایک اور بات ہے کہ ایک

جگہ جاؤں گا تو دس جگہ بلایا جاؤں گا۔ (اس پر سب ساتھی بشمول حضرت رحمہ اللہ ہنسنے لگے)۔

سوال: لیکن استاذ جی یہاں یعنی الہلال مسجد میں تو آپ آتے ہیں تو تقریب میں شرکت کرنے میں کیا حرج ہے؟

جواب: بس ویسے ہی طبیعت ہی ایسی بنی ہے کہ اسی میں (نہ جانے میں) ہی عافیت سمجھتا ہوں۔

سوال: آپ تو دوسری لائن یعنی ایم بی بی ایس کرنے کے بعد اس لائن (یعنی مدارس دینیہ) میں آئے ہیں لیکن ہم میں سے اکثر لڑکے یہاں مدارس میں پڑھ رہے ہیں لیکن وہ دوسری لائن یعنی کالجز یونیورسٹیوں میں جانا چاہ رہے ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اب تو باقاعدہ مدارس میں یہ ترتیب جاری کر دی گئی ہے کہ وہ ایف اے، بی اے بھی کرا رہے ہیں تو جب مدرسے ہی یہی ترتیب رکھیں گے تو پھر کسی کو کہنے سننے کو کیا رہ گیا ہے۔ ویسے بظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں چلانا مشکل کام ہے اثر ضرور پڑتا ہے، دونوں چیزوں پر اثر پڑتا ہے، کمی رہ جاتی ہے۔

سوال: استاذ جی! اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ہر کسی پر، ہر کسی پر نہیں تو اکثریت پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: کیا لکھا ہے؟

عرض: استاذ جی! یعنی کوئی بات آپ کے سامنے آتی ہے تو اس پر باز پرس کی جاتی ہے۔ ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے نیا کام بھی کرے اور دوسروں پر تنقیدی مضامین بھی لکھے کسی نے آپ کے بارے میں کہا تھا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے علاوہ انہوں نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ (سب لڑکے اور استاذ جی اس بات پر ہنس پڑے) اس کا کوئی خاص پس منظر ہے یا پھر کوئی بات سامنے آجاتی ہے تو اس پر لکھ دیتے ہیں؟

جواب: (مسکراتے ہوئے) بھئی! یہ الزام تو بڑا بھیانک ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کی ہے، تابعین رحمہم اللہ پر تنقید کی ہے، تبع تابعین رحمہم اللہ پر تنقید کی ہے؟ (حالانکہ ایسا تو نہیں ہے)۔

عرض: بندہ نے عرض کیا کہ یہ تو کسی نے کہا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے لیکن پھر بھی اس کا کوئی خاص پس منظر ہے یا پھر کوئی بات سامنے آتی ہے تو لکھ دیتے ہیں یعنی جب ضرورت محسوس کرتے ہیں لکھ دیتے ہیں؟

جواب: بس ایک تو آدمی کا ذہن چلتا ہو، اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا ذہن ان چیزوں میں نہیں چلتا، لہذا ان کو دلچسپی نہیں ہوتی ہمارا ذہن چل جاتا ہے اس لیے پھر دلچسپی بھی ہوتی ہے کہ اچھا بھائی یہ بات غلط لکھی ہے اس کی نشاندہی تو کرنی چاہیے، یہ بات ہوتی ہے۔ نشاندہی کرنے کے لئے پھر یہ ہوتا ہے کہ پورا مسئلہ ہی بعض اوقات بیان کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہاں! اس انتظار میں نہیں ہوتا کہ کوئی شکار ہاتھ آجائے (اس پر محفل ہنسی سے کشتِ زعفران بن

گئی) دانستہ طور پر کسی کو شکار بنایا جائے اور پھر اس کے خلاف زبردستی کچھ لکھا جائے ایسی بات نہیں ہے۔

سوال: جب قاری تلاوت کرتے ہیں تو تلاوت کے دوران مثلاً قاری صاحب ''**الحمدلله رب العلمين**'' پڑھ کر رکتے ہیں تو درمیان میں اونچی آواز سے سب کو جوش آتا ہے وہ ''سبحان اللہ'' کہتے ہیں۔ استاذ جی ایسا کرنا ٹھیک ہے؟

حضرت: کیا کرتے ہیں؟ اشارہ کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کہو؟

سائل: بس سب کو جوش آتا ہے تو سب کہتے ہیں ''سبحان اللہ''، ''ماشااللہ''، ''اللہ اکبر'' تلاوت کے درمیان میں ایسے کرتے ہیں ہمارے ہاں تو عموماً رواج بن چکا ہے کہ تلاوت کے درمیان ''سبحان اللہ''، ''ماشااللہ'' کہتے ہیں۔

سوال: یہ تو کہنے والے کی نیت پر ہے کہ وہ کیسے کہہ رہا ہے دل کے اندر اثر زیادہ ہوا ہے اس کی وجہ سے بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے، باقی اس کے بارے میں تو زیادہ کچھ ذہن میں نہیں ہے۔

سائل: کیا یہ اس میں تو نہیں آتا کہ ''**واذا قرء القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون**''.

حضرت: حسب عادت کچھ توقف کے بعد ابھی میں نہیں کہہ سکتا۔ پھر فرمایا: بھائی! یہ مسئلے وسلے (دارالافتاء کے رفقاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا): یہ باہر کا جو کمرہ ہے ناں وہ مسئلوں والا ہے۔ (اس پر سب ہنسنے لگے)

میں نے اب لوگوں کو بہت سے مسئلے بتانے چھوڑ دیے ہیں۔ کیونکہ نہ تو اتنی ہمت ہے اور نہ ہی دیکھنے کا موقع ملتا ہے کہ مسئلوں کو دیکھا جائے اور کتابیں کھنگالی جائیں۔

سوال: آپ کو تو شاید اندازہ ہوگا کہ ہم اکثر لڑکے جس بیک گراؤنڈ سے آئے ہیں وہ تبلیغی جماعت کا ہے، بعض دفعہ ایسے سننے کو ملتا ہے کہ آپ کو تبلیغ کے حوالے سے کچھ تحفظات ہیں۔ پانچ چھ سال پہلے کی بات ہے میں نے سنا کہ آپ مفتی رفیق صاحب سے فرما رہے تھے کہ آپ تبلیغ کو شریعت کے احکام میں کیا حیثیت دیتے ہیں؟ فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، یا مستحب ہے؟ یعنی یہ مروجہ طریقہ جو ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: بھائی ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دین کا کام ہے، کرنا چاہیے۔ بس بات ختم۔ جو کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں بس یہ کہا ہے ہم نے۔ یا یہ تھا کہ آدمی بیوی بچوں کو چھوڑ کر چار مہینے سے زیادہ نہ جائے کوئی ترتیب اور بنا لی جائے بس اتنی بات کہی تھی لیکن یہ کہ جو چار مہینے کے لئے جاتا ہے یعنی زیادہ کے لئے جاتا ہے تو اس کو ہم روکتے نہیں کہ تم نہ جاؤ۔ تمہیں بھیجنے والے خود مجتہد ہیں جو جا رہے ہیں جو بھیج رہے ہیں تم جا رہے ہو تم مجتہد ہو تو ٹھیک ہے بھائی قربانی تو دے رہے ہیں۔ باقی یہ کہ مسئلہ کے اعتبار سے اتفاق ہو یا اختلاف ہو یہ ایک علیحدہ چیز ہے لیکن یہ ہے کہ ہم کسی کو کام سے روکتے نہیں۔ بعضوں نے کہا کہ جی تم سال کے لیے جو نکلتے ہیں ان کو روکتے ہو۔ میں نے تو کسی کو کبھی نہیں روکا بلکہ جو لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سال کے لیے جا رہے ہیں، ہم کہتے ہیں اچھا بھائی تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو بہت اچھی بات ہے ضرور جاؤ، تمہاری قربانی ہے۔

سوال: اس زمانے میں دین کے جو کام ہیں آپ کے خیال میں ایسی کونسی شکل ہے مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو صورت تھی اس کے مطابق ہوسکتا ہے کوئی بھی شکل نہ ہو ممکن ہے ایسی صورت موجود بھی ہو تو آپ کے خیال میں موجودہ شکلوں میں سے کون سی شکل ایسی ہے؟

جواب: سبھی ضرورت کی چیزیں ہیں صورتیں جتنی بھی ہیں سبھی ضرورت کی ہیں جو جس کو کرسکتا ہے وہ اس کام کو کرلے۔

سوال: تخصص کے حوالے سے ایک یہ بات پوچھنی تھی کہ ہمارے ہاں جیسے تخصص فی الفقہ کا ٹرینڈ چل پڑا ہے وہ لڑکے کہتے ہیں کہ دو سال تک اور پڑھنا ہے تو یہ سب کو کرلینا چاہیے؟

جواب: بھائی! بات یہ ہے کہ مفتی کا نام چل پڑا ہے کہ بھائی اب کوئی مولوی صاحب جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں جہاں بھی جاؤں گا وہ کہیں گے کہ تم مفتی ہو؟ تو اگر کہیں گے کہ جی مفتی نہیں ہیں تو وہ پہلے ہی جواب دے دیں گے۔ ملازمت حاصل کرنے کے لئے مفتی کے لئے دو سال بھی گوارا کرلیتے ہیں ورنہ اس طرح سے مفتی وُفتی کیا بننا ہے۔ ہر ایک کے اندر تو نہ وہ دلچسپی ہوتی ہے اور نہ صلاحیت ہوتی ہے اور یہ بات ایسی نہیں ہے، بعض لوگ دھوکہ بھی دیتے ہیں ایک دفعہ ایک صاحب آئے ان کو ڈھنگ سے عربی بھی نہیں آتی تھی ہم نے جامعہ مدنیہ میں شروع شروع میں فقہیات کے نام سے ایک کلاس شروع کی تھی لیکن ہوا یہ کہ جو اصل طالب علم تھے وہ تو دوران سال شروع میں ہی غائب ہوگئے، ایک رہ گیا اس کو عربی کی کوئی معرفت ہی نہیں تھی اسے کہا کہ اچھا بھائی! چلو جو بھی ہے، اللہ کی مرضی تم اردو میں ہی کچھ پڑھ لو تمہارا کچھ بھلا ہو جائے گا۔ انہوں نے اردو میں ہی چند مہینے پڑھا۔ اب وہ بڑے کامیاب جا رہے ہیں کیونکہ مفتی کا لقب بھی انہوں نے استعمال کرلیا ہے۔ جس پر ہمارے رشید میاں صاحب ایک دفعہ مجھ پر ناراض ہوئے۔ ایک دفعہ کیا زیادہ ہی ناراض ہوئے ہوں گے کہ تم نے یہ مفتی کا نام اسے دے دیا ہے، میں نے کہا کہ ہم نے تو کبھی ان کو داخلہ افتاء میں دیا ہی نہیں ہے، ان کا داخلہ ہم نے فقہیات میں کیا تھا اور یہ بات پیش آ گئی۔ لیکن ان کو اس کا بڑا شکوہ رہا کہ یہ تم اردو کی کتابیں پڑھاتے ہو اور کہتے ہو یہ مفتی بن گیا ہے۔ اب چند مہینے کسی نے اردو کی کتابیں پڑھ لیں اور مفتی کہلوانے لگا تو یہ تو اس کی دیانت کے خلاف ہے ناں، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ بظاہر سند ہو جائے کہ ہم نے یہ کورس کیا ہے یا کورس میں شرکت کی ہے تو ہم مفتی کہلانے کے حقدار ہیں۔ تو بس ایسا ہی ہے۔

سوال: استاذ جی جامعہ مدنیہ سے اس مدرسے (جامعہ دارالتقویٰ) میں آنے کا کوئی خاص سبب ہے یا ویسے ہی (اتفاقاً) یہاں آ گئے؟

جواب: بس کوئی خاص سبب تو نہیں تھا بس وہ رشید میاں صاحب کہتے تھے کہ ہمارے مدرسے کے جو اوقات ہیں ان کی پابندی کرو۔ میں نے کہا کہ بھئی آپ نے اب تک تو مجھے موقع اس طرح سے دیے رکھا کہ جیسے بنا لیا کرلیا۔ اب

جب میری عمر اتنی ہوگئی ہے کہ مزاج بن گیا ہے عادت بن گئی ہے اب آپ یہ کہتے ہیں کہ اس کو تبدیل کرو۔ تو بھئی اب تبدیل ہونا تو مشکل ہے۔ کیونکہ ڈیوٹی بھی میری قریب ہی کی جگہ میں تھی تو صبح میں اس طرح کرتا تھا کہ کوئی ایک آدھ سبق ظہر کے بعد رکھ لیا تھا تو چلو یہاں سے فارغ ہو کر سیدھا ڈیوٹی پر چلا گیا۔ یہ وجہ بنی ہے، ان کا اپنا مزاج تھا ہمارا اپنا مزاج ہے۔ ہمارے مزاج میں شاید کوئی کڑواہٹ ہوگی شاید ان کو بری لگتی ہوگی؟ بس اللہ کا حکم ہی سمجھو، ورنہ میں نے از خود نہیں چھوڑا، کوئی نہ کوئی وجہ بنی تو میں نے چھوڑا۔

سوال: استاذ جی ہر کوئی مدرسے میں پڑھا نہیں سکتا ہر کسی کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا اور دین کا کام تو ہم سارے ہی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ۸ سال سب نے پڑھا ہے۔ تو اس لیے جو مدرسے میں نہیں بھی پڑھا سکتا اس کے لیے آسان سی کوئی شکل پڑھانے کی یا کوئی دین کی خدمت کے حوالے سے؟ (ارشاد فرمادیں)

جواب: ہمارا جو ''فہم دین کورس'' ہے وہ پڑھالے، پبلک کو پڑھائے، اصل کام تو پبلک میں کرنے کا ہے ناں۔ ان میں ایمان اعمال وغیرہ علم کی محنت کرے، ان کی خدمت کرے۔ یہ کورس اس لیے شائع کر دیا تاکہ انتخاب میں دشواری نہ ہو، بعض اوقات یہ الجھن رہتی ہے کہ عوام کو پڑھانے کے لیے کیا اور کیسے کریں۔ لیکن تجربہ یہ ہوا کہ عام طور سے لوگ اس طرح سمجھتے ہیں کہ ۱۵ دن کا کورس ہوگیا، مہینے کا کورس ہوگیا اور بس۔ حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی چیز پائی جاتی ہے کہ اتنے دنوں میں لوگوں نے بڑے فائدے اٹھائے ہیں یہ کورس کیا ہے وہ کورس کیا ہے تھوڑے بہت فائدے کا انکار تو نہیں لیکن حد سے زیادہ اس کو بڑھانا بہت زیادہ بڑھانا مبالغہ ہے۔ [شارٹ کورسز کرانے والے بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ ہم نے موجودہ زمانے کے اعتبار سے عوام کو تعلیم دے دی ہے چنانچہ وہ شارٹ کورسز کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ ش۔ا] یہ ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ میں وہ پڑھا رہا ہوں ''فہم قرآن''، بھئی کتنے دن ہوگئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ ایک ایک بات پہ پندرہ پندرہ دن لگ رہے ہیں حالانکہ ''فہم قرآن'' تو مختصر ہے۔ جب آدمی کسی کام کو صحیح طریقے سے کرے گا ہی نہیں تو وہ ایک طرح سے نقصان کا باعث بن جاتا ہے، لوگوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ کورس پورا کریں تو ان کو ایک سند جاری کر دی جائے، ڈپلومہ جاری کر دیا جائے تب لوگ اس میں دلچسپی لیتے ہیں، ورنہ پھر وہی ہوتا ہے جیسے کہ ایک صاحب کہنے لگے کہ کسی نے پوچھا کہ کورس کب تک ہوگا انہوں نے کہا کہ ہم ختم کرنا ہی نہیں چاہتے، ہم تو اس کو مستقل چلانا چاہتے ہیں۔ تو اس طریقے سے تو کام نہیں ہوا کرتے۔ کام کرنے کا جو بہتر طریقہ ہوتا ہے وہ یہ ہی ہے کہ مدرس کتاب کے اندر ہی محدود رہے۔ جیسے تم یہاں پر کتاب پڑھتے ہو تو کتاب کے اندر تک محدود رہتے ہو ادھر ادھر کی باتیں تھوڑی ہوتی بھی ہیں لیکن وہ زیادہ نہیں ہوتیں۔ ضمناً کبھی کبھی کوئی بات ہوگئی، لیکن جب اپنی ہی تقریر کو اصل چیز بنالیا تو بعض لوگوں کو تو ہوسکتا ہے دلچسپی ہوگی لیکن بہت سوں کو نہیں ہوگی اس طرح پڑھنے والے بھی غائب ہوجائیں گے۔

سوال: آپ کے بارے میں لوگوں سے ہی سنتے رہتے ہیں کہ بڑی عمر میں تعلیم حاصل کی، تھوڑا سا خاکہ سامنے آجائے کہ بڑی عمر میں تعلیم حاصل کی اس سے پہلے ایم بی بی ایس کیا۔ اس میں کچھ باتیں پیش آئی ہوں گی مشکل بھی آئی ہوگی۔

جواب: بس ایک شوق پیدا ہوگیا، شوق کے آگے تو پھر کوئی بھی چیز نہیں ٹھہرتی۔ لیکن اندازہ یہ ہوا کہ اتنا آسان نہیں ہے کشمکش سی پیدا ہوجاتی ہے۔ تعلیم کی حد تک تو دشواری نہیں ہوئی لیکن یہ افتاء کے کام نے چکر میں ڈال دیا ہے۔ سبق پڑھانا تو آسان ہے کتاب دیکھی جا کے سبق پڑھا دیا اور چھٹی ہوگئی۔ اس [افتاء کے] کام میں تو پبلک ڈیلنگ ہے، پبلک ڈیلنگ میں تو پھر اور طرز کا رواج ہے۔ دارالافتاء کا اپنا فون ہوتا تھا موبائل ابھی نئے نئے نکلے تھے تو شوق تو ظاہر ہے ہر نئی چیز کا ہوتا ہے۔ ایک ساتھی سے تذکرہ ہوا تو انہوں نے موبائل لا کر دے دیا اس وقت ۵ روپے کی ایک کال ہوتی تھی اور جو رومنگ کے چارجز تھے وہ بھی لگتے تھے یہ جو ''جاز''، وغیرہ تھے، انہوں نے بہت لوٹا ماری مچا رکھی تھی، یہ تو دوسرے آئے ہیں تو ان کی لوٹا ماری ختم ہوئی ہے۔ [بہرحال] موبائل رکھ لیا تو پھر دھڑا دھڑ [سوالات] شروع ہوگئے خیر چلایا تو سہی کچھ نہ کچھ لیکن یہ ہے کہ دو چیزوں [علمی و تصنیفی کام اور پبلک ڈیلنگ] میں پاؤں اڑانا بہت زیادہ مشکل کام ہے یہ تھوڑی پریشانی کا باعث بنا۔

سوال: استاذ جی پھر شروع شروع میں یہی چلتا رہا؟

جواب: بس مختلف قسم کے کام ہوگئے تو اب اس میں بھی ٹائم دینا پڑتا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ پورا ۴۵ منٹ کا وقت ایک مسئلے میں لگا دیا جائے کہ فری ہینڈ ان کو مل جائے [وہ مفتی سے جو چاہیں پوچھتے ہیں]۔ سائل کو فری ہینڈ دینا تو اپنی بیوقوفی سے اس کو اپنے سر ڈال دینا ہے۔ اس لیے فون پر پبلک ڈیلنگ کے لیے پہلے سے تجربہ نہیں تھا۔ اور کسی نے پہلے سے بات بتائی بھی نہیں تھی [کہ فون پر جواب دینے میں ایسا ہوتا ہے] یہ تو خود پر تجربہ ہوا تو سمجھ آئی۔ اب ہوتا کیا ہے لوگ تہجد کے لیے اٹھے ہوتے ہیں وہ اس وقت فون کرتے ہیں کہ یہ بھی تہجد پڑھ رہا ہوگا (اس پر طلبہ اور استاذ جی ہنسنے لگے)۔

ہم نے فون پر مسائل پوچھنے کے لیے ٹائم دے رکھا تھا رات ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک کا۔ لیکن لوگ آگے پیچھے بھی فون کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ان چیزوں سے فرق پڑتا ہے آدمی ایک ہی لائن میں زیادہ رہے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اچھے کام میں لگایا ہے تو اچھا انجام بھی فرمائے (سب طلبہ کہنے لگے آمین)۔

سوال: استاذ جی یہ جدید فنون آجکل تو ضرورت بن گئے ہیں یہ دارالافتاؤں کی ضرورت بھی بن چکے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ جو بندہ دینی تعلیم حاصل کرے گا دارالافتاء میں بیٹھے گا اس کو اس کی بھی ضرورت پڑے گی تو اس کا کیا طریقہ کار ہونا چاہیے وہ مکمل پڑھے یا پھر صرف جو ضرورت کی چیزیں ہیں ان کی تعلیم حاصل کرے؟

جواب: اب تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور نیٹ پہ بھی ساری سہولتیں ویکی پیڈیا وغیرہ ہیں اس کو دیکھ کر آدمی معلوم کر لیتا ہے اور نہیں تو اب تو کئی ڈاکٹرز نے بھی یہ تعلیم حاصل کر لی ہے ان سے جا کر پوچھا جا سکتا ہے تو لوگ مل جائیں گے ہر لائن سے جن سے معلومات لی جا سکتی ہیں۔

سوال: استاذ جی آپ نے کیا کسی کو اجازت بھی دی ہے کہ یہ بندہ ہے ہماری طرف سے اس کو سند ہے یہ بندہ جو فتوی دے گا وہ ہمارا فتوی سمجھا جائے گا، کیا ایسا کوئی ہے؟

جواب: ابھی تک تو کسی کو نہیں دی۔ اصل اس میں یہ ہے کہ یہاں پر وہ کچھ مزید پڑھے بھی اور زیر سرپرستی فتویٰ وغیرہ دے۔ ہم نے یہ رکھا ہے کہ وہ چار پانچ سال یہاں کام بھی کرے ایک سال اس کو مزید ٹریننگ یعنی دو سال کے بعد دی جائے اس کے بعد وہ پھر دارالافتاء کے لئے کام بھی کرے جہاں پر بھیجیں وہاں چلا جائے، بازاروں میں اور جہاں ضرورت ہو اور اس طرح سے ان کو وظیفہ بھی دیں۔ پانچ سال کے لیے وہ ہمارے دارالافتاء کے خادم ہوں گے۔ خادم سے مراد وہ افتاء ہی کا کام کریں گے یا لوگوں میں جا کے ایک سبق ہی پڑھا لیں کم از کم کاروباری مسائل کا، ہم ان کو ایک مجموعہ دے دیں گے کہ یہ پڑھانا ہے وہ لوگوں کو اردو میں سمجھا دیں گے تو یہ ہے کہ اس طرح سے پڑھانے کے لئے افراد مل جائیں گے اور افتاء کے لیے بھی۔ کتنے ملتے ہیں کتنے نہیں ملتے یہ تو آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ہی پتہ چلے گا کہ کس حد تک کامیاب رہتے ہیں بہر حال کوشش تو یہ ہے۔

سوال: استاذ جی اس کام کے لیے طلباء اپنے آپ کو خود پیش کریں گے یا پھر آپ یہ فرمائیں گے کہ بھائی ایک بندہ ہمیں چاہیے؟

جواب: نہیں ایسی کوئی تحدید نہیں ہے صلاحیت پر ہے بس صلاحیت ہو کہ اس کے اندر صلاحیت کتنی ہے اگر دو سال میں وہ اپنی کمزوریاں دور نہیں کر سکا تو وہ مزید ایک سال میں کیا کرے گا وہ تو ہماری صوابدید پر ہے کہ ہم کس کو داخلہ دیتے ہیں کس کو نہیں دیتے۔ [یہ حضرت رحمہ اللہ کی جانب سے اپنے ہاں ادارے میں اختصاص کے شعبے کی بنیادی سوچ کا بیان تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس شعبے کا اجرا فرما دیا تھا۔ جس کی تفصیلات اسی اشاعت خاص میں ''حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور شعبہ اختصاص'' نامی مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ش۔ا]

اس کے بعد استاذ جی نے اپنے مخصوص دھیمے اور باوقار انداز میں مجلس کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:

"چلو چلتے ہیں"۔

اس کے بعد مجلس ختم ہو گئی۔

جزی الله استاذنا المکرم خیراً کثیراً وغفر له واکرم نزله. (آمین)

.....☆☆☆.....

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے محبوب و معتمد

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ اظہار الاسلام، چکوال

ہم سب کے مخدوم ومحترم، یادگارِ اسلاف، پیکر تواضع، فقیہ وقت، پاسبان مسلک حق حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علم وعمل سے بھرپور ایک نہایت عالی شان، محتاط، متبع سنت اور لائق اتباع زندگی گزار کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات کی وجہ سے بندہ ناچیز کو اُن سے بے حد عقیدت ومحبت تھی۔ اور اس مودت کی وجہ مسلک کے لحاظ سے اُن کی بے مثال پختگی، تصلب اور اکابر اہل سنت دیوبند پر مضبوط اعتماد تھا۔ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہونے کے باوجود بھی مسلک میں ایسی پختگی یقیناً اُن کے لیے من جانب اللہ توفیق خاص تھی۔ اور صرف ڈاکٹر نہیں، مفتی وفقیہ بلکہ اپنے زمانہ کے فقہاء کی صفِ اول میں شمار ہونے کے باوجود مسلک کی اشاعت وحفاظت کے میدان میں بھی گہری تحقیق وانتہائی اخلاص سے مسلسل مصروفِ عمل رہے۔ ورنہ عام طور پر فقہ کے ماہرین اپنے فقہی میدان کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں، دوسرے پہلوؤں کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے اِس میدان میں بھی ماشاء اللہ خوب اور نمایاں کام لیا۔

بندہ ناچیز کو دو مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ ہم ہسپتال میں اُن سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے، میز پر کتب تھیں، جن میں ''بہشتی زیور'' بھی شامل تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بیٹے بھی وہیں تھے، اُن کے سامنے ''شامی'' رکھی تھی، شاید اپنے بیٹے کو کچھ پڑھا رہے تھے، گویا ہسپتال میں بھی علمی ماحول تھا۔ اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا، غالباً ظہر کی نماز تھی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ہی ہم مسجد گئے، سنتیں پڑھ کر حضرت رحمہ اللہ اگلی صف میں تشریف فرما ہوئے۔ میں تو ٹکٹکی باندھ کر اُن کو دیکھتا ہی رہا۔ اُن کی ہر ادا سے تواضع جھلک رہی تھی، ہم سے ملاقات کے وقت بھی انتہائی تواضع سے پیش آئے، مسجد میں آنا جانا، بیٹھنا، نماز پڑھنا سب کچھ دیکھا، سراپا تواضع تھے، گویا ہمیں اُن سے عملی تواضع کا ایک سبق ملا۔

اسی ملاقات میں بندہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ رحمہ اللہ نے حضرت قائد اہل سنت کی زیارت کی ہے؟ کبھی آپ کا

چکوال آنا ہوا؟ فرمانے لگے کہ نہیں! چکوال تو نہیں آنا ہوا، کیونکہ سفر کرنے میں مجھے بہت زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اَب یہ یاد نہیں کہ حضرت قائد اہل سنتؒ سے ملاقات کا ذکر کیا یا نہیں کیا۔

دوسری مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں حاضری ہوئی، مغرب کی نماز وہیں مسجد میں باجماعت پڑھی، بعد ازاں حضرت رحمہ اللہ ہمیں اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ تشریف فرما ہوتے تھے، دائیں بائیں کتب کو دیکھ کر لگتا تھا کہ شاید یہ کتب خانہ ہے۔

اس موقع پر حضرتؒ نے جاوید غامدی اور عمار خان ناصر کے خلاف اپنی تحریرات خود اپنے ہاتھوں سے ہمیں عنایت فرمائیں۔ اس وقت ان کے ہاتھوں میں رعشہ بھی تھا۔ ہمارے حضرت، قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بہت محبت تھی۔ بارہا میرے سامنے حضرت رحمہ اللہ نے اُن کا تذکر کیا، فرمایا کہ: بہت اچھا لکھتے ہیں۔ حضرت (قائد اہل سنت) رحمہ اللہ جس طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے تھے اُس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ البتہ حضرت رحمہ اللہ جب بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے تھے تو لہجے اور انداز سے بے حد محبت جھلکتی تھی، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ حضرت قائد اہل سنتؒ کے ''محبوب'' ہیں۔

اور یقیناً حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے محبت کی وجہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بے مثال مسلکی خدمات ہی تھیں۔ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ خدمات اِس قدر محتاط اور معتدل تھیں کہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ جیسے باریک بین محقق، پھونک پھونک کر قدم رکھنے والے اہل سنت کے قائد، کسی کی تعریف وتنقید میں احتیاط کے دامن کو نہ چھوڑنے والے مصنف، مومنانہ بصیرت اور عالمانہ فراست کے حامل مدبر بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مسلکی تحقیقات پر اعتماد کا برملا اظہار کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بہت سی تحریرات من وعن ماہنامہ ''حق چار یار'' کا حصہ بنیں۔ بعض تحریرات الگ کتابچہ کی صورت میں بھی شائع کی گئیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں:

> ''حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا) رحمہ اللہ کے دفاع میں اُن کے چار خلفاء کی ''داستان عبرت'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا اور شائع کیا جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے کہنے پر ماہنامہ ''حق چار یار'' میں من وعن شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کے فوراً بعد مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کا رجوع نامہ شائع ہوا جو محض دفع الوقتی تھا۔ لہٰذا اس رجوع نامہ کی حقیقت ''داستان عبرت نمبر۲'' کے نام سے لکھ کر شائع کی۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے وہ بھی ''حق چار یار'' میں من وعن شائع ہوا۔''
>
> [ماہنامہ حق چار یار، قائد اہل سنت نمبر: ۵۱۵]

دارالعلوم دیوبند کے سابق مدرس حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی مدظلہ لکھتے ہیں:

''تقویٰ سے علم میں ترقی اور انسان کے اندر حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی قوت اور ایک ایسی روشنی پیدا ہوجاتی ہے جس سے انسان کو راہ نمائی ملتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ر میں اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان: ''وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ'' (اور اللہ سے ڈرو! اور اللہ تمہیں سکھلاتا ہے۔) اور سورۂ انفال کی آیت نمبر ۲۹ر میں اللہ کے اِس ارشاد: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا'' (اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو وہ تمہیں امتیاز کرنے والی قوت عطا کردے گا۔) اور اِسی طرح سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۸ر میں اللہ کے اِس فرمان: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں ایک ایسا نُور عطا فرمائے گا جسے تم لیے ہوئے چلو گے۔) مذکورہ تینوں آیتوں سے مفسرین نے یہ اخذ کیا ہے کہ: تقویٰ سے انسان کے علم میں ترقی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۱۵، آیت نمبر ۲۸۲ر سورۂ بقرہ)۔'' [تفسیر ہدایت القرآن، حرف آغاز: ہ]

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بھی تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ مرتبہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان امتیاز کردینے والی قوت اور حق کی طرف راہ نمائی کرنے والی روشنی عطا فرمائی تھی، جس کی بنا پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ زندگی بھر مختلف فرق ضالہ باطلہ کا تعاقب اور ہر پہلو سے مسلک حق کی اشاعت وحفاظت کا فریضہ پوری بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تمام خدمات کو قبول فرمائیں، ان کے فیوضات کو تا قیام قیامت جاری وساری رکھیں اور ہمیں اور آنے والی نسلوں کو اُن کی تحقیقات وتحریرات سے راہ نمائی حاصل کرنے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

.....☆☆☆.....

قافلۂ حق کے ایک عظیم فرد

مفتی زبیر حسن صاحب
دارالافتاء: جامعہ مدنیہ جدید، لاہور

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امت محمدیہ کا یہ اعزاز اور امتیازی وصف ہے کہ پوری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی یا یوں کہیے کہ امت کا اجتماعی ضمیر کبھی گمراہی پر مطمئن نہ ہوگا۔ عالم اسباب میں اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک جماعت تا قیامت ایسی رہے گی جو دین برحق کو اس کی اصلی حالت پر باقی رکھنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے گی۔ اس جماعت کو کسی چیز کی طمع یا کسی چیز کا خوف وڈر خدا کی راہ میں کام کرنے سے مانع نہ ہوگا۔ اور ایسی ہی جماعت کے افراد کے بارے میں اللہ پاک کے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

ان الله لا یزال یغرس لهذا الدین غرساً.

اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت کے لیے پودے لگاتا رہے گا۔

اور اس جماعت کے افراد کی خصوصیت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''ان کی خصوصی علامت یہ ہوتی ہے کہ دین کے فروغ اور اس میں پیدا شدہ رخنوں کی اصلاح عام، مسلمانوں کی خیر خواہی، ان کو دین کے صحیح راستے پر چلانے کا داعیہ ان کے قلوب میں ایسا رچا ہوتا ہے کہ یہ جذبہ ان کے حوائج ضروریہ انسانیہ کا درجہ لے لیتا ہے۔ ان مقاصد میں کسی جانب سے خلل آتا ہے تو انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا گھر جل گیا، ہم لٹ گئے۔ خدمت خلق اور اصلاح خلق ان کے لیے طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔'' (جواہر الفقہ: ۸/ ۲۵۹)

بندہ کے خیال میں اس جماعت کے ایک عظیم فرد ہمارے مشفق ومحسن استاد حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ جنہوں نے دین برحق کی خدمت، حفاظت اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور عمر عزیز کا اکثر حصہ اسی کام میں گذارا اور یہی دھن ہمہ وقت سوار رہی، بندہ مرض الوفات میں ایک مرتبہ عیادت کے لیے حاضر ہوا تو دیگر باتوں کے ضمن میں فرمایا:

''مخلوق کی خیر خواہی کے لیے کوئی نہ کوئی کام کرتے رہنا چاہیے خواہ کسی بھی شکل میں ہو''۔

حضرت رحمہ اللہ کی اپنی زندگی اس ملفوظ کی عملی شکل نظر آتی تھی کہ ہر وقت کسی نہ کسی خیر کے کام میں مصروف رہتے

تھے۔اور اپنی متاعِ حیات کے چند لمحات بھی رائیگاں نہ فرماتے تھے۔

بندہ کو حضرت رحمہ اللہ کی پہلی زیارت اس طرح ہوئی کہ ایک مرتبہ میں اپنے چچا جان مفتی خلیل الرحمٰن صاحب کے ساتھ لاہور میں تھا۔ چچا فرمانے لگے کہ آج مغرب کی نماز استادِ محترم حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کے علاقے کی مسجد میں ادا کریں گے، اور نماز کے بعد حضرت سے ملاقات کر کے واپس آجائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ مشورے کے مطابق نماز اسی مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد بندہ نے نظر دوڑائی کہ ان نمازیوں میں سے کون حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ہو سکتے ہیں؟ لیکن کسی پر بھی نظر نہ جمی۔ جب اکثر نمازی حضرات چلے گئے تو میں نے چچا جان سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب کون سے ہیں؟ انہوں نے ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کیا جو جسم کے اعتبار سے کمزور، نحیف اور تشہد کی حالت میں بیٹھ کر کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے۔ دیکھنے میں حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت تصورات کے بالکل برعکس لگی۔ کوئی کرّ وفر اور رکھ رکھاؤ نہ تھا۔ سادگی اور عاجزی کا پیکر تھے۔ حضرت رحمہ اللہ دعا سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آگے بڑھ کر سلام کیا، بہت خندہ پیشانی سے ملے (یہ حضرت رحمہ اللہ کی عادت مستمرہ بن چکی تھی)۔ تعارف کرانے پر مزید خوش ہوئے اور ہمیں اپنے ساتھ گھر لے گئے، چائے وغیرہ کے ساتھ تواضع کی۔ مجلس کے دوران بینکاری اور حرمت مصاہرت کے مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ اور جامعہ مدنیہ جدید کے حال، احوال لیتے رہے۔

بندہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل و احسان یہ ہوا کہ کچھ عرصہ حضرت رحمہ اللہ کی صحبت میں رہنے کی اور شرف تلمذ حاصل کرنے کی توفیق ملی۔ جس کی صورت یہ بنی کہ دورہ حدیث کرنے کے بعد حضرت والد صاحب (حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب) دامت برکاتہم کے مشورہ سے تخصص فی الفقہ کرنے کے لیے دارالافتاء والتحقیق [متصل الہلال مسجد] میں داخلہ لے لیا۔ تخصص کا یہ ادارہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے زیر نگرانی تھا اور ۲۰۰۴ء سے حضرت تخصص کے اسباق یہیں پڑھاتے تھے (بیچ میں ایک آدھ سال کا ناغہ بھی ہوا)۔ سال کے آغاز میں پہلے دن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سبق پڑھانے کے لیے درسگاہ میں تشریف لائے اور پوری جماعت پر ایک نظر ڈالی، ہماری جماعت پہلے سالوں کی بنسبت شاید کچھ بڑی تھی اس لیے ابتدائی گفتگو کے بعد فرمایا:

''آج کل تخصص سابقہ اور لاحقہ لگانے کے لیے کیا جاتا ہے۔''

یعنی آج کل تخصص یا اس لیے کیا جاتا ہے کہ نام سے پہلے اور بعد میں کوئی لقب لگ جائے یا اس لیے کیا جاتا ہے کہ امامت وخطابت کے لیے جگہ آسانی سے مل جائے کیونکہ معاشرے میں جس کے پاس مفتی کی سند ہو اس کو ترجیح دی جاتی ہے۔ افتاء کی اہمیت اور اس کی حساسیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تخصص نہیں کیا جاتا اس موضوع پر تقریباً دس سے پندرہ منٹ گفتگو فرمائی۔ یہ سال کا پہلا دن تھا، پھر دو سال حضرت کی خدمت میں مختلف کتابیں پڑھتے رہے۔ [نصاب اور طریقۂ

تدریس کا ذکر امید ہے اسی مجموعے میں کسی جگہ آ گیا ہوگا]۔ آخری دفعہ ہماری جماعت نے ہی حضرت رحمہ اللہ سے تخصص کے مرکزی اسباق پڑھے بعد ازاں اسباق دیگر اساتذہ کے حوالے فرما دیئے۔ تخصص کے دو سال مکمل ہونے کے قریب تھے کہ ایک دن حضرت رحمہ اللہ کو رخصت کرنے کے لیے گاڑی کے پاس کھڑا تھا حضرت رحمہ اللہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اگر تم فتوے کا کام کرنا چاہتے ہو تو ایک سال اور تخصص میں لگا لو، اس کا تمہیں فائدہ ہوگا'' بندہ کا ارادہ تو پہلے بھی تھا لیکن تذبذب تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کے فرمانے کے بعد پختہ ارادہ کر لیا اور تیسرا سال بھی تخصص میں لگایا۔ اس سال میں مفتی شعیب صاحب کی نگرانی میں پہلے علامہ عبدالشکور سالمی رحمہ اللہ کی ''تمہید'' کا اکثر حصہ پڑھا۔ اور پھر ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' سے بیوع، اجارہ، شرکت، مضاربت اور سلم و استصناع کے ابواب پڑھے۔ اس طرح حضرت رحمہ اللہ سے براہ راست اور زیر سایہ اللہ تعالیٰ نے بقدر ظرف استفادہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

تخصص کے دوسرے سال خماسی کے امتحانات کی چھٹیوں میں بندے کی شادی تھی۔ میں نے حضرت مفتی شعیب صاحب کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں جا کر ولیمے کی دعوت دی تو حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا ولیمہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ گاؤں میں ہے۔ تو مسکرا کر فرمانے لگے: بھائی ہمارے بڑے تو ہمیں گاؤں سے شہر لے کر آئے تھے تم پھر گاؤں جانے کی دعوت دے رہے ہو۔ یہ فرما کر حضرت رحمہ اللہ نے شفقت فرماتے ہوئے دعوت قبول فرمالی اور کمال ذرہ نوازی کا مظاہر کرتے ہوئے بیماری اور ضعف کے باوجود ولیمے پر تشریف لائے۔

آخری دنوں میں جب حضرت رحمہ اللہ بیمار تھے چند بار عیادت کے لیے جانا ہوا، جب تک ہوش و حواس سلامت تھے تو پاس بیٹھنے والوں کو کوئی نہ کوئی خیر کی بات ارشاد فرماتے رہتے تھے، ایک مرتبہ یہ بات خاص طور پر ارشاد فرمائی کہ

''بیان میں اپنی طرف سے کوئی بات کرنے کی بجائے بزرگوں کی باتیں نقل کرنا زیادہ بہتر ہے، اس میں ہر طرح سے عافیت رہتی ہے۔''

آخری ملاقات میں جبکہ نسیان کا عارضہ لاحق ہو چکا تھا میں نے جا کر سلام کیا تو سلام کا جواب دیا، بھائی نعمان [مفتی صاحب کے خادم] نے میرا تعارف کروایا اور کہا یہ آپ کے پاس پڑھتے بھی رہے ہیں۔ مجھ سے پوچھا: کہاں پڑھا ہے؟ میں نے کہا الہلال مسجد، لیکن ''ہاء'' کو اس کے مخرج سے صحیح طرح سے ادا نہ کیا، اس پر حضرت رحمہ اللہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا کہ ''لفظ ''الحلال''، نہیں ''الہلال'' ہے، تعجب ہے کہ ایسے حال میں بھی اصلاح احوال و الفاظ کی جانب توجہ قائم تھی۔ بس یہ آخری ملاقات تھی اس کے بعد پھر حضرت رحمہ اللہ کی آواز مجھے سننے کو نہ ملی۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مغفرت کاملہ فرما کر درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

چند متفرق یادیں

مولوی محمد ابوبکر لاہوری
فاضل جامعہ دارالتقویٰ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا نام تو طالب علمی کے ابتدائی زمانے سے سن رکھا تھا۔ گاہے گاہے زیارت کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا تاہم باضابطہ تلمذ کی سعادت دورۂ حدیث والے سال حاصل ہوئی۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے پاس ''مسلم شریف'' حصہ اول پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد کی چند یادیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہلکی ہلکی بارش ہوتے ہوتے تیز ہوگئی ہم ابھی ''مسلم شریف'' کا سبق پڑھ کر فارغ ہو رہے تھے کہ دفعتاً دارالافتاء کا دروازہ کھلا اور سامنے گاڑی میں پر رونق نورانی چہرے والے بزرگ نظر آئے، خدام نے حضرت کو اٹھا کر ویل چیئر پر بٹھایا اور دارالافتاء کے اندر استاذی سیدی ومولائی فقیہ العصر حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے پاس لے آئے انہوں نے آ کر سلام کیا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی ان کو دیکھ کر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔ سلام کے بعد بزرگوں نے کہا: حضرت! آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ تقریبا بیالیس سال سے مدینہ منورہ میں ہوں۔ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مشرقی جانب میں میرا قیام ہے جہاں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ تشریف لائے تھے۔ حضرت شیخ شاہ یعقوب رحمہ اللہ تعالی بھوپال کے بزرگ تھے، وہ میرے شیخ تھے۔ جن کے ملفوظات مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے ''صحبتے با اہل اللہ'' کے نام سے جمع فرمائے ہیں اور مجلس نشریاتِ اسلام سے مطبوع ہو چکے ہیں۔ یہ مہمان بزرگ، بھائی ذکی صاحب مدنی تھے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ان کا بہت اکرام فرمایا۔

۲۔ شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالی کے شاگرد حضرت الاستاذ الاصولی الادیب الناقد الباحث المحدث مولانا عبدالحلیم نعمانی چشتی دامت برکاتہم کے پاس بنوری ٹاون میں بندہ تخصص فی الحدیث کی کلاس میں بیٹھا تھا کہ حضرت چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مجھ سے فرمایا: کیا نام ہے تمہارا..... کیا کرتے ہو تم..... کہاں سے ہو تم..... میں نے عرض کی لاہور سے..... فرمایا: اچھا: تو تم لاہوری ہو، پچھلے دنوں [ڈاکٹر] مفتی [عبدالواحد] صاحبؒ وفات پا گئے ان کے بارے میں مجھے لاہور سے فون آیا کہ ان کے بارے میں کچھ لکھ دیں..... ہیں..... یہ ہوئی نہ بات

.....ایک ہی وقت میں ڈاکٹری بھی کر رکھی تھی اور مفتی بھی، واہ! کمال ہے۔اس شعبہ میں کم ہی ایسے لوگ ملتے ہیں ڈاکٹر بھی ہو اور مفتی بھی۔ میں نے عرض کی کہ استاذ جی وہ تو ماشا اللہ حافظ قرآن بھی تھے۔حضرت فرمانے لگے: کیا وہ حافظ قرآن بھی تھے؟ اچھا یہ ہوئی نہ بات۔ بندہ نے عرض کیا کہ جی قرآن پاک تراویح میں سناتے بھی تھے اور سبعہ عشرہ کے قاری بھی تھے اور اس پر رسالہ بھی تحریر فرمایا تھا۔اس کے بعد تو استاد محترم حضرت چشتی صاحب دامت برکاتہم کی کیفیت یوں لگی جیسے رشک آ رہا ہو کہ ایک بندہ اتنی خدمات سرانجام دیتا تھا۔ میں نے عرض کی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے پیچھے فتوے کی ایک جماعت تیار کر گئے ہیں جو ان کے جانے کے بعد فتوے کے کام کو سنبھالے ہوئے ہے، اور یہ جماعت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں ہی تیار فرما دی تھی اور ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ حضرت استاد محترم مفتی صاحب رحمہ اللہ نے متخصصین فی الفقہ کیلئے تخصص کی تکمیل پر اختصاص کا سلسلہ شروع فرمایا تھا مثلاً ''اختصاص فی الحلال والحرام''، ''اختصاص فی النکاح والطلاق''، ''اختصاص فی المعاملات''، ''اختصاص فی العبادات'' وغیرہا۔حضرت الاستاذ چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مزید خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: بھائی پھر تو ضرور مفتی صاحب پر کچھ لکھنا چاہیے۔ [حضرت کے تاثرات پر مشتمل مضمون شامل کتاب ہو چکا ہے بحمد اللہ]

۳۔حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے مزاج میں خودداری اتنی تھی کہ جو کام کسی کی مدد کے بغیر ہو سکتا ہے اس کے لئے کوئی دوسرا کیوں تکلیف اٹھائے۔اخیر عمر میں جب ضعف طبیعت پر غالب آ چکا تھا تو ہاتھ پکڑ کر چلانا پڑتا تھا طبیعت اچھی ہوتی تو بے سہارے کے ہی چلتے طبیعت پر ضعف غالب ہوتا تو سہارے کیلئے ایک طالب علم ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ ساتھ چلتا۔ایک دن طبیعت پر ضعف تھا ایک طرف سے ایک طالب علم نے سہارا دے رکھا تھا اور دوسری طرف سے ایک اور طالب علم نے ہاتھ پکڑ کر سہارا دینا چاہا تو استاد جی رحمہ اللہ نے فرمایا: رہنے دو بھائی یہ ایک کافی ہے۔

۴۔ہمارے زمانے میں اگرچہ ضعف کی وجہ سے میز کرسی کا نظم ہو گیا تھا تاہم میں نے اپنے بعض اساتذہ کرام سے سنا کہ جب ہم استاد جی مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھتے تھے استاد جی رحمہ اللہ حدیث شریف کا پورا سبق دو زانوں بیٹھ کر پڑھاتے تھے۔

۵۔ایک دن ہم دارالافتاء میں ''مسلم شریف'' کا سبق پڑھنے کے لئے گئے تو فرمایا: کل سبق پڑھیں گے آج میں نے مطالعہ نہیں کیا، جب کہ حدیث شریف کا درس پڑھاتے ہوئے خاص طور پر دورہ کا، کئی سال ہو چکے تھے پھر بھی اتنی احتیاط کہ مطالعہ کے بغیر سبق نہیں پڑھایا۔

۶۔ایک طالب علم نے عرض کی استاد جی! لوگ کہتے ہیں کہ آپ ہر ایک کے خلاف لکھتے ہیں۔فرمایا: بھائی مجھے کسی کے خلاف لکھنے کا شوق نہیں جہاں جس چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔

۷۔ایک طالب علم نے عرض کی استاد جی! وقت کا تقاضا کیا ہے ابھی کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے جو ہمیں کرنی

چاہیے؟ فرمایا: عوام میں کام کی بہت ضرورت ہے۔ عقائد نظریات وافکار کے اعتبار سے دین کا موٹا موٹا صحیح تعارف کروانا، ورنہ باطل والے تو محنت کر ہی رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے اخلاف کو ان کے نقش قدم پر پورا پورا چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم خوردوں کو بھی ان کے اخلاص اور برکت کا کوئی ذرہ نصیب فرمائے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

.....☆☆☆.....

Mufti Abdul-Wahid of Lahore

Some recollections by Hamzah wald Maqbul

He was of the foremost jurists of the sacred law of his age. When his pen would move, the scholars of the subcontinent took notice. He wrote with mastery and precision on many contemporary issues which other scholars would not grasp until decades later. He was a true representative of the spiritual path, not letting his scholarly engagements interfere with his asceticism, dhikr or service to the creation.

He was born on the twelfth of Rabi-ul-Awwal, 1369__, corresponding to January 1st, 1950.

He was a physician by training and profession as well as a career military officer. In fact, he would not leave the practice of medicine, and would see the impoverished patients in the Data Darbar Public Hospital, up until the last years of his life, thereby keeping the door of service to the creation open in tandem with his scholarly endeavors.

In the middle years of his life, due to his love of knowledge and keen desire to serve Islam, he resigned his commission and took up study at Jamiah Madaniyyah in Lahore, under the tutelage of its great scholars, most notably its founder and rector Mawlana Sayyid Hamid Mian, the youngest of the khulafa of Mawlana Sayyid Husayn Ahmad Madani, after whom he named his institution. During his studies, his classmates noted his seriousness in learning and his veneration of the knowledge he took. Other scholars of note from whom he took in Jamiah

Madaniyyah were Mawlana Kareem-Ullah Khan, Mufti Abdul Hameed Sitapuri, from whom he would take the skill of fatwa and Qari Abd-ur-Rasheed, from whom he would take a number of the arts and sciences of the madrasah curriculum, including those which make up the takmilah of the old Dars Nizami syllabus, which is no longer taught at most institutions. He would also learn from a number of other formidable scholars of his age from outside of Jamiah Madaniyyah, including the renowned Hadith master Mawlana Abd-ur-Rasheed Naumani.

He taught in the Jamiah Madaniyyah after his graduation from 1983 until 2003, at which point he took up the position of the chair of the Ifta program at the Jamiah Dar ul-Taqwa, which was thereafter his primary seat of instruction until he passed from this world.

He would also take the spiritual path from Mawlana Sayyid Hamid Mian early on and be steadfast in his traversing thereof. After Mawlana Sayyid Hamid Mian would pass from this world, Mufti Abd ul-Wahid would put his hands into the hands of Sayyid Anwar Husauni Nafees Shah the renowned scribe, calligrapher and striver in the path of Allah. Sayyid Nafees would give Abd ul-Wahid the khilfah in the path, in the line of Sayyid Amad Shaheed.

Mufti Abd-ul-Wahid wrote a number of books, articles and fatwas on a number of different topics. Many benefitted from his enumeration of the legal issues of Mawlana Ashraf Ali Thanwi's Behishti Zevar, and his Fahm-e-Din series in which he presented a scholarly overview of the core disciplines of Islamic learning to a college audience without a background in Arabic, including Hadith, aqidah tafseer and fiqh. I looked over the series and feel it is a shame that it hasnt been rendered into an English translation worthy of his scholarship. He compiled a number of fatwas regarding medical issues, issues of modern economics and finance and

polemical refutations and corrections to his former associate Dr. Israr Ahmad, Javed Ahmad Ghamdi, various sects of Ismali Shiasm and a number of others.

He was of stern disposition due to his veneration of the sacred knowledge. When I was studying in Lahore, he would teach his iftastudents in the Jamiah Dar ul-Taqwa where he taught from 2003 until his passing in 2019-in the mornings and see patients at the hospital in the afternoon. He would come and teach us for a six-hour block on Sunday mornings, Sunday being the one day off in the work week in most of Pakistan. A car would have to be sent for him, as Jamiah Madaniyyahs new campus was far from the city center and he used to commute by motorcycle, despite his advanced age, seniority amongst the scholars, and professional qualification as a medical doctor and military officer.

The students were uniformly in awe of him, due to the sharpness of his intellect, the majesty of his spiritual condition, and the gravity of his self-mortification in the spiritual path.

He had little care for the empty formalities that were culturally associated with knowledge or Sufism. He was once asked why he would not sign the diplomas of the graduating students. He remarked, Brother, no one wants to study anymore, so why would they care whether or not anyone signs their diplomas?

I would see him for years coming and going from the Khanqah of Sayyid Nafees Shah. He would come on his motorbike, sometimes with his worthy son Mufti Abd-ullah, without fanfare, and would likewise leave, in silence and obscurity. This despite having been invested with the mantle of successorship and being recognized as a master amongst the scholars for decades.

I had the honor of reading the back half of the Jami of Imam Tirmidhfrom him. He was loved for his brief and insightful answers to the various questions asked of

him, demonstrating his mastery of Arabic, creed, spirituality and the law. His approach to knowledge was one of veneration, but not to the point of not questioning things. There were several finer points of the law relating to Hadith which he elucidated brilliantly, and I still benefit from their understanding, such as the Ahnafposition on intoxicants. He would often remind the students not to get riled up by sloganeering and political movements, as they appropriated the symbols of Deen, often times improperly; the representation of Islam was through its sacred knowledge, and against it would all other matters worldly and political be measured. Unfortunately, many students in the enthusiasm of their youth didn't appreciate the sagacity of this advice right away.

MuftiAbd-ul-Wahid passed from this world on the 18th of Shawwaal, 1440__ , corresponding to June 22nd, 2019_ . If ever there was a teacher whose student was unworthy to write about him it would be on this occasion. He was buried in Lahore's old Mian i Sb graveyard, in the enclosure of Ghazi Alam Din Shaheed, who was martyred by the farangusurper for standing for the honor of the messenger of Allah_, which coincidentally is not far from the grave of my maternal grandfather. May Allah's mercy encompass them, all of our Akabir, Mashayikh, Aslaf, and all those who were true to the teachings of the Messenger of Allah_ until the Day of Judgment.

.....☆☆☆.....

دیگر احباب کی نظر میں

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور حضرت نفیس شاہ صاحبؒ

چند یادیں..... چند باتیں

محترم جناب رضوان نفیس صاحب مدظلہم
خادم خاص حضرت نفیس شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ

☆ ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں علمی وعملی خوبیوں سے نوازا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کم گو تھے، اور زیرلب مسکراتے تھے۔ حدیث پاک ''**مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے**'' حضرت رحمہ اللہ اس پر عمل پیرا تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا اصلاحی تعلق ہمارے شیخ ومرشد، محسن وذرّہ نواز امام الخطاطین، سید العارفین، قطب الاقطاب حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ سے تھا۔

☆ حضرت شاہ صاحب سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو باضابطہ اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ اپنے اخیر زمانے میں حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا نام خود اپنے مجازین وخلفاء کی فہرست میں لکھوایا تھا۔

☆ حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے فتوے پر اعتماد فرماتے تھے۔

☆ اختلافی مسائل (جیسے تصویر وغیرہ) میں بھی حضرت شاہ صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق اور رائے پر اعتماد فرماتے تھے۔

☆ اگر کوئی مہمان حضرت شاہ صاحب سے مسئلہ پوچھتے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

☆ حضرت شاہ صاحب نے اخیر زمانے میں اپنی وراثت کی زندگی میں تقسیم کی صورت کی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ہی تصدیق کروائی۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دل میں بھی اپنے شیخ رحمہ اللہ کا بہت احترام اور عزت تھی۔ مجلس میں حاضر ہوتے تو خاموش اکثر دوزانو یا ایک گھٹنا اٹھا کر بیٹھتے اور ازخود کوئی بات نہ فرماتے تھے۔

☆ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی جب تک صحت نے ساتھ دیا اخیر زمانے تک عید کی نماز اپنے حضرت کے ہاں

خانقاہ میں پڑھنے کا معمول رہا۔ یہ معمول حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

☆ حضرت رحمہ اللہ کے تعلق اور احترام کا اثر حضرت رحمہ اللہ کی اولاد میں بھی تھا۔ ہم حضرت شاہ صاحب کے ہمراہ صبح کریم پارک سے خانقاہ کے لیے نکلتے تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے بھائی عبیداللہ صاحب جو اس وقت جامعہ مدنیہ کے سکول میں پڑھنے کے لیے آتے تھے وہ سائیکل پر آرہے ہوتے تھے، اکثر آمنا سامنا گھاٹی کے قریب ہوتا تھا۔ عبیداللہ اس وقت کافی چھوٹے تھے لیکن دور سے گاڑی دیکھ کر اپنی سائیکل سے احتراماً اتر جاتے اور ایک طرف ہو جاتے۔

☆ حضرت رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب اکثر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بہت احترام اور ادب وعقیدت سے حاضر ہوتے، حضرت انہیں پیار سے فرماتے: یہ ہمارا ''بُلھا'' ہے (بلھے شاہ صاحب کی نسبت سے) یہ محبت بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی نسبت سے تھی۔

☆ علوی مالکی کے ''اصلاح مفاہیم'' اور پھر ''اکابر کا مسلک ومشرب'' والے فتنے کے دوران حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی حضرت شاہ صاحب سے مشاورت رہی۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے علوی مالکی کی کتاب ''مفاہیم یجب ان تصحح'' پر اپنی تقریظ سے رجوع بھی فرمایا۔

☆ جامعہ مدنیہ میں انتظامی اختلاف کے بعد جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ دار التقویٰ الہلال مسجد منتقل ہوئے تو وہاں دار الافتاء کی افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تھے۔

☆ پروفیسر ظفر اللہ شفیق صاحب نے ''امام حسین اور واقعہ کربلا'' نامی کتاب لکھی جس پر حسن ظن کی بنیاد پر حضرت شاہ صاحب اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات نے تقریظیں لکھیں۔ اس کتاب میں بدقسمتی سے کچھ ایسی باتیں بھی آگئیں جو اہل سنت کے مسلّمات سے میل نہ کھاتی تھیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شیخ ومرشد رحمہ اللہ کے دفاع میں ایک تحریر لکھی اور مولانا لدھیانوی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کو ارسال کی۔ حضرت مولانا لدھیانوی رحمہ اللہ نے اس نقد کو نہ صرف سراہا بلکہ بندہ سے فیصل آباد میں فرمایا:

''آئندہ ہم نے کسی کتاب پر تقریظ لکھنی ہوگی تو پہلے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دکھائیں گے۔ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی ایسی شخصیت ہیں جن کی ایسی باتوں پر نظر جاتی ہے۔''

☆ اجتماعی ذکر کے بارے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق اور فتویٰ یہ تھا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ جس پر حضرت رحمہ اللہ نے ایک مقالہ بھی سپرد قلم فرمایا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے ہاں بھی کبھی اجتماعی ذکر نہیں ہوا، نہ حضرت نے کبھی اجتماعی ذکر کروایا۔ اجتماعی کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی ذکر کرنے کا التزام کیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے سلسلے میں اجتماعی ذکر نہیں ہے۔ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ نے بندہ سے

ایک دفعہ فرمایا: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے سلسلوں (چاہے وہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا سلسلہ ہو یا حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ہوان) میں مجلس ذکر نہیں ہے، جوان سے باہر کے سلسلے ہیں ان میں ہوتو ہو۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے: **رائے پور میں اور یہاں ڈھڈیاں میں بھی حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے زمانے میں ذکر کی آواز بلا مبالغہ میلوں دور تک جاتی تھی۔ لیکن اجتماعی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ ہر کوئی اپنا ذکر کرتا تھا۔**

حضرت رائے پوری آواز سے آواز ملانے سے منع فرماتے تھے۔ ہمارے ساتھ بھی ایک دفعہ ایسا ہوا۔ کچھ ساتھیوں کی آواز آپس میں مل رہی تھی حضرت شاہ صاحب نے ڈانٹا کہ آواز سے آواز کیوں ملاتے ہو؟

حضرت کے ہاں پہلے ذکر کا معمول یہ تھا کہ مغرب کے بعد ساتھی بیٹھ جاتے اور حضرت بھی تشریف فرما ہوتے تھے۔ سب اپنا اپنا ذکر شروع کر دیتے، ایک ذکر کی ابتداء انتہاء کا باضابطہ معمول نہ تھا۔ البتہ صورت شاید اجتماعی کی سی تھی۔ ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ حضرت فلاں صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت نفیس شاہ صاحب کے ہاں بھی تو مجلس ذکر یا اجتماعی ذکر ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: ہم ایک جگہ بیٹھتے ضرور ہیں لیکن اجتماعی ذکر یا مجلس ذکر نہیں کرواتے، لوگ اپنا اپنا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بندہ (رضوان) کو مخاطب کر کے فرمایا: کل سے میں اندر کمرے میں بیٹھوں گا اور لوگ باہر اپنا ذکر کریں گے، لوگ غلط استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ ایسا ہی معمول ہو گیا۔ بعض حضرات نے حضرت شاہ صاحب کے ہاں اجتماعی مجلس ذکر کی بات نقل کی ہے جو افسوس ناک غلطی ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحب کے ہاں یہ کچھ نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے ہاں تو اس سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط تھی۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے اسلام آباد کی طرف کسی مجلس ذکر کے اشتہار میں حضرت کا نام لکھ دیا۔ کسی نے اس کی بابت استفسار کیا تو حضرت نے لاتعلقی اور براءت کا اظہار فرمایا اور ساتھ میں اپنا یہ اصول بیان فرمایا:

''جس اشتہار میں مجلس ذکر میں میرا نام ہو سمجھ لینا میں اس میں نہیں آؤں گا''

ایک دفعہ ایک خانوادے کے صاحبزادہ صاحب نے (جن کے ہاں مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا تھا) حضرت کا نام لکھ دیا۔ حضرت شاہ صاحب رات تشریف لائے تو مجھ سے قلم کاغذ مانگا اور ایک رقعہ لکھا اور بندہ کو دیا کہ فلاں صاحب کو دے آؤ۔ اور ساتھ فرمایا:

''مجھے اپنے شیخ کا سلسلہ عزیز ہے''

حضرت شاہ صاحب سے تعلق کی بدولت ہی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مجھ ناچیز پر بھی شفقتیں اور عنایات رہیں۔

☆ حضرت شاہ صاحب کا اخیر عمر میں ایک جذبہ اور مشن تھا کہ حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ تاکہ رافضیت کے پروپیگنڈے اور ناصبیت کے جراثیم کا عملی ردّ ہو۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے بہت سی تحریرات چھپوائیں۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد اپنے تئیں جتنا ہو سکا بندہ نے بھی یہ خدمت

سعادت جان کر اختیار کی، اس میدان میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی سرپرستی حاصل رہی۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے معتمد شاگرد حضرت مولانا سید مفتی رضا علی جعفری صاحب دامت برکاتہم اور مفتی شعیب صاحب سلمہ اللہ ہمارے اس کام میں دست و بازو بنے۔ مفتی شعیب صاحب نے علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے رسالے ''**الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید**'' کا اردو ترجمہ کیا۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے نہ صرف رسالے کو دیکھا بلکہ اس پر ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، یہ حضرت رحمہ اللہ کا ہمارے سر پر احسان عظیم ہے۔

اسی طرح مفتی شعیب صاحب نے ''فضائل اہل بیت'' کے عنوان سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے رسالے ''**احیاء المیت بفضائل اهل البیت**'' کا ترجمہ فرمایا (جو زیر طبع ہے)۔

اسی طرح حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' کا مسودہ بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اخیر عمر میں باوجود ضعف و بیماری کے مکمل ملاحظہ فرمایا اور اشاعت پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔

☆ حضرت رحمہ اللہ نے اس عاجز کی دعوت پر کئی دفعہ اس عاجز کے غریب خانہ کو بھی شرف قدوم بخشا۔ یہ بھی حضرت شاہ صاحب کی نسبت تھی اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے اپنے شیخ کی نسبت کا پاس تھا۔ ورنہ ہم کہاں اور ہماری اوقات کیا!!

☆ حضرت مفتی رضا علی جعفری صاحب دامت برکاتہم کے ولیمے پر (5.L گلبرگ) میں بندہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ایک خواب کی تعبیر پوچھی۔ خواب یہ تھا کہ ایک لمبا راستہ ہے جو روشن ہے اور آگے جا کر تنگ ہو جاتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے تعبیر میں فرمایا: اللہ آپ سے کام لیں گے ان شاء اللہ۔

☆ ایک دفعہ بندہ کو حضرت شاہ صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس کسی کام سے بھیجا تب حضرت وضو خانے میں تھے، جب باہر تشریف لائے تو کان سے فون لگا تھا اور کسی سائل کو مسئلہ بتانے میں مشغول تھے۔ بندہ کو حیرت ہوئی اور رشک ہوا کہ ہمارے اکابر حضرات امت کے علمی افادے میں کس قدر منہمک اور مخلص ہیں کہ اتنے سے وقت کو بھی غنیمت جانا اور رہنمائی فرمائی۔

اللہ حضرت کی بال بال بخشش فرمائیں اور اپنے قرب کے درجات عالیہ از عالیہ سے نوازیں۔ آمین **بجاہ سید المرسلین و آله و صحبه و اهل بیته و عترته اجمعین، برحمتک یا ارحم الراحمین**

.....☆☆☆.....

ڈاکٹر اور مفتی کا نایاب امتزاج

ڈاکٹر ظفر نیاز صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر نارتھ میڈیکل وارڈ کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی لاہور

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے نہ صرف ان کے عزیز و اقارب اور متعلقین کو نقصان پہنچا بلکہ اس فقدان الرجال کے دور میں ملت اسلامیہ کو عظیم نقصان پہنچا ہے۔

سن ۱۹۸۸ء میں میرا داخلہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں ہوا۔ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے میرا تعارف طالب علمی کے دور میں ہوا۔ مولانا محمد عارف رحمہ اللہ (خطیب کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج) نے مجھے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے متعارف کروایا۔ میڈیکل سے متعلق مسائل کے لیے مولانا صاحب اکثر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس بھیجتے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ چونکہ ڈاکٹر بھی تھے اس لیے میڈیکل سائنس کے مسائل کی روح کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۷۳ء میں کنگ ایڈورڈ سے ایم بی بی ایس کیا تھا۔ ڈاکٹر اور مفتی کا حسین اور نایاب امتزاج تھا۔ رفتہ رفتہ ان سے تعلق بڑھتا گیا۔ ڈاکٹر حضرات اکثر میڈیکل سے متعلق مسائل حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ہی پوچھتے تھے۔ ان کی شخصیت ڈاکٹر حضرات میں بہت مقبول تھی۔ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو فون کر کے ان سے معلوم کر لیتے۔ کبھی کبھار دربار ہسپتال میں جانے کا اتفاق بھی ہوتا، زیارت بھی ہو جاتی اور مقصد بھی حاصل ہو جاتا۔

مولانا عارف صاحب رحمہ اللہ مفتی صاحب رحمہ اللہ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ جو مسئلہ ڈاکٹر صاحب نے بتا دیا وہ حرف آخر ہے۔ خاص کر میڈیکل کے تمام مسائل حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ہی دریافت کرتے تھے۔ مولانا عارف صاحب رحمہ اللہ دین کے معاملے میں انتہائی محتاط تھے اگر کوئی ڈاکٹر یا انجینئر دین کے کسی مسئلے میں اپنی رائے کا اظہار کرتا تو فرماتے آپ اپنی رائے میڈیکل اور انجینئرنگ تک محدود رکھیں، دین کے معاملے میں اگر کوئی رائے دینی ہے تو پہلے درس نظامی کریں باقاعدہ مولوی کی سند حاصل کریں پھر لوگوں کو مسائل بتائیں ورنہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، دین میں کوئی اجارہ داری نہیں ہے۔ فرماتے تھے کہ ہم دین کے معاملے میں حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب سے مسائل پوچھتے ہیں کیونکہ وہ باقاعدہ عالم اور مفتی ہیں۔ اگر اجارہ داری کی بات ہوتی تو ہم

کبھی بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بات تسلیم نہ کرتے۔ مولانا صاحب خود بہت بڑے عالم دین تھے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ مولانا عارف صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے:

''آج کل یہ فتنہ پھیلتا جارہا ہے کہ لوگ ایم بی بی ایس، پی ایچ ڈی کی ڈگری لینے کے بعد اپنے آپ کو عالم دین اور مفتی سمجھنے لگتے ہیں، دین کے معاملے میں اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ کوئی مفسر قرآن بنا ہوا ہے تو کوئی محدث۔ فرماتے قرآن مجید کی ایک آیت صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے اور اپنے آپ کو عالم اور مفتی سمجھتے ہیں۔ اگر کسی نے مفتی اور عالم بننا ہو تو حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کی طرح باقاعدہ دین کی تعلیم حاصل کرے۔ انہوں نے درس نظامی جامعہ مدنیہ لاہور سے کیا اور تخصص فی الافتاء جامعہ مدنیہ میں حضرت مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ اور حضرت قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ سے کیا۔''

میرا حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے خاص تعلق تھا۔ میرے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میں علم، تواضع، صبر وقناعت، خاموشی، کم گوئی، تقویٰ وورع، صدق وصفائی یہ وہ کمالات ہیں جو ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے۔ فطری ملکات میں ان کو نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ خودنمائی، خودستائی، ریاوسمعہ جیسے تباہ کن روحانی عوارض سے کوسوں دور تھے۔ ان کی زندگی کا ایک خاصہ زہد تھا جو اس زمانہ میں عنقا ہوتا جارہا ہے، ان کی گفتار میں تواضع وانکساری کی غمازی تھی، وہ نفع وایثار میں فائق الاقران تھے، ان کے اندر چھپے ہوئے فطری اوصاف و کمالات موجود تھے، بلند وبالا عبقری شخصیت کے حامل تھے، ہر دل عزیز اور نفس قدسیہ کے حامل، سلیم الطبع، عمدہ فہم اور بلند اخلاق کے مالک تھے۔ پوری زندگی دین کی نشر واشاعت میں وقف کردی تھی، انتہائی بامقصد پاکیزہ اور قابل رشک زندگی گذار کر چلے گئے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور تبلیغ کے لیے وقف تھا۔

عالم باعمل تھے، محدِّثِ یگانہ اور عمیق ودقیق سوچ رکھنے والے بڑے مفتی تھے، نہ صرف اکابر واسلاف کے مسلک و مشرب کے امین تھے بلکہ سو فیصد مقلد بھی تھے، یادگار اسلاف، فِرَقِ باطلہ کے لیے سیف بے نیام، سنجیدہ اور برمحل گفتگو کرنے والے، فقہی بصیرت، محدثانہ جلال وعظمت کے مالک، باطل کے سامنے ڈنکے کی چوٹ حق بات کہنے والے اور حق کا جھنڈا بلند کرنے والے، صاحب عزیمت انسان تھے، روایات اکابر کے امین تھے، تدریس وافتاء کے مناصب جلیلہ پر فائز تھے، علم کی روشنی سے عمل کی مہک میں رچے بسے تھے، تدریس وافتاء میں ان کو کمال حاصل تھا، جدید مسائل کی تحقیق و تنقیح میں لگے رہتے تھے، فقہ کی باریکیوں اور غوامض پر کمال مہارت رکھتے تھے، مسائل پر عمیق نظر تھی۔ سینکڑوں مفصل و مدلل فتاویٰ تحریر فرمائے، فقہی مقام کے لحاظ سے زیرک مفتی تھے اور نابغہ روزگار شخصیت تھے، نقلی وعقلی فنون وعلوم کے جامع عالم تھے، اصناف علم وفضل ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ محقق فقیہہ اور محدث تھے، آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب تھے جن کی ضیاء پاشیوں سے ایک دنیا نے اپنے اذہان کو روشن ومنور کیا، عجوبہ زمان، دیدہ ور ہستیوں میں سے تھے، جامع

الصفات تھے، یادگار اسلاف، نمونہ اخلاق نبوی ﷺ تھے، ان کی علمی وتحقیقی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

الحرمین میڈیکل سنٹر کا افتتاح

۲۶ مئی ۲۰۱۲ء بروز اتوار کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مدرسہ دارالقرآن والترتیل لٹن روڈ مزنگ میں واقع الحرمین میڈیکل سنٹر (ٹرسٹ) کا افتتاح اپنے دست مبارک سے فرمایا۔ حضرت نہ صرف الحرمین میڈیکل سنٹر کے سرپرست اعلیٰ تھے بلکہ باقاعدگی سے غریب اور مستحق مریضوں کی مالی امداد بھی فرمایا کرتے تھے۔

الحصن الاعظم کا مقدمہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے احقر کی کتاب ''الحصن الاعظم شرح الحزب الاعظم'' کا نہ صرف مقدمہ تحریر فرمایا بلکہ کتاب پر نظر ثانی بھی فرمائی۔ فخر المحدثین استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ صاحب رحمہ اللہ نے مقدمہ کے بارے میں فرمایا کہ ''ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے ملاعلی قاری رحمہ اللہ کا جو تعارف لکھا ہے وہ بہت عمدہ اور معلومات مفیدہ پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے آمین'' (الحصن الاعظم صفحہ: ۵۴)

نوٹ: یہاں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مولانا سید شاہد سہارنپوری صاحب کی طرف سے ایک کتاب بعنوان ''علمائے مظاہر العلوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات'' طبع ہوئی ہے جس میں یہ لکھا گیا ہے کہ بندہ کی مذکورہ بالا کتاب پر مولانا انیس مظاہری صاحب (احسان مسجد، راج گڑھ، لاہور) کا مفصل مقدمہ طبع ہوا ہے۔ یہ ایک بڑی واقعاتی غلطی ہے۔ معلوم نہیں یہ بات کیسے لکھ دی گئی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بندہ کی کتاب پر مظاہری صاحب نے کوئی مقدمہ نہیں لکھا۔ ریکارڈ کی درستی کے لیے یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری لغزشوں سے درگذر فرمائے۔ آمین

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طلباء اور ڈاکٹروں کا رجوع

کنگ ایڈورڈ کے طلباء وڈاکٹر حضرات اپنے اپنے شعبے کے مسائل کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے رجوع کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بہت محبت اور شفقت فرماتے تھے۔

معالج خصوصی

احقر کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا معالج ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ حضرت رحمہ اللہ اکثر علاج، معالجے کے لیے الحرمین میڈیکل سنٹر تشریف لاتے، جب بھی کوئی دوائی استعمال کرنی ہوتی تو فون کر کے مشورہ کر لیتے۔ کبھی کبھار فون کر کے فرماتے ڈاکٹر صاحب عشاء کے بعد آجاؤں مشورہ کے لیے۔ یہ حضرت رحمہ اللہ کی خصوصی شفقت تھی کہ اتنی محبت سے ملنے تشریف لاتے، اس سے بڑھ کر یہ کہ ساتھ کوئی نہ کوئی ہدیہ ضرور لاتے۔

میوہسپتال لاہور کے غریب اور نادار مریضوں کی اعانت

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ میوہسپتال کے غریب اور نادار مریضوں کے لیے وقتاً فوقتاً مالی امداد فرماتے تھے۔

''مریض ومعالج کے اسلامی احکام''

اس کتاب کے نئے ایڈیشن میں احقر کے مشورہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بہت سے مضامین اور ابواب کا اضافہ فرمایا مثلاً جیلاٹن کیپسول، حمل کے استحکام سے پہلے موروثی بیماریوں کی تشخیص اور جنس کا تعین اور انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ۔ عرض چہارم صفحہ ۱۲ پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''ہم مندرجہ ذیل ڈاکٹر صاحبان کے بھی شکر گذار ہیں جنہوں نے قیمتی دستاویزات سے ہماری مدد کی: ۱۔ ڈاکٹر نسیم اشرف صاحب (اسلام آباد کلینک سعودی پاک ٹاور اسلام آباد)، ۲۔ ڈاکٹر ظفر نیاز صاحب (سینیئر رجسٹرار ایسٹ میڈیکل وارڈ میوہسپتال لاہور)۔''

(مریض ومعالج کے اسلامی احکام پانچواں ایڈیشن)

نئے اور جدید میڈیکل سائنس کے مسائل کے دستاویزات جمع کر کے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کرنا احقر کی ذمہ داری تھی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مطالعہ کے بعد تفصیلی فتویٰ جاری فرماتے تھے۔ ان مسائل پر اگر کسی اہل علم نے پہلے کام کیا ہوتا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا تاکہ مختلف رائے سامنے آجائے۔ یہ سلسلہ ان کی بیماری کے ساتھ منقطع ہوگیا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک اور مفید سلسلے کو دوبارہ جاری فرمادیں۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز**

احقر اکثر نئے اور جدید فقہی مسائل کی تلاش میں لگا رہتا جیسے ہی کوئی مسئلہ سامنے آتا حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

ڈیجیٹل تصویر کے بارے میں احقر نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اسے جائز قرار دیا ہے تو فرمانے لگے کہ ہمارے نزدیک یہ تصویر ہی کے حکم میں ہے۔

میزان بینک سے متعلق ایک اہم سوال کے جواب میں کہ ''اس میں سودی معاملہ ہے کہ نہیں'' تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''سودی معاملہ نہیں ہے البتہ کچھ اور خرابیاں ہیں جن کی تفصیل ہماری تحریروں میں ہے۔''

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مدرسہ دار القرآن والترتیل لٹن روڈ کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔ جب کبھی بھی کوئی معاملہ پیش آتا حضرت سے مشاورت ضرور کی جاتی۔ نئی مسجد کی تعمیر کے دوران جو مسائل پیش آئے حضرت کے مشورے سے ان کو حل کیا گیا۔ یہ حضرت کا صدقہ جاریہ ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ شوگر کے مریض تھے، باقاعدگی سے ادویات استعمال کرتے تھے، گذشتہ چند سالوں سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو رعشے کی بیماری (Parkinson Disease) لاحق ہوگئی تھی جس کی وجہ سے چلنے پھرنے اور لکھنے پڑھنے میں مشکلات پیدا ہوگئیں تھیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جواد باجوہ صاحب جن کا شمار دنیا کے چند بڑے نیوروفزیشن (Neurophysician) میں ہوتا ہے امریکہ سے مجھے ملنے لاہور تشریف لائے انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا الحرمین میڈیکل سنٹر میں تقریباً تین چار گھنٹے معائنہ فرمایا اور ادویات تجویز کیں۔ پروفیسر ڈاکٹر نصر اللہ صاحب جو کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کے سابق ریٹائر پروفیسر ہیں وہ بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے معالج تھے۔ ان کا شمار بھی پاکستان کے بڑے نیوروفزیشن میں ہوتا ہے۔

جوں جوں وقت گذرتا گیا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کمزور سے کمزور ہوتے گئے اور صاحب فراش ہوگئے، انفکشن کی وجہ سے septicaemia ہوگیا۔ ڈاکٹر انجم رشید بٹ صاحب جو پروفیسر آف میڈیسن ہیں ان کا علاج بھی جاری رہا مگر صحت یاب نہ ہوسکے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو خلد آشیاں بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل اور جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین، ان کے محاسن و کمالات اور برکات سے مستفیض فرمائے، ان کی یادوں کا گلشن ہمیشہ تروتازہ رہے جس کی مہک سے مشام جان معطر اور دل و دماغ ان کے تصور سے روشن و آباد رہیں۔

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ
چند نقوش وتأثرات

جناب عرفان اکبر صاحب
راولپنڈی

بندہ کا تعلیمی پس منظر کالج یونیورسٹی کا ہے تبلیغی جماعت میں وقت لگا تو دینی تعلیم کا شوق بیدار ہوا کالجاتی تعلیم کی وجہ سے جب دین میں آئے تو دو نظام تعلیم بلکہ دو نظام زندگی کا آپس میں مناقشہ ہوا اس لیے ذہن سوالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ جن کے جوابات کے لیے ابتدائی طور سے اپنے علاقے کے ایک صاحب علم مفتی رضوان صاحب (ادارہ غفران راولپنڈی) سے ملاقات ہوئی۔

میرے کالجیٹ پس منظر کو دیکھتے ہوئے مفتی رضوان صاحب نے مجھے مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی، مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم اور حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ کی کتب پڑھنے کی ترغیب دی۔ مولانا نعیم الدین استاد حدیث جامعہ مدنیہ لاہور کی ایک کتاب نے بہت متاثر کیا کئی شبہات کا تریاق اس کتاب سے حاصل ہوا مولانا سے ملاقات کا اشتیاق ہوا اور ایک دن مولانا نعیم الدین صاحب کی زیارت کے لئے عازم سفر ہوا، اس سفر سے پہلے میں نے مفتی محمد امجد حسین صاحب سے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ کی دو کتابیں پڑھنا شروع کیں ''اسلامی عقائد'' اور ''اُصولِ دین''۔ گو میری لا اُبالی طبیعت کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ دیر نبھ نہیں سکا، لیکن ان اسباق کے دوران مفتی امجد صاحب بار بار فرماتے تھے کہ ''اسلامی عقائد'' حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے علم وقلم کا شاہکار ہے، اس کی زبان و اسلوب عصری جامعات کے طلباء کے لیے بہت کارگر ہے، اسی بار بار کی تصریح سے مصنف موصوف سے ملنے کا شوق گدگدانے لگا۔ جب مجھے پتا چلا کہ حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور مولانا نعیم الدین صاحب ایک ادارے میں ہوتے ہیں تو یہ شوق دو آتشہ ہو گیا، سو میں مفتی رضوان صاحب سے مشورہ کر کے مذکورہ دونوں حضرات سے ملاقات کے لیے نکل پڑا، جاتے وقت مفتی صاحب نے مجھے ایک کتاب دی کہ یہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو یہ کہہ کر واپس کر دینا کہ آپ نے ہدیۃً بھیجی ہے ہمیں پہلے ہی مل چکی ہے یہ مکرر آ گئی سو آپ واپس رکھ لیں، کتاب تھی ''مسائل بہشتی زیور'' حصہ دوم۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جامعہ مدنیہ پہلی بار جانا ہوا تھا۔ مولانا نعیم الدین صاحب اوپر کی منزل میں حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے، نہایت

مسکراتی شخصیت، بہت تپاک سے ملے، میں نے مفتی صاحب کا سلام عرض کیا۔

پہلی ملاقات

اس کے بعد دارالافتاء گیا دیکھا تو تین اصحاب بیٹھے ہیں، ایک عمر رسیدہ اور ایک جوان سے آدمی، اور انکے سامنے ایک نوجوان لڑکا بیٹھا ہے اور اپنی آستین بالشت بھر اوپر چڑھا کر سوال پوچھ رہا ہے: حضرت کیا اتنا بازو بھی ننگا ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے؟ پختہ عمر کے بزرگ متانت وسنجیدگی سے بھرپور فقط اتنا ارشاد فرماتے ہیں: **''جی!''** وہ لڑکا شاید مدرسہ کا طالبعلم تھا پھر پوچھتا ہے کہ حضرت اتنے سے بھی مکروہ ہوتی ہے؟ پھر یک لفظی جواب ارشاد ہوتا ہے **''جی''**۔ کچھ دیر وہ خاموش بیٹھا رہتا ہے، بزرگ کے ہم نشین صاحب اُسے اُٹھ کر جانے کا اشارہ کرتے ہیں اور وہ چلا جاتا ہے۔ وہی صاحب مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں ''جی آپ فرمایئے۔'' ایسی رعب دار باوقار شخصیت کو دیکھ کر نوعمری اور عدم تعارف کی وجہ سے گھبرا گیا بڑی مشکل سے دھیمی ہوئی آواز نکلی: جی! وہ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب سے ملنا تھا.....انہوں نے ساتھ بیٹھے بزرگ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے سلام کیا حضرت نے جواب دیا۔ پھر کچھ دیر کمرہ میں خاموشی رہی، مجھے کچھ بولنے کی ہمت ہی نہیں ہورہی تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مہر سکوت توڑی۔ **''جی فرمایئے کیسے آنا ہوا؟''** حضرت آپ کی زیارت کرنی تھی۔

س: اچھا کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

ج: میں نے کہا ادارہ غفران راولپنڈی سے

س: اچھا وہاں پڑھتے ہیں؟

ج: جی نہیں۔

س: ادارے میں کیا خدمت آپ کے ذمہ ہے؟

ج: جی کوئی نہیں۔ میں ادارے میں نہیں ہوتا۔

س: پھر کیا کرتے ہیں؟

ج: جی پڑھتا ہوں۔

س: کہاں؟

ج: پنجاب کالج آف کامرس میں۔

س: اچھا اچھا۔ تو ادارہ غفران سے کیسے تعلق ہو گیا؟

ج: جی وہ مفتی رضوان صاحب سے تعلق ہے، انہی نے بھیجا ہے، یہ کتاب واپس کرنی ہے۔

س: کیوں؟

ج: جی وہ فرمارہے تھے ہمارے پاس پہلے ہی آ گئی ہے، آپ واپس رکھ لیں۔

واضح رہے کہ مفتی رضوان صاحب کی تعلیم وتربیت حضرت تھانویؒ کے سلسلہ میں ہوئی تھی جو معاملات میں بہت باریکیوں کا خیال رکھنے میں مشہور ہیں اس لیے ایک کتاب کی یوں واپسی پر تعجب نہ کیا جائے۔

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں آپ انہیں واپس کر دیجئے گا کہ رکھ لیں کبھی دوسرے نسخے کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

اب میرا کچھ حوصلہ ہوا کہ بات کروں عرض کیا حضرت آپ کی کتاب ''اسلامی عقائد'' سے مجھے بہت نفع ہوا، آپ کی باقی کتب ''مسائل بہشتی زیور'' اور ''اُصول دین'' بھی پڑھ رہا ہوں، بہت کارآمد اور آسان زبان میں لکھی گئی ہیں۔

جی اچھا اللہ قبول فرمائے! بس اتنا فرمایا۔

اب میں نے ایک اشکال پیش کیا: حضرت آپ کی کتب میں حوالے بہت کم ہیں یہ کالج یونیورسٹی کے لوگ اکثر حوالے مانگتے ہیں؟

مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں اس ہستی کے سامنے ہوں جو اس بحر کا شناور اور راہوں کا راہی ہی نہیں بلکہ راہبر ہے، سو آپ حضرت رحمہ اللہ کا حکیمانہ جواب ملاحظہ فرمائیے۔

''بھائی! بات یہ ہے کہ کالج یونیورسٹی میں اتنے ایکسٹرا آرڈنری (عبقری ذہنیت کے) طالبعلم پوری کلاس میں ایک دو ہی ہوتے ہیں، اب صرف ان کو مدنظر رکھ کر لکھا جائے اور ہر ہر سطر کا حوالہ دیا جائے تو کتاب کی افادیت کم ہو جاتی ہے انسائیکلوپیڈیا بن جاتی ہے، جو باقی لوگ دیکھ کر ہی گھبرا جاتے ہیں، اصل میں ہمارا مقصد ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا ہے جو دین کی بنیادی چیزیں سیکھنا چاہتے ہیں۔ باقی معترضین کی تسلی کروانا، اس کے لیے پہلے انکی ذہنی تربیت ضروری ہے، پھر ان کی دینی تعلیم میں کتب مددگار ثابت ہوسکتی ہیں"۔

لیجیے ملاقات بھی ہوگئی مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ لیکن اس ''شح النفس'' کا کیا کیجئے جو کتابوں سے متعلق مجھے لاحق ہو چکا تھا۔ بس کوئی نئی کتاب کسی طرح حاصل ہو جائے چاہے اس کے لیے میرے رزائل ہی دوسرے پر آشکارا کیوں نہ ہو جائیں مگر کسے پرواہ بس کتاب مل جائے۔

اب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر میری نیت اَٹک گئی، کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے سوالیہ انداز میں عرض کیا اچھا یہ کتاب مفتی صاحب کو واپس کر دوں؟

''جی واپس دے دیجئے گا۔''

ظاہر ہے اس جواب سے میری تسلی نہیں ہونی تھی میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر بولا اچھا تو یہ کتاب مفتی صاحب کو واپس کر دوں؟

''جی کر دیجیے گا!!!''

پھر وہی جواب اور مجلس پہ سکوت طاری۔

میں کچھ دیر خاموش رہا تو حضرت کے ہم نشین بولے: حضرت مفتی صاحب کے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اشارہ واضح تھا کہ اب میں چلا جاؤں مگر مجھ پہ کتاب کا بھوت سوار تھا اس کے لالچ نے مجھے بالکل ساکت و جامد کیا ہوا تھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ خود ہی اٹھے اور فرمایا: **''اچھا بھائی اجازت؟''**

میں نے پھر کہا: حضرت یہ کتاب مفتی صاحب کو واپس کر دوں؟

اس بار میں نے دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہیں، میں ناامیدی کے جذبات لیے جلدی سے کھڑا ہوا اور مصافحہ کے لیے آگے بڑھا، حضرت رحمہ اللہ نے مصافحہ کرتے وقت میرا چہرہ بھی پڑھ لیا۔ فرمانے لگے آپ کے پاس یہ کتاب ہے؟

میں نے فوراً کہا: نہیں جی۔

مسکرائے اور فرمایا: **''اچھا یہ آپ رکھ لیں۔''**

میرا چہرہ کتاب پا کر کِھل گیا اور خوشی بلکہ فتح کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اللہ حافظ کہا اور چل دیے۔

ہمارے پڑوسی تاجر عزیز عمران عابد رشید صاحب مجھ سے پرانے تبلیغ سے وابستہ ہیں۔ اب اسے شومئی قسمت کہیے یا حسنِ اتفاق ان کی اہلیہ اور سالی صاحبہ نے ''الہدیٰ'' سے تعلیم پائی اور اُس کلاس میں پڑھا جسے خود میڈم فرحت ہاشمی صاحبہ نے پڑھایا تھا۔ میں نے دکان شروع کی تھی پڑوسی بھی ہم مشرب و ہم مسلک بھی، سو قربتیں بڑھتی گئیں۔

مجھ پر پہلے ہی سے شارٹ کورسز یا عصری تعلیم یافتہ حضرات کے لیے ایک مختصر و جامع نصاب ترتیب دے کر یہ سلسلہ شروع کرنے کا جنون سوار تھا۔ انہی دنوں عمران بھائی نے کہا یار گھر میں یہ مسئلہ ہے۔ انکی اہلیہ کا بھی تبلیغ میں وقت لگ چکا تھا لہذا کسی حد تک وہ بھی ''الہدیٰ'' کے نظریات سے مطمئن نہیں تھی مگر انہیں پڑھنے پڑھانے کی لگن تھی، سو انہوں نے اپنے شوہر سے کہا کہ گھر پر کوئی ایسا سلسلہ شروع کریں جس سے ہمیں صحیح دینی تعلیم بھی ملے اور اتنی استعداد بھی بن جائے کہ ہم آگے پڑھا بھی سکیں۔ اب میرے کتب خانے، کتابی ذوق اور علماء سے روابط کو دیکھتے ہوئے، یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی کہ کیا پڑھانا چاہیے۔ اس وقت تک وفاق المدارس نے بھی شارٹ کورس شروع نہیں کیا تھا ہمارے سامنے فقط ''فہم دین کورس'' از مفتی ڈاکٹر عبدالواحدؒ تھا۔

لیکن میری ذہنی تربیت میں حنفیت کے ساتھ ساتھ ندویت کا خاص حصہ ہے۔ مجھے شروع ہی سے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتب پڑھنے کی توفیق ملی، کیونکہ میرا پس منظر بھی عصری اداروں اور تبلیغی جماعت سے وابستہ تھا تو مجھے حضرت ندویؒ کی کتب ہمیشہ سے متاثر کرتی تھیں، جن کا بنیادی عنصر دعوت دین کا جدید اسلوب مگر سلف صالحین پر مکمل

اعتماد و اعتبار حضرتؒ کے طرزِ فکر کا جوہری اثاثہ ہے۔ ہمارے پیشِ نظر تعلیم ہی نہیں تھی بلکہ وہ فہم اسلام جو سلف صالحین سے متوارث ہمیں ملا ہے اسکی تربیت بھی تھی۔ سو اس نصاب کی تدوین کے لیے میں نے بھرپور کوشش کی اس سلسلے میں، مَیں نے مفتی محمد رضوان صاحب، مفتی محمد اسماعیل صاحب، مفتی محمد سعید خان صاحب، مولانا زاہد الرشدی صاحب، مولانا نعیم الدین صاحب اور حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے ملاقاتیں کی۔ اب تقریباً طے یہ پایا کہ حضرت ڈاکٹر مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی کا نصاب پڑھایا جائے، مگر میرا اصرار تھا کہ اس میں کچھ اضافہ اور تبدیلی کرنی چاہیے۔ باقی حضرات نے کیا کیا مشورے اور ہدایات سے سرفراز فرمایا وہ پھر کبھی سہی، ابھی صرف دو حضرات مولانا نعیم الدین صاحب اور حضرت مفتی ڈاکٹر صاحبؒ کی ملاقات کے احوال پیشِ خدمت ہیں۔

نصاب کے سلسلہ میں، میں نے پہلے گوجرانوالہ میں مولانا زاہد الرشدی صاحب سے ملاقات کی اور پھر وہیں سے لاہور سیدھا مکتبہ قاسمیہ اردو بازار پہنچا، یہیں حضرت مولانا نعیم الدین صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوگیا۔ عشاء شاید مکتبہ پر ہی ہوگئی تھی۔

دوسری ملاقات

خلافِ معمول میں نے ۹ بجے رات کے قریب حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ سے آنے کی اجازت چاہی، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا اس وقت تو میں گھر پر ہوں اور آپ مزنگ میں۔ آنے میں بہت وقت بھی لگ جائے گا اور آپ کو دقت بھی ہوگی، آپ صبح ادارے میں آجایئے۔ میں نصاب پر بات کرنے کیلئے آنے کی اطلاع تو حضرت رحمہ اللہ کو دے چکا تھا مگر وقت طے نہیں کیا تھا، میں نے عرض کی: حضرت میں ریل سے اسی رات کی واپسی کا ٹکٹ بھی لے چکا ہوں، چونکہ سارا دن سفر میں ہی گزرا ہے اس لیے بروقت آپ کے پاس نہیں پہنچ سکا اگر آپ مہربانی فرمائیں تو میں آپ کے گھر ہی آجاؤں اس وقت؟ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: **''بھائی! جیسے آپ کی مرضی!''** (میری کمال نالائقی تھی اور دوسری طرف حضرتؒ کی کمال شفقت اس بے وقت بھی ملاقات کو صراحتاً منع نہیں فرمایا)۔

ایک گھنٹہ بعد دس بجے میں حضرت رحمہ اللہ کے گھر پہنچ گیا، پہلی ملاقات کے بعد میں یہ تاثر لے کر اٹھا تھا کہ

''حضرت مفتی صاحب نہایت سنجیدہ، کم گو، اور ٹو دی پوائنٹ گفتگو کرتے ہیں، ادھر اُدھر کی باتیں کرنے میں وقت قطعاً صرف نہیں کرتے، یعنی جہاں بات ختم وہیں ملاقات ختم۔''

سو اس بار میں نے جاتے ہی اپنا مدعا رکھا، نصاب کے سلسلے میں دیگر حضرات سے ملاقاتوں کا احوال اور تجاویز گوش گزار کیں، اور اپنی منشاء کی چند کتب پر حضرت کی رائے چاہی، اصل مدعا یہ تھا کہ ہم کورس کا نام ''فہم دین'' حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ہی رکھنا چاہتے تھے لیکن اس میں چند کتب کی تبدیلی و اضافہ بھی چاہتے تھے، سو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے سامنے تمام تبدیلیاں رکھ کر یہ اجازت چاہی کہ حضرت ہم آپ کا ہی نام اشتہار میں دینا چاہتے ہیں لیکن کچھ

کتابوں کی ترمیم کے ساتھ۔ میں ایک فہرست مجوزہ نصاب کی آتے ہی حضرت کو پیش کر چکا تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسلسل اس پر نظر جمائے، پہلے تو میری طولانی لایعنی تقریر سنتے رہے۔ اب اس گزارش کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت کے ارشادات ملاحظہ کیجئے۔

حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بھائی! اتنی سی بات کے لئے آپ کو یہاں تک آنے کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی، آپ کی مرضی ہے جو چاہیں پڑھائیں، بس ہمارا حصہ اتنا ہی ہو جتنی ہماری کتب آپ منتخب کریں گے۔''

پھر فرمایا: اچھا یہ نصاب پڑھائے گا کون؟

عرض کیا: مفتی عبداللہ صاحب۔

کہاں ہوتے ہیں؟

جی، جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں۔

اچھا، جی۔

کتنا وقت دیں گے؟

دو گھنٹے روزانہ۔

بہت اچھا۔

کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی، اور حضرت رحمہ اللہ کی نظریں یکسوئی سے نصاب کی فہرست پر جمی تھیں، میں نے چائے کا کپ نیچے رکھتے ہوئے عرض کیا: حضرت کچھ ارشاد فرمائیں؟ تھوڑی بہت معانی خیز خاموشی کے بعد فرمایا:

''یہ آپ نے ''فہم حدیث'' کی جگہ جو ''احیاء السنن'' رکھی ہے یہ بہت دقیق کتاب ہے، مختصر کورس خصوصاً خواتین کے لئے آسان کتاب منتخب کرنی چاہیے تھی۔''

جی وہ ہم نے فقہ حنفی کے تناظر میں یہ کتاب منتخب کی ہے چونکہ ہمیں غیر مقلدین کی جانب سے بھی دفاع کرنا ہے تو فقہی احکام کے لیے یہ کتاب رکھی ایمانیات واخلاقیات کے لئے ''فہم حدیث'' (میں نے عرض کیا)

فرمایا: بھائی! فقہائے احناف کے استنباط واستدلال، احادیث سے اتنے لطیف وباریک ہوتے ہیں کہ علوم وفنون میں کامل مہارت رکھنے والے ہی یہ ربط سمجھ سکتے ہیں عام تعلیم یافتہ (غیر عالم) کے بس کی بات نہیں۔

پھر میں نے عرض کیا: حضرت ''فہم قرآن'' کب تک مکمل ہو جائے گی؟

فرمایا: دیکھئے کوشش تو ہے!

جیسا پہلے عرض کیا: حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نہایت کم گو تھے، اور شرف آدمیت کے اس مقام کی مجسم تصویر تھے جسے غالب نے یوں تعبیر کیا ہے ع

آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

اس لئے جرأت کر کے عرض کیا حضرت دو کتب ہم تفسیر سے پہلے پڑھانا چاہتے ہیں۔ ایک ''قرآن کا مطالعہ کیسے کریں؟'' از مولانا اویس ندوی بگرامی رحمہ اللہ، دوسری ''مطالعہ قرآن کے اُصول ومبادی'' از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تا کہ طالبات میں شوق ورغبت پیدا ہو۔

فرمایا: ''ہم نے ''فہم قرآن'' کے ابتداء میں تفسیر پڑھنے کے آداب لکھ دیئے ہیں، پڑھانے والا پہلے دن اسی کو بنیاد بنا کر بیان کرسکتا ہے۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر ''فہم قرآن'' کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ ترجمہ اگر چہ بنیادی طور پر شیخ الہندؒ کا ہے لیکن مولانا تھانویؒ کی تفسیر سے موافقت حاصل کرنے کے لیے اور علیحدہ علیحدہ الفاظ کے ترجمہ کی رعایت کی خاطر اس میں بہت کچھ تصرف کیا گیا ہے، اتنے تصرف کے بعد ہم اس ترجمہ کی نسبت شیخ الہندؒ کی طرف نہیں کرسکتے اگر چہ رنگ انہی کا ہے۔

تو اب اس ترجمہ کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟

یہ سوال میرے ذہن میں تھا ایک بار میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے یہ سوال کرنے کیلئے تمہید باندھی کہ آپ کے شاگرد، مفتی سعید صاحب سے ..... حضرت ڈاکٹر صاحب نے ٹوک دیا: جی وہ میرے شاگرد نہیں، ہم میں سینئر، جونیئر کا فرق ہے۔ اس تردید پر بات کسی اور طرف نکل گئی، ہائے افسوس یہ سوال بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ ہی سپردِ خاک ہوگیا ع

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیے

ابھی فیس بک پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے چند روز پہلے ہی ایک صاحب نے عوامی درس قرآن کے لئے تفاسیر کی رائے مانگی تھی۔ احقر نے دیگر تفاسیر کے ساتھ ''فہم قرآن'' کا نام بھی لیا تھا۔ ساتھ ساتھ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اب شاید اسکی تکمیل نہ ہوسکے، مجھے کیا پتا تھا میرے الفاظ اتنی جلدی ہی منحوس ثابت ہونگے۔ ع

حالِ دل ہم بھی سُناتے لیکن
جب وہ رُخصت ہوا تب یاد آیا
بیٹھ کر سایہ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

خیر دوسری ملاقات ابھی ختم نہیں ہوئی، جاری ہے کوئی گھنٹہ بھر حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ مجلس رہی یہ ۲۰۰۳ء کی بات

ہے، میں نے الوداعی سلام عرض کرنے سے پہلے، (قابلِ غور بات) بڑی چاپلوسی اور خوشامدانہ لہجے میں حضرت رحمہ اللہ کو کہا: حضرت آپ کا یہ ''فہم دین کورس'' الہدیٰ انٹرنیشنل والوں کے توڑ میں بہت کارگر ثابت ہوگا۔

میری توقع کے بالکل برعکس حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا شاید خلافِ معمول بھی، کیونکہ اب تک کا میرا تاثر یہ تھا کہ حضرت سوال سننے کے بعد کچھ دیر خاموش رہتے تھے، کچھ توقف کے بعد جواب عنایت فرماتے تھے لیکن اب کی بار ایسا نہیں ہوا، حضرت فوراً گویا ہوئے:

''بھائی! اس مقصد کے لئے نہ ہم نے لکھا ہے نہ ہی ہمیں پتا ہے کہ یہ کیسا ثابت ہوگا، ہمارے کورس کی ڈیمانڈ تو یہ جہادیوں کے افغانستان سے پلٹنے کے بعد بڑھی ہے، ورنہ کورس تو ہم نے بہت پہلے سے مرتب کر دیا تھا۔''

میں اس جواب پر پہلے تو ہکا بکا رہ گیا، کیونکہ مجھے تو ماشاء اللہ، سبحان اللہ ..... جیسے جواب کی اُمید تھی مگر یہاں کلیتہً حضرت رحمہ اللہ نے اپنی نفی ہی کر دی، حیرت کے اس شدید جھٹکے میں مجھ پر جو خجالت کا پہاڑ ٹوٹا سو ٹوٹا، بے لاگ زمینی حقائق کی سماعت نے تو میرے پاؤں تلے سے زمین ہی کھینچ لی، میں نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے بات بدلی حضرت وہ ہمیں خواتین کے کورس کے لئے کوئی خاص نصیحت و ہدایت ارشاد فرمائیں۔ لیجیے یہاں بھی متوقع جواب سے ہٹ کر ایک نیا جہان سامنے کھول کر رکھ دیا، جس سے آپ حضرت مفتی ڈاکٹر صاحبؒ کی بصیرت کا بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ فرمایا:

''آپ پوچھ ہی رہے ہیں تو عرض کیے دیتا ہوں، یہ جو نصاب آپ پڑھائیں گے، ایک تو طویل بہت ہے دوسرا خواتین کے لحاظ سے مشکل بھی ہے۔''

میں نے قطع کلامی کی گستاخی کرتے ہوئے کہا جی وہ الہدیٰ..... حضرت رحمہ اللہ نے میری بات کو یہیں سے ٹوکتے ہوئے فرمایا:

''بھائی! بچیوں کو ضروری علم سکھا دیا جائے، اور تربیت و اخلاق پر توجہ دی جائے انہوں نے اگلے گھر جانا ہوتا ہے، سسرال علم سے نہیں اخلاق سے بستے ہیں۔''

آپ کی ٹرین کا وقت ہونے والا ہے ابھی، سواری بھی آپ کی اپنی نہیں۔

میں اس بار اشارہ بخوبی سمجھ گیا سلام و دعا کی درخواست کے ساتھ مجلس برخاست ہوگئی۔ یہ ملاقات زندگی بھر کی طویل ملاقات ثابت ہوئی۔

تیسری ملاقات

اپنے بعض اساتذہ کے ذریعے راقم کو حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات اور استفادے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یعنی ۲۰۱۳ء میں اس خاکسار کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت چشتی صاحب رمضان المبارک میں خانقاہ سید احمد شہیدؒ (بانی خانقاہ: حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ) لاہور، میں اعتکاف فرماتے

ہیں، تب سے وہاں حضرت کی صحبت سے استفادہ کے لئے چند دن کی حاضری کا معمول ۲۰۱۶ء تک باقاعدہ رہا۔ ان مجالس سے پہلے زندگی یک رُخی بس پیچ وتابِ رازیؒ کی راہ پر گامزن تھی (وہ پیچ وتاب بھی حقیقی نہیں مغالطہ ہی تھا) کہ خانقاہ میں (خادمین معتکفین بھائی ضیاء الحق اور بھائی مجاہد کے سامنے) میری ایک غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے حضرت چشتی صاحب نے فرمایا:

''میاں! ہم یہاں اپنی اصلاح کے لیے آتے ہیں، رعب جمانے نہیں، ہمیں، جیسے یہ رکھیں جہاں رکھیں ان کی مرضی۔''

ایک ۸۰ برس سے متجاوز، کارزارِ علم کی شہسوار ہستی، اپنے آپ کو بغرضِ اصلاحِ نفس یوں عامیوں کے رحم وکرم کے سپرد کردے۔ اس نفسِ مطمئنہ کے اس جملہ نے دل کے روگ مٹانے کے لیے دردِ دل کی تمنا وتڑپ پیدا کردی اور سوز وسازِ رومیؒ کے لئے، ایک نئے سفر کی ابتداء ہوگئی۔

غالباً یہ ۲۰۱۶ء ہی کے اعتکاف کی بات ہے۔ خانقاہ میں عصر کے بعد حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (نوراللہ مرقدہ)، حضرت چشتی صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ باہر دالان میں دونوں حضرات کے لیے کرسیاں لگائی گئیں۔ چند طلبہ ومعتکفین بھی اردگرد جمع ہوگئے، مجمع البحرین کا منظر تھا گویا عید سے پہلے عید کی نوید ودید کا موقعہ تھا۔ اسی دوران خانقاہ میں معتکف مفتی امداد اللہ انور صاحب (خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ صاحب) بھی شریکِ محفل ہوگئے، انہوں نے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کو اپنی نئی آنے والی کتاب کا تعارف کروایا جو معترضینِ اسلام کے جوابات پر مبنی تھی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے استفسار فرمایا:

مفتی صاحب! کیا اس میں جدید اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں؟

اس پر مفتی امداد اللہ انور صاحب نے قدیم وجدید اعتراضات کے جوابات کے حوالہ سے کوئی ترتیب بتائی تھی۔

افسوس! مجھے اب وہ جواب یاد نہیں ہے۔ (مفتی صاحب ملتان میں ہوتے ہیں ان سے رابطہ کیا جاسکتا ہے)۔

خیر اس مجلس کے اختتام کے قریب حضرت چشتی صاحب نے حاضرین کو جو زریں نصیحت ارشاد فرمائی وہی سنانے کا وقت ہوا چاہتا ہے جس کے لیے یہ طولِ طویل داستاں آپ کو سہنی پڑی۔

حضرت چشتی صاحب مدظلہ العالی نے حاضرینِ مجلس خاص کر طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے (حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میاں! اپنے استاد جی کی قدر کرلو، ان کے بعد ایسا عالم تو کیا آدمی بھی نہیں ملنا!''

بظاہر تو یہ ایک مختصر سا جملہ ہے مگر ایک جہان اس میں پوشیدہ ہے، اسے میری نظر سے دیکھیے تو یہ ارشاد دو حصوں پر

مشتمل ہے، جو اردو کے دو اساتذہ شاعروں کی مجسم ترجمانی کر رہے ہیں۔

پہلی بات کہ قدر کر لو یہ بات جہاں تک میں حضرت چشتی صاحب کے ساتھ رہا ہوں کسی کے منہ پر کسی کی تعریف و توصیف کرنا حضرتِ والا کے معمول و عادت کے خلاف ہے۔ گویا یہ اعتراف! حضرت ڈاکٹر صاحب کی تصویر میرؔ کے اس شعر میں مجسم نظر آتی ہے ع

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

دوسری بات جس کی طرف حضرت چشتی صاحب کا اشارہ تھا کہ اس قحط الرجال میں حضرت ڈاکٹر صاحب شرفِ آدمیت کے اس مقام پر فائز ہیں جس کی کمیابی کا نوحہ غالبؔ نے یوں کیا ہے ع

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

سو یہ آخری زیارت و دیدار ثابت ہوا، دو مجاورینِ آستانہ علم کا آپس میں اس طرح کا سلوک و محبت، پھر ایک کمالِ فن کی معراج پہ فائز کا بامِ عروج پر براجمان دوسرے صاحبِ کمال کے لیے ایسے برملا اعتراف!!! یوں کہیے ایک فقیہ کی تعریف بزبانِ محدث و محقق ع

خواب بن کر رہ گئی ہیں کیسی کیسی محفلیں
خیال بن کر رہ گئے ہیں کیسے کیسے آشنا

مفتیانِ کرام کے مفتی اعظم

مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کی وفات پر کسی صاحبِ علم (غالباً مولانا عبدالغنی طارق صاحب) نے تبصرہ کرتے ہوئے حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا عوام کے اشکالات دور کرنے کو تو علماء موجود ہیں لیکن علماء کے اشکالات کو حل کرنے والی ہستی چل بسی۔ میں اپنے شہر کے احوال بتا سکتا ہوں جس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ ابن انشاؔء نے کیا خوب کہا ہے ع

اس شہر میں کِس سے مِلیں، ہم سے تو چُھوٹیں محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے، ہر شخص دیوانہ تیرا

حضرت ڈاکٹر علامہ عبدالحلیم چشتی مدظلہ کے ساتھ (پچھلے بارہ تیرہ برسوں میں) کئی بار رہنے اور استفادہ کا شرف حاصل ہوا، حضرت چشتی صاحب سے اگر زندوں میں سے کسی کے علم و فضل کی تعریف سنی تو وہ صرف اور صرف دو ہستیاں ہیں، پہلی جنہیں دُنیا شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کے نام سے جانتی ہے اور دوسری ہستی صاحبِ تذکرہ مرحوم مفتی

ڈاکٹر عبدالواحد صاحب۔

جیسے ابتداء میں عرض کیا کہ تبلیغ کے بعد میرے دینی شعور کا سب سے بڑا ذریعہ ہمارے مفتی محمد رضوان صاحب تھے، مفتی صاحب کے دارالافتاء میں جن خاص الخاص حضرات کی فقاہت کا ڈنکا بجتا تھا ان میں حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ کا اسم گرامی پہلی فہرست میں لیا جاتا تھا، گذشتہ بیس بائیس سالوں میں بارہا مفتی صاحب سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ کا حوالہ بطور سند کے سُنا (بعض مرتبہ اختلافی رائے بھی)۔

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ نے فکریوں کی کج روی پر عرصہ ہوا نقد لکھا تھا، اب کی بار جو مفتی محمد رضوان صاحب نے اس موضوع پر مفصل و مدلل قلم اُٹھایا تو حضرت ڈاکٹر صاحب کی تقریظ وکلماتِ تحسین دیکھ کر دل خوشی سے نہال ہوگیا، حضرت کے الفاظ اس کتاب سے متعلق نہایت حوصلہ افزا ہیں۔

جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کا دارالافتاء جب مفتی محمد اسمٰعیل طوروصاحب کے سپرد ہوا تو اُن سے بھی تعارف بڑھنے لگا، نصاب کی ترتیب وتشکیل کے سلسلہ میں محترم طوروصاحب سے بھی رابطہ کیا تھا، اِن دنوں چائنہ کی بزناس، گولڈکوئسٹ، شینل کمپنی اور اسی طرز کی دوسری کمپنیوں کے کاروبار میں شرکت کے جواز وعدم جواز کی بحث دارالافتاؤں کے ماحول میں خوب گرم تھی۔ یہ ۱۴۲۳ ہجری کا سال تھا۔ جامعہ اسلامیہ کے دارالافتاء میں بیٹھے مفتی محمد اسمٰعیل طوروصاحب کے ہاں بھی یہ بحث جاری تھی، میں نصاب پر بات کرنے کی غرض سے موجود تھا، محترم طوروصاحب نے ''اسلامی عقائد'' از مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں اپنا ایک عجیب قصہ سُنایا، وہ بھی اپنے مخصوص لہجے میں جس میں ہمارے پٹھان بھائی اردو بولتے ہیں، خیر مفتی صاحب پٹھان ہونے کے باوجود قدرے اچھی اردو بول لیتے ہیں مگر لہجہ وہی ہے۔ مفتی صاحب کو ''اسلامی عقائد'' کی ایک عبارت (غالباً عذابِ قبر) پر اشکال یا اعتراض تھا سو اس سلسلے میں ان کی صاحبِ تصنیف حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ ڈاکٹر سے مکاتبت جاری تھی، طوروصاحب نے کہا جیسے جیسے ہماری ڈاکٹر صاحب سے خط وکتابت بڑھتی گئی، جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت ڈاکٹر صاحب کا خط سُکڑتا گیا، میرا خط پھیلتا گیا۔ بعد میں اس مکاتبت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، اس سے میں لاعلم ہوں، متجسس نفوس مفتی طوروصاحب سے دریافت کر سکتے ہیں۔ خیر ایسے علمی معرکے تو اہلِ علم میں ہمیشہ سے روا رہے ہیں۔ ذوقؔ نے اس ذوق کو کس خوبی سے شعر میں باندھا ہے ع

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

نصاب کے بارے میں جو تگ ودو، تلاش وتفتیش کی تھی۔ انہی ملاقاتوں سے تفسیر ''فہم قرآن'' کے بارے میں ایک صاحبِ علم کا تاثر پیش ہے، جسکی وجہ سے ہم نے ''فہم قرآن'' ہی پڑھانے کے لیے منتخب کی تھی، مگر ذرا پسِ منظر طویل ہے۔

میری کل بساط تفسیر کے باب میں ''معارف القرآن'' اور ''تفسیر عثمانی تھی''، بی۔اے کا پہلا سال تھا، کالج کی لائبریری سے کتاب ایشو کروا رہا تھا کہ ایک بوسیدہ سی جلد ہاتھ آئی کھولی تو تفسیر ''ماجدی'' پہلے پانچ پارے کی جلد تھی، میں نے یہی ایشو کروالی۔تفسیر ''ماجدی'' مولانا عبدالماجد دریابادی کا ایسا شاہکار ہے جس نے مجھ پر تفسیر اور فہم قرآن کا ایک نیا جہان کھول دیا۔ایک لب ولہجہ، اسلوب و بیان، کا لجبیٹ کی زبان سے لگاؤ کھاتا تھا، دوسرا جدید نظریات، سائنسی تحقیقات، بتانِ وہم و گماں فلاسفہ مغرب ومشرق کا محاکمہ (گذشتہ صدی سے لے کر آج تک ایسا قابل نقاد پھر دنیا نے نہیں دیکھا)، اہل کتاب کا رڈ انہی کے مصادر سے، بلاغتِ قرآن کا پہلو (جو میرے لیے بالکل نیا زاویہ تھا) سابقہ مذکور دونوں تفاسیر اپنی اپنی جگہ، مگر جو لطف، انداز بیان، نکات آفرینی، انشاپردازی حضرت دریابادی کے یہاں ہے، وہ آج تک کسی اور میں نہیں ملی۔یوں میں قرآنیات وتفاسیر کی طرف متوجہ ہوا، اسی شوق میں بقول شاعر ع

کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی ان کے در کبھی دربدر
غم عاشقی تیرا شکریہ ہم کہاں کہاں سے گزر گئے

اردو تفاسیر وتراجم جمع کرنا میری زندگی کا مشن بن گیا ہے، اور کئی حضرات سے تعارف واستفادہ صرف اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہوا۔سیٹلائیٹ ٹاؤن میں مولانا عبدالرحمٰن افغانی صاحبؒ (مرید: حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ) کی مشہور جامع مسجد عرشی ہے، مولانا مرحوم کے فرزند مفتی امداداللہ یوسف زئی آجکل اسکے خطیب ومہتمم ہیں۔کسی توسط سے معلوم پڑا کہ ایک بڑا کتب خانہ بھی مفتی صاحب کو ترکہ میں ملا ہے، جس میں اردو تراجم اور کتب بھی ہیں، میں مفتی صاحب کے یہاں چلا گیا، اس سے پہلے مجھے ان کا تعارف نہیں تھا، قرآنیات کا یکساں ذوق پھر ہماری مسلسل رفاقت کی مستقل وجہ بن گیا (مفتی صاحب نے کراچی یونیورسٹی سے تفسیر ''معارف القرآن'' مولانا کاندھلوی، پر ڈاکٹر شکیل اوج صاحب کے زمانہ میں پی ایچ ڈی کرنا چاہی لیکن موضوع مسترد کر دیا گیا) تراجم وتفاسیر کی تلاش میں سرگرداں رہنا زندگی کا معمول تھا اور ہے، اسی تناظر میں گوجرانوالہ کے مرحوم مکتبہ الواحد کی شہرت سنی تو وہاں چلا گیا۔مجھے عرصہ سے تفسیر ''بیان القرآن'' کی تلخیص وتسہیل کی تلاش تھی جو حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے فرمائی تھی۔یہ گوہر نایاب مجھے وہیں سے ملا، حسنِ اتفاق مفتی صاحب کو بھی اس کی طلب تھی، میں نے ان کے لئے بھی ایک نسخہ لے لیا۔کچھ دن بعد میں مفتی صاحب کی طرف گیا تو ''بیان القرآن'' کا تذکرہ چھڑ گیا، ہمارے سامنے پانچ چیزیں تھیں: ''تلخیص بیان القرآن'' تاج کمپنی، ''تلخیص'' از: مفتی ظفر احمد عثمانی، ''خلاصۂ تفسیر بیان القرآن'' از: حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مشمولہ ''معارف القرآن''، ''معارف القرآن'' از علامہ ادریس کاندھلوی، اور تفسیر ''فہم قرآن'' از مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب۔

مفتی امداداللہ یوسف زئی صاحب نے اس وقت فرمایا: ان سب کا تقابل کر کے دیکھا جو بات ''بیان القرآن'' کی تسہیل میں حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کی ہے وہ کسی اور جگہ اتنے آسان الفاظ میں نہیں ملتی اور تسہیل کے ساتھ

ساتھ ''بیان القرآن'' کی ترجمانی بھی قائم رہتی ہے۔ گویا ع

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

ڈاکٹر طلحہ سعد صاحب سے شناسائی الندوہ لائبریری چھتر میں ہوئی تھی، وہ بھی کتابوں کے شیدائی اور جادہ ومنزلِ احسان وسلوک کے راہی، ایسی ہی کچھ تہمت کی زد میں بندہ ناچیز بھی ہے۔ ڈاکٹر سعد صاحب کے شیخ ومرشد حضرت احمد یعقوب صاحب سلسلہ رائے پوریؒ میں مجاز ومربی بزرگ ہیں، شیخ صاحب اسلام آباد میں اپنے مرید ڈاکٹر سعد صاحب کے یہاں اکثر مہمان ہوتے ہیں، وہیں زیارت واستفادہ کی نیت سے حاضری ہوجاتی ہے، اس بار مفتی امجد حسین صاحب جو نہ صرف عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، بلکہ ہر لحاظ سے علم وفضل، نسبت وسلوک، اخلاق وصفات میں، مجھ سے عالی اور بڑھے ہوئے ہیں، اس کے باوجود اس حقیر سے ہم عمروں کا سا معاملہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی ناآشنا ہماری محفل میں آجائے تو اسے یوں لگے کہ میں مفتی ہوں اور وہ سامع ہیں، وہ بھی ہمرکاب وہمسفر تھے۔ ڈاکٹر سعد صاحب نہایت وسیع المطالعہ شخص ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فلسفہ وافکار میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں ذاتی کتب کا ذخیرہ بھی ہزاروں میں ہے۔ ان کے ہاں حضرت احمد یعقوب صاحب کی زیارت کے ساتھ ساتھ کوئی ناکوئی علمی بات ونکات مجلس میں زیر بحث آ ہی جاتی ہے، اس بار جو علم الکلام وتصوف پر بات چھڑی تو مفتی امجد حسین صاحب (ایک جہانِ علم) نے اپنے قیمتی مطالعہ کے نچوڑ سے محفل علم کے جام وسبو کو بھر دیا فرمانے لگے:

''جہاں تک وحدۃ الوجود کی تشریح اور تفہیم کی بات ہے فی زمانہ اس کی نفیس اور سہل بحث حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے ''اسلامی عقائد'' میں کی ہے، اصلاً اس کا مآخذ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب ''عبقات'' ہے ایسی علمی انداز کی ابحاث کو حضرت ڈاکٹر مفتی صاحب نے ''اسلامی عقائد'' میں نہایت شاندار اسلوب میں سہل کردیا ہے۔''

ڈاکٹر طلحہ صاحب سے اثنائے گفتگو فرمایا:

''آپ کے لیے حضرت ڈاکٹر مفتی صاحب کی کتاب ''مریض ومعالج کے احکام'' آپ کے شعبہ کے اعتبار سے تو مفید ہے ہی، البتہ ''اسلامی عقائد'' میں بھی آپ کی دلچسپی کا سامان بخوبی موجود ہے خاص کر حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے حیاتِ برزخی، اثباتِ راحت وعذاب قبر کے سلسلے میں جو اجزاء کے بقا ومعدوم ہونے میں خلیہ (cell) کی مثال سے استدلال کیا ہے یہ آپ کے لیے ہم شعبہ (ڈاکٹر) ہونے کے بنسبت اوروں کے زیادہ قابل فہم اور مفید ہے۔''

بحیثیتِ مجموعی اگر حضرتؒ کی ذات وصفات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو بلا شک وشبہ یہ تسلیم کیے بنا چارہ کار نہیں کہ

حضرت رحمہ اللہ اپنے عہد کی نہایت عبقری شخصیت تھے، علمی وقار ومتانت کے ساتھ بھرپور انتقادی ذہنیت کے حامل تھے، اور مسلک ومشرب میں سختی سے اہلسنت علمائے دیوبند کے نقشِ قدم پہ کاربند تھے، اس معاملہ میں اپنے، پرائے کی تقسیم یا معمولی رُورعایت کے کسی صورت قائل نہیں تھے۔ بلکہ خاص کر اپنوں کی بے اعتدالی پر محاسبہ کرنے والوں کے تاحیات امام وپیش رَو رہے۔ یہ احقر کا تاثر ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اپنے منہج ومزاج کے اعتبار سے ٹھیٹھ اس قافلہ سلف کے رفیق وہم نوا تھے جسکا طرۂ امتیاز اب بھی یہ ہے ع

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

دشتِ سلوک کی سیاحی اور منزلِ عشق کے راہی بخوبی جانتے ہیں، اس راہ میں کیسی کیسی قیامتیں برپا ہوتی ہیں، کبھی رقابتوں، رنجشوں سے پالا پڑتا ہے، کبھی حسد وعداوتیں گھیرا تنگ کرنے لگتی ہیں، اور سب سے بڑھ کر عقیدت وارادت ہی پہاڑ بن کر راہِ حق میں حائل ہو جاتی ہے اس سے کڑا امتحان ایک زندہ دل کا اور کیا ہوگا؟ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ اس طریق میں بھی اپنے عہد کے اُن چنیدہ ہستیوں میں سے تھے جنہیں جرمِ عشق پہ ناز تھا۔ وہ اپنی ڈھب کے پکے، اپنی لگن کے سچے، منزلِ عشق کی جانب روزِ روشن کی طرح واضح اور اُجلی شاہراہ پر میرِ کارواں تھے۔ اظہارِ حق میں کسی مصلحت تو کیا پاسِ عقیدت وارادت کے روادار بھی نہیں تھے جو بات حق سمجھی وہ بات ببانگِ دہل اُن کے قلم سے نکلی، کسی ملامتی کی ملامت کو کبھی خاطر میں نہیں لائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اُس کاروان وقبیلہ کی روایات کے امین تھے جس کے علَم بردار حضرت خواجہ فخر الدین دہلویؒ اور امامِ ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رہے۔ گویا ع

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے اَزل سے قلندروں کا طریق

چھوٹا منہ بڑی بات، لیکن اسے کہنے میں احقر کو کوئی باک یا عار نہیں حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ، اُس زمرۂ طیبین ومتقین میں سے تھے جن کے لئے ایمان ووجدان گواہی دیتا ہے کہ اس نغمۂ سرمدی میں جو بشارت بوقتِ سکرات و نزاع اہلِ ایمان واحسان کو سنائی گئی ہے وہ حرف بہ حرف حضرتِ والاؒ پر صادق آتی ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي.

الوداع، حضرت ڈاکٹر صاحب الوداع!!!

.....☆☆☆.....

Life Changing 30 minutes

by Sohail Faraz (Electronics Engineer)

We parked our car in a congested street and walked towards a hospital near Hazrat Ali Hajveri burial place.

It was 2009 and we were there to meet Hazrat Maulana Dr. Mufti Abdul Wahid sahib. The reason was simple yet very important. With so many groups claiming to be on the right path to Islam, we were utterly confused and disoriented and seeked direction and advice.

Who in the present times carries the true banner of Islam? What are our responsibilities when we witness aggression and injustice against Muslims around the world? Which sect should we follow and why so many sects exist? Whether tabligh or jihad is the need of the day?

Questions like above continuously rattled our minds and we spent hours and hours discussing inconclusively amongst ourselves. We definitely needed a mentor, a guide, a teacher and above all a humble and pious human being.

Since, Hazrat was a qualified medical practitioner as well, he was advising some medicines to the patient as we entered his clinic. He welcomed us and signaled us to sit on the chairs right across his desk. Once free from the patient, he diverted his attention to us.

Hazrat patiently and attentively listened to all of our queries and confusions. He did not interrupt us during our elaboration. He smiled and looked up to us and said:

Start with Fard and Wajib and hold on to them steadfastly

It was the most brief and comprehensive advice that we had ever got till then.

Additionally, he wanted us to start Fehm-e-Deen course under his supervision.

The Fehm-e-Deen course has been specifically designed for professionals like us. It covers Hadith, Fiqh, Aqaid, Usool-e-Din and Tafseer. Alhamdolillah, as per his advice, we started this course and gradually we felt that all the questions and confusions that were present in our minds started to be adequately answered. It is so masterfully designed and organized that whatever question arises in mind after reading a section of it, it is answered in the next few pages.

This course not only cleared clouds of confusion in our minds but also gave us an opportunity to sit with learned ulema. It massively helped us in getting over with stereotyping of ulemas that is prevalent in our society. We recognized and started to appreciate the roles and functions ulema are playing towards the development of our younger generations and overall progress of the society. In short, it set our direction straight.

We are grateful to ALLAH (SWT) for leading us to one of the most learned scholars, visionaries and faqihs of our times. No doubt he was an institution in himself.

May ALLAH (SWT) exalt Hazrats status in the hereafter and may his students carry his beacon forward.

.....☆☆☆.....

وَ آت ذَا الْقربی حَقَّهٗ

(القرآن)

عزیز و اقارب کی نظر میں

خیر کم خیر کم لاھلہٖ

(الحدیث)

ایک مخلص، محنتی اور ہمدرد انسان

حضرت مولانا احمد بٹلہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

ہمارے محبوب اور مخلص بھائی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ ہم سب سے جدا ہو گئے اور دنیا سے تشریف لے گئے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ یقیناً ہم سب کو بہت صدمہ ہے اور ان کے جانے کا بہت افسوس ہے لیکن بہرحال ہر آنے والے نے ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ **کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال و الاکرام**

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میرے خالہ زاد بھائی تھے اور میرے رضاعی بھائی بھی تھے۔ مجھے بھی ان سے بہت محبت تھی اور ان کو بھی مجھ سے بہت محبت تھی۔ ان کی صفات اور ان کے اعمال کا کیا عرض کریں وہ تو اللہ ہی جانتے ہیں لیکن ظاہری طور پر جو نظر آیا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ انتہائی محنتی، مخلص، انتہائی متواضع، منکسر المزاج اور دل میں ہر ایک کے لیے ہمدردی اور محبت رکھنے والے اور امت کے غم میں اور امت کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب ڈاکٹری پڑھ رہے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈاکٹری پڑھتے پڑھتے انہوں نے قرآن پاک حفظ کیا، میں سن کر حیران رہ گیا۔ مجھے اس وقت پتہ چلا جب ان کے پندرہ سے زیادہ پارے ہو چکے تھے۔ میں سن کر حیران رہ گیا کہ بھائی عبدالواحد صاحب ڈاکٹری تعلیم کے ساتھ حفظ کر رہے ہیں، وہ تو بہت سخت تعلیم ہوتی ہے لیکن مجھے یقین نہیں آیا۔ میں نے ہر ایک سے پوچھا، ان کے رشتہ داروں سے، ان کے بھائیوں سے پوچھا انہوں نے بتایا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ ماشاء اللہ انہوں نے ڈاکٹری تعلیم کے ساتھ حفظ کیا اور پھر کتابیں پڑھنی شروع کیں الحمدللہ جب ڈاکٹری سے فارغ ہوئے اس کے بعد پڑھتے رہے اور اپنی تعلیم کو مکمل کیا اور دورۂ حدیث بھی کیا۔

اپنی ساری زندگی علم کی خدمت میں اور امت تک علم کی باتوں کو اور اللہ کے احکامات کو اور احادیث مبارکہ کو اور فقہ کو پہنچانے میں لگے رہے۔ اپنی ساری زندگی اسی میں لگا دی اور ہم نے بخوبی دیکھا، بارہا دیکھا کہ اپنے گھر والوں کو، اپنے بچوں کو، اپنے رشتہ داروں کو وقت بہت کم دیتے تھے اور سارا وقت اپنے علم میں، عمل میں اور امت کو فائدہ پہنچانے میں لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بات بھی سامنے آئی کہ جب وہ حج پر تشریف لے جاتے تھے (کئی حج کیے مجھے پورا معلوم نہیں کہ کتنے حج کیے، کئی حج کیے ماشاء اللہ) حج پر بھی جاتے تھے اپنی کتابوں کو جو وہ کوئی تصنیف کر رہے ہوتے تھے یا کسی کتاب

کی شرح لکھ رہے ہوتے اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور منیٰ کے ایام میں بھی وہ اپنے علمی کام کو جاری رکھتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بہت زیادہ اچھی صفات کے مالک تھے اور جو صفات اللہ نے ان کو دی تھیں ان صفات کو امت میں پھیلانے کے لیے، امت تک پہنچانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ مجاہدے اور قربانی کے ساتھ سارے مجاہدوں کے ساتھ بھی کام کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، اچھی طرح معلوم ہے، میرا عمر کا کافی سارا حصہ ان کے ساتھ ملنے جلنے میں گذرا شروع میں کافی مشقت کے ساتھ اور کافی قربانی کے ساتھ یعنی کہنا چاہیے کہ زندگی ان کی خوش حال نہیں تھی، تنگی کے ساتھ گذارا کر رہے تھے، چھوٹا مکان اور گذارے والی زندگی اس کے باوجود کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آتا تھا اور صبر وشکر کے ساتھ اپنی زندگی گذارتے رہے۔ ماشاء اللہ! میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ساری زندگی اس طرح گذری جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الأنعام: ۱۶۲)

(ترجمہ: میری زندگی میرا اٹھنا بیٹھنا میرا سونا جاگنا اور میرا جینا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے۔)

اپنے آپ کو گویا انہوں نے اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا کہ میری زندگی، میرا اٹھنا بیٹھنا، میرا سونا جاگنا اور میرا جینا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ علوم نبوت کے طالبین کی خدمت کرنا، ان کو پڑھانا، اس میں اپنا سارا وقت لگانا اور پھر اپنی ضروریات کے لیے مدرسہ سے کچھ نہ لیا۔ اپنی ڈاکٹری کی لائن سے جو کچھ ان کو ضروریات کے لیے ملتا تھا اسی سے اپنی ضروریات پوری کرنا اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذارنا۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جس وقت میں رائیونڈ میں پڑھنے کے لیے آیا تھا کوئی آج سے پینتیس، چالیس سال پہلے کی بات ہے میں چھوٹا تھا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی عمر میں چھوٹے تھے، مجھ سے صرف چھ مہینے یا ایک سال بڑے ہیں جب میں پڑھنے آیا تھا تو رائیونڈ میں بہت مجاہدہ تھا، بجلی بہت تھوڑی ہوتی تھی، پنکھے بالکل نہیں تھے، پانی بھی میٹھا بہت کم آتا تھا، بس مجاہدے بہت زیادہ تھے، رائے ونڈ کے حضرات آنے والوں کا بہت خیال رکھتے تھے چونکہ کراچی سے آنے والا میں پہلا طالب علم تھا اس لیے حضرات میری بہت رعایت فرماتے تھے اور میرا بہت خیال فرماتے تھے چنانچہ مجھے ہر جمعہ کو یہاں لاہور اپنی خالہ کے ہاں آنے کی اجازت مل جاتی تھی اور میں ہر جمعے کو آتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے رائیونڈ پڑھنے میں، رائیونڈ رہنے میں بڑا ہاتھ میری خالہ اور میرے خالہ زاد بھائی حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا ہے انہوں نے مجھے محبت دی اور میرے ساتھ ماشاء اللہ ایسا سلوک کیا کہ ہر جمعے کو کبھی بھی میری خالہ یا میرے خالہ زاد بھائی کے ماتھے پر بل نہیں آتا تھا بلکہ محبت سے پیش آتے تھے۔ ماشاء اللہ! اتنا خیال رکھتے تھے کہ میں رائیونڈ کے مجاہدوں کو بھول جاتا تھا۔ ورنہ کہاں میں کراچی کا رہنے والا، ناز ونعمت میں پلنے والا اور کہاں رائیونڈ کے مجاہدے! میرے یہاں رائیونڈ پڑھنے میں اور رائیونڈ کے مجاہدے برداشت کرنے میں سب سے پہلے تو اللہ کی توفیق اور

اس کے بعد میری خالہ اللہ ان کو صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے اور میرے ان خالہ زاد بھائی رحمہ اللہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرما دے اور ہم سب کی طرف سے، پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور ان کے درجات کو بلند فرمائیں، ان کی محبت، ان کے خلوص، ان کے میرے ساتھ اچھے معاملات کی وجہ سے میرا رائیونڈ میں پڑھنا اور پھر یہاں رہنا ہوا اور وہ بڑا سبب بنے میرے یہاں رائیونڈ میں رہنے کا۔ یقیناً مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جو کچھ میں تھوڑے بہت اعمال کر رہا ہوں اس کا پورا پورا ثواب میرے ان دونوں قریبی رشتہ داروں کو پہنچ رہا ہے ان شاء اللہ۔

یہ بات بھی کسی درجے میں مشہور ہے کہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ دعوت و تبلیغ کے مخالف تھے۔ ایسی بات نہیں۔ وہ ہرگز تبلیغ کے مخالف نہیں تھے، وہ تبلیغ کے حامی تھے۔ میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا، بہت اچھی طرح جانتا ہوں جب ہی تو اپنے چھوٹے بھائی مولوی آفتاب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے تبلیغ میں جانے اور رائیونڈ میں مقیم بننے اور تا آخر حیات رائیونڈ میں خدمت کرنے اور تبلیغ میں جانے پر کبھی نہیں روکا۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اپنے نبی ﷺ کے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے دین پر چلتے ہوئے اور دین کی عالی محنت دعوت الی اللہ والی محنت میں ہم سب کو لگنے کی اور موت تک لگے رہنے کی اپنی رضا کے ساتھ توفیق عطا فرمائیں اور اسی محنت کو کرتے کرتے ہم سب کو موت نصیب فرمائیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.....☆☆☆.....

ایک جامع، محنتی اور بے مثال شخصیت

مولانا فضل ربی ندوی مدظلہم
مجلس نشریات اسلام کراچی

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ہماری رشتہ داری بھی ہے۔ ان کی ہمشیرہ میری اہلیہ ہیں اور ان کی دو بیٹیاں میری بہوئیں ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں آدمی کیا کہے؟ میاں وہ تو اپنی نظیر آپ تھے۔ پورے ہندوستان پاکستان میں ایسا کوئی آدمی نہیں جو (ایم بی بی ایس) ڈاکٹر بھی ہو اور مفتی بھی ہو۔ ایک ڈاکٹر عبدالعلی ندوی تھے مولانا علی میاں کے بڑے بھائی۔ انہوں نے میڈیکل بھی پڑھی تھی حکمت بھی پڑھی تھی اور ہومیو بھی پڑھی تھی۔ بڑے خوش لباس اور وضعدار آدمی تھے۔ ندوہ کے ناظم تھے لیکن وہ مفتی نہیں تھے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے میڈیکل کے علاوہ طب تو پڑھی تھی البتہ ہومیو نہیں پڑھی تھی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بہت محنتی آدمی تھے بہت محنتی، جب دیکھو ہر وقت پڑھائی پڑھائی پڑھائی۔ بس ہم لوگ مہمان بھی آتے تھے تو تھوڑی دیر حال، احوال لیئے، کھانا وانا اکٹھے کھایا اور پھر اپنے کمرے میں اور اپنی پڑھائی میں جت گئے۔ انہوں نے بہت محنت کی، جان توڑ محنت کی ہے۔ لکھنا پڑھنا ان کی خوراک تھی قلم کاغذ ہر وقت کے ساتھی تھے۔ دن رات، سردی گرمی، خوشی غمی کے حالات وتغیر صحت و بیماری سے متاثر ہوئے بغیر اس مقدس کام میں لگے رہتے تھے۔ لکھائی بہت صاف تھی ایسے جیسے موتی ہوتے ہیں بہت متوازن بہت جچی تلی۔ اور بہت نپے تلے الفاظ اور مکمل بات۔ بولنے میں بھی کم گو تھے۔ مگر گفتگو بڑی بامعنیٰ اور پرمغز کرتے تھے۔ کبھی ہنسی مذاق اور دل لگی کی بات بھی کر لیتے تھے لیکن گفتگو پر اکثر سنجیدگی ہی غالب رہتی تھی۔ شروع سے مزاج سنجیدہ پایا تھا۔ بلکہ جس محفل میں ہوتے تھے اس پر بھی سنجیدگی طاری ہو جاتی تھی۔

یہاں لاہور میں جب ہم آنا شروع ہوئے تو اس وقت ان کی ایم بی بی ایس کی پڑھائی شروع ہو چکی تھی۔ کیونکہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ان کی ٹیبل پر پلاسٹک کی ہڈیاں وغیرہ رکھی ہوتی تھیں۔ اور حیرت ہوتی کہ اتنی سخت اور محنت طلب پڑھائی کے ساتھ ساتھ قرآن پاک بھی حفظ کرنے لگے اور بالآخر کر ہی لیا۔ مسجد میں کئی محرابیں بھی سنائیں۔ حافظ عالم، قراءتِ سبعہ کے قاری اور مجوّد پھر علم ہوا کہ فارسی پڑھ رہے ہیں مجھ سے کہا ''کوئی فارسی پڑھانے والا آدمی مل جائے''۔ میں نے کہا بھی کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اب فارسی پڑھنے کا کیا فائدہ؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ فائدہ ہے کئی کتابیں فارسی میں ہیں۔ بالآخر

انہوں نے فارسی پڑھ ہی لی۔

بھائی کیا کہوں! حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بڑے پیارے انسان تھے بہت صفات والے، بہت معاملہ فہم تھے معاملات کو ان کی جڑ سے پکڑتے تھے اور چٹکیوں میں سلجھا دیتے تھے۔ جب ان کا ذکر ہوتا ہے تو میرے پر تو گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ اور میاں اپنی کتابوں سے ایک روپیہ نہیں کمایا، سب کام اور پڑھنا پڑھانا فی سبیل اللہ تھا بڑی بات ہے! حالانکہ ہمیں اس کا تجربہ ہے کہ پبلشر سے سب سے پہلے مصنف کا تقاضا بدل پر ہوتا ہے کہ ہمیں کیا دو گے۔

کراچی آتے تھے تب بھی کبھی اس کے پاس ملنے جا رہے ہیں کبھی مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو، کبھی کسی کو، کبھی کسی کو۔ ورنہ کتابیں ساتھ لاتے تھے ان کے مطالعے میں غرق رہتے۔ اگر ہم انہیں اپنے مکتبہ پر لے جاتے تو وہاں بھی کتابیں دیکھنے لگتے اور پھر کسی کتاب کے مطالعے میں کھو جاتے۔ بس اپنی دھن میں رہتے تھے وقت بے کار ضائع نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھار سیر و سیاحت میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دفعہ کراچی سمندر میں ہم بوٹ پر انہیں ساتھ لے گئے اس دن بہت مچھلی ہمارے ہاتھ لگی، گھر آ کر کھائی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جہاں بھی جاتے تھے وہاں سے متعلق معلومات بھی لیتے اور خوب اور بڑے بامعنیٰ سوالات کرتے تھے۔

یہاں لاہور میں ایک دفعہ مجھے کہنے لگے آج آپ کو لاہور کے پرانے دروازے دکھانے ہیں چنانچہ گاڑی میں عبید اللہ کے ہمراہ لے گئے اور سارے دروازے دکھائے یہ دہلی دروازہ ہے یہ بھاٹی دروازہ ہے یہ شیرانوالہ ہے یہ فلاں یہ فلاں۔ اس چیز کی طرف عام طور سے کسی کا ذہن نہیں جاتا کہ یہ جگہیں بھی تاریخی ہیں اور دیکھنے دکھانے کی ہیں لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ذہن اس طرف گیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا علی میاں (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) صاحب رحمہ اللہ ایک سفر میں جب کراچی تشریف لائے تو میں نے مولانا کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی پہلی تصنیف ''ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں'' پیش کی، حضرت مولانا علی میاں صاحب نے رات کو اس کی ورق گردانی کی اور چیدہ چیدہ مقامات کا مطالعہ کیا۔ صبح حضرت، ڈاکٹر اسرار کے حلقہ کی جانب سے ایک تقریب میں مدعو تھے وہاں پر حضرت رحمہ اللہ نے اپنے دعوتی انداز میں ڈاکٹر اسرار صاحب کی کچھ غلطیوں کی طرف نشاندہی بھی کی (حضرت رحمہ اللہ کا انداز کھلم کھلا تنقید کرنے کا نہ تھا) جس پر منتظمین بھی حیران تھے کہ یہ کیا ہوا، صاف نظر آتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ نے رات کو مذکورہ کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔

.....☆☆☆.....

شفیق وخلیق اور ذمہ دار انسان

اہلیہ محترمہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ

خاندانی تعلقات

میری رہائش راولپنڈی کی تھی جبکہ حضرت رحمہ اللہ کا خاندان لاہور میں قیام پذیر تھا۔ دونوں خاندان پنجابی سوداگر برادری سے تعلق رکھتے ہیں میری نانی اور حضرت رحمہ اللہ کی دادی آپس میں کزن تھیں۔ اس لیے دونوں خاندان ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہ تھے۔ میری والدہ کے ایک ماموں لاہور میں رہتے تھے وہ حضرت رحمہ اللہ کے پھوپھا بھی تھے۔ اس لیے میرے خاندان کا لاہور آنا جانا بھی رہتا تھا۔

دینی تعلیم

شادی سے قبل میری دینی تعلیم کوئی خاص نہ تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں نے قرآن کی تصحیح سے لے کر روزمرہ کے مسائل وتفسیر قرآن وغیرہ جو کچھ دینی تعلیم حاصل کی سب حضرت رحمہ اللہ سے حاصل کی ہے۔

میری شادی ۱۹۷۷ء میں ہوئی، اس وقت حضرت رحمہ اللہ فوج میں دوسالہ جبری ملازمت پر تھے۔ اس لیے جلد ہی مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس دوران ملتان، ٹل وغیرہ علاقوں میں پوسٹنگ رہی۔

کتابوں سے محبت

شادی کے کچھ عرصہ بعد مجھے اور اپنی والدہ کو حج پر لے گئے۔ حضرت رحمہ اللہ دیگر مردوں کے ساتھ قربانی کرنے گئے اور ہمیں منیٰ میں خیموں میں چھوڑ گئے۔ یکا یک آواز لگی کہ آگ لگ گئی بھاگو! میں اپنی ساس کے ساتھ جلدی میں ایک بیگ اٹھا کر بھاگی۔ پیچھے کچھ دیر میں ہی سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ جب قربانی کے بعد حضرت رحمہ اللہ ہم تک پہنچے تو انہوں نے سامان کا پوچھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ جلدی میں بس یہ بیگ اٹھایا ہے۔ تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ **"میری کتابیں بھی اٹھا لیتیں!"**

علمی مصروفیات اور گھریلو ذمہ داریاں

حضرت رحمہ اللہ دینی تعلیم میں منہمک ہونے کے باوجود گھر اور گھر والوں کی ذمہ داریوں سے کبھی غافل نہ رہے۔

جب تک بچے بڑے نہیں ہوئے ہمیشہ سودا سلف خود لاتے تھے، کپڑوں کی خریداری کے لیے مجھے راولپنڈی میں میرے بھائی کی دکان پر لے جاتے تھے، اگر ضرورت ہوتی تو مجھے کبھی بازار بھی لے جاتے۔ والدین اور رشتہ داروں کو وقت دیتے، بچوں کی دیکھ بھال وضروریات سے لاعلم نہ رہتے۔ ان کو وقت دیتے، ان کی تعلیم میں سر کھپاتے۔

مجھے ہر عید کی چھٹیوں میں لازماً راولپنڈی میرے میکے لے کر جاتے۔ ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتے اور لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور رہتے۔ زندگی بھر حضرت رحمہ اللہ کے اپنے کسی بھائی یا بہن سے اختلافات نہیں ہوئے، اور نہ ہی سسرال میں کسی سے ناراضگی ہوئی۔

مجسم سادگی وقناعت

سادگی حضرت رحمہ اللہ کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ لباس وغذا کے بارے میں تو خاص کر ایسا لگتا تھا لاابالی پنا ہے یعنی اس چیز کی پرواہ نہیں کہ کیا کھایا کیسا کھایا، یا کیا پہنا اور کیسا پہنا (لیکن یہ لاابالی پن اختیاری تھا ورنہ اس حوالے سے بات چیت کرنے سے پتا چلتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت لطیف ذوق سے نوازا ہے) تاہم سادگی کا مطلب میلا کچیلا رہنا نہیں ہے، صفائی ستھرائی کا نہایت اہتمام رکھتے تھے۔

انہوں نے سادگی کو اپنا کر دنیا کے مال و دولت کی محبت کو دل سے نکال دیا تھا اس لیے دنیا کمانے کے متعدد مواقع سامنے آتے تھے لیکن حضرت رحمہ اللہ اپنی سرکاری ملازمت پر قناعت کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ ''اللہ کا شکر ہے میرا گذارہ ہو رہا ہے''۔ اس قناعت وسادگی نے انہیں دنیا کی دوڑ سے باہر نکال دیا تھا۔ لہذا لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو رہا ہے، نت نئی گاڑیاں خرید رہے ہیں، مہنگے علاقوں میں گھر بنا رہے ہیں، آسائشی مشینیں لا رہے ہیں، وہ ان تمام جھمیلوں سے آزاد تھے۔ اور آخری دن تک بھی وہی معیار زندگی تھا جو پہلے دن تھا، زبان پر شکر بھی اسی طرح تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ دل اپنے ہاتھوں کے پالے (خوب سے خوب تر کی تلاش اور معیارِ زندگی کی بلندی کے نتیجے میں آنے والے) غموں سے آزاد تھا۔

اسی سادگی وقناعت کا اثر تھا کہ مرض وفات سے پہلے اپنی ملکیت سے سوائے چند ایک کے تقریباً ساری چیزیں نکال دی تھیں حتیٰ کہ اپنے پہننے کے کپڑے بھی مجھے ہدیہ کر دیے تھے اور مجھ سے عاریتاً لے کر پہنا کرتے تھے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری

انہوں نے جب دین کو دنیا پر ترجیح دی تو یہ صرف اپنی ذات کی حد تک نہ تھی بلکہ اپنے بچوں کے لیے بھی اسی راہ کو اختیار کیا۔ لیکن ان کی خصوصیت یہ تھی کہ خود عمل والے تھے محض بیٹھے بیٹھے آرڈر جاری کرنے والے نہ تھے، اس لیے جب تمام بچوں کو حفظ قرآن اور دینی تعلیم پر لگایا تو سخت محنت بھی کی، میرے سے بھی کام لیا لیکن سارا بوجھ میرے اوپر ڈال کر خود اپنے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہے ہوں ایسا نہیں کیا۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کا بوجھ بانٹا بلکہ اپنے سر زیادہ رکھا۔

کتاب وقلم کا ساتھ

حضرت رحمہ اللہ علمی دنیا کے آدمی تھے، کوئی علمی مشغلہ پاس نہ ہوتا تو طبیعت مغموم نظر آتی تھی، ہر وقت کتاب، کاغذ اور قلم کے ساتھ آراستہ رہتے تھے۔ سفر میں اولاً تو بغیر وی سی آر اور بغیر گانوں کی سواری کو تلاش کرتے۔ اس لیے ٹرین کے سفر کو ترجیح دیتے لیکن کسی وقت مجبوری میں جانا پڑتا تو بغیر وی سی آر کی بس میں بیٹھتے اور فوراً کتاب کھول لیتے۔

علم دوستی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ میں نے گھر کی کسی ضرورت کا تقاضا کیا، حضرت رحمہ اللہ نے کہا کہ اگلے ماہ لے لیں گے۔ میں نے کہا کہ اس مہینہ آجائے تو اچھا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصل میں میں اس مہینہ میں ابھی تک کوئی کتاب نہیں خرید سکا۔

حضرت رحمہ اللہ کی باتیں جتنی یاد آئیں اتنی تھوڑی ہیں۔ خوبیاں جتنی ڈھونڈ لو کم ہیں۔ میں اپنی تحریر اس بات پر ختم کرتی ہوں کہ حضرت رحمہ اللہ کا بڑا وصف کوئی مدد چاہے تو اس کی مدد کرنا تھا چاہے وہ اپنا قریبی رشتہ دار و تعلق والا ہو یا دور کا ہو یا کوئی راہ چلتا ہو۔ کسی کی مدد سے چوکتے نہ تھے۔ **اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ**

.....☆☆☆.....

میرے شفیق بھائی

والدہ سیف اللہ
ہمشیرہ حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

میرے بھائی، میرے شفیق بھائی، شفیق استاد، شفیق معالج اور شفیق رہنما تھے۔ بھائی رحمہ اللہ کے ساتھ میرے کئی سفر ہوئے اس کی وجہ سے مجھے بہت معلومات ہوئیں اور کئی مسائل معلوم ہوئے۔ سفر کے دوران جس طرف ہمارا خیال بھی نہ تھا انہوں نے ہمیں وہ وہ مسائل بتائے۔ ایک مرتبہ میں نے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا کہ بھائی ایسا کیوں ہے؟ تو کہنے لگے کہ دین کے بارے میں ایسا نہیں پوچھتے کہ ایسا کیوں ہے؟ کہیں ''جو ہے وہ ہے''۔

دو مرتبہ عمرہ ساتھ ہوا۔ والدہ اور بھابھی بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ الحمدللہ بہت ہی اچھا وقت گذرا، وہیں ہم نے کچھ کتابیں بھائی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ میرے بھائی رحمہ اللہ جتنے بھی تھکے ہوئے ہوتے وہ اٹھ کر ادب سے بیٹھتے، سنتے اور ہمیں سمجھاتے۔ ادب، عاجزی، انکساری، صبر وتحمل اور شکر کا وہ مجموعہ تھے۔

جب میں پہلی مرتبہ حج پر گئی تو میرے ساس سسر پہلے سے گئے ہوئے تھے اور ہم نے حج ان کے ساتھ مل کر کرنا تھا بھائی رحمہ اللہ نے مجھے جاتے ہوئے نصیحت کی کہ خدمت سے خدا ملتا ہے تو جسے خدا مل گیا اسے سب کچھ مل گیا [مقصد یہ تھا کہ نفلی عبادات میں لگ کر ان کی خدمت میں کمی نہ آئے]۔ الحمدللہ اس نصیحت کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ بھابھی کو بھی میں نے ہمیشہ ہر ایک کا خیال کرتے ہوئے پایا آگے بڑھ کر ہر ایک کے کام آنا، مہمان نوازی، محبت سے ہر ایک سے ملنا، خدمت میں دلجوئی میں وہ سب سے آگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائی رحمہ اللہ کو اتنی بصیرت دی تھی کہ ہم لوگ کتنے ہی پریشان ہوتے، بھائی سے تذکرہ کرتے تو ہم سب ہی مطمئن ہوجاتے۔ اور بھائی رحمہ اللہ ہمیشہ یہ کہا کرتے کہ اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ خیر کریں گے، اور جب اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں تو پریشان نہیں ہوتے۔

جب ہم سب بھائی بہن بچے اکٹھے ہوتے تو بھائی رحمہ اللہ سب کی باتیں سنتے رہتے اور کسی کسی بات پر مسکراتے، کبھی ان کو کھلکھلا کر یا ٹھٹھا مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، خود سے بات کم کرتے تھے لیکن اگر کوئی بات پوچھتا تو بہت تفصیل سے اس کا جواب دیتے اور سمجھاتے، اس سے ہم سب گھر والوں کو بہت سے مسائل کا پتہ چلتا۔

ہم سب ہی اپنی اپنی تکلیفوں اور بیماریوں کا بتاتے رہتے تھے لیکن بھائی رحمہ اللہ نے اپنی کسی تکلیف کا خود سے نہیں

بتایا۔ کبھی بھابھی سے یا ان کے بچوں سے پتہ چلتا تھا، ان کی بیماری کے دوران اکثر جانا ہوتا تھا تو جب بھی خیریت پوچھتے تھے تو بھائی رحمہ اللہ کا اپنے مخصوص انداز میں ہمیشہ یہ جواب ہوتا ''شکر ہے اللہ کا''۔ ایک مرتبہ والدہ کے آپریشن کے سلسلے میں ہسپتال جانا ہوا۔ میں اور بھائی والدہ کے پاس آپریشن تھیٹر کے ساتھ والے کمرے میں کھڑے تھے کہ ایک نرس اندر آئیں اور ناراض ہونے لگیں کہ آپ لوگ اندر کیا کر رہے ہیں باہر جائیں، جوتی پہن کر آ گئے، اور بھی کافی کچھ کہا لیکن بھائی رحمہ اللہ نے نرس کو کچھ نہ کہا اور نظریں نیچے کیے ہوئے واپس ہو لیے، ابھی چند قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ ایک بڑے ڈاکٹر صاحب آ گئے انہوں نے بھائی رحمہ اللہ کو دیکھتے ہی کہا: آیئے آیئے ڈاکٹر صاحب! یہ کہتے ہوئے بھائی رحمہ اللہ کو ساتھ والے کمرے میں لے گئے جس میں نرس کی بھی ٹیبل لگی ہوئی تھی اور ''مریض ومعالج'' والی کتاب کے بارے میں بات چیت کرنے لگے اور بہت خوشی کا اظہار کیا کہ آپ نے یہ بہت زبردست کتاب لکھی ہے۔ بھائی رحمہ اللہ نے نہ تو نرس کو کچھ کہا، نہ شکایت کی، اپنی ذات کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ نرس کو تو ایسی چپ لگی کہ میں نے پھر کئی چکر لگائے لیکن انہوں نے کچھ نہ کہا۔

اب تو ہماری والدہ کافی علیل ہیں، کمزوری کی وجہ سے بول نہیں سکتیں لیکن پہلے وہ بتا چکی ہیں کہ ہماری دادی مرحومہ جو اکثر بیٹھے بیٹھے سو جاتی تھیں تو بھائی رحمہ اللہ کی پیدائش کے بعد وہ والدہ کے پاس ہی تھیں کہ ان کو اونگھ آ گئی، پھر انہوں نے والدہ سے کہا کہ مجھے بشارت ہوئی ہے کہ اس بچے کا نام ''عبدالواحد'' رکھو۔

ہمارے بھائی رحمہ اللہ بہت قیمتی سرمایہ تھے، حقیقت میں ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ باتیں تو بہت ہیں کیا کیا لکھیں؟ اللہ کا نظام ہے، قدرت کا قانون ہے جو بھی آتا ہے اس نے جانا ہی ہے، ہمارے بھائی رحمہ اللہ کی کمی تو پوری نہیں ہو سکتی۔ اب الحمدللہ بھائی رحمہ اللہ کے صاحبزادے مفتی عبداللہ ہیں ان سے ہم مسئلے مسائل بغیر کسی جھجک کے پوچھ لیتے ہیں، اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، ہر پریشانی سے حفاظت فرمائے اور سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور میرے بھائی رحمہ اللہ کو اللہ پاک جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

.....☆☆☆.....

بیٹیوں کے قدر دان باپ

بنت حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ

باپ کا لفظ سنتے ہی ذہن میں ایک پُر شفقت اور مہربان ہستی کا خیال آتا ہے، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ جیسے والد جو اپنی ذات میں ایک پوری دنیا سمیٹے ہوئے تھے، یقین ہی نہیں آتا کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔

میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں اور بہنوں میں چوتھے نمبر پر ہوں۔ میں نے کبھی بھی والد صاحب رحمہ اللہ کو بیٹیوں کو بوجھ سمجھتے نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ میری شہزادیاں ہیں۔ ان کا یہ قول ایسا نہ تھا کہ جس سے عمل کا تضاد ہو بلکہ اپنے اس قول کو انہوں نے آخری دم تک نبھایا۔ ہمیں شہزادیوں کی طرح پالا پوسا، تعلیم و تربیت دی اور اچھے گھرانوں میں ہماری شادی کی۔ شہزادیوں کی طرح رکھنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم پر پیسوں کی بہتات کر دی ہو بلکہ اپنے پاس جو کچھ تھا اسے بہتر سے بہترین کے حصول میں ہم پر لٹایا۔

والد صاحب رحمہ اللہ ہماری تمام ضروریات کا بھرپور خیال رکھتے تھے۔ کھانے پینے سے لے کر اوڑھنے بچھونے تک میں کبھی والدہ سے یہ نہیں کہتے تھے کہ اس کی کیا ضرورت ہے والدہ کو فوراً پیسے نکال کر دیتے تھے (بچیوں کی ضروریات کو چونکہ مائیں بہتر سمجھتی ہیں اس لیے یا تو والدہ کو خود بازار لے جاتے تھے یا پھر کسی ذمہ دار محرم یا خواتین کے ساتھ بھی جانے کی اجازت دیتے تھے) حالانکہ اپنے بارے میں ان کا معمول تھا کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ یہ چیز نئی لے لیں تو سوال کرتے تھے کہ کیا ضرورت ہے؟

ہم بہنوں کی تعلیم و تربیت میں سب سے اہم چیز ان کی نگاہ میں حفظ قرآن تھا لہذا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم چاروں بہنیں حفظ قرآن کی سعادت سے بہرہ مند ہیں۔ حفظ قرآن کے بعد والد صاحب رحمہ اللہ کو ہماری دینی اور دنیاوی تعلیم کی فکر ہوتی تھی لیکن انہوں نے ہم بہنوں میں سے کسی کو بھی میٹرک کا امتحان نہیں دلوایا۔ فرماتے تھے کہ ''اس کے لیے بچیوں کی تصویر کھنچوا کر نامحرموں کو دینی پڑے گی''۔ اس لیے کہتے تھے کہ ''تم میٹرک کی تعلیم کو حاصل کر لو امتحان کی ضرورت نہیں۔''

ہماری دینی تعلیم و تربیت میں بھی ان کی خواہش تھی کہ بچیاں ان سے تعلیم حاصل کریں تاکہ انہیں بلاضرورت گھر سے نہ نکلنا پڑے۔ پھر اپنی مصروفیات کے باوجود اہتمام سے وقت نکال کر ہمیں دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو بچیوں کی شادی کرتے وقت اس کا بڑا اہتمام تھا کہ ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے لڑکا اور اس

کے گھر والے شریعت کے مطابق ہوں اس کے بعد دنیاوی اعتبار سے لڑکا محنتی ہو (خواہ مال و دولت ہو نہ ہو) اور اس کے ساتھ رہن سہن، بول چال کو بھی دیکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دین کا ادنیٰ درجہ ضروری ہے، عالم ہونا ضروری نہیں۔ البتہ چونکہ دنیا میں رہنا ہے اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ دنیاوی تقاضوں کو سمجھنے اور پورا کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ جس کے اندر یہ تقاضے سمجھنے اور پورا کرنے کی صلاحیت ہو پھر مال و دولت نہ بھی ہو تو گذارہ چل جاتا ہے ورنہ مشکل ہوتی ہے۔ اسی طرح رہن سہن اور بول چال وغیرہ کو بھی مدنظر رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ اگر رہن سہن میں نمایاں فرق ہو تو نبھاہ مشکل ہوتا ہے جس کی وجہ سے دین کے باوجود رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس لیے اپنی بچیوں کی رخصتی کے موقع پر سسرال والوں سے یہ تقاضا بھی رکھنا کہ بارات میں آنے والی خواتین برقع میں ہوں تاکہ معلوم ہو کہ ہم نے دیندار گھرانے میں شادی کی ہے۔ اور بیٹیوں کو بھی برقع پہنے بغیر رخصت نہیں کیا۔

والد صاحب رحمہ اللہ کا تربیت میں ایک انوکھا انداز یہ تھا کہ تمام بچوں میں سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہ تھی، نہ بڑوں کو چھوٹوں پر، نہ لڑکوں کو لڑکیوں پر۔ کسی کو کسی پر حکم چلانے، مارنے، ڈانٹنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ چھوٹے بچوں میں آپس میں اختلاف پیدا ہوتے اور بچے لڑ پڑتے تو سب کو ڈانٹ اور مار پڑتی تھی کہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے ان سے شکایت کیوں نہ کی، خود سے کیوں مارا پیٹا۔ پھر جس بچے کے ساتھ دوسرے بچوں نے ناانصافی کی ہوتی تھی اسے سمجھاتے کہ تم نے مجھے پہلے بتایا ہوتا تو میں دوسروں کی بہت شامت بناتا۔ آخر میں جا کر ناانصافی کرنے والے کو سمجھاتے کہ دیکھو تم نے کتنی بری بات کی ہے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو ہمارے لباس کی وضع قطع میں شروع سے یہ اہتمام رہتا تھا کہ نیک لوگوں کے مطابق ہو۔ فیشن کے مطابق تنگ و چست کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ فیشن کے مطابق بہت زیادہ کھلے اور ڈھیلا ڈھالا لباس بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک موقع پر جب کہ بہت زیادہ ڈھیلے لباس کا فیشن چل رہا تھا ایک بیٹی نے بھی خوشی خوشی ڈھیلا لباس تیار کروایا کہ فیشن بھی ہو جائے گا اور والد صاحب رحمہ اللہ بھی ناراض نہ ہوں گے۔ والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''فیشن کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے کیونکہ فیشن آج کچھ ہے اور کل کچھ ہے، ہم اگر آج فیشن کے مطابق لباس سلوائیں گے تو کل فیشن تبدیل ہونے پر فیشن کو کیسے چھوڑیں گے''۔

والد صاحب رحمہ اللہ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اولاً تو جائز باتوں پر بلا وجہ کی روک ٹوک اور ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتے تھے اور خلاف شرع امور پر اگر کسی مصلحت سے خاموشی اختیار کرتے بھی تو چہرے کی ناگواری سے ہی ہمیں علم ہو جاتا تھا کہ ہم کچھ غلط کر رہے ہیں۔

والد صاحب رحمہ اللہ کا ایک بڑا وصف اگلے کو عزت دینا تھا۔ بیٹیوں کی شادی میں جیسے کہ میں نے شروع میں تحریر کیا کہ سسرال کے دینداری اور دنیاداری دونوں دیکھتے تھے۔ اس کے باوجود اگر ان کی بیٹیوں کو کوئی مسئلہ پیش آجاتا تو دعا اور

صبر کی تلقین کرتے اور خود بھی الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرتے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ مشکلات کو حل فرما دیتے اور اگر اس کے ساتھ ساتھ سسرال میں بات کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تو داماد سے بہت عزت کے ساتھ پیش آتے اور ان سے حل نکالنے کی درخوست کرتے تھے۔اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کی وجہ سے بیٹیوں کی مشکلات بجائے حل کے کہیں بڑھ نہ جائیں۔

اپنی شادی کے بعد بیٹیاں والد صاحب رحمہ اللہ کے گھر جب بھی آئیں انتہائی خاطر مدارات کرتے اور امی سے پوچھتے کہ آپ نے آج بیٹیوں کے لیے کیا بنایا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ بازار سے مزید اکرام کا سامان منگواتے، بیٹیاں جب بھی ملاقات کے لیے آئیں وقت رخصت انہیں اسی طرح رخصت کرتے جیسا کہ انہوں نے شادی کے موقع پر دعاؤں کے ساتھ باہر تک رخصت کیا تھا۔

دامادوں کے آنے پر ان کے لیے بھرپور تکلف کرتے اور بشاشت کے ساتھ سارا وقت خود دامادوں کے پاس بیٹھتے اور اگر تکلیف کے باعث بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تو بیٹوں کو بٹھاتے۔کبھی کبھی بیٹیوں کے تقاضے پر ان کے گھر بھی تشریف لے آتے۔بیٹیوں کے احوال کی خبر گیری کرتے اور بیٹیوں اور دامادوں کو ہدایا دینے کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔

بیٹیوں خصوصاً کراچی والی بیٹیوں کی آمد پر (والد صاحب رحمہ اللہ کی دو بیٹیاں کراچی میں بیاہی گئی تھیں) ایک دفعہ سیر کا پروگرام ضرور رکھتے۔اس میں اگر موقع ہوتا تو خاندان کے دیگر افراد بھی شریک ہو جاتے ورنہ اپنے گھر کے تمام افراد کو ساتھ لے جا کر صبح سے شام تک کا پروگرام رکھتے۔لیکن والد صاحب رحمہ اللہ کو بے پردہ مقامات یا گانے بجانے کی آوازوں والے مقامات یا دیگر شرعی خرابیوں پر مشتمل مقامات سے نفرت تھی وہاں کی سیر کو سیر شمار نہ کرتے تھے اور ایسی جگہوں پر جانے سے نہ صرف روکتے تھے بلکہ پہنچ جانے پر ناراض ہوتے تھے۔

.....☆☆☆.....

میرے ابّا! رحمہ اللہ

اہلیہ محمد عثمان کراچی
بنت حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

حدیث شریف میں ہے ''**خیر کم خیر کم لأھلہ**''۔ میرے ابا رحمہ اللہ بھی پورے خاندان میں خیر کے منبع کی حیثیت رکھتے تھے اور انتہائی متواضع شخصیت تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کا اکرام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے شریک حیات بھی ایسی ملائیں، انتہائی صابر وشاکر، خدمت گذار اور قدر دان، اور دینی کاموں میں مکمل طور پر معاونت کرنے والی۔ **اللھم احفظھا و عافھا**

ابا رحمہ اللہ کی زندگی کا ہر گوشہ ہی بہترین تھا، اور بحیثیت باپ اس حدیث پر بھی پورا عمل تھا ''**اکرموا اولادکم**'' ہمارے جذبات کا بھی خیال رکھتے، اور یہ کہ ان کا صبر وشکر ہی تھا کہ ان کی اولاد میں بے جا خواہشات سر ہی نہیں اٹھاتی تھیں۔ ہم چار بہنیں ہیں اور ہر ایک سمجھتی ہے کہ ابا اس کا زیادہ خیال کرتے تھے۔

ابا رحمہ اللہ ہمارے استاد بھی تھے اور ہمارا نصاب بھی ایسا بناتے تھے گویا کہ بنیادوں میں اتار دیتے۔ پھر ہماری شادیاں بھی رسم ورواج کے بغیر ایسے کیں کہ ''**لا یخافون لومة لائم**''۔ ہمارے مسائل پر بھی ہمیشہ رجوع الی اللہ کا مشورہ دیتے، ایک دفعہ میں نے انتہائی پریشانی کا تذکرہ کیا تو فرمایا: بیٹا جب سارے راستے بند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ وہیں سے راستہ کھولتے ہیں۔ اور یہ صرف اپنی اولاد کے ساتھ ہی نہیں بلکہ خاندان کے جس فرد کا کوئی بھی معاملہ ہوتا وہ ابا کے پاس ضرور آتا، اور ابا بھی انتہائی شفقت کے ساتھ معاملہ کا حل بتاتے۔

جب بیماری شروع ہوئی تو میں کراچی سے ملنے گئی، کچھ پہچانتے تھے اور کچھ بھول جاتے تھے لیکن موت کا استحضار تھا، میں واپس آنے لگی تو میں نے کہا: ابا! آپ مجھے دعا دے دیں، فرمایا: **اللھم بارک لی فی الموت و فی ما بعد الموت**

ہم تو دور رہتے تھے جبکہ دونوں بھائیوں نے انتہائی اکرام کے ساتھ ابا کو سنبھالا ہوا تھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بہترین اجر دیں گے۔

آخری ایام میں عید الفطر بھی میں نے لاہور میں گذاری، ابا رحمہ اللہ کو خوراک کی نالی لگی ہوئی تھی، جسم بالکل ہی گھل گیا تھا لیکن چہرہ پر جو سکون کی کیفیت تھی اس کو دیکھ کر ہمارے بہتے آنسو رک جاتے تھے۔ گیارہ شوال کو میں واپس

کراچی آ گئی لیکن اب تو ابا نے بھی رخت سفر باندھ لیا تھا، تین دن بعد طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروایا، مگر اب بہت تھک چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپ لیا اور ۱۸ شوال کو اپنے رب سے جا ملے۔ (**انا لله و انا اليه راجعون**)

میری فلائٹ رات کو تھی، اس لیے راستے میں زیارت کی، **فلله الحمد. رب ارحمهما كما ربياني صغيراً**

.....☆☆☆.....

اٹھا سائبانِ شفقت

ام عبدالعلیم
بہو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ

حضرت رحمہ اللہ کی ذات ہمارے گھرانے کے لیے کوئی اجنبی نہیں تھی۔ حضرت رحمہ اللہ میری والدہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ میری نانی کا حضرت رحمہ اللہ کے گھر کثرت سے آنا جانا تھا۔ میری والدہ حضرت رحمہ اللہ سے عمر میں زیادہ بڑی نہ تھیں لہذا ان کا بچپن حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ گذرا تھا۔ میرے والدین شروع میں سکھر میں رہتے تھے۔ لیکن جلد ہی لاہور منتقل ہو گئے اور حضرت رحمہ اللہ کے قریب ہی پیسہ اخبار کے علاقے میں رہائش اختیار کی اور اب موجودہ محلے میں بھی دونوں گھرانے قریب قریب رہتے ہیں، اس لیے دونوں گھرانوں میں آپس میں تعلق اور آمد و رفت خاصی زیادہ تھی۔

میری والدہ نے میرے ایک بھائی کے لیے حضرت رحمہ اللہ کی بھانجی کا رشتہ مانگ رکھا تھا، اس سلسلہ میں گفت وشنید اور آمد و رفت جاری تھی کہ ایک روز ماموں اور مامی شام کے وقت ہمارے گھر آئے، ماموں، مامی اور امی دوسرے کمرے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے اپنے بھائی کو چھیڑنا اور مذاق کرنا شروع کر دیا۔ بھائی مجھے مسلسل کہتے رہے چپ کر جا، چپ کر جا، وہ دروازے کی اوٹ سے ماموں کے آنے کا مقصد سن آئے تھے۔

ماموںؒ میرا رشتہ لے کر آئے تھے، رات کو امی نے بھائیوں کے سامنے ماجرا رکھا (اس وقت میرے والد صاحب وفات پا چکے تھے) تو ماموںؒ کی شخصیت ایسی تھی کہ باوجود اس کے کہ اس وقت میرے میاں کوئی کاروبار نہ کرتے تھے اور ابھی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، کسی بھائی کو کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ بھائی تو کجا خاندان بھر میں کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لہذا رشتہ منظور کرنے کو اسی رات طے کر لیا گیا اگرچہ رسمی طور سے چند روز کے بعد قبول کا پیغام دیا گیا۔

ماموںؒ کی یہ شخصیت خالی رشتہ کے وقت تک نہ تھی بلکہ بعد کے تمام مراحل میں بھی ماموں کی بات کے آگے کوئی مزید بات کرنا گستاخی کی حد تک سمجھا جاتا تھا۔ شادی ہو جانے کے بعد ماموں (جو کہ اب میرے بھی ''ابا'' ہو گئے۔) نے میرا مہر، مہر فاطمی رکھوایا تھا، شادی کے بعد ابا نے میرے میاں سے کہا کہ میرا ارادہ تم دونوں کو حج کروانے کا ہے۔ لہذا اپنی بیوی سے پوچھ لو اگر اس نے علیحدہ سے پیسے لینے ہیں تو میں پیسے دے دیتا ہوں (اس وقت تک میرے میاں پڑھتے تھے) ورنہ چاہے تو میں حج کے اخراجات میں لگا دیتا ہوں (ظاہر ہے مجھے حج پر اعتراض کیوں ہوتا)۔ ابا کا یہ معاملہ خاص میرے ساتھ

نہ تھا بلکہ اپنی بیٹیوں کے سسرال میں بھی یہ بات کہہ دیا کرتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ مہر کے پیسوں کے ساتھ اور پیسے ڈال کر حج یا عمرہ کروادیا جائے۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد اپنے میکے آنے جانے کے معاملہ پر میرا اپنے میاں سے اختلاف ہوا، میں کبھی اپنے میاں سے اجازت لیتی اور کبھی ابا سے اجازت لے کر چلی جاتی تھی۔ میرے میاں نے آپس کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے مجھے اختیار دیا کہ یا تو ہمیشہ صرف ان سے پوچھ کر جاؤں یا صرف ابا سے پوچھ کر جاؤں، وہ کبھی اعتراض نہیں کریں گے۔ مجھے اپنے میاں کی نسبت ابا سے پوچھنا زیادہ سہل لگا کیونکہ ابا کی طبیعت میں رعایت مجھے کہیں زیادہ نظر آتی تھی۔

ابا رحمہ اللہ نے جب حج پر بھیجنے کا پروگرام بنایا تو راحت رسانی کے خیال سے سب سے عمدہ اور مہنگے گروپ ''ختم نبوت حج گروپ'' کے ساتھ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حج سے واپسی کے بعد ایک بیٹا عنایت کیا جو ابا کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ابا گاڑی میں کہیں بھی جاتے تو اگر موقع ہوتا اسے ساتھ ضرور بٹھاتے۔ وہ کبھی روتا اور میں گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی تو مجھے آکر بلاتے کہ یہ رو رہا ہے، اسے اٹھاؤ۔ اگر میرے پاس کاموں کا ہجوم ہوتا تو امی کو بچے کے پاس سے اٹھنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ ابا کو یہ منظور نہ تھا کہ بچہ روتا رہے۔

ایک سال کی عمر میں میرے بچے کو دمہ کی تکلیف شروع ہوگئی جو وقتاً فوقتاً اٹھتی رہتی تھی۔ اس کی تکلیف کے ایام ابا پر بڑے گراں گذرتے تھے۔ اسپیشلسٹ کے پاس بھیجنا اور ان کی ہدایات پر پوری طرح عمل درآمد کی بہت تاکید کرتے تھے۔ اور ساتھ میں ان کی بتائی ہوئی تیز دوائیوں پر پریشان بھی ہوتے تھے۔

مزید چار سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بیٹی عطا کی جو ابا رحمہ اللہ کی بہت لاڈلی ثابت ہوئی۔ ذرا بڑی ہوئی تو ابا کی کاغذ کاٹنے والی قینچی لے کر ان کی کرسی کے پائے کے ساتھ بیٹھ جاتی، ابا اسے کاٹنے کے لیے کاغذ دیتے، وہ سارا کمرہ کچرا کردیتی۔ لیکن امی کے منع کرنے کے باوجود ابا اسے کاٹنے کے لیے کاغذ دینا نہ روکتے۔

مزید تین سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اور بیٹی سے نوازا۔ ابا میری دوسری بیٹی سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ میرے تینوں بچوں کے نام ابا نے رکھے اور ابا کے رکھے ہوئے نام سب کے دل کو ایسے بھائے کہ کسی کو ''عبدالعلیم، رملہ، عمرہ'' نام اوپرا نہیں لگتا تھا۔ اس کا زیادہ احساس ابا کے جانے کے بعد اس وقت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید بیٹی عطا کی تو سب پریشان تھے کہ نام کیا رکھیں اور بہت مشکل سے ''عمارہ'' نام طے ہوا۔

میرے اپنے میاں سے اختلافات ہو جاتے تو میں ابا رحمہ اللہ سے شکایت کرتی، اس پر ابا مجھے میری کوتاہی بھی سمجھاتے اور میرے میاں سے بھی بات کرتے اور بات اس انداز سے کرتے کہ نتیجہ ہمیشہ مثبت نکلتا تھا۔

ابا رحمہ اللہ خالی میرے لیے ہی سائبان شفقت نہ تھے بلکہ میرے بچوں کے لیے بھی سراپا شفقت تھے۔ میرا بیٹا جو کہ حفظ شروع کر چکا تھا، کبھی کبھی جا کر ابا سے اپنے باپ کی شکایت کرتا تھا تو ابا اسے اچھی طرح سے محنت کرنے کی ترغیب

دیتے تھے اور میرے میاں کو سمجھاتے تھے کہ مار پیٹ کا معاملہ صرف بدتمیزی پر رکھو، بچے کی بدتمیزی قطعاً برداشت نہ کرو، باقی پڑھائی صرف پیار سے پڑھاؤ۔

ابا رحمہ اللہ کے وجود سے مجھے نہ صرف پورے خاندان میں بلکہ خاندان سے باہر بھی وسیع حلقے میں عزت ملی، ہر جگہ ابا کی بہو کی نسبت سے پہچانی جاتی ہوں۔ یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

ابا رحمہ اللہ کے جانے کے بعد جہاں ابا کا کمرہ، کتابیں اور دیگر چیزیں اداس نظر آتی ہیں وہیں ابا کے آنے جانے اور چائے کے اوقات بھی ہمیں بہت اداس کرتے ہیں کہ ع

ڈھونڈتے ہیں ساغر و مینا تجھے

.....☆☆☆.....

میرے پیارے ماموں رحمہ اللہ

اہلیہ رضوان احمد نجمی
بھانجی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبلہ ومحترم جناب ماموں حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں کیا بتاؤں! کہاں سے شروع کروں! سمجھ میں نہیں آتا، وہ تو ہمارے لیے اتنا قیمتی سرمایہ تھے کہ ہمیں خود ان کے جانے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہم ان کی قدر ہی نہ کر سکے۔ اور ابھی تو ان سے بہت کچھ سیکھنا باقی تھا، وہ دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے معالج تھے۔ دین کا کوئی سلسلہ ہو یا دنیا کے معاملات ہوں یا پھر میڈیکل کے شعبہ سے کوئی بات ہو ہم ہر ایک بات کے لیے ان سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ جب میرے بچے چھوٹے تھے تب بھی اور ان کے انتقال سے کچھ ماہ قبل تک ان سے دوائیاں پوچھتی تھی اور ہر نوعیت کا مشورہ بھی کر لیا کرتی تھی۔ بعض اوقات میں اپنے بچوں کو رات دیر سے اور بعض اوقات فجر کی اذانوں کے وقت بھی لے کر گئی، آفرین ہے کہ کبھی بھی انہوں نے یا ان کے اہل خانہ نے ناگواری کا احساس ظاہر نہ کیا، ہمیشہ اپنائیت ہی کا اظہار کیا۔ جب بھی میں نے انہیں اپنا کوئی مسئلہ بتایا تو ہمیشہ انہوں نے تسلی ہی دی۔ کہا کرتے تھے: بیٹا صبر کرو اور شکر کرو، شکر کرنے والے کو زیادہ ملتا ہے اللہ کی طرف سے۔ سچ کہتے ہیں ایک عالِم کی موت عالَم کی موت ہوتی ہے۔

دو سال پہلے میری بیٹی کی شادی ہوئی۔ ماموں رحمہ اللہ رعشہ کی تکلیف کے باوجود بے حد محبت سے تشریف لائے۔ قریباً ایک سال قبل ان کے ہاں بیٹا ہوا، تو حضرت رحمہ اللہ ہسپتال دیکھنے آئے، اور میں انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئی (کہ میرے ماموں میرے نواسے کو دیکھنے آئے) اور دعا دی کہ اللہ انہیں اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنا دے۔ دن رات گویا کسی بھی پہر چاہتے تو انہیں ٹیلی فون کر لیا کرتے۔ وہ بہت تسلی سے بات سنتے اور پھر جواب دیتے تھے، کبھی بھی ان کے لہجے میں ناگواری نہ آئی۔ جب ان کے گھر جاتے تو وہ محبت سے استقبال کرتے، حال، احوال دریافت کرتے، مہمان نوازی کرتے اور دروازے تک رخصت کرنے بھی آتے۔ عموماً گھروں کے بڑوں سے بات کرتے ہوئے جھجک اور شرم کا احساس پیدا ہوتا ہے لیکن ہمارے ماموں محترم رحمہ اللہ سے کوئی بات کرتے ہوئے، کوئی مشورہ لیتے ہوئے کبھی بھی

ہچکچاہٹ نہ ہوئی۔ سب کی محفل میں بیٹھ کر سب کی باتیں مسکرا کر سنتے تھے۔ ہم نے کبھی بھی ان کی زبان سے ناشکری کے الفاظ نہ سنے، کسی پر تنقید نہ کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی مشورہ مانگتا تو اپنی رائے کا اظہار کر دیتے تھے، لیکن کوئی زبردستی اور سختی نہ تھی۔ گویا ان کی زبان سے خلوص ٹپکتا تھا۔ کسی کے معاملے میں بلا جواز دخل اندازی نہ کیا کرتے تھے۔

انتقال سے کچھ سال قبل انہیں رعشہ کی تکلیف ہوگئی تھی لیکن ان کی ہمارے لیے محبت بے لوث تھی جب بھی ہم ان سے ان کا حال دریافت کرتے تھے تو کہتے تھے شکر ہے اللہ کا، آخری وقتوں میں جب کافی بیمار تھے تب بھی یہی کہا کرتے تھے ''شکر ہے''۔ انتقال کے بعد ان کا چہرہ مبارک بے حد پرنور تھا، یوں لگتا تھا جیسے جنت کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

ان کے بارے میں جو بھی لکھوں کم ہے۔ باری تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حضرت رحمہ اللہ کو نبی پاک ﷺ کا ساتھ بھی نصیب فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

ہمارے ماموں جان رحمہ اللہ

اہلیہ اسامہ ارشد
بھانجی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ

بلا شبہ میرے پیارے ماموں جانؒ اللہ رب العزت کے منتخب اور چنے ہوئے بندوں میں سے ایک تھے۔ ہمارے خاندان کا سب سے قیمتی سرمایہ تھے، کوئی دنیاوی مسئلہ ہو یا دینی مسئلہ ہم ہمیشہ اپنے ماموں جانؒ سے ہی پوچھتے، اکثر کاموں کے مشورے بھی ماموںؒ سے لیتے اور ان کی رائے کا احترام کرتے۔ صبر و استقامت اور برداشت کی عظیم مثال تھے۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں ماموں کی زبان سے کبھی ناشکری کا جملہ نہیں سنا۔ بیماری کے ایام میں بھی عیادت کے لیے گئی اور خیریت پوچھی ہمیشہ ''اللہ کا شکر ہے'' ہی کہا۔ جب بھی ماموں جانؒ سے ملاقات ہوتی ایک مشفق باپ کی طرح سر پر ہاتھ رکھتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ ایک پیار بھری مسکراہٹ اکثر ان کے چہرے پر نظر آتی۔ وفات کے بعد جب میں نے ان کا چہرہ دیکھا ایسا نورانی اور ایسی پیار بھری مسکراہٹ تھی مطمئن چہرہ آج بھی نظروں کے سامنے آجاتا ہے گویا ابھی سامنے آجائیں گے۔ جب کبھی بھی میں بیمار ہوتی تو اکثر اوقات ماموں جانؒ سے ہی فون کر کے دوا پوچھ لیتی۔ اب جب ڈاکٹروں کے چکر لگتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ کیا کھو دیا ہے میں نے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت میرے ماموں جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں پھر دوبارہ جنت میں اکٹھا فرمائے اور مجھے اپنے ماموں جان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

.....☆☆☆.....

میرے دادا جی!

عبدالعلیم بن مفتی عبداللہ صاحب
درجہ فارسی

o میرے دادا جیؒ بہت اچھے اور پیارے انسان تھے۔ غصہ نہیں کرتے تھے۔ آرام سے اور پیار سے بات کرتے تھے۔

o میری پیدائش پر میرے کان میں اذان بھی دادا ہی نے دی اور گھٹی بھی انہوں نے ہی دی تھی اور نام بھی انہوں نے ہی رکھا تھا۔

o میرے ''نورانی قاعدہ'' کی بسم اللہ بھی دادا جیؒ نے اپنے کمرے میں کروائی تھی۔

o دادا جیؒ کا اپنے کام کا علیحدہ کمرہ تھا اسی میں سوتے تھے۔ ہم چھوٹے ہوتے تھے تو کمرے میں چلے جاتے تھے اور کھیلنا شروع کر دیتے۔ دادا بس اتنا کہتے تھے: ''شور نہ کرو'' ہم جا کر پانچ منٹ بعد پھر واپس آ جاتے۔ کبھی ہمیں ٹافیاں دے کر کمرے سے رخصت کر دیتے تھے۔ گھر میں بچے اکٹھے ہوتے تو شور شرابا کرتے مگر دادا تنگ نہ ہوتے تھے۔

o دادا جیؒ کی فوجیوں والی سٹک جوان کے بیڈ کے پاس رکھی ہوتی تھی میں اس سے کھیلتا تھا۔ اس کو کھیلتے کھیلتے توڑا بھی میں نے ہی تھا۔ وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی اس لیے اس کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا۔

o بڑی امی (دادا جیؒ کی امی جان) کی طرف جانا ہوتا تھا تو وہاں دادا یا تو بھائیوں سے باتیں کرتے رہتے تھے یا خاموش بیٹھے رہتے تھے۔

o ابا جب پٹائی کرتے تھے تو میں بھاگ کر دادا جیؒ کے پاس آ جاتا تھا اور شکایت کرتا تھا۔ دادا جیؒ ابا کو ڈانٹتے تھے کہ اسے کچھ نہ کہا کرو۔ کسی کو بھی کچھ نہ کہا کرو۔

o رات کو تقریباً ایک بجے تک دادا اپنا کام کرتے تھے اس وقت ہم کمرے میں نہیں جاتے تھے۔

O دادا کو نماز کی بہت فکر رہتی تھی۔ بیماری میں بار بار نماز پڑھنے کا تقاضا کرتے تھے۔ ایک دفعہ دادا جیؒ نے کسی کو آواز دی تو میں نے کہا: وہ نماز کے لیے گئے ہیں تو دادا جیؒ نے کہا: تمہیں دوسروں کی نماز کی بہت فکر ہے اپنی نماز کی فکر نہیں.....

.....☆☆☆.....

حصہ دوم

سوانحی مضامین

نقوشِ حیات

آزاد کون تھا جو تہوں میں اتر گیا
کس کی حیات ہے جو سمندر پہ نقش ہے

خودنوشت سوانح

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی برادری کے قائم کردہ ایک ٹرسٹ کے تحت شائع ہونے والے ''سوداگر'' نامی رسالے میں یہ قلمی انٹرویو شائع ہوا۔ جو مفید باتوں پر مشتمل ہونے اور خودنوشت سوانح ہونے کی وجہ سے شاملِ اشاعت ہے۔ مضمون صرف جوابات پر مشتمل ہے تاہم جوابات سے سوالات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

نام، ولدیت، دادا اور نانا

میرا نام عبدالواحد ہے۔ والد کا نام عبدالمالک ہے۔ والد الحمدللہ صاحبِ حیات ہیں اور لاہور والے کے ساتھ ملقب ہیں۔ دادا کا نام عبدالوہاب لاہور والے تھا جبکہ نانا ایس جے اینڈ جی فضل الٰہی کراچی کے عبدالجبار الٰہی مرحوم تھے۔

پیدائش

قیام پاکستان کے بعد والد کا قیام تین چار سال کراچی میں رہا۔ اسی دوران جنوری ۱۹۵۰ء میں کراچی ہی میں میری پیدائش ہوئی۔ بعد میں والد مستقل لاہور منتقل ہو گئے اور اس طرح سے گویا کل زندگی لاہور ہی میں گذری۔

تعلیم

لاہور کے ایک مشنری ادارے CATHEDRAL HIGH SCHOOL میں نرسری میں داخلہ ہوا اور وہیں سے ۱۹۶۶ء میں SENIOR CAMBRIDGH کا امتحان پاس کیا۔ اسی ادارے میں کچھ عرصہ کے لیے انٹر کی تعلیم کا اجراء ہوا تو وہیں سے F.Sc(Pre-Medical) کیا۔ ۱۹۶۸ء میں F.Sc پاس کرنے کے بعد لاہور کے King Edward Medical College میں براہ راست داخلہ مل گیا۔ لیکن ۱۹۷۱ء کی جنگ اور دیگر ملکی حوادث کی وجہ سے ہمارا فائنل امتحان ۱۹۷۳ء کے بجائے ۱۹۷۴ء میں ہوا۔

F.Sc کے بعد وقت فارغ ملا تو قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دو تین سالوں میں کچا پکا حفظ ہو ہی گیا۔

ایم بی بی ایس کرنے کے دوران ہی تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی کچھ عرصہ وقت لگایا لیکن بعد میں دینی علم حاصل کرنے کا شوق ہوا جس کا غلبہ اس حد تک ہوا کہ فائنل سے فارغ ہوتے ہی لاہور کے تعلیمی ادارہ جامعہ مدنیہ میں باقاعدہ

داخلہ لے کر تعلیم حاصل کی اور ۱۹۸۳ء میں وفاق المدارس کا فائنل (یعنی حدیث کا) امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد جامعہ مدنیہ کے جناب مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہ اور ان کے صاحبزادے مولانا قاری عبدالرشید صاحب مرحوم سے افتاء میں ٹریننگ حاصل کی۔ بعد میں کراچی کے مشہور عالم مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ سے اصول حدیث میں ''شرح نخبہ'' اور چند دیگر کتب سبقاً سبقاً پڑھیں۔

علم دین کی طرف رجحان کا سبب

ایک تو اپنے کچھ عزیز باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ دوسرے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درسوں میں ان دنوں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ اس بات کا بھی پرچار کرتے تھے کہ اعلیٰ علمی پیمانہ پر ایک ادارہ ہوتا کہ اس میں تربیت پاکر علمی میدان میں دین کی تبلیغ کی جائے۔ اس بات نے بھی اپیل کیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ڈاکٹر اسرار سمیت تمام ہی گمراہی سے مخلوط لائنوں سے ہٹا کر خالص اور محفوظ لائن پر لگا دیا۔ علم دین کی خالص اور محفوظ لائن صرف وہی ہوسکتی ہے جو اول تو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے تسلسل سے چلی آ رہی ہو اور دوسرے وقت کے علمائے ربانیین اس پر مطمئن ہوں۔

عملی زندگی

دینی تعلیم تو اپنا شوق تھا اور کسب معاش اپنی عمر کی ایک ضرورت تھی۔ دینی تعلیم کی خاطر اول تو چھوٹی موٹی ملازمت یا پریکٹس پر اکتفاء کیا لیکن دو سال کے بعد بالآخر حکومتی قانون کے جبر کی وجہ سے دو ڈھائی سال فوج کے آرمی میڈیکل کور میں بطور کیپٹن سروس کی۔ اس دوران بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ مزاج کی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے عرصہ پورا ہونے پر فوجی ملازمت ترک کی۔ پھر لاہور ہی کے ایک مقامی ہسپتال میں شام کے اوقات میں ملازمت مل گئی۔ جامعہ مدنیہ میں تعلیم کے اوقات صرف صبح کے ہیں اس لیے تعلیم مکمل کرنے میں رکاوٹ نہ ہوئی۔ ہسپتال کی ملازمت تا حال جاری ہے۔ فوجی سروس ملا کر ملازمت کی کل مدت ۲۷ سال ہو چکی ہے جبکہ دینی تعلیم و تعلم سے وابستگی کو ۳۰ سال ہو چکے ہیں۔

برادری کے اجتماعی کاموں سے تعلق

ایم بی بی ایس کی تعلیم کے آخری سالوں میں اور اس کے بعد کچھ عرصہ جمعیت کی شاخ لاہور کی منتظمہ میں بھی رہا۔ پھر تعلیمی مصروفیات بڑھ جانے کی وجہ سے معذرت کر لی اور اپنی جگہ اپنے ایک چھوٹے بھائی شیخ سمیع اللہ کو متعارف کرایا جو سالہا سال جمعیت کے ساتھ وابستہ رہے۔

برادری کا دیگر برادریوں سے موازنہ

اس اعتبار سے چونکہ میرا مشاہدہ اور مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے کچھ کہنے سے معذور ہوں۔

دینی نقطۂ نظر سے برادری میں کونسی اصلاحات ضروری ہیں

ہماری برادری سمیت پوری مسلم برادری کو ضرورت ہے کہ اس کے عقائد وافکار، اس کی معاشرت، اس کی معیشت، اس کے اعمال واخلاق سب دین کے مطابق ہو جائیں کیونکہ ہماری اصل بنیاد اسلام ہے۔

اصلاح احوال میں ہماری خصوصی کوشش

[برادری میں] اصلاح احوال کے لیے مختلف جہتوں سے کام ہو رہے ہیں۔ بعض الحمدللہ تقریباً حق کے مطابق ہیں اور بعض گمراہیوں کے ساتھ مخلوط ہیں۔ لیکن دین کا صحیح علم وفہم ایسی چیز ہے جو عام طبقوں کے علاوہ خود اصلاح احوال کرنے کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے انتہائی ضروری اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی کمی کی وجہ سے اصلاح احوال کے پُرخلوص جذبات رکھنے والے حضرات جہاں ایک اعتبار سے اصلاح کرتے ہیں وہیں دوسرے اعتبار سے ایک دوسری خرابی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس بات کو میں دو مثالوں سے واضح کرتا ہوں۔

ا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو ہماری برادری میں کسی درجہ پذیرائی حاصل ہے۔ جمعیت کے گلستان کلب میں ان کی تنظیم کے پروگرام اور درس ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی چند ایک خرابیاں یہ ہیں:

i۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے دل میں مثبت طور پر ایمان نہ ہو۔ اور منفی طور پر کفر بھی نہ ہو اور اس طرح سے اس کی حالت ZERO VALUE کی ہو اور وہ نیک عمل کرتا جائے تو اس کے نیک اعمال مقبول ہیں اور اس کو اسلام کہتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کی یہ فکر قرآن اور اجماع امت کے صریح مخالف ہے لیکن وہ اس کو پھر بھی قرآن کی طرف منسوب کرنے پر بضد ہیں۔

ii۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار صاحب ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو قرآن سے ثابت کرتے ہیں اور بعض آیتوں کا قطعی مدلول اسی کو بتاتے ہیں حالانکہ قرآن پاک کی آیت ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ [آل عمران:۵۹] یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بغیر باپ کے ہونے میں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مانند ہے کہ وہ تو ماں باپ دونوں کے بغیر تھے۔ یہ آیت تو نظریہ ارتقاء کی جڑ ہی کاٹ دیتی ہے۔

لیکن ان نشان دہیوں کے باوجود ڈاکٹر اسرار صاحب اپنی غلطیوں پر بضد ہیں اور قرآن کی غلط تشریح وتفسیر پھیلا رہے ہیں۔

۲۔ جاوید غامدی صاحب کو ہماری برادری کے بعض افراد نہ جانے کن بنیادوں پر اپنی آنکھوں کا نور بنائے ہوئے ہیں حالانکہ چودہ سو سال سے امت کا جن بعض مسائل میں کامل اتفاق ہے غامدی صاحب کو یہ دعویٰ کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ پوری کی پوری امت اب تک غلطی پر رہی اور صحیح بات کو اب چودہ صدیوں کے بعد انہوں نے دریافت کیا ہے لہذا وہ مرتد کی حد کے عمومی ہونے کا انکار کرتے ہیں، قراءت کی مختلف نوعیّتوں کا انکار کرتے ہیں، شادی شدہ زانیوں کے لیے

رجم کے حد ہونے کا انکار کرتے ہیں اور تنہا لڑکیاں ہوں تو میراث میں ان کے حصہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ [اقدامی جہاد کے مشروع ہونے کا انکار کرتے ہیں]

''فہم دین کورس'' کی ضرورت

علاوہ ازیں حدیث میں ہے ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ'' کہ دین کے ضروری علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

اہمیت اور ضرورت کے پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے ''فہم دین کورس'' کے نام سے ایک نصاب ترتیب دیا ہے جو دو درجوں پر مشتمل ہے:

درجۂ عام یا O'Level۔ اس میں تین کتابیں ہیں (۱) اسلامی عقائد (۲) اصول دین اور (۳) مسائل بہشتی زیور۔

درجۂ اعلیٰ یا A'Level۔ اس میں دو کتابیں ہیں (۱) تفسیر فہم قرآن (۲) فہم حدیث۔

کورس کا تفصیلی تعارف

''فہم دین کورس'' کے درجۂ عام کو ہم عمومی طور پر تمام مردوں اور عورتوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے بعض مضامین کو دیکھ کر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ان کی تو عام لوگوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ تو اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر ہر فرد کے لیے علیحدہ علیحدہ نصاب نہیں بنائے جاسکتے۔ نصاب بنانے میں تمام ہی طبقوں کی رعایت کرنی ضروری ہے۔ علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے بھی قابل قبول نصاب ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں اب وہ دور نہیں جس میں نہ اخبارات ورسائل تھے اور نہ ٹی وی وانٹرنیٹ تھے اور لوگ اپنے مخصوص افکار وعقائد کے دائرہ میں رہتے تھے۔ موجودہ دور میں ہر قسم کے وسائل دستیاب ہیں اور خواہی نخواہی بہت سی باتیں دیکھنے، سننے اور پڑھنے کو ملتی ہیں جن سے آدمی کے ذہن میں غلط یا صحیح تصورات خود بخود قائم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم چونکہ مسلمان ہیں لہذا قرآن وسنت کے منافی تمام تصورات سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب دین کا معتد بہ صحیح علم وفہم حاصل ہو۔

''اسلامی عقائد'' اور ''اصول دین'' میں ہم نے کوئی بات بلا دلیل نہیں کی۔ قرآن وحدیث سے دلائل دیے ہیں۔ جو اشکال پیش آسکتے تھے ان کے جواب دیے ہیں۔ مسائل کی کتاب ایک مکمل مسائل کی کتاب ہے جس میں جدید سے جدید مسائل کا ذکر ہے۔ کہیں کہیں ان کے دلائل کا بھی ذکر ہے لیکن زیادہ تر دلائل ''فہم حدیث'' کی دوسری جلد میں مذکور ہیں۔

''مسائل بہشتی زیور'' کے نام سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ بعینہ ''بہشتی زیور'' والی کتاب ہے بلکہ یہ اس سے بہت مختلف کتاب ہے۔ نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ شروع میں ہمارا خیال یہ تھا کہ ''بہشتی زیور'' کے صرف مسائل کا حصہ لے کر اس کے ساتھ جدید مسائل کا ضمیمہ لگالیں گے۔ لیکن جب کام شروع کیا تو اس پر اکتفا ممکن نہ رہا اور وہ ایک علیحدہ اور

مستقل کتاب بن گئی۔

''فہم دین کورس'' کے درجۂ اعلیٰ میں قرآن پاک کا لفظی ترجمہ وتفسیر اور حدیث شامل ہیں۔ تفسیر میں ہم نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' کو لے کر اس کو آسان کیا اور فوائد کو انتہائی مختصر کیا۔ اس تفسیر کو اختیار کرنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس میں تفسیر رواں ہے، نمبر دے کر حاشیہ آرائی نہیں کی گئی اور دوسرے اس میں سورت کی آیتوں کا باہمی ربط مذکور ہے۔ سوا پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد اور گیارہویں پارے تک دوسری جلد چھپ کر بازار میں دستیاب ہیں۔ [بعد ازاں تیسری جلد بھی طبع ہوگئی۔ چوتھی جلد جو ۱۷ویں پارے سے لے کر سورہ سبا تک کی تفسیر پر مشتمل ہے زیر طبع ہے۔]

''فہم حدیث'' کی پہلی جلد میں عقائد، اخلاق، شمائل، حقوق اور دیگر ماوراء الطبیعاتی امور سے متعلق احادیث کا ذکر ہے جبکہ دوسری جلد میں عملی احکام سے متعلق حدیثیں ہیں۔ دوسری جلد کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ [''فہم حدیث'' کی بھی تیسری جلد مکمل ہو کر عرصہ ہوا طبع ہو چکی ہے اور عام دستیاب ہے۔]

''فہم دین کورس'' کے دونوں درجوں کی کتابیں مجلس نشریات اسلام کراچی کے جناب فضل ربی صاحب ندوی نے تبلیغی جذبہ سے شائع کی ہیں اور وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی کتاب نایاب نہ رہے۔

کورس کے پڑھنے پڑھانے کی ترتیب

لاہور میں یہ کورس تقریباً دس گیارہ سال سے پڑھایا جا رہا ہے۔ مختلف علماء اپنے اپنے حلقوں میں اسے پڑھاتے ہیں۔ پچھلے تین چار سال سے عورتوں کے بعض حلقوں میں بھی یہ کورس پڑھایا گیا ہے اور پڑھایا جا رہا ہے کچھ عرصہ پہلے ''ضرب مؤمن'' اخبار میں اس کورس کا تعارف چھپا تو اور شہروں میں بھی اس کی طرف رجوع ہوا۔ غرض پنجاب کے کئی علاقوں میں اس کو باقاعدہ کورس کے طور پر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہے۔ کورس کے شرکاء کی کم از کم پچھتر فیصد حاضریاں ہوں تو جامعہ مدنیہ کی جانب سے ان کو سند بھی دی جاتی ہے۔ کورس کے دوران یا اس کے ختم پر امتحان لینے کی رسم ابھی شروع نہیں کی۔ ابھی اس کا موقع نہیں۔

کراچی کے ڈیفنس کے علاقے کے ایک مولانا عبدالستار صاحب نے درجہ عام کی کتابوں سے متعلق معروضی قسم کی ورک بکس بھی تیار کی ہیں۔ ورک بکس (Work Books) ناگزیر نہیں لیکن اگر کوئی چاہے تو ان سے اپنی دہرائی کر سکتا ہے اور اپنا امتحان لے سکتا ہے۔

بہتر ہے کہ ہفتہ میں چھ دن پڑھائی ہو اور روزانہ ایک گھنٹہ دیں۔ اتنا نہ ہو سکے تو ہفتہ میں چار دن تو ضرور دیں۔ جو بھی پروگرام طے کریں اس کے لیے مدت کا ٹارگٹ مقرر کریں اور اس مدت کے اندر کورس کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

ہر طالب علم کے پاس اپنی کتاب ہو۔ کتاب کو پڑھیں اور اس کو سمجھیں اور اس کو حوالہ کی کتاب بھی بنائیں۔ اس طرح سے پڑھنے والوں کا وقت بھی بچے گا اور غیر ضروری باتوں میں لگنے سے بھی بچیں گے۔

یاد رہے کہ ہماری کسی بھی کتاب سے ہمارا کوئی مالی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

کورس پڑھنے پڑھانے کے اصول

خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں یہ کورس سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ کسی بھی اچھے عالم کی مدد سے یہ کورس پڑھا جا سکتا ہے۔

۱۔ پڑھنے والوں کی علمی و عقلی استعداد کم از کم میٹرک کی سطح کے برابر ہو۔ خود میٹرک ہونا کوئی ضروری نہیں۔

۲۔ استاد سبق کو اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد پڑھائے۔

۳۔ سبق سے متعلق سوال کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۴۔ سبق کے دوران غیر متعلقہ باتوں اور اختلافی بحثوں سے پرہیز ہو۔

۵۔ استاد ناغہ بالکل نہ کرے۔ اگر کبھی سخت مجبوری ہو تو اپنا متبادل بھیج دے۔

۶۔ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں۔ سبق پانچ منٹ پہلے ختم کر دیں لیکن زائد وقت نہ لیں۔

۷۔ پڑھنے والے بھی ذمہ داری کا ثبوت دیں۔ چند دن آ کر غائب ہو جانا صرف اپنا نقصان نہیں بلکہ یہ دوسروں کی سستی اور حوصلہ شکنی کا باعث بھی بنتا ہے جو قومی اور ملی نقصان ہے۔

۸۔ سبق سے فارغ ہونے کے بعد کسی بھی قسم کا سوال کرنے کی آزادی ہو۔ استاد کو جواب معلوم ہو تو نقد بتا دے ورنہ صاف کہہ دے کہ معلوم کر کے بتاؤں گا۔

دیگر تصنیفات

فہم دین کورس کے علاوہ میری دیگر تصنیفات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن کو میں مثبت (Positive) انداز کی کہتا ہوں اور دوسری وہ جن کو میں منفی (Negative) انداز کی کہتا ہوں۔ تحقیق سے الحمدللہ کوئی بھی خالی نہیں۔

پہلی قسم کی تصنیفات

۱۔ مریض و معالج کے اسلامی احکام

۲۔ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

۳۔ دین کا کام کرنے والوں کے لیے چند ضروری باتیں

۴۔ مروجہ مجالس ذکر و درود کی شرعی حیثیت

۵۔ شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قراءات متواترہ

دوسری قسم کی تصنیفات

۱۔ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار ونظریات

۲۔تحفہ غامدی۔جاوید غامدی صاحب کے مغالطوں کا جواب

۳۔تحفہ اصلاحی۔جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی کتابوں ''مبادی تدبر قرآن'' اور ''مبادی تدبر حدیث'' پر تبصرہ اور تحقیق حق۔

۴۔تحفہ خیر خواہی۔کیپٹن مسعود الدین عثمانی کے مغالطوں کا جواب

۵۔قرآن وحدیث سے عداوت کیوں؟۔منکرین حدیث کے جواب میں

قارئین ''سوداگر'' کے لیے پیغام

قارئین ''سوداگر'' سے میری پرزور درخواست ہے کہ ''فہم دین کورس'' کو محض ایک برکت یا ثواب کی چیز سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔اس کو اپنی ضرورت، وقت کی ضرورت، ملک وملت کی ضرورت سمجھیں اور کچھ وقت نکال کر اس کورس کو پڑھ لیں۔قارئین میں جو علماء ہوں ان سے یہ التجا ہے کہ وہ اس کورس کو من وعن پڑھانے سے دریغ نہ کریں۔

.....☆☆☆.....

انٹرویو

یونیورسٹی سے ایک مقالہ نگار نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ''فہم قرآن'' کو موضوع مقالہ بنایا تو اس سلسلے میں حضرت رحمہ اللہ سے تحریری طور پر چند معلوماتی سوالات کیے۔ حضرت نے مختصر جوابات دیے۔ یہ جوابات من وعن شامل اشاعت ہیں۔

اس انٹرویو میں حضرت الاستاذ صاحب کی سادگی، حقیقت پسندی اور بے تکلفی نمایاں ہے، جو علمائے ربانیین کی شان ہے۔

س: آپ کے والد کا نام کیا ہے؟

ج: عبدالمالک مرحوم

س: آبائی طور پر کس علاقے سے تعلق ہے؟

ج: دہلی سے۔ البتہ پاکستان بننے سے پہلے ہی دادا نے لاہور میں اور نانا نے کراچی میں اپنا اپنا تجارتی کام شروع کر دیا تھا۔

س: مفتی صاحب آپ کی پیدائش کہاں ہوئی؟

ج: کراچی میں۔

س: آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

ج: کیتھیڈرل (Cathedral) سکول لاہور سے۔ نرسری سے لے کر F.SC تک۔

س: آپ نے ابتدائی دنیاوی تعلیم کے لیے کون سے اداروں میں پڑھتے ہوئے تعلیمی سفر کو آگے بڑھایا؟

ج: ۱۔ صرف ایک ادارے سے یعنی کیتھیڈرل سکول لاہور میں نرسری سے F.SC تک اور

۲۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے M.B.B.S کیا۔

س: دینی تعلیم کے حوالے سے آپ نے کن لوگوں سے کسب فیض پایا؟

ج: ۱۔ جامعہ مدنیہ کے اس وقت کے اساتذہ سے۔

۲۔ ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم کے اس وقت کے مولانا انور شاہ صاحب مدظلہ سے۔

س: دینی رجحان کی کوئی خاص وجہ جس سے آپ کو دینی تعلیم کی طرف رغبت ہوئی؟

ج: بعض عزیزوں کو دینی تعلیم حاصل کرتے دیکھ کر رغبت ہوئی اور شوق پیدا ہوا۔

س: دنیاوی تعلیم میں پرائمری، مڈل اور ہائی (میٹرک) کہاں سے پاس کیا؟

نرسری سے لے کر O'Level تک اور پھر F.SC کیتھیڈرل سکول لاہور سے کیا۔

س: F.SC اور M.B.B.S کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

ج: F.SC کیتھیڈرل سکول لاہور سے۔ اس سکول میں کچھ عرصہ کے لیے F.SC کی کلاس چلائی گئی تھی۔

M.B.B.S کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے کیا۔

س: M.B.B.S میں specialization کس میدان میں ہے؟

ج: M.B.B.S کرنے کے بعد دینی تعلیم کی طرف لگ گیا۔ اس وجہ سے کوئی Specialization نہیں کر سکا۔

س: باقاعدہ دینی تعلیم کب اور کہاں سے حاصل کی؟

ج: 1970ء کے بعد متفرق حضرات سے کچھ عربی سیکھی۔ 1974ء سے 1976ء تک، پھر 1978ء سے 1983ء تک جامعہ مدنیہ لاہور میں، درمیان عرصہ میں مولانا مفتی انور شاہ صاحب مدظلہ سے ملتان میں اور مولانا عبدالرشید کشمیری مدظلہ سے لاہور میں کچھ کتابیں پڑھیں۔ اور مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ سے بھی چند دن سبق پڑھا۔

س: کون کون سے مدارس سے کسب فیض کیا؟

ج: جامعہ مدنیہ لاہور سے۔

س: آپ کے نمایاں اساتذہ کا نام جن سے آپ کو خصوصی شغف تھا؟

ج: ایسا کوئی اندازہ کرنا مشکل ہے۔

س: کون سے استاد سے کونسا علم حاصل کیا؟

تفسیر کے استاد کا نام؟

ج: یاد نہیں کہ تفسیر بیضاوی کس استاد سے پڑھی۔

س: حدیث کے استاد کا نام؟

ج: ☆ مولانا کریم اللہ صاحب رحمہ اللہ سنن ترمذی پہلا حصہ

☆ مولانا مفتی عبدالحمید صاحب ستیاپوری رحمہ اللہ صحیح مسلم

☆ مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ صحیح بخاری

☆مولانا مرزا گل صاحب رحمہ اللہ سنن ترمذی دوسرا حصہ
☆مولانا ظہور الحق صاحب دامانی دامت برکاتہم سنن ابوداؤد

س: فقہ اور فتویٰ کی تعلیم کن علماء فقہ سے حاصل کی؟
ج: ☆مولانا مفتی عبدالحمید صاحب ستیانوی رحمہ اللہ
☆مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ
س: آپ کی پسندیدہ تفسیر کونسی ہے؟
ج: اس سوال کا اور اگلے دو سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ اس طرف کبھی ذہن گیا ہی نہیں۔
س: فقہی مسائل پر مشتمل آپ کی پسندیدہ کتاب کونسی ہے؟
ج: ایضاً
س: حدیث کی پسندیدہ کتاب کونسی ہے جن سے آپ نے بہت استفادہ کیا؟
ج: ایضاً
س: بطور معلم آپ نے کس مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیا؟
ج: جامعہ مدنیہ لاہور
س: کن کن مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں؟
ج: ۱۔ جامعہ مدنیہ لاہور
۲۔ مدرسہ احیاء العلوم گلشن راوی لاہور
۳۔ دارالافتاء والتحقیق چوبرجی پارک لاہور
س: آپ نے اپنے پیشے کے ساتھ دینی تعلیم کو کیسے وقت دیا کہ ایک طرف مطالعہ، تدریس اور ایک طرف وہ کثیر تعداد تصانیف جس پر آپ نے قلم اٹھایا؟
س: محکمہ اوقاف کے ہسپتال میں ملازمت ملی اور وہ بھی زیادہ تر شام کے وقت میں، کام کم ہوتا تھا اس لیے فراغت کا کچھ وقت مل جاتا جس میں مطالعہ کرنا آسان ہوتا تھا۔
س: آپ کی تصانیف وتالیف کا آغاز کب ہوا؟
ج: یاد نہیں۔
س: فقہ حنفی سے دلچسپی کی کوئی خاص وجہ کیا ہے؟
ج: کچھ خاص وجہ نہیں۔ ہمارے ملک میں اور مدارس میں عام طور سے فقہ حنفی پڑھائی جاتی ہے اور عوام میں بھی زیادہ

تر یہی رائج ہے۔ البتہ پھر حالات خاص کر عائلی اور مالی معاملات میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں اور دیگر فقہی مذاہب سے بھرپور استفادہ کیا جارہا ہے۔

س: فقہ حنفی کی دیگر مذاہب فقہ کی نسبت ان کی نمایاں خصوصیت جس سے آپ متاثر ہوئے؟

ج: ایسا کوئی تاثر حاصل نہیں ہوا۔

س: اپنی تصانیف میں کس موضوع کو توجہ کا مرکز بنایا؟

ج: فقہی مسائل کو یا ضرورت پڑنے پر تحقیق وتنقید کو۔

س: مفتی صاحب آپ کی تصانیف کی فہرست؟

ج: اگلے سوال کے جواب میں ملاحظہ ہو۔

س: دنیاوی تعلیم سے وابستہ طلبہ وطالبات کے لیے وہ کونسی اسلامی کتابیں ہیں جو آپ تجویز کرتے ہیں؟

i۔ ان لوگوں کے لیے ''فہم دین'' کے نام سے ایک کورس ترتیب دیا ہے جو مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے اور ان کتابوں پر مشتمل ہے:

☆ فہم قرآن ۳ جلد (۱۶ پارے) مزید کام جاری ہے۔

☆ فہم حدیث ۳ جلد

☆ اسلامی عقائد

☆ اصول دین

☆ مسائل بہشتی زیور

ii۔ تصانیف کردہ دیگر کتب:

☆ مریض ومعالج کے اسلامی احکام (پانچواں ایڈیشن)

☆ سونے، چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

☆ جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا جائزہ

☆ اسلامی صکوک (تعارف وتحفظات)

☆ فقہی مضامین

☆ دین کا کام کرنے والوں کے لیے چند اصولی باتیں

☆ فقہ اسلامی (عائلی مسائل)

☆ بدائع صنائع کے ایک حصہ کا ترجمہ (دیال سنگھ لائبریری وریسرچ سیل)

☆مسنون حج وعمرہ (i) مفصل (ii) مختصر جیبی سائز

iii۔ ☆صفات متشابہات اور سلفی عقائد

☆عمار خان کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی

☆تحفہ غامدی

☆تحفہ خیر خواہی (کتابچہ)

☆داستان عبرت (کتابچہ)

☆مقام عبرت (کتابچہ)

☆ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار ونظریات

☆تحفہ اصلاحی

☆ہدیہ فکر (کتابچہ)

☆قرآن کو قرآن کے کہے کے مطابق سمجھیے

☆جواب نفیس (کتابچہ)

انگریزی میں:

☆Cread of Islam

☆Principles of Islam

س: آپ کی زندگی کا حاصل کیا ہے؟

ج: اتنی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا انٹرویو

فہم دین کورس

انٹرویو ضرب مؤمن

''فہم دین کورس'' سے متعلق ضربِ مؤمن میں جولائی ۲۰۰۲ء کو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا۔ اب ''انوارِ مدینہ'' کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

ضرب مؤمن: محترم مفتی صاحب! ہمارے قارئین کو اپنا مختصر تعارف کروایئے۔

جواب: میری پیدائش کراچی میں ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ ننھیال کراچی میں تھے، ددھیال لاہور میں تھے اس لیے عمر ساری لاہور میں گذاری۔ مقامی ہائی اسکول سے سینئر کیمبرج اور پھر ایف ایس سی کی۔ ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا، ایم بی بی ایس کے دوران عربی کی کچھ تعلیم حاصل کی، ایم بی بی ایس کے فوراً بعد جامعہ مدنیہ میں باقاعدہ داخلہ لیا اور ۱۹۸۳ء میں وفاق المدارس سے دورۂ حدیث کا امتحان پاس کیا، ۱۹۷۶ء میں دو سال کے لیے لازمی سروس کے طور پر فوج کے میڈیکل کور میں بطور کیپٹن کام کرنا پڑا لیکن پڑھائی کا سلسلہ کچھ نہ کچھ چلتا رہا، فوج سے واپسی کے بعد لاہور ہی میں ایک ہسپتال میں ملازمت ملی جو تا حال جاری ہے۔ ۱۹۸۳ء سے جامعہ مدنیہ میں تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہے، جامعہ کے مفتی حضرت مولانا عبدالحمید صاحب اور ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید صاحب سے افتاء کا علم سیکھا۔

ضرب مؤمن: آپ کو مفتی بھی کہا جاتا ہے اور ڈاکٹر بھی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ۱۹۷۴ء میں جب جامعہ مدنیہ میں پڑھنے کے لیے داخلہ لیا اس وقت چونکہ ایم بی بی ایس کر چکا تھا اس لیے جامعہ کے تمام طلبہ اور اساتذہ ڈاکٹر کہنے لگے اور پھر یہ شناخت بن گئی، بعد میں جب مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہ نے علالت کے باعث افتاء کا کام چھوڑا تو جامعہ کی طرف سے یہ کام میرے سپرد ہوا اور اس طرح مفتی کہا جانے لگا۔

ضرب مؤمن: آپ کی موجودہ علمی اور اصلاحی مصروفیات آج کل کیا ہیں؟

جواب: افتاء میں تخصص کرانا، جامعہ کے دیگر اسباق کی تدریس اور افتاء کا کام، ان کے علاوہ وہ تصنیفی کام جس کی

توفیق ہو جائے۔ اب تک تقریباً پندرہ کتب میرے قلم سے تالیف ہو چکی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ فہم دین کورس (درجہ عام) اسلامی عقائد، اصول دین، مسائل بہشتی زیور

۲۔ فہم دین کورس (درجہ اعلیٰ) تفسیر فہم قرآن جلد اول (سورہ فاتحہ تا سورہ نساء)، فہم حدیث جلد اول (زیر طبع)

۳۔ مریض و معالج کے اسلامی احکام

۴۔ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

۵۔ دین کا کام کرنے والوں کے لیے چند ضروری باتیں

۶۔ شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قرءات متواترہ

۷۔ مروجہ مجالس ذکر و درود کی شرعی حیثیت

۸۔ قرآن و حدیث سے عداوت کیوں؟

ضرب مؤمن: یہ کورس مرتب کرنے کا خیال آپ کو کیسے آیا؟

جواب: ہمارے جامعہ مدنیہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے ایک وقت یہ ترتیب رکھی تھی کہ کالج میں پڑھنے والے طلبہ کو مدرسہ میں اقامت دے کر ان کی دینی تعلیم و تربیت کی جائے۔ وہ سلسلہ بعد میں کسی وجہ سے منقطع ہو گیا۔ اپنی تدریسی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں دنیاوی اعتبار سے بعض خوب پڑھے لکھے لوگ آئے اور عربی زبان سیکھنے کی خواہش ظاہر کی، ان کے لیے اس کا بندوبست کیا گیا لیکن یہ تجربہ ہوا کہ عام طور سے یہ حضرات دو یا تین ماہ پڑھ کر اپنی دنیاوی مصروفیات کی بناء پر چھوڑ دیتے ہیں اور چونکہ عربی تو محض ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اس لیے اس کے بند ہونے پر احساس ہوتا ہے کہ نتیجہ کے اعتبار سے پڑھنے پڑھانے والوں کی محنت ضائع ہو گئی اس لیے ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ اگر یہی حضرات دو تین مہینے دینیات سیکھتے تو فائدہ ہی فائدہ ہوتا۔ کوئی شخص اگر صرف ایک دن ہی آ کر دین کا صرف ایک مسئلہ سیکھتا تو محنت ضائع تو نہ ہوتی۔ دینیات کے اصل حصے دو ہیں۔ عقائد اور عملی احکام۔ اس لیے ایک مضمون ''اسلامی عقائد'' کا ہوا اور دوسرا مضمون ''اسلامی مسائل'' کا ہوا۔ قرآن و حدیث تو ان کے دلائل ہیں، ان دلائل اور ان سے احکام کے استنباط سے متعلق کیا اصول ہیں؟ موجودہ دور کی گمراہیوں سے بچنے بچانے کے لیے ان کو بھی جاننا ضروری ہے اس لیے ''اسلامی اصول'' [اصول دین] تیسرا مضمون بن گیا۔

ضرب مؤمن: ازراہ کرم آپ اپنی مرتب کردہ تینوں کتب کا تعارف کروائیے؟

جواب: پہلے ہمارا خیال ہوا کہ اردو زبان میں ایسی کتابیں تلاش کریں جو ہماری ضرورت پوری کریں اور انداز درسی ہونے کے باوجود ایسا ہو کہ وہ جدید ذہن کے لیے قابل قبول ہو۔ مسائل کے لیے ہمارا خیال ہوا کہ ''مسائل بہشتی زیور'' کو لیتے ہیں اور کچھ دیگر جدید اور ضروری مسائل کے لیے ایک تتمہ کا اضافہ کر لیں گے لیکن پڑھانے کے دوران اندازہ ہوا کہ

اول تو اس کی زبان میں بھی کچھ کا سمیٹک سرجری کرنی پڑے گی، دوسرے محض تتمہ کام نہ دے گا بلکہ از سرنو ترتیب دینا ہوگی اس لیے اس پر کام شروع کیا۔ دوسرا اپنا خیال تو یہ تھا کہ کتاب زیادہ ضخیم نہ ہو لیکن اپنے بعض ساتھیوں کے اصرار پر بہت سے مسائل کا اضافہ کرنا پڑا جس سے وہ مفتیٰ بہ مسائل کی اچھی خاصی کتاب بن گئی چونکہ اصل بنیاد کتاب ''مسائل بہشتی زیور'' تھی اس لیے نئی کتاب کا نام بھی وہی رہا۔

عقائد کی مختلف کتابیں ہمارے سامنے آئیں اور ہم نے شروع میں ''عمدۃ الفقہ'' کا عقائد کا حصہ لیا لیکن ایک ہی دفعہ پڑھانے سے اندازہ ہوا کہ وہ نہ صرف یہ کہ ہماری ضرورت کو پورا نہیں کرتی بلکہ اس کا معیار بھی ہماری توقع کے مطابق نہ تھا اس لیے اس پر بھی محنت کرنی پڑی اور مختلف کتابوں سے ضروری مواد اکٹھا کر کے نئی کتاب ترتیب دی۔ پہلے ایڈیشن میں جو خامیاں رہ گئی تھیں یا جن غلطیوں کی بعض ساتھیوں نے نشاندہی کی ان کی اصلاح کر کے نیا ایڈیشن تیار کیا جو ''مجلس نشریاتِ اسلام کراچی'' نے شائع کیا ہے۔

''اصول دین'' کے نام سے کتاب ابتداء ہی میں [از سرنو] لکھی گئی اور معتبر حضرات کی کتابوں کی تسہیل اور تلخیص کر کے اس کی تالیف کی گئی۔ اس کے بھی دوسرے ایڈیشن میں ضروری اصلاحات کی گئیں، مذکورہ بالا تین کتابوں پر مشتمل ''فہم دین کورس'' کا یہ درجہ عام ہے جو آج کے میڈیا دور میں ہم سمجھتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کو پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اور ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' کے تحت داخل ہے۔

عقائد اور اصول کی کتابوں کے بعض مباحث کو بعض پڑھنے پڑھانے والے غیر ضروری سمجھتے ہیں لیکن اول تو کوئی کورس مقرر کرنا ہو تو ایک ایک فرد کو لے کر مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ ایک معاشرہ اور طبقہ کو سامنے رکھ کر مقرر کیا جاتا ہے۔ ہم نے اپنے سامنے دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی رکھا ہے لہذا ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے مسائل کو ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا۔

درجہ عام کی کتابوں کی جب ترتیب بن گئی اگرچہ سب ابھی چھپی نہ تھیں کہ ذہن میں آیا کہ استحباب کے درجہ میں تفسیر اور حدیث کو ساتھ ملا لیا جائے اور اس کو ''فہم دین کورس'' کا اعلیٰ درجہ بنا دیا جائے تو اس سے اردو میں دینیات کی تعلیم مکمل ہو سکے گی لہذا اس پر کام شروع ہوا اور تفسیر ''فہم قرآن'' جو کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' کی تسہیل و تلخیص ہے ترتیب دی جس کی سوا پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد چھپ چکی ہے وہ چونکہ رواں تفسیر ہے اس لیے حاشیہ پر نمبر لگا کر تفسیری نکات لکھنے کی بنسبت زیادہ مفید نظر آئی ہے۔ ترجمہ میں کوشش کی ہے کہ لفظوں کا لحاظ بھی کیا جا سکے۔

احادیث کو ہم نے دو قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ فقہی اور غیر فقہی۔ غیر فقہی موضوعات پر مشتمل احادیث کا مجموعہ چھپنے کے مراحل میں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد دستیاب ہوگا۔

تفسیر ہو یا حدیث اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ جدید ذہنوں میں اٹھنے والا کوئی اشکال ایسا نہ رہے کہ اس کا قابل قبول حل نہ لکھا گیا ہو۔ اس وقت ''فہم دین کورس'' کی تمام کتابیں ''مجلس نشریات اسلام کراچی'' کی جانب سے شائع کی جا رہی ہیں اور ہماری کسی بھی کتاب کے ساتھ ہمارے کسی قسم کے مالی مقاصد وابستہ نہیں ہیں۔

ضرب مؤمن: یہ کورس آپ نے کتنے عرصے میں مرتب کیا اور اب کہاں کہاں جاری ہے؟

جواب: اس کورس کے دونوں درجوں کی ترتیب میں تو دس سال لگ چکے ہیں اور ابھی تک سلسلہ جاری ہے کیونکہ معاملہ صرف ترتیب دینے کا نہیں بلکہ ان کتابوں سے متعلق اور بہت سے کام خود کرنے پڑتے ہیں۔ گذشتہ آٹھ نو سال سے یہ کورس لاہور کے مختلف علاقوں میں پڑھایا گیا ہے۔ جامعہ مدنیہ جدید کی طرف سے کورس مکمل کرنے والوں کو سند بھی جاری کی جاتی ہے (یاد رہے کہ جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ پر واقع ہے) اب تک سو سے کہیں زائد اسناد جاری کی جا چکی ہیں۔ اس وقت بھی لاہور میں میرے علم کی حد تک چار پانچ جگہ مردوں میں اور دو جگہ عورتوں میں یہ کورس جاری ہے، اور یہ کورس ٹوبہ ٹیک سنگھ اور قصور میں بھی چل رہا ہے۔

ضرب مؤمن: اس کورس میں شریک شخص کے لیے کتنی علمی استعداد کی ضرورت ہے؟

جواب: ہمارا اندازہ ہے کہ اس کورس کو پڑھنے والا کم از کم میٹرک پاس ہو یا کم تعلیم ہو لیکن زائد عمر والا ہو جس میں علم اخذ کرنے کی صلاحیت آ چکی ہو۔

ضربِ مؤمن: کیا آپ کے خیال میں اس کورس کے ذریعے عوام الناس کی دینی تعلیم کی ضرورت بطریق احسن پوری ہو سکتی ہے؟

جواب: خیال تو ایسا ہی ہے اور تجربے نے اس کی تصدیق کی ہے۔

ضرب مؤمن: جو علماء کرام اپنی مساجد میں اس کورس کو شروع کرنا چاہتے ہیں ان کی رہنمائی کے لیے آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: اس ضمن میں چند باتیں ہیں:

۱۔ پہلی تو یہ کہ ان حضرات کو چاہیے کہ وہ پڑھانے سے پہلے کتاب کا مطالعہ اچھی طرح کر لیں، محض اردو میں ہونے کی وجہ سے یہ نہ سمجھ لیں کہ مطالعہ کی ضرورت نہیں، صورت مسئلہ کو صحیح صحیح اور پوری گرفت کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ سبق کے دوران سبق سے خارجی اور غیر متعلقہ مباحث میں نہ لگیں۔

۳۔ تیسری گذارش یہ ہے کہ سبق کے دوران کسی اختلافی بحث میں نہ لگیں اصل بات کو مثبت انداز میں پیش کریں۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہ پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں۔ ان کے دل میں کوئی سوال ہو تو اس کو حل کریں۔ خواہ سبق سے متعلق ہو یا نہ ہو لیکن سبق سے غیر متعلق سوالوں کے جوابات سبق کے بعد دیں۔

۵۔ ناغہ بالکل نہ کریں اگر کبھی واقعتاً بہت مجبوری ہو تو متبادل استاد کا انتظام ضرور کریں۔ اس بات کو ضرور ذہن میں

رکھیں کہ پڑھانا آپ کا کام ہے اور آپ کی ذمہ داری اور ضرورت ہے، پڑھنے والوں کے اعتبار سے نہ سوچیں۔

۶۔ پڑھنے والے کم ہوں تو مایوس نہ ہوں۔ ایک بھی پڑھنے والا ہو تو محنت اسی طرح کریں جس طرح سو پڑھنے والوں پر کرتے ہیں۔ ایک طالب علم جو کچھ پوچھے اس کا جواب علی وجہ البصیرت معلوم ہو تو جواب دیں ورنہ برملا کہہ دیں کہ تحقیق کر کے بتائیں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ کوئی انسائیکلو پیڈیا (دائرۃ المعارف) تو نہیں کہ ہر سوال کا جواب ہر وقت حاضر ہو۔ اٹکل سے کوئی جواب نہ دیں، کسی بھی طالب علم کے سوال کو حقیر نہ سمجھیں اور ہمدردی سے اس کی تسلی کرنے کی کوشش کریں جواب کی تحقیق خود نہ کر سکتے ہوں تو دیگر اچھے علماء سے پوچھ لیں۔

۷۔ جتنا وقت طے ہے طالب علموں کو اس سے زیادہ ہرگز نہ بٹھائیں، بہتر ہے کہ چند منٹ پہلے ہی فارغ کر دیں۔ شرکاء جتنے بھی ہوں آپ پوری دلجمعی سے پڑھائیں۔ آج ایک طالب علم ہے تو آپ کے اخلاص کی بدولت کل زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

ضربِ مؤمن: مفتی صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ۔

انوار مدینہ: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

ضربِ مؤمن: ۱۲ تا ۱۸ جولائی ۲۰۰۲ء

.....☆☆☆.....

والدِ ماجد نور اللہ مرقدہ

حالات وواقعات

مفتی عبداللہ صاحب
دارالافتاء والتحقیق جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

خاندانی پس منظر

حضرت رحمہ اللہ کا خاندان دہلی کے پنجابی سوداگران کی ایک شاخ ہے۔ پنجابی سوداگران دراصل پنجاب کے ضلع بھیرہ کے باشندے تھے جو اصلاً ہندو تھے۔ جن کو (بقول حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ) حضرت شاہ شمس سبزواری رحمہ اللہ (ملتان) نے تبلیغ کر کے مسلمان کیا۔ اور جو ہندو بھی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا حضرت سبزواری رحمہ اللہ اسے نومسلموں کے خاندان کا فرد قرار دیتے۔ حتیٰ کہ اس خاندان کی پہچان ہی حضرت شمس رحمہ اللہ کی نسبت سے ''شمسی'' قرار پائی۔ حضرت سبزواری رحمہ اللہ نے اس خاندان کو تجارت میں برکت کی بطور خاص دعا دی تھی۔

نوٹ: حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ تاکید کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ مذکورہ بزرگ سنی العقیدہ تھے ان کی اہل تشیع سے نسبت غلط ہے۔

نومسلموں کا یہ خاندان ملک کے مختلف خطوں خاص کر دہلی میں مقیم ہوا، جہاں پنجاب کی نسبت سے پنجابی سوداگران کے نام سے اس خاندان کی شہرت ہوئی۔ اس خاندان کی شناخت صرف اسلام تھی لہذا مرور زمانہ کے باوجود یہ خاندان اسلام کے ساتھ ہمیشہ سے الفت رکھتا رہا ہے۔ (البتہ صحیح رہنمائی نہ ہونے یا قیادت غلط ہاتھوں میں جانے کے باعث بعض افراد میں یہ جذبہ انہیں جادۂ حق سے ہٹا کر کہیں دور لے گیا ہے)۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی پیدائش چونکہ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۰ء کی ہے اس لیے بہتر ہوگا کہ تقسیم سے قبل اس برادری اور حضرت رحمہ اللہ کے خاندان کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔

پنجابی سوداگران برادری کی تقسیم سے قبل دہلی کے جن دو بزرگوں سے بطور خاص عقیدت تھی ان دو بزرگوں کا نام ہی ان کی شناسائی کے لیے کافی ہے اور ان کے کام ومحنت کا عکاس ہے۔ (۱) حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ بستی نظام الدین اور (۲) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ددھیال کی بنسبت

ننھیال متذکرہ بالا بزرگوں سے زیادہ عقیدت رکھتا تھا حضرت رحمہ اللہ کے نانا شیخ عبدالجبار فضل الٰہی صاحب رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے قریبی رفقاء میں تھے بلکہ تقسیم کے بعد کراچی میں تبلیغ کے معروف بزرگوں میں بھی شمار ہوتے تھے۔ اسی طرح ان کے دو صاحبزادگان ابراہیم عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ اور حافظ خلیل عبدالجبار صاحب مدظلہم بھی تبلیغ کے معروف بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ددھیال متذکرہ بالا بزرگوں سے قابل ذکر نسبت نہ رکھنے کے باوجود اپنی شرافت و نجابت میں معروف تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کے دادا شیخ عبدالوہاب مرحوم نے تقسیم سے قبل دہلی کے ساتھ ساتھ لاہور انارکلی میں بھی ایک دکان کھول لی تھی اور لاہور کے علاقہ ''پیسہ اخبار'' میں گھر بھی بنالیا تھا۔ وہ چھ مہینے لاہور میں رہتے تھے اور چھ مہینے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ ان کے خاندان کے اکثر افراد دہلی میں رہتے تھے تو لاہور میں کاروبار شروع کرنے کی وجہ سے دہلی کے خاندان میں ان کی شناخت ''لاہور والے'' سے ہوگئی تھی۔ ان کی یہ شناخت رفتہ رفتہ یہاں تک ہوگئی تھی کہ دہلی میں نہ صرف ان کا گھر ''لاہور والا'' مشہور تھا بلکہ گلی بھی ''لاہور والی'' مشہور ہوگئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ کے والدین

حضرت رحمہ اللہ کا ددھیال ایک عام کاروباری گھرانہ تھا جہاں بددینی تو نہ تھی لیکن گہری دینداری بھی نہ تھی۔ البتہ نیکی و پرہیزگاری جو اس دور کے لوگوں میں بالعموم ہوتی تھی اس سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کے والد صاحب تقسیم کے بعد پہلے کچھ عرصہ کراچی رہے جہاں حضرت رحمہ اللہ کی پیدائش ہوئی پھر یہ خاندان لاہور اپنے گھر میں منتقل ہوگیا اور پہلے سے موجود انارکلی والے کاروبار کو سنبھالا۔

حضرت رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ چونکہ معروف تبلیغی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے انہوں نے لاہور آکر بھی دعوت و تبلیغ سے تعلق برقرار رکھا، انہوں نے اپنے گھر میں خواتین کے لیے ہفتہ وار تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا جو بقول بعض حضرات لاہور میں تبلیغی جماعت کے پلیٹ فارم سے خواتین کے لیے ہفتہ واری تعلیم کی پہلی کاوش تھی۔

پیدائش کے واقعات

خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی دادی نماز، روزہ کی پابند، بڑی نیک خاتون تھیں اور اخیر عمر میں ان کے سچے خواب خاندان میں شہرت پاگئے تھے۔ ایک دن وہ بیٹھے بیٹھے سوئیں تو اٹھ کر کہنے لگی کہ مجھے خواب میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا یہ پوتا جو پیدا ہوگا اس کا مقام بہت اونچا ہوگا اور اس کا نام ''عبدالواحد'' رکھنا۔

میری دادی کہتی تھیں مجھے اس بچے (حضرت ڈاکٹر صاحب) نے کبھی تنگ نہیں کیا۔ گویا شروع سے طبیعت میں سلامتی اور راست روی تھی۔

بچپن ولڑکپن

حضرت رحمہ اللہ بچپن سے ہی خاموش اور کم گو تھے، کھیل کود اور لڑائی جھگڑے سے دور رہتے تھے۔ بچپن سے ہی پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ اسکول کے پرنسپل نے ان کے والد صاحب کو بلا کر پوچھا کہ اس بچے کو کوئی مسئلہ ہے؟ یا گھریلو پریشانی کا شکار ہے؟ کہ ہر وقت خاموش رہتا ہے اور پڑھتا رہتا ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے، تو پرنسپل نے پوچھا کہ پھر یہ کھیل کود میں حصہ کیوں نہیں لیتا؟ والد صاحب نے کہا کہ کوئی بچہ پڑھائی میں حصہ نہ لے اور کھیل کود میں لگا رہے تو شکایت بنتی ہے لیکن کوئی پڑھائی میں لگا رہے اور کھیل کود میں حصہ نہ لے تو یہ تو شکایت نہیں بنتی۔

حضرت رحمہ اللہ کا خاندان چونکہ تجارت پیشہ ہے اور عموماً تاجروں کے خاندان میں تعلیم سے زیادہ تجارت پر توجہ ہوتی ہے اس لیے (اب کچھ دینی یا دنیاوی اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا ہو گیا ہے ورنہ) حضرت رحمہ اللہ کے دور میں خال خال ہی کوئی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ بس چند جماعتیں پڑھنے کے بعد لڑکے کاروبار میں چلے جاتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کا ساتھ والا گھر ان کے تایا کا تھا۔ ان کے تایا زاد بھائی خاندان کے دیگر بچوں کی طرح پڑھائی میں دلچسپی نہ لیتے تھے تو ان کی اپنے والد صاحب سے شامت آتی تھی کہ تو پڑھتا نہیں ہے اور ایک اسے (حضرت رحمہ اللہ) جا کر دیکھ وہ بیٹھا پڑھ رہا ہوگا۔

جانکاہ محنت

حضرت رحمہ اللہ بتاتے تھے کہ میں پڑھائی میں متوسط درجے کا طالب علم تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلسل محنت کی بدولت علم کی دولت سے نوازا۔ مسلسل محنت اور اہمیت کے ساتھ پڑھائی کرنے کا حضرت رحمہ اللہ نے ایک واقعہ یہ سنایا کہ (کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کا MBBS کا امتحان جو کہ مشکل ہونے میں معروف تھا) مکمل کرنے کے بعد کئی روز تک خواب میں بھی ایسا لگتا رہا کہ میں امتحان گاہ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ گویا پڑھائی اعصاب پر سوار ہو گئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ کا تعلیم کا سارا دورانیہ خواہ وہ دنیاوی تعلیم کا ہو یا دینی تعلیم کا، ایسا گذرا ہے کہ رات ایک بجے تک مسلسل پڑھتے رہنا عام معمول تھا۔ گھر میں آنے والے مہمانوں سے صرف کھانے پر ملاقات ہوتی تھی اور کھانے کے بعد دوبارہ اپنے علمی کام میں مگن ہو جاتے تھے۔

رات ایک، ڈیڑھ بجے تک مطالعہ وتحریر میں لگے رہنا رعشہ کی تکلیف شروع ہونے سے قبل تک کا معمول رہا ہے۔ اور رعشہ کی تکلیف حضرت کو ۵۸ سال کی عمر میں شروع ہوئی ہے۔ اس طرح تقریباً نصف صدی کے قریب تک اپنے اس معمول کو نبھایا۔ مرض وفات شروع ہونے سے قبل تک حضرت رحمہ اللہ کا یہ معمول رہا کہ گھر والوں یا مہمانوں سے گفتگو ختم ہوتے ہی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فوراً ہی پڑھنے لکھنے میں لگ جاتے تھے۔

عصری تعلیم

حضرت رحمہ اللہ نے اپنے طبعی شوق کی بناء پر اسکول میں داخل ہونے کے بعد نہایت انہماک سے پڑھنا شروع کیا۔ ان کے والد صاحب نے انہیں اس زمانے کے تعلیمی معیار کے بہترین اسکول ''دی کیتھیڈرل اسکول'' میں داخل کروایا تھا۔ وہاں پر ابتداء سے تعلیم حاصل کرتے کرتے میٹرک تک پہنچے، میٹرک میں اولاً آرٹس گروپ میں داخلہ لیا تھا لیکن کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اپنے ماموں ابراہیم عبدالجبار صاحب کے سمجھانے پر سائنس گروپ میں داخلہ کے لیے پرنسپل سے بات کی تو پرنسپل نے کہا کہ اب امتحان میں وقت کم ہے، آرٹس سے سائنس میں تبدیلی مناسب نہیں۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں سائنس میں میٹرک کرنے کا داعیہ شدت اختیار کر گیا تھا لہذا پرنسپل نے حضرت رحمہ اللہ کے والد صاحب کو بلا کر بتایا کہ یہ طالب علم اس طرح گروپ تبدیل کرنا چاہتا ہے جبکہ وقت کم ہے۔ والد صاحب نے حضرت رحمہ اللہ کی حمایت کی اور کہا کہ اگر بچے کی خواہش ہے تو آپ اسے گروپ تبدیل کرنے دیں۔ بالآخر پرنسپل نے گروپ تبدیل کر دیا اور حضرت رحمہ اللہ نے سائنس میں میٹرک مکمل کیا۔ اس کے بعد جب F.Sc کرنے کا مرحلہ آیا تو حضرت رحمہ اللہ نے بتایا کہ اس اسکول میں ایف اے اور ایف ایس سی تک تعلیم کی اسی سال ابتداء کی گئی تھی۔ لہذا ایف ایس سی میں داخلہ کے لیے کسی نئی جگہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی بلکہ پرانے اسٹوڈنٹ ہونے کے ناطے آسانی سے ایف ایس سی میں داخلہ مل گیا۔

ایف ایس سی کی تکمیل کے بعد لاہور کے مشہور میڈیکل کالج کنگ ایڈورڈ میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۷۳ء میں ایم بی بی ایس مکمل کیا۔

میڈیکل کالج کے زمانہ کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہیں البتہ اتنا حضرت رحمہ اللہ نے بتایا تھا کہ میڈیکل کالج کے زمانہ میں ہی دینی تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

دینی تعلیم کی ابتداء

حضرت رحمہ اللہ نے جس اسکول (کیتھیڈرل اسکول سے) تعلیم حاصل کی وہ عیسائیوں کا مشنری اسکول ہے۔ اس اسکول میں ایک پیریڈ بائبل کا ہوتا ہے جس میں مسلمان بچوں کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی صرف عیسائی بچے بیٹھتے ہیں۔ عیسائی بچوں میں مذہبی تعلیم کا اہتمام دیکھ کر اسی وقت سے حضرت رحمہ اللہ کے دل میں اپنے مذہب کی تعلیم کی رغبت پیدا ہوگئی تھی لیکن دینی تعلیم کا کوئی ماحول میسر نہ آسکا۔ حتی کہ میڈیکل کالج کے زمانہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے تعلق پیدا ہوا، جو خود بھی ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے اور حضرت رحمہ اللہ کے محلّہ سمن آباد کی مسجد خضراء میں درس قرآن دیتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان کے ادارے کے ترتیب دیے ہوئے چند مختصر کورس پڑھے لیکن اس کے بعد مکمل دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ فزوں تر ہو گیا۔ حضرت رحمہ اللہ کے مکمل دینی تعلیم کے جذبے کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر اسرار صاحب نے انہیں حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ (فاضل دیوبند و خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ)

کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ ڈاکٹر اسرار صاحب کی دعوت پر سمن آباد کی مسجد خضراء میں چند مرتبہ بیانات کے لیے تشریف لا چکے تھے۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کی ذات حضرت رحمہ اللہ کے لیے اجنبی نہ تھی۔

میڈیکل کی تعلیم کے دوران ہی حفظ قرآن کا شوق بھی پیدا ہوا تو میڈیکل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حفظ کرنا بھی شروع کیا جس میں طویل عرصہ لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے حفظ مکمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائی اور بعد میں دو دفعہ مسجد میں اور متعدد مرتبہ گھر میں تراویح میں قرآن پاک سنانے کی توفیق بھی عطا فرمائی (لیکن بڑی عمر میں حفظ کرنے کی وجہ سے عمر بھر کوشش کے باوجود حفظ قرآن ویسا رواں نہ ہو سکا جیسا کہ بچپن میں حفظ کرنے والے کا ہوتا ہے)۔

میڈیکل کے زمانہ میں تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کیا جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھیں۔ لیکن میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہ سوال درپیش تھا کہ چار ماہ کے لیے تبلیغ میں نکلیں یا باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ جائیں؟ حضرت رحمہ اللہ نے ساتھیوں کے سامنے اپنی طبیعت کا تقاضا دینی تعلیم حاصل کرنے کا رکھا اور پھر باقاعدہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے پاس جامعہ مدنیہ جانا شروع کیا اور وہاں ابتداء سے داخلہ لے کر انتہا تک دینی تعلیم حاصل کی۔ بیچ میں دو سال کے لیے اس وقت فوج کی طرف سے نئے فارغ ہونے والے ڈاکٹروں کے لیے جبری بھرتی کے قانون کی وجہ سے فوج میں بطور کیپٹن جانا پڑا۔ اس عرصہ میں مختلف علاقوں میں پوسٹنگ کے دوران حضرت نے مولانا حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے مشورہ سے قریبی مدارس کے اساتذہ کرام سے شام کے اوقات میں مختلف کتابیں پڑھیں۔

مکمل دینی علوم کی تحصیل

حضرت رحمہ اللہ نے نہ صرف درس نظامی مکمل کیا بلکہ قراءات سبعہ وعشرہ کی تعلیم بھی حاصل کی اور درجۂ تکمیل وتخصص کی کتب بھی پڑھیں، اس زمانے میں درس نظامی کی رائج تقریباً ساری کتابیں ہی پڑھیں حتیٰ کہ طب یونانی کی تعلیم بھی حاصل کی، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ سے فن حدیث کی بھی تعلیم حاصل کی۔ حکومت مصر کی جانب سے ایک دور میں مصری اساتذہ کو مدارس میں مبعوث کیا گیا تھا تاکہ پاکستانی طلباء عربی تحریر وتکلم میں مہارت حاصل کریں۔ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ تدریس میں ایک سال باقاعدہ طور پر وقت نکال کر مصری شیخ ممدوح المصری جو جامعہ مدنیہ میں مبعوث تھے کے پاس روزانہ ایک گھنٹہ لگایا تاکہ عربی تکلم بہتر ہو جائے۔

حضرت رحمہ اللہ کی دینی تعلیم کا دورانیہ ۷۳ء سے لے کر تقریباً ۸۲ء ہے۔

غرضیکہ حضرت رحمہ اللہ نے دینی تعلیم میں کوئی مختصر کورس نہیں کیا، یا صرف عربی زبان حاصل کر کے خود سے قرآن و

حدیث کے سمجھنے کی مشق نہیں کی بلکہ علم وفن کی دنیا کی ترتیب کے مطابق مکمل اور مفصل دینی تعلیم حاصل کی۔

چند اساتذہ کرام

حضرت رحمہ اللہ نے جس دور میں دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اس دور میں تمام بڑے مدارس میں اکثر اساتذہ کرام دارالعلوم دیوبند کے فضلاء اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کے اکثر اساتذہ کرام بھی اسی چمن سے تعلق رکھتے تھے۔ چند مشہور اساتذہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ۔

فاضل دیوبند، خلف الرشید حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ، وخلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

۲۔ حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری رحمہ اللہ۔ فاضل دیوبند ومفتی جامعہ مدنیہ لاہور

۳۔ حضرت مولانا ظہور الحق صاحب مدظلہم العالی، فاضل دارالعلوم دیوبند۔

۴۔ حضرت مولانا سید مرزا گل صاحب رحمہ اللہ

۵۔ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ، فاضل ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

حضرت رحمہ اللہ نے درس نظامی کی تکمیل پر وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحان دیا۔ اس وقت وفاق کے تحت صرف دورہ حدیث کا امتحان لیا جاتا تھا۔ نصاب وفاق مہیا نہ کرتا تھا بلکہ مدارس میں ملا جلا اپنا نصاب ہوتا تھا۔

حضرت رحمہ اللہ کی دینی تعلیم کا دور، وہ دور تھا جس میں اساتذہ کرام طلباء کی خوب گوشمالی کیا کرتے تھے حضرت رحمہ اللہ کے بعض اساتذہ کرام خصوصاً قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ اور مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ دونوں اس حوالے سے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تمام اساتذہ کرام حضرت کے دنیاوی تعلیم یافتہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہونے کا لحاظ کرتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ بھی اس رعایت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاتے تھے بلکہ ہر طرح سے کوشش کرتے تھے کہ تنبیہ کا بھی موقع نہ آنے پائے۔

اساتذہ کا اعتماد

o حضرت رحمہ اللہ کی تعلیم کا زمانہ چونکہ ان کے اساتذہ کرام کے سامنے کھلی کتاب تھا اس لیے تعلیم مکمل ہوتے ہی اساتذہ کرام نے آپ رحمہ اللہ پر نہ صرف اعتماد کا اظہار کیا بلکہ آپ کے ذمے مختلف ذمہ داریاں بھی لگائیں۔

o تخصص کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے چند فتاویٰ کی تمرین دیکھنے کے بعد جامعہ مدنیہ میں بطور مفتی مقرر کیا۔

o ایک سال تک تمرین کے بعد حضرت مفتی عبدالحمید سیتاپوری صاحب رحمہ اللہ نے اپنی علالت کے پیش نظر دار

الافتاء کی مکمل ذمہ داری آپ پر ڈال دی۔

o حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ نے ڈاکٹر اسرار صاحب کی غلطیوں کے سامنے آنے پر حضرت رحمہ اللہ کو فرمایا کہ تم چونکہ ڈاکٹر اسرار صاحب کے ساتھ رہ چکے ہو اس لیے ان کے بارے میں کوئی مضمون لکھو۔ پھر حضرت رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ لے کر ڈاکٹر اسرار صاحب سے ملاقاتیں کیں لیکن ڈاکٹر اسرار صاحب اپنی غلطیوں سے رجوع پر تیار نہ ہوئے۔ بالآخر حضرت رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی کتاب ''ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کے میزان میں'' کے نام سے لکھی۔ جس میں ڈاکٹر اسرار صاحب کے دینی فلسفہ اور ان کی دیگر غلطیوں پر نقد کیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر اسرار صاحب (جو اپنا کام میڈیکل پریکٹس سے زیادہ درس قرآن سمجھتے تھے اس) کے بارے میں بتایا کہ ڈاکٹر صاحب جن لوگوں سے قرآن سمجھ کر آگے درس دیتے ہیں وہ لوگ قرآن سے کیا کیا مطلب نکالتے ہیں، اور ڈاکٹر صاحب نے ان کے پیچھے چل کر کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی تصنیفی دنیا میں یہ پہلی کاوش تھی مگر تحقیق اور نکتہ شناسی کی داد خوب خوب لی۔ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ کافی ہے کہ جب یہ کتاب حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں یوں لکھا:

> ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کی تالیف منیف ''ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات کا تنقیدی جائزہ'' کے دو نسخے وصول ہوا۔ کتاب وصول ہوتے ہی اول سے آخر تک پڑھ ڈالی تھی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس سے نفع عام ہو۔ آمین۔ کتاب علمی ہے اور وقیع، اس سے میں نے بھی نفع اٹھایا۔ ڈاکٹر رفیع کے نظریہ ارتقاء کی مجھے پہلے اطلاع نہ تھی، آپ کی کتاب پڑھ کر ان کے خیالات سے واقفیت ہوئی۔ بہرحال کامیاب اور مفید کوشش ہے۔ مجھے اسی وقت جواب لکھنا چاہیے تھا اور کتاب کی رسید بھیجنی چاہیے تھی مگر میں اب بھی لاہور کے قیام کی طرح یہاں مصروف ہوں ذرا فرصت نہیں ملتی ہے آج کل پر بات ٹلتی رہی اور مہینے گذر گئے۔''

یوں کہہ لیجیے کہ فتوے اور دین کے بارے میں غلط فہمیوں کے ازالہ کی صلاحیت کے بارے میں آپ رحمہ اللہ کے اساتذہ نے علمی اعتبار سے بالکل نوعمری میں آپ رحمہ اللہ پر اعتماد کا اظہار کیا۔ اپنے اساتذہ کے اسی اعتماد کو آپ رحمہ اللہ نے تادم واپسیں اپنا حرز جان بنایا اور اس نازک فقہی و تنقیدی ذمہ داری کو اس شان سے نبھایا کہ اپنے معاصر اہل علم کے لیے قابل رشک اور اخلاف و تلامذہ کے لیے قابل تقلید مثال بن گئے۔

بیعت و سلوک

علم برائے علمی دلچسپی یا علم برائے معلومات شریعت میں مطلوب نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس ظاہری طور پر شریعت کا بڑا علم ہو اور دل میں نہ عمل کا جذبہ ہو اور نہ صفات محمودہ ہوں تو ہمارے اکابر بقول حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ

اللہ ایسے شخص کو بادام کے خول کی طرح سمجھتے تھے کہ اسے بادام سمجھ کر جب کھولا جائے تو وہ اندر سے بالکل خالی نکلے۔اس لیے ہمارے اکابر کی میراث وہ علم ہے جس میں علمی پختگی کے ساتھ ساتھ عمل بھی مضبوط ہو کیونکہ رسوخ فی العلم بغیر عمل کے ہوتا نہیں۔سلف سے منقول ہے کہ ''من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم'' جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ اسے نامعلوم کا علم بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

اس لیے ہمارے جملہ اکابر علم کے ساتھ ساتھ عمل پیدا کرنے کے لیے صدیوں سے مجرب راستے یعنی راہ سلوک کو بھی اختیار کرتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ بھی مولانا حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر دینی تعلیم کے ابتدائی دور سے ہی بیعت کر کے عازم سفر ہوئے۔حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ) کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے راہِ سلوک میں اجتہادی شان سے نوازا تھا۔انہوں نے اپنے دور کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس راہ میں بہت سے انقلابی اقدامات کیے تھے۔ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو سالک اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنے آپ کو کھپاتے ہوئے کسی بھی دینی خدمت میں لگا ہوا ہے وہ اس خدمت کو اپنا وظیفہ سمجھے اور اس طرح سے خدمت انجام دے کہ دین کی یہی خدمت اس کے لیے منازل سلوک طے کر کے وصول الی اللہ کا باعث ہو اس لیے حضرت رائے پوری رحمہ اللہ ایسے لوگوں کو زیادہ ذکر واذکار میں نہیں لگاتے تھے کہ اس سے ان کی دینی خدمت میں حرج آتا ہے۔حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے اس اصول کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنایا تھا۔اور انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کی منازل سلوک اسی راہ سے طے کروائیں کہ فتویٰ اور اہل باطل کی غلط فہمیوں کے کام کو پورے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ کرنے کی تلقین کرتے رہے اور ایک زمانہ بعد تھوڑا عرصہ کچھ ذکر کروا کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت کو نہ صرف سلاسل اربعہ میں اجازت عطا فرمائی بلکہ سلسلۂ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ جس میں بیعت علی الجہاد لی جاتی ہے اور احیاء سنت پر بطور خاص توجہ دی جاتی ہے اس سلسلہ میں بھی اجازت سے نوازا۔

شادی

حضرت رحمہ اللہ کی نسبت برادری میں اپنی چھوٹی پھوپھی کے سسرال میں طے ہوئی۔آپ رحمہ اللہ کے خسر حاجی محمد رفیع صاحب تقسیم سے قبل ہندوستان کے شہر انبالہ سے تعلق رکھتے تھے۔اور تقسیم کے بعد راولپنڈی میں قیام پذیر تھے حاجی محمد رفیع راولپنڈی راجہ بازار میں کپڑے کے معروف تاجر تھے۔تجارت کے ساتھ تبلیغ میں بطور خاص آمد و رفت رکھتے تھے۔حضرت رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ کی کم سنی میں ہی حاجی محمد رفیع صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ان کے بڑے بھائی، بھائی امین صاحب رحمہ اللہ تبلیغی مرکز کراچی میں تبلیغی جماعت کے امیر تھے (کچھ عرصہ قبل فوت ہوئے ہیں۔)

حضرت رحمہ اللہ کی نسبت اگر چہ تبلیغی گھرانہ میں ہوئی تھی لیکن سسرال میں خسر صاحب کی وفات کے بعد کسی اور کی تبلیغ میں آمد ورفت اتنی نہ رہی تھی۔ اس لیے اس گھرانہ کا دینی ماحول حضرت رحمہ اللہ کے اپنے گھرانے سے مختلف نہ تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کی شادی دینی تعلیم کے ابتدائی حصے ۱۹۷۷ء میں ہوئی تھی۔ اس لیے حضرت رحمہ اللہ نے بتایا کہ اس وقت خود اپنے اندر بھی اتنا جذبہ نہیں تھا کہ خلاف شرع کسی کام پر لوگوں کو روک سکوں۔ تو اس وقت چھوٹے برادر نسبتی ایک کیمرا لائے اور مسلسل تصویر کشی میں لگ گئے، اس اثناء میں حضرت رحمہ اللہ کے بڑے ماموں ابراہیم عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ (جن کا کچھ تذکرہ شروع میں بھی گذر چکا ہے کہ تبلیغ میں خاصے متحرک تھے اور رائے ونڈ میں ہونے والی مشاورت میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے) نے انہیں ڈانٹ کر تصویر کشی بند کرنے کو کہا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ تصویر کشی میں لگے تو ابراہیم صاحب رحمہ اللہ نے ڈانٹ کر کہا کہ میں دولہا کا ماموں ہوں، ابھی بارات لے جاؤں گا؟ تو اس پر سب نے انہیں تصویر کشی سے روک دیا۔

بھائی بہنیں

حضرت رحمہ اللہ ۱۰ (دس) بہن بھائی ہیں، چھ بھائی ہیں اور چار بہنیں ہیں۔ جن میں حضرت رحمہ اللہ دوسرے نمبر پر ہیں۔ سب سے بڑے بھائی حضرت رحمہ اللہ کی وفات سے تقریباً ۴ برس قبل فوت ہو گئے تھے۔ ایک بھائی مولانا آفتاب صاحب رحمہ اللہ کو تبلیغ سے بہت لگاؤ تھا۔ انہوں نے رائے ونڈ میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کی اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے دورۂ حدیث کیا۔ تعلیم کے بعد انہوں نے اپنی زندگی تبلیغ کے لیے وقف کر دی اور توکلاً علی اللہ وہیں رہنے لگے۔ ان کے بیوی بچے لاہور میں رہتے تھے۔ وہ ہفتہ میں صرف دو راتوں کے لیے گھر آتے اور اس دوران بھی ان کا بہت سا وقت تبلیغی امور میں متحرک رہتے گذرتا تھا۔ بھائیوں میں سے سب سے پہلے (یعنی ۲۰۰۱ء میں) ان کی وفات ہوئی۔

اولاد واحفاد

اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کو دو بیٹے اور چار بیٹیاں عطا کیں۔ سوائے ایک بیٹے کے تمام اولاد حافظ قرآن ہے۔ وہ بیٹے بھی دوران حفظ مختلف عوارضات لاحق ہونے کی بناء پر باوجود خواہش وکوشش کے تکمیل نہ کر سکے۔

بحمد اللہ تمام اولاد شادی شدہ ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اولاد کی شادی میں دین کا لحاظ رکھا اگر ظاہری طور پر عمل میں کچھ کمی ہو بھی تو یہ ضرور دیکھا کہ دین سے محبت کا جذبہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ دل میں جب دین سے محبت کا جذبہ ہو تو ظاہری عمل میں کوتاہی ختم کرنے میں دقت نہیں آتی لیکن اگر دل میں دین سے محبت کا جذبہ نہ ہو تو ظاہری عمل کے باوجود زندگی میں دین سے مزید دوری آتی ہے۔ لہذا ایک مرتبہ ایک گھرانہ سے اپنی بیٹی کا رشتہ آنے پر حضرت رحمہ اللہ نے قبولیت کے لیے یہ شرط لگائی کہ پہلے لڑکا تبلیغ میں چار ماہ لگائے۔ چار ماہ سے کم پر اصرار کے باوجود آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ مزاج

تبدیل کرنے کے لیے چار ماہ سے کم وقت مفید نہیں ہوتا۔

کسب معاش

حضرت رحمہ اللہ کی میڈیکل کی تعلیم ۱۹۴۷ء میں مکمل ہوئی ۱۹۴۷ء کی انڈیا پاکستان کی جنگ کو گذرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اور افواج پاکستان کے پاس اس وقت اپنے میڈیکل کالج نہیں تھے جس کی بناء پر فوج کو میڈیکل کے شعبہ میں افرادی قوت کی کمی کا سامنا تھا۔ لہذا حکومت نے اس وقت ہر نئے فارغ ہونے والے ڈاکٹر کے لیے فوج کے میڈیکل کور میں دو سال کی ملازمت لازمی کر دی تھی، دو سال کے بعد اختیار تھا کہ فوج میں رہیں یا چھوڑ دیں۔ حضرت رحمہ اللہ کو بھی لازمی سروس کے اس قانون کی وجہ سے دو سال کے لیے فوج میں بطور کیپٹن جانا پڑا۔ لیکن دلی طور پر اس ملازمت سے خوش نہیں تھے۔ بے تکلفی میں فرماتے تھے: فوج میں تو یہ ہوتا ہے کہ بس اپنا دماغ استعمال ہی نہ کرو، اور ہمارا اپنا دماغ بھی چلتا تھا۔ لہذا دو سال مکمل ہوتے ہی اس ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔

خیر باد کہنے کے تقریباً بیس سال بعد ملاقات کے لیے آنے والے ایک بے تکلف نوجوان کو جب حضرت رحمہ اللہ کی زبانی فوج میں بطور کیپٹن ملازمت کی ابتداء کا علم ہوا تو بے اختیار اس نوجوان کے منہ سے نکلا اگر آپ آج بھی فوج میں ہوتے تو آپ کتنے اونچے عہدے پر ہوتے اور آپ کے آگے پیچھے پورا قافلہ چلتا۔ حضرت رحمہ اللہ نے چونکہ اس سب کو علی وجہ البصیرت خیر باد کہا تھا اور اپنے سامنے دینی تعلیم اور اس کی نشر و اشاعت کے اعلیٰ و ارفع مقصد کو رکھا تھا۔ جس میں اگرچہ مادی اعتبار سے کمی ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے کوئی چیز اس کے مقابلہ کی نہیں ہے۔ اس لیے حضرت نے اس نوجوان سے کمال بے نیازی اور کسی تصنع اور تکلف کے بغیر فرمایا: ''**اس [پروٹوکول اور مال و منال] میں کیا رکھا ہے۔!**''

یہاں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے ایک موقع پر استخارہ کی اہمیت و فائدہ بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ میں نے جب اپنی طبیعت کے تقاضے پر فوج کی نوکری چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تو میں نے حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کو خط لکھ کر نوکری چھوڑنے کا ارادہ بتایا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ استخارہ کرو۔ میں نے حضرت میاں صاحب کو لکھا کہ جب میں چھوڑنے کا عزم ہی کر چکا ہوں تو استخارہ کا کیا فائدہ؟ لیکن حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے پھر تحریر فرمایا کہ استخارہ کرو۔ میں نے تعمیل ارشاد میں استخارہ کیا اور استخارہ میری منشا کے مطابق نکلا لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ زندگی میں حالات کیسے ہی آئے لیکن کبھی اپنے فیصلہ پر پشیمانی نہیں ہوئی اور نہ افسوس ہوا۔ میں نے استخارہ کا یہ بڑا فائدہ دیکھا۔ (کہ چاہے فیصلہ ہو بھی جائے پھر بھی استخارہ کرنے سے رحمت اور خیر شامل حال ہو جاتی ہے اور اپنے فیصلے پر افسوس نہیں ہوتا۔)

فوج کی ملازمت ختم ہونے کے بعد حضرت رحمہ اللہ صبح کے اوقات میں مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لہذا

کسب معاش کے لیے شام کے اوقات میں گھر کے قریب ایک کلینک شروع کیا۔ حضرت رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی نے بتایا کہ حضرت رحمہ اللہ لوگوں کی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے تھے۔ اس لیے بخار کے مریض کو ابتداءً صرف پینا ڈول دینے پر اکتفا کرتے تھے۔ جس سے مریض کی تسلی نہ ہوتی تھی کیونکہ دوسری جگہوں پر عام امراض میں مبتلا مریضوں کو وضع وضع کی دوائیاں تجویز کی جاتی تھیں۔ پھر کسی نے دوائی لے جانے کے بعد پیسے دیے نہ دیے حضرت رحمہ اللہ حیاء ومروت کی وجہ سے لوگوں سے پیسوں کا تقاضا نہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کلینک کا سلسلہ حضرت رحمہ اللہ کے لیے معاشی اعتبار سے مفید ثابت نہ ہوا۔

اسی اثناء میں حضرت اپنی نانی سے ملنے کراچی گئے۔ پیچھے اس زور کی بارش آئی کہ پانی کلینک میں داخل ہو گیا اور وہاں موجود دوائیوں اور آلات کو نقصان پہنچا بالآخر کراچی سے واپسی پر حضرت رحمہ اللہ نے کلینک کا سلسلہ بند کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے محکمہ اوقاف پنجاب کے تحت حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے مزار کے قریب قائم سرکاری ہسپتال میں ملازمت کا سلسلہ شروع کروا دیا۔ یہ ملازمت آئندہ کے دینی مقاصد کے لیے چند وجوہ سے بہت مفید ثابت ہوئی:

۱۔ محکمہ کا ایک ہی ہسپتال تھا جس کی وجہ سے تبادلوں کا مسئلہ نہ تھا۔

۲۔ عام طور سے دیگر ڈاکٹرز شام کے اوقات میں کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے جبکہ صبح کے وقت مدرسہ کی وجہ سے حضرت رحمہ اللہ کو شام کے اوقات میں ملازمت میں سہولت بلکہ ترجیح تھی۔

۳۔ شام کے اوقات میں صبح کے وقت جتنا اژدحام نہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے دینی تعلیم وتعلم کا سلسلہ ساتھ ساتھ بآسانی چلتا تھا۔ چنانچہ حضرت خود بھی اپنا کام کرتے رہتے اور طلبہ کو بھی وہاں طلب فرما لیتے۔

۴۔ ہسپتال مدرسہ سے دس منٹ کی پیدل مسافت پر تھا جس سے نہ صرف حضرت رحمہ اللہ کو سہولت رہی بلکہ ان طلباء کو بھی سہولت رہی جو مدرسہ کے اوقات کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ سے کچھ مزید پڑھنا چاہتے۔ چنانچہ ہسپتال میں بھی دینی تعلیم وتعلم کا ایسا سلسلہ رہا کہ تقریباً ہمیشہ کوئی نہ کوئی طالب علم حضرت سے تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اگر طالب علم نہ ہوتا تو بازار قریب ہونے کی وجہ سے کوئی نہ کوئی شخص حضرت رحمہ اللہ کے پاس مسائل پوچھنے کے لیے بیٹھا رہتا تھا۔ اس لیے مریض کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب نے ادھر مدرسہ بھی کھولا ہوا ہے۔

۶۰ سال کی عمر تک حضرت رحمہ اللہ کا ذریعۂ معاش فقط یہی ملازمت تھی۔ اس کے علاوہ نہ کبھی کوئی کلینک کیا نہ ہی مدرسہ میں پڑھانے اور دارالافتاء میں کام کرنے پر اجرت لی اور نہ ہی تصنیفی وتالیفی کام کا معاوضہ لیا اور نہ ہی اپنی کتابوں کی طباعت کر کے پیسے کمانے کا سوچا۔

حضرت رحمہ اللہ کی دین اور دینی تعلیم کی خاطر اسی قربانی کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے (۱) ایسی مہربانی فرمائی کہ حضرت

رحمہ اللہ کو قناعت کی دولت سے نوازا۔ حضرت رحمہ اللہ کے اپنے اور اپنے گھرانے کے تقاضے دیگر افراد کی بنسبت بہت محدود تھے جس کی وجہ سے آمدنی کا ایک حصہ بچا لیتے تھے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ یہ معاملہ بھی رکھا کہ جب جس ضرورت کا وقت آیا تو کوئی ضرورت بطور امتحان کے تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ روکی بلکہ ہر ضرورت کو فوراً پورا فرمایا۔ خواہ وہ ضرورت بچوں کی شادیوں کی ہو یا حج وعمرہ کے سفر کی ہو۔

آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہونے کے باوجود بھی حضرت رحمہ اللہ ہسپتال میں سرکاری ملازمت کو اپنے علمی و دینی کام کے لیے معاون سمجھتے تھے اور اپنا اصل کام دینی تعلیم وتعلم سمجھتے تھے۔ اس لیے جب ایک موقع پر ملازمت اصل کام یعنی دینی تعلیم میں ایک گونہ رکاوٹ بننے لگی تو حضرت رحمہ اللہ نے ملازمت سے اپنا استعفیٰ لکھ کر بیگ میں رکھ لیا تھا، اللہ کے فضل سے دینے کی نوبت نہ آئی۔ ہوا یوں کہ ان دنوں صبح کے اوقات میں حضرت رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ میں اسباق پڑھاتے تھے وہ اسباق تخصص کے علاوہ دورۂ حدیث شریف اور دیگر درجات کے بھی ہوتے تھے۔ جنہیں مدرسہ میں شام کے اوقات میں منتقل کرنا مدرسہ کے نظم کے باعث ممکن نہ تھا۔ ریٹائرمنٹ سے تقریباً آٹھ سال پہلے جبکہ حضرت رحمہ اللہ کی صحت بھی ٹھیک تھی محکمہ نے شام کے اوقات میں ہسپتال بند کر دیا اور حضرت رحمہ اللہ کو ڈیوٹی کے لیے صبح کے اوقات میں آنے کو کہا۔ ہسپتال میں بھی صبح کے اوقات بعینہ مدرسہ والے (صبح ۸ تا ڈیڑھ) تھے۔ اس وقت حضرت رحمہ اللہ کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو مدرسہ میں دیگر اسباق پڑھانا ترک کر دیں اور شام کے اوقات میں مدرسہ جا کر صرف دارالافتاء کا کام کرتے رہیں یا ملازمت ترک کر دیں اور اسباق کا معمول جاری رکھیں۔ (جبکہ پرائیویٹ کلینک چلانے کے حوالے سے حضرت رحمہ اللہ کا مزاج گذشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے)۔ محکمہ کی طرف سے یہ حکم رجب کا مہینہ شروع ہونے پر ملا تھا۔ اس لیے حضرت نے ہسپتال سے چند روز کی رخصت لے کر اسباق مکمل کروائے اور اسباق ختم ہونے کے بعد صبح کے اوقات میں ہسپتال جانا شروع کر دیا۔ جب حضرت رحمہ اللہ کو اندازہ ہوا کہ محکمہ شام کے اوقات میں ہسپتال دوبارہ شروع کرنے پر آمادہ نہیں ہے تو حضرت رحمہ اللہ نے استعفیٰ لکھا اور اپنے بیگ میں رکھ لیا اور یہ عزم کیا کہ اگر رمضان کے بعد دوبارہ مدرسہ میں اسباق شروع ہونے پر بھی محکمہ نے شام کے اوقات میں ہسپتال نہ کھولا تو اس وقت استعفیٰ دے دوں گا۔ (جامعہ مدنیہ کا راستہ نو وارد کے لیے چونکہ آسان نہیں ہے اس لیے عام لوگ یا تو دوسرے دارالافتاؤں میں چلے جاتے تھے یا پھر حضرت رحمہ اللہ کے پاس ہسپتال میں آتے تھے، مسائل پوچھنے کے لیے مدرسہ میں آنے والے لوگوں کی تعداد خاصی کم تھی اس لیے تین ماہ تک دارالافتاء میں صبح کے اوقات میں نہ بیٹھنے سے حرج نہ آتا تھا)۔ ہسپتال کے دیگر عملہ کو حضرت رحمہ اللہ کا دینی تعلیم سے شغف معلوم تھا اور اسے پتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کے لیے معاشی طور پر شام کی شفٹ کیا حیثیت رکھتی ہے اس لیے عملہ بطور خاص حضرت رحمہ اللہ سے آ کر پوچھتا تھا کہ آپ آئندہ کیا کریں گے؟ اور مدرسہ کا نظم کیسے چلائیں گے؟ جب حضرت دوٹوک الفاظ میں انہیں اپنا مؤقف سناتے اور استعفیٰ دکھاتے تو وہ لوگ حضرت رحمہ اللہ کو بہت لجاحت سے سمجھاتے اور

بچوں کے مستقبل کے حوالہ سے فکر مند کرتے اور انہیں باور کرواتے کہ آپ نے ملازمت کا طویل حصہ گذار لیا ہے کچھ عرصہ رہ گیا ہے اگر آپ نے اس وقت استعفیٰ دیا تو آپ ریٹائرمنٹ پر ملنے والی تمام سرکاری مراعات سے محروم ہو جائیں گے۔

مجھے یاد ہے کہ درمیان رجب سے لے کر شوال تک ہر روز حضرت رحمہ اللہ کے پاس محکمہ کے افسروں سے لے کر چوکیدار تک اس موضوع پر گفتگو کرتے۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ کے پائے استقلال میں سر مو بھی لغزش نہ آتی اور حضرت رحمہ اللہ اپنے مؤقف پہ ڈٹے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں مہربانی فرمائی کہ علاقہ کے وہ لوگ جو دیگر جگہوں پر ملازمت کی وجہ سے صبح کے اوقات میں علاج معالجہ کے لیے ہسپتال نہ آسکتے تھے شام کے اوقات میں سرکاری ہسپتال کی بندش نے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا۔ ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کا وکیلوں کے پاس روزانہ کا آنا جانا تھا۔ انہوں نے وکیلوں کے مشورہ سے محکمہ کے خلاف عدالت میں کیس کر دیا تو ۱۵ شوال کے بعد جب مدرسہ کھلا اور مدرسہ میں اسباق کی ابتداء کا مرحلہ آیا تو عدالت نے محکمہ کے خلاف فیصلہ سنا کر شام کے اوقات میں ہسپتال کھولنے کا حکم دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کے عزم پر کسی اور آزمائش کے بغیر ہی معاملہ حل فرما دیا۔

صبح کے اوقات میں ملازمت کے حوالہ سے ایک اور واقعہ ایسا ہے کہ جو حضرت رحمہ اللہ کے اپنے اوپر مشقت جھیل کر دوسروں کی راحت رسانی سے متعلق ہے۔

ہوا یوں کہ ریٹائرمنٹ سے قبل حضرت رحمہ اللہ کا ملازمت کا ایک سال رہ گیا تھا۔ رعشہ کی تکلیف میں اتنی شدت آچکی تھی کہ خود آنا جانا دشوار ہو چکا تھا اور رعشہ کی تکلیف کی وجہ سے نیند کا نظام درہم برہم تھا جس کی بناء پر ساری رات جاگ کر صبح کی نماز کے بعد سونا کوئی اچنبھے کی بات نہ رہی تھی۔ دوسری طرف جامعہ مدنیہ سے تعلق ختم ہو کر جامعہ دارالتقویٰ سے جڑ گیا تھا۔ وہاں پر اپنی علالت کے پیش نظر دیگر اسباق کی زیادہ ذمہ داری نہیں لی تھی، جبکہ تخصص کے طلباء سے سابقہ تجربات کی بنیاد پر حضرت رحمہ اللہ شروع سال میں طے کرتے تھے کہ وہ صبح آٹھ بجے سے عصر تک دارالافتاء کے پابند ہوں گے، انہیں ظہر کے بعد رخصت نہ ہوگی۔ (اس دوران سبق کسی بھی وقت بآسانی ہوسکتا تھا۔)

اس صورت حال میں صبح کے وقت ہسپتال میں کام کرنے والے ایک ڈاکٹر صاحب حضرت رحمہ اللہ کے پاس آئے اور اپنی خواہش ظاہر کی کہ وہ صبح کے اوقات میں شروع ہونے والے کسی ایک سالہ کورس میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ شام کے اوقات میں ڈیوٹی دینا چاہتے ہیں۔ ہسپتال انتظامیہ نے ان سے کہا ہے کہ اگر حضرت رحمہ اللہ صبح کے وقت آنے پر آمادہ ہوں تو انتظامیہ ڈیوٹی تبدیل کر دے گی ورنہ انتظامیہ از خود حضرت کو مجبور نہیں کرے گی۔ اس وقت چونکہ مدرسہ کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لیے ان ڈاکٹر صاحب کی خواہش کو مدنظر رکھ کر حضرت رحمہ اللہ نے صبح کے وقت ڈیوٹی دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ جب حضرت رحمہ اللہ نے مجھے یہ بات بتائی تو میں نے حضرت رحمہ اللہ پر ان کی صحت اور طبیعت کے پیش نظر بہت اصرار کیا کہ آپ پر یہ بہت دشوار ہوگا آپ ان سے ڈیوٹی کا وقت تبدیل کرنے سے معذرت کر

لیں لیکن حضرت رحمہ اللہ یہی کہتے رہے ''کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔'' سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی عام سے آدمی کی کوئی بھی ضرورت (جبکہ وہ واقعی ضرورت مند ہو) حضرت رحمہ اللہ کے لیے ٹالنا آسان نہ تھا۔ (اس لیے بندہ نے حضرت رحمہ اللہ کو کبھی بھی کسی کو ٹالتے نہیں دیکھا۔)

لیکن خدا کا کرنا یہ ہوا کہ اس سال کورس کے شرکاء کی لسٹ میں ان ڈاکٹر صاحب کا نام خواہش کے باوجود نہ آیا لہذا شفٹ تبدیل کرنے کی نوبت اس دفعہ بھی نہ آسکی۔

جامعہ مدنیہ سے جامعہ دارالتقویٰ تک

حضرت رحمہ اللہ کی دینی تعلیم کی ابتداء حضرت مولانا حامد میاں صاحب رحمہ اللہ سے تعلق کے بعد جامعہ مدنیہ میں ہوئی تھی۔ یہیں پڑھا، پھر تخصص کرنے کے بعد یہیں دارالافتاء میں کام شروع کیا۔ اپنے اساتذہ اور مادر علمی سے تعلق ولگاؤ فطری ہوتا ہے۔ لہذا حضرت رحمہ اللہ نے کبھی اس سے جدائی کا سوچا بھی نہ تھا خصوصاً جبکہ حضرت رحمہ اللہ کے مدرسہ میں اسباق پڑھانے سے لے کر دارالافتاء وتخصص تک کے تمام کام بغیر کسی مشاہرہ کے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ نے بارہا کوشش کی اور چاہا کہ یہاں تخصص اور دارالافتاء کا وسیع اور مضبوط نظم قائم ہو لیکن ایک طویل عرصہ تک کوئی ترتیب نہ بن سکی۔ حتیٰ کہ انفرادی طور پر بہت سے فارغ ہونے والے باہمت طلباء کو تیار بھی کیا لیکن تخصص شروع کرنے کے بعد وہ طلباء مختلف عوارضات کی وجہ سے درمیان میں رہ جاتے۔ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا یہاں تک کہ ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ جس کے بعد جامعہ مدنیہ میں تخصص کے اسباق مزید پڑھانا ممکن نہ رہا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر سال کی طرح حضرت رحمہ اللہ نے باصلاحیت طلباء کو تخصص پر آمادہ کیا جب داخلہ شروع ہوا تو باصلاحیت طلباء میں سے صرف ایک طالب علم آئے باقی آنے والے کمزور تھے۔ کمزور طلباء کے اصرار پر حضرت رحمہ اللہ نے دیگر درجات میں مدرسہ کی ترتیب کو دیکھتے ہوئے کہ کمزور طلباء کو بھی داخلہ دیا جاتا ہے تخصص میں بھی کمزور طلباء کو داخلہ دے دیا۔ البتہ یہ شرط ٹھہرائی کہ جب تک انہیں ان کی قابلیت کو دیکھ کر سند نہیں دی جائے گی وہ نہ تو اپنے کو مفتی کہلوائیں گے اور نہ اپنے نام کے ساتھ ''مفتی'' لکھیں گے بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ انہیں ''فقہیات'' کے عنوان سے کورس میں داخلہ دیا جارہا ہے، ''تخصص فی الفقہ'' میں داخلہ نہیں دیا جارہا۔

خدا کا کرنا کہ وہ باصلاحیت طالب علم عیدالاضحیٰ کی تعطیلات پر گئے تو انہوں نے واپس آنے کا نام ہی نہیں لیا، حضرت رحمہ اللہ نے ان کی طرف پیغامات بھی بھجوائے لیکن وہ دوبارہ سبق میں آنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب یہ مشکل آن پڑی کہ ان کمزور طلباء کو ''حجۃ اللہ البالغہ''، ''اصول بزدوی''، ''مسلم الثبوت'' اور ''موافقات'' جیسی کتابیں کیسے پڑھائیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان طلباء سے کہا کہ یہ اسباق تو آپ کے بس کے نہیں ہیں لہذا یہ اسباق تو اب نہیں ہوں گے، آپ کچھ اور سوچ لیں۔ ان طلباء نے اصرار کیا کہ ہم آپ کے پاس مفتی بننے نہیں آئے بلکہ ہم وقت نکال کر

استفادہ کرنے آئے ہیں لہذا آپ ہمیں جو بھی پڑھائیں گے ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔ حضرت رحمہ اللہ کو انہیں داخلہ دے دینے کے بعد خارج کرنے سے حیاء آئی لہذا حضرت رحمہ اللہ نے ان کی استعداد کے پیشِ نظر اردو میں ''مسائل بہشتی زیور'' اور اردو میں کچھ عقائد و اصول پڑھانے شروع کر دیے۔ غرض یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے علاقے میں عوام کی روزمرہ کی دینی ضروریات میں رہنمائی کر سکیں۔ اور یہ مواد عوامی ضروریات کے لیے کافی ووافی ہے۔

جس شخص کے سامنے یہ سارا پس منظر نہ تھا اس کے لیے یہ حیران کن بات تھی کہ تخصص میں ''مسائل بہشتی زیور'' پڑھائی جارہی ہے۔ خدا جانے حضرت مہتمم صاحب مولانا رشید میاں صاحب تک یہ بات کس نے اور کس انداز میں پہنچائی کہ یہاں ''مسائل بہشتی زیور'' پڑھا کر تخصص کروایا جارہا ہے۔ پھر حضرت مہتمم صاحب باوجود وضاحتوں کے کچھ بھی ماننے پر آمادہ نہ ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ سارا قصور حضرت رحمہ اللہ کے سر آیا اور آئندہ کے لیے حضرت مہتمم صاحب نے جامعہ مدنیہ میں تخصص کے اسباق پر پابندی لگا دی۔

یہ وقت تھا کہ جس میں حضرت رحمہ اللہ کو مجبور ہو کر تخصص کے اسباق کہیں اور شروع کرنا تھے لیکن طلباء کی رہائش و انتظامات کے مراحل کوئی آسان نہ تھے۔ لاہور کے تبلیغی جماعت سے منسلک علماء کی ایک جماعت نے (جو کہ ایک عرصہ سے جامعہ دارالتقویٰ کے نام سے مدرسہ چلا رہے تھے) اپنے مدرسہ میں اس واقعہ سے ایک سال قبل دارالافتاء کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس دارالافتاء کا رئیس روز اول سے حضرت رحمہ اللہ کو بنایا تھا۔ اس موقع کو ان حضرات نے غنیمت سمجھا اور حضرت رحمہ اللہ نے بھی ان کی معاونت کو نعمت غیر مترقبہ جانا۔ لہذا جامعہ دارالتقویٰ میں جبکہ وہ ابھی درجہ سادسہ سے اوپر نہ تھا تخصص کے اسباق شروع ہو گئے۔ اس جماعت کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدظلہم العالی امام تبلیغی مرکز لاہور، جو کہ حضرت رحمہ اللہ کے طالب علمی سے ساتھی ہیں اور زمانۂ طالب علمی سے حضرت رحمہ اللہ کی صلاحیتوں کے قدردان ہیں حضرت رحمہ اللہ کو یہاں لانے اور رئیس دارالافتاء بنانے میں ان کی خصوصی کاوِشیں شامل تھیں۔

جامعہ دارالتقویٰ کے حضرات نے دارالافتاء اور تخصص کے نظام کو چلانے اور بڑھانے کے لیے جس طرح وسائل جھونکے، مکمل اعتماد کیا اور حضرت رحمہ اللہ نے بھی جس دلجمعی اور ذمہ داری کے ساتھ کام چلایا وہ قابل تقلید و تحسین ہے اگر حضرت رحمہ اللہ کچھ عرصہ اور پہلے یہاں تشریف لے آتے تو شاید جامعہ دارالتقویٰ کے دارالافتاء اور نظام تخصص کا دیگر دار الافتاؤں میں جو رتبہ آج ہے اس سے دوچند ہوتا۔

اگر جامعہ مدنیہ میں محنت و کام اور جامعہ دارالتقویٰ میں محنت و کام کا موازنہ کیا جائے تو جامعہ مدنیہ میں حضرت رحمہ اللہ تن تنہا ایک کمرے میں کام کرتے رہتے تھے جبکہ جامعہ دارالتقویٰ میں حضرت رحمہ اللہ اپنی دیرینہ خواہش (کہ کام والی ایک جماعت تیار ہو) کی تکمیل میں کامیاب ہوئے۔

جامعہ مدنیہ میں حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے حضرت مولانا سعید جلالپوری شہید رحمہ اللہ تشریف لائے اور

وہاں حضرت رحمہ اللہ کی نشست، کمرہ اور دیگر چیزوں کو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ آپ یہاں بیٹھ کر اتنا کام کرتے ہیں۔ (حضرت جلالپوری رحمہ اللہ کی یہ پہلی ملاقات تھی)۔

دارالتقویٰ سے دارالسلام (سفر آخرت) تک

جامعہ دارالتقویٰ میں آنے کے بعد تخصص کی باضابطہ جماعت منظّم ہوگئی۔ دارالافتاء میں کل وقتی ساتھی حضرت مفتی رفیق صاحب مل گئے۔ جنہوں نے حضرت کا باضابطہ شاگرد نہ ہوتے ہوئے بھی شاگردوں سے بڑھ کر تعلق رکھا اور نبھایا۔

o یہاں آنے کے بعد حضرت کا پتے کا آپریشن ہوا جس کے بعد رعشہ کے مرض نے ظہور کیا۔

o ۲۰۱۰ء میں دربار ہسپتال سے ریٹائرمنٹ ہوگئی تو حضرت نے باقی ماندہ اوقات بھی اپنی علمی مصروفیات میں لگانا شروع کردے۔

o ۲۰۱۳ء میں حضرت نے فتویٰ نویسی کی ذمہ داری حضرت مفتی رفیق صاحب کی نگرانی میں اپنے مخصوص تلامذہ کو سونپ دی۔

o ۲۰۱۶ء میں تخصص کے اسباق بھی حوالے فرمادیے۔ اور خود کو اپنی تالیفی مصروفیات میں یکسو ہوکر لگادیا۔

o ۲۰۱۷ء میں اختصاص فی ابواب الفقہ کا شعبہ شروع فرمایا۔ اور اپنی نگرانی میں فقہ الحلال والطب المعاصر اور فقہ المعاملات اور فقہ المناکحات کو فعال فرمایا۔

o اس کے بعد بتدریج حضرت کا ضعف بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ وقت موعود آپہنچا جس کی تفصیل پیش آمدہ سطور میں ہے۔

.....☆.....

مرض وفات

وفات سے تقریباً تیرہ سال پیشتر پتّے میں تکلیف کے باعث ڈاکٹروں نے پتے کا آپریشن کیا۔ آپریشن کے بعد صحت یابی ہوتے ہی ہاتھ میں لرزہ شروع ہو گیا۔ شروع میں خیال تھا کہ یہ لرزہ کمزوری کی وجہ سے ہے جو چند دنوں میں توانائی بحال ہونے پر ختم ہو جائے گا۔ لیکن لرزہ میں فرق نہ پڑا اور وہ بڑھتا گیا۔ ڈاکٹروں سے رابطہ ہوا تو علم ہوا کہ لرزہ کی وجہ آپریشن کے باعث ہونے والی کمزوری نہیں ہے بلکہ گردن کی رگوں میں قدرتی پروٹین بننا بند ہو گئی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ذیابیطیس کے مریضوں کا لبلبہ قدرتی طور پر کام کرنا بند کر دیتا ہے یا گردے کام چھوڑ دیں۔ ڈاکٹروں کی رائے میں اس کے علاج کے دو طریقے تھے:

۱۔ آپریشن: اس کے لیے دماغ سے آنے والی رگوں کو چھیڑا جاتا ہے۔ لیکن یہ مرحلہ نسبتاً خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس میں مریض کے ساتھ کوئی بھی حادثہ پیش آجانے کا امکان چالیس فیصد تک ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت رحمہ اللہ سے محبت رکھنے والے اعصاب کے تمام ماہرین متفق تھے کہ آپریشن نہ کروایا جائے۔

۲۔ دوسری صورت دوائیوں کے ذریعہ کنٹرول کی تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ یہ صورت باقاعدہ کوئی علاج نہیں ہے البتہ اس سے بیماری کے باعث جسم کے اندر ہونے والے رعشہ اور اکڑاؤ میں صرف تخفیف ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی دوائیوں کے اپنے نقصان دہ اثرات بھی اچھے خاصے ہیں۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ جن مریضوں کو یہ تکلیف ساٹھ سال کی عمر سے قبل لاحق ہو جائے ان کی تکلیف میں شدت بھی زیادہ ہوتی ہے اور انہیں دوائی بھی زیادہ مقدار میں لینی پڑتی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کو یہ تکلیف 60 سال سے قبل شروع ہو گئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے اوقات کو قیمتی بنانے اور ان کی حفاظت کے عادی تھے لیکن اس تکلیف کے بعد تو گویا انہیں ایک دھن لگ گئی تھی اور ان پر ایک حال طاری ہو گیا تھا۔ عوارض جوں جوں بڑھتے جاتے تھے حضرت رحمہ اللہ کا حوصلہ اور عزم ویسے ویسے بلند ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صاف نظر آتا تھا کہ یہ چراغ سحری اب بجھا کہ جب بجھا۔

وفات سے ایک برس قبل عمرہ کے سفر پر تھے جہاں پر نقاہت زیادہ ہونے کی وجہ سے دو دفعہ خاصا وقت ہسپتال میں گذارنا پڑا۔ اس سفر میں چھوٹے بیٹے ہمراہ تھے۔ جن سے معلوم ہونے والی تفصیلات سے اندازہ ہوتا تھا کہ معاملہ کچھ معمول سے ہٹ کر ہے۔ عمرہ سے واپسی کے فوراً بعد کراچی جانا پڑا، جہاں میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں مجھے اندازہ ہوا کہ صحت

کا معاملہ زیادہ خراب ہے۔

واپسی پر جلد ہی حضرت رحمہ اللہ کو بھی اپنی تکلیف کی شدت کا اندازہ ہونے لگا۔ اس میں سرفہرست یکدم نظر کا بہت زیادہ کمزور ہو جانا تھا جو کہ تشویش کا باعث تھا۔ تکالیف کا ہجوم اس طرح تھا کہ ایک طرف توجہ کی جاتی تو دوسری طرف معاملہ قابو سے باہر ہو جاتا۔ جلد ہی حضرت رحمہ اللہ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ وقت موعود آ پہنچا ہے۔ اس لیے زیادہ تر وقت نصائح، دعاؤں اور نمازوں کی فکر اور آخرت کی یاد میں گذرنے لگا۔

حضرت رحمہ اللہ دوران تعلیم طلباء کو مارتے نہ تھے اپنے بچوں کے علاوہ شاید ہی کوئی ہو کہ جس نے حضرت رحمہ اللہ سے مار کھائی ہو۔ لیکن اس کے باوجود جن کے بارے میں کوئی بھی بات یاد تھی اس عرصہ میں ان سے بھی صراحتاً معافی مانگی۔ مولانا احمد بٹلہ صاحب مدظلہم تبلیغی مرکز رائے ونڈ والے حضرت رحمہ اللہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں۔ ان کی والدہ ایک روز اپنے پوتے مولوی عمار احمد کو لے کر آئیں کہ یہ میری بات بالکل نہیں مان رہا اور مجھے بہت تنگ کر رہا ہے (ان کے والدین دونوں اس وقت جماعت میں گئے ہوئے تھے) مولوی عمار احمد اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان کو اس وقت ڈانٹا۔ شاید ایک آدھ تھپڑ بھی لگایا ہو۔ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے مرض وفات میں ایک دفعہ جمعہ کی نماز کے بعد انہیں دیکھ کر بلایا اور انہیں وہ واقعہ یاد کرا کر معافی مانگی (حالانکہ وہ واقعہ انہیں یاد بھی نہ تھا)۔

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

اس عرصہ میں حضرت رحمہ اللہ پر جہاں دیگر لوگوں سے معافی مانگنے کا غلبہ تھا وہیں اپنے دل میں کسی کے بارے میں کوئی کدورت رکھنا بھی پسند نہ تھا۔ لہذا انہی دنوں میں حضرت رحمہ اللہ نے اہل خانہ کے آپس کے مشورے میں ایک گھریلو معاملے میں خاص ترتیب سے معاملہ سرانجام دینے کا حکم فرمایا۔ چند روز کے بعد اس معاملے میں نتیجہ الٹ نکلا جس سے سب گھر والوں کو دقت اٹھانی پڑی۔ حضرت رحمہ اللہ نے میرے سے پریشانی کا اظہار کیا کہ اللہ کا حکم کہ نتیجہ الٹ نکل آیا ہے مجھے معلوم تھا کہ اس معاملہ میں والدہ محترمہ کی جانب سے حضرت رحمہ اللہ کی بتائی ترتیب مکمل طور پر ملحوظ نہ رکھی جا سکی تھی۔ تو موقع کی مناسبت سے میں نے دبے لفظوں میں کچھ وجہ ذکر کر دی۔ حضرت رحمہ اللہ سن کر خاموش رہے، اگلے روز مجھ سے فرمایا کہ تمہاری ماں نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔ اس لیے میں پسند نہیں کرتا کہ میں آخر میں ان کے بارے میں اپنے دل میں کوئی کدورت لے کر جاؤں اس لیے آئندہ تم مجھے ان کی کوئی غلطی نہ بتانا۔ [انی ارید ان اخرج سلیم الصدر]

وقت موعود آنے لگا

اعصاب پر پڑنے والا برا اثر تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں حضرت رحمہ اللہ کے

پھیپھڑوں پر انفیکشن ہوا جس کی شدت اتنی تھی کہ اس نے پھیل کر سارے جسم پر غلبہ پالیا اور حضرت رحمہ اللہ غنودگی میں چلے گئے۔ اس صورت حال میں ڈاکٹرز دیگر بیماریاں چھوڑ کر صرف انفیکشن کی فکر میں لگے۔ انفیکشن دوائی کے ایک کورس سے کم ہوتا تھا کہ دو روز کے بعد پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر جاتا تھا۔ یہ ادھیڑ بن تقریباً چھ ماہ چلی، چھ ماہ کے بعد یکدم انفیکشن بالکل ختم ہو گیا اور تمام رپورٹس بالکل ٹھیک تھیں۔ حضرت رحمہ اللہ کی غنودگی پر صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ کسی وقت ہاتھ کو صرف ذرا سی حرکت دے پاتے تھے۔

ڈاکٹر پرامید تھے کہ عمر زیادہ نہیں ہے اس لیے توانائی بحال ہو سکتی ہے۔ وفات سے سات روز قبل حضرت رحمہ اللہ کے چہرے کے آثار بتاتے تھے کہ سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے، پھر جلد ہی بخار شروع ہو گیا۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ بخار کا اثر ہے۔ ڈاکٹروں نے تجویز دی کہ اگر دو روز تک فرق نہ پڑے تو ہسپتال منتقل کر دیا جائے۔ دو روز پورے ہونے سے پہلے ہی سانس کی تکلیف نمایاں ہونے لگی۔ تو ڈاکٹرز ہسپتال منتقل کر دیا گیا (ڈاکٹرز ہسپتال کے معروف ڈاکٹر ہارون رسول صاحب چھ ماہ قبل حضرت رحمہ اللہ کی تکلیف کا سن کر خود گھر آئے تھے اور انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کو علاج کے لیے چند روز ڈاکٹرز ہسپتال میں رکھا تھا)۔

چوبیس گھنٹے میں حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت اتنی سنبھل گئی تھی کہ ہمارا اندازہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب جلد ہی گھر بھیج دیں گے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے احتیاطاً ایک روز مزید ہسپتال میں رکھا اگلے روز صبح کے وقت اچانک سانس پہلے سے بھی زیادہ دشواری سے آنے لگا۔ اور چند گھنٹوں بعد ڈاکٹروں نے مجھے بلا کر مختلف کاغذات پر دستخط کرنے کو کہا، جو کہ غیر معمولی صورت حال کی جانب پہلا قدم تھا۔ یہ جمعرات کا روز تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کا سانس اس زور سے چلنا شروع ہوا کہ جلد ہی سارے خاندان میں اور دوستوں میں تکلیف کی شدت کی خبر پھیل گئی۔ حضرت رحمہ اللہ مکمل غنودگی میں تھے لیکن سانس کی آواز ایسی تھی کہ سنی نہ جاتی تھی۔

جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد ڈاکٹروں نے جان بچانے والے آخری انجکشن بھی لگا دیے اور انہوں نے مجھے ایک طرف بلا کر اس انجکشن کے کام کے بارے میں بتایا۔

ساری رات حضرت رحمہ اللہ کو ہچکیاں آتی رہیں، ساتھیوں کی جانب سے تلاوت وغیرہ کا اہتمام بھی بڑھ گیا، ہفتہ کی صبح دس بجے کے بعد بلڈ پریشر گرنا شروع ہو گیا اور ہچکیوں کی شدت میں کمی آنے لگی، پیشانی عرق آلود تھی، جسم پر بخار کی حرارت تھی۔ ڈاکٹروں نے مکمل طور پر رجوع الی اللہ اور صبر کی تلقین کی۔ پاس موجود ہر شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رفق و یسر کی دعاء میں مشغول تھا۔

ظہر کی نماز تک نبض نہایت خفیف تھی اور ہچکیاں وقفہ وقفہ سے آ رہی تھیں۔ تقریباً سوا دو بجے کے قریب حضرت رحمہ اللہ نے جو ہچکی لی تو اس کے بعد پاس بیٹھے محبین مزید ہچکی کا انتظار ہی کرتے رہ گئے۔ ڈاکٹروں کو بلایا گیا تو انہوں نے روح

کے قفس عنصری سے پرواز کر جانے کی تصدیق کی۔ **اللھم اغفر لہ و ارحمہ و عافہ و اعف عنہ و اکرم نزلہ و وسع مدخلہ و ابدلہ دارا خیرا من دارہ و اھلاً خیراً من اھلہ و زوجاً خیراً من زوجہ و نقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس. و باعد بینہ و بین خطایاہ کما باعدت بین المشرق و المغرب اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ.**

ہسپتال اور حکومتی کاغذی کاروائی میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا، ساڑھے تین بجے کے قریب حضرت کے جسد مبارک کو گھر منتقل کیا گیا۔

حضرت رحمہ اللہ کے مرض وفات کی ابتداء سے ہی مدرسہ کے تمام طلباء وعملہ بلا استثناء شروع دن سے ہر طرح کی خدمت کو سعادت سمجھ کر ہر وقت مستعد رہا اور اس خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا۔ لہذا اس موقع پر وہ کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب مولانا اویس صاحب مدظلہم تبلیغی جماعت کے ساتھ بیرون ملک سفر میں تھے۔ انہوں نے اطلاع ملتے ہی وہیں سے اراکین شوریٰ اور نائب شوریٰ کو گھر پہنچنے اور تمام انتظامات کو بحسن وخوبی سنبھالنے کی تاکید فرمائی۔ اس موقع پر ہم اہل خانہ کا کام صرف مشورہ سے طے کر کے بتانا تھا باقی اس کام کو کیسے کرنا ہے اس کی ہمیں کوئی خبر نہ ہوسکی، سب کام اہل جامعہ اور طلبہ ودیگر محبین نے بحسن وخوبی سرانجام دیے۔ غسل وکفن تجہیز وتکفین، انتظام وانصرام غرضیکہ ہر معاملہ محبین کے سپرد تھا۔ **فجزاھم اللہ عنا احسن ما یجازی بہ عبادہ الصالحین**

.....☆.....

حضرت کے شب و روز

بہتر ہوگا کہ اس عنوان کو صبح ۸ بجے سے شروع کر کے صبح ۸ بجے پر ختم کیا جائے۔ حضرت رحمہ اللہ کا تقریباً شروع سے اخیر تک یہی معمول تھا کہ صبح آٹھ بجے بیدار ہو کر ناشتہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر ناشتہ اس سے مؤخر کیا تو دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا بھی مؤخر کرنا پڑے گا۔

ناشتہ میں عموماً ایک کپ چائے اور ایک پیس ڈبل روٹی انڈے یا بالائی وغیرہ کے ساتھ لیتے تھے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد مدرسہ احیاء العلوم جانے کی تیاری کرتے اور احیاء العلوم میں ''مسلم شریف'' کا سبق پڑھاتے۔ ساڑھے نو بجے وہاں سے واپسی ہوتی (موسم کے لحاظ سے بعض اوقات ناشتہ سے قبل بھی احیاء العلوم جانا ہوتا تھا)۔ وہاں سے واپسی پر ''اسلام'' اخبار دیکھتے اور آدھا گھنٹہ مزید آرام کرتے۔ (پہلے گھر میں ''نوائے وقت'' اخبار آتا تھا، پھر ''اسلام'' اخبار آنے پر فرمایا کہ ''نوائے وقت'' میں تصویریں ہوتی ہیں اور ''اسلام'' اخبار بغیر تصویروں کے ہے اس لیے ''اسلام'' اخبار لگوالیا۔) پھر دس بجے اٹھ کر تصنیفی و تالیفی کام شروع کر دیتے، تقریباً گیارہ بجے غسل وغیرہ کر کے جامعہ دارالتقویٰ الہلال مسجد جانے کی تیاری کرتے اور غسل سے فراغت کے بعد ایک کپ چائے نوش فرماتے اور ساتھ ساتھ اپنا مطالعہ بھی جاری رکھتے، تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جامعہ دارالتقویٰ کے لیے روانہ ہوتے۔ وہاں پر دورہ حدیث اور تخصص کے اسباق اور ساتھیوں کے ساتھ علمی مجالس ہوتیں، مسائل پر علمی گفتگو اور نکات پر بحث کی ایسی بہاریں تھیں کہ جن کی یادیں دل پر انمٹ نقوش چھوڑے ہوئے ہیں۔ (جن کا کچھ نمونہ برادرم مفتی شعیب صاحب کی لکھی ہوئی تخصص کی دوسالہ یومیہ علمی ڈائری ''مجالس علمیہ'' میں ہے جو امید ہے کہ ترتیب و تہذیب کے بعد انشاء اللہ ارباب ذوق کے ہاتھوں میں ہوگی)

ایک بجے کے بعد دوبارہ گھر کے لیے روانہ ہوتے اور ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز باجماعت مسجد میں ادا فرماتے، نماز کے بعد کھانا کھاتے جس میں دو چپاتی سے زیادہ روٹی نہ ہوتی تھی۔ اور پھر اپنا تصنیف و تالیف اور فتوے کی تصحیح و تصدیق کا کام لے کر بیٹھ جاتے، تقریباً تین سوا تین بجے تک جب کام کرتے تھک جاتے تو آرام کرتے مگر ایک گھنٹہ بعد اٹھ کر پھر دوبارہ کام لے کر بیٹھ جاتے۔ عصر کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے بعد پھر دوبارہ کاغذ قلم ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مغرب سے ایک گھنٹہ قبل اگر گھر میں آنے والی مستورات میں تفسیر ''فہم قرآن'' کا دن ہوتا تو درس دیتے، ورنہ پونا گھنٹہ قبل قرآن پاک لے کر تلاوت شروع کرتے جو کہ مغرب تک جاری رہتی۔ عصر کی نماز کے بعد ایک کپ چائے بھی ہوتی تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد کا وقت عمومی ملاقات کا تھا۔ اخیر کے چند سالوں سے پہلے تک کسی پر کوئی پابندی نہ تھی کوئی بھی شخص کسی بھی وقت

ملاقات کرنا چاہتا تو نہ صرف اسے اجازت دیتے تھے بلکہ خندہ پیشانی سے ملتے بھی تھے۔لیکن اخیر کے چند سالوں میں مجھے فرما رکھا تھا کہ مغرب کے بعد سے عشاء تک ملاقات کی بالعموم اجازت دے دو۔اس کے علاوہ کوئی آنا چاہے تو دن کے اوقات میں مجھے بتلا کر وقت دے دیا کرو، اور عشاء کے بعد اب میرے اندر ہمت نہیں ہے معذرت کر لیا کرو، اگر کوئی آجائے تب بھی خود دیکھ لیا کرو۔لیکن عشاء تک اگر کوئی ملاقات کے لیے نہ آتا تو ایک منٹ کے لیے بھی فارغ نہ بیٹھتے تھے بلکہ مسلسل کام میں مصروف رہتے تھے۔

رات کے کھانے کا معمول رات نو بجے کا تھا، اگر نماز جلدی ہوتی تو عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھاتے تھے ورنہ عشاء کی نماز سے پہلے کھانا کھا لیتے۔کھانے سے فراغت کے بعد کچھ وقت گھریلو امور کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہوا تھا اس وقت میں دونوں بیٹوں کا پاس رہنا ضروری ہوتا تھا تاکہ مشاورت میں آسانی رہے، پھر اگر اپنی والدہ محترمہ سے ملاقات کے لیے جانے کا دن نہ ہوتا تو کچھ وقت چہل قدمی کے لیے تشریف لے جاتے ،تقریباً دس سوا دس تک فارغ ہو کر پھر دوبارہ کتابیں اٹھا لیتے ،تقریباً گیارہ بجے ایک کپ چائے دوبارہ ہوتی پھر آرام اس پر موقوف تھا کہ جسم میں کتنی ہمت و طاقت ہے۔ شروع دور میں ایک سے ڈیڑھ بجے رات تک عام طور سے ہمت ہوتی تھی پھر فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اٹھتے تھے،سونے سے پہلے عموماً دو نفل پڑھ کر سوتے تھے۔بعد میں ضعف آنے پر اپنی والدہ کے اصرار پر رات ڈیڑھ بجے سے وقت خاصا کم کر دیا تھا لیکن اس وقت حضرت رحمہ اللہ کو یہ عارضہ لاحق ہو گیا تھا کہ ذہن میں جب کسی بات کا ورود ہوتا اور اسے لکھ نہ لیتے تو نیند نہ آتی تھی اور لکھنے بیٹھتے تو جسم تھکتا تھا،اس کیفیت میں بارہا ایسا ہوتا تھا کہ بیچ رات میں کبھی اٹھ کر دیکھا تو کبھی لکھ رہے ہیں یا مطالعہ کر رہے ہیں۔یہ کیفیت بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ اسی بیچ و بن میں فجر ہو جاتی تھی پھر فجر کے بعد بھی نیند نہ آتی تھی تو مجبور ہو کر اس کیفیت کے لیے دوائی لینی شروع کی۔

دوائی سے نیند آجاتی تھی، کچھ عرصہ بعد دوائی بھی بے اثر ہونا شروع ہو گئی۔یہ وہ عرصہ تھا کہ جس میں رعشہ کے ساتھ ساتھ یہ کیفیت بھی حضرت رحمہ اللہ کے پہلے سے نحیف ونزار جسم کے اعصابی نظام پر اپنے اثرات لائی۔

والدہ سے ملاقات

معمولات زندگی میں سے ایک معمول والدہ ماجدہ سے ملاقات وزیارت کا بھی تھا۔حضرت رحمہ اللہ اپنی رحلت سے تقریباً ۳۰ سال پہلے تک والدہ کے ساتھ ایک گھر میں رہتے تھے۔بعد میں والدہ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے علیحدہ گھر دے دیا۔حضرت رحمہ اللہ اس وقت روزانہ ہسپتال سے ۸ بجے ملازمت کا وقت ختم ہونے کے بعد پہلے والدہ صاحبہ کی زیارت و ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے، وہاں آدھا گھنٹہ گذار کر گھر آتے تھے اور پھر کھانا کھا کر دیگر معمولات پورے کرتے تھے۔

آخری سالوں میں ہمت کم ہونے پر والدہ کے اصرار پر ایک ایک کر کے دن کم کرتے گئے حتیٰ کہ آخر میں اتوار کے روز مغرب کے بعد اور بدھ کے روز رات کو کھانے سے فراغت کے بعد یا جمعرات کے روز جاتے تھے اور اس دن والدہ صاحبہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

زندگی کے مذکورہ شب و روز جامعہ دار التقویٰ کے دور کے ہیں۔ اس سے قبل جامعہ مدنیہ کے زمانے میں ریٹائرمنٹ (۲۰۰۹ء) سے پہلے کے معمولات میں فرق اتنا ہوتا تھا کہ صبح ساڑھے نو بجے جامعہ مدنیہ آتے، بعض ایام میں ایک بجے گھر تشریف لے جاتے اور بعض ایام میں کھانا ساتھ لاتے پھر تین بجے جامعہ مدنیہ سے ہی ہسپتال پہنچ جاتے۔ معمولات یومیہ کی باقی ترتیب وہی ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ تین سے آٹھ ہسپتال کا وقت ہوتا تھا۔

شب و روز کے معمولات میں بڑی نمایاں بات یہ تھی کہ انہیں بے کار یا فالتو وقت ضائع کرتے ہوئے کبھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا، حضرت رحمہ اللہ اپنا ایک ایک لمحہ پورے طور پر قیمتی بناتے تھے۔ حضرت بلا مبالغہ ان دانشمند لوگوں میں سے تھے جو اپنی حیاتِ مستعار کا ایک منٹ بھی عبث ضائع نہیں کرتے۔

صلہ رحمی

زندگی کے اس معمول کا اثر یہ نہیں تھا کہ اعزہ و اقرباء کا کوئی پتا ہی نہ ہو۔ حضرت رحمہ اللہ اپنی تمام دنیاوی ذمہ داریاں جس میں اعزہ و اقرباء سے ملاقات کے لیے بھی جانا پڑتا تھا اور اعزہ گھر بھی آتے تھے پورے طور پر نبھاتے تھے بلکہ اعزہ و اقرباء سے میل ملاقات دیگر لوگوں کی بنسبت زیادہ تھی کیونکہ اعزہ و اقرباء میں سے بہت سے حضرات اپنے خانگی جھگڑوں یا کاروباری اختلافات کو ختم کرانے اور بعض حضرات اور مستورات طبی مشاورت کے لیے بھی بکثرت ملنے آتے تھے۔

.....☆.....

اوصاف وخصوصیات

ذوقِ عبادت

حضرت رحمہ اللہ میں ہر نماز کو اس کے صحیح اوقات میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام شدت کے ساتھ تھا۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ خود بھی پوری طرح عمل پیرا تھے اور اپنی اولاد سے بھی عمل کرواتے تھے۔ اور اس حوالے سے کسی رعایت کے قائل نہ تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کے ہاں نماز کے اہتمام ہی کا یہ اثر تھا کہ ہمیں پورا یقین تھا کہ اگر ہم نے سستی دکھائی اور نماز نہ پڑھی تو بلا مبالغہ حضرت رحمہ اللہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ہمیں گھر سے نکال دیں گے۔ نماز کی تیاری اذان ہوتے ہی شروع کر دیتے تھے اور ہمیں بھی تاخیر سے یعنی جماعت شروع ہونے کے بعد پہونچنے پر تنبیہ فرماتے تھے۔ رمضان المبارک میں افطاری کی وجہ سے جماعت میں کبھی تاخیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے تھے۔ اخیر عمر میں جب خود مسجد جانے سے قاصر تھے تو اس وقت بھی ہمیں کبھی تاخیر سے جاتا دیکھ کر خفگی کا اظہار فرماتے تھے۔ جمعہ کی نماز کے لیے بالعموم بارہ بجے غسل کے لیے چلے جاتے تھے اور سوا بارہ بجے تک نہا کر خوشبو وغیرہ دیگر امور سے فارغ ہو کر ساڑھے بارہ بجے مسجد میں پہنچ جایا کرتے تھے جبکہ مسجد میں نماز سوا ایک بجے ہوتی تھی۔ ہم سے اگر فجر کی جماعت مسلسل دو دن رہ جاتی تو شدید ناراضگی کا اظہار کرتے تھے اور اگر ہم کسی کام کا عذر کرتے کہ اس کی وجہ سے سونے میں دیر ہو گئی تھی تو اور زیادہ غصہ ہو کر فرماتے تھے کہ ''سارے کام چھوڑ دو۔ نماز جماعت کے ساتھ ہونی چاہیے۔''

نماز کا یہ اہتمام حضر ہی میں نہ تھا سفر میں بھی یکساں تھا۔ ایک دفعہ ملتان کے ایک سفر سے واپسی پر میزبان نے ڈائیوو کمپنی کی بس کا ٹکٹ لے لیا۔ فجر کا وقت ختم ہو رہا تھا اور بس پتوکی کے قریب تھی، لاہور پہنچتے پہنچتے نماز یقینی طور پر قضاء ہو جانی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ نے ڈرائیور سے نماز کا تقاضا کیا، ڈرائیور نے بس روکنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کمپنی کی طرف سے بغیر مقرر سٹاپ کے بس روکنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ''مجھے یہیں جنگل میں اتار کر چلے جاؤ'' ڈرائیور نے بس نہ روکی اور نماز قضاء ہو گئی۔ اس کا حضرت رحمہ اللہ کو اتنا قلق ہوا کہ عرصہ تک احباب سے ڈائیوو کمپنی کی اس پالیسی کا تذکرہ کرتے رہے اور آئندہ کے لیے کوئی دوست حضرت رحمہ اللہ کے سامنے ڈائیوو میں سفر کرنے کا نام بھی نہ لے سکتا تھا۔

جب تک رعشہ کی تکلیف میں مبتلا نہ ہوئے نمازوں کو اتنے خشوع وخضوع سے ادا کرتے تھے کہ بہت کم افراد اتنے خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتے نظر آتے تھے۔ لمبی لمبی نماز پڑھتے تھے اور تعدیل ارکان کا بہت اہتمام تھا، ہر رکن کو نہایت اطمینان اور تسلی سے ادا فرماتے۔ رعشہ کی تکلیف کے دوران رعشہ کے ایک ملکی سطح کے اسپشلسٹ جو ریاض (سعودیہ) میں ہوتے تھے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ محترم ڈاکٹر ظفر نیاز صاحب (معالج حضرت رحمہ اللہ) کی

درخواست پر انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کے لیے خصوصی وقت دیا اور تقریباً آدھے گھنٹہ سے زیادہ وقت تشخیص پر لگایا۔ دوران تشخیص انہوں نے حضرت رحمہ اللہ سے ایک سوال یہ کیا کہ آپ کو بھولنے کا عارضہ تو لاحق نہیں ہوا؟ حضرت رحمہ اللہ نے سوچ کر فرمایا اور تو کچھ نہیں ہے لیکن اب کبھی کبھی پڑھی ہوئی رکعات کی تعداد بھول جاتا ہوں (ورنہ اس سے قبل حضرت رحمہ اللہ نماز میں رکعات کی تعداد نہ بھولتے تھے)۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ تو میں بھی بھول جاتا ہوں۔

زہد فی الدنیا

مدینہ منورہ کے ایک سفر میں وہاں کے رہنے والے دو نوجوان علماء نے عصر کی نماز کے بعد حضرت رحمہ اللہ سے استفادہ کی نیت سے آنا طے کیا۔ وہ حضرت رحمہ اللہ کے لیے گھر سے آتے ہوئے تھرماس میں چائے بنوا کر لے آئے، حضرت رحمہ اللہ نے قبول کر لی۔ اگلے دن وہ دوبارہ چائے بنوا کر لائے تو حضرت رحمہ اللہ نے قبول کر لی لیکن ساتھ فرمایا کہ

''بھائی اس طرح تو ہم تمہارے مرید بن جائیں گے، ہمیں مراد ہی رہنے دو اور آئندہ چائے نہ لایا کرو''۔

یعنی پھر چائے کی وجہ سے ہمیں تم سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہو جائے گا حالانکہ ابھی تمہیں ہم سے ملنے کی آرزو ہے۔ (لیکن اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ ان کے لیے اکرام کا اہتمام خود سے کرتے تھے)۔

گھر والوں کے بار بار تقاضے کے باوجود گھر میں ٹیلی فون لگوانے پر آمادہ نہ ہوتے تھے لیکن جب ٹیلی فون کی سہولت زیادہ عام ہوئی اور مسائل پوچھنے والوں کا اصرار بڑھنے لگا کہ ہمیں کوئی وقت بتائیں جس میں ہم ٹیلی فون پر سہولت سے مسائل پوچھ سکیں تو حضرت رحمہ اللہ نے ان کی وجہ سے ٹیلی فون لگوایا۔ یہی صورت حال موبائل کی سہولت عام ہونے پر ہوئی کہ مسائل پوچھنے والوں کی سہولت کی غرض سے ان کے تقاضے پر موبائل لیا۔ ورنہ اپنی ذات کے لیے یا خواہش کے لیے دونوں کام نہ کیے۔

رعشہ کی تکلیف شروع ہونے کے بعد جب موٹر سائیکل پر کسی کے ساتھ بیٹھ کر جانا آنا بھی دشوار ہونے لگا تو گاڑی بھی آ گئی ورنہ اس سے قبل گھر والوں کے تقاضے کے باوجود یہی کہتے تھے کہ کیا ضرورت ہے؟ اس وقت والدہ اکثر کہتی تھیں کہ چلیں آپ نہ خریدیں لیکن لینے کی نیت تو کر لیں تو اس پر بھی کہتے تھے کہ کیا ضرورت ہے؟ تو والدہ دیگر اعزہ سے کہا کرتی تھیں کہ ''لینا تو درکنار لینے کی نیت بھی نہیں کرتے۔''

اصل بات یہ تھی کہ حضرت رحمہ اللہ دنیا کی چیزوں کے حصول میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ذکر کردہ ضابطہ ذہن میں رکھتے تھے اور اپنی ذات کے لیے اس پر اہتمام کے ساتھ کاربند رہتے تھے۔ لہذا اپنے لیے اے سی لگانے پر بھی وفات سے صرف دو سال قبل راضی ہوئے کہ جب تکلیف کی شدت ہو گئی تھی اور جسم میں تحمل بھی کم ہو گیا تھا اس سے پہلے راضی نہیں ہوئے۔

حضرت کی سادگی اور گذارے کے مزاج کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے پاس ایک ویسکوٹ تھی جسے عرصہ دراز سے درمیانے موسم میں پہنتے تھے۔ پرانی ہونے کی وجہ سے اس کی وضع قطع خاصی تبدیل ہوگئی۔ ہم ایک نئی ویسکوٹ بھی لے آئے جسے ایک سال حضرت رحمہ اللہ نے شادی وغیرہ تقریبات میں پہن لیا۔ آئندہ سال ہم نے پرانی ویسکوٹ ہٹادی اور موسم آنے پر نئی ویسکوٹ رکھ دی۔ لیکن حضرت مسلسل پرانی ویسکوٹ کا تقاضا کرتے رہے اور ہمارے عرض کرنے پر فرماتے تھے: ''**کیسے بدوضع ہوگئی تھی! تم لوگوں نے خواہ مخواہ ہٹادی۔**''

معاملہ فہمی

حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے معاملہ فہمی کی دولت سے نوازا تھا لہذا کسی ایک جانب جھکاؤ کے بغیر بہت جلد لوگوں کے معاملات اور جھگڑوں کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ پھر اس کے مطابق آپس کے اختلاف کو ختم کرواتے تھے۔

ایک صاحب کا اپنے بیٹوں کے ساتھ کاروباری معاملات میں جھگڑا ہوا۔ بیٹے چاہتے تھے کہ ان کے والد ان کی مرضی کے مطابق انہیں حصہ دیں۔ ان صاحب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ سارا کاروبار میرا ہے، میں کاروبار کا شرعاً مالک ہوں۔ بے شک ڈاکٹر صاحب سے جا کر فتویٰ لے لو (وہ صاحب حضرت سے فتویٰ پوچھ چکے تھے) لہذا میں تم کو جو کچھ اپنی خوشی سے دے رہا ہوں وہ رکھ لو۔ بیٹے کہتے تھے کہ اگر ہمارا شرعاً کوئی حصہ نہیں ہے تو ٹھیک ہے آپ گھر، کاروبار وغیرہ سب کچھ سنبھالیں ہمیں آپ سے کچھ نہیں چاہیے ہم نئے سرے سے اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ ان صاحب کو یہ بھی منظور نہ تھا کہ ان کے بیٹے انہیں عمر کے اس حصہ میں اس طرح چھوڑ جائیں جبکہ جھگڑا صرف ایک حد تک مقدار کا تھا ورنہ وہ اپنے بیٹوں کو محروم نہ کرنا چاہتے تھے۔ ان باپ بیٹوں کی کشمکش طویل عرصہ تک جاری رہی۔ بالآخر ایک دن انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کو ثالث بنایا کہ آپ ہمارے مناسبِ حال فیصلہ کریں۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان صاحب سے پوچھا کہ جب تم نے اپنے والد صاحب سے کاروبار لیا تھا تو کاروبار کی حالت کیا تھی؟ انہوں نے بتایا کہ کاروبار نقصان میں تھا، بعد میں کاروبار بڑھا ہے۔ پھر ان کے دونوں بیٹوں سے پوچھا کہ آپ لوگ کاروبار میں کب سے شریک ہو؟ انہوں نے بتایا کہ جب سے کاروبار والد صاحب کے پاس آیا ہے تقریباً اسی وقت سے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ابتداء کاروبار نقصان میں تھا ان تینوں کی مشترکہ محنت سے کاروبار کو ترقی ہوئی ہے۔ تینوں کے لیے ایک ایک ثلث (تہائی) کا فیصلہ دیا۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہ توجیہ تینوں کے لیے قابل قبول تھی جسے تینوں نے متفقہ طور پر قبول کیا۔

حضرت رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی نے بتایا کہ حضرت رحمہ اللہ کے والد صاحب بھی حضرت رحمہ اللہ کی معاملہ فہمی کے قائل تھے، اس لیے اہم امور میں ہمیشہ انہیں ساتھ رکھتے تھے اگر انہیں کبھی کسی مسئلہ پر حضرت کی رائے سے اتفاق نہ ہوتا تو ناراضگی کے اظہار کے باوجود عمل کے وقت ہمیشہ حضرت کی رائے پر عمل کرتے تھے۔

سیاسی بصیرت

اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کو بالغ نظری سے نوازا تھا اس لیے کسی بھی معاملے کے کبھی ایک پہلو پر نگاہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مثبت و منفی، نفع و نقصان دونوں پر یکساں نظر رکھتے تھے۔ اور سیاسی امور میں غور و فکر میں کبھی عقیدت کو آڑے نہ آنے دیتے تھے۔ لہذا اگر کسی معاملے میں حضرت رحمہ اللہ کے رائے میں مضرت و نقصان کا پہلو غالب ہوتا تو بزرگوں کی بے ادبی سے بچتے لیکن دوستوں کے پوچھنے پر خوبصورت انداز میں اختلاف رائے کرتے۔ طلباء و اعزہ سے گفتگو کے دوران پیش آمدہ سیاسی امور کے حوالے سے پر مغز تبصرہ فرماتے تھے۔

چند تبصرے پیش خدمت ہیں:

o فرماتے تھے کہ جب امریکہ کو روس کی وجہ سے مذہبی شخصیت کی ضرورت تھی تو ضیاء صاحب مل گئے اور جب افغانستان میں طالبان کو ختم کرنا تھا تو مشرف صاحب مل گئے، یہ سب ڈالر کے بل بوتے پر ہوتا ہے۔ یہ تفصیل ذکر کرنے کے بعد ابوزید سرو جی کا یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے ع

لو لا التقیٰ لقلت جلت قدرته

ترجمہ: اگر خوف نہ ہوتا تو میں کہتا کہ پیسہ ہی جل شانہ ہے۔ ع

کیسا نبی کیسا خدا

پیسہ نبی پیسہ خدا

o فرماتے تھے کہ ضیاء صاحب کے دور میں باقاعدہ فرقہ واریت کو ہوا دی گئی، اس سے قبل رؤیت ہلال کمیٹی وغیرہ دیگر سرکاری عہدوں کے حصول پر فرقہ واریت کی بنیاد پر اختلاف نہ ہوتا تھا بلکہ جو بھی بن جاتا کسی دوسرے کو اعتراض نہ ہوتا تھا ضیاء صاحب کے دور میں ہر فرقہ کو اس پر ابھارا گیا کہ یہ عہدہ انہیں ملنا چاہیے تھا۔

o فرماتے تھے کہ جب روس کو شکست ہوگئی اور ضیاء صاحب کا کام پورا ہو گیا تو امریکہ نے ضیاء صاحب کو مروا دیا۔ پھر فرماتے تھے امریکہ سب سے کام لیتا ہے صدام حسین ہو یا معمر قذافی یا کوئی اور حکمران ان سے کام لے کر انہیں مروا بھی دیتا ہے۔

o افغانستان میں طالبان کی آمد پر پاکستان کے مذہبی حلقوں کی ہمدردیاں طالبان کے ساتھ ہوگئی تھیں اور پاکستان میں احمد شاہ مسعود کا نام لیوا کوئی نہ رہا۔ اس دور میں ہماری بعض وہ خانقاہیں کہ جن کی محنت کا میدان صرف اور صرف انسان کا باطن تھا وہ بھی طالبان کی حمایت میں پوری شد و مد کے ساتھ متحرک ہوگئی تھیں۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ استفہامیہ انداز میں فرماتے تھے کہ انہیں کیا ہوا؟ یہ بوریہ نشین لوگ بھی طالبان کی حمایت میں نکل آئے ہیں؟ اور فرماتے تھے کہ طالبان کی آمد سے قبل ہمارے مذہبی حلقوں میں احمد شاہ مسعود کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی، جبکہ اس کے مخالف حکمت یار کو جماعت

اسلامی کا بندہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ سوال اٹھاتے تھے کہ ہمارے حلقے ایک دم احمد شاہ مسعود سے کٹ کیوں گئے ہیں؟ اور سب کے سب طالبان کی حمایت میں کیوں نکل آئے ہیں؟

تنبیہ: اس سے حضرت رحمہ اللہ کی غرض کسی پر طنز کرنا نہیں تھا بلکہ اپنے دوستوں کو توجہ دلاتے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے لوگ اخلاص وللّٰہیت اور نیک نیتی کے باوجود اپنی سادہ لوحی سے کسی کے ہاتھوں استعمال ہو رہے ہوں۔ اسی لیے حضرت رحمہ اللہ کو طالبان اور احمد شاہ مسعود کی آپس کی لڑائی سے بڑا قلق ہوتا تھا، وہ چاہتے تھے کہ یہ دونوں ہمارے اپنے اور ہمارے مدارس سے تعلق والے ہیں لہذا دونوں کو ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ آپس میں جنگ نہ ہونے پائے۔

جب صحافیوں کے روپ میں عربوں نے ایک حملہ میں احمد شاہ مسعود کو مارا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ عربوں کی بڑی غلطی ہے کیونکہ احمد شاہ مسعود جیسا بھی تھا ماضی میں اہل حق کے ساتھ رہا ہے اور افغانستان میں ایسا شخص ہے کہ جس کا ایک حلقہ ہے، اسے اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

o احمد شاہ مسعود والے واقعہ کے چند دنوں بعد امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا واقعہ پیش آیا، اس دن صبح کے وقت ہر طرف ایک جوش وخروش کا عالم تھا۔ حضرت رحمہ اللہ جب مدرسہ تشریف لائے تو ان کو اس وقت تک اس وقوعہ کا علم نہ تھا۔ طلباء کی ایک تعداد حضرت رحمہ اللہ کے کمرے میں جمع ہوگئی اور حضرت کو خبر سنائی گئی، اسی دوران کوئی طالب علم مٹھائی بھی لے آیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس واقعہ پر سب طلباء کی امیدوں کے برخلاف افسوس کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اگر یہ واقعہ عربوں نے کیا ہے جیسا کہ بتایا جا رہا ہے تو یہ عربوں کی غلطی ہے انہیں چاہیے تھا کہ پہلے طالبان کو مضبوط کرتے، جب طالبان کو افغانستان میں استحکام نصیب ہو جاتا تو پھر باہر کی سوچتے۔ اگر ان کی جلد بازی کی وجہ سے طالبان کی حکومت ہی ختم ہوگئی کہ جن سے خیر کی توقع ہے تو پھر توقع کس سے باندھی جائے گی؟

طالبان کو حضرت رحمہ اللہ نیک لوگ سمجھتے تھے لیکن حضرت رحمہ اللہ کسی بھی دینی تحریک کے لیے یہ بات خطرناک سمجھتے تھے کہ کوئی جب چاہے ان سے اپنے مقاصد کی برآری کر سکے۔ اس لیے حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ طالبان کو چاہیے کہ بغیر کسی سے کوئی مدد لیے آگے بڑھتے اور جنرل نصیر اللہ خان بابر کا یہ مقولہ ذکر کرتے تھے:

''طالبان ہمارے بچے ہیں''

حضرت کی طالبان یا دیگر تحریکات پر یہ تنقید داخلی اور اصلاح کے جذبہ سے کی جانی والی تنقید تھی جو بڑے حضرات کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ اس تنقید کے باوجود حضرت کو ان تحریکات کا مخالف نہیں سمجھا گیا بلکہ تمام تحریکات کے لوگ حضرت کو اپنا بڑا جانتے تھے۔ اور حضرت کی نکتہ رسی کو اپنے لیے مشعلِ راہ سمجھتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کی یہ سوچ چونکہ اکثریت کی سوچ کی عکاس نہ تھی اس لیے حضرت رحمہ اللہ پر یہ اشکال کیا جاتا تھا کہ کیا ہمارے ذمہ نتائج اللہ پر چھوڑ کر اپنی طاقت کے بقدر کوشش کرنا نہیں ہے؟

اس پر حضرت رحمہ اللہ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی مثال دیتے تھے جب سید صاحب رحمہ اللہ نے جہاد کے لیے آزاد علاقوں کی طرف آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہندوستان کے مقامی لوگوں نے ان سے کہا کہ یہاں کے لوگ آپ کو بھی جانتے ہیں اور آپ کے خانوادے کو بھی جانتے ہیں اور یہاں آپ کی عقیدت بھی ہے جس کی وجہ سے یہاں سے افرادی و مالی قوت کی فراہمی ممکن بھی ہے جبکہ آپ انگریز کی عملداری سے آزاد جس قبائلی علاقے میں جانا چاہتے ہیں وہاں کے لوگ آپ سے واقف بھی نہیں ہیں۔ تو سید صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے:

''کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اسی ملک (ہند) میں جہاد کرو، جو کچھ مال خزانہ سلاح وغیرہ درکار ہو ہم دیں گے۔ مگر مجھ کو منظور نہ ہوا اس لیے کہ جہاد سنت کے موافق چاہیے، بلوہ کرنا منظور نہیں۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت: ۶/۴۲۶)

اور ساتھ میں فرماتے تھے کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر بس اقدام کر دینا یہ ہمارے اکابر کا بھی مزاج نہ تھا۔

نیز یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ جب ۱۸۵۷ء میں انگریز کو ہندوستان پر تسلط حاصل ہو گیا اور ہمارے اکابر کو انگریز کے ساتھ بلا واسطہ کسی عسکری کاروائی میں کامیابی کی امید نظر نہ آئی تو اکابر رحمہ اللہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دین وایمان بچانے کے لیے تعلیمی میدان میں مدارس دارالعلوم دیوبند وغیرہ کے قیام کی طرف متوجہ ہوئے۔

خواص میں کام کی فکر

ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عموماً اللہ تعالیٰ کی جانب سے دین کی وہ محنت کامیاب ہوئی ہے جو عوام کے نچلے درجے سے پھیلتی ہے اور عروج پاتی ہے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ لہذا یہ کوشش بھی کرنی چاہیے کہ دنیا میں نظام جن کے ہاتھ میں ہے ان کو دعوتِ اسلام دی جائے، کیا خبر اللہ ان کوششوں کو بار آور کریں اور ''**الناس علی دین ملوکھم**'' کے مطابق اگر وہ لوگ دعوت قبول کریں تو دنیا میں اسلام کا پیغام عام ہو جائے۔

اپنے اس خیال کا تذکرہ حضرت رحمہ اللہ نے ایک ملاقات کے موقع پر رائے ونڈ کے حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بھی کیا۔ اور بطور خاص یہ بھی ذکر فرمایا کہ میری رائے ہے کہ ایسی کوشش کے لیے ایک جماعت ہونی چاہیے اگرچہ تبلیغ کے پلیٹ فارم سے ہٹ کر ہی ہو۔

خودداری واخفائے حال

حضرت کا ایک بڑا وصف خودداری تھا۔ اور یہ وصف ہر گذرتے دن اپنے معاملات اور پھر اپنی پریشانیاں لے کر آنے والے لوگوں کی سوچ اور نفسیات دیکھنے کے بعد غیر متزلزل ہو گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ استغناء اور اخفاء حال بھی مل گئے تھے تو شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو کہ حضرت رحمہ اللہ کے حالات اس کے سامنے کھلی کتاب ہوں۔ اگر کسی کو حضرت رحمہ اللہ کے علمی مقام ومرتبہ کا ادراک ہے تو ذوق عبادت کا پتہ نہیں ہوگا اگر عبادت کا پتہ ہوگا تو اصابت رائے کا علم نہیں ہوگا اگر اصابت رائے کا حال کھلا ہوگا تو حضرت رحمہ اللہ کے پریشانیوں وتکلیفوں پر صبر سے آگاہ نہ ہوگا۔ حضرت رحمہ اللہ میں اخفا

اتنا تھا کہ جو لوگ حضرت رحمہ اللہ کی کسی صلاحیت کے بارے میں جانتے نہ تھے وہ بلا جھجک اس وصف کی نفی اس بنیاد پر کر دیتے تھے کہ اس بارے میں حضرت رحمہ اللہ سے کبھی بھی کوئی بھی بات سننے کو نہیں ملی۔ اسی اخفاء حال اور خودداری کا ایک اثر بندہ کے خیال میں یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر کتاب لکھنا خاصا کٹھن کام ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے بندہ پر بھی اپنے بعض معاملات اخیر تک مخفی رکھے تھے ان میں سے کچھ حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے کھلے۔ اور نہ جانے کتنے ایسے ہیں جو کہ کھلے ہی نہیں۔ اخفاء حال میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خاندان کے دیگر افراد کو حضرت رحمہ اللہ کی جملہ بیماریوں کا اور ان کی سنگینی کا مکمل علم نہ تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے ایک موقع پر بندہ کو سختی سے حکم فرمایا تھا کہ میں نے اپنے بارے میں جس کو جو بتانا ہوگا خود بتادوں گا تمہیں معلوم ہونے کے باوجود بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا بعض اوقات خاندان کے افراد کسی بات کے بعد میں معلوم ہونے پر شکوہ کرتے تھے کہ مسئلہ اتنا سنگین تھا اور تم نے جاننے کے باوجود ہمیں نہیں بتایا۔ ایسی حالت میں اگر بندہ انہیں اپنی کچھ صفائی پیش کرتا بھی تو کیسے کرتا؟

بے نفسی

دوران ملازمت حضرت رحمہ اللہ اپنے نائب قاصد کو بیجا نہ تنگ کرتے تھے اور نہ ذاتی کام کرواتے تھے بلکہ نائب قاصد سے متعلق بہت سے کام از خود انجام دے لیتے تھے خاص کر جب دفتر والے کسی خاتون کو نائب قاصد لگا دیتے تو اسے کسی بھی کام کے لیے بالکل نہ بلاتے تھے جبکہ عام طور سے دفاتر میں نائب قاصد کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔ ایک خاتون نائب قاصد اکثر اوقات ہسپتال کے دفتر میں شکوہ کرتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب بالکل بھی کسی کام کے لیے نہیں بلاتے، اس طرح پتہ نہیں میری روزی حلال بھی ہوتی ہے یا نہیں؟

حضرت رحمہ اللہ کی تواضع، عبدیت اور رسمی پروٹوکولز سے دوری کا اثر تھا کہ نائب قاصد پہلے گھر چلا جاتا تھا اور حضرت رحمہ اللہ رات آٹھ بجے خود کمرہ کو تالا لگا کر جاتے تھے۔ اسی طرح کھولتے وقت بھی بہت سی مرتبہ نائب قاصد کہیں گیا ہوتا تو خود تالا کھول کر بیٹھ جاتے۔

یک گیر و محکم گیر

حضرت رحمہ اللہ کا مزاج علمی و تحقیقی تھا۔ علم و تحقیق سے منسلک لوگ جب تک دیگر کاموں سے یکسوئی اختیار نہ کریں ان کا نتیجۂ فکر اور خاطر خواہ کام سامنے نہیں آتا۔ اس لیے حضرت رحمہ اللہ تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے کے لیے نہیں نکلتے تھے۔ تعلیم میں لگنے سے پہلے حضرت رحمہ اللہ تبلیغ کے لیے جاتے تھے لیکن بعد میں یکسوئی کے پیش نظر ساتھیوں سے فرمایا کہ آپ ایسے سمجھ لیں کہ میری تشکیل خدمت میں ہے جیسے خدمت میں لگنے والے ساتھی اجتماعی اعمال میں شریک نہیں ہو پاتے اور ان کی عدم شرکت کا باعث خود پوری جماعت کے افراد کے تقاضے ہوتے ہیں اسی طرح آپ مجھے سمجھ لیں کہ

میں جس علمی کام میں لگا ہوں وہ یکسوئی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اور وہ کام بھی امت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دعوت کی محنت سے امت میں پیدا ہونے والے جذبات اور استعداد کو علمی رہنمائی کی بھی ضرورت ہوگی، اگر کچھ افراد اپنے آپ کو علم کے لیے یکسو اور مکمل فارغ نہ کریں گے تو بروقت علمی رہنمائی نہ ہو سکے گی اور یہ ایک بڑا نقصان ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کو دین و دنیا کا کوئی بھی کام محض خانہ پری کے لیے کرنا پسند نہ تھا، فرماتے تھے کہ کوئی بھی کام کرو اس طرح سے کرو کہ تمہارا کیا ہوا کام نظر آئے لہذا ایک دور میں بندہ نے تبلیغی اعمال میں شرکت کافی زیادہ کردی پھر بلا کسی وجہ کے کم کردی، کبھی گشت میں شرکت کرتا اور کبھی نہ کرتا تو ایک دن حضرت رحمہ اللہ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ کبھی گشت کرلیا اور کبھی نہ کیا پھر فرمایا کہ انسان جو بھی کام کرے صحیح طریقہ پر کرے۔

حضرت رحمہ اللہ خود بھی اسی تقاضے پر عمل کرتے تھے اور پوری یکسوئی کے ساتھ علمی کام میں جتے رہتے تھے۔ یہ یکسوئی صرف تبلیغ کے حق میں نہ تھی بلکہ تمام غیر علمی مشاغل کے لیے تھی لہذا گھریلو یا خاندانی واجبات کے علاوہ بزرگوں کی زیارت اور بیانات سننے کے لیے جانا حضرت رحمہ اللہ کا عام معمول نہ تھا اگر کبھی موقع میسر آجاتا تو بزرگوں کی زیارت کو غنیمت سمجھتے تھے۔ مدرسہ کی تقریبات میں چونکہ مدرسہ کی طرف سے شرکت لازمی ہوتی تھی اس لیے وہاں ضرور شرکت کرتے تھے یا اپنے شیخ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں اکثر و بیشتر اہتمام سے حاضری دیتے تھے۔

البتہ خالص علمی وفنی شخصیات سے ملاقات وزیارت کا شوق تھا۔ اسلام آباد سے ایک دوست نے بندہ کو دوران گفتگو فون پر بتایا کہ ملک شام کے معروف فقیہ وصاحب تصانیف ڈاکٹر وہبہ زحیلی دوروز اسلام آباد گذار کر کل واپس گئے ہیں۔ بندہ نے برسبیل تذکرہ حضرت رحمہ اللہ سے ذکر کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**اچھا! اگر ہمیں پہلے پتہ چلتا تو ان کی زیارت کے لیے اسلام آباد جاتے۔**''

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ آخری مرتبہ جب لاہور تشریف لائے تو حضرت رحمہ اللہ ان کی زیارت کے لیے اہتمام سے ان کے بیان میں گئے۔

کراچی کے ہر سفر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کا ممکنہ حد تک اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت چشتی صاحب دامت برکاتہم اکثر اوقات لاہور تشریف لاتے تو ہر دفعہ اہتمام سے ان کی جائے قیام پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو اپنے گھر اور مدرسہ میں تشریف آوری کی دعوت دیتے تھے۔

بزرگوں کی زیارت کے موقع پر ہدیہ پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

راولپنڈی تشریف لے جاتے تو مفتی رضوان صاحب (ادارہ غفران) سے ملاقات کا اہتمام کرتے تھے۔ یہ ملاقاتیں بھی علمی ذوق کی آبیاری کے لیے ہوتی تھیں کیونکہ ان ملاقاتوں میں کوئی نہ کوئی بات یا نکتہ سامنے آتا تھا۔ و العلم رحم

بین اهله. (اہل علم کے درمیان علم ایک رشتہ داری ہے)۔

رعب

حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے رعب و وقار کی دولت سے نوازا تھا۔ ملنے والوں سے خواہ طلبہ ہوں یا عامۃ الناس لطف اور شفقت سے بھرپور گفتگو فرماتے تھے جو کہ طنز و تشنیع سے خالی ہوتی تھی، مگر معلوماتی ہوتی تھی۔ عامۃ الناس سے ان کے مشغلہ کے بارے میں ایسے سوالات پوچھتے تھے کہ نہ صرف پاس بیٹھنے والوں کو ان سے فائدہ ہوتا تھا بلکہ ملاقات کرنے والے بھی متاثر ہوتے تھے کہ سوالات بچگانہ یا لاعلمی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ لگتا ہے کہ ان کے سامنے یہ سوال کبھی موضوع بحث رہا ہے۔ لیکن ساری گفتگو ظرافت کے باوجود وقار سے خالی نہ ہوتی تھی۔ کسی شخص کے فضول گفتگو فرمانے پر بالکل خاموشی اختیار فرماتے۔ اور اسے اگر سمجھا سکتے تو سمجھا دیتے ورنہ بالکل خاموش رہتے۔

حضرت رحمہ اللہ کے وقار کا اثر تھا کہ مدرسہ کا جو طالب علم حضرت رحمہ اللہ کے سبق میں کبھی شریک نہ ہو سکا ہوتا وہ دور سے حضرت رحمہ اللہ کو دیکھ کر مرعوب ہوتا تھا۔ اور جو سبق میں شریک ہوتا تو اسے شفقت کا بھی اندازہ ہو جاتا تھا۔ اس لیے وہ بلا جھجک آمد و رفت رکھتا تھا۔

حضرت رحمہ اللہ رعب و دبدبہ کے باوجود طلبہ پر تعلیم کے دوران داروگیر نہیں کرتے تھے اس لیے بہت سے طلباء سبق چھوڑ کر دیگر مشغلوں میں لگے رہتے۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب وہ استغناء برتتے ہیں تو میں ان کے پیچھے کیوں پھروں؟ اگر مجھے کبھی پیچھے پیچھے پھرنا پڑا تو طلباء کے پیچھے ایک مستحب درجہ کی تعلیم کے لیے پھرنے کے بجائے عامۃ الناس کے پیچھے تبلیغی جماعت کے ساتھ فرض درجہ کی تعلیم یعنی کلمہ نماز کے لیے پھروں گا۔

احقاق حق

حضرت رحمہ اللہ نے دینی تعلیم سے فراغت کے بعد ایک خواب دیکھا جو حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کو سنایا کہ لڑائی کا میدان گرم ہے جس میں حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں اور میرے دل میں خوف سا ہے پھر جی کڑا کر کے میدان میں اترا ہوں۔ (خواب کی تفصیل حضرت شاہ صاحب پر سوانحی مضمون میں ہے۔)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس خواب کی تعبیر میں قلم سے علمی کام کرنے کا فرمایا اور سلسلۂ سید احمد شہید رحمہ اللہ میں اجازت سے بھی نوازا۔ پھر تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اہل باطل کے لیے ایک تیغ بے نیام ثابت ہوئے۔ مداہنت اور کتمان حق سے کوسوں دور تھے۔ لیکن خوبی یہ تھی کہ اپنے قلم کو کبھی دوسرے فریق کی ایسی کی تیسی پھیرنے کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ ترتیب یہ تھی کہ دینی فکر و فلسفہ کے بارے میں کسی کو بھی اہل سنت کی راہ سے ہٹا دیکھتے تو اس کو خود جا کر

سمجھاتے، بار بار جانا پڑتا تو بار بار جاتے۔ تحریر لکھ کر سمجھانا پڑتا تو گریز نہ کرتے۔ لیکن اگر کوئی اس کے باوجود سمجھنے پر آمادہ نہ ہوتا تو اس کے فتنہ سے دوسروں کو بچانے کے لیے تحریر لکھ کر شائع کر دیتے۔ یعنی تنقید کسی شوق کو پورا کرنے کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ احقاق حق کے لیے اور امت کی خیر خواہی میں کرتے اور خود گمراہ کی بھی خیر خواہی پیش نظر ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حقائق ایسے کھول دیے تھے اور ایسا انشراح صدر نصیب فرمایا تھا کہ خالص علمی انداز میں دوسرے فریق کی اصل بات کو کھول کر اسے قرآن وسنت کا کھلا مخالف ہونا اس طرح ثابت کرتے کہ دوسرے فریق کے پاس اپنی وضاحت وصفائی میں بھی کوئی بات نہ رہتی تھی۔ دوسرے فریق میں سے کوئی اس کے باوجود مزید تحریر لکھ دیتا تو ایک منصف مزاج شخص کے لیے دوسرے فریق کے جواب کو پڑھنے کے بعد دوبارہ حضرت رحمہ اللہ کی پرانی تحریر کو پڑھ لینا ہی کافی ہوتا تھا حضرت کی سابقہ تحریر دوبارہ پڑھنے سے اسے دوسرے فریق کے فکر وفلسفہ کے قرآن وسنت کے کھلے مخالف ہونے میں کوئی تامل نہ رہتا تھا۔ کم ہی ایسا ہوا کہ دوسرے فریق نے حضرت رحمہ اللہ کی لکھی تحریر پر کوئی علمی نقد وارد کیا ہو کہ جس کے لیے حضرت رحمہ اللہ کو جواب الجواب لکھنا پڑا ہو۔

دین کے عقائد ونظریات کی حفاظت کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص خواہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو دینی فکر میں جب کجروی کا شکار ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے اغماض برتنا مداہنت کہلاتی ہے۔ لہذا اگر قریبی شخص عالم دین کی فہمائش کو اختیار کرنے کے بجائے اپنی فکر پر قائم رہے تو یہاں سے عالم دین کی بڑی آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ خاموش رہے تو دین خراب ہوتا ہے اور بولے تو تعلق خراب ہوتا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے ہمیشہ مداہنت سے اپنا دامن بچایا اور اپنے اوپر عائد ہونے والی دینی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھایا۔

انارکلی بازار کے ایک بڑے دکاندار ریاض الدین شاپنگ مال کے مالک انکار حدیث کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور ہماری خاندان و برادری میں اس موضوع سے متعلق لٹریچر پھیلانے لگے۔ حضرت رحمہ اللہ نے بار بار ان کے پاس جا کر انہیں فہمائش کی اور ان کے خلجانات کے دفعیہ کی ذمہ داری لی۔ لیکن وہ صاحب باوجود وقت طے کرنے کے اپنی دکان پر نہ آتے یا ملنے سے گریز کرتے تو حضرت رحمہ اللہ نے اس موقع پر خاندان میں دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کر کے مسئلہ سمجھایا اور اپنا کتابچہ ''قرآن کو قرآن کے کہے کے مطابق سمجھیں'' دیا، اس کے ساتھ ساتھ اپنی برادری کے ذمہ داروں کو احساس دلایا کہ ہماری برادری کی بنیاد صرف دین ہے۔ جو غیر مسلم اسلام کے سایۂ عاطفت میں آتے تھے وہ باوجود مختلف قوموں سے ہونے کے محض اسلام کی بنیاد پر ایک برادری قرار دیے گئے۔

لہذا اب اگر کسی شخص میں سرے سے دین ہی نہ رہے اور وہ دین سے باہر نکل جائے تو وہ ہماری برادری کا حصہ نہیں ہوسکتا۔ تو آپ کو چاہیے کہ برادری کے افراد کی جاری ہونے والی سالانہ فہرست سے فہیم صاحب (ریاض الدین شاپنگ

مال والے) کا نام نکالیں۔ بار بار تقاضے کے باوجود جب ذمہ داران نے فہرست سے ان کا نام نہ نکالا تو حضرت رحمہ اللہ نے کہا کہ پھر آپ میرا نام نکال دیں مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ جب میری رشتہ داری کی بنیاد دین ہو تو دین سے باہر نکل جانے والا شخص میرا رشتہ دار کہلائے۔ (افسوس کہ حضرت رحمہ اللہ کے دباؤ پر کارپردازان نے جب نئی فہرست شائع کی تو اس میں سے فہیم صاحب کا نام تو نکال دیا لیکن ساتھ ہی افراد برادری میں سے حضرت رحمہ اللہ کا نام بھی نکال دیا۔)

غایتِ احتیاط

ریٹائرمنٹ کے موقع پر حضرت رحمہ اللہ کو محکمہ کی طرف سے پنشن کی رقم ملی جس میں حکومت کی طرف سے ہر ماہ تنخواہ میں سے کی جانے والی جبری کٹوتی کے ساتھ اس پر وہ اضافہ بھی شامل تھا جو سود کے نام سے دیا جاتا ہے۔ اگرچہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس پر تفصیلی رسالہ لکھا ہے کہ ایسی کٹوتی پر ملنے والا اضافہ سود کا نام ہونے کے باوجود سود نہیں ہوتا اور اسے لینا جائز ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے اس رسالے پر دیگر اکابر کے تائیدی دستخط بھی ثبت ہیں لیکن حضرت رحمہ اللہ نے سود کے نام سے ملنے والا اضافہ ہسپتال کو واپس جمع کروا دیا تھا اور اس کی دو وجوہات بیان فرمائیں۔ اولاً یہ کہ مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کوئی اس کے باوجود نام کی وجہ سے وہ اضافہ نہ لے تو بہتر ہے۔ دوم یہ کہ ملازمت کے اوقات میں کبھی کسی کام سے باہر جانا پڑ جاتا تھا یا کبھی تاخیر ہو جاتی تھی تو یہ پیسے اس کا بدل بن جائیں گے۔

حضرت رحمہ اللہ کی ملازمت چونکہ محکمہ اوقاف میں تھی اور اوقاف کی آمدنی کا بڑا حصہ درباروں میں آنے والے چندے اور نذرانے ہیں اس لیے ملازمت کی پیش کش کے وقت حضرت رحمہ اللہ کو اس حوالہ سے دل میں کافی خلش تھی کہ کیا اس ملازمت سے حاصل ہونے والی تنخواہ حلال ہوگی یا نہیں؟ اس بابت تفصیل سے معلومات جمع کیں تو یہ بات سامنے آئی کہ اگرچہ ہسپتال محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہے لیکن کثیر تعداد میں مریضوں کے آنے اور آپریشن وغیرہ دیگر مدات میں حاصل ہونے والی فیسیں اتنی ہیں کہ ہسپتال محکمہ اوقاف سے کوئی فنڈ نہیں لیتا۔

اس دور میں حضرت رحمہ اللہ نے فقط حاصل ہونے والی معلومات پر اکتفاء کر کے از خود آمدنی کو حلال نہ سمجھا بلکہ اپنے اساتذہ کرام خاص کر حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری اور حضرت قاری عبدالرشید صاحب اور حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہم اللہ سے مکمل مشاورت کی اور ان کی تصویب کے بعد ملازمت کو اختیار فرمایا۔

اپنے معاملات میں از خود سوال اٹھانا اور جائز ناجائز کی تحقیق کرنے کا یہ وصف بھی ہمارے اکابر کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، اوروں کے بجائے اپنے اوپر نگاہ رکھنا اصل کام ہے۔ قہر درویش بر جانِ درویش۔

.....☆.....

تعلیم وتربیت

انداز اور مزاج

حضرت رحمہ اللہ نے دینی اور دنیاوی تعلیم دونوں ہی اعلیٰ درجہ کی حاصل کی تھی لیکن دونوں تعلیموں کو ایک ساتھ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ دنیاوی تعلیم کے بعد صرف دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب دینی تعلیم میں لگے تو اس وقت دینی تعلیم کے تقاضے کے پیش نظر یکسوئی اختیار کرتے ہوئے ایم بی بی ایس کے بعد اسپشلائزیشن کے لیے نام نکل آنے کے باوجود دو تعلیموں کو ایک ساتھ نہیں چلایا۔ میڈیکل کی تعلیم میں صرف ایم بی بی ایس پر اکتفاء کرنے پر حیران ہونے والوں کو فرماتے تھے کہ میں نے اسپشلائزیشن کے لیے یہ (دینی علوم کا) راستہ چنا ہے۔

اس لیے اس بارے میں حضرت رحمہ اللہ کی رائے محض حکیم (دانا) کی رائے نہیں ہے بلکہ مجرب (تجربہ کار) کی رائے بھی ہے۔ اس لیے اگر کوئی حضرت کی رائے سے اختلاف کرے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ صرف ایک دانا سے نہیں بلکہ تجربہ کار سے بھی اختلاف کر رہا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے اعلیٰ دنیاوی تعلیم ملک کے مایہ ناز تعلیمی اداروں میں حاصل کی اور اس کے بعد انہیں ملک کے اعلیٰ سرکاری ادارے (فوج) میں ملازمت ملی جہاں پر ترقی کے مواقع بھی تھے۔ لیکن ان کی نگاہ نے بھانپ لیا تھا کہ یہ سب مادیت ہے اور مادہ کے لیے جتنی بھی تگ و دو کی جائے ملتا پھر بھی مقدر کا ہے۔ اور بسا اوقات انسان کی ساری جدوجہد ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک محنت اور جان ماری روحانیت اور دینی ترقی پر ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جتنی محنت کرو گے اتنا پاؤ گے، وہاں پر محنت ضائع ہونے کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ اس لیے حضرت رحمہ اللہ نے اپنی اولاد کے لیے بھی ابتداء سے یہ دوسرا راستہ ہی اپنایا اور ان کی دینی تعلیم وتربیت پر بہت محنت وکوشش کی، دینی تعلیم اور روحانیت کو ترجیح دینے کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ ان کی دنیاوی تعلیم کی پرواہ نہیں کی۔ دینی لائن میں رہتے ہوئے ایک عالم دین کو معاشرے میں جتنی دنیاوی معلومات اور چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سب سے حضرت رحمہ اللہ باخبر تھے۔ اس لیے اپنی تمام اولاد کو (بشمول لڑکیوں کے) ضروری انگریزی زبان، ریاضی، معلوماتِ عامہ و دیگر تعلیمات دیں۔ لیکن امتحانات نہیں دلوائے۔

جوطلباء دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی جاری رکھتے تھے ان سے فرماتے تھے کہ دنیاوی تعلیم حرام نہیں ہے لیکن عموماً دونوں تعلیموں کو بیک وقت چلانے سے آدمی امتحان میں تو پاس ہو جاتا ہے لیکن نہ تو دنیاوی تعلیم میں کمال حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی دینی تعلیم میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

عصری تعلیم کے بارے میں رائے

حضرت دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والوں کو فرمایا کرتے تھے:

''اگر دنیا کی تعلیم حاصل کرنی ہے تو اس طرح سے حاصل کرو کہ تمہاری نمایاں کارکردگی سامنے آئے۔''

دینی مدارس کے وہ طلباء جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی جاری رکھتے تھے، ان پر خفگی کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دنیاوی تعلیم حاصل کرنا حرام نہیں، وہ بھی ملک وقوم کے لیے فائدے اور ضرورت کی چیز ہے لیکن تم نے جو بھی کام کرنا ہے تو اس طرح سے کرنا ہے کہ تمہارا کیا ہوا کام سامنے آئے کہ تم نے واقعی کام کیا ہے جبکہ عام طور سے جو طلباء دونوں جانبوں کو اکٹھے چلاتے ہیں، ''اس طریقے سے نہ تو ان کی دینی تعلیم کے اندر نمایاں کارکردگی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے واقعی کوئی کام کیا ہے اور نہ ہی دنیاوی تعلیم کے اندر کوئی نمایاں کارکردگی ظاہر ہوتی ہے۔'' اس بنیاد پر حضرت رحمہ اللہ دونوں تعلیمات بیک وقت حاصل کرنے کو وقت کا ضیاع سمجھتے تھے اور خاص کر دینی تعلیم میں لگے ہوئے طلباء کو بیک وقت دونوں تعلیم حاصل کرنے سے روکتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ''چونکہ معاشرے کے لیے ڈاکٹر، انجنیئر اور دیگر ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر شخص باقاعدہ آٹھ سالہ مدرسہ کی تعلیم حاصل کرے، ساتھ وہ ڈاکٹر اور انجنیئر بھی بنے بلکہ اگر کوئی ڈاکٹر اور انجنیئر بننا چاہتا ہے اور اس نے اسی فیلڈ کو اپنانا ہے اور اسی حوالے سے کام کرنا ہے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک نیک مسلمان بنے اور اس کی روزمرہ کی جو دینی ضروریات ہیں خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے یا معاملات سے یا اخلاقیات سے متعلق ہوں اس کے بارے اسے معتد بہ علم ہونا چاہیے، تاکہ وہ اپنی زندگی دین کے مطابق گذار سکے۔'' اور جو شخص دینی علوم میں مرجع بننا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دیگر مشغولیتوں سے گریز کرے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، لاہور تشریف لائے تو ہمارے گھر بھی تشریف لائے اور دونوں حضرات کے مابین کافی دیر گفتگو رہی۔ اس وقت حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کچھ عرصہ قبل ہی افغانستان کے دورے سے واپس آئے تھے، وہ طالبان کا دور تھا، طالبان کے سرکردہ رہنماؤں سے ملاقات کے بعد حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے سامنے یہ بات کھلی کہ طالبان کو دنیاوی نظام اور مملکت کا نظام چلانے کے لیے دنیاوی پیشہ وارانہ تعلیم یافتہ لوگوں کے نہ ہونے کی وجہ سے خاصی دشواری پیش آرہی ہے۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ یہ ذہن لے کر آئے کہ ہمارے مدارس کے طلباء کو ڈاکٹر، انجنیئر اور اس طرح کی مختلف فیلڈز کے اندر تعلیم حاصل کرنی چاہیے تاکہ ایک ملک کا نظام چلانے کے لیے دینی طبقے کو مشکلات پیش نہ

آئیں۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے جب یہ بات ذکر کی، تو حضرت ڈاکٹر صاحب کچھ دیر کے لیے خاموش رہے پھر انہوں نے حضرت رحمہ اللہ سے یہ عرض کیا:

''بجائے اس کے کہ مدرسہ کے طالب علموں کو ڈاکٹر، اور انجینئر بنایا جائے، ایسا کیوں نہ کرلیا جائے کہ انجینئر وں اور ڈاکٹروں کو ہی مسلمان کرلیا جائے''۔

حضرت رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ اولاً تو مدارس کے طلباء کی تعداد عوام کے اعتبار سے بہت تھوڑی ہوتی ہے، عوام کی جتنی تعداد ہے اس کے تناسب سے دینی تعلیم حاصل کرنے والے بہت کم تعداد میں ہوتے ہیں، اگر وہ طلباء صحیح طرح سے دینی تعلیم حاصل کریں اور پھر اس کے بعد کام کریں تو عوام کی دینی ضرورت پھر بھی پوری نہیں ہوسکتی، چہ جائے کہ تعداد ہی تھوڑی ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدارس میں آنے والے طلباء میں سے بھی جو پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں اور جذبے اور لگن سے پڑھتے ہیں ان کی تعداد بھی کم ہوتی ہے تو فارغ ہونے والے وہ طلباء جن سے ہم دینی علوم میں مرجع بننے کی کوئی امید وابستہ کرسکتے ہیں کہ یہ طلباء آگے چل کر کوئی نمایاں دینی کام کرسکتے ہیں تو کیا ہم انہیں بھی دنیاوی اور مادیت کی تعلیم دے کر دنیا ہی میں کھپا دیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

طالبان کی جو مشکلات تھیں ان سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اتفاق کرتے ہوئے یہ تجویز رکھی کہ جو ڈاکٹر اور انجینئر ہوں ان پر محنت کی جائے کہ وہ لوگ بھی دین کا درد رکھنے والے بنیں، ان میں بھی دین کا شعور بیدار ہو، اور وہ دین کے تقاضوں کو سمجھیں، اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوکر ایک اچھے معاشرے کی تکمیل میں اپنا نمایاں حصہ ڈالیں۔

اس بنیاد پر ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ جو کہ خود اعلیٰ دنیاوی تعلیم یافتہ شخص تھے اور انہوں نے اعلیٰ دینی تعلیم بھی حاصل کی، ان کی رائے اس حوالے سے ایک فیصلہ کن رائے ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کو بیک وقت دو تعلیمیں حاصل نہیں کرنی چاہئیں۔

ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک عالم نے ذکر کیا کہ وہ ایم بی بی ایس کررہے تھے، ایم بی بی ایس کی تکمیل کے مراحل میں تھے کہ ان کو شوق ہوا کہ وہ دینی تعلیم حاصل کریں چنانچہ انہوں نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایم بی بی ایس کو خیر باد کہہ دیا اور اس کو مکمل نہ کیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس کو بھی ناپسند کیا اور فرمایا کہ ''آپ کو چاہیے تھا کہ جب اتنی تگ ودو اور محنت کرنے کے بعد دنیاوی لحاظ سے ایک مقام پر پہنچ گئے تو آپ اسے مکمل کرلیتے''۔ آپ کی تعلیم ایک کونے پر لگ جاتی، پھر اس کے بعد آپ دینی تعلیم حاصل کرتے۔ کیونکہ کبھی بھی کسی شخص کے ساتھ حالات یکساں نہیں رہتے، ضروری نہیں کہ ایک انسان دنیاوی تعلیم کے مقابلے میں دینی تعلیم کی اہمیت سامنے رکھتے ہوئے آج قربانی دے رہا ہے تو ہمیشہ قربانی دیتا رہے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ زندگی میں اگر اس پر مسائل اور حالات آئیں تو اسے دنیاوی تعلیم چھوڑ کر دینی تعلیم میں لگنے پر افسوس ہونے لگ جائے جو کہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ نیز کسی کام کو بغیر کسی شدید مجبوری کے ادھورا

چھوڑنا بھی کوئی اچھا رویہ نہیں ہے۔ جب ایک کام شروع کیا ہے تو اسے پورا کرنا چاہیے۔

پھر پنکچر لگانا بھی سیکھو

اوپر یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ بیک وقت دو تعلیموں کو ناپسند کرتے تھے اس حوالے سے مزید دو واقعات قابل ذکر ہیں جو دینی مدارس کے طلباء کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ یہ ہے کہ مجھے شوق ہوا کہ میں کمپیوٹر خریدوں، حضرت رحمہ اللہ نے شروع سے میری ترتیب یہ رکھی تھی کہ مجھے ہاتھ میں بالکل واجبی سے پیسے دیتے تھے اور ان کا حکم یہ تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو اس کے پیسے بتا کر لے لو، حتیٰ کہ یہ بھی فرماتے تھے کہ سائیکل میں ہوا بھی بھروانی ہو تو اس کے پیسے بھی بتا کر لے لو، یوں پیسے نہیں دیتے تھے۔ تو میں نے حضرت رحمہ اللہ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے فوراً پوچھا کہ ''کیا ضرورت ہے؟'' (یہ حضرت رحمہ اللہ کا مخصوص سوال ہوتا تھا، کیونکہ حضرت رحمہ اللہ دنیاوی چیزوں کو بلاوجہ یا دنیاوی کسی بھی کام کو بلاوجہ کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔) میں نے اپنے ذہن میں پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ میں یہ عرض کروں گا کہ کام آجاتا ہے، میں کمپوزنگ سیکھنا چاہتا ہوں، کمپوزنگ کی آگے ضرورت پڑ سکتی ہے جیسا کہ دینی کتابیں بھی کمپوز ہو رہی ہیں۔

میں نے عرض کیا میں کمپوزنگ سیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے کہا کہ ''کمپوزنگ سیکھنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے عرض کیا کہ آگے چل کے کام آئی گی۔ تو حضرت نے بے ساختہ فرمایا کہ ''پھر پنکچر لگانا بھی سیکھ لو، آگے چل کے کام آئے گا''۔ (حضرت رحمہ اللہ نے کچھ عرصہ بعد کمپیوٹر دلوا بھی دیا لیکن) اس وقت ذہن کے اندر ایک بڑا عقدہ حل کر دیا کہ اگر اس بنیاد پر دنیاوی فنون کو سیکھنا ہے اور دنیاوی تعلیم کو حاصل کرنا ہے کہ آگے چل کر کام آئے گی تو ہر چیز سیکھو، اس میں یہ تفریق کرنا کیسا؟ کہ صرف ڈاکٹر بنو انجینئر کیوں نہ بنو اور دنیا کی تمام تعلیمات کیوں نہ حاصل کرو۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی زندگی میں پہلے یہ طے کرو کہ تم نے کرنا کیا ہے پھر اس کے لیے جو مفید ہے یا اس مقصد کے لیے جو معاون ہے وہ کرتے جاؤ اور جو مغائر ہے وہ چھوڑتے جاؤ بھلے وہ کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو۔ ہر مفید کام کرنا تو کوئی دانشمندی نہیں۔

توکل علی اللہ

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ ہومیو پیتھک کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے کافی چھوٹ تھی حتیٰ کہ وہ لڑکے بھی ہومیو پیتھک کی تعلیم حاصل کر سکتے تھے جن کی میٹرک کی تعلیم بھی نہ ہو۔ میرا موقوف علیہ کا سال تھا میرے مہربان دوست ڈاکٹر امجد صاحب (جو حضرت قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ کے داماد بھی ہیں) انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ بہت جلد قانون آنے لگا ہے کہ آئندہ ہومیو پیتھک کی تعلیم وہی حاصل کر سکے گا جس نے سائنس کے اندر ایف ایس سی کر رکھی ہو۔ تو تمہیں چاہیے کہ تم میرے سے اردو میں کچھ کتابیں پڑھ لو اور فوراً دو سالوں کے ہومیو پیتھی کے امتحان دے لو اور

اس کے بعد پھر تم ہومیوپیتھی کو موقوف کر دینا یا تھوڑا تھوڑا کر کے امتحان دے لینا، اس طرح تم ہومیو پیتھک کی تعلیم حاصل کر سکو گے، تا کہ دورہ اور تخصص سے فراغت کے بعد تمہیں دنیاوی اعتبار سے زیادہ مشکلات نہ ہوں اور تمہارے ہاتھ میں کوئی ہنر ہو۔ میں نے کتابیں دیکھیں، کتابیں کوئی مشکل نہیں تھیں۔ میں نے حضرت رحمہ اللہ سے اجازت مانگی، حضرت رحمہ اللہ نے دو وجوہات کی بناء پر اجازت نہیں دی۔ ایک وجہ تو پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کو پسند نہیں تھا کہ دنیا کا کوئی بھی کام یا دنیاوی تعلیم حاصل کی جائے تو اس طرح کی جائے کہ محض خانہ پری کے لیے کی جائے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی جب میں تمہاری معاش کی ذمہ داری لیے ہوئے ہوں اور میں آئندہ کے لیے بھی فکر مند ہوں تو تمہیں کیا ضرورت ہے کہ تم ابھی سے معاش کی فکر کرو۔ اور یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ جو شخص دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے معاش کے لیے اس کے پاس صرف ایک ہی ذریعہ ہو۔ دیگر ذرائع سے اس کی معاشی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں؟ یعنی اگر کوئی شخص دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے تو کیا اس کے لیے صرف یہی ذریعہ رہ گیا کہ کل کو کوئی سرکاری ملازمت ملے گی تو اس کی معاشی ضروریات پوری ہوں گی کسی اور طریقہ سے پوری نہیں ہوں گی۔ یا اس کی گذر اوقات کسی کاروبار سے ہی ہوگی؟ کسی اور طریقے سے نہیں ہو سکتی؟ جب اس شخص نے آج تک اللہ پر توکل کیا ہے تو اسے آئندہ بھی اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔ اگر کسی کے والدین اس کی موجودہ ضروریات کی ذمہ داری لے کر اس کو دینی تعلیم دلوا رہے ہوں تو اس شخص کو توکل چھوڑنا نہیں چاہیے اور اس کے والدین کو بھی چاہیے کہ وہ ایسا کام ڈھونڈیں کہ جس میں بچے کو دینی تعلیم دلوانے میں ان کے خرچ کیے ہوئے پیسے اور وقت کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو سکے اور ان کے بچے کی آئندہ کی معاشی ضروریات بھی احسن طریقے سے پوری ہو سکیں۔

تادیب وتنبیہ

تعلیم کے دوران مار پیٹ میں حضرت رحمہ اللہ صرف تادیب کے قائل تھے جبکہ ضرب شدید نہ ہو اور وہ بھی اس وقت کہ جب بچہ نابالغ ہو۔ ورنہ حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ عالم بننا کونسا فرض ہے کہ جس کے لیے مارا جائے۔ اس لیے بندہ کے علاوہ شاید ہی کوئی طالب علم ہو جس نے حضرت رحمہ اللہ سے مار کھائی ہو۔

بندہ کی حفظ کے زمانے میں حضرت رحمہ اللہ کے ہاتھوں بہت شامت آئی ہے لیکن کبھی تکلیف، نیل پڑنا وغیرہ یاد نہیں ہے حضرت رحمہ اللہ کی مار کی آواز زیادہ ہوتی تھی جس سے رعب طاری ہوتا تھا لیکن تکلیف نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ پٹائی کے دوران حضرت رحمہ اللہ میری کمر پر دھپہ لگانا چاہ رہے تھے جو میرے ہٹ جانے کی وجہ سے بجائے کمر کے کوکھ میں آ لگا، درد تو کوئی خاص نہ تھا لیکن غیر ارادی طور پر میری آہ ایک دم زیادہ زور سے نکل گئی۔ حضرت رحمہ اللہ نے فوراً میری کوکھ سہلانی شروع کر دی اور ساتھ میں مسلسل ''ائے ہئے، ائے ہئے'' کہے جاتے تھے اور ان کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ ان کے اس طرح پریشان ہونے کی وجہ سے آئندہ میری کوشش ہوتی تھی کہ مار کے دوران حضرت کا نشانہ خطاء جائے کچھ عرصہ بعد میں اس میں کامیاب بھی ہو گیا، پھر دوبارہ وہی معاملہ پیش آیا، اس بار میری جزع فزع بھی جان بوجھ کر زیادہ تھی۔ اس

کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے مارنا کم کر دیا تھا۔

گھر کی تعلیم کا اہتمام

تعلیم کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے مرض وفات میں کچھ ہدایات دیں، جن کے اوپر حضرت رحمہ اللہ نے مکرر تاکید کی۔ ان میں سے ایک ہدایت حضرت رحمہ اللہ نے مرض وفات سے قبل کی تھی لیکن مرض وفات میں اس کا داعیہ شدید تھا وہ یہ تھی کہ گھر میں بچوں کے لیے اپنی تعلیم وتربیت کا حلقہ لگاؤ، اس میں ان کے مناسب حال کوئی نہ کوئی کتاب پڑھو چاہے وہ ''فہم دین کورس'' میں سے ہو، فضائل اعمال ہو یا کوئی اور کتاب ہو جس سے بچوں کے اندر دین کا شوق اور جذبہ بیدار ہو، اور اس کا خوب اہتمام کرو۔ حضرت رحمہ اللہ اس حوالے سے وقتاً فوقتاً مجھ سے پوچھتے بھی رہتے تھے کہ تعلیم کر رہے ہو یا نہیں؟

بچوں کو خود تعلیم دو

دوسری اہم بات حضرت رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمائی کہ آئندہ اگر چاہتے ہو کہ تمہارے بچے کوئی تعلیم حاصل کریں تو تم کسی پر انحصار نہیں کر سکتے، جو بھی تعلیم دینی ہے وہ سمجھو کہ تمہیں خود ہی دینی پڑے گی کسی کے اوپر چھوڑ دو کہ وہ کرا دے گا (یعنی کسی سکول میں داخل کرا دیا، یا کسی مدرسے میں داخل کرا دیا) پھر بے فکر ہو جاؤ، اب ایسا نہیں ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس بات پر بہت زور دیا کہ آئندہ اپنے بچوں کے لیے تعلیم کا خود بندوبست کرو۔ شاید حضرت رحمہ اللہ کے پیش نظر یہ ہو کہ مخلص، محنتی اور سلیقہ مند مدرس حضرات عنقاء ہوتے جا رہے ہیں۔

اخلاقیات میں سختی کرو

بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے حوالے سے یہ بھی بات فرمایا کرتے تھے کہ ان سے پوچھ گچھ کرو، یعنی ان سے بار بار پوچھو، ان کو جو تعلیم دلا رہے ہو اس کے بارے میں پوچھو، اس کے ساتھ ساتھ حضرت رحمہ اللہ نے ایک نکتہ کی بات یہ بھی فرمائی کہ جب بچوں کی داروگیر کرنی ہو تو بدتمیزی کو برداشت نہ کرو لیکن پڑھائی پر داروگیر نہ کرو، وہ نہیں پڑھتے، کمی دکھاتے ہیں تو اس پر ہرگز کوئی پکڑ نہ کرو ان کو چھوڑ دو۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ نے کافی زور دیا کہ بدتمیزی کی بالکل اجازت نہ دو اور اس پر ان کی سخت داروگیر کرو، باقی کسی بات پر خصوصاً نہ پڑھنے پر، چھٹی کرنے پر، تاخیر کرنے پر کچھ نہ کہو۔

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی سندِ حدیث

مولوی محمد معاذ لاہوری
فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

علوم شریعت کے اندر بالعموم اور علم حدیث میں بالخصوص ''علم الاسناد'' کو جو اہمیت حاصل ہے وہ دینی علوم سے واقف کار پر مخفی نہیں۔ ''مقدمہ مسلم'' میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اس امر کو خوب واضح فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کے زمانے میں سند کا خاص شیوع تھا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی سند کو ''طوبیٰ کا درخت'' قرار دیا جاتا تھا۔ (علماء مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات: ۱/۱۷۱)

برصغیر پاک و ہند میں جتنی بھی ہندی سندیں رائج ہیں ان میں مدار الاسناد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ہی ہیں۔ اس لیے عموماً اساتذہ درس میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تک ہی سند بیان فرماتے ہیں۔

پیش نظر مضمون میں ہم اپنے بزرگ مکرم و محترم حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی سند حدیث اور ان کے اساتذہ کی اسناد حدیث کو قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ اس ذکر سند میں بہت سی نئی باتیں بھی قارئین کے سامنے آئیں گی، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ راقم کو ذکر سند میں اس قراءتی تسلسل کو تلاش کرتے ہوئے کس قدر محنت اور تحقیق سے گذرنا پڑا۔

پیدائش اور خاندان:

ترجمان اہل حق، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ/ یکم جنوری ۱۹۵۰ء بروز پیر کراچی میں ہوئی۔ آپ کا خاندانی تعلق دلّی کی پنجابی برادری سے تھا۔ اس برادری کے لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ''شمسی'' کی نسبت لگاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ''ہمارے اجداد نے ملتان کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شاہ شمس سبزواری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔'' (دلّی کی برادریاں: ۱۰۶)

اس برادری کا تعارف کرواتے ہوئے حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی رحمہ اللہ ''دلّی کی برادریاں: ۱۰۶'' میں رقم طراز ہیں:

''پنجابی برادری ہندوستان کی وہ مسلم برادری ہے جس کی ایثار پسندی سے ملک کے بڑے بڑے دینی اور رفاہی

ادارے چل رہے ہیں۔''

یہ بات مدنظر رہے کہ اس برادری کو لاہور اور کراچی میں اب ''جمعیۃ پنجابی سوداگران'' کہا جاتا ہے اور یہ برادری اب بھی دینی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر کردار ادا کر رہی ہے۔ **اللھم زد فزد**

تعلیم وتربیت:

سکول سے فراغت کے بعد آپ نے میڈیکل کی تعلیم کے لیے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ اسی دوران آپ رحمہ اللہ نے قرآن مجید حفظ مکمل کیا اور ۱۹۷۴ء میں میڈیکل کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد آپ ملک کے مشہور دینی ادارہ جامعہ مدنیہ کریم پارک میں درس نظامی کی غرض سے تشریف لائے۔ یہ زمانہ جامعہ مدنیہ کا انتہائی بابرکت زمانہ تھا۔ جامعہ میں اس وقت ایسے اساتذہ موجود تھے جو براہ راست مرکز علوم اسلامیہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ مثلاً بانی جامعہ مدنیہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب سواتی، [حضرت مولانا شریف اللہ صاحب اگرچہ فاضل مدرسہ عالیہ رام پور کے تھے اور مولانا منور علی رام پوری سے حدیث پڑھی تھی، لیکن دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند سے بھی اجازت حدیث حاصل کی تھی] حضرت مولانا کریم اللہ صاحب دامانی، حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری، حضرت مولانا امیر زاہد مرزا گل بونیری (فاضل مدرسہ عربیہ عزیزیہ امداد الاسلام میرٹھ) اور ان اساتذہ کے تربیت یافتہ حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب سیتاپوری رحمہم اللہ، ونور اللہ مراقدہم۔

جامعہ مدنیہ کے اس بابرکت ماحول میں ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں آپ نے دورۂ حدیث شریف کیا۔ وفاق المدارس العربیہ کا امتحان آپ نے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں دیا۔ وفاق میں اس زمانے میں تین درجے تھے: علیاء، وسطیٰ اور ادنیٰ۔ آپ نے درجہ عالیہ میں کامیابی حاصل کی اور درج ذیل نمبر حاصل کیے:

بخاری:	۴۰	مسلم:	۹۰	ترمذی:	۵۰
ابوداؤد:	۵۸	سنتین مع الشمائل:	۶۲	موطائین، طحاوی:	۶۵

کل نمبر: ۳۶۵

(بشکریہ: (ریکارڈ روم) جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور)

یوں تو آپ پڑھائی کے دوران تمام ہی اساتذہ کے منظور نظر تھے لیکن آپ رحمہ اللہ کی خصوصی تربیت فخر اہل سنت حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب سیتاپوری اور حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری رحمہما اللہ نے کی۔ اس لیے آپ کے فتاویٰ میں ان حضرات کی تربیت کا خاص رنگ تھا۔

تدریس وفتویٰ نویسی:

تخصص کے بعد جامعہ مدنیہ میں تدریس کے لیے آپ کا انتخاب بانی جامعہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ

اللہ نے کیا، جہاں آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کی مشق اپنے مشفق استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالحمید سیتاپوری رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ حضرت مفتی عبدالحمید صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے ہوئے کچھ ہی عرصہ بعد دارالافتاء حضرت ہی کے حوالے فرمادیا۔

اساتذۂ حدیث:

جامعہ مدنیہ میں درج ذیل حضرات سے آپ رحمہ اللہ نے حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں:

- شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ: بخاری شریف
- استاذ الحدیث حضرت مولانا کریم اللہ صاحب دامانیؒ: ترمذی شریف جلد اول
- حضرت مولانا مفتی عبدالحمید سیتاپوری رحمہ اللہ: مسلم شریف
- حضرت مولانا امیر زاہد مرزا گل بونیری رحمہ اللہ: ترمذی شریف جلد ثانی مع الشمائل
- حضرت مولانا ظہور الحق صاحب دامانی مدظلہ: ابوداؤد شریف

جامعہ مدنیہ میں آپ کا دورہ حدیث شریف میں سبق ۸۹-۱۹۹۰ء سے شروع ہوا، جبکہ ابھی آپ کو تدریس کرتے پانچ چھ سال سے زیادہ کا عرصہ نہ گذرا تھا۔ اس سال دورۂ حدیث شریف کی اہم کتاب ''ابوداؤد شریف'' آپ کے زیر درس رہی جو مسلسل ۱۹۹۸ء تک رہی۔ ۱۹۹۹ء میں آپ نے ''ترمذی شریف'' جلد اول پڑھائی اور ۲۰۰۰ء میں ''مسلم شریف'' اس کے بعد ۲۰۰۶ء تک ''ترمذی شریف'' جلد اول زیر درس رہی۔ اس میں صرف ۲۰۰۵ء والے سال آپ نے چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر دورۂ حدیث شریف کا سبق نہ پڑھایا۔

دارالتقویٰ سے تعلق:

۲۰۰۶ء کے بعد آپ کا تدریسی تعلق جامعہ مدنیہ سے مکمل طور پر ختم ہوکر جامعہ دارالتقویٰ الہلال مسجد سے مستقل طور پر قائم ہوگیا۔ جامعہ دارالتقویٰ میں آپ رحمہ اللہ نے رئیس دارالافتاء کی حیثیت سے جو کہ ۲۰۰۴ء کی ابتداء سے جاری تھا کام شروع کیا اور اس دارالافتاء کو اپنی دن رات کی محنت سے ملک عزیز کے نامور دارالافتاؤں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ راقم نے اپنے تعارف میں جب جامعہ مدنیہ کا تذکرہ کیا تو سندھ سے تعلق رکھنے والے ایک مفتی صاحب کہنے لگے آپ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب کو بھی جانتے ہیں؟ بندہ نے عرض کیا بالکل، پھر وہ حضرت مفتی صاحب کے تفقہ کا تذکرہ کر کے کہنے لگے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں کہ ملک بھر میں کہیں سے بھی ہم پر اعتراض ہو تو ہم اس اعتراض کو اتنا وزنی نہیں سمجھتے لیکن جب حضرت مفتی عبدالواحد صاحب کی طرف سے اعتراض ہوتا ہے تو اس کے جواب کے لیے کافی سوچ وبچار سے کام لینا پڑتا ہے۔

جامعہ دارالتقویٰ میں تخصص کے اسباق (''حجۃ اللہ''، ''موافقات شاطبی''، ''مسلم الثبوت'' اور ''اصول بزدوی'') کے ساتھ ساتھ جب دورہ حدیث شروع ہوا تو اس وقت سے لے کر ۱۴۳۹ھ تک برابر ''مسلم شریف'' جلد اول آپ کے زیر درس رہی۔ گذشتہ سال بھی آپ نے ''مقدمۂ مسلم'' ختم کروادیا تھا لیکن اس کے بعد علالت اس قدر بڑھی کہ آپ پھر تدریس کے لیے مدرسہ تشریف نہ لا سکے۔

ایک طویل علالت کے بعد ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ/ ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ دوپہر کو آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے تیار کردہ مفتی حضرات کی جماعت کی نگرانی میں آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور رات سوا گیارہ بجے گلشن راوی کے وسیع و عریض فٹ بال گراؤنڈ میں آپ کے محبین اور تلامذہ کی جماعت اور عوام کے ایک جم غفیر نے آپ کے صاحبزادے مولانا مفتی عبداللہ صاحب زید مجدھم کی امامت میں جنازہ کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قبرستان میانی صاحب میں حضرت غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ کے نزدیک احاطہ ''سرکی بنداں'' میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمه الله رحمةً و اسعةً

ذیل میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے اساتذہ حدیث شریف کی اسناد ذکر کی جاتی ہیں۔

﴿سند بخاری﴾

مفتی عبدالواحد عن مولانا سید حامد میاں عن شیخ العرب و العجم مولانا سید حسین احمد المدنی عن زعیم الملت مولانا محمود حسن دیوبندی عن حجة الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی عن مولانا شاہ عبدالغنی مجددی عن مولانا شاہ محمد اسحاق دهلوی عن شاہ عبدالعزیز دهلوی عن مولانا شاہ ولی الله.

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ

آپ کی ولادت ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ/ ۲ دسمبر ۱۹۲۷ء میں مشہور عالم دین، مؤرخ ملت حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے یہاں ہوئی، تاریخی نام ''سعید احمد'' ہے۔ مختلف مدارس سے تعلیم حاصل کی جس میں مدرسہ شاہی مراد آباد سرفہرست ہے۔ تکمیل علوم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ آپ رحمہ اللہ کے حدیث کے اساتذہ کی تفصیل یہ ہے:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ: بخاری شریف، ترمذی اول
شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی رحمہ اللہ: ترمذی شریف ثانی مع شمائل، ابوداؤد شریف
امام المعقولات مولانا ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ: مسلم شریف، طحاوی شریف
مولانا فخر الحسن صاحب رحمہ اللہ: نسائی شریف، موطا امام مالک

مولانا عبدالشکور صاحب عثمانی رحمہ اللہ اور قاری طیب صاحب قاسمی: ابن ماجہ

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی: موطا امام محمد

[محدث کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ از مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ: ص: ۷، ۸، سیرت وشخصیت مولانا سالم قاسمی: ۱۲۴]

آپ نے ۱۹۶۵ء تا ۱۹۸۸ء بائیس تئیس سال جامعہ مدنیہ میں بخاری شریف پڑھائی۔ ۲ مارچ ۱۹۸۸ء/ ۱۳ رجب ۱۴۰۸ھ کو بعارضہ قلب لاہور میں انتقال ہوا۔ قبرستان میانی میں تدفین ہوئی۔ جنازہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ نے پڑھایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی پہلی بیعت اور اصلاحی تعلق بھی حضرت ہی سے تھا، انتقال کے بعد حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے رجوع کیا۔

﴿سنداابوداؤدشریف﴾

مفتی عبدالواحد عن مولانا ظهور الحق عن مولانا عبدالحق اكوڑوی عن مولانا سيد ميان اصغر حسين ديوبندی عن زعيم الملت مولانا محمود حسن ديوبندی عن حجة الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی عن محشی بخاری مولانا احمد علی سهارنپوری عن شاه محمد اسحاق عن شاه عبدالعزيز عن شاه ولی الله.

مولانا ظہورالحق صاحب دامانی دامت برکاتہم

آپ کی ولادت ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں علاقہ چھچھ کے گاؤں دامان میں مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالدیان صاحب دامانی رحمہ اللہ کے ہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب کی زیرنگرانی حاصل کی۔ اسی دوران آپ کے چچا دینی علوم کی تکمیل کے لیے ہندوستان گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ گئے اور مدرسہ امدادالاسلام صدر بازار میرٹھ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ چچا کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد گاؤں واپس آئے اور ''جلالین شریف'' اپنے والد گرامی مفتی عبدالدیان صاحب سے پڑھی جو مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی (تلمیذ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ) کے شاگرد تھے۔

۱۹۴۶ء۔ ۱۹۴۷ء موقوف علیہ کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ''مشکوٰۃ اول'' قاری طیب صاحب قاسمی رحمہ اللہ سے، اور حصہ دوم مولانا عبدالشکور صاحب عثمانی سے پڑھیں۔

دیوبند میں آپ کا قیام دارالحدیث کے ساتھ والے کمرے میں تھا، آپ فرماتے ہیں کہ رات کو جب حضرت مدنی رحمہ اللہ ''بخاری شریف'' پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تو میں خاموشی سے سبق میں بیٹھ جاتا اور جب سبق ختم ہوتا تو اٹھ جاتا۔ یوں سارا سال آپ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درس بخاری میں شرکت کی اور ''بخاری'' کا سماع کیا۔

آپ کا ''مشکوٰۃ شریف'' جلد اول کے سبق کا ایک واقعہ استاذ محترم مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم نے سنایا، ناچیز

نے آپ سے سنانے کا عرض کیا تو بہت مسکرائے اور واقعہ سنایا کہ ہم کانگریسی لوگ تھے اور کانگریسی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ قاری طیب صاحب نے ''مشکوٰۃ'' کے سبق میں دیکھا تو فرمایا: ''شاہِ کج کلاں ٹوپی سیدھی کیجیے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں سبق میں اس قدر منہمک تھا کہ اندازہ نہ ہوا کہ میں مخاطب ہوں، ساتھیوں نے توجہ دلائی تو آپ نے ٹوپی سیدھی کی۔ فرمانے لگے کہ جب دوبارہ لمبے عرصہ بعد قاری صاحب سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے دربار کا وہی ''شاہِ کج کلاں'' ہوں، تو فرمانے لگے کہ اب تو شاہی ہی رہ گئی۔

دورہ حدیث یہیں کرنے کا ارادہ تھا لیکن رمضان کی چھٹیوں میں ملک تقسیم ہوگیا جس کی وجہ سے دورہ حدیث آپ نے ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے کیا۔ آپ ان طلبہ میں سے ہیں جن پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی گئی [سوانح وافکار علماء چھچھ: ص: ۲۷ تا ۳۲، (انٹرویو)] آپ کے دورہ کے اساتذہ کی تفصیل یہ ہے:

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑوی: بخاری، ترمذی، ابوداؤد۔

حضرت مولانا عبدالحلیم زروبئ (صدر صاحب): مسلم، نسائی، ابن ماجہ

[معلومات از مولانا کفایت اللہ بخاری مدظلہم]

الحمدللہ آپ کی ساری زندگی دینی خدمات سے عبارت ہے، جامعہ مدنیہ میں تقریباً پچیس سال احادیث مبارکہ کا درس دیا جس میں ''ابوداؤد'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپ ابھی بقید حیات ہیں، پیرانہ سالی کے باوجود مہمانوں کا استقبال خود فرماتے ہیں۔ بندہ ناچیز کو بھی آپ کے مکان پر آپ کی زیارت اور تلمذی کا شرف حاصل ہے، اس ملاقات کی مٹھاس اب تک نہیں بھولا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر باقی رکھے۔ آمین

﴿سند ترمذی شریف﴾

مفتی عبدالواحد عن مولانا کریم اللہ دامانی عن مولانا سید حسین احمد مدنی عن زعیم الملت مولانا محمود حسن دیوبندی عن حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی عن مولانا شاہ عبدالغنی مجددی عن شاہ ابو سعید مجددی عن مولانا شاہ عبدالعزیز الدھلوی عن مولانا شاہ ولی اللہ الدھلوی ..... الخ

حضرت مولانا کریم اللہ صاحب دامانی

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام حنیف اللہ تھا۔ آپ کا آبائی علاقہ چھچھ کا مشہور گاؤں دامان ہے۔ چھچھ کا علاقہ باتفاق مؤرخین پاکستان کا بخاریٰ ہے۔ [شیخ الحدیث والتفسیر مولانا نصیرالدین غورغشتوی رحمہ اللہ: ۲۷]

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی اس کے بعد آپ لاہور، گجرات اور دیگر مقامات پر متوسطات کی تعلیم میں

مصروف رہے [تذکرہ علماء چھچھ نذیر رانجھا: ۲۴۷] ۔اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مرکز علوم ومعارف دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ آپ کی سند پر تاریخ داخلہ ۱۰ شوال المکرّم ۱۳۵۳ھ لکھی ہوئی ہے۔ یہاں آپ نے علوم کی تکمیل کی اور تین سال بعد ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی [درسی تقریر بخاری شریف]۔تاریخ اجراء سند پر پیر ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ رقم ہے [سند دارالعلوم]۔

آپ نے زمانہ طالب علمی میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ''بخاری'' اور ''ترمذی'' کی تقریر قلم بند فرمائی تھی، جو آپ کے صاحبزادے مولانا امان اللہ صاحب زید مجدہم (استاذ حدیث جامعہ مدنیہ جدید، لاہور) کے پاس محفوظ ہے۔

دورۂ حدیث کے اساتذہ کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی، جس قدر معلوم ہوئی اور جو اسباق اس زمانہ میں مشہور تھے وہ لکھے جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ: بخاری، ترمذی

مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ: ابوداؤد، نسائی

مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ: مسلم شریف، ابن ماجہ

مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی رحمہ اللہ: شمائل ترمذی،

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ: موطائین

مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ: مشکوٰۃ شریف

اس کے علاوہ آپ کی سند پر مولانا اعزاز علی، قاری طیب صاحب، مفتی شفیع صاحب، مولانا شمس الحق افغانی صاحب اور دیگر اہل علم کے دستخط ہیں۔

جامعہ مدنیہ میں جب سے دورۂ حدیث کی ابتداء ہوئی، آپ کے ذمہ ''مسلم شریف'' کا سبق تھا۔ ۸۰۔۱۹۸۱ء میں (جو استاذ محترم مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم کے دورۂ حدیث کا سال ہے) آپ نے ''ترمذی شریف'' جلد اول مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ سے بدل کر ان کو ''مسلم شریف'' دے دی۔ پھر وفات تک آپ ''ترمذی شریف'' جلد اول پڑھاتے رہے۔ آپ کا انتقال ۱۰ ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء کو عیدالاضحیٰ کی رات ہوا۔ اور دامان کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی [تذکرہ علماء چھچھ]۔ راقم آثم اپنی دامان حاضری (۵ شوال ۱۴۴۰ھ) کے موقع پر آپ کی قبر پر مولانا کفایت بخاری زید مجدہم کی معیت میں حاضر ہوا۔

﴿سند مسلم شریف﴾

مفتی عبدالواحد عن مولانا مفتی عبدالحمید سیتاپوری عن جامع المعقول و المنقول مولانا علامہ ابراھیم بلیاوی عن مولانا حکیم محمد حسن (شقیق شیخ الھند) عن مولانا

یعقوب نانوتوی عن حجة الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی عن مولانا شاہ عبدالغنی مجددی عن ابیه مولانا الشاه ابی سعید صفی القدر مجددی عن مولانا شاہ رفیع الدین الدهلوی عن سراج الهند مولانا شاه عبدالعزیز الدهلوی عن ابیه مولانا شاه ولی الله الدهلوی رحمهم الله.

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید سیتاپوری رحمہ اللہ

آپ کی ولادت ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء ضلع سیتاپور تحصیل بسواں قصبہ سبدل میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قصبہ کے ہائی سکول سے حاصل کی، اس کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف مقامات جن میں رام پور اور ٹونک شامل ہیں تحصیل فنون کی۔ ۱۹۴۱ء میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۶۱۔۱۳۶۲ھ/ ۴۲۔۱۹۴۳ء میں دورۂ حدیث کیا۔ آپ کے دورۂ حدیث کے اساتذہ کی تفصیل ''حیات نافع'' مؤلفہ ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ کے حوالہ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے:

شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی: بخاری شریف، ترمذی شریف مع شمائل
حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی: نسائی شریف
حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ: مسلم شریف
حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی: موطا امام محمد
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب: موطا امام مالک، طحاوی
حضرت مولانا بشیر احمد صاحب گلاؤٹھی: ابوداؤد
حضرت مولانا سید عبدالحق نافع گل: ابن ماجہ [حیات نافع: ۶۰]
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب: مشکوٰۃ شریف (اول)
حضرت مولانا سید مبارک علی نگینوی: مشکوٰۃ شریف (دوم)

آپ فراغت کے بعد گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور اوکاڑہ میں مختلف سالوں میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ لاہور جامعہ مدنیہ تشریف لائے۔ جامعہ مدنیہ میں آپ کے ذمہ اسباق کے ساتھ ساتھ نظامت تعلیم اور دارالافتاء کی ذمہ داریاں بھی لگیں۔ جامعہ میں دورۂ حدیث شروع ہوا تو آپ کے ذمہ ''ترمذی شریف'' جلد اول کا سبق لگا جو ۷۹۔۱۹۸۰ء تک رہا۔ ۸۰۔۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا کریم اللہ صاحب دامانی رحمہ اللہ نے آپ سے ''ترمذی شریف'' کے سبق کا ''مسلم شریف'' سے تبادلہ کرلیا، جو آپ نے چار پانچ سال پڑھائی۔ دو تین سال آپ نے ''ابوداؤد شریف'' بھی پڑھائی۔ بانی جامعہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد آپ کے ذمہ ''بخاری شریف'' کا سبق

لگا۔ جو تقریباً ۱۹۹۹ء تک رہا۔ آخر کے دو تین سالوں میں استاذ محترم شیخ الحدیث مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم بھی ''بخاری شریف'' میں شریک کار رہے۔

۱۹۹۹ء کے بعد آپ گھر پر ہی بیماری کی وجہ سے قیام فرما رہے اور پڑھائی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ بیماری کے انہی ایام میں راقم کو کئی مرتبہ آپ کی زیارت اور دست بوسی کا شرف حاصل ہوا، فللہ الحمد ولہ الشکر

۲۶ صفر ۱۴۲۲ھ/ ۱۷، اپریل ۲۰۰۱ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ ایک جم غفیر نے حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کی امامت میں عیدگاہ بہاولپور روڈ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی، اور قبرستان میانی صاحب میں آپ کے جوان صاحبزادے فخر اہل سنت حضرت قاری عبدالرشید صاحب کے سرہانے مائل بہ مشرق تدفین عمل میں لائی گئی۔ رحمه الله رحمةً واسعةً

﴿سند ترمذی شریف (جلد ثانی)﴾

مفتی عبدالواحد عن مولانا امیر زاهد مرزا گل بونیری عن الشیخ عبدالرحمن الهزاروی عن الشیخ انور شاه کشمیری عن الشیخ المحدث محمود حسن الدیوبندی عن الشیخ حجة الاسلام و المسلمین محمد قاسم النانوتوی عن الشیخ عبدالغنی المجددی عن الشیخ صفی القدر ابی سعید المجددی عن الشیخ عبدالعزیز الدهلوی عن الشیخ و مسند الهند الشاه ولی الله احمد الدهلوی رحمهم الله تعالیٰ علیهم اجمعین

حضرت مولانا امیر زاہد مرزا گل صاحب بونیری رحمہ اللہ

آپ کی ولادت ۱۹۲۰ء میں ضلع بونیر پرستالائی بمقام زنگیا میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا فضل محمود صاحب اپنی علمیت کی وجہ سے علاقے میں ایک مقام رکھتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم علاقے میں دیگر علماء سے حاصل کی اور ''شرح جامی'' تک پہنچنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کا رُخ کیا۔ [انوار مدینہ: ج:۷، ش:۱، ص:۳۴]۔ یہاں آپ نے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دیوبند بھی جانا ہوا لیکن موسم کی ناموافقت کی وجہ سے آپ وہاں اپنا تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور میرٹھ میں مدرسہ عربیہ عزیزیہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ تشریف لے گئے۔ آپ کی سند پر آپ کی مدرسہ امداد الاسلام میں داخلہ کی تاریخ یوں درج ہے:

قد دخل هذه المدرسة العربية الاسلامية الحنفية العزيزية الشهيرة بالآفاق بامداد الاسلام الواقع فی صدر میرٹھ ..... فی خمس عشر من شوال المكرم المعظم سنة ستين الالف بعد و ثلاثمائة من الهجرة النبوية. [سند جاری کردہ مدرسہ امداد

الاسلام صدر بازار میرٹھ]

گویا آپ اس مدرسہ میں ۱۵ شوال ۱۳۶۰ھ کو داخل ہوئے۔ اس تفصیل سے مقصود اس تسامح کو دور کرنا ہے جو مکرمی مولانا محمد عرفان صاحب زید لطفہ کے مضمون مشمولہ ماہنامہ ''انوار مدینہ، ج: ۷، ش: ۱، ص: ۳۵'' پر درج ہے کہ آپ کی فراغت مدرسہ امینیہ دہلی سے ہوئی۔ یہاں آپ نے پانچ سال تعلیم حاصل کی اور دورۂ حدیث مکمل کیا۔ سند پر تاریخ فراغت یہ لکھی ہوئی ہے:

و کان ذلک فی عشرین من الشعبان المعظم سنة خمسة و ستین بعد الالف و ثلاثمائة. [ایضاً]

اس سند پر جو آپ کے بارے میں رائے درج ہے وہ کچھ یوں ہے:

و هو عندنا سلیم الطبع جید الفهم ..... مناسبة العلوم کلها یقتدر بها علی الافادة و التدریس بعون الله تعالیٰ و توفیقه. [ایضاً]

جو دستخط آپ کی سند پر پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ مولانا طاہر حسین صاحب مدرس، ۲۔ مولانا نور حسن صاحب، ۳۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی صدر مدرس۔ اس کے علاوہ پانچ چھ اور دستخط ہیں جو پڑھے نہیں جا رہے۔

فراغت کے بعد آپ اسی مدرسہ میں ۱۹۵۲ء تک مدرس رہے۔ اس کے بعد سندھ پیر جھنڈا میں ایک سال پڑھایا۔ اس کے بعد گاؤں ہی میں ایک سکول میں پڑھاتے رہے۔ سکول چھوڑنے کے بعد آپ لاہور جامعہ نعیمیہ میں ایک سال مدرس رہے۔ اس کے بعد پنڈی مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار میں مدرس رہے۔ یہاں سے کچھ اختلافات کی بنیاد پر آپ واپس آ گئے۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اس کے بعد بہت اصرار کیا کہ دوبارہ چلیں اور مشاہرہ اڑھائی سو سے پانچ سو تک کی پیش کش کی لیکن آپ نہ مانے۔ اس کے بعد آپ جامعہ مدنیہ تشریف لے آئے۔ یہاں زیادہ تر آپ نے فنون پڑھائے۔ اخیر زمانہ میں ''ترمذی شریف'' جلد ثانی کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے اس کے بعد بالکل اخیر زمانہ میں ''مسلم شریف'' بھی پڑھائی۔

اوصاف: آپ طلبہ پر بہت شفیق تھے۔ سبق اور تکرار کے علاوہ بھی اگر طلبہ آپ کے مکان پر کچھ پوچھنے جاتے تو بلا جھجک از اول تا آخر سمجھا کر چھوڑتے۔ اسی طرح پیرانہ سالی کے باوجود اپنے گھر کا سامان خود لے کر آتے، اگر راستہ میں طلبہ عرض کرتے کہ حضرت ہم لے آتے ہیں تو فرماتے: مولوی صاحب اگر میری مرضی کا نہ لائے تو پھر بھی مجھے ہی جانا پڑے گا اس لیے ابھی بھی مجھے جانے دو۔ مدرسے کی طرف سے آپ کو دی گئی رہائش مسلسل بارشوں کی وجہ سے جب قابل مرمت ہوئی تو بانی جامعہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے عرض کی کہ حضرت تعمیر و مرمت کی اجازت دیدیں لیکن آپ نے فرمایا کہ ہمارے اسلاف اسی طرح کے کچے مکانوں میں رہے ہیں مجھے بھی انہی میں رہنے دیا

جائے۔ پھر سالانہ تعطیلات کے دوران مہتمم صاحب نے آپ کے صاحبزادے محترم حافظ بلیغ الرحمٰن صاحب سے آپ کی عدم موجودگی میں بغرض مرمت چابی لی تو معلوم ہونے پر آپ صاحبزادے پر تو برانگیختہ ہوئے ہی ساتھ ہی بذریعہ خط حضرت مہتمم صاحب کو منع فرمادیا کہ تعمیر ہرگز نہ کی جائے۔

اخیر سالوں میں آپ بیمار ہوئے تو مدرسہ آمد ترک کر دی اور گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں آپ کا علاج سوات، پشاور، وغیرہ بڑے ہسپتالوں میں چلتا رہا لیکن تقدیر کا فیصلہ آچکا تھا چنانچہ آپ ۱۱، ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ/ ۱۸، اگست ۱۹۸۶ء کو دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔

[ملخص انوار مدینہ، ج:۷، ش:۱، ص:۳۲۔ ش:۲، ص:۳۸]

.....☆☆☆.....

تلک آثارنا تَدُلّ علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

علمی خدمات

تصنیفات وتالیفات

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے علم کے حاصلات کو امت کے سامنے پیش کرنے کے لیے جہاں تدریس کو اپنا مشغلہ بنا کر افراد سازی فرمائی وہیں قلم کے ذریعے بھی یہ امانت امت تک منتقل فرمائی۔ حضرت رحمہ اللہ کا قلم سے یہ رشتہ ایسا استوار تھا کہ جب تک بیماری نے ناتواں کر کے بستر سے نہیں لگایا قلم وقرطاس ہاتھ سے نہیں چھوٹے۔ حضرت رحمہ اللہ کے قلم سے پچاس کے قریب تالیفات وجود میں آئیں۔ جن کے صفحات ایک اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار کے قریب بنتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کی تحریر میں اطناب اور تفصیل نہ ہوتی تھی بلکہ اختصار اور ایجاز تھا۔ اس لیے صرف مغز مغز ہوتا تھا۔ یعنی حضرت رحمہ اللہ کی تحریر میں مشکل سے آپ کو ایسا جملہ ملے گا جسے تحریر سے خارج کر دیا جائے تو مفہوم پر کوئی خاص اثر نہ پڑے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ حضرت رحمہ اللہ کی تحریر مواد کے اعتبار سے ایسی ہوتی تھی کہ اس کی آپ تفصیل اور تشریح تو جتنی مرضی کر لیں مگر تلخیص نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ پہلے ہی خلاصہ در خلاصہ ہوتی تھی۔ تلخیص عام دستور کے مطابق کسی تحریر کا ایک تہائی ہوتی ہے اس لحاظ سے اگر حضرت رحمہ اللہ کی تحریرات عام تسہیل وتفصیل یافتہ انداز کی ہوتیں تو ان کا حجم کم از کم تیس ہزار صفحات پر محیط ہونا چاہیے تھا۔ روزہ مرہ کے فتاویٰ کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہی ہے۔ اسے بھی اگر اسی اصول کے تحت پرکھیں تو ساٹھ ستر ہزار صفحات حضرت کا حاصل حیات ٹھہرتا ہے۔

تالیفات کی اقسام

حضرت رحمہ اللہ کی تالیفات کو بنیادی طور پر تین انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ فہم دین کورس
۲۔ تحقیقی تالیفات
۳۔ تنقیدی تحریرات

ذیل میں تینوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

فہم دین کورس کا نصاب

حضرت رحمہ اللہ نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں میں ابھرنے والے اہم سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم مگر بھرپور علمی مواد پر مشتمل ایک کورس ترتیب دیا۔

فہم دین کورس میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

(۱) تفسیر فہم قرآن، (۲) فہم حدیث، (۳) اسلامی عقائد، (۴) اصول دین، (۵) مسائل بہشتی زیور۔

قدرے تفصیلی تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ تفسیر فہم قرآن (۳ جلدیں)

مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی صفحات: ۱۲۹۶

اس تفسیر کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) ترجمہ مکمل تحت اللفظ ہے، کیونکہ اس تفسیر میں حضرت مصنف رحمہ اللہ کے پیش نظر ''فہم دین کورس'' کے طلبہ ہیں جن کی درسی ضرورت کے لیے ترجمے کو تحت اللفظ کیا گیا ہے۔ ترجمۂ قرآن پڑھنے اور سمجھنے والے طلبہ کی دلچسپی اس سے ہوتی ہے کہ انہیں عبارت کا صرف مفہوم نہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہو کہ کس لفظ کا کیا ترجمہ ہے تاکہ ان کے ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ ہو، چونکہ بامحاورہ تراجم تو بقدر کفایت موجود ہیں اس لیے حضرت مصنف رحمہ اللہ نے مکمل لفظی ترجمے کا التزام فرمایا ہے۔ یہ ترجمہ بنیادی طور پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ہی ہے مگر اس میں الفاظ کا اتنا تغیر اور تسہیل ہوئی ہے کہ اب اس ترجمے کی نسبت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ لہذا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی علمی کاوشوں میں قرآن پاک کا ترجمہ بھی شامل کیا جانا چاہیے۔

(۲) ترجمہ متن سے علیحدہ لکھا گیا ہے۔

(۳) تفسیر کو رواں لکھا گیا ہے۔ نمبر وار حاشیہ سے اجتناب کیا گیا ہے۔

(۴) ربط کو بہتر انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

(۵) ترجمہ میں بین القوسین ضروری تشریحی اضافے بھی موجود ہیں، اس لیے اگر صرف ترجمہ بھی پڑھا جائے تو آیت کے مفہوم میں کوئی الجھاؤ نہیں آتا۔

(۶) تفسیر میں انداز تفسیر ''بیان القرآن'' کا ہے کہ تفسیر کو ترجمے کے ساتھ مربوط اور ممزوج بنا کر لکھا گیا ہے۔

(۷) تفسیر کے حصے میں حضرت مصنف رحمہ اللہ کے پیش نظر ''بیان القرآن'' اور ''تفسیر عثمانی'' ہے البتہ ''معارف القرآن'' سے بھی بقدر ضرورت استفادہ کیا گیا ہے ''معارف القرآن'' سے تفسیری فوائد بھی (بالخصوص پہلے حصے میں) منقول ہیں۔ اس لیے اس تفسیر کو بنیادی طور پر حضرات اکابر کی تفاسیر ہی کا ایک معتمد خلاصہ اور تسہیل کہنا چاہیے۔ البتہ

حضرت مصنف رحمہ اللہ چونکہ خود کہنہ مشق فقیہ و متکلم بھی ہیں اور علوم جدید و قدیمہ دونوں پر نظر بھی رکھتے ہیں اس لیے تفسیر میں معاصر ذہن میں پیدا ہونے والے معقول اشکالات کا بھی بڑی خوش اسلوبی سے جواب دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تفاسیر کی فہرست میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ مختلف جامعات میں اس تفسیر پر تحقیقی مقالہ جات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ تفسیر ''فہم دین کورس'' کا بھی حصہ ہے۔ حضرت مصنف رحمہ اللہ نے سولہویں پارے تک تفسیر بہت پہلے مکمل فرمالی تھی اور ''فہم قرآن'' کا اس کورس میں مجوزہ حصہ صرف یہی ہے، البتہ بعد کے حصوں کی تکمیل حضرت کی خواہش تھی چنانچہ ایک جلد سترھویں پارے سے اکیسویں پارے کے اواخر تک علالت کے ایام میں مکمل فرمالی تھی، جو زیور طبع سے آراستہ ہونے والی ہے۔ البتہ بائیسویں پارے سے آخر تک کے حصے کی تفسیر لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔

۲۔ فہم حدیث (۳ جلد)

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی (۱۴۲۵ھ)

یہ کتاب احادیث رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ اور جامع انتخاب ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں خواہ عقائد وافکار ہوں یا عبادات و معاملات، عائلی مسائل ہوں یا آداب و معاشرت، معیشت و تجارت ہو یا حکومت و سیاست، انسانی زندگی کی نجی الجھنیں ہوں یا سوچ و فہم رکھنے والے دماغوں میں سلگنے والے مختلف سوالات.... ان میں سے کم و بیش ہر ایک موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو مرتب انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ احادیث کا مکمل متن، اس پر لگے صحیح اعراب، سلیس ترجمہ، بین القوسین محتاط اور متن سے ممتاز مفید اضافہ جات، اور فوائد و تشریح کے تحت متنوع علوم و معارف کتاب کا خاصہ ہیں۔ عبادات کے شعبے میں خصوصی طور سے فقہی مکتب کا ذکر کئے بغیر حضرات احناف کے احادیث پر مشتمل دلائل کو عمدہ انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ جس سے اس اشکال کا لاشعوری رد ہو جاتا ہے کہ احناف کے پاس حدیث نہیں ہے۔

''فہم حدیث'' تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد عقائد و اخلاق کی احادیث پر مشتمل ہے، دوسری جلد عبادات سے وابستہ احادیث، جبکہ تیسری جلد میں معاملات سے متعلق احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس طرح دین کے پانچوں شعبوں (عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق) سے متعلق ضروری مفید اور اہم احادیث یکجا کر دی گئی ہیں۔ یہ کتاب بھی ''فہم دین کورس'' کا حصہ ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ٹھوس اور وافر علمی مواد پر مشتمل ہونے اور سہل انداز تعبیر کی وجہ سے اہل علم اور عوام کے لیے نہ صرف یکساں مفید بلکہ ناگزیر بھی ہے۔

۳۔ اسلامی عقائد

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی (۲۰۱۶ء) صفحات: ۳۱۲

یہ کتاب بھی عقائد کے بارے میں لکھی تصانیف میں ایک عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔ کتاب کے اجمالی مندرجات یہ ہیں:

o وجود باری تعالی پر قرآن کا طریق استدلال۔

o اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔
o اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات کا تفصیلی بیان۔
o خیر وشر دونوں کیساتھ ارادہ خداوندی کا تعلق ہے۔
o عالم وکائنات کیساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق۔
o صفات متشابہات۔
o اللہ تعالیٰ کی تنزیہات۔
o وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت۔
o نبوت ورسالت۔
o عصمت انبیاء علیہم السلام۔
o ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا رد۔
o معجزات یا دلائل نبوت۔
o حضرت محمد ﷺ کے امتیازات اور ختم نبوت۔
o عقیدہ حیات النبی ﷺ۔
o بدعتیوں کا نبی ﷺ کی شان میں غلو اور اس کا جواب۔
o فرشتوں کا بیان۔
o کتب الہیہ کا بیان۔
o جنات کا بیان۔
o علامات قیامت۔
o قیامت کے احوال اور جنت ودوزخ۔
o قبر میں عذات وراحت اور فرشتوں کا سوال ثابت ہے۔
o تقدیر کا بیان اور پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب۔
o صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے متعلق عقائد کا بیان۔
o امامت وخلافت۔
o ایمان اور اس کے متعلقہ امور کا بیان۔
o شرک اور اس کی اقسام کا بیان۔

حضرت مصنف رحمہ اللہ نے قدیم کتب سے عقائد کو بیان کرنے کیساتھ ساتھ موجودہ زمانے کی گمراہ افکار وعقائد کو بھی اس میں بیان کیا ہے، مگر انداز مثبت ہے۔ چنانچہ اس کو زمانہ حال تک کے صحیح عقائد اور ان کے مقابلے میں غلط عقائد کی نشاندہی پر مشتمل ایک ٹھوس کتاب قرار دیا جاسکتا ہے، فی زمانہ عقیدے کا مسئلہ کافی اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ انداز بھی عوام کی سطح کے قریب قریب کا ہے، ہمارے مدارس کے سلسلوں کو چاہیے کہ اسے شامل نصاب کریں اور ''شرح عقائد'' وغیرہ سے پہلے اسے طلبہ کو ذہن نشین کروائیں۔ یہ کتاب بھی ''فہم دین کورس'' کا حصہ ہے۔ اور اس کے تین ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

۴۔ اصول دین

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۰۴ء)، صفحات: ۲۱۴

آج کم وبیش ہر انسان دین سمجھنے کا خواہش مند ہے اور تھوڑا سا بھی سمجھدار ہو جانے کے بعد اسے عوام کو سمجھانے کا بھی خواہاں ہے۔ مگر بنیادی سوال یہ ہے کہ دین (جس کے ماخذ قرآن وحدیث ہیں) اس کے سمجھنے کے کوئی اصول وضوابط بھی ہیں یا الل ٹپ جس کے جو جی میں آئے اصول بنالے اور قرآن وسنت کو اپنے خود ساختہ اصولوں کی کسوٹی پر پرکھ کر بیان کرنا شروع کردے اور نتیجتاً دین کا حلیہ وہ بنادے جو کسی بڑھیا نے پورے اخلاص کے ساتھ بادشاہ کے باز کا بنایا تھا۔ ظاہر ہے اس سوال کا جواب نفی میں ہے کہ دین خدا کا پیغام اور نظام ہے ہر آدمی کو اپنے خود ساختہ اصولوں کے ذریعے دین کی تعبیر و تشریح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ دین کے کچھ طے شدہ اصول اور مسلّمات ہیں جن کی پاسداری کرتے ہوئے دین سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے معاصر طبقے کو سامنے رکھتے ہوئے دین فہمی کے اصول بیان فرمادیے ہیں جسے پڑھنے کے بعد الحمدللہ ایک خالی الذہن آدمی دین کی اہل حق کی تعبیر پر پختہ ہو جاتا ہے اور الجھے ہوئے ذہن کو تسلی اور تسکین فراہم ہو جاتی ہے، بہت سے اہل علم جو عوام سے ربط وضبط رکھتے ہیں انہوں نے حضرت کی اس کتاب کو خوب خوب سراہا ہے اور اسے اپنے مقصد میں بہت موثر اور مفید بتلایا ہے۔ یہ کتاب بھی ''فہم دین کورس'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کے مندرجات ''وحی'' سے شروع ہو کر حجیت حدیث، سنت وحدیث، اجماع امت، قیاس، قواعد فقہیہ سے ہوتے ہوئے آخر میں ایمان وکفر تک کے بنیادی مباحث تک چلے گئے ہیں۔

۵۔ مسائل بہشتی زیور (۲ جلد)

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۱۲ء)

''فہم دین کورس'' کے لیے اردو زبان میں مسائل پر مشتمل کسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی تو ''مسائل بہشتی زیور'' جو کہ بڑے ''بہشتی زیور'' کا ایک منتخب حصہ ہے، اسے سامنے رکھ کر کچھ حذف واضافہ کیا گیا جس سے یہ ایک مستقل اور مفید کتاب بن گئی، چونکہ اصل بنیاد تو ''بہشتی زیور'' ہی کے مسائل تھے اس لئے نام وہی رکھا گیا۔

''مسائل بہشتی زیور'' کے اس نام پر بعض حضرات کو اشکال بھی ہوا جس کا اظہار ایک موقع پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی حضرت رحمہ اللہ سے فرمایا تو حضرت رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے ہاں عصری اداروں میں کسی کے کام کو آگے بڑھانے اور اس پر استدراک کرنے کو تو خوبی کی بات سمجھا جاتا ہے، اور یہ بھی کہ جب بنیادی مواد ایک مصنف کا لیا ہے تو اس کا نام بھی شامل رکھا جائے۔ جس پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے سکوت فرمایا۔

یہ کتاب اپنے تحقیقی مندرجات اور مفید اہم جزئیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اہل علم بلکہ ارباب فتاویٰ کی بھی ضرورت بن گئی ہے۔ یہ کتاب بھی ''فہم دین کورس'' کا حصہ ہے اور اپنے مندرجات کی وجہ سے عوام کی بھی ضرورت ہے۔

''مسائل بہشتی زیور'' کے بنیادی مسائل پر اضافہ کردہ چند جدید نمایاں مسائل یہ ہیں:

o ٹیلی فون پر نکاح o پوسٹ مارٹم o انسانی اعضاء کی پیوند کاری o سرکاری بینکوں سے زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی o روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا معیار o ضبط ولادت o تولید کے جدید طریقے o انسانی دودھ کا بینک o عدالتی خلع o حلال وحرام کا ضابطہ o شیئرز (حصص) o حقوق (رائٹس) کی اقسام اور ان کی بیع o غیر سودی بینکاری o مختلف کرنسیوں کا تبادلہ o انعامی بانڈ اور مروجہ بیمہ کی شکلیں o نشے کی چیزوں کا بیان o کمائی کی اقسام o تصویر و مجسمہ کے احکام o کافروں اور فاسقوں کے ساتھ مشابہت کرنے کے احکام o لباس اور زیورات کے احکام o حجاب کے مسائل o علاج معالجہ اور عملیات اور تعویذات کے احکام o بدعات o رشوت لینے دینے کے مسائل o جوئے کے مسائل o سلام، مصافحہ اور معانقہ کے مسائل o کھیل اور تفریح کے مسائل۔

اس کتاب کے دو ایڈیشن آچکے ہیں۔

۶۔Cread of Islam

مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، و جامعہ دارالتقویٰ لاہور (۲۰۱۱ء)، صفحات: ۲۵۶

اسلامی عقائد کا انگلش ورژن۔

۷۔Principles of Islam

مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور و جامعہ دارالتقویٰ لاہور (۲۰۱۱ء)، صفحات: ۲۰۷

اصول دین کا انگلش ورژن۔

''اسلامی عقائد'' ہو یا ''اصول دین'' اس کے مباحث انتہائی اہم اور قیمتی ہیں بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقے کی ضرورت بھی ہیں لیکن چونکہ اردو زبان سے وہ طبقہ اتنا مانوس نہیں، پھر اصطلاحات اس پر مستزاد۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان دونوں کتابوں کا انگریزی ورژن بھی آجائے تاکہ ایسے طبقے کے استفادے میں زبان و بیان رکاوٹ نہ بنے۔

چنانچہ اس کا انگریزی ورژن تیار ہو گیا۔ طبع بھی عمدہ کاغذ پر ہوا ہے۔ اس سے پہلے ''اصول دین'' کا انگریزی ترجمہ زمزم پبلیشرز کراچی سے طبع بھی ہوا مگر وہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ کی نگاہ میں معیاری نہ تھا۔

حضرت رحمہ اللہ کی خواہش یہ تھی کہ ''مسائل بہشتی زیور'' کا انگریزی ترجمہ بھی ہو جائے۔ جس کے چند صفحات تجرباتی طور پر اپنے بعض تلامذہ کو دیے تھے مگر پھر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ وَفَّقَ اللهُ لمن يحبُّ و يرضاه.

اگر اس کے ساتھ ساتھ ''فہم حدیث'' کا ترجمہ بھی ہو جائے تو نورٌ علیٰ نور ہوگا۔ دیکھیے یہ سعادت کس کے مقدر میں لکھی ہے۔

.....☆.....

تحقیقی تالیفات

تحقیقی تالیفات سے ہماری مراد وہ تالیفات ہیں جن میں کسی علمی اور فقہی مسئلے کو بنیاد بنا کر لکھا گیا ہے چاہے مثبت ہو یا اختلافی تحریر ہو۔ کسی گمراہ فرقے یا منحرف فکر کی نشاندہی پیش نظر نہیں۔ تحقیقی تالیفات درج ذیل ہیں:

مریض و معالج کے اسلامی احکام

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۱۳ء)، صفحات: ۴۰۲

عصر حاضر میں جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں تغیرات و انقلابات آئے ہیں وہیں طب کا شعبہ بھی تغیرات کی زد میں آیا ہے تمدنی تغیر بہت سے قانونی اور علمی مسائل اور سوالات کو جنم دیتا ہے لہذا طب کے شعبہ میں بھی مسائل کا پیدا ہو جانا لازمی امر تھا۔

حضرت مصنف رحمہ اللہ چونکہ باضابطہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بھی ہیں اور ایک عرصہ طب کے میدان میں عملی کام بھی کیا ہے دوسری جانب ماہر فقیہ بھی ہیں اس لیے انہوں نے دونوں میدانوں میں اپنی دقت نظر اور مہارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قلم اٹھایا ہے اور اس شعبے کے بہت سے مسائل کو شریعت کے اصولوں پر حل کیا ہے، کتاب کے کچھ مندرجات درج ذیل ہیں:

صحت اور حفظان صحت، متعدی امراض سے بچاؤ کی تدابیر، علاج و معالجہ کی شرعی حیثیت، پرہیز کی حیثیت، مریض سے متعلق فقہی ابواب کے مختلف مسائل، اعضاء کی پیوند کاری، مصنوعی تخم ریزی، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، مستعار رحم (Borrowed womb) انسانی کلوننگ، ضبط ولادت، قتل ترحم (Mercy Killing) میڈیکل ریپ کے احکامات، کاسمیٹک سرجری، ڈی این اے، سگریٹ نوشی اور دیگر مضر اشیاء کا حکم۔

ان اجمالی عنوانات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل علم اپنے اپنے زمانے کے مسائل حل کر کے ہر زمانے میں شریعت کی جامعیت اور ابدیت کو ثابت کرتے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اس سطحی پراپیگنڈے کا علمی جواب

ہے کہ علماء عصر حاضر کے تقاضوں سے واقف نہیں۔ حضرت مصنف رحمہ اللہ علم الادیان اور علم الابدان کی اس جامعیت کی وجہ سے ملک کے اہل علم کے ہاں اس نوعیت کے مسائل میں مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، کبار اہل علم بھی اس نوعیت کے پیچیدہ مسائل میں حضرت رحمہ اللہ کی رائے لینا ضروری جانتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بہت سی فقہی تحقیقات اسی کتاب میں ملتی ہیں۔

اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا جس میں سابقہ اشاعتوں کی نسبت بہت سے اضافے بھی تھے۔ یہ کتاب اگرچہ ''مریض و معالج'' کے احکامات پر مشتمل ہے لیکن اپنی علمی وقعت کی وجہ سے اہل علم و اہل فتوی کی بھی ضرورت ہے۔

فقہ اسلامی (عائلی مسائل)

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۰۹ء)، صفحات: ۱۸۶

اس کتاب میں ''مسائل بہشتی زیور'' سے عائلی مسائل کو الگ کر کے ان کے دلائل و حوالہ جات بھی ذکر کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے چند تحقیقی مقالات و مضامین کو بھی کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جیسے حرمت مصاہرت کے نئے زاویے، کفارہ ظہار، ٹیلی فون پر نکاح وغیرہ۔ یہ کتاب ارباب علم و فتویٰ کی اہم ضرورت ہے۔

فقہی مضامین:

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۰۶ء)، صفحات: ۶۳۲

یہ کتاب حضرت مصنف رحمہ اللہ کے قلم سے مختلف اوقات میں نکلنے والے اکتالیس (۴۱) فقہی و کلامی مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین مصنف رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت، دقت نظر اور تحقیقی ذوق کے آئینہ دار ہیں۔

چند مضامین یہ ہیں:

o شرک کی اقسام و احکام o مارٹن لنگز کا فلسفہ وحدت ادیان o مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق اہم اصول o محافل قراءات کی شرعی حیثیت o لڑکیوں کے دینی مدارس o منیٰ مکہ کا حصہ نہیں o اسلام اور ضبط ولادت o فارمی مرغی حلال ہے o حق ایجاد و طباعت کی شرعی حیثیت o ملٹی لیول مارکیٹنگ o فاریکس کا میکس کے کاروبار کی شرعی حیثیت o علاقائی حقوق سے متعلق احکام۔

جلد ہی اس کی دوسری جلد بھی دستیاب ہوگی۔ ان شاء اللہ

جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا شرعی جائزہ:

مطبوعہ جامعہ دارالتقویٰ ٹرسٹ، جامع مسجد الہلال، لاہور (۲۰۱۴ء)، صفحات: ۲۸۰

یہ مجموعہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے معاصر دنیا (صنعتی انقلاب کے بعد وجود میں آنے والے کاروباری اداروں اور وسیع تجارتوں) کے چند مسائل پر مشتمل ہے۔ معاصر دنیا میں کمپنی کاروبار کی ایک نئی شکل تھی، اسی طرح بینک اور انشورنس وغیرہ ہیں۔ ان اداروں اور تجارتوں کے مسائل اور فقہی حیثیت پر اہل علم نے غور کیا، بالخصوص حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس سلسلے کا بڑا نام اور حوالہ ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس جذبے سے کہ چونکہ یہ ایک فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے نظام معیشت اور نظام زندگی کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کا مسئلہ ہے، اس کا جائزہ لیا اور جو امور قابل تنقید معلوم ہوئے، انہیں کھولا۔ چنانچہ یہ مجموعہ درج ذیل مضامین پر مشتمل ہے:

o پاکستان میں رائج اسلامی بینکاری کے چند واجب الاصلاح امور o کمپنی کی شرعی حیثیت o شیئرز کی خرید و فروخت o کریڈٹ کارڈ o تجارتی انعامی سکیموں کا شرعی حکم o تکافل کی شرعی حیثیت۔

اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات:

مطبوعہ جامعہ دارالتقویٰ ٹرسٹ، لاہور (۲۰۱۴ء)، صفحات: ۲۰۲

اس کے ساتھ ہی ایک اور تحریر جو اسی جدید معاشی اور تجارتی سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے وہ ''اسلامی صکوک'' کے تعارف اور تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے۔ صکوک بنیادی طور سے مروجہ بانڈز کا اسلامی متبادل ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس تحریر میں (جو کہ صکوک کے تعارف پر مشتمل پہلی اردو تحریر ہے) صکوک کا تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ ان پر تنقید بھی فرمائی ہے اور اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ اسلامی معاشیات کے اتنے اہم اور بنیادی ستونوں میں محض حیلوں، حوالوں سے کام نہیں لینا چاہیے، بلکہ انہیں علمی و عقلی اعتبار سے نہایت مضبوط اور دیرپا بنیادوں پر استوار کرنا چاہیے، کیونکہ ان اداروں کی اسلامائزیشن کی صورت میں دراصل ہم غیر مسلم اور معاصر دنیا کے سامنے اسلام کا معاشی نظام پیش کرنے جا رہے ہیں۔

یہ دونوں (اسلامائزیشن اور اسلامی صکوک) تحریریں پہلے تو الگ الگ شائع ہوئی تھیں، اب چند دیگر مقالات کے ساتھ یکجا شائع ہو رہی ہیں۔

سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

مطبوعہ: جامعہ دارالتقویٰ، لاہور (۲۰۱۴ھ)، صفحات: ۱۲۷

فتویٰ صرف کتابی جزئیات کا نام نہیں، فتوے کے دو پر ہیں:

(۱) ایک فقہ الکتاب (۲) دوسرا فقہ الواقع۔

فقہ الکتاب تو یہ ہے کہ شریعت کی تعلیمات جو بصورت قرآن و حدیث یا ان کے خلاصے (فقہ) کی صورت میں موجود ہیں اس پر گہری نظر ہو۔ جبکہ فقہ الواقع یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ واقعات کی دنیا میں عمل کیا ہو رہا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ

تاجر حضرات کے پاس جا کر ان کے مسائل معلوم کر کے ان کے احکام بتایا کرتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بھی یہ ترجیح ہوتی تھی کہ کسی بھی شعبے کے احکام اور مسائل خود ان سے معلومات حاصل کر کے لکھے جائیں گویا صرف ٹیبل ورک نہ ہو بلکہ فیلڈ ورک بھی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں صراف وزرگر کے شعبے کے مسائل معلوم کیے اور ان کا حل لکھا، جو کافی عرصہ پہلے ''رہنمائے صراف وزرگر'' کے نام سے کتابچے کی صورت میں طبع ہوا، پھر ان مسائل پر نظر ثانی بھی فرمائی اور مزید مسائل کا اضافہ بھی فرمایا۔ اب ایک بڑا کتابچہ اس عنوان سے وجود میں آ گیا ہے جو زرگر و سنار حضرات کے علاوہ ارباب علم وفتاوی کی بھی ضرورت پوری کرتا ہے۔

راہنمائے صرّاف وزرگر

مطبوعہ: جامعہ دارالتقویٰ، لاہور، صفحات: ۱۶

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں صراف اور زرگر کے بنیادی مسائل مثالوں کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ ایک اعتبار سے اسے سونا چاندی کے زیورات کے احکام والے کتابچے کا اختصار بھی کہہ سکتے ہیں۔

سبزی منڈی وفروٹ منڈی کی آڑھت کے احکام

مطبوعہ: دارالتقویٰ ٹرسٹ، لاہور (۲۰۰۷ء)

یہ کتابچہ بھی بعض تاجر حضرات کی طلب وخواہش پر سبزی منڈی اور فروٹ منڈی کے مسائل معلوم کر کے لکھا گیا جو عوام اور اہل علم دونوں کی ضرورت ہے۔ اس میں دلّالی اور کمیشن ایجنٹ کے اصولی احکام بھی سامنے آئے ہیں جو بہت سے دیگر شعبوں (بالخصوص پراپرٹی کے کام) میں بھی کارآمد ہیں۔

صفات متشابہات اور سلفی عقائد اور اتمام حجت

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۱۲ء)، صفحات: ۲۸۸

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے عقائد ونظریات کی اصلاح اور حفاظت کے جذبے سے پیش کردہ مواد میں ایک وقیع اضافہ ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' نامی کتاب سے ہوا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے موضوع پر ہے جس پر اردو میں خاطر خواہ مواد موجود نہیں تھا۔ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جن کا مخلوق میں لغوی اور ظاہری مفہوم اعضاء وجوارح کا بنتا ہے۔ جیسے ہاتھ، پاؤں، چہرہ، کان، پنڈلی وغیرہ۔ ان الفاظ سے کیا مراد ہے؟ اہل سنت والجماعت کا نظریہ قرآن پاک کی آیت ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں) کے پیش نظر یہ ہے کہ ان الفاظ کے ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہیں، کیونکہ ظاہری معنیٰ مراد لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں مماثلت لازم آئے گی خواہ وہ جزوی مماثلت ہی کیوں نہ ہو۔ پھر کیا مراد ہے؟ اس بارے میں متقدمین اہل سنت

والجماعت نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ان الفاظ سے جو مراد ہے ہم اس کی کھود کرید میں نہیں پڑتے بلکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں، اور اتنا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان الفاظ سے جو مراد ہے وہ برحق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔ اور نجات کے لیے اتنا ایمان کافی ہے۔ اس طرز کو عالمانہ زبان میں ''تفویض'' کہتے ہیں۔

اہل سنت کے اس قول کے برعکس سلفی اور موجودہ زمانے کے غیر مقلد یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ مخلوق میں ان الفاظ کا جو لغوی اور ظاہری معنیٰ سمجھا جاتا ہے (یعنی اعضاء وجوارح) وہی معنیٰ خالق میں مراد ہے اور ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ کے برخلاف خالق اور مخلوق میں مماثلت کے قائل ہیں البتہ اتنا فرق کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے اعضاء وجوارح کی کیفیت معلوم نہیں یعنی ان کے نزدیک ''ید'' سے مراد ہاتھ ہی ہے جو مخلوق میں ایک عضو کا نام ہے، صرف اس کی کیفیت معلوم نہیں کہ وہ ہاتھ کس چیز کا ہے؟ یا اس کا حجم کیا ہے؟ کتنا ہے؟ اس کی صورت کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں ہے۔ سلفیوں کی یہ تعبیر بظاہر لفظی نزاع معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے ڈانڈے تجسیم (اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور اس کے لوازم ماننے) سے جا ملتے ہیں اور الٰہیات یعنی اللہ کی ذات وصفات کے میدان میں خفیف سی بے احتیاطی بھی بھیانک غلطی بن جاتی ہے، ماضی کے گمراہ فرقے اکثر وبیشتر اسی طرح کی بظاہر معمولی مگر درحقیقت سنگین غلطیوں کا شکار ہوکر گمراہی کے علمبردار ہوگئے۔

سلفیوں کی اس فکر میں جو سنگینی ہے وہ تو ہے ہی ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا مصداق سلفی نہ صرف اس فکر کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں بلکہ امت کے اہل حق کو اپنی گمراہی کی دعوت بھی دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ جو ان کی فکر سے متفق نہیں ہیں اسے بدعتی بلکہ کافر تک قرار دینے سے انہیں کوئی باک اور عار نہیں ہے۔

صفات کا یہ مسئلہ نازک بھی ہے اور حساس بھی اور بادی النظر میں فرق بہت معمولی معلوم ہوتا ہے، اس لئے خود ہمارے ہاں کے بہت سے اہل علم جن کا اس موضوع پر خاطر خواہ مطالعہ نہیں ہے، اسے نزاع لفظی باور کیے ہوئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور الحمدللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے قلم کی خصوصیت اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اہل علم نے اس کتاب کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

> ''الحمدللہ! اس (کتاب) کے مکمل مطالعے کی توفیق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اس مشکل موضوع پر اہم ترین حوالے جمع فرما دیے اور اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اشاعرہ وماتریدیہ کی صحیح تعبیر اور سلفی حضرات کی ناقص موہم تجسم تعبیرات کا فرق بھی بہت خوبصورتی سے واضح کر دیا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ امانت ودیانت کے فقدان کے اس دور میں آنجناب نے مخالفین کی مکمل عبارات اور ان کے اپنے جوابات جس طرح پوری امانت ودیانت کے ساتھ نقل کیے ہیں وہ بہت ہی زیادہ قابل مبارک اور قابل اتباع ہے۔''

کتاب کے آنے کے بعد سلفی اور غیر مقلد حضرات کے حلقوں میں خاموشی چھا گئی، کتاب چھپنے کے تقریباً پانچ سال بعد

تک کسی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا کچھ عرصہ قبل واصل واسطی نامی ایک صاحب نے بزعم خود اس کتاب کا جواب لکھ کر ایک جلد شائع کی، کتاب کے مندرجات پر تبصرہ کسی اور فرصت میں۔ (انشاءاللہ) البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب کا جواب پانچ سال تک جمع ہی ہوتا رہا، سامنے نہ آ سکا۔ اس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب کی علمی وقعت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، آخر کچھ تو ہے جس کے جواب کے لیے پانچ سال مطالعہ اور مواد اکٹھا ہی ہوتا رہا۔

واسطی صاحب کی کتاب کو سرسری نظر سے دیکھنے سے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف کام کی بات بہت کم کرتے ہیں، البتہ ادھر ادھر سے مواد اور صفحے بھرنے کے لیے حوالہ جات پر حوالہ جات لاتے چلے جاتے ہیں اور اپنی بات کو موثر بنانے کے لیے بجائے علمی وزن کے طعن وتشنیع سے خوب کام لیتے ہیں۔ جبکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے انداز میں علمی اور تحقیقی شائستگی کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔

واسطی صاحب کی کتاب کی پہلی جلد منظر عام پر آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت مفتی صاحب نے کتاب کا تجزیہ کر کے اہم باتوں کو الگ کر کے ان کا پوسٹ مارٹم کیا اور ''اتمام حجت'' کے نام سے ایک ''بقامت کہتر اور بقیمت بہتر'' رسالہ تیار فرما دیا اور جیسے پہلے اصل کتاب لکھ کر فرض کفایہ ادا کیا، اسی طرح جواب کا فرض کفایہ بھی خود ہی ادا فرمایا۔ **جزاہ اللہ عنا وعن سائر اھل الحق**

صفات متشابہات (مختصر)

مطبوعہ جامعہ دارالتقویٰ، لاہور (۱۴۳۵ھ)، صفحات: ۶۴

اہل علم اور عوام کے لیے مذکورہ بالا مفصل کتاب کا خلاصہ بھی حضرت نے خود ہی فرمایا جو مطبوعہ ہے۔

صفاتِ متشابہات (عربی ایڈیشن)

صفات کا موضوع اصلاً عالم عرب کے سلفی حضرات سے زیر بحث آیا تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ حضرت کی کتاب کی تعریب ہو جائے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا چنانچہ ہمارے فاضل دوست اور مخطوطات کے محقق عالم مولانا احسن احمد عبدالشکور صاحب مدظلہ نے یہ سعادت حاصل کی اور انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں کتاب تعریب کے سانچے سے گذار دی۔ حضرت رحمہ اللہ نے اسے ملاحظہ بھی فرما لیا اور زبان و بیان کی کچھ اصلاح کی خدمت ہمارے فاضل دوست مولانا فیصل حمید صاحب سلمہ نے سرانجام دی۔ حضرت رحمہ اللہ کو کتاب کی طباعت کا کافی انتظار تھا۔ مگر اسباب ایسے نہ بن سکے چنانچہ یہ کتاب تاحال طبع کے مراحل میں ہے۔ **اللھم عجل فرجه و یسّر امره.**

مسنون حج وعمرہ (مدلل)

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۱۴۲۸ھ)، صفحات: ۲۳۰

یہ کتاب حج وعمرہ کے مسائل پر مشتمل ہے، مگر چند خصوصیات کے ساتھ:

۱۔ حج وعمرہ کا طریقہ موجودہ حالات کے اعتبار سے قدم بقدم رکھا گیا ہے۔

۲۔ مسائل میں زیادہ اہم اور پیش آنے والے مسائل کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳۔ مسائل کے دلائل قرآن وحدیث سے ساتھ ذکر کردیئے گئے ہیں، بالخصوص وہ اختلافی مسائل جو سلفی اور اہل حدیث حضرات کے پروپیگنڈے کا موضوع ہیں، اس لیے یہ کتابچہ حج وعمرہ پر جانے والے اہل علم کے لئے خاصے کی چیز ہے کہ ہر عمل کی دلیل ساتھ موجود ہے۔ حج وعمرہ پر اہل علم کو اس قسم کی کتاب کی بہت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

مسنون حج وعمرہ (مختصر)

مطبوعہ: جامعہ دارالتقویٰ ٹرسٹ، لاہور، صفحات: ۲۸۲

اس میں صرف مسائل ہیں دونوں (مختصر اور مدلل) کتابوں میں مسائل کے اعتبار سے کچھ اضافہ اور کمی بھی ہے، اس لیے ایک دوسرے سے مستغنی نہیں کرتی۔

مسنون عمرہ

مطبوعہ: دارالتقویٰ ٹرسٹ، لاہور (۱۴۳۸ھ)، صفحات: ۱۹۲

عمرے کا رجحان زیادہ ہونے کی وجہ سے ضرورت محسوس ہوئی کہ صرف عمرے کا مواد بھی الگ کرکے طبع کردیا جائے۔ چنانچہ ایسا کردیا گیا اور ساتھ میں موقع بہ موقع کی دعائیں ادارہ ''جامعہ دارالتقویٰ'' نے اپنے طور پر شامل کردی ہیں۔

ترجمہ بدائع الصنائع (جلد ششم)

مطبوعہ: شعبہ مطبوعات دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، طبع اول: ۱۹۹۱ء، طبع دوم: ۲۰۱۳ء، صفحات: ۶۹۲

''بدائع الصنائع'' فقہ کی اپنے اسلوب کے لحاظ سے بڑی اہم اور اچھوتی کتاب ہے۔ مسائل کی ترتیب بھی منطقی ہے اور دلائل کا انداز بھی دلنشیں ہے۔ فقیہ ومحدث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''بدائع میں فقہ کی لم (علل) ہے۔'' دیال سنگھ لائبریری نے ''بدائع'' کا اردو ترجمہ کروایا، ''کتاب البیوع'' کا ترجمہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا۔ لیکن چونکہ ایک تو باقاعدہ تصنیف نہ تھی بلکہ ایک تصنیف کا ایک حصہ ہے دوسرے وہ ابتدائی کام تھا اس لیے حضرت نے بعد میں اسے اپنی کتابوں کی فہرست میں کبھی شمار نہیں کیا۔

.....☆.....

تنقیدی تحریرات

حضرت رحمہ اللہ کے قلم سے جہاں دین کی نشر واشاعت کی مقدار اور معیار کے اعتبار سے بہت بڑی مثبت خدمت اللہ نے لی، وہیں ایک نمایاں خدمت دین کی صحیح تعبیر کی حفاظت کی صورت میں بھی لی۔ تنقیدی تحریرات اگرچہ مثبت اور تحقیقی تحریرات کے مقابلے میں حجم کے اعتبار سے کہیں کم ہیں لیکن اپنے معاصرین میں حضرت رحمہ اللہ اس حوالے سے امتیازی مقام کے حامل ہیں کہ انہوں نے کوئی قابل ذکر فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جسے راہ حق دکھانے کی سعی نہ فرمائی ہو۔ حضرت رحمہ اللہ کی تصنیفات کا یہ حصہ درج ذیل حدیث کی مجسّم تصویر معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین.

ترجمہ: اس علم (دین) کے حامل ہر آنے والی نسل سے انصاف پرست لوگ ہوں گے۔ جو غلو پسند لوگوں کی تحریف کو ختم کریں گے اور باطل پرست لوگوں کی جعل سازی اور جہالت پرستوں کی تاویلوں کو دین سے دور کریں گے۔

دین کی صحیح تعبیر اور تصورات پر بیرونی حملے ہوں یا اپنے نادانوں کی نادانیاں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ہر ایک کی بروقت خبر لی اور درج ذیل تحریریں سپرد قلم کر کے اہل علم کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا۔ **جزاه الله عنا و عن سائر اهل العلم خیر الجزاء**

ڈاکٹر اسرار احمد، افکار ونظریات

مطبوعہ: دارالامین، لاہور (۱۴۲۲ھ)، صفحات: ۱۰۶۔ مکتبہ مدنیہ لاہور (۱۴۱۰ھ)، صفحات: ۳۵۲

یہ حضرت رحمہ اللہ کی پہلی تصنیف تھی جو ایک ایسے صاحب کے افکار کے علمی تجزیہ پر مشتمل تھی جن کے بارے میں بعض حضرات شاید ابھی بھی تذبذب اور تردد کا شکار ہوں، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں بہت عالمانہ انداز میں ڈاکٹر اسرار احمد کی بنیادی فکری غلطیوں کو کھولا ہے اور مضبوط نقد وگرفت فرمائی ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ جیسے سکہ بند محقق ومصنف نے بھی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد نہ صرف تحسینی خط لکھا بلکہ انعام بھی عطا فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ بعض باتوں کا علم مجھے اس کتاب کے مطالعے سے ہوا جیسے ڈاکٹر رفیع الدین کا نظریہ ارتقاء۔

تحفہ غامدی

مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور (۱۴۲۳ھ)، صفحات: ۶۴

معروف متجد داور زمانے کے تقاضوں پر دین کی اساسی تعبیر میں تبدیلیاں کرنے اور کرتے ہی چلے جانے والے صاحب جاوید احمد غامدی صاحب جو آج اباحت پرستوں کے لیے سکہ رائج الوقت ہیں ان کے افکار ضالہ اور الحاد پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ان کے افکار کی آج سے اٹھارہ برس قبل (یعنی ۱۴۲۳ھ میں) خبر لی، اوران کی بنیادی اصولی غلطیوں بلکہ گمراہیوں اور بدفہمیوں کو کھولا جیسے سنت کے ضمن میں حدیث کا انکار، قطعی الدلالت کی بحث، احسان اور تصوف کو گمراہی سمجھنا، انکار نزول عیسی علیہ السلام وغیرہ۔

اصولی طور پر غامدی پر جو تنقید حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس وقت کی، آج بھی اس کی اہمیت اور وقعت اسی طرح برقرار ہے، اس حلقے کی جانب سے تا حال اس نقد کا جواب نہیں آیا۔

تحفہ اصلاحی

مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور، (۱۴۲۴ھ) صفحات: ۱۳۸

امین احسن اصلاحی صاحب اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کی وجہ سے معروف ہیں ان کا علمی پس منظر یہ ہے کہ وہ مولانا شبلی نعمانی کے خالہ زاد بھائی مولانا حمید الدین فراہی کے شاگردِ خاص تھے۔ اصلاحی صاحب ایک عرصے تک جماعت اسلامی کے مفکر اور مودودی صاحب کے دست و بازو بھی رہے۔

جاوید احمد غامدی انہیں اپنا استاد بلکہ امام مانتے اور کہتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد بھی ان سے تلمذ کی نسبت پر فخر کیا کرتے تھے، بلکہ ''تدبر قرآن'' کے ناشر بھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی تھے۔ بقول غامدی صاحب حمید الدین فراہی صاحب نے قرآن فہمی کی ایک نئی بنیاد استوار کی ہے جو نظم قرآن اور عربیت کے فہم پر مبنی ہے یعنی کسی آیت کی مراد کا حتمی تعین اس سے نہیں ہوگا کہ حدیث کیا کہتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کہتے ہیں یا امت کی اجماعی رائے کیا ہے؟ بلکہ اس کا حتمی تعین خود قرآن کے الفاظ سے ہوگا یعنی گویا حتمی اتھارٹی خود قرآن پر غور کرنے والے کا ذہن ہے۔ امین احسن اصلاحی بھی اسی بنیاد کے داعی اور اسی فکر پر تفسیر کی عمارت اٹھانے والے تھے، اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ فکر فراہی ''تدبر قرآن'' کی صورت میں منصۂ شہود پر آئی ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے امین احسن اصلاحی کی ''تدبر قرآن'' اور مبادی تدبر حدیث اور اصلاحی صاحب کے دیگر افکار پر عالمانہ نقد و تبصرہ فرمایا جس میں ان کی فکر کی بنیادی غلطیوں کو کھولا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد پر نقد ہو یا اصلاحی پر، اس نقد میں طلبہ کے ہاتھ بہت سی علمی اور مفید باتیں آتی ہیں اور وہ باتیں ملتی ہیں جو عام کتابوں میں نظر نہیں آتیں۔

اس تحریر کا جواب بھی تا حال نہیں آیا نہ اصلاحی صاحب کے حقیقی تلامذہ سے اور نہ معنوی شاگردوں سے۔ بہر حال! اہل حق کی ذمہ داری تو حق کی وضاحت ہے، لٹھ لیکر پیچھے پڑنے سے تو رہے کہ ہمیں اور بھی کام کرنے ہیں اور ان لوگوں کو سوائے فکر انتشار کے اور کوئی کام نہیں۔

عمار خان کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی

مطبوعہ: دارالامین، لاہور (۲۰۱۴ء)، صفحات: ۴۲۸

جاوید احمد غامدی صاحب کے تلامذہ میں اسلام کے اساسی اصولوں سے منحرف اور عصر حاضر کے تقاضوں اور ہوّوں سے مرعوب ایک معتد بہ جماعت ہے مگر ان میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کے صاحبزادے عمار خان ناصر خاص طور سے قابل ذکر ہیں کہ یہ ایک علمی خانوادے کے فرزند ہونے اور دینی علوم حاصل کرنے کے بعد اپنا سارا علم و فضل اور نسبتیں غامدی صاحب کے افکار پر نچھاور کرنے والے آدمی ہیں۔ عمار خان ناصر صاحب وسیع المطالعہ، لکھنے کا سلیقہ رکھنے والے باصلاحیت آدمی ہیں مگر جب فکر منحرف ہو تو سوائے افسوس کے کیا کیا جا سکتا ہے۔ معتزلہ کے جبال علم کی ذہانتوں کا ماتم کرنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے، ہزار اخلاص کے باوجود اور ہزار وسعت علمی اور صلاحیتوں کے باوجود قبولیت تو اسی کو ہوگی جو اسلام کی تعبیر انہیں دائروں میں رہ کر کرے، جنہیں اہل سنت نے اپنے ''علمی مسلمات'' قرار دے رکھا ہے، کہ وہی **ماانا علیه و اصحابی** کے ترجمان ہیں۔

عمار خان ناصر صاحب نے اپنی علمی صلاحیتیں غامدی وفراہی کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کے لیے وقف کر رکھی ہیں، ان کے بے بنیاد دعووں کو علمی ذخیرے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر علمی بنیادیں فراہم کرنا ان کی زندگی کا ہدف ہے۔ کاش! یہ صلاحیتیں امت کی علمی خدمت میں صرف ہوتیں تو کچھ فائدہ بھی ہوتا۔ چند سال قبل عمار خان صاحب نے ''حدود و تعزیرات چند اہم مباحث'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں غامدی کے نظریات کو قابل قبول بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اس کے لئے امت کے علمی مسلمات پامال کیے اور اجماع کو بھی لتاڑا کیونکہ اصل میں متجددین کے لیے اجماع ہی قلعے کی فصیل ہے جس میں اسلام کا اساسی ابدی ڈھانچہ محفوظ ہے۔ اس کے بعد توہین رسالت کے ملکی قانون میں تبدیلی کا چور دروازہ دکھایا اس کے بعد فراہی اور غامدی کے تصور جہاد کو مدلل کرنے کی کوشش کی۔ اس سے کچھ عرصہ قبل مسجد اقصی کو یہودیوں کے حوالے کرنے کی پھلجڑی چھوڑ چکے تھے۔ اللہ جزائے خیر دے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو کہ حضرت رحمہ اللہ نے جیسے آباء واجداد (اصلاحی، غامدی اور ڈاکٹر اسرار) کی خبر لی، ایسے ہی ان کے انڈے بچے کو بھی اپنی شفقت ناصحانہ سے محروم نہیں چھوڑا۔ چنانچہ ''حدود و تعزیرات''، ''مسجد اقصی'' اور ''توہین رسالت'' کے مسئلہ پر حضرت رحمہ اللہ نے خود قلم اٹھایا اور احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، جب کہ جہاد کے موضوع پر بندے کو لکھنے کا حکم دیا اور مضمون کی تصدیق اور تصویب فرمائی۔

ان چاروں تحریرات کے مجموعہ کا نام ''عمار خان کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی'' ہے۔ اس کتاب کا بھی دوسرا ایڈیشن چل رہا ہے۔

قرآن کو قرآن کے مطابق سمجھئے

مطبوعہ: جامعہ مدنیہ کریم پارک، لاہور (۱۴۲۱ھ، و۱۴۲۵ھ) صفحات: ۵۶

لاہور کے ایک باسی ڈاکٹر قمر زمان نے انکار حدیث کے افکار کا پرچار شروع کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے اس پر قلم اٹھایا اور ناصحانہ انداز میں حق بات کو واضح کیا، ڈاکٹر قمر زمان کی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بالمشافہ ملاقات بھی ہوئی، مگر جب دل پر مہر ہو تو حق بات قبول کرنے کی استعداد ہی ختم ہو جاتی ہے تو معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔ ع

بسا آرزو کہ خاک شدہ

پہلے یہ تحریر ''حدیث رسول سے عداوت کیوں؟'' کے نام سے شائع ہوئی۔ پھر اضافوں کے ساتھ ایک سال بعد ''قرآن وحدیث سے عداوت کیوں؟'' کے نام سے شائع ہوئی۔ پھر مزید اضافوں کے ساتھ اور کچھ دیگر لوگوں کے نظریات کی تردید کے ساتھ مذکورہ بالا تحریر ''قرآن کو قرآن کے کہے کے مطابق سمجھئے'' کے نام سے شائع ہوئی۔ منکرین حدیث کے نظریات سمجھنے اور ان کے جوابات کے لیے مختصر مگر مفید مواد ہے۔

تحفہ خیر خواہی

دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور (۱۴۱۷ھ)، صفحات: ۵۰

(ایکس کیپٹن) ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے اپنے جوش تحقیق اور ناقص علم اور سوء فہم کی بنیاد پر ''توحید'' کے عنوان سے امت میں انتشار کا ایک دروازہ کھولا، جس میں عذاب قبر کے جسمانی ہونے کا انکار، عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، دعا میں وسیلہ کا انکار اور تعویذات کے علی الاطلاق شرک ہونے اور پھر تصوف و احسان کے سلسلوں کو گمراہی کے علمبردار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی غلو در غلو پر مشتمل فکر کا نتیجہ ہے کہ ان کے ماننے والے اپنے علاوہ کسی کو مسلمان سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ (اللہ ایسے غلو سے حفاظت فرمائے۔)

ڈاکٹر مسعود عثمانی اپنے آپ کو فاضل وفاق المدارس العربیہ بھی بتلاتے تھے، یہ اور زیادہ نشان عبرت ہے کہ انسان باوجود اہل حق کے پاس علم حاصل کرنے کے جب اپنی ناقص فہم پر اعتماد کرتا ہے تو کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کیپٹن صاحب کی تحریروں کا مطالعہ کر کے ان کے بنیادی انحرافات کی نشاندہی اور اصلاح کی کوشش اس کتابچے میں فرمائی ہے ہر بات مدلل اور باحوالہ ہے۔ جس میں اس فکر سے متاثر لوگوں کیلئے ہدایت کا وافر سامان ہے۔

فاضل بریلوی: کردار و نظریات کا مختصر جائزہ

مطبوعہ: انجمن ارشاد المسلمین، مزنگ، لاہور (۱۴۱۷ھ)، صفحات: ۹۲

کتاب کے مقدمے میں مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب ۱۲۷۲ھ میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے سوانح نگاروں کے بقول وہ بہت ذہین تھے اس لیے چودہ سال کی عمر ہی میں فتویٰ نویسی کرنے لگے۔ ہم ان کی ذہانت، وسعت علمی اور دقیقہ سنجی پر شک نہیں کرتے لیکن یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ علم و ذہانت اور چیز ہے اور ہدایت اور تقویٰ اور چیز ہے۔ اکبری دور کے ایک عالم فیضی نے ایسی تفسیر لکھی جس میں کوئی حرف نقطہ والا استعمال نہیں کیا لیکن اس کے باوجود ہدایت سے محروم رہا۔

ہم نے جناب فاضل بریلوی کی سیرت اور ان کے افکار و احوال کا بغیر کسی تعصب کے کھلے دل کے ساتھ مطالعہ کیا۔ دوران مطالعہ ان کی سیرت اور ان کے افکار کے بعض ایسے پہلو ہمارے سامنے آئے کہ حق و انصاف اور منصفانہ تحقیق کے دامن کو تھامے ہوئے ہمیں ان کا اہل سنت میں سے ہونا صحیح نہ معلوم ہوا۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ تاریخ اور فن رجال سے دلچسپی رکھنے والوں کی نظر میں کچھ ایسے گوشے ظاہر کر دیں کہ وہ خود بھی ان کی سیرت و کردار اور ان کے افکار کی حیثیت کی تعیین کر سکیں۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ سنجیدگی و متانت اور تہذیب و تحقیق کا اجتماع کسی بھی مرحلہ میں تعصب اور محض جذباتیت سے ملوث نہ ہو اور کسی بھی لفظ کو اختیار کرنے میں حقیقت واقعیہ سے تجاوز نہ ہو۔''

فاضل بریلوی کو کچھ حضرات جمہور اہل السنّت کے متفقہ امام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ صرف علمائے دیوبند ان کے مخالف ہیں باقی تو گویا ساری امت اور برصغیر ان کی امامت و زعامت پر متفق ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ خود ان کے احترام والے حلقے میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو ان کی خصوصی کاوشوں (تکفیر علمائے دیوبند) سے متفق نہیں ہیں۔ اسی طرح علمائے بدایوں، علمائے خیرآباد، علمائے لکھنو بھی ان کو بڑا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ زیر نظر تحریر ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے اس میں عقائد و نظریات سے لے کر کردار تک کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ ویسے تو ذاتیات پر کلام کوئی زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتا مگر جب کسی شخصیت کے لیے معیار (امامت و زعامت کا) بلند رکھا جائے تو اس کی ذات زیر بحث آنا لازمی بات ہے اور آنی بھی چاہیے۔ آخر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات سب سے پہلے اپنی ذات ہی تو پیش کرتے ہیں۔

بہائی جماعت کی خدمت میں چند گزارشات

مرزا حسین علی نوری المعروف بہاء اللہ (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۲ء) نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ یہ تحریر اس کی تحریک اور مذہب سے وابستہ افراد کے لیے لکھی گئی۔

گوہر شاہی انوکھا مذہبی فراڈ

یہ ایک پمفلٹ ہے جو اپنے زمانے کے ایک فتنے سے آگاہ و خبردار کرنے کے لیے سپرد قلم کیا۔ گوہر شاہی کے ماننے

والے ابھی بھی کچھ نہ کچھ ہیں، یونس الگوہر نامی ایک گمراہ شخص اس کے گمراہ کن افکار کا پرچار کرتا ہے، زید حامد کی اس سے وابستگی بھی ظاہر ہو چکی ہے اس لیے ایسے فتنوں کا تعاقب وقت کی ضرورت ہے۔ نیز گوہر شاہی جن راہوں پر چل کر گمراہ ہوا وہ راستے آج بھی کھلے ہیں اور بہت سے جاہل اور گمراہ صوفی نما لوگ ان پر چلتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ تحریر سامان نصیحت ہے کہ شیطان کی چالوں کو سمجھیں اور شریعت کے راستے سے ہٹ کر ہمیشہ کا خسارہ نہ اٹھائیں۔

آغا خانیوں اور داؤدی بوہروں کے عقائد وافکار

یہ (۳۱) صفحات پر مشتمل مختصر لیکن جامع رسالہ ہے۔ ایک سابقہ آغا خانی ڈاکٹر زاہد حسین کی کتاب ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی بنیادیں'' کا خلاصہ ہے۔ اس کتابچہ میں اسماعیلی مذہب کے عقائد وافکار اور ان کی تاریخ اور اس مذہب کے تحت پیدا ہونے والے فرقوں کا تذکرہ ہے۔ اسماعیلی بھی بنیادی طور سے شیعہ تھے مگر ساتویں امام (موسیٰ کاظم) سے یہ اثنا عشریہ مذہب سے جدا ہو جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں شام کے نصیری، پاکستان کے آغا خانی اور داؤدی بوہرے اسی مذہب کی شاخیں ہیں۔ آغا خانیوں کے امام نے تو شریعت کو سرے سے معطل کر رکھا ہے چنانچہ آغا خان سوم اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے عورتوں کی آزادی اور تعلیم کی ہمیشہ ہمت افزائی کی ہے۔ میرے دادا اور والد کے زمانے میں پردہ ترک کرنے کے سلسلہ میں اسماعیلی دوسرے فرقوں سے بہت آگے تھے حتیٰ کہ ان ممالک میں بھی جو بہت زیادہ رجعت پسند تھے، میں نے پردہ بالکل ختم کر دیا ہے۔ اب آپ کسی اسماعیلی عورت کو نقاب ڈالے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔
> جہاں تک میرے پیروؤں کے طرز زندگی کا تعلق ہے تو میری یہ کوشش رہی ہے کہ میں ان کو جو نصیحتیں کرتا ہوں جو مشورے دیتا ہوں انہیں اس ملک اور حکومت کے مطابق بدلتا رہتا ہوں جس میں وہ زندگی گذارتے ہیں۔ چنانچہ مشرقی افریقہ کی برطانوی نوآبادی میں انہیں میری یہ تاکید ہے کہ وہ انگریزی کو اپنی اولین زبان بنائیں، اپنے خاندان اور اپنی گھریلو زندگی کی بنیاد انگریزی طریقوں پر رکھیں اور شراب وتمباکو نوشی کو مستثنیٰ کر کے عام طور پر برطانوی اور مغربی رسم ورواج اختیار کریں۔'' (کتاب مذکور: ص:۱۸)

موجودہ آغا خانیوں کی کچھ موٹی موٹی باتیں یہ ہیں:

۱۔ نجات کے لیے امام کی معرفت اور محبت کافی ہے۔

۲۔ اعمال شریعت سے مکمل طور پر آزاد ہیں البتہ مصلحت وقت کے اعتبار سے حاضر امام کے فرمان خصوصی کے تحت عمل کر لیتے ہیں۔

۳۔ چونکہ ان کے ہاں نماز نہیں اس لیے یہ لوگ مسجد نہیں بناتے۔ البتہ ان کے جماعت خانے ہوتے ہیں۔

۴۔ شعائر اسلامی کے پابند نہیں۔

۵۔حاضر امام مغربی تہذیب کا نمونہ ہیں۔
۶۔ہر عبادت کا بدل روپیہ پیسہ ہے جو حاضر امام کا حق ہے۔
۷۔حاضر امام کا دیدار سب سے بڑی عبادت ہے۔

جبکہ بوہرے شریعت کے اعمال کے پابند ہیں البتہ جمعہ جماعت سے نہیں پڑھتے۔عموماً تجارت پیشہ ہیں۔دیوالی پر چراغاں کرتے ہیں اور مالیاتی سال بھی دیوالی سے شروع کرتے ہیں۔

یہ رسالہ اسماعیلی مذہب کو سمجھنے کے لیے ایک مفید کاوش ہے۔

ہدیہ فکر اور تنظیم فکر ولی اللّٰہی

مطبوعہ: مکتبہ قاسمیہ، لاہور (۱۴۲۲ھ)، صفحات: ۴۲

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ایک عبقری (Genius) شخصیت کے حامل تھے، ان کا اخلاص اظہر من الشمس اور ملت کے لئے قربانیاں نا قابل فراموش ہیں، انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افکار اور کتب کی تفہیم و توضیح میں بھی بہت اہم کردار ادا کیا، ان کی یہ خدمات حضرت شاہ صاحب کی تحریرات سے استفادہ کرنے والے حضرات پر بڑا احسان ہیں۔تاہم اس سب کے باوجود یہ بات بھی حقیقت ہے (وجہ کچھ بھی ہوئی ہو) ان کی فکر و فلسفے میں کچھ خطرناک قسم کی غلطیاں بھی در آئیں، انہی غلطیوں کو سینے سے لگا کر ''تنظیم فکر ولی اللّٰہی'' کے نام سے ایک تحریک بھی وجود میں آ گئی۔ بڑی شخصیت کی علمی غلطی اگر صرف تحریروں میں رہے تب بھی قابل نقد و گرفت تو ہوتی ہی ہے، تاہم جب وہ کسی جماعت کی فکر میں شامل ہو جائے تب اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مولانا سندھی رحمہ اللہ کی اس قسم کی علمی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی اور یہ بات عملاً ثابت کی کہ اہل حق عالم کا قلم جیسے اغیار کی غلطیوں اور تحریفات پر حرکت میں آتا ہے، ایسے ہی اپنوں کو بھی محض اپنا ہونے کی وجہ سے نظر انداز نہیں کرتا اور کرے بھی کیسے کہ یہ اس قلم کو سونپا گیا فریضہ ہوتا ہے۔اپنی پسند ناپسند کی تو بات ہی نہیں، بات شریعت کے اصولوں کی ہے۔انہی اصولوں کے ساتھ شریعت کی حفاظت اور ہماری شناخت قائم ہے۔

داستان عبرت (مفصّل)

مطبوعہ: دار الامین، لاہور، صفحات: ۷۲

سعودی عرب میں مقیم ایک بدعتی عالم شیخ محمد علوی مالکی نے ایک کتاب لکھی ''**مفاهيم يجب ان تصحح**''، جس میں بدعتی عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ صوفی اقبال صاحب نے ان سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا، دوسرے خلیفہ مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب نے اس کتاب

پر علمائے برصغیر کی تقاریظ حاصل کیں اور تیسرے خلیفہ حافظ صغیر صاحب (احسان مسجد، راجگڑھ، لاہور) کے صاحبزادے مولوی انیس صاحب نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا۔ دوسری جانب ایک اور خلیفہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب نے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' رسالہ لکھ کر مسلک علمائے دیوبند کو مشتبہ بنانے کی کوشش کی، اپنوں کی ان نادان کوششوں کی خبر لینا ضروری تھا۔ چنانچہ لی گئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے علوی مالکی کی تحریرات کا جائزہ بھی لیا اور ہزاروی صاحب کے رسالے کا بھی محاسبہ فرمایا۔ پھر اس سے آگے بڑھتے ہوئے حافظ صغیر صاحب کے ایک خطرناک فلسفے ''صاحب سر نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بھی خبر لی، یہ سارا مواد متفرق مضامین اور چھوٹے چھوٹے رسائل کی صورت میں تھا، ابھی اس کا مجموعہ ''داستان عبرت'' کے نام سے مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب کی کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

جواب نفیس

مطبوعہ: جامعہ دارالتقویٰ، مسجد الہلال، لاہور، صفحات: ۷۲

یہ کتاب بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں حضرت کے قلم نے اپنوں کی اصلاح فرمائی ہے۔ کتابچے کی ابتدا میں حضرت رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب سے ہماری پرانی شناسائی ہے، چند دن پہلے اتفاق سے ان کی کتاب ''امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور واقعہ کربلا'' نظر سے گزری، اس پر حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ [اور دیگر حضرات] کی تقریظات ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے آخری کئی سال حضرات اہل بیت کے دفاع میں اور ان کے مناقب پھیلانے میں گویا وقف کئے ہوئے تھے، اس میں شک نہیں کہ حافظ ظفر اللہ صاحب نے اس پہلو سے بھی اپنی کتاب میں بہت کچھ لکھا ہے جو قابل قدر ہے، لیکن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور واقعہ کربلا کے حوالے سے وہ جادہ حق پر ثابت قدم نہ رہ سکے اور کچھ قابل اعتراض ایسی باتیں لکھ گئے جن کی ان سے قطعاً توقع نہ تھی۔ الحمد اللہ ہم اہلسنت کے عقیدے کے مطابق یزید کو فاسق سمجھتے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام کو جہاد سمجھتے ہیں، بغاوت نہیں، اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت تمام اہل بیت کے مناقب کے قائل ہیں۔ ہمیں خیال ہوا کہ جناب حافظ صاحب کی غلطیوں کو واضح کر دیں، یہ وہ غلطیاں ہیں کہ اگر حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ (باب العلوم کہروڑ پکا) کی توجہ ان کی طرف دلائی جاتی تو وہ کتاب میں سے ان کے اخراج کا حکم ضرور دیتے۔ ہم جناب حافظ ظفر اللہ صاحب سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ کتاب پر نظر ثانی کریں گے اور کتاب کے اگلے ایڈیشن میں ان سے اور ایسی تمام باتوں سے اجتناب کریں گے۔

یہ چند باتیں ہم نے ایک غیر رسمی تحریر کے ذریعے جناب حافظ صاحب کو حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے خادم بھائی رضوان صاحب کے ہاتھ بھجوائی اور ہم ابھی ان کی جانب سے غیر رسمی جواب کے انتظار میں تھے کہ اتنے میں ہمیں خلاف توقع چھپے ہوئے کتابچے کی صورت میں ''اقرار مودت'' کے نام سے حافظ صاحب کا جواب ملا، ہمیں حیرت ہوئی کہ جب ہم نے ابھی اپنے اعتراضات شائع ہی نہیں کیے تو جواب چھاپنے کی کیا ضرورت تھی.....!''

حضرت رحمہ اللہ نے اصل کتاب اور پھر اپنی غیر رسمی تحریر کے جواب ''اقرار مودت'' کو سامنے رکھ کر باتوں کا جواب دیا۔ افسوس کی بات یہ ہوئی کہ حافظ صاحب نے بجائے اپنی باتوں پر نظر ثانی کرنے کے قدم کچھ آگے ہی بڑھا دیے، حتیٰ کہ روافض کے لئے نہ صرف نرم گوشہ پیدا کر لیا بلکہ ان کی وکالت شروع کر دی۔ اگرچہ تنقید کسی شخصیت کے پس منظر میں ہوتی ہے مگر اصل چیز فکر ہوتی ہے۔ اسی پس منظر میں ان تحریرات کی اہمیت سمجھنی چاہیے۔ حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم پر کام کرتے ہوئے رفض کے غلو سے بچنا بھی ضروری ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کام کرتے ہوئے ناصبیت کی حدود سے دور رہنے کی بھی ضرورت ہے۔ صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے امت میں پہلے سے دو انحرافات متعارف ہو چکے ہیں، انسان اعتدال سے ہٹ کر کوئی نیا کام نہیں کرتا بلکہ جادہ انحراف کے مسافروں میں ہی ایک نئے نام کا اضافہ کرا لیتا ہے۔

دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند ضروری باتیں

مطبوعہ: مکتبہ قاسمیہ، لاہور (۱۴۲۲ھ)، صفحات: ۴۷

یہ کتاب نہایت اہم کتاب ہے، اس لئے کہ نصیحت و خیر خواہی کے ساتھ اگر کوئی غلطی دکھائے تو اس سے بڑا محسن کوئی نہیں، انسان کے سر سے جب کہنے سننے والے اٹھ جاتے ہیں تو اسے گھنے سایہ دار درخت کے چھن جانے کا احساس ہوتا ہے۔ الحمد للہ ہمارے اکابر اہل علم جہاں دین کے علوم کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، وہیں خود اپنے اصاغر اور دین کا کام کرنے والے مخلصین کی باتوں پر بھی نظر رکھتے ہیں اور ان کی اصلاح کی مقدور بھر سعی فرماتے رہتے ہیں۔ ان بڑے حضرات کا مقصد کسی کام میں رکاوٹ ڈالنا نہیں ہوتا، بلکہ کام کو اچھے طریقے سے کرانا ہوتا ہے، ہر زمانے کے اکابر اس ذمہ داری کو نبھاتے آئے ہیں، ماضی قریب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اصلاح انقلاب امت کی نوعیت کی تحریریں اسی فریضہ سے سبکدوشی کی صورتیں ہیں۔ زیر نظر کتابچہ بھی اسی جذبے کے ساتھ سپرد قلم کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت مصنف رحمہ اللہ پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''الحمد اللہ ہمارے ہاں بہت سے لوگوں کو دین کی فکر ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ دین پر آ جائیں، اسی سے امید ہے کہ مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ دوبارہ حاصل ہو جائے، غرض تو سب ہی کی بہت اچھی ہے لیکن اس کے لئے بعض کام کرنے والے جو تفصیلی فکر لوگوں کو دیتے ہیں اس میں افسوسناک حد تک کچھ سقم اور نقائص نظر

آتے ہیں اور ڈر ہوتا ہے کہ دین کے تصورات میں یہ کوتاہی آگے چل کر کوئی اور ہی رنگ نہ دکھائے، اس لیے بنام خدا ہمت کر کے چند باتوں پر قلم اٹھایا ہے تاکہ فکرمند لوگ اس طرف توجہ کریں اگر بات کو درست پائیں تو کوشش کریں کہ اصلاح احوال ہو سکے اور لوگوں میں غلط تصورات جڑ نہ پکڑ لیں۔ یہ باتیں ہم نے خوب اچھی طرح غور و فکر کر کے لکھی ہیں، پھر بھی اگر کوئی دلائل سے ہماری کسی غلطی کی نشاندہی کرے گا تو ہم اس کے ممنون ہوں گے اور انشاءاللہ اپنی غلطی کی تصحیح کریں گے۔"

دین کا کام دین کے اصول قربان کر کے تو ہوگا نہیں کیونکہ اگر ہوگا تو وہ کوئی اور ہی کام ہوگا دین کا کام نہیں ہوگا لہذا ارباب بست و کشاد کو اس چیز کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کسی بھی کام، تحریک یا محنت کو شروع کرنے سے پہلے ان کی شرعی تطبیق اچھی طرح سوچ لیں اور ہر غیر شرعی کام کو وسیلہ کے طور پر بھی استعمال نہ کریں، کیونکہ ہم بہرحال نتائج کے مکلّف نہیں ہیں، ہم سے احکام کی اتباع کا سوال ہوگا۔

.....☆.....

چند دیگر تحریرات

باضابطہ تصانیف کی فہرست میں وہ تحریرات بھی شامل ہیں جو ابتداءً الگ چھپی مگر پھر کسی دوسری تصنیف کا حصہ بن گئیں یا حذف و اضافہ کے بعد نئے نام سے طبع ہو گئیں یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ طبع نہ ہوئیں۔ جیسے

- شرح احادیث سبعہ اور تاریخ قرآت متواترہ: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور (۱۴۲۱ھ)، صفحات: ۴۳ .....(فقہی مضامین کا حصہ بن گئی)۔
- مروجہ مجالس ذکر و درود کی شرعی حیثیت: مطبوعہ: ادارہ تعلیمات دینیہ، مسجد نمرہ مزنگ، لاہور (۱۴۲۲ھ)، صفحات: ۴۰ .....(فقہی مضامین کا حصہ بن گئی)۔
- مروجہ اسلامی بینکاری: چند واجب الاصلاح امور: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور، صفحات: ۴۸ ..... (فقہی مضامین کا حصہ بن گئی)۔
- تین متفقہ مسائل کی تحقیق: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور (۱۴۲۵ھ) صفحات: ۲۶.....(فقہی مضامین کا حصہ بن گئی)۔
- ملٹی لیول مارکیٹنگ کا شرعی حکم.....(فقہی مضامین کا حصہ بن گئی)۔
- طب اور مابعد الطبیعات (Medicins Metapysics): مطبوعہ: دارالتقویٰ ٹرسٹ، لاہور، صفحات: ۴۰ .....(فقہی مضامین کا حصہ بن گئی)۔
- ہدیہ جواب: مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، صفحات: ۸۸..... (جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا

حصہ بن گیا ہے)

o جدید معاشی مسائل اور مولانا تقی عثمانی صاحب کے دلائل کا جائزہ: مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، (۲۰۰۸ء) صفحات: ۱۹۰.....(جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا حصہ بن گیا ہے)

o بزناس یا دین و دنیا کا ناس: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور، صفحات: ۴.....(دوبارہ طبع نہیں ہوا۔)

o ذرا غور تو کیجیے: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور، صفحات: ۱۶.....(دوبارہ طبع نہیں ہوا)

o توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور (۱۴۳۳ھ)، صفحات: ۶۲.....(عمار خان کا نیا اسلام کا حصہ بن چکا ہے)

o مقام عبرت: عمار خان کے نظریات پر نقد: مطبوعہ: دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور، صفحات: ۴۸ ..... (عمار خان کا نیا اسلام کا حصہ بن چکا ہے)

o مرزا قادیانی

.....☆.....

مقالات ومضامین

ان کتابوں اور رسالوں کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ نے مختلف اوقات میں علمی وتحقیقی مضامین ومقالات بھی سپرد قلم کیے۔ جو اپنے زمانے کے معروف علمی رسالوں کی زینت بنے۔ ان مضامین میں سے کچھ مضامین بعد ازاں کتابی صورت میں آ گئے یا کسی کتاب کا حصہ بن گئے۔ معروف اشاریہ نگار محمد شاہد حنیف صاحب نے ان مقالات کی فہرست بڑی جانفشانی سے مرتب کی ہے۔ جو ان کے اور امین الاکابر مولانا عابد صاحب (ناظم صفہ ٹرسٹ لاہور) کے شکریے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ واضح رہے کہ اشاریہ چونکہ ماضی کا ریکارڈ ہوتا ہے اس لیے اس میں تکرار بھی گوارا کیا جاتا ہے۔

شریعت میں واقعاتی شہادت کی حیثیت	منہاج، لاہور: اکتوبر ۱۹۸۳/ ۴ تا ۱۷ تا ۱۹۵
پوسٹ مارٹم معائنہ کی شرعی حیثیت	منہاج، لاہور: اپریل ۱۹۸۴/ ۶۹ تا ۸۳
اسلام اور ضبطِ ولادت [فیملی پلاننگ]	منہاج، لاہور: اکتوبر ۱۹۸۴/ ۱۰۸ تا ۱۳۶
التقلید والتلفیق	منہاج، لاہور: جنوری ۱۹۸۶/ ۵۵ تا ۱۰۰
فقہ اسلامی (میں) رشوت کی حقیقت	منہاج، لاہور: جولائی ۱۹۸۶/ ۹ تا ۳۱
جواز اجارہ (کرایہ) مکانات	منہاج، لاہور: جنوری ۱۹۸۷/ ۶ تا ۱۴۱

''مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام'' (نامی کتاب) پر تبصرہ	منہاج، لاہور: جولائی ۱۹۸۷/ ۲۸ تا ۱۱۲
علمِ میراث کے اہم مباحث	منہاج، لاہور: جنوری ۱۹۸۸/ ۱۹۵ تا ۲۲۶
جاوید احمد غامدی صاحب کے مضمون 'مسئلہ وراثت' پر ناقدانہ نظر	منہاج، لاہور: جنوری ۱۹۸۸/ ۲۲۷ تا ۲۶۶
عقود بالتعاطی (یعنی خاموش لین دین)	منہاج، لاہور: جولائی ۱۹۸۸/ ۳۹ تا ۵۰
فساد وعدمِ فسادِ صوم کے لیے معیار	منہاج، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۴/ ۹ تا ۳۰
حقِ ایجاد اور حقِ طباعت واشاعت کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	منہاج، لاہور: ۱۹۹۶/ ۱۰۸ تا ۱۲۲
تولیدِ انسانی کے جدید طریقوں کے شرعی احکام [ٹیسٹ ٹیوب بے بی]	منہاج، لاہور: جنوری ۱۹۹۷/ ۹۱ تا ۱۰۸
شرعی قانونِ عقدِ وکالت	منہاج، لاہور: جنوری ۱۹۹۸/ ۹۵ تا ۱۵۴
انسانی کلوننگ: تعارف وشرعی حیثیت	منہاج، لاہور: جنوری ۲۰۰۰/ ۶۷ تا ۸۴
رکوع وسجود سے معذور شخص کے لیے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ	نقیب ختم نبوت، ملتان: نومبر ۲۰۰۹/ ۵۰
موبائل فون کے بارے میں چند مسائل	نقیب ختم نبوت، ملتان: نومبر ۲۰۰۹/ ۵۰
اعتکاف کے مسائل	نقیب ختم نبوت، ملتان: جون ۲۰۱۶/ ۲۰ تا ۲۸
قربانی کے مسائل	نقیب ختم نبوت، ملتان: ستمبر ۲۰۱۶/ ۱۲ تا ۲۶
مکتوب	الشریعہ، گوجرانولہ: جون ۲۰۰۸/ ۳۷ تا ۳۸
مقامِ عبرت [حدود وتعزیرت از محمد عمار خان ناصر پر تنقیدی تبصرہ]-۱	الشریعہ، گوجرانولہ: جنوری ۲۰۰۹/ ۲۱ تا ۳۳
مقامِ عبرت [حدود وتعزیرت از محمد عمار خان ناصر پر تنقیدی تبصرہ]-۲	الشریعہ، گوجرانولہ: فروری ۲۰۰۹/ ۳۷ تا ۴۹
مکتوب [حدود وتعزیرت از محمد عمار خان ناصر پر تنقیدی تبصرہ]	الشریعہ، گوجرانولہ: فروری ۲۰۰۹/ ۵۵
مقامِ عبرت چند مزید مباحث [حدود وتعزیرت از محمد عمار خان ناصر]	الشریعہ، گوجرانولہ: اپریل ۲۰۰۹/ ۴۲ تا ۴۴
سبعہ احرف سے مراد اور قراءات عشرہ کی حجیت	رُشد، لاہور: جون ۲۰۰۹/ ۱۲۶ تا ۱۴۰
تاریخِ قرائاتِ متواترہ اور حل اشکالات	رُشد، لاہور: ستمبر ۲۰۰۹/ ۹۱۰
ماہنامہ ''رُشد'' کا 'قراءات' نمبر [مکتوب]	رُشد، لاہور: ستمبر ۲۰۰۹/ ۱۰۳۱
فساد وعدمِ فساد صوم کے معیار: مسائل روزہ	المباحث الاسلامیۃ: مارچ ۲۰۰۳/ ۶۱ تا ۷۵
تجارتی انعامی سکیموں کا شرعی حکم [قمار وغیرہ]	المباحث الاسلامیۃ: مارچ ۲۰۰۷/ ۲۸ تا ۳۴
چند جدید مسائل روزہ کے بارے میں علمی تحقیق	المباحث الاسلامیۃ: ستمبر ۲۰۰۷/ ۱۰۷ تا ۱۰۹
دوائی سے متعلق شرعی اُصول واحکام	المباحث الاسلامیۃ: جون ۲۰۰۸/ ۱۴ تا ۲۲
دلالی اور آڑھت کے احکام [کمیشن ایجنٹ شیئرز وغیرہ]	المباحث الاسلامیۃ: مارچ ۲۰۱۳/ ۸۲ تا ۹۲

مکتوب	القاسم، نوشہرہ: مارچ ۲۰۰۳/ ۲۵
حقِ ایجاد اور حقِ طباعت واشاعت کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	فقہ اسلامی، کراچی: فروری ۲۰۱۰/ ۴۵ تا ۵۹
تولیدِ انسانی کے جدید طریقوں کے شرعی احکام [ٹیسٹ ٹیوب بے بی]	فقہ اسلامی، کراچی: دسمبر ۲۰۱۰/ ۲۹ تا ۴۶
شہید کے احکام	فقہ اسلامی، کراچی: مارچ ۲۰۰۳/ ۳۴ تا ۳۸
مرضِ موت میں مبتلا مریضوں کے تصرفات	فقہ اسلامی، کراچی: جنوری ۲۰۱۵/ ۱۵ تا ۱۸
مصنوعی تخم ریزی (Artificial Insemination)	فقہ اسلامی، کراچی: جنوری ۲۰۱۵/ ۳۱ تا ۳۶
قصاص ودیت کے احکام	فقہ اسلامی، کراچی: فروری ۲۰۱۵/ ۱۵ تا ۳۱
مروّجہ اسلامی بینکاری کی چند خرابیاں	محدث، لاہور: ستمبر ۲۰۰۸/ ۲۸ تا ۴۶
ویڈیو، سی ڈی سے سکرین پر حاصل شدہ تصویر کا حکم	محدث، لاہور: مئی ۲۰۰۹/ ۴۹ تا ۵۹
مروّجہ اسلامی بینکنگ کے حوالے سے ایک وضاحت	محدث، لاہور: جون ۲۰۰۹/ ۵۹
توہینِ رسالت کا مسئلہ اور محمد عمار خان ناصر	محدث، لاہور: اکتوبر ۲۰۱۱/ ۴۵ تا ۷۵
داڑھی سے متعلق ایک استفتاء کا جواب	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۲/ ۳۷ تا ۴۰
متفرق جدید فقہی مسائل	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۲/ ۳۱ تا ۳۴
اپنی زندگی میں جائیداد وغیرہ اولاد کو ہبہ کرنا	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۲/ ۵۱
طلاق سے متعلق ایک سوال	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۲/ ۵۱ تا ۵۲
قبر میں میت سے ایک سوال کے بارے میں اشکال	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۲/ ۵۲
صفحہ قرطاس	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۱۹۹۳/ ۴۵ تا ۴۸
گیارھویں شریف اور ایصالِ ثواب کا طریقہ	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۳/ ۴۸ تا ۴۹
پیلی ٹیکسی کی خریداری کا شرعی حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۳/ ۵۲ تا ۵۴
لاؤڈ سپیکر کا استعمال	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۳/ ۳۶ تا ۳۸
مالک کی طرف سے دی گئی ضرورت کی اشیاء کو بیچنے کے احکام	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۳/ ۴۶ تا ۴۷
ٹیلی ویژن دیکھنا کہاں تک جائز ہے	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۳/ ۴۷ تا ۴۸
تصویر والے کھلونوں کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۳/ ۴۸
گورنمنٹ کا اپنے خرچ پر غریبوں کو حج پر بھیجنا	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۳/ ۴۸ تا ۴۹
خاندانی منصوبہ بندی کے احکام	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۳/ ۴۹
خطبہ جمعہ کے مسائل	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۳/ ۵۲ تا ۵۳

غیر اسلامی نظام حکومت	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۳/ ۴۷ تا ۵۲
ہمارے اکابر کا اصل مسلک	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۳/ ۳۶ تا ۵۲
ہمارے اکابر کا اصل مسلک	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۳/ ۲۵ تا ۳۲
اسم اعظم کیا ہے؟	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۳/ ۴۶ تا ۵۰
سودی کاروبار کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۳/ ۵۱ تا ۵۵
عیسائی عورت کے قبولِ اسلام کے بعد نکاح کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۳/ ۵۵ تا ۵۷
نمازِ جنازہ کے بعد کی دُعا کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۱۹۹۴/ ۴۶ تا ۴۸
قرض اور لین دین کے احکام	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۴/ ۵۷ تا ۵۹
متفرق مسائل (اجارہ یعنی ملازمت کے احکام، ٹوکن سکیم کا حکم)	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۴/ ۵۲ تا ۵۳
مساجد کمیٹیوں کی شرعی حیثیت	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۴/ ۵۷ تا ۵۹
تبلیغ کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۴/ ۵۴ تا ۵۶
زندہ جانوروں کی تول کر خرید و فروخت کے احکام	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۴/ ۵۲ تا ۵۸
سود کے احکام	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۴/ ۵۴ تا ۵۸
اصلاحِ مفاہیم پر ایک نظر-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۴/ ۴۹ تا ۶۴
اصلاحِ مفاہیم پر ایک نظر-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۴/ ۴۲ تا ۶۱
اصلاحِ مفاہیم پر ایک نظر-۳	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۴/ ۴۶ تا ۵۸
اصلاحِ مفاہیم پر ایک نظر-۴	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۴/ ۳۹ تا ۵۸
فاریکس اور کامیکس کمپنیوں کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۴/ ۴۲ تا ۴۵
ٹورنامنٹ کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۴/ ۳۷ تا ۳۸
جمعہ کی اذانِ اوّل کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۴/ ۵۷ تا ۶۰
مدارس میں زکوۃ و صدقات کے احکام	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۵/ ۵۹ تا ۶۳
بذریعہ بینک بیرونِ ملک تجارت کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۵/ ۵۱ تا ۵۲
غیر ذبیحہ گوشت کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۵/ ۵۲ تا ۵۵
نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۵/ ۵۷ تا ۶۰
رسالہ ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کے تیسرے ایڈیشن پر ایک نظر	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۵/ ۳۸ تا ۴۸
مجالس ذکر و درُود شریف کی شرعی حیثیت-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۵/ ۴۱ تا ۵۲

مجالس ذکر و درُود شریف کی شرعی حیثیت-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۵/
مجالس ذکر و درُود شریف کی شرعی حیثیت-۳	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۵/ ۳۴ تا ۵۵
عورتوں کے لیے عربی دینی تعلیم کے اداروں کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۵/ ۴۶ تا ۵۱
فرضوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کے دعا کرنا جائز ہے	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۵/ ۴۹ تا ۵۱
شیئرز کی خرید و فروخت ناجائز ہے	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۵/ ۵۴ تا ۵۸
حقِ ایجاد اور حقِ طباعت و اشاعت کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۵/
حقِ ایجاد اور حقِ طباعت و اشاعت کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۵/
قربانی سے متعلق ایک استفتاء کا جواب	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۵/
زکوۃ سے متعلق ایک استفتاء کا جواب	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۵/
علاقائی حقوق سے متعلق احکام-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۵/
علاقائی حقوق سے متعلق احکام-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۵/
غیر اسلامی ممالک میں عقودِ فاسدہ اور عقودِ باطلہ کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۵/
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۵/ ۴۵ تا ۵۱
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۲	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۵/ ۴۵ تا ۵۳
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۳	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۱۹۹۶/ ۴۰ تا ۴۹
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۴	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۶/ ۴۹ تا ۵۵
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۵	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۶/ ۴۹ تا ۵۹
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۶	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۶/ ۲۱ تا ۴۱
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۷	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۶/ ۴۲ تا ۵۱
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۸	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۶/ ۴۱ تا ۵۰
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۹	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۶/ ۴۱ تا ۴۷
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۰	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۶/ ۴۹ تا ۵۲
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۱	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۶/ ۴۵ تا ۵۵
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۶/ ۴۲ تا ۴۷
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۳	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۶/ ۳۵ تا ۴۰
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۴	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۶/ ۴۷ تا ۵۴

تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۵	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۱۹۹۷/ ۴۸ تا ۵۵
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۶	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۷/ ۴۷ تا ۵۶
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۷	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۷/ ۴۳ تا ۵۷
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۸	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۷/ ۳۸ تا ۵۴
تحفۂ اصلاحی [مولانا امین احسن اصلاحی کے اُصولِ تفسیر اور فہمِ حدیث کا جائزہ] -۱۹	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۷/ ۴۷ تا ۵۴
اہلِ علم واہلِ فتوی کے غور وفکر کے لیے ایک مسئلہ	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۷/ ۴۸ تا ۵۷
قرآن پاک اور حروفِ سبعہ پر اُس کا نزول	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۷/ ۳۷ تا ۵۰
تاریخِ قراءاتِ متواترہ اور حل اشکالات -۱	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۷/ ۴۳ تا ۵۰
تاریخِ قراءاتِ متواترہ اور حل اشکالات -۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۷/ ۳۸ تا ۴۷
تاریخِ قراءاتِ متواترہ اور حل اشکالات -۳	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۷/ ۴۷ تا ۵۵
مشاجراتِ صحابہؓ سے متعلق چند اُصول	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۷/ ۴۱ تا ۵۳
عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی ہے	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۷/ ۴۸ تا ۵۴
اُصولِ بدعت -۱	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۸/ ۴۳ تا ۵۳
اُصولِ بدعت -۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۸/ ۳۵ تا ۴۷
جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات -۱	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۸/ ۴۲ تا ۵۳
جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات -۲	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۸/ ۳۹ تا ۴۷
جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات -۳	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۸/ ۴۶ تا ۵۴
جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات -۴	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۸/ ۳۹ تا ۵۱
جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات -۵	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۸/ ۴۴ تا ۵۱
جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات -۶	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۱۹۹۹/ ۴۵ تا ۵۴
سر کے گنج کو چھپانے کا ایک جدید طریقہ	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۸/ ۵۱ تا ۵۲
سنت اور حدیث	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۱۹۹۹/ ۳۰ تا ۴۲
مرزا قادیانی کے دعوے اور اُن کی تردید -۱	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۱۹۹۹/
مرزا قادیانی کے دعوے اور اُن کی تردید -۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۱۹۹۹/
مرزا قادیانی کے دعوے اور اُن کی تردید -۳	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۱۹۹۹/
محمد علوی مالکی صاحب کے عقائد	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۱۹۹۹/

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت وتبلیغ کا بیان	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۱۹۹۹/
کھانے کے احکام ومسائل	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۱۹۹۹/
مارٹن لنگز کا فلسفہ وحدتِ اَدیان-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۱۹۹۹/
مارٹن لنگز کا فلسفہ وحدتِ اَدیان-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۹/ ۳۰ تا ۴۲
بہائی جماعت کی خدمت میں چند گزارشات	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۱۹۹۹/ ۴۲ تا ۵۰
نذر اور منت کے مسائل	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۱۹۹۹/ ۴۲ تا ۴۸
ایک حدیث کی تشریح	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۲۰۰۰/ ۴۸ تا ۵۰
کھیل اور تفریح	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۰/ ۵۷ تا ۵۸
تغیر لخلق اللہ اور کاسمیٹک سرجری	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۰۰/ ۴۲ تا ۵۰
دین کے چند ضروری قواعد وضوابط-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۲۰۰۰/ ۵۰ تا ۵۷
دین کے چند ضروری قواعد وضوابط-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۰۰/ ۴۶ تا ۵۳
تجویز امارتِ شرعیہ فی الہند کی تاریخ-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۰/ ۳۷ تا ۵۲
تجویز امارتِ شرعیہ فی الہند کی تاریخ-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۰/ ۴۰ تا ۴۹
مسائلِ قربانی	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۱/ ۱۴ تا ۲۴
شرک کی اقسام	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۱/ ۴۵ تا ۴۸
فہم حدیث: دین کا علم، فضائل وآداب	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۲۰۰۱/ ۳۸ تا ۴۳
فہم حدیث: علماء کو ہدایت وتنبیہات	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۰۱/ ۵۰ تا ۵۸
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۰۱/ ۳۸ تا ۴۱
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۲۰۰۱/ ۳۸ تا ۴۵
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۱/ ۴۶ تا ۴۷
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۱/ ۳۶ تا ۴۱
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۱/ ۴۶ تا ۴۸
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۲۰۰۱/ ۳۷ تا ۳۸
فہم حدیث: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۲۰۰۲/ ۲۴ تا ۲۷
فہم حدیث: ایمان، اسلام اور احسان	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۲۰۰۲/ ۳۴ تا ۳۸
فہم حدیث: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۲/ ۴۷ تا ۵۱

فہم حدیث: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ تعلق	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۰۲/ ۲۸ تا ۳۱
فہم حدیث: نبوت ورسالت	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۲۰۰۲/ ۲۱ تا ۳۷
فہم حدیث: نبوت ورسالت	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۰۲/ ۴۴ تا ۵۳
فہم حدیث: نبوت ورسالت	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۰۲/ ۳۹ تا ۴۶
فہم حدیث: نبوت ورسالت	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۲۰۰۲/ ۱۵ تا ۱۸
فہم حدیث: نبوت ورسالت	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۲/ ۳۶ تا ۴۳
فہم حدیث: نبوت ورسالت	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۲/ ۳۸ تا ۴۹
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۲/ ۵۰ تا ۵۱
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۲۰۰۲/ ۳۲ تا ۳۵
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۲۰۰۳/ ۴۷ تا ۵۱
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۲۰۰۳/ ۲۵ تا ۳۱
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۳/ ۳۳ تا ۳۷
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۰۳/ ۴۶ تا ۴۸
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۲۰۰۳/ ۴۹ تا ۵۳
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۰۳/ ۲۲ تا ۲۶
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۰۳/ ۱۴ تا ۱۸
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۲۰۰۳/ ۲۲ تا ۲۸
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۳/ ۳۶ تا ۴۱
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۳/ ۴۹ تا ۵۴
فہم حدیث: قیامت اور آخرت کی تفصیل	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۳/ ۳۷ تا ۴۳
دارُالافتاء متعلقہ نماز (شیشہ سترہ نہیں ہے)	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۱/ ۳۹ تا ۴۰
دارُالافتاء متعلقہ نکاح ٹیلی فون، انٹرنیٹ، وغیرہ	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۲۰۰۱/ ۲۴
حج اور عمرہ کے چند اہم مسائل	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۲۰۰۲/ ۳۲ تا ۳۳
ڈارون کا نظریہ ارتقاء	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۲/ ۳۳ تا ۳۴
بزناس یا ''دین ودنیا کا، ناس''	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۰۲/ ۳۶ تا ۳۸
کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۰۳/ ۴۹ تا ۵۲

بزناس کمپنی اور دارُالعلوم کراچی کے فتوے کی حقیقت	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۲۰۰۳/۴۴ تا ۴۸
پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجبِ اصلاح اُمور-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۲۰۰۴/ ۳۱ تا ۴۷
پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجبِ اصلاح اُمور-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۲۰۰۴/ ۲۲ تا ۳۳
پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجبِ اصلاح اُمور-۳	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۴/ ۲۱ تا ۲۵
منیٰ اور مزدلفہ کا مکہ مکرمہ کے ساتھ تعلق اور اُن کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۰۵/ ۱۷ تا ۲۷
انسانی اعضاء کی پیوند کاری	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۰۵/ ۲۵ تا ۳۹
دلالی اور آڑھت کے احکام-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۵/ ۲۴ تا ۳۳
دلالی اور آڑھت کے احکام-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۵/ ۲۷ تا ۳۳
محفل قراءات کی شرعی حیثیت	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۰۶/ ۲۹ تا ۳۳
تجارتی انعامی سکیموں کا شرعی حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۶/ ۴۰ تا ۴۵
کرسی پر بیٹھا ہوا معذور شخص نماز میں سجدہ کے لیے کیا کرے؟	انوارِ مدینہ، لاہور: جنوری ۲۰۰۷/ ۳۴ تا ۳۸
ظہار اور روزہ توڑنے میں کفارہ بالصوم	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۷/ ۴۱ تا ۴۹
حرمت مصاہرت.....کچھ نئے کچھ پرانے زاویے	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۷/ ۲۴ تا ۳۷
وضو میں چہرہ کے دائرے میں موجود داڑھی کے سب بالوں کو دھونے کا وجوب	انوارِ مدینہ، لاہور: فروری ۲۰۰۸/ ۳۹ تا ۴۸
موزے پر مسح رُخصت کی کون سی قسم ہے؟ (عزیمت یا رُخصت)	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۰۸/ ۲۰ تا ۳۲
کمپنیوں کی محدود ذمہ داری کی شرعی حیثیت اور مولانا تقی عثمانی کے دلائل کا جواب-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۰۸/ ۲۴ تا ۳۷
کمپنیوں کی محدود ذمہ داری کی شرعی حیثیت اور مولانا تقی عثمانی کے دلائل کا جواب-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۰۸/ ۲۷ تا ۴۶
کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۲۰۰۸/ ۴۲ تا ۵۲
کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۰۸/ ۳۴ تا ۴۱
کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟-۳	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۰۸/ ۲۱ تا ۳۴
کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟-۴	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۰۸/
کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟-۵	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۲۰۰۸/
ویڈیو اور سی ڈی سے سکرین پر حاصل شدہ صورت کا حکم	انوارِ مدینہ، لاہور: مارچ ۲۰۰۹/ ۴۰ تا ۵۱
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۱	انوارِ مدینہ، لاہور: اپریل ۲۰۱۲/ ۴۲ تا ۵۲
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۲	انوارِ مدینہ، لاہور: مئی ۲۰۱۲/ ۳۰ تا ۴۳
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۳	انوارِ مدینہ، لاہور: جون ۲۰۱۲/ ۳۴ تا ۴۳

اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۴	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۱۲/۴۳ تا ۴۷
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۵	انوارِ مدینہ، لاہور: اگست ۲۰۱۲/ ۴۵ تا ۵۲
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۶	انوارِ مدینہ، لاہور: ستمبر ۲۰۱۲/ ۴۶ تا ۵۴
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۷	انوارِ مدینہ، لاہور: اکتوبر ۲۰۱۲/ ۳۷ تا ۴۸
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۸	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۱۲/۳۳ تا ۴۲
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۹	انوارِ مدینہ، لاہور: دسمبر ۲۰۱۲/ ۵۵ تا ۶۱
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۱۰	انوارِ مدینہ، لاہور: نومبر ۲۰۱۳/
اسلامی صکوک: تعارف اور تحفظات-۱۱	انوارِ مدینہ، لاہور: جولائی ۲۰۱۷/

.....☆☆☆.....

تحقیق وتالیف کا مزاج ومذاق

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دالتقویٰ لاہور

حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف اور مضامین کے تعارف کے ساتھ ساتھ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کا وہ مزاج ومذاق بھی ذکر کر دیا جائے جو ان تصانیف میں کارفرما ہے۔ یہ مزاج ومذاق اپنے شخصی استقراء پر مبنی ہے تاہم فائدے سے خالی نہیں اس لئے بصورت نکات پیش خدمت ہے:

ا۔ حضرت رحمہ اللہ چونکہ دین کی درست تفہیم کے منصب پر تھے اور اس کی نزاکت سے پوری طرح آگاہ تھے اور ساتھ ساتھ حالات زمانہ، عرف ورواج اور مخاطبین کی نفسیات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اس لیے اپنی تحریرات اور فتاویٰ میں اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے تھے جو بعض آثار میں بیان ہوا ہے: **کلموا الناس علی قدر عقولھم** یعنی لوگوں سے ان کی فہم کے مطابق بات کرو۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر بات جو حق ہو کسی بھی انداز میں بیان کر دی جائے بلکہ مخاطب کی فہم اور ذہنی سطح کی رعایت رکھنا ضروری ہے کیونکہ ''**ان الحق قد یعتریہ سوء التعبیر**'' کبھی کبھی صحیح اور حق بات غلط تعبیر کی وجہ سے انکار کی زد میں آجاتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ ایک سوال آیا ''فضائل اعمال'' میں لکھا ہے کہ دو بھائیوں میں سے ایک شہید ہوا، دوسرا ایک سال بعد طبعی موت سے فوت ہو گیا۔ تو شہید سے طبعی موت والا آگے بڑھ گیا۔ یہ کیا بات ہے؟ بندہ نے اس اشکال کا جواب لکھا اور اس میں تمہیداً لکھا: ''اس کا جواب علماء نے مختلف انداز سے دیا ہے'' یا شاید لکھا کہ ''اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں''۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس پر اصلاح فرمائی اور فرمایا:

''عوام کے سامنے یہ بات ایسے نہیں رکھتے کیونکہ اس سے یہ تاثر بنتا ہے کہ جیسے جواب بن نہیں پا رہا بس طرح طرح سے جواب بنایا جا رہا ہے۔ لہذا یوں کرو کہ جو جواب تمہیں راجح لگے صرف وہی ذکر کرو، باقی جوابات ذکر نہ کرو۔''

اس سلسلے میں یہ بھی فرماتے تھے: جو بات بھی کی جائے (یا لکھی جائے) وہ یا تو منصوص ہو یا معقول ہو۔ یعنی اس بات کی پشت پر یا تو قرآن وحدیث کی کوئی نص ہو یا پھر کسی عقلی اصول پر استوار ہو۔ مختلف اقوال فقہ میں بھی وجوہات ترجیح میں سے ایک وجہ یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ منصوص ہے یا عقل کے زیادہ قریب ہے۔

۲۔ احادیث کا حوالہ دینے میں ترجیح یہ ہوتی تھی کہ حوالہ صحاح ستہ سے دیا جائے اور بالترتیب دیا جائے الّا یہ کہ ضرورت کسی اور کتاب سے دینے کا تقاضا کرے۔ ''فہم حدیث'' میں بھی اسی اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ''صحاح ستہ'' کو بہ نسبت دیگر کتب کے شہرت ومقبولیت زیادہ ملی ہے اگر چہ یہ عین ممکن ہے کہ سند کے اعتبار سے کوئی روایت دوسری کتب میں زیادہ مضبوط ہو مگر چونکہ وہ شہرت نہیں رکھتی لہذا پہلے اسے مخاطب کے لیے قابل قبول بنانا پڑے گا پھر دلیل منوانی پڑے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ کسی کو اس کے مسلمات میں سے ہی قائل کیا جائے تا کہ ایک زائد بات میں زور صرف نہ ہو۔

۳۔ جو بات بھی لکھی جائے پوری تحقیق کر کے اور چھان پھٹک کر لکھی جائے اٹکل سے یا قیاسات سے نہ ہو۔ جس فن کے جو اصول ہیں ان اصولوں پر رہتے ہوئے تحقیق کی جائے۔ اگر کسی بات یا مسئلے کا مدار خارجی معلومات پر ہے تو معلومات کے حصول کے ممکنہ تمام ذرائع اختیار کیے جائیں۔ اس سلسلے میں کسی ادارے میں جانا پڑے تو جایا جائے، کسی بندے سے معلومات لینے کی ضرورت ہو تو لی جائیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایل سی ڈی فروخت کرنے کا سوال آیا تو اس سے متعلق معلومات کے لیے ''الفتح'' سٹور والوں کو دارالافتاء میں بلوایا اور معلومات حاصل کیں۔ اس سلسلے میں بظاہر معمولی معمولی باتوں کو بھی معمولی نہ جانتے تھے، تحقیق پوری کرواتے تھے مگر کمال یہ تھا کہ احتمالات ناشئہ عن غیر دلیل کو ملحوظ نہ رکھتے تھے۔

۴۔ حضرت کو حروف خوانی (Proof Reading) اور عبارت کی تصحیح کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ ایک کتاب کے چھ چھ دفعہ بھی پروف پڑھنے سے نہ اکتاتے تھے۔

۵۔ تحریر میں حشو وزائد نہ ہو ''خیر الکلام ماقل ودل'' یعنی عبارت میں ابلاغ اور اظہار مکمل ہو مگر زائد عبارت بھی نہ ہو۔ حضرت کی عبارت اس کا نمونہ ہوتی تھی۔ اس لیے حضرت کی عبارت کی عموماً تلخیص نہ ہو سکتی تھی کہ وہ پہلے ہی خلاصہ ہوتی تھی۔

۶۔ مضمون براہ راست شروع کیا جائے اور مقصودی بات کر کے ختم کر دیا جائے۔ لمبی چوڑی تمہید یا تفریعات ونتائج پر وقت صرف نہ کیا جائے۔

۷۔ تحقیق وتالیف میں حضرت رحمہ اللہ کی ہدایت یہ ہوتی تھی (اور اس پر اپنا عمل بھی تھا) کہ کسی موضوع پر محض مواد اور اقوال وغیرہ جمع کرنے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ محقق کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے قائم کرے یا پہلے سے موجود آراء میں سے کسی رائے کو اپنی رائے بنائے۔ پھر اس کے موافق دلائل جمع کرے اور مخالف دلائل یا اعتراضات کا جواب دے۔ محض سردِ معلومات یا اقوال کوئی ایسا علمی کام نہیں جس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۸۔ تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سابقہ کام کو دیکھا ضرور جائے مگر اس پر انحصار نہ کیا جائے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ پہلے خود مسئلے کو ممکنہ پہلوؤں سے دیکھا جائے پھر سابقہ مواد دیکھا جائے۔ حضرت کے تلمیذ سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت نے میرے ذمے ایک مسئلے کی تحقیق لگائی کہ اسے کتابوں سے دیکھو۔ بندہ نے عرض کیا: اس پر مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے

بھی لکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس کو بعد میں دیکھنا پہلے خود سے تلاش کرو اور مواد جمع کرو۔ چنانچہ اس طریقے سے کام کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ایسی چیزیں بھی سامنے آئیں جو حضرت کے مضمون میں نہ تھیں۔ اگر پہلے دیکھ لیا جاتا تو ان چیزوں کا حصول نہ ہوتا کیونکہ مقصود تو مضمون سے پورا ہو رہا تھا۔

اصول تنقید

۱۔ کسی کے خلاف تنقیدی تحریر میں حضرت کا اصول یہ تھا کہ سب سے پہلے اس سے متعلق ممکنہ مکمل مواد حاصل کیا جائے۔

۲۔ براہ راست اصل ماخذ تک رسائی حاصل کی جائے ثانوی ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کو کافی نہ سمجھا جائے۔

۳۔ صدری روایات یا زبانی باتوں کو کسی کے خلاف رائے قائم کرنے کے لئے بنیاد نہ بنایا جائے۔ اسلامی بینکنگ کے بارے میں ایک قابل اعتراض بات بندہ کے علم میں زبانی طور پر آئی۔ بندہ نے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! آپ نے اپنی کتاب میں اس اعتراض کو شامل نہیں کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ بات کہیں ریکارڈ پر ہے؟ اگر ہے تو اسے دیکھا جاسکتا ہے اور اگر ریکارڈ پر نہیں تو پھر تنقید کی بنیاد بنانا مشکل ہے چاہے بات قابل گرفت بھی ہو۔''

۴۔ حاصل شدہ مواد کو بالاستیعاب دیکھا جائے تاکہ کسی کا مکمل نظریہ سمجھ میں آجائے پھر اس کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

۵۔ کسی پر تنقید کے لئے اس کی فکر میں موجود صرف مضبوط نکات کو لیا جائے چاہے وہ نکات کم ہی ہوں بلکہ ایک دو ہی کیوں نہ ہوں۔ اور چاہے وہ عوام کے لیے اتنی دلچسپی اور چونکا دینے والے نہ ہوں بس اپنی جگہ علمی طور سے مضبوط ہونے چاہئیں تاکہ مخاطب اس میں دائیں بائیں نہ جاسکے۔ حضرت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''کمزور دلیل سے اپنے مضبوط موقف کو کمزور نہ کرو'' کیونکہ اگر تم نے کسی کی تنقید میں دس نکات لیے جن میں سے مثلاً چار مضبوط ہیں مگر چھ نکات بھرتی کے ہیں اور عوامی دلچسپی کے ہیں مگر مضبوط نہیں تو ہوگا یہ کہ فریق مخالف سب سے پہلے ان کمزور باتوں کو پکڑے گا اور نشان عبرت بنائے گا، ان پر خوب زور لگائے گا اور مضبوط نکات کو **وعلی هذاالقیاس** کہہ کر رد کردے گا اور علم کی دنیا میں دندناتا پھرے گا۔ عام قاری کے لیے خود یہ فیصلہ مشکل ہے کہ کیا مضبوط ہے اور کیا کمزور ہے؟

۶۔ نقد میں ٹو دی پوائنٹ بات کی جائے۔ اپنی طرف سے دعوی کم سے کم کیا جائے گویا سائل بنا جائے، مجیب نہ بنا جائے۔ اپنی بات کو بہت پھیلایا نہ جائے تاکہ فریق مخالف اس پھیلاؤ میں سے اپنے مطلب کی بات نہ نکال لے۔ ''**قلما سلم مکثار او اقیل له عثار**'' یعنی زیادہ بولنے والے کے غلطیوں سے بچنے کے امکانات کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے زیادہ لکھنا یا زیادہ بولنا خوبی کی بات نہیں بلکہ صحیح بولنا یا لکھنا خوبی کی بات ہے۔

۷۔ فریق مخالف کی بات اس کے اپنے الفاظ میں ذکر کی جائے اپنی طرف سے مفہوم یا خلاصے پر اکتفا نہ کیا جائے

چاہے بار بار یہ کام کرنا پڑے۔ قاری کی اکتاہٹ کے خیال پر دیانت داری کے اس تقاضے کو ترجیح دی جائے۔

۸۔ اگر کسی کی بات کا ترجمہ کرنا ہو اور ترجمے کے دوران کوئی وضاحتی اضافہ ناگزیر معلوم ہو تو اسے بین القوسین ذکر کیا جائے اور ''از ناقل'' وغیرہ الفاظ لکھ کر اس کی نشاندہی کی جائے۔

۹۔ فریق مخالف کی جانب کوئی ایسا مفہوم یا بات منسوب نہ کی جائے جسے وہ تسلیم نہ کرتا ہو گویا دعویٰ اس پر مسلط کر کے تردید نہ کی جائے۔ بلکہ اس کے مسلّمہ دعوے کو معرض نقد میں لایا جائے تاکہ مفید کام ہو۔

۱۰۔ تنقید کرتے ہوئے اصل بات پر توجہ مرکوز رکھی جائے دائیں بائیں کی باتوں یا الزامات وغیرہ کی طرف دھیان نہ دیا جائے جیسے ''سلفی عقائد'' کے جواب میں واسطی صاحب نے بہت دشنام طرازی کی مگر حضرت نے کسی بات کو زیر تبصرہ لانا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ اصل اور واقعی قابل اشکال باتوں کو لیا اور ان کے جواب دے کر فارغ ہو لیے۔ اس سلسلے میں فرماتے تھے: ایک ایک بات کا کون جواب دیتا پھرے۔ جواب ترکی بہ ترکی مزاج نہ تھا۔ کہ جیسی تند و تیز زبان میں کسی نے اعتراض کر دیا اسی انداز سے جواب دینے لگ گئے، یہ نہ تھا۔

۱۱۔ کسی کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے اس کی شخصی باتوں یعنی ذاتی کردار کو زیر بحث نہ لایا جائے الا یہ کہ کوئی ایسی ضرورت ہو جیسے اعلیٰ حضرت کے بارے میں ہوا یا مرزا قادیانی کے بارے میں ہوا۔ اگر ایسی ضرورت نہ ہو تو پھر گریز کیا جائے۔ کسی نے شبلی کے معاشقے پر تحریر لکھی تو حضرت رحمہ اللہ نے اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا کہ یہ باتیں اگر ہوں بھی تو پردہ پوشی کرنی چاہیے نہ یہ کہ انہیں نکال نکال کر چھاپا جائے کہ اس سے اہل علم کا ہی وقار خراب ہوتا ہے۔

۱۲۔ تنقید میں ابلاغ اور اپنی بات کا اظہار تو مکمل ہو مگر زیادہ ادبی تعبیرات اور استعارات و تلمیحات کا سہارا نہ لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ بات کو دلیل سے معقول بنایا جائے الفاظ کے سہارے نہ تراشے جائیں یا معقولیت کی کمی عبارت آرائی سے پوری نہ کی جائے۔ الفاظ کا اس قسم کا استعمال بسا اوقات خطابیات کی قبیل سے ہو جاتا ہے۔ جس کی باوجود موثر ہونے کے علم کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ایسی تحریر عوامی یا نیم علمی دنیا کی واہ واہ تو سمیٹ لے گی لیکن واقعیت کی میزان میں اس کی قیمت نہ ہوگی۔ ایک تحریر کے بارے میں بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! اس کا انداز پھیکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مروجہ عام تنقیدی اسلوب جیسی تندی اور جارحانہ پن نہیں ہے۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''بھائی! اب ہمارا کھانا پینا بھی پھیکا ہو گیا ہے [یعنی مرچ مصالحہ نہیں ہے] تحریر بھی ایسی ہی ہوگی۔''

۱۳۔ تنقید کے لیے استعمال کیے گئے لفظوں میں اوچھا پن نہ ہو نہ ہی بہت زیادہ جارحانہ انداز ہو۔ تاہم اتنا نرم انداز بھی نہ ہونا چاہیے کہ اگلا مزے لے لے کر پڑھتا رہے اور اس کے خیال میں کوئی ارتعاش اور جنبش ہی نہ ہو اس لیے انداز نقد میں قدرے تندی ہونی چاہیے بلاوجہ کی لیپا پوتی اور مصنوعی اخلاقیات کا پردہ نہیں ہونا چاہیے۔

ایک دفعہ اس سلسلے میں بندہ نے عرض کیا کہ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ تنقید بھی بہت نرم انداز میں ہونی چاہیے تاکہ مخاطب قبول حق کے لئے آمادہ ہو جائے تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اتنا نرم بھی نہ ہو کچھ سختی ہونی چاہیے کہ اس کے بغیر اہل جل نہیں ہوتی یا اثر نہیں ہوتا۔''

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیسے منکسر مزاج متواضع اور فنائیت کے حامل آدمی نے بھی جب ''الشھاب الثاقب'' لکھی تو قلم میں تندی آئی بلکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات کے مرتب مولانا نجم الحسن اصلاحی صاحب رحمہ اللہ کو لکھا:

''آپ مخالفین کے لئے بہت نرم زبان استعمال کرتے ہیں اتنی نرمی نہ چاہیے۔''

۱۴۔ اگر دوران مکالمہ وتنقید فریق مخالف کوئی درست بات کرے تو اسے لیت ولعل کے بغیر تسلیم کیا جائے۔ عمار خان کے خلاف مضمون میں ایک عبارت پر حضرت رحمہ اللہ نے لکھا ''**عمار خان کا یہ نکتہ دل کو لگتا ہے۔**'' اسی طرح ظفر اللہ شفیق صاحب نے ایک شعر کے استناد کی بابت غلطی پر متوجہ کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے شکریہ کے ساتھ تسلیم کیا اور تحریر میں اس کا اظہار بھی فرمایا۔ یہ بھی حبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ کی مثال ہے۔

۱۵۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو اہل باطل یا اہل زیغ کے تعاقب کے لئے وقف کر لیا ہو تو الگ بات ہے ورنہ جن کے اور بھی مثبت کام ہوں انہیں اہل باطل کی بنیادی باتوں پر تنقید کر کے اپنے مثبت کام میں لگنا چاہیے کیونکہ ان کو تو سوائے انتشار کے اور کوئی کام ہی نہیں اور ہمیں اور بھی کام کرنے ہیں۔ البتہ فرض کفایہ کے درجے میں ایسے لوگ بھی ضروری ہیں جو اس کی ہر ہر بات پر نظر رکھتے ہوں جیسے قادیانیت کے لٹریچر کے ساتھ ہوا۔

۱۶۔ بالعموم کسی کے خلاف تنقیدی مضمون کی ابتدا ایسے ہوتی کہ حضرت رحمہ اللہ اسی تحریر پر دوران مطالعہ مختصر نوٹس لگا لیتے تھے پھر انہیں کھولتے تھے اور دلائل سے مبرہن کرتے تھے تو مضمون بن جاتا تھا۔ یعنی اصل بنیاد علمی نکات ہوتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ تنقیدی تحریر تو پہلے لکھ لی جائے اور علمی مواد بعد میں ڈالا جائے۔

۱۷۔ بعض اہل علم سے منقول ہے کہ: ''میری زندگی کا تجربہ یہ رہا ہے کہ (اہل باطل میں سے) فریق مخالف نے اپنے حق میں جو دلیل پیش کی میں نے اس پر غور کیا تو وہی دلیل اس کے خلاف بن گئی۔ کیونکہ حق حق ہے اور باطل بہر حال باطل ہے۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا انداز نقد بھی کچھ ایسا ہی گہرا تھا۔ بالعموم لوگ کسی پر تنقید کرتے ہوئے حوالوں پہ حوالے لاتے چلے جاتے ہیں۔ اور کسی کے دعوے اور دلائل کے خلاف اپنے حوالجات اور دلائل تلاش کرنے نکل پڑتے ہیں۔ حضرت کا یہ انداز نہ تھا بلکہ کام کے ضروری حوالے ہوتے تھے، باقی فریق مخالف کی بات کا ہی تحلیل وتجزیہ ہوتا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کے علم کی یہ گہرائی اور رسوخ تھا کہ فریق مخالف کی لائی ہوئی دلیل ہی اس پر پلٹا دیتے تھے اور اس کی طرف

سے اپنے حق میں لائی ہوئی بات کو ایسے انداز سے اور اس جگہ سے پکڑتے تھے کہ وہ بھی سوچتا رہے۔ اس کا عمدہ نمونہ ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد'' میں ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ کے خلاف نقد میں بھی اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۸۔ حضرت رحمہ اللہ کی تحریری خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسودے کی کانٹ چھانٹ بہت کم فرماتے تھے۔ گویا مواد کاغذ پر آنے سے پہلے دماغ میں پہلے ہی بہت مرتب ہوتا تھا۔ اگر کسی کتاب کا چھ دفعہ بھی پروف دیکھا تو سوائے لفظی غلطی کے تعبیرات یا جملوں میں تبدیلی نہ ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد پر تنقید حضرت رحمہ اللہ کی پہلی مطبوعہ تحریر ہے اور اس میں اختیار کردہ اسلوب تحقیق و نقد بعد کی تحریروں میں بھی قائم و دائم نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب آخری سالوں میں نظر ثانی کے ساتھ شائع ہوئی تب بھی کوئی خاص تبدیلی نہیں فرمائی۔ حالانکہ اتنے (تقریباً تیس) سالوں میں علم و فہم اور قدرت علی التعبیر میں بہت فرق آجاتا ہے۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ کے مزاج میں معلوم ہوتا ہے کہ علمی و قلمی پختگی بہت پہلے آ گئی تھی اور وہ آخر تک بدستور رہی۔

۱۹۔ کوئی بات (علمی مضمون یا فتویٰ وغیرہ) تحریر کرنے کے لیے خاص قسم کے کاغذ، نشست، وقت یا ماحول کی قید نہ تھی کہ یوں ہوگا تو لکھا جائے گا بلکہ جس قسم کا قلم، کاغذ، نشست، وقت ہوتا جب دماغ چلنا شروع ہو گیا تو بیٹھ گئے اور لکھ دیا۔ ع

رند جو ظرف اٹھائیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی مئے خانہ بنے

چاہے خط کے لفافے کی پشت پر لکھا گیا یا کسی پرچی پر لکھ دیا۔ جب دماغ چلتا تھا تو خوب چلتا تھا اور مضمون کا بہت ورود ہوتا تھا بعض دفعہ شدت و کثرت ورود سے نیند بھی اچٹ جاتی تھی۔ ایک دفعہ فرمانے لگے: ''**مولانا ہمارے ہاں آمدن ہے آوردن نہیں**''۔

۲۰۔ حضرت رحمہ اللہ کے ہاتھ کی لکھائی بہت جمی ہوئی تھی، گول چھوٹے چھوٹے اور دیدہ زیب حروف تھے۔ پرانی سے پرانی تحریروں میں بھی حضرت رحمہ اللہ کی لکھائی بہت صاف اور خوبصورت ہے۔ عمر کے آخری سالوں میں رعشہ کے مرض کی وجہ سے اگرچہ الفاظ میں پہلی سی توانائی نہ رہی لیکن خوشنمائی آخری تحریروں میں بھی نظر آتی تھی۔ آخری تحریروں میں بھی لفظ کی بنیادی صورت، سطر بندی اور الفاظ کے باہم متناسب فاصلے قائم تھے۔

.....☆☆☆.....

فتویٰ

اصول واسلوب

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ لاہور

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی بنیادی پہچان ایک مفتی کی تھی اس لیے حضرت پر لکھی گئی کئی تحریرات میں فتویٰ کا زیرِقلم آنا لازمی بات ہے۔ چنانچہ احباب کی کئی تحریرات میں حضرتؒ کے مزاجِ فتویٰ کا ذکر آیا ہے مگر وہ ضمناً ہے۔ ضرورت تھی کہ حضرتؒ کے ''فتویٰ'' کے مزاج کو مستقل عنوان سے بھی بیان کیا جائے۔ چنانچہ درج ذیل سطور پیش خدمت ہیں۔

فتویٰ کیا ہے؟

فتویٰ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت کاری ہے۔ عام مسلمان مفتی سے اس کی ذاتی رائے نہیں پوچھتا بلکہ یہ پوچھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملے میں میرے لیے کیا حکم ہے؟ مفتی اس بھاری ذمہ داری کے منصب پر بیٹھ کر اسے بتاتا ہے کہ اس معاملے میں تمہارے لیے اللہ کا یہ حکم ہے۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

المفتی هو القائم فی الامة مقام النبی ﷺ.

مفتی امت میں نبی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی اس کی جگہ سنبھالتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں:

الفتویٰ توقیع عن الله تبارک و تعالیٰ.

فتویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔

(ابن صلاح، ادب المفتی والمستفتی: ۲۴)

چنانچہ سائل تو مفتی سے پوچھ کر بری الذمہ ہو جاتا ہے لیکن سارا بوجھ مفتی صاحب کی گور گردن پر آجاتا ہے۔ اس لیے اہل بصیرت فتوے کے کام سے گھبراتے تھے اور اسے علمی کاموں میں سب سے مشکل کام سمجھتے تھے۔ فتوے کی مشکل عمل کے اعتبار سے بھی ہے اور ذمہ داری کے اعتبار سے بھی۔ عمل کے اعتبار سے مشکل یہ ہے کہ کئی مرتبہ ایک ایک بات دیکھنے کے لیے بیسیوں کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں۔ پھر بھی کبھی بات ملتی ہے کبھی نہیں۔ سائل کے سامنے تو مفتی کی ہاں یا نہیں یا چند سطروں پر مشتمل جواب ہوتا ہے مگر اسے کیا خبر کہ اس کے پیچھے مفتی نے کتنی محنت وعرق ریزی کی ہے۔ یہ تو مسافر کو اندازہ

ہوتا ہے کہ وہ کہاں کہاں کی گرد چھان کر آیا ہے۔ پلیٹ میں رکھے پکے پکائے کھانے کو دیکھنے والا کیسے اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کھانے کی تیاری میں کیا کیا مراحل پیش آئے ہیں؟ ع

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ماسبک ساران ساحلہا

سمندر کا مسافر اندھیری رات، موجوں کے خوف اور بھنوروں میں جب پھنسا ہوتا ہے تو ساحل پر تیز رفتاری سے سفر کرنے والے اس کی حالت کا اندازہ کہاں کرسکتے ہیں۔ ع

ساحل کی ہوا تم موج صبا طوفان کا دھارا کیا جانو

مگر جو لوگ فتوے کے کام سے عملی مس رکھتے ہیں انہیں اندازہ ہے کہ فتویٰ کیا ہے اور کتنا مشکل کام ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا صوفی سرور صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے:

''میں نے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے پاس فتوے کی مشق کی ہے اور حضرت نے مجھے فتوے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی مگر میں فتوے کا کام کرتا نہیں کیونکہ بہت مشکل کام ہے۔ ایک ایک بات کے لیے درجنوں کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں۔''

فتوے کی عملی دنیا سے وابستہ ایک اور شہادت بھی قابل ملاحظہ ہو۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''یوں تو دارالعلوم دیوبند میں حضرت والد [حضرت مفتی شفیع] صاحب رحمہ اللہ نے فقہ کی متعدد کتابیں بار بار پڑھائیں لیکن فقہ کے ساتھ خصوصی مناسبت اور اس سے غیر معمولی شغف اس وقت پیدا ہوا جب فتویٰ کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ کے کام کا ابتداءً مجھ پر بہت بوجھ تھا، اور ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے، اس لیے شروع شروع میں جب مجھے کسی سوال کا جواب لکھنا ہوتا تو خواہ سوال کتنا واضح کیوں نہ ہو جب تک میں اسے کئی کئی کتابوں میں دیکھ کر اطمینان نہ کر لیتا، اس وقت تک چین نہ آتا۔ میں محض یادداشت کے بھروسہ پر یا صرف اصول وقواعد کی روشنی میں جواب لکھنے سے حتی الوسع گریز کرتا تھا اور جب تک کسی فقہ کی کتاب میں کوئی صریح جزئیہ نہ مل جائے، جواب نہ لکھتا تھا اس وجہ سے بعض اوقات ایک ایک مسئلے کے جواب کے لیے مجھے دس دس کتابوں کے متعلقہ حصوں کو بہ نظر غائر دیکھنے کی نوبت آجاتی تھی اور اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ایک مسئلے کی تلاش میں دسیوں دوسرے مسائل نظر سے گذر جاتے تھے۔ [اس کھود کرید میں وقت کتنا لگتا ہوگا سمجھنا مشکل نہیں۔ ش، ا]

یہ تو عام قسم کے فتاویٰ کا حال تھا اور جن فتاویٰ میں کوئی خاص تحقیق پیش نظر ہوتی ان میں تو متعلقہ موضوع سے متعلق جتنی کتابیں میسر ہوتیں، والد صاحب رحمہ اللہ ان سب کی مراجعت فرماتے، اور بہت سی وہ کتابیں بھی دیکھتے جو اگرچہ متعلقہ موضوع پر نہ ہوتیں لیکن ان میں زیر بحث مسئلے کے کسی پہلو کے ملنے کا امکان ہوتا۔'' (میرے والد میرے شیخ: ۴۱)

یہ تو عمل کے اعتبار سے فتوے کی مشکل کا معاملہ ہے۔ باقی اس کا نازک اور بھاری ذمہ داری ہونا تو وہ اکابر سلف کے ارشادات اور طرز عمل سے سمجھنا مشکل نہیں۔ اہل علم ہمیشہ فتوے سے پہلوتہی کرتے رہے ہیں، ہر ایک کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ بوجھ کوئی اور ہی اٹھالے۔ بعض آثار میں آتا ہے: ''اجرء کم علی الفتیا اجرء کم علی النار ''جو فتوے میں جتنا زیادہ جری ہے وہ آگ (جہنم) پر اتنا زیادہ جری ہے کیونکہ یہ اللہ کی طرف غلط بات منسوب کرنے کی جسارت ہے۔

ایسی بھاری ذمہ داری کا پھر اجر بھی ''المغانم بالمغارم'' کے تحت کچھ ایسا ہی ہے چنانچہ مشہور تابعی حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لان افتی یوماً بعدل احب الی من ان اغزوَ سنة" (سیر اعلام النبلاء: ۶۶/۴)

ایک دن عدل کے ساتھ (یعنی فتوے کے تقاضے پوری طرح نبھا کر) فتویٰ دینا مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایک سال راہِ خدا میں جہاد کروں۔

جیسے جہاد اسلامی سلطنت کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ہے ایسے ہی فتویٰ اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ہے۔ کیونکہ شریعت کیا ہے اور کیا نہیں؟ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یہ بتانے والی فائنل اتھارٹی مفتی ہی کی ذات ہے۔

مفتی کیا ہوتا ہے؟

مفتی عالم تو ہوتا ہی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے بلکہ اصل چیز تو وہی ہوتی ہے جو اس کے علاوہ ہوتی ہے۔ وہ اصل چیز کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''حضرت والد [حضرت مفتی شفیع] صاحب رحمہ اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ محض فقہی کتابوں کی جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا، میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں، ان کی عبارتیں بھی ازبر تھیں، لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی۔ وجہ یہ ہے کہ درحقیقت ''فقہ'' کے معنیٰ ''سمجھ'' کے ہیں اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمادی ہو، اور یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے کسی ماہر فقیہ کی صحبت اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت ہے۔

یہ بات احقر نے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے بارہا سنی اور ایک آدھ مرتبہ اس کی تشریح و تفصیل بھی سمجھنی چاہی کہ وہ کیا باتیں ہیں جو محض مطالعے یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ لیکن حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اس سوال کا جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر وہ باتیں بیان میں آسکتیں تو پھر انہیں سیکھنے کے لیے کسی سے تربیت لینے کی ضرورت نہ ہوتی، اب ان کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ انہیں منضبط شکل میں مدون نہیں کیا جا سکتا، اور نہ متعین الفاظ میں ان کی تعبیر و تشریح ممکن ہے۔ گویا ع

بسیار شیوہ ہا است بتاں راکہ نام نیست

[محبوب نازنین کی بہت سی ادائیں ایسی ہیں جن کا کوئی نام نہیں]

ان باتوں کے حصول کا طریقہ ہی یہ ہے کہ کسی ماہر فقیہ کے ساتھ رہ کر اس کے انداز فکر ونظر کا مشاہدہ کیا جائے، اس طرح مدت کے تجربے اور مشاہدے سے وہ انداز فکر خود بخود زیر تربیت شخص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ جانبین میں مناسبت ہو، اور سیکھنے والا شخص باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ واقعی سیکھنا چاہتا ہو۔'' (میرے والد میرے شیخ:۶۵)

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فتویٰ کی تربیت حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی اور پھر اپنے آپ کو اس کام میں ایسا لگایا کہ اہل علم نے نہ صرف آپ کی فقہی صلاحیت وقابلیت کا اعتراف کیا بلکہ آپ کی صلاحیتوں سے استفادہ بھی کیا۔ کتنے ہی مسائل میں بڑے بڑے اہل فتویٰ حضرات نے حضرت رحمہ اللہ کی رائے لینے کو ضروری سمجھا۔ آپ کی فقہی تحقیقات اہل علم کے لیے مشعل راہ بنیں، آپ رحمہ اللہ کی تحریرات پر عصری جامعات میں تحقیقی مقالے لکھے گئے۔ ذیل میں حضرت رحمہ اللہ کے فتویٰ کے اصول اور مزاج پیش خدمت ہے۔ فتویٰ چونکہ سوال کے جواب میں ہوتا ہے اس لیے پہلے سوال سے متعلق اصول سامنے لانا ضروری ہے۔

اصول استفتاء

حضرت رحمہ اللہ نے اپنے ہاں دارالافتاء میں سائلین کے لیے درج ذیل ہدایات پر مشتمل تحریر لکھوائی تھی جس میں اصول استفتاء بھی مندرج ہیں:

''۱۔ پہلے یہ طے فرما لیجیے کہ آپ مسئلے کا جواب صرف زبانی پوچھنا چاہتے ہیں یا تحریری شکل (Written form) میں۔ ادارے کا اصول کسی ایک طرح سے جواب دینے کا ہے۔ زبانی جواب نسبتاً جلد متوقع ہے، جبکہ تحریری جواب کے لیے نارمل مدت کم از کم ایک ہفتہ ہے، البتہ سوال کی نوعیت کے لحاظ سے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

۲۔ ایسے مسائل جو غور طلب ہوں اور ان میں مشاورت وتحقیق کی ضرورت ہو ان میں زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔

۳۔ تحریری سوال اگر آپ لکھ کر لائے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ یہاں قلم، کاغذ فراہم کر دیا جائے گا۔ آپ سوال استقبالیہ (Reception) میں جمع کروائیں گے، وہاں سے آپ کو ایک رسید جاری کی جائے گی جس پر آپ کے سوال کا نمبر اور جواب کی متوقع (Expected) تاریخ لکھی ہوگی۔ متعلقہ تاریخ کو آنے سے قبل فون ضرور کر لیں تاکہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

۴۔ کوشش کی جائے کہ سوال ایسے پوچھے جائیں جو عمل سے تعلق رکھنے والے اور زیادہ سے زیادہ مفید ہوں، تاکہ جانبین کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔

۵۔ دارالافتاء صرف عملی مسائل یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حلال وحرام اور خرید وفروخت وغیرہ کے جائز، ناجائز

احکام میں راہنمائی کرتا ہے۔خوابوں کی تعبیر،تعویذ، جھاڑ پھونک اور وظائف وعملیات کے شعبوں کی معلومات کے لیے رابطہ نہ فرمائیں۔

۶۔ایک وقت میں کم سے کم مسائل دریافت کریں۔تحریری طور پر ایک وقت میں تین سے زیادہ سوال نہ لکھیں۔

۷۔سوال میں تمام متعلقہ تفصیلات پہلے ہی لکھ دی جائیں۔فتویٰ جاری ہونے کے بعد سوال میں تبدیلی یا وضاحتی اضافہ قبول نہیں کیا جاتا۔

۸۔ہر سوال کا جواب ضروری نہیں کہ لکھ کر دیا جائے۔یہ سوال کی نوعیت اور دارالافتاء کی صوابدید پر منحصر ہے۔

۹۔دارالافتاء یا مفتی حضرات اپنے پاس آنے والے سوال کی ظاہری صورت (Statement) کے مطابق شرعی جواب کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔سوال واقعہ کے مطابق ہے یا نہیں یہ ذمہ داری سائل کی ہے۔

۱۰۔ہر سوال کا جواب علمی دیانتداری اور ممکنہ پوری تحقیق سے لکھا جاتا ہے۔اگر آپ جواب سے مطمئن نہ ہوں تو ہمارے جواب کے پابند نہیں۔بحث مباحثہ میں آپ کا اور ہمارا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے اس لیے احتراز فرمائیں۔''

اصول فتویٰ

سوال کے بعد اگلا مرحلہ فتوے اور جواب کا ہے۔حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں رہتے ہوئے جو چیزیں اپنے مشاہدے میں آئیں وہ پیش خدمت ہیں:

اہلیت وتربیت کے بغیر فتویٰ کا حکم

باضابطہ فتوے کی اہلیت اور اجازت کے بغیر فتویٰ دینے کو ناجائز سمجھتے تھے۔شرکائے تخصص کو فرماتے تھے جب تک ہماری طرف سے اجازت نہیں ہوگی اپنے نام کے ساتھ ''مفتی'' لکھنا بھی خیانت ہوگی جس کے تم اللہ کے ہاں ذمہ دار ہو گے، ہم بری ہوں گے کیونکہ فتویٰ کا منصب ایک خاص اہلیت اور تربیت کا متقاضی ہے۔حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ کی اہلیت محض فقہی مسائل کو یاد کرنے یا فقہی کتابوں میں استعداد پیدا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کے لیے ماہر مفتی کی صحبت میں رہ کر باقاعدہ تربیت لینے کی ضرورت ہے، اور جب تک کسی نے اس طرح فتویٰ کی تربیت حاصل نہ کی ہو، اس وقت تک وہ خواہ دسیوں بار ''ہدایہ'' وغیرہ کا درس دے چکا ہو، فتویٰ دینے کا اہل نہیں بنتا۔علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ کسی ماہر مفتی سے تربیت لیے بغیر فتویٰ دینا مستند عالم کے لیے بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے مستقل مفتی بننے سے پہلے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ سے فتویٰ کی تربیت لی تھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی جب فتویٰ کی تمام تر ذمہ داری حضرت والد صاحب رحمہ اللہ پر آ گئی تو ایک مدت

تک کوئی فتویٰ صرف اپنے دستخط سے روانہ نہیں کیا، بلکہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ یا علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ یا شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ میں سے کسی نہ کسی سے تصدیق وتوثیق ضرور کراتے تھے۔

چنانچہ اگر کسی شخص کے بارے میں والد صاحب رحمہ اللہ کو اطلاع ملتی کہ اس نے کسی شیخ سے تربیت لیے بغیر خود بخود فتویٰ کا کام شروع کر دیا ہے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو ان سے فتویٰ کے معاملے میں کبھی مناسبت نہ ہوتی، اور ان کی طرف سے افراط وتفریط کا ہمیشہ اندیشہ رہتا تھا۔'' (میرے والد میرے شیخ)

مفتی کو آزاد ہونا چاہیے

حضرت رحمہ اللہ نے جامعہ مدنیہ کے زمانے میں اصول فتویٰ کے عنوان سے دو صفحوں پر ہدایات لکھی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ مفتی کی کسی تنظیم (یا کسی شیخ اور حلقے) سے وابستگی اس کی تحقیق اور فتوے پر اثر انداز نہیں ہونی چاہیے۔ (بروایت مفتی قاسم امین صاحب شاگرد خاص حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ)

فتویٰ معقول ومدلل ہو

یہ بات عمومی بھی تھی اور فتوے میں تو تھی ہی کہ بات میں معقولیت ہو یا اس کے پیچھے قرآن وحدیث کی نص موجود ہو۔ یہ گویا حضرت کے ہاں اقوال مختلفہ میں ایک اصول ترجیح بھی تھا۔

فون پر مسائل بتانے میں احتیاط

حضرت رحمہ اللہ نے دارالافتاء میں یہ ہدایت فرما رکھی تھی کہ فون پر بہت سادہ اور عام سوالات کا جواب دیا جائے اور وہ بھی تب جب کہ ان کا وضوح کالشّمس فی نصف النہار ہو۔ جیسے کوئی طہارت یا حظر واباحت کا مسئلہ ہے۔ باقی رہے نکاح و طلاق کے مسئلے یا مالی معاملات کے مسائل کہ جن کی صورت سمجھنا بھی خاصے غور کا متقاضی ہے یا فریقین کے باہمی تنازعات وغیرہ ایسے مسائل کا فون پر قطعاً جواب نہ دیا جائے۔ ورنہ آدمی سے فاش غلطی ہو جاتی ہے۔ فرماتے تھے: اب بڑھاپا بھی ہے اور کچھ مراجعت کم رہتی ہے معاملات وغیرہ کی طرف توجہ زیادہ رہتی ہے لہذا ہمیں بھی عبادات کے سوالات کے لیے کتاب دیکھنی پڑتی ہے بلکہ اپنی ہی کتاب (مسائل بہشتی زیور) دیکھنی پڑ جاتی ہے۔ فرماتے تھے:

''یہ ٹیلی فون نے فتوے کے کام پر بہت اثر ڈالا ہے۔ پہلے ہوتا تھا کہ تحریر آئی ہے اس پر خوب غور وفکر ہو جاتا تھا۔ اب مستفتی کو جلدی ہوتی ہے اور مفتی بھی پھر اس جلدی سے متاثر ہوتا ہے اور جیسا کیسا بھی ہو جواب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ [اور رہی سہی کسر واٹس ایپ نے نکال دی ہے آدمی چاہتا ہے کہ میں ایک طرف سے واٹس ایپ کر دوں اور دوسری طرف سے فوراً واٹس ایپ پر اس کا جواب آجائے۔ گویا فتویٰ نہ ہوا گودام میں رکھا مال ہوا کہ ایک جگہ سے اٹھایا اور دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ ازش۔ا]''

فتوے میں جلدی نہ ہو

فتوے میں اصل چیز جلدی نہیں بلکہ صحت اور درستگی ہے۔ اپنی سستی کی وجہ سے تو تاخیر نہ ہو لیکن اگر واقعتاً مسئلہ ہی تحقیق طلب ہے تو جتنی مرضی تاخیر ہوتی رہے چنانچہ کئی مسائل آئے جو طلاق وغیرہ کے تھے اور ان پر ہفتوں بحث ہوتی رہی۔ مستفتی نے جلدی کا تقاضا بھی کیا مگر کیا ہوسکتا تھا، جب تک تسلی نہیں ہوئی جواب نہ دیا۔ امام مالک رحمہ اللہ سے کسی صاحب نے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مجھے (فوری طور سے) معلوم نہیں۔ تو اس نے کہا: آسان اور چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**لیس فی العلم شئ خفیف**'' شریعت کی کوئی بات بھی چھوٹی نہیں ہے۔ یا کوئی مسئلہ بھی چھوٹا نہیں ہوتا۔ تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: ''**انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً**''. علم شریعت سارا کا سارا بوجھ ہے، بالخصوص وہ مسئلہ جس کی قیامت میں پوچھ ہونی ہے۔ (ابن صلاح)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''جب کسی سوال کے جواب میں شرح صدر وشفاء قلب نہ ہو صاف جواب دے دے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ہر سوال کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا جواب ہی دیا جائے۔ [**عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: من افتیٰ الناس فی کل ما یستفتونہ فھو مجنون.** جو ہر استفتاء پر فتویٰ دیتا ہو وہ پاگل ہے (ابن صلاح)]۔ نیز یہ بھی جواب ہے کہ ہم کو معلوم نہیں، لیکن لوگ جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں خواہ شفاء قلب ہو یا نہ ہو، یہ جائز نہیں۔
>
> مجھ کو جب تک شرح صدر نہ ہو جائے مسئلہ میں جواب نہیں دیتا، تردد کی صورت میں مسئلہ کا جواب دینا جائز نہیں اور اطمینان ہو جانے پر مؤاخذہ نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مسئلہ کا جواب ہی دیا جائے خواہ اس میں تردد ہی ہو، بلکہ اگر خود اطمینان نہ ہو اوروں پر حوالہ کر دیا جائے کہ سائل دوسری جگہ دریافت کر لے اور اس میں راحت کیسی ہے اور خواہ مخواہ جواب دینے میں یہ ہے کہ روزانہ کتابیں دیکھو، ٹکریں مارو پھر اعتراض پڑے جواب دو۔
>
> یہ ساری خرابیاں اپنے کو بڑا سمجھنے کی ہیں، یوں خیال کرتے ہیں کہ اگر جواب نہ دیا تو لوگ کہیں گے کہ جواب بھی نہ دیا، بعض علماء میں جو تاویل کا مرض ہے یہی خرابی کا باعث ہے کہ جو بات منہ سے نکل گئی اسی پر اڑے ہوئے ہیں، خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو، صرف اس وجہ سے کہ لوگ ذلیل سمجھیں گے۔'' (حسن العزیز: ۲/۳۱۹)

حضرت رحمہ اللہ نے مستفتی کے لیے ایک تحریر اس طرح کی بھی لکھوائی تھی کہ آپ کے مسئلے میں (تحقیق کی وجہ سے) تاخیر زیادہ ہو رہی ہے لہذا یا تو آپ انتظار فرمائیں یا پھر سوال واپس لے لیں۔ [کیونکہ یہ دیانتداری کا مسئلہ ہے دکانداری کا نہیں کہ آیا ہوا گاہک کسی صورت بھی واپس نہ جائے اور اسے کچھ نہ کچھ دے کر ہی بھیجا جائے۔]

بلا وجہ تاخیر نہ ہو

مستفتی کو عموماً وقت سات دن کا دیا جاتا تھا مگر اپنے رفقاء اور متخصصین کے لیے ہدایت تھی کہ وہ تین دن میں سوال کو

کسی کنارے لگائیں ان کی غفلت وسستی کی وجہ سے سوال کے حل میں تاخیر نہ ہو۔ اگر مجیب کی طرف سے تاخیر ہو رہی ہوتی اور مسئلہ فی نفسہ ایسا نہ ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ اس کا از خود جواب لکھ کر سائل کو فارغ فرما دیتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کے مزاج میں حقیقت پسندی اور اعتدال تھا تحقیق کی وجہ سے تو تاخیر ہو جو ہو لیکن محض اس وجہ سے کہ تحقیق ہمارا حق ہے تاخیر کی جائے یہ نہ تھا۔ سستی کی وجہ سے تاخیر گوارا نہ فرماتے تھے۔

تحقیق واقعہ کی کوشش

جس مسئلے کا تعلق دو فریقوں سے ہوتا وہاں ممکنہ حد تک تحقیق کیے بغیر جواب نہ دیتے تھے، چاہے مستفتی تلملاتا رہے اور چیں بجبیں ہوتا رہے۔ ائمہ مساجد اور مسجد کی کمیٹیوں کے مسائل ایسے ہی ہوتے تھے۔ اگر نمازی آتا تو امام کا موقف لانے کا کہا جاتا۔ اگر امام آتا تو انتظامیہ کو شامل سوال کیا جاتا تاکہ فتویٰ باہمی لڑائی کا ہتھیار نہ بنے بلکہ جھگڑا ختم ہونے کا ذریعہ بنے۔ کیونکہ ایسے معاملات میں ایک فریق کی بات سن کر فتویٰ دینا ضرورت سے زیادہ سادگی ہے۔

یہ بات صرف امام وغیرہ کی حد تک نہ تھی بلکہ کسی بھی شخص کے بارے میں جب کوئی ایسا حکم دریافت کیا جاتا جس سے اس کی ذات مجروح یا متاثر ہو سکتی ہو تو حضرت رحمہ اللہ اس کے جواب میں خوب چھان پھٹک کرتے تھے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔ بہاولپور سے درج ذیل سوال آیا:

> ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں جو اللہ، رسول، قرآن اور تمام انبیاء کا گستاخ ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرتد کہتا ہو.....اس گستاخ اور شاتم کے عقائد ساتھ چسپاں ہیں۔''

اس سوال کے ساتھ اس شخص کی نسبت سے صریح کفریہ اور گستاخانہ عقائد درج کیے گئے۔ ساتھ میں بعض اہل فتویٰ کے فتاویٰ بھی منسلک کیے گئے۔ جس میں بشرط صدقِ استفتاء مذکورہ شخص کو زندیق اور واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ مگر حضرت رحمہ اللہ نے سوال کے جواب میں درج ذیل عبارت لکھی:

> **''اس شخص کے بارے میں کچھ تفصیل لکھی جائے کہ یہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اور اس قسم کی باتیں کیوں کرتا ہے؟ کیا اس کا ذہنی توازن درست ہے؟ اس کی باتوں پر علاقے کے بعض ذمہ دار لوگوں کی گواہی بھی تحریر کی جائے اور ہو سکے تو ان سے مہر لگوائی جائے۔''**
>
> **عبدالواحد غفرلہ**
>
> **۹ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ**

مستفتی کی اغراض فاسدہ

فتوے میں مستفتی کی اغراض فاسدہ پر نظر رکھنا بھی ضروری تھا، یہ نہیں کہ بس جیسا کیسا سوال ہے فتویٰ دے کر فارغ کرو۔ ایک دفعہ ایک صاحب آئے اور اپنے عملیات کے استاد کے ایک تعویذ کے بارے فتویٰ لینے آئے کہ یہ غلط ہے یا صحیح

ہے؟ ان کا تلمذ دس سال پرانا تھا، تعویذ آٹھ سال پرانا تھا اور استاد شاگرد کی لڑائی قریب میں ہوئی تھی اور استفتاء آج آرہا ہے۔ ان سے پیار محبت سے یہ پوچھا گیا کہ اس کفریہ تعویذ کے کفر ہونے کا خیال آنجناب کو آٹھ سال قبل کیوں نہیں آیا؟ پہلے تو سب ٹھیک تھا (چاہے نظریہ ضرورت کے تحت ہی ہو)۔ اب جب لڑائی ہوگئی تو کفر یاد آ گیا اور اس لڑائی میں ہمارے فتوے کو ہتھیار بناؤ گے۔ اس سے پھر وہ مستفتی صاحب رفو چکر ہو گئے۔ ایسے اغراض فاسدہ والے سائل دارالافتاء میں بہت دفعہ آتے ہیں ان سے نمٹنے کا راستہ اس کے علاوہ نہیں ہے کہ سائل سے سوال کی غرض کے بارے میں چھان پھٹک کی جائے، خواہ اس چھان پھٹک سے وہ ناراض ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے موقعہ پر ایسے مستفتی اپنی غرض فاسد کو چھپانے کے لیے مفتی کو یہ سبق یاد دلاتے ہیں کہ مفتی کو اس چھان پھٹک سے کیا غرض؟ مفتی کو چاہیے کہ اس سے جو سوال پوچھا گیا ہے اس کے ظاہر کے مطابق جواب دے۔ ایسے مستفتی سے مفتی کو بہت ہوشیار رہنا چاہیے۔

ہر سوال کا جواب زبانی نہ دیا جائے

o مالی معاملات میں فرماتے تھے: صورتیں نئی نئی اور پیچیدہ ہوتی ہیں، سوال کی ابتداء کچھ ہوتی ہے اور کھلتے کھلتے وہ کچھ اور ہی بن جاتا ہے لہذا ان سوالات کا جواب زبانی مت دو، بلکہ لکھواؤ۔ اسی طرح طلاق کے مسائل میں بھی اکثر و بیشتر لفظ پر مدار ہوتا ہے لہذا وہ بھی لکھواؤ اور پھر جواب دو۔ زبانی بات نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ لکھ کر دینے میں مستفتی کے لیے مشکل تو بہت ہے اور تاخیر بھی ہے مگر کیا کریں اس کے بغیر چارہ بھی تو نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ ہم مستفتی کی رعایت میں اپنی عاقبت خراب کرلیں۔

o کسی مسئلہ میں بعض اوقات مختلف اقوال ہوتے ہیں تو ایسے مسئلہ کے بارے میں فرماتے تھے: اصل تو مفتیٰ بہ اور راجح قول ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ بس قول چاہے جیسا بھی ہو بس لے لو۔ ہاں جہاں واقعی مجبوری ہو تو الگ بات ہے۔ محض یہ کہ قول ہے یہ کافی نہیں۔

مفتی نیم قاضی ہے

فرماتے تھے: اس زمانے میں مفتی نیم قاضی ہے۔ یہ نہیں کہ بس وہ سوال کا پابند ہے جیسا سوال ہے ویسا جواب دے۔ یہ بات کبھی ہوتی ہوگی یا کچھ مسائل میں آج بھی ہوگی عمومی بات نہیں ہے۔ اب تو مفتی کو قاضی بھی بننا پڑتا ہے۔ بعض تصریحات فقہاء کے ہاں ایسی ملتی ہیں کہ اس مسئلے میں مفتی قاضی والا کام کرے گا۔ امداد الاحکام میں ہے:

"قال فی عدۃ ارباب الفتویٰ: و ما لا یصدق فیه المرء عند القاضی لا یفتی فیه کما لا یقضی فیه". (۱/۲۸)

حضرت رحمہ اللہ کا مزاج یہ تھا کہ سوال کی ممکنہ حد تک تحقیق ہوتا کہ فتویٰ برمحل اور مفید رہے یہ نہ ہو کہ صورتحال کچھ ہو اور

فتویٰ کچھ ہو۔ایک دفعہ ایک صاحب حفیظ سینٹر (موبائل اور کمپیوٹر کی بڑی مارکیٹ) سے آئے اور کہنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ یہ جو بڑے موبائل ہیں ان کے خلاف فتویٰ لیں کیونکہ ان کو استعمال کرنے والے سارے لوگ حرام کاری میں مبتلا ہیں، نظر کے گناہ میں پڑ رہے ہیں۔حضرت رحمہ اللہ نے ان کی بات کو سنجیدگی سے سنا اور فرمایا: ایسا کریں کہ ایک سروے کروائیں کہ لوگوں میں اس کے استعمال کے بارے میں رجحان کیا ہے؟ اور کیا واقعتاً ایسا ہے؟ پھر دیکھ لیتے ہیں۔ان کی بات کو نہ فوراً غلو کہہ کر رد فرمایا اور نہ فوراً متاثر ہو کر قبول فرمایا۔

مشروط جواب سے احتراز

حضرت رحمہ اللہ کے ہاں مشروط جواب کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی تھی۔ بلکہ فرماتے تھے کہ جس چیز کی مفتی تحقیق نہیں کر پایا تو مستفتی کیسے کرے گا؟ لہٰذا فتویٰ عملاً بے نتیجہ رہا۔اس لیے تحقیق کرو۔اگر تحقیق نہیں کر سکتے تو معذرت کر لو تاکہ مستفتی کو پتہ تو چلے کہ اسے جواب نہیں ملا۔ یہ کیا ہوا کہ اگر یوں ہے تو یوں ہے۔ ہاں جہاں کہیں بہت غیر معمولی نوعیت ہو تو مشروط جواب دیا جا سکتا ہے۔مثلاً ایسا امر ہے جس کی تحقیق مستفتی ہی کے بس میں ہے مفتی کے لیے ممکن نہیں وہاں مشروط کیے بغیر چارہ نہیں۔ایک دفعہ ایک دماغی مریض کی طلاق کا مسئلہ تھا حضرت رحمہ اللہ نے اس کا جواب مشروط لکھا جو بندہ کی نظر میں حضرت رحمہ اللہ کا پہلا مشروط جواب آیا تھا۔اتنے طویل عرصے میں اس قسم کے چند گنے چنے جوابات سے زیادہ مشروط جوابات نہ ہوں گے۔

ہر فتویٰ چھاپنے کی حوصلہ شکنی

اپنے برسہا برس کے ہزاروں فتاویٰ کی نقول میں سے ہر فتوے کی نقل رکھنے کا اہتمام حضرت رحمہ اللہ نے نہیں فرمایا بلکہ اہم فتاویٰ کی نقول محفوظ رکھیں۔اس لیے ان فتاویٰ کے لیے ایسے مجموعے کے اشاعت کے بارے میں بھی ایسی آمادگی نہ تھی۔ایک دفعہ مفتی عبدالمنان صاحب (جامعہ دارالعلوم کراچی والے) لاہور تشریف لائے، مفتی عبدالمنان صاحب جہاں ٹھہرے ہوئے تھے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں مجلس میں بات ہوئی کہ حضرت کے فتاویٰ چھاپنے کی کوئی ترتیب ہے یا نہیں؟ تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: سارے چھاپنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو سب فتاویٰ کے مجموعوں میں ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ ہاں کچھ الگ سے خاص تحقیقی فتاویٰ ہوں تو الگ بات ہے۔ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اسلوبِ فتویٰ تو سامنے آتا ہے چاہے عام فتاویٰ ہی ہوں تو حضرت نے فرمایا: یہ تو چند ایک سے بھی نمونے کے طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔

اپنے ہاں ادارے میں سابقہ فتاویٰ کی اشاعت کی بابت بات ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: سب فتاویٰ کو شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ خاص خاص فتاویٰ شائع کر لیے جائیں۔ بہرحال کرنا بھی ہو تو پھر ان پر مضبوط قسم کی نظر ثانی

اور تحقیق کر کے شائع کیا جائے۔ بس یہ نہیں کہ میرا لکھا ہوا جواب ہے یا فلاں کا ہے بس نام ہی کافی ہے۔ نہیں بلکہ اسے خوب دیکھ بھال کر شائع کریں۔

فتویٰ کی تعبیر

حضرت رحمہ اللہ کی فتویٰ کی عبارت آسان اور بامحاورہ ہوتی تھی ''**خیر الکلام ما دل و قل**'' کا مصداق، فارسی کی اضافات اور لفظی تعقیدات سے بچتے تھے۔ اگر ہماری عبارت میں ایسا ہوتا تو فرماتے: عبارت آسان کرو عبارت کو کھولو۔ تاکہ مستفتی سمجھ سکے۔ حضرت رحمہ اللہ کا اپنا فتویٰ پروقار، آسان، اور بلیغ عبارت پر مشتمل ہوتا تھا۔ گویا جیسے مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا لکھا ہوا فتویٰ ہو۔ [حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ عموماً اپنے زمانے کے اعتبار سے بہت سلیس اردو میں ہیں]

تنقیحات

فرماتے تھے: سوال اتنا واضح ہو کہ منہ پھاڑ کر جواب بتا رہا ہو۔ سوال میں احتمالات ناشئہ عن دلیل میں سے کسی احتمال کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ پھر تنقیحات (سوال کے بارے میں وضاحتیں) ساری سوال میں مندرج ہوں۔ کوئی تنقیح (وضاحت) مجیب کے دماغ میں نہ ہو۔ خوش طبعی میں فرماتے تھے: ''تنقیحات تمہارے پیٹ میں نہ ہوں، سوال کے ساتھ ہونی چاہئیں۔'' بعض دفعہ ایک سوال میں متعدد مرتبہ بھی تنقیحات لینے کی نوبت آجاتی تو اکتاتے نہ تھے۔

فتوے کا کام اور انگریزی

فتوے کے کام میں انگریزی کی اہمیت کے پیش نظر ایک دفعہ فرمایا: ''**انگریزی کے بغیر دارالافتاء میں بیٹھنا حرام ہے**'' مقصود یہ تھا کہ انگریزی جانے بغیر ایگریمنٹ نہیں پڑھ سکتا، مستفتی کی بات نہیں سمجھ سکتا، لہذا اصل صورت حال تک پہنچنے میں دشواری ہوگی، جس کی وجہ سے جواب میں غلطی ہوگی۔ فتوے کے دو پہر ہوتے ہیں یا مفتی کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ ایک فقہ الکتاب اور دوسرا فقہ الواقع۔ انگریزی کا تعلق فقہ الکتاب سے تو نہیں ہے لیکن موجودہ دور میں فقہ الواقع سے بہت زیادہ ہے۔

تصحیح فتویٰ کا انداز

o فتوے کی تصحیح میں بھی اہتمام بلیغ فرماتے تھے جہاں تک ممکن ہوتا اپنے اوپر بوجھ لیتے تھے، خود مراجعت فرماتے اور جواب لکھ دیتے۔ بعض دفعہ حیرت ہوتی کہ حضرت کو یہ جواب اور جزئیہ کہاں سے ہاتھ لگ گیا جس سے ہم بظاہر مایوس تھے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا**.

o حضرت کے مزاج میں عموماً اور پھر فتویٰ میں خصوصاً زیادہ رسمیات اور پروٹوکولز کی بہت زیادہ پابندی نہ تھی۔ کہ الفاظ یہ ہوں یا پیٹرن یہ ہو یا فارمیٹ یہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ زیادہ نظر اصل مقصود پر رہتی تھی۔

o فتویٰ کی تعبیر درست کرنے میں بہت زیادہ باریک بینی اور تدقیق سے کام نہ لیتے تھے بلکہ ضروری ترمیم اور حذف و اضافہ کے ساتھ ہم رفقاء کی تعبیر کی تصدیق وتصویب فرمادیتے تھے (جس کے نمونے تصحیحات فتویٰ میں موجود ہیں) اسلوب فتویٰ میں بعض تعبیرات بندہ نے ایجاد کیں جیسے طلاق ثلاثہ کی عبارت یا مختصر جواب کے بعد ''توجیہ'' کے عنوان سے دلائل کا تذکرہ۔ حضرت رحمہ اللہ نے اسے قبول فرمالیا۔ اگر اس لگی بندھی عبارت سے ہٹ کر بھی جواب ہوتا تو محض اس وجہ سے کہ ایک لگے بندھے فارمیٹ سے ہٹ کر ہے مسترد نہ فرماتے تھے۔

o فتویٰ کی تمرین میں بعض اوقات متخصص یا اپنے رفقائے دارالافتاء کو اچھا خاصا گھماتے پھراتے تھے تاکہ متخصص یا رفقاء مسئلے کو اچھی طرح سمجھ کر جواب لکھیں لیکن رفتہ رفتہ یہ گرفت ڈھیلی ہوجاتی تھی۔ تحریر کی بدنمائی وغیرہ کا شکوہ نہ فرماتے تھے نہ ہی تخصص میں داخلے کے لیے لکھائی کی خوبصورتی شرط تھی۔

''الجواب صحیح'' نہیں

o حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے: ہمارے ہاں ''الجواب صحیح'' نہیں ہے بلکہ سادہ دستخط ہیں۔ یعنی متخصص کا فتویٰ اصل میں ہمارا اپنا فتویٰ ہے، وہ ہمارا معاون ہے۔ اور اس فتوے کی اصل ذمہ داری ہمارے اپنے اوپر ہے۔ ''الجواب صحیح'' کا مطلب این اوسی ہوتا ہے، یا نفس جواب سے اتفاق ہوتا ہے۔ جبکہ سادہ دستخط میں از اول تا آخر فتوے کی ذمہ داری اپنے اوپر ہے گویا حضرت رحمہ اللہ اپنے شاگرد کا بوجھ بھی اپنے سر لے لیتے تھے تاہم رفقائے دارالافتاء کے ایک آدھ فتوے پر بطور نمونہ حضرت نے ''الجواب صحیح'' بھی ثبت فرمایا تھا۔

کلمہ کفر کا ذمہ دار؟

o فتویٰ کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ عام طور سے کسی مسلمان سے کلمہ کفر صادر ہونے کے بعد سوال ہوتا ہے اور اس کلمے پر حکم لگایا جاتا ہے۔ حضرت اس سلسلے میں یہ بھی فرماتے تھے کہ کوئی مسلمان بیٹھے بیٹھے تو کلمہ کفر نہیں کہہ دیتا، کوئی اس کے لیے ایسا ماحول بناتا ہے یا اسے اس حد تک پہنچاتا ہے جو وہ یوں کہہ بیٹھتا ہے۔ کلمہ کفر کہنے والے پر تو جو حکم لگتا ہے سو لگتا ہے اس صاحب کو بھی سامنے لانا چاہیے جس نے اس سے یہ کلمہ کہلوایا ہے۔ بلکہ کبھی فرماتے تھے ایسے بیوقوفوں کو کوڑے لگانے چاہئیں جو ایسی باتوں تک نوبت پہنچاتے ہیں۔

متفرقات

o دارالافتاء میں آنے والے دو فریق اگر باہم جھگڑتے تو فرماتے: یہ جھگڑے باہر جاکر کرلینا یہاں اپنا اپنا مؤقف بتاؤ۔

o فتویٰ لکھنے کے لیے سوال سے الگ کاغذ نہ ہوتا تھا بلکہ اسی سوال کے حاشیے پر یا نیچے جواب لکھ دیتے تھے۔

o فتوے میں اگر مسئلے کا کوئی نیا رُخ سامنے آتا جس پر پہلے کسی کا فتویٰ معلوم نہ ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ فرماتے

''دیکھیں اور حضرات نے کیا لکھا ہے۔ ہم ہی کیوں ذمہ داری اٹھائیں۔''

فتاویٰ کا ریکارڈ

حضرت رحمہ اللہ کی مدتِ فتویٰ نویسی تقریباً ۳۵ سال ہے۔ ایک اندازے کے مطابق حضرت کے قلم سے تقریباً دس ہزار فتوے صادر ہوئے۔ لیکن جامعہ مدنیہ کے زمانے میں حضرت رحمہ اللہ نے اپنے ہر ہر فتوے کی نقل محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ تاہم چیدہ چیدہ فتاویٰ کی نقول رکھی گئیں۔ وہاں سے دارالافتاء کی منتقلی کے بعد وہاں کے فتاویٰ کی کچھ فائلیں ہی مل سکیں۔ فتاویٰ کی تاریخیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقل شدہ فائلیں صرف چند سالوں کی ہیں۔ اللہ کرے باقی سالوں کے جواہر ریزے بھی محفوظ ہوں اور ان تک رسائی حاصل ہو جائے۔

دارالافتاء والتحقیق (جامعہ دارالتقویٰ، لاہور) میں آنے کے بعد اس کا اہتمام رہا کہ حضرت رحمہ اللہ کا نوشتہ یا مصدقہ (جو کہ دراصل حضرت رحمہ اللہ ہی کا فتویٰ ہوتا تھا) فتویٰ محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ یہ فتاویٰ نہ صرف موجود ہیں بلکہ کمپوز بھی ہو چکے ہیں۔ اشاعت کے لیے مضبوط قسم کی نظر ثانی اور تحقیق وتخریج کا انتظار ہے۔

مختلف زبانوں میں فتویٰ

حضرت رحمہ اللہ کے ہاں سوال کے لیے کسی خاص زبان یا رسم الخط کی بھی پابندی نہ تھی۔ اردو حضرت رحمہ اللہ کی مادری زبان تھی (عربی اور فارسی درس نظامی کے دوران حاصل کی) اور انگریزی کیتھیڈرل انگلش میڈیم سکول سے سیکھی تھی۔ عربی اور فارسی میں تو استفتاءات نہ آتے تھے البتہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں آتے تھے حضرت رحمہ اللہ سوال کی زبان میں ہی اس کا جواب لکھتے تھے۔ اگر اردو رومن رسم الخط میں ہوتی تو رومن رسم الخط میں ہی جواب لکھ دیتے۔ رسم الخط کی تبدیلی کا بھی تکلف نہ کرواتے تھے۔ اردو فتاویٰ کے قریب قریب بلکہ شاید اس سے کچھ زیادہ ہی وہ فتاویٰ بھی ریکارڈ میں محفوظ ہیں جن کی زبان یا تو انگریزی ہے یا رومن رسم الخط میں اردو ہے۔ (ان کی اشاعت کے لیے بھی مناسب نظم کا انتظار ہے۔)

.....☆☆☆.....

چند منتخب فتاویٰ

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ایک بڑی پہچان مفتی کے حوالے سے تھی۔ ۱۹۸۳ء میں تخصص اور فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کرنے کے بعد سے آخری سالوں تک فتویٰ نویسی آپ کا بنیادی کام رہا۔ اس پینتیس سالہ مدت میں ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار فتاویٰ آپ کے قلم سے صادر ہوئے۔ ذیل میں حضرت کے چند فتاویٰ بطور نمونہ کے دیے جا رہے ہیں۔ جس سے حضرت کے اسلوب فتویٰ اور فقہی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

دینی اداروں میں اتوار کی چھٹی کا حکم

استفتاء

مدرسے میں حفظ کی تین کلاسیں ہیں جس میں رہائشی اور شہری دونوں پڑھتے ہیں، جمعہ کی چھٹی کی صورت میں شہری طلباء جمعہ کے ساتھ اتوار کو بھی چھٹی کر لیتے ہیں اور اس طرح ان کے پڑھائی کا حرج ہوتا ہے، اس لیے مدرسہ انتظامیہ نے صرف اتوار کو چھٹی کرنے کی ہدایت کی ہے۔

کسی صاحب نے اتوار کی چھٹی کو غیر شرعی کہہ کر انتظامیہ سے درج ذیل اپیل کی ہے جس میں اتوار کی چھٹی ختم کر کے جمعہ کی چھٹی بحال کرنے کی استدعا ہے۔

اپیل

آپ کی خدمت میں ایک گذارش کرنی ہے کہ دار العلوم دیوبند سے لے کر دنیا کے تمام مدارس میں ہفتہ وار چھٹی جمعۃ المبارک کو ہوتی ہے، آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے جس کو میں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ گذشتہ کچھ مہینوں سے مدرسہ عزیز رشید میں ہفتہ وار چھٹی جمعہ کے بجائے اتوار کو ہو رہی ہے، اور یہ بات بے حد نامناسب ہے کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنے دینی مرکز میں انگریزوں کے ساتھ مشابہت اختیار کی جائے۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے:

"من تشبه بقوم فهو منهم."

ترجمہ: جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے۔

لہذا ہم اپنے مدرسہ میں اتوار کی چھٹی کو منسوخ کر کے جمعۃ المبارک کی چھٹی کی اپیل کرتے ہیں، اس لیے کہ کہیں ایسا

نہ ہوجائے کہ بروز قیامت ہمارا حساب وکتاب بھی انگریزوں کے ساتھ کیا جائے، اس نازک مسئلہ کے تحت اگر بوجہ مجبوری آپ حضرات اتوار کی چھٹی کو منسوخ نہیں کر سکتے تو اس کے ساتھ جمعۃ المبارک کی چھٹی کو بھی متصل کر دیا جائے تاکہ جمعۃ المبارک کا اکرام بھی برقرار رہے اور طلبہ کرام کو اس کی تیاری میں کسی قسم کی دقت واقع نہ ہو اور اس سے ہمارے اور انگریزوں کے درمیان فرق بھی ہو جائے گا۔ ان غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ختم کرنے کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم دس محرم الحرام کو روزہ رکھتے تھے اور ساتھ یہود ونصاری بھی دس محرم الحرام کا روزہ رکھتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان کے درمیان مشابہت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دس محرم الحرام کے روزہ کے ساتھ ایک اور روزہ نو یا گیارہ محرم الحرام کا ملا دیں تاکہ مسلمانوں اور یہود ونصاری کے درمیان مشابہت ختم ہو جائے۔

ہم کو اس تحریر سے پوری امید ہے کہ ہمارے محترم جناب۔۔۔ ودیگر کمیٹی کے ممبر اس مدرسہ میں اتوار کی چھٹی کو ختم کر کے جمعۃ المبارک کی چھٹی کو دوبارہ شروع فرمائیں گے تاکہ ہمارے طلبہ کرام شب جمعہ میں بھی شرکت کر سکیں۔ ان شاء اللہ آپ حضرات ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔''

کیا واقعتاً جمعہ کو مدرسہ کی چھٹی نہ کرنے میں کوئی قباحت ہے؟ یا اتوار کی چھٹی میں کوئی گناہ ہے؟ جبکہ شہری طلبہ کے والدین یہ چاہتے ہیں کہ بچوں کو اتوار کو چھٹی دی جائے۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

ہفتے میں ایک دن خصوصی عبادت کے لیے ہونا یہ تصور یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں مشترک ہے۔ ایک حدیث کی رو سے یہودیوں نے ہفتے کے دن کو اختیار کیا اور عیسائیوں نے اتوار کا دن لیا اور مسلمانوں کو جمعہ کا دن دیا گیا، جمعہ کا خطبہ اور جمعہ کی نماز اور اس کے لیے خاص تیاری ان سب باتوں کے اہتمام کی وجہ سے جمعہ کا دن بھی گویا عید کا دن ہے اور اسلامی شعائر میں سے ہے۔ آدمی نہائے دھوئے، صاف ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور مسجد میں جلد جانے کی فکر کرے۔

جمعہ کے بجائے اتوار کے دن کی چھٹی میں ایک تو عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور دوسرے بہت سے لوگ جمعہ کی خاطر خواہ تیاری نہیں کر سکتے۔ حکومت اور نجی ادارے اور بازار اتوار کے دن کی چھٹی کرتے ہیں، اگر مدارس بھی ایسا کریں تو جمعہ کا خصوصی عبادت ہونا اور اس کی تیاری کا اہتمام کرنا ان میں فرق آئے گا اور پورے ملک میں جمعہ کی اہمیت کم ہوگی، اس لیے جمعہ کی چھٹی کو بحال کیا جائے، البتہ اتوار کے دن دوپہر کی اور شام کی چھٹی کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالی اعلم

.....☆.....

مروجہ جمہوریت میں ووٹ کی شرعی حیثیت

استفتاء

موجودہ حالات میں ووٹ ڈالنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

مروجہ جمہوریت کے نظام میں ووٹ ڈالنے کا حق ہر لائق و نالائق اور ہر عالم و جاہل اور ہر دیندار و بے دین کو ہوتا ہے۔ اس لیے اس نظام انتخاب کا تعلق اس سے نہیں کہ کون امیدوار اسمبلی کا ممبر بننے کا حقدار ہے اور کون نہیں؟ کیونکہ اہلیت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ لوگ کس کو ممبر بنانا پسند کرتے ہیں اور کس کو نہیں؟ خواہ اس کی وجہ علاقے کا جاگیردار ہونا ہو یا رشتہ داری ہو یا کسی دینی و سیاسی جماعت سے وابستگی ہو یا اس سے کسی مالی منفعت کی تحصیل ہو یا دینی مقصد ہو یا سیکولر مقصد ہو۔

ہمارے ہاں اگرچہ امیدواروں کی اہلیت کا کچھ طے تو کیا جاتا ہے لیکن اول تو دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے ناقص ہوتا ہے، دوسرے اس پر دیانتداری سے عمل نہیں۔ گویا وہ موم کی طرح ہے، ذاتی مفادات کے لیے جیسے چاہو موڑ لو، دین کے نام پر جو معیار ہے اسے بھی کھیل بنا لیا جاتا ہے۔ عموماً اصل طاقت جاگیرداروں، بڑے سرمایہ داروں، اور سرداروں کی ہے جن کی وابستگی اپنے مفادات سے ہوتی ہے الا ماشاء اللہ، اور ان کی خاطر وہ ملک وقوم کے دشمنوں سے بھی جا ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ لوگ اپنی جماعت کا ساتھ دیتے ہیں خواہ وہ معاملہ ملک کے باشندوں کے حق میں مفید ہو یا مضر اور خواہ دین کے مخالف ہی ہو۔ یہی مخصوص طبقہ ہے جو کبھی اس جماعت میں جاتا ہے اور کبھی اس جماعت میں۔ یہ لوگ اپنی سیاست کے لیے خوب پیسہ خرچ کرتے ہیں اور پھر اسی سے خوب پیسہ کماتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ تو عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے تنخواہ دار ہوتے ہیں۔

اس منظر نامے میں ہمارے ہاں کچھ دینی جماعتیں ہیں اور کچھ خالص سیاسی ہیں دینی نہیں۔ ایسی صورت حال میں ووٹ کس کو دیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے:

عام سیاسی جماعتوں میں چونکہ دین سے زیادہ تعلق نہیں ہے اس لیے ان میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ شر اور برائی کس میں زیادہ ہے اور کس میں کم ہے؟ اور سیاسی دینی جماعتوں میں یہ دیکھنا ہے کہ کسی حلقے میں اس کی پوزیشن مضبوط ہے یا کمزور ہے؟

۱۔ اگر دینی جماعت کی پوزیشن مضبوط ہے تو اس کو ووٹ دیا جائے خواہ کوئی سی بھی ہو، تاکہ اسمبلی میں دین کی آواز اٹھا سکے۔

۲۔ اگر دینی جماعت کی پوزیشن کمزور ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ اس کا نمائندہ جیت نہیں سکے گا تو اس کو ووٹ نہ دیا جائے۔ ایسی صورت میں اس سیاسی جماعت کو ووٹ دیا جائے جس کا شر دوسری جماعتوں سے کم ہو۔

۳۔ اگر دینی جماعت کا نمائندہ نہ ہو یا ہو تو سہی لیکن اس کی پوزیشن انتہائی کمزور ہو اور ووٹ دینے والا دیانتداری سے اس نتیجے پر پہنچے کہ ووٹ دینے کا کوئی فائدہ نہیں باقی جماعتیں تمام کی تمام شر میں برابر ہیں تو ایسی صورت میں ووٹ بالکل نہ دینے کی بھی گنجائش ہے۔

۴۔ اگر حلقے کا امیدوار ایسی جماعت سے ہو جس کا شر زیادہ ہو لیکن وہ خود شر نہیں اور بلا تفریق حلقے والوں کے

مفادات کے لیے کام کرتا ہو اور حق بات آگے پہنچا سکتا ہے خواہ قبول ہو یا نہ ہو تو ایسے کو بھی ووٹ دیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: یہاں ہماری بحث اس سے نہیں کہ مروجہ جمہوریت اسلامی ہے یا نہیں؟ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ موجود نظام ہم پر مسلط کیا ہوا ہے اور فی الحال اس کو تبدیل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

جاری شدہ جمعہ کو روکا نہ جائے

استفتاء

کیا فرماتے علمائے کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارا گاؤں اپنے علاقے کا بڑا گاؤں ہے لیکن عند الاحناف شرائط جمعہ نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس گاؤں میں صدیوں سے جمعہ چلا آرہا ہے، گاؤں کے معمر ترین لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں سے سنا ہے کہ ہمیں یاد نہیں ہے کہ یہاں جمعہ کب سے شروع ہے؟ باہر سے آنے والے علماء کرام کو اکثر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ گاؤں چھوٹا ہے اس میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یعنی ہر زمانے میں تقریباً اس گاؤں کے جمعہ کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ لیکن جمعہ بدستور جاری ہے۔

ہم چونکہ آباء واجداد سے اس گاؤں کے امام ہیں، ہم کوئی ضد نہیں کرتے کہ یہاں جمعہ بند نہ ہو جائے لیکن گاؤں کے لوگوں کے مزاج کو ہم جانتے ہیں کہ مختلف فریق اور برادریاں ہیں ہمیشہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوتے ہیں تو اگر بڑا فتنہ برپا نہ بھی ہو تب بھی مسجد تو تقسیم ہو جائی گی، جس میں پھر بعض لوگ ظہر پڑھیں گے اور بعض جمعہ۔ جبکہ اب فی الحال جمعہ پڑھنے پر سارا گاؤں متفق ہے۔ اس فتنہ سے بچنے کے لیے ہم ''کفایت المفتی'' کو دلیل بناتے ہیں کہ چونکہ قدیم الایام سے شروع ہے تو بند نہ کرنا چاہیے وغیرہ، یعنی ظہر ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ لیکن چند نئے مولوی صاحبان نے آکر فرمایا کہ ''احسن الفتاویٰ'' میں مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے ''کفایت المفتی'' کا جواب لکھا ہے۔ لہذا جمعہ بند ہو جانا چاہیے۔ ہم کس کے قول پر عمل کریں ''کفایت المفتی'' پر یا پھر ''احسن الفتاویٰ'' پر۔

نیز واضح رہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک اس گاؤں میں نماز جمعہ بلا کراہت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کہ

۱۔ عام نمازوں میں تیس چالیس لوگ ہوتے ہیں۔

۲۔ نفوس اور گھر زیادہ ہیں، آبادی تقریباً ۱۶۰ سے ۱۸۰ تک ہے۔

۳۔ نماز جمعہ میں ۱۲۰ سے ۱۵۰ تک نمازی ہوتے ہیں۔ اگر فصل کی کٹائی کا موسم ہو تو تقریباً ۷۰ سے ۹۰ تک نمازی ہوتے ہیں۔

۴۔ بڑے بڑے فقیہوں اور کبار علماء نے جمعہ پڑھا ہے اور پڑھایا بھی ہے۔

آپ حضرات سے گذارش یہ ہے کہ اس تفصیل کو مدنظر رکھ کر جواب عنایت فرمائیں کہ یہاں جمعہ جاری رکھیں یا نتیجہ کچھ بھی ہو جمعہ بند کروا دیا جائے۔ اور وہ نئے مولوی صاحبان جو کہ کہہ رہے ہیں کہ ہم جمعہ نہیں پڑھیں گے اپنے گھروں میں ظہر پڑھیں گے، جس سے عام لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات آتے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

مذکورہ صورت میں جمعہ کو جاری رکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اگر چہ فقہ حنفی کے مطابق جمعہ کی شرائط پوری نہ ہوں امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق تو پوری ہو جاتی ہیں اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے دوسرے کے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں آج کل عام طور سے جگہ جگہ جمعہ قائم کیا جا رہا ہے اور اس بارے میں فقہ حنفی کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جا رہا۔ اور اب ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی احتیاط کرے تو اچھا ہے ورنہ جہاں فقہ شافعی کی شرائط پوری ہو رہی ہوں تو قائم کیے گئے جمعہ کو روکا نہ جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

تبلیغی جماعت کا مسجد میں قیام کرنا جائز ہے

استفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مفتی صاحب!

آپ سے التماس ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں۔

تبلیغی جماعت والے مسجد ''مفتیاں'' مین بازار مزنگ لاہور میں ہر ماہ تبلیغ کے نام پر قابض ہو جاتے ہیں، اور مسجد کو بطور ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں، رات کو مسجد میں سو جاتے ہیں، ان میں بچے، جوان اور بوڑھے سبھی شامل ہوتے ہیں۔ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، اونچا ہنسنا، شور مچانا ان کا معمول ہے۔ بچوں کے پیشاب، جوانوں کے احتلام، بوڑھوں کا پاخانہ نکل جانے سے مسجد ناپاک ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے نمازیوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

براہ کرم فتویٰ صادر فرمایا جائے کہ قرآن مجید اور حدیث کی روشنی میں مسجد میں سونا درست اور جائز ہے؟ میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

جماعت کو مسجد میں آنے اور رہنے سے نہ روکا جائے۔ وہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں ٹھہر سکتے ہیں، اور کھانا کھا

سکتے ہیں اور سو سکتے ہیں، پھر وہ دین کے کام کے لیے مسجد میں رہتے ہیں۔
جو جماعت والے مسجد کے آداب کا خیال نہ رکھتے ہوں انہیں پیار محبت سے سمجھا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

اسی سائل کا پھر درج ذیل استفتاء آیا

استفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بڑے ادب سے التماس ہے کہ ناچیز نے آپ کو مسجد میں سونے اور ہوٹل کے طور پر استعمال کرنے کے بارے میں فتویٰ کے لیے لکھا تھا۔ آپ نے فتویٰ دینے کے بجائے اپنی رائے سے نوازا ہے، اس میں کہیں بھی قرآن وسنت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ فتویٰ کی نقل ساتھ لف ہے۔

ان کو مسجد میں تبلیغ کرنے سے کسی نے نہیں روکا اور نہ ہی اس ضمن میں فتویٰ کا لکھا گیا ہے، تبلیغ ان کا حق ہے۔ یہ دور دور سے آتے ہیں، صاحب حیثیت ہوتے ہیں، ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کر کے پاکستان بلکہ تمام دنیا میں جاتے ہیں، ان کے لیے ہوٹل یا سرائے کا حصول معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں لاکھوں خرچ کرتے ہیں۔

آپ نے مشورہ دیا ہے کہ یہ اعتکاف کے نام پر قیام کر سکتے ہیں۔ بہانہ بازی کر کے مسجد میں قیام غیر اخلاقی اور غیر شرعی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے لیے مساجد کے ساتھ حجرے تعمیر کیے جاتے تھے اور کیے جاتے ہیں، سرائے تعمیر کی جاتی تھیں تاکہ ان میں ٹھہریں اور مساجد کا تقدس پامال نہ ہو۔

لہذا آپ سے التماس ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ مسجد میں قیام کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے تاکہ مسجد ناپاک ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ ناچیز آپ کا ممنون ہوگا۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

ہم نے آپ کو فتویٰ ہی لکھ کر دیا ہے اپنی رائے نہیں کیونکہ ہماری رائے کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ اعتکاف کی نیت ایک شرعی چیز ہے بہانہ بازی نہیں۔ چوبیس گھنٹے مسجد میں رہنا اور دینی اعمال میں لگنا اور دوسروں کے لیے دینی اعمال میں نمونہ بننا اس دور میں کیا یہ اچھی بات نہیں؟ اعتکاف بھی ایک دینی عمل ہے۔ اور یہ باتیں اتنی کھلی اور واضح ہیں کہ کسی حوالے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

ملکی پالیسیوں کے بارے میں سوال

استفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض ہے کہ میں ''بولان میڈیکل کالج کوئٹہ'' میں سیکنڈ ایئر (MBBS) کا طالب علم ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فقہی مسائل سیکھنے کی بھی توفیق دی ہے اور مسجد کے امام صاحب سے فقہ کی کتابیں پڑھ رہا ہوں، الحمدللہ

گذشتہ کئی مہینوں سے ملکی حالات اور امت مسلمہ کی اجتماعی صورت حال سے شدید تذبذب کا شکار ہوں۔ ان حالات میں اپنے دیوبند کے علماء کرام کی رہنمائی کے لیے آپ حضرات کی توجہ اور رہنمائی درکار ہے۔ یاد رہے کہ میرے ان سوالات سے میرے کئی دوستوں اور خود میرے اپنے گھر والوں کی بھی رہنمائی ہوگی۔

۱۔ پاکستان کے حکمرانوں کی موجودہ پالیسیوں کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے عوام ان کے احکام اور قوانین ماننے کے کس حد تک مکلّف ہیں؟

۲۔ پاکستان اور افغانستان میں فعال مجاہدین کی سرگرمیوں کو آپ حضرات کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ان کو CIA یا اسرائیلی یا روسی ایجنٹ کہنے والے حکومتی اور عوامی دعوؤں کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟

۳۔ جہاد فرض عین اور فرض کفایہ کی اگر موجودہ صورت حال سے وضاحت فرمادیں کہ پاکستان میں کونسی صورت کا حکم ہے اور کس کے خلاف؟

۴۔ موجودہ صورت حال میں پاکستانی فوج میں شمولیت اختیار کرنا کیسا ہے؟ جبکہ ان کا استعمال یقیناً کسی غیر مسلم فوج کے بجائے خود اپنے ہی نہتے عوام بلکہ مجاہدین کے خلاف ہوتا ہے۔ آپ کی رہنمائی کا منتظر۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

۱۔ [وضاحت کی جائے کہ سائل کے پیش نظر] کون سے احکام وقوانین مراد ہیں؟

۲۔ افغانستان کے مجاہدین واقعی مجاہدین ہیں۔ پاکستان کے فعال مجاہدین کے بارے میں ہماری معلومات کافی نہیں اس لیے ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے سوائے اتنی بات کے کہ جیسی نیت ہوگی ویسا معاملہ ہوگا۔

۳۔ ہمیں اس کی بھی پوری تحقیق نہیں ہے۔

۴۔ پوری فوج تو آپریشن میں نہیں لگی۔ پھر کافروں سے بھی تو جنگ کا موقع آسکتا ہے۔ اگر کسی کو اطمینان نہ ہو تو وہ شمولیت اختیار نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

علاقائی رؤیت ہلال کمیٹیاں انتشار کا باعث ہوں گی

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مبین کہ صوبہ سرحد بالخصوص ہمارے علاقہ ملازئی ضلع ٹانک میں ایک عرصہ سے رمضان اور عید کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ متعدد بار ایسا ہوا ہے کہ ایک گاؤں میں عید جبکہ قریبی دوسرے گاؤں میں روزہ ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ گاؤں کے ایک محلے میں عید جبکہ دوسرے محلے میں روزہ ہوتا ہے۔

اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے ہمارے گاؤں ملازئی (جو کہ بہت بڑا قصبہ ہے اور جس سے متعدد چھوٹے چھوٹے دیہات منسلک ہیں) کے علماء کرام نے علاقہ کی سطح پر متفقہ رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ ملازئی اور مضافات میں عید اور رمضان میں اتفاقی صورت پیدا ہو۔

اب سوال یہ ہے:

۱۔ ہمارے گاؤں ملازئی کے علماء کرام کی تشکیل کردہ رؤیت ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

۲۔ چونکہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کی کارکردگی غیر تسلی بخش اور تعنت پر مبنی ہے۔ لہذا اگر ہمارے علاقے کے علماء کرام ایک عالم دین کو امیر منتخب کرلیں تو کیا ایسے امیر کا حکم رؤیت ہلال کے بارے میں شرعاً حجت ہے یا نہیں؟

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

ویسے تو جو کمیٹی ملک گیر ہو اور پھر حکومت کی مقرر کردہ ہو اور اس میں قابل بھروسہ ارکان ہوں تو عوام کو اس کے کہے پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر ہر علاقے کی علیحدہ علیحدہ کمیٹی ہو اور وہ بھی غیر حکومتی تو اس سے بڑا انتشار ہوگا۔

آپ نے لکھا کہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کی کارکردگی غیر تسلی بخش اور تعنت پر مبنی ہے تو اس کا کوئی ثبوت آپ نے نہیں دیا۔ کیا ایسا ہوا ہے کہ واقعی رؤیت کی شہادت کمیٹی کے پاس پہنچائی گئی ہو اور اس نے اس کو قبول نہ کیا ہو؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

اصلاح احوال سے مایوسی پر بیعت توڑنا

استفتاء

محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اپنے ایک ذاتی مسئلے میں آپ کی رہنمائی لینا چاہتی ہوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں دس سال سے زائد عرصہ

سے ایک معروف بزرگ سے بیعت ہوں جس کا نام ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتی، مجھے ان سے بیعت ہونے کے بعد دینی حوالے سے اچھا خاصا فائدہ بھی ہوا ہے۔ان بزرگوں کی ایک عادت یہ ہے کہ یہ اپنے سے بیعت عورتوں سے بالکل بند کمرے میں تنہائی میں بھی مل لیتے ہیں۔(۱) تنہائی میں مل لینے کی صورت حال جہاں اور متعدد عورتوں کو پیش آئی وہاں یہ صورت حال مجھے بھی پیش آئی۔لیکن اس وقت تک مجھے باوجود عالمہ ہونے کے اس کے غلط اور ناجائز ہونے کا احساس نہ تھا کیونکہ یہ ہمارے سلسلے میں عام تھا۔(۲) اس تنہائی کے دوران خود میرے ساتھ تو کوئی مزید بات پیش نہیں آئی البتہ بعض دوسری عورتوں کو جن میں سے اکثر عورتیں وہ ہیں جو ان بزرگ کے زیر نگرانی مدارس میں معلمات تھیں یا ابھی بھی ہیں اس کی نوبت بھی آئی کہ ان بزرگوں نے تنہائی میں اپنے ہاتھ سے ان عورتوں کے منہ میں کھانے کی چیز ڈالی۔ یہ بات جن ذرائع سے مجھے معلوم ہوئی ہے مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔(۳) البتہ ان بزرگ سے بیعت ہونے والی بعض عورتوں کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ان بزرگوں نے ان کے ساتھ ہمبستری یعنی صحبت کے علاوہ سب کچھ کیا ہے حتی کہ اپنا برہنہ جسم ان عورتوں کے برہنہ جسم کے ساتھ ملایا۔لیکن یہ بات جن ذرائع سے مجھے معلوم ہوئی ہے (جن میں سے بعض خلفاء بھی شامل ہیں) مجھے ان پر پورا اعتماد نہیں ہے۔

میرے علم کے مطابق اب ان بزرگ نے عورتوں سے تنہائی میں ملنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کے بعض خلفاء نے ان پر ان کی اس عادت کے غیر شرعی ہونے پر شدید نکیر کی تھی۔اس سب کے باوجود میری عقیدت ان بزرگوں کے ساتھ ابھی بھی برقرار ہے۔

ان سب باتوں کے پیش نظر میرا سوال یہ ہے کہ کیا میرا ان بزرگوں سے اپنے بیعت کے تعلق کو برقرار رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بسم اللہ حامداو مصلیا

آپ فی الحال اپنی بیعت پر قائم رہیں لیکن پیر صاحب کی مجالس میں شرکت نہ کریں۔ان میں شرکت خواتین کے لیے ضروری بھی نہیں۔پیر صاحب نے جو وظائف بتائے ہیں ان کو پورا کرتی رہیں۔اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو اپنے مردوں کے واسطہ سے پوچھیں۔اس کے ساتھ حالات کو دیکھتی رہیں مثلاً کم وبیش دو سال تک۔اگر پیر صاحب اپنی اصلاح کر لیں تو فبہا ورنہ ان سے بیعت وتعلق توڑ لیں اور کسی متبع سنت شیخ سے بیعت ہو جائیں۔فقط واللہ تعالی اعلم

.....☆.....

تراویح پر اجرت لینے دینے کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جو حافظ طے کیے یا بغیر طے کیے ہوئے تراویح میں

قرآن سنانے پر رقم لیتا ہے یا اسے (کچھ) دیا جاتا ہے اس کے پیچھے تراویح پڑھنا اور اس کا پڑھانا بایں طور شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟ مزید جو شخص حافظ قرآن کو رقم لینے دینے کی ترغیب دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ حافظ صاحب مانگ نہیں رہا بلکہ ہم اپنی خوشی سے دے رہے ہیں۔

خدمت عالیہ میں التماس ہے کہ قدرے مفصل جواب تحریر فرمادیں تاکہ جانبین سے اطمینان پایا جاوے۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

۱۔ اجرت طے کر کے تراویح پڑھانا جائز نہیں ہے۔ ایسے کو تراویح میں امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ جہاں اجرت دینے کا رواج ہو یا ہدیتاً کچھ دینے کا مستقل رواج ہو اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو سنانے والا برا مانتا ہو تو یہ ہدیہ بھی اجرت کے حکم میں ہے۔

۳۔ جہاں اجرت دینے کا بھی رواج نہ ہو اور مستقل طور پر ہدیتاً دینے کا رواج نہ ہو کبھی کسی نے ہدیتاً کچھ (دے) دیا (تو دیدیا) اور تراویح سنانے والے کی نیت بھی کچھ لینے کی نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر کبھی کسی نے اپنی خوشی سے کچھ دیا اور امام تراویح نے لے لیا تو مضائقہ نہیں۔

۴۔ پہلی دو صورتوں میں ترغیب دینا بھی ناجائز ہے اور تیسری صورت میں کسی کے بلا عادت ورواج ہدیتاً دینے پر اور امام تراویح کے قبول کرنے پر پس وپیش میں لینے کا کہنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

.....☆.....

تبلیغی کام پر خیر کا غلبہ ہے

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی جماعت جو علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت سمجھی جاتی ہے۔ اس جماعت میں عرصہ دراز سے کئی بے اعتدالیاں چلی آرہی ہیں جن پر اکابر علمائے دیوبند نے جماعت کے ذمہ دار حضرات کو متوجہ کیا کہ ان بے اعتدالیوں کا تدارک کیا جائے۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''علاج یا عذاب'' میں، مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ، مولانا زاہد الراشدی صاحب اور دیگر کئی علمائے کرام نے تحریراً تقریراً ان حضراب کو بے اعتدالیوں سے آگاہ کیا۔ اس کے باوجود ابھی تک کوئی اصلاح نظر نہیں آرہی۔ بلکہ بعض بے اعتدالیاں اب بعض غلط نظریات بنتے نظر آرہے ہیں۔ حال ہی میں مولانا قاری فتح محمد صاحب کی کتاب ''اکابر علما دیوبند اور تبلیغی جماعت'' منظر عام پر آئی ہے (جو ساتھ لف ہے) جس میں انہوں نے تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں کو غلط نظریات لکھا ہے۔ کتاب کے (ص: ۵) پر لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت والے

صرف جماعت میں نکلنے ہی کو دین کا کام سمجھ رہے ہیں اس کے علاوہ تمام تحریکوں کے کام کو دین کا کام نہیں سمجھ رہے۔

بڑے بڑے اجتماعات کے اندر نصوص قطعیہ کے خلاف بیان ہوتا ہے مثلاً مولوی محمد احمد بہاولپوری صاحب کے کئی بیانات جن میں صریح طور پر جہاد کا انکار ہے۔(ص:۹) مولوی طارق جمیل صاحب کے بیانات پر تبصرہ بھی اس کتاب میں کیا گیا ہے جو ماہنامہ ''حق چار یار'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔مولوی طارق جمیل صاحب نے اجماع امت سے ہٹ کر اکابر پر طعن کرتے ہوئے بعض بیانات دیے ہیں۔جو کتاب کے صفحہ ۲۶ پر ہیں۔

اجتماع میں ۳۵ ہزار علما موجود ہوتے ہیں۔قاری صاحب نے لکھا ہے کہ اگر وہ علماء ہوتے تو ضرور اس جاہل (احمد بہاولپوری) کا گریباں پکڑتے (وہ علماء دیوبند نہیں)۔

تبلیغی جماعت کے چھ نمبروں کا تذکرہ انہوں نے کیا ہے کہ صرف چھ نمبروں کو ہی کل دین سمجھ لیا گیا ہے۔

علماء کے خلاف ذہن بنتا ہے۔کتاب کے (ص:۱۷) پر مولانا زاہد الراشدی صاحب کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے ۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب، شہید اسلام مولانا مفتی نظام الدین، مولانا حسن جان شہید، مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید جیسے علماء کا وفد تبلیغی جماعت کے مرکز میں گیا، علماء سے تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں کی شکایت کی کہ اس کا سد باب ہونا چاہیے۔لیکن آج تک سد باب نہیں ہوا۔کتاب کے آخر میں کثیر تعداد میں علمائے کرام کے نام لکھے ہیں جنہوں نے تبلیغی جماعت کے ذمہ داران کو سمجھایا لیکن پھر بھی کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا۔

ا۔ان حالات میں تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟ علمائے امت کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ علمائے امت کو ان غلطیوں کی نشاندہی کرنی چاہیے یا پھر سکوت اختیار کرنا چاہیے؟

چلہ وغیرہ کی حیثیت مولانا الیاس کے نزدیک بدعت حسنہ تھی۔بحوالہ فتاوی محمودیہ (۳۰۳/۴)

۲۔چلہ، سہ روزہ، گشت، اجتماع، اعلان گشت، مشورہ وغیرہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ واجب، فرض عین، مستحب؟ یا تربیتی امور؟ اگر فرض، واجب، مستحب نہیں۔صرف تربیتی امور ہیں اور دین پر آنے کا ذریعہ ہیں تو ان کو عین دین اور مقصد سمجھنا فرض، واجب کا درجہ دینا بدعت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بسم اللہ حامداو مصلیا

تبلیغی جماعت کے حضرات کی جو غلطیاں ہیں ان کی طرف ہم خود بھی نشاندہی کرتے رہے ہیں۔لیکن مجموعی اعتبار سے مفید کام کا غلبہ ہے اس لئے ہم تبلیغ میں وقت لگانے کو جائز اور بہتر سمجھتے ہیں۔کام کی مخالفت کے بجائے اصلاح احوال کی کوشش کی جائے۔

.....☆.....

چند اہم متفرق مسائل

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء حق علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

۱۔ اگر سنت کے بعد امام اور مقتدی اجتماعی دعا مواظبت سے کریں اور یہ کہیں کہ ہم یہ دعا سنت یا مستحب نہیں سمجھتے اور دعا نہ کرنے والوں پر نکیر بھی نہیں کرتے ہیں۔ مواظبت سے اس اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟

۲۔ ہمارے علاقہ وزیرستان میں اسقاط وحیلہ اسقاط کا ایک رواج بن گیا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جب نماز جنازہ ہو جائے تو حیلہ اسقاط کے لیے ایک چھوٹا دائرہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس میں غرباء، اغنیاء ہوتے ہیں۔ وارث میت پانچ سے دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ رقم بمع قرآن کریم دائرے میں شامل ایک مولوی صاحب کو ہبہ کر دیتا ہے۔ خواہ میت غنی ہو یا فقیر۔ اور وہ مولوی صاحب بھی اکثر غنی ہوتا ہے جس کو وارث میت اسقاط کی رقم ہبہ کرتا ہے۔ حالانکہ نہ تو دینے والے کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ لینے والے کو حقیقی مالک بناتا ہے اور نہ لینے والے کا یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ حقیقی مالک گردانا گیا ہے۔ اس کے بعد دائرے میں شامل افراد نمبر وار ایک دوسرے کو ہبہ کر کے سات چکر دیتے ہیں۔ اس کے بعد بڑے دائرے میں یہ عمل دوہراتے ہیں اور یہ الفاظ کہتے ہیں کہ ''مجھے قبول ہے، اور تجھے ہبہ کرتا ہوں''۔ حتیٰ کہ پھر مولوی صاحب کو رقم مذکور بمع قرآن کریم پہنچ جاتی ہے، اور مولوی صاحب وارث میت کو واپس دیدیتا ہے اور وارث میت بلا امتیاز غنی وفقیر سب کو تقسیم کر دیتا ہے بلکہ اغنیاء کو زیادہ دیتا ہے۔ نیز عملِ دوران (پیسوں اور قرآن کو گھمانے کا عمل) پورا کرنے تک بلا عذر شرعی میت جنازہ گاہ میں پڑی رہتی ہے۔ اور اس حیلہ کے فوراً بعد میت کے لیے دعا کی جاتی ہے کہ یا اللہ اس حیلہ کو قبول فرما۔ اس کے بعد میت کو جنازگاہ سے اٹھا کر قبر (کی طرف) لے جاتے ہیں۔

اسقاط کی مندرجہ بالا صورت (کی) شریعت مقدسہ میں کیا حیثیت ہے؟

۳۔ جو شخص مواظبت کے ساتھ بدعت سیئہ کا اعتقاداً یا عملاً مرتکب ہو۔ اس کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ یا کیسا ہے؟

۴۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ آپ رحمہ اللہ کے تقویٰ، قوتِ ایمانی و بدنی پر کوئی شبہ نہیں لیکن اس میں جو اشکال ہے یعنی بشری تقاضے مثلاً پیشاب، حقوق زوجیت جو سنت بھی ہیں اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

۵۔ سنت مؤکدہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت کی ہو اور احیاناً چھوڑی بھی ہو کیا ہم بھی کبھی قصداً چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ امت کے لیے کیا حکم ہے؟

۶۔سیدنا حضرت خضر علیہ السلام کی حیات، ممات میں علماء امت کی کیا رائے یا حکم ہے؟

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

۱۔اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ سنن ونوافل کے بعد دعا کرنا ثابت ہے اور ایک خاص کیفیت کے ساتھ ثابت ہے یعنی انفرادی طور سے۔اگر اجتماعی طور سے جائز ہوتا تو بیان جواز کے لیے رسول اللہ ﷺ سے اس کا کرنا ایک مرتبہ تو کم از کم منقول ہوتا۔منقول کیفیت کو چھوڑ کر کسی دوسری کیفیت کو اختیار کرنا بدعت کے زمرہ میں آتا ہے۔

حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و قریب من ذلک ان تکون العبادة من جهة الشرع مرتبة علی وجه مخصوص فیرید به بعض الناس ان یحدث فیه امر آخر لم یرد به الشرع زاعماً انه یدرجه تحت عموم، فهذا لا یستقیم لان الغالب علی العبادات التعبد ماخذها التوقف. (بحوالہ: راہ سنت: ۱۲۰)

ترجمہ: اور اسی کے قریب یہ بات بھی ہے کہ کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو اور بعض لوگ اس کے اندر کچھ تغیر کر دیں اور خیال یہ کریں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا ایسا خیال درست اور صحیح نہ ہوگا کیونکہ عبادات کے اندر طریق تعبد غالب ہے اور اس کا ماخذ توقیف ہے یعنی اس کا ماخذ (جناب رسول اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ بحر رائق میں لکھتے ہیں:

لان ذکر الله تعالیٰ اذا قصد به التخصیص او بشیء دون شیء لم یکن مشروعاًحیث لم یرد به الشرع لانه خلاف الشرع.(بحوالہ: راہ سنت: ۱۲۰)

ترجمہ: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی جب کسی ایک ہی وقت کے ساتھ تخصیص کا قصد کر لیا گیا اور دوسرے وقت میں وہ نہ ہوا یا کسی شے کے ساتھ ذکر اللہ کو مخصوص کر لیا گیا دوسری چیز کے ساتھ خاص نہ کیا گیا تو وہ مشروع نہ ہوگا کیونکہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی۔لہذا وہ خلاف شرع ہوگا۔

اس تفصیل سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سنن ونوافل کے بعد امام اور مقتدیوں کا اجتماعی دعا کرنا اور اس پر مواظبت کرنا بدعت ہے اگرچہ اس کو سنت ومستحب نہ سمجھا جائے۔

۲۔حیلہ اسقاط کا مذکورہ طریقہ واجب الترک ہے کیونکہ جتنے حیلے کیے جاتے ہیں وہ ضرورت ومجبوری کی بناء پر اختیار کیے جاتے ہیں۔بلا وجہ حیلہ کرنا بہت ہی نامناسب ہے۔نیز ہبہ کر کے واپس لینا ایسا ہے جیسے کتا قے کرے اور پھر دوبارہ اس کو چاٹ لے۔

جیسے ذکر کیا حیلہ ضرورت ومجبوری کے وقت کیا جاتا ہے عام حالات میں نہیں۔عام حالات میں تو یہ ہے کہ جس میت

شخص کی جتنی نمازیں قضا رہ گئی ہوں ہر فرض اور واجب نماز کا فدیہ فطرانہ کے برابر ادا کیا جائے۔ اس نے وصیت کی ہو تو اس کے ایک تہائی ترکہ میں سے ادا کیا جائے اور اگر وارث اپنی طرف سے تبرع کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

ضرورت و مجبوری کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقیر ہے یا کم استطاعت کا ہے اور اس کے ایک تہائی ترکہ میں سے کل فدیہ پورا نہیں ہوتا۔ تو اس وقت حیلہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ تہائی تک کسی فقیر کو صدقہ کر دیا جائے۔ اور وہ فقیر بعد میں وہ رقم وغیرہ وارث میت کو ہبہ کر دے۔ پھر وارث فقیر کو دوبارہ وہ رقم دیدے۔ اس عمل کو صرف اتنی بار دہرایا جائے جتنے میں کل فدیہ ادا ہو جائے۔

غرض ضرورت و مجبوری کی مذکورہ حالت کے علاوہ اور حالتوں میں حیلہ کرنا جائز نہیں اور اس کو رواج بنا دینا تو اور بھی برا ہے۔

۳۔ یہ شخص بدعتی ہے اور اس کو امام بنانا یا مقرر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو معمول بنالینا جائز نہیں کیونکہ اس میں عوام کے لیے بہت سے مفاسد ہیں۔ کبھی اتفاق سے مجبوراً نماز پڑھنی پڑے تو کراہت نہیں ہے۔

۴۔ یہ صرف امام صاحب رحمہ اللہ کا ہی معمول منقول نہیں بلکہ بعض اور محدثین کا یہی عمل تذکرۃ الحفاظ (للذہبی) میں مذکور ہے۔ ان حضرات کی کرامت بھی ہو سکتی ہے کہ سالہا سال ان کو درمیان میں وضو کرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ رہ گیا وظیفۂ زوجیت تو اس کے لیے کونسا رات کا وقت فرض ہے۔ پھر اس بات کو بھی پیش نظر رکھیے کہ عشاء کی نماز تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اور خیر القرون میں لوگوں سے یہی توقع ہے کہ وہ استحباب کو نہ چھوڑتے ہوں گے۔ یہ تو ہم کمزوروں کی بات ہے کہ عشاء کی نماز اول وقت پڑھتے ہیں۔ تو ان حضرات کو مغرب اور عشاء کے درمیان خاصا وقت مل جاتا تھا جس میں یہ حضرات کچھ سو لیتے ہوں گے اور حق زوجیت بھی ادا کر لیتے ہوں گے۔ پھر ہماری طرح نفس پرستی اور لذائذ دنیوی میں استغراق ان میں نہ تھا۔ تقلیل طعام، تقلیل منام اور لذائذ دنیوی سے کنارہ کشی اور پھر کرامت۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے منقول بات میں ناممکن یا غیر شرعی ہونے کا کونسا پہلو رہا؟

علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عادت و معمول اکثر اوقات کے اعتبار سے ہو کبھی اتفاق سے وضو ٹوٹ گیا ہو تو (اسے) عام طور سے عادت کا ٹوٹنا نہیں کہا جاتا۔

۵۔ سنت مؤکدہ کا حکم ''درمختار'' میں یوں مذکور ہے:

ما یوجر علی فعله و یلام علی ترکه.

ردالمحتار میں ہے:

المراد بالترک بلا عذر علی سبیل الاصرار کما فی شرح التحریر لابن امیر حاج و یؤیده ما سیأتی فی سنن الوضوء من انه لو اکتفی بالغسل مرة ان اعتاده اثم و الا لا .....

فی الکشف الکبیر معزیا الی اصول ابی الیسر حکم السنة ان یندب الی تحصیلها و یلام علی ترکها مع لحوق اثم یسیر.

ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ ترک جو کہ بلا عذر ہو اور علی سبیل الاصرار ہو اس میں عتاب و ملامت اور گناہ اور حرمان از شفاعت ہوتی ہے۔

اب مسئلہ رہ جاتا ہے کہ ترک اگر بلا عذر ہو لیکن علی سبیل الاصرار نہ ہو بلکہ احیاناً ہو تو اس کا جواب یہ ہے:

سنت مؤکدہ کی تعریف میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ درمختار میں ہے:

و الشرط فی المؤکدة المواظبة مع ترک و لو حکما.

جبکہ بحر میں ہے:

و الذی ظهر للعبد الضعیف ان السنة ما واظب علیه النبی ﷺ لکن ان کانت لا مع الترک فهی دلیل السنة المؤکدة و ان کانت مع الترک احیاناً فهی دلیل غیر المؤکدة و ان کانت اقترنت بالانکار علی من لم یفعله فهی دلیل الوجوب.

جمع کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مواظبت اگر ترک مع عذر کے ہو تو سنت مؤکدہ ہوگی اور مواظبت اگر ترک بلا عذر کے ساتھ ہو تو سنت غیر مؤکدہ ہوگی۔

اور جب یہ حاصل ہوا کہ سنت مؤکدہ میں رسول اللہ ﷺ کا احیانا ترک عذر کی وجہ سے تھا تو امت کے لیے بھی عذر سے سنت مؤکدہ کا احیاناً ترک جائز ہوگا اور بلا عذر احیاناً ترک میں بھی کچھ اساءت ہوگی اور کچھ گناہ ہوگا اگرچہ اس سے بہت کم ہوگا جو علی سبیل الاصرار کی صورت میں ہوگا۔ واللہ اعلم

۶۔ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات و وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' (سورہ کہف) میں اس مسئلہ پر تفصیل سے لکھا ہے اور وفات و حیات کے قائلین کے دلائل تفصیلاً ذکر کیے ہیں۔ امام بخاری، ابن تیمیہ، علی بن موسیٰ الرضا، شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی الفضل المرسی، ابراہیم بن اسحاق الحربی، ابو الحسین ابن المناوی، بعض اصحاب محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و ذهب جمهور العلماء الی انه حی موجود بین اظهرنا.

اور عام طور سے صوفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔

شیخ صدرالدین اسحاق قونوی رحمہ اللہ کا قول ہے:

ان وجود الخضر علیه السلام فی عالم المثال.

عبدالرزاق کاشی رحمہ اللہ کا قول ہے:

ان الخضر عبارة عن البسط و الیاس عن القبض.

بعض صوفیہ کہتے ہیں:

ان الخضریة رتبة یتولاها بعض الصالحین علی قدم الخضر الذی کان فی زمن موسیٰ علیه السلام..... فقط و الله تعالیٰ اعلم

.....☆.....

مسائل بہشتی زیور پر اشکال و جواب

استفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(حضرت) مولانا ڈاکٹر مفتی (عبدالواحد) صاحب دامت برکاتہم

آپ کی خدمت اقدس میں یہ عرض کرنا ہے کہ مجھ ذرہ ناچیز نے آپ کی تصنیف کردہ کتاب ''مسائل بہشتی زیور'' کا بغور مطالعہ کیا تو مطالعہ کے دوران طلاق کے بیان میں ایک مسئلہ پڑھا۔ وہ مسئلہ یہ ہے:

مسئلہ: کسی نے بجائے طلاق کے تلاک، طلاک، تلاغ یا طلاغ تلفظ کیا تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

یہ مذکورہ مسئلہ ''مسائل بہشتی زیور'' کے صفحہ ۵۱۶ پر درج ہے۔ اس مسئلہ کی بابت بہت دنوں سے بات کھٹک رہی تھی اور ذہن بھی منتشر سا تھا۔ آج ارادہ کیا کہ اس کا اظہار کر کے صحیح رہنمائی حاصل کروں۔

مفتی صاحب! ''مسائل بہشتی زیور'' باب الطلاق صفحہ ۵۱۵ میں طلاق صریح کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ''شوہر ایسے لفظوں سے طلاق دے جن سے عام طور سے صرف طلاق کا معنیٰ ہی سمجھا جاتا ہو، کوئی اور معنیٰ نہ نکلتا ہو'' چونکہ صریح الفاظ سے مراد ہی یہی ہے کہ ایسے صاف صاف لفظوں سے طلاق دی جائے کہ ان کے معنیٰ اس زبان میں سوائے طلاق کے اور کچھ نہ لیے جائیں چونکہ صریح طلاق یعنی صریح الفاظ میں نیت اور غیر نیت کی حاجت نہیں ہوتی، لفظ طلاق کہنے ہی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مفتی صاحب طلاق سے عام طور سے طلاق کے معنیٰ ہی مراد لیے جاتے ہیں اور لفظ طلاق یعنی (ط، ل، الف، ق) کا مادہ ہی طلاق کے معنیٰ کو ادا کرتا ہے اور کوئی دوسرا لفظ طلاق کے معنیٰ کو ادا نہیں کرتا کیونکہ لغت میں طلاق کے معنیٰ قید حسی یا قید معنوی اٹھا دینا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ طلاق کے لفظی معنیٰ بندھن کھولنے کے ہیں اور شریعت میں اس گرہ اور بندھن (عقد) کے کھول دینے کو طلاق کہتے ہیں جو نکاح کے ذریعہ لگائی گئی تھی گویا جو گرہ رشتہ نکاح کے ذریعہ لگائی تھی وہ طلاق کے ذریعے کھول دی جائے۔

مسئلہ مذکورہ میں (۱) تلاک، (۲) طلاک، (۳) تلاغ، (۴) طلاغ کے الفاظ عام طور پر طلاق کے لیے مستعمل نہیں ہیں اور نہ ہی یہ مذکورہ الفاظ طلاق کے معنیٰ کو ادا کرتے ہیں، لغت میں ان کے کوئی معنیٰ نہیں جیسے ہم عام طور پر روٹی ووٹی، پانی مانی الفاظ استعمال کرتے ہیں جبکہ روٹی کے معنیٰ تو ہیں اور ووٹی کے کوئی معنیٰ نہیں، روٹی بامعنیٰ لفظ ہوا اور ووٹی بے معنیٰ۔ اسی طرح طلاق بامعنیٰ لفظ ہوا اور یہ مذکورہ الفاظ بے معنیٰ۔ ''مسائل بہشتی زیور'' کے مسئلہ کے الفاظ تلاک، طلاک، تلاغ، طلاغ سے طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ مذکورہ الفاظ طلاق کے لیے صریح نہیں اور نہ ہی یہ الفاظ طلاق کے معنیٰ کو ادا کرتے ہیں۔ آپ نے مسئلہ میں فرمایا کہ اگر طلاق کی بجائے ان الفاظ کو کہہ دیا تو طلاق ہو جاتی ہے حالانکہ طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے۔

۲۔ مفتی صاحب! آپ نے اس مذکورہ مسئلہ میں نہ تو کوئی قید لگائی اور نہ ہی طلاق دینے والے کے وصف کا ذکر فرمایا کیونکہ طلاق کے لیے چند شرائط ہیں اگر وہ شرائط پائی جائیں تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ مثلاً

کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ (المغلوب علی عقلہ) بحوالہ ترمذی شریف.

اور اسی طرح:

و یقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلاً بالغاً و لا یقع الصبی و المجنون و النائم. (ھدایہ: ۳۳۸/۲)

مفتی صاحب! آپ نے ''مسائل بہشتی زیور'' میں نہ تو عالم، غیر عالم کی قید لگائی اور نہ اس مسئلہ میں وضاحت ہے۔ مفتی صاحب! مسئلہ کو پڑھ کر ذہن الجھ گیا تھا۔ اس لیے اپنی بساط کے موافق فقط تسلی و تشفی کے لیے آپ سے ذکر کر دیا۔

مفتی صاحب! ممکن ہے میرے علم ناقص اور فہم ناقص کے سبب یہ الجھاؤ پیدا ہوا (ہو) کیونکہ میرا علم اس قدر عمیق نہیں اور یہ مسئلہ طالب علمی کے زمانہ میں شاذ و نادر ہی نظر سے گذرا ہوگا لیکن میں نے اس مسئلہ کو سمجھنے کی خاطر کافی کتابوں کا مطالعہ کیا، دوران مطالعہ ذہن میں ایک کتاب کا خیال آیا، اس کتاب میں پڑھا تو آپ کے اس مسئلہ اور اس مسئلہ میں کافی فرق نظر آیا۔ اس کتاب میں مسئلہ کا مفہوم اور کتاب کا نام درج ذیل ہے:

مفہوم: تلاک وغیرہ تلفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی جبکہ وہ طلاق پر قادر ہو پھر یہ مذکورہ الفاظ کہہ دے: طلاک، تلاک، طلاغ، تلاغ۔

(بحوالہ کفایت المفتی: کتاب الطلاق)

مفتی صاحب! اپنے علم ناقص اور فہم ناقص کے سبب یہ پوچھنا مقصود ہے کہ ''مسائل بہشتی زیور'' والا مسئلہ اور ''کفایت المفتی'' میں جو مفہوم رقم ہے اگر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ درست ہیں تو براہ کرم دونوں کے متعلق مع دلائل تفصیلی جواب سے جلد سے جلد سرفراز فرمائیں۔

مفتی صاحب! آپ سے گذارش ہے کہ اگر مذکورہ تحریر میں کوئی تلخی محسوس ہوتو براہ کرم درگذر فرما دیجیے۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

پورا مسئلہ اس طرح سے ہے:

۱۔ بدلے ہوئے الفاظ جاہل کہے یا عالم کہے لیکن عالم یہ دعویٰ نہ کرے کہ اس کا مقصد (طلاق) دینا نہیں تو دونوں کی طلاق واقع ہوجائے گی۔

''درمختار'' میں ہے:

و یقع بهذه الالفاظ و ما بمعناها من الصریح و یدخل نحو طلاغ، و تلاغ، طلاک و تلاک .... بلا فرق بین عالم و جاهل.

اور ''کفایت المفتی'' میں بھی اسی طرح ہے:

''اگر وہ (یعنی عالم) یہ دعویٰ نہ کرے یا کسی بے پڑھے آدمی کی زبان سے نکلا ہے تو طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔'' (۶/۶)

۲۔ عالم یہ الفاظ کہہ کر دعویٰ کرے کہ میرا مقصد طلاق دینا نہیں تھا۔ اس صورت میں دیانۃً تو اس کو سچا سمجھا جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اگر معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو عدالت نیتوں سے بحث نہیں کرتی، ظاہری الفاظ کو دیکھتی ہے اس لیے وہ صرف طلاق کا حکم لگائے گی۔ یہی اس صورت میں ہوگا جب یہ الفاظ بیوی نے خود سنے ہوں یا اس تک پہنچ گئے ہوں کہ وہ بھی طلاق ہونا ہی سمجھے گی۔ اس کو کہتے ہیں کہ قضاءً شوہر کو سچا نہ سمجھا جائے گا الا یہ کہ وہ یہ الفاظ کہنے سے پہلے اس بات پر دو گواہ بنالے کہ وہ محض ڈرانے کی خاطر یہ الفاظ کہے گا۔

''درمختار'' میں ہے:

و ان قال تعمدته تخویفاً لم یصدق قضاءً الا اذا أشهد علیه قبله به یفتیٰ.

عالمگیری میں ہے:

عن الشیخ الامام الجلیل ابی بکر محمد بن الفضل رحمه الله انه یقع، و ان تعمد و قصد ان لا یقع لا یصدق قضاءً و یصدق دیانةً الا اذا أشهد قبل ان یتلفظ به، و کان فی الابتداء یفرق بین العالم و الجاهل کما هو جواب شمس الائمة الحلوانی ثم رجع الیٰ ما قلنا و علیه الفتویٰ کذا فی الخلاصة.

خاص اس صورت کے بارے میں ''کفایت المفتی'' میں عالم کی ہر حالت میں تصدیق کا ذکر ہے اور یہ شمس الائمہ حلوانی کا قول ہے جیسا کہ ''کفایت المفتی'' میں ہے ''کما هو روایة شمس الائمة الحلوانی'' لیکن درمختار،

عالمگیری اور خلاصہ میں امام محمد بن فضل کے فتوے کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی پر ''بہ یفتیٰ'' اور ''علیہ الفتویٰ'' کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ ان ترجیحات کے باوجود ''کفایت المفتی'' میں دوسرے قول کو کیوں اختیار کیا ہے؟ اس کی وجہ نہ انہوں نے لکھی ہے اور نہ ہماری سمجھ میں آئی۔

بہر حال دوسری صورت میں بھی عام طور سے عورت کو ہی مخاطب کر کے کہا جاتا ہے یا اس تک طلاق کہنا پہنچ ہی جاتا ہے اس لیے عام طور سے جو صورتحال بنتی ہے اس میں طلاق کا واقع ہونا تقریباً متعین ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے تفصیل نہیں کی۔

آپ کا دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہ الفاظ تو مہمل اور بے معنیٰ ہیں پھر ان کو طلاق صریح کے ساتھ کیوں کر ملحق کیا گیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ مہمل ہونا اور چیز ہے اور لفظ کی ادائیگی بگڑی ہوئی ہونا اور چیز ہے۔ ''پانی وانی'' میں ''وانی'' مہمل ہے اور ''وانی'' کا تلفظ ''وانی'' ہی ہے کہنے والے نے صحیح ادائیگی کی ہے۔ اسی کی مثال ''طلاق ولاق'' ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ ''اپنی بیوی کو طلاق ولاق دے کر جھگڑا ختم کرو''۔

''طلاک'' اور ''تلاق'' یہ مہمل نہیں کیونکہ کہنے والا طلاق کہنا چاہتا ہے لیکن وہ ''ط'' یا ''ق'' صحیح ادا نہیں کر سکتا۔ کتنے ہی دیہاتی اور جنگلی لوگ ہوتے ہیں جو صحیح ادائیگی نہیں کر سکتے تو ان کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقع ہونے کا حکم ہی لگائیں گے۔ ہمارے ہاں تو پڑھے لکھے لوگ بلکہ بہت سے عالم بھی غلط سلط ادائیگی کر دیتے ہیں۔ طلاق کو ''طلّاق'' کہنا تو عام ہے اور ''ط'' پوری پوری صحیح تو بہت کم لوگوں کی ہوگی عام طور سے ''تلاق'' ہی کہتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆.....

ماہنامہ الشریعہ اس دور کی دجالیت کا مظہر ہے

استفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ایسے گروہ کے بارے میں جو مندرجہ ذیل عقائد رکھتے ہوں:

o اسلام جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی شخص کا یہ مقام تسلیم نہیں کرتا کہ اس کی بات حرف آخر ہے وہ خلفائے راشدین کو بھی مجتہد کے درجہ میں تسلیم کرتا ہے جن کی ہر بات میں خطاء اور صواب دونوں کا احتمال موجود ہے اور ان کے کسی بھی فیصلے اور رائے سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

o ہمارا مذہب اسلام محض رسومات کا مجموعہ ہے، اس کا عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام کا تعلق روحانی دنیا سے ہے عملی دنیا سے نہیں ہے۔ یہ ذاتی معاملہ ہے اس کی جزاء وسزا کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔

o اسلام مذہبی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے معبودوں کے خلاف بولنے سے روکتا ہے، دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ رواداری اور احترام کے رویے کی خصوصی تلقین کرتا ہے، اگرچہ یہودی ہی کیوں نہ ہوں۔

o علاقائی رسومات پر شریعت کے منافی ہونے کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔

o ایک غیر مسلم چیف جسٹس اگرچہ سکھ ہو اسلامی قانون، اسلامی نظام عدالت کا دفاع کرسکتا ہے اور دینی حلقوں کے دلوں میں جگہ بھی بنا سکتا ہے۔

o شیعہ سنی دونوں مؤمن بھی ہیں، مسلمان بھی، شیعہ سنی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتے۔ شیعہ سنی ایک جسم کی دو آنکھیں ہیں، ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ شیعہ مسلمان ہیں جو ان کو کافر کہیں وہ شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ شیعہ اسلام کی تبلیغ کرسکتا ہے۔ شیعہ مسلمان کی اصلاح بھی کرسکتا ہے اور عقائد کی اصلاح بھی کرسکتا ہے۔

o جمہوریت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر موجود ہے۔

o ایسے گروہ کے بارے میں کیا حکم ہے جو اپنے آپ کو سنی کہلائے لیکن شیعہ امام کے پیچھے نماز کو جائز سمجھے۔

o اور ایک مشرک اور کافر کے لیے دعائے مغفرت کرنے کو جائز سمجھے۔

نوٹ: اس قسم کی باتیں ماہنامہ ''الشریعہ'' سے وابستہ لوگوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً سامنے آتی ہیں۔

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

رسالہ ''الشریعہ'' تو اس دور کی دجالیت کا مظہر ہے۔ یہ بلاوجہ اسلاف پر اعتماد میں شک کے کانٹے بوتا ہے۔ اس کی نظر میں پہلے زمانے کے متبحرین فی العلم اور جاوید احمد غامدی برابر کے درجے کے ہیں کیونکہ ان کی رائے کے ساتھ ساتھ جاوید غامدی کی رائے کو بھی درج کیا جاتا ہے۔

سوال میں مندرج سب باتیں مخدوش ہیں اور واجب الاحتراز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور تخصص فی الفقہ

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ لاہور

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی علمی شخصیت کا تعارف اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک ان کے جاری کردہ تخصص واختصاص کے نصاب ونظام کو نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ حضرت رحمہ اللہ کی زندگی کے حاصلات چار ہیں:

(۱) فتویٰ نویسی
(۲) فہم دین کورس
(۳) تالیف وتصنیف
(۴) درس وتدریس۔

ان میں سے اول الذکر تین موضوعات کا تذکرہ الگ ابواب میں موجود ہے یہاں درس وتدریس کا تعارف پیش نظر ہے اس میں سے بھی بالخصوص تخصص واختصاص کا کیونکہ حضرت رحمہ اللہ نے اگرچہ عمومی تدریس بھی رکھی اور بہت سی بلکہ درس نظامی کی تقریباً ساری ہی کتابیں پڑھائیں مگر اپنی زیادہ توجہ فقہ کے میدان میں لگائی اور اس میں سے بھی افراد سازی پر رکھی۔ حضرت رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کا ہدف ایک جگہ یوں بیان فرمایا: ''فقہی مسائل کی تحقیق اور ضرورت پڑنے پر تنقید''۔

فقہی مسائل کی تحقیق اگر مختصر ہو تو فتویٰ ہوتی ہے اور اگر طویل ومفصل ہو تو مضمون اور پھر مضامین کا مجموعہ کتاب یا تالیف ہے۔ اپنے اس علمی ہدف کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ افراد سازی پر بھی توجہ دی جائے اور شمع سے شمع جلانے کے سلسلے کو جاری رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ نے اس کے لئے تخصص کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ہمارے ہاں برصغیر میں ایک عرصے سے تخصص فی الفقہ کا سلسلہ جاری ہے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا نصاب تخصص دیگر جگہوں سے خاصا مختلف ہے اس اختلاف کی وجہ مقاصد کا فرق ہے کیونکہ نصاب ہمیشہ اس مقصد کے مطابق ہوتا ہے جو نصاب بنانے والوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔

تخصص کیا ہے؟

تخصص کسی بھی علم وفن میں اپنے آپ کو اتنا یکسو کر کے لگانے کا نام ہے جس کے نتیجے میں انسان اس علم وفن میں ایسی

مہارت اور مرجعیت حاصل کرلے کہ اس فن کے اکثر و بیشتر مسائل اسے مستحضر ہوں اور دیگر مسائل کو حل کرنے کی استعداد بالفعل پیدا ہو چکی ہو۔

اس کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ طالب علم کسی کامل صاحب فن کے پاس جائے۔ اور اپنی صلاحیتوں اور اوقات کو اس کام کے لیے وقف کر دے۔ وہ صاحب فن اس سے جیسے کام لے اور جن جن مراحل سے گزارے یہ خندہ پیشانی سے گذرتا رہے اس کے لیے کسی وقت اور مدت کی بھی پرواہ نہ کرے۔ جب تک استاد کو اس پر پوری تسلی نہ ہو جائے اس سے جدا ہونے کا خیال بھی نہ لائے۔ تخصص کی اصل حقیقت تو یہ ہے لیکن ارباب علم نے بہر حال جیسے علم کے دیگر درجات کے لیے کچھ کتب مقرر کیں اور نصاب و نظام مقرر فرمایا ایسے ہی اس حصے اور درجے کے لئے بھی کچھ امور طے کر کے اسے نصاب کا عنوان دیا۔ ہماری معلومات کی حد تک ہمارے دیار میں سب سے پہلے تخصص فی الفقہ کا نصاب و نظام حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے دیا۔ ورنہ اس سے قبل یہ ہوتا تھا کہ فقہ تو اچھی طرح اساتذہ سے پڑھی ہوتی تھی بس چند دن کی فتویٰ نویسی کی مشق کسی کے ہاں کر لی تو کفایت کر جاتی تھی، بعض باصلاحیتوں کو اس کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ جس دن دار العلوم دیوبند سے دستار فضیلت لے کر نکلے اسی دن ریاست حیدرآباد کے صدر مفتی بنا کر بھیج دیے گئے۔ پھر آگے چل کر ریاست قلّات (بلوچستان) کے قاضی القضاۃ بھی بنے۔

فقہ کیا ہے؟

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے نصاب و نظام تخصص پر نظر ڈالنے سے قبل یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے ہاں فقیہ یا مفتی کے مفہوم اور حدود اربعہ کا تعین ہو جائے کیونکہ تخصص فی الفقہ ایک مفتی یا فقیہ پیدا کرنے کی باضابطہ کاوشوں سے عبارت ہے۔ فقہ کی رائج تعریف یہ ہے:

"العلم بالاحكام الشرعية العملية الفرعية من ادلتها التفصيلية."

یعنی فقہ عمل سے تعلق رکھنے والے احکام شرعیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس تعریف کے بجائے فقہ کی امام صاحب رحمہ اللہ سے منقول درج ذیل تعریف کو ترجیح دیتے تھے:

"الفقه معرفة النفس ما لها و ما عليها."

پہلی تعریف کی رو سے فقہ صرف ''مختصر القدوری'' یا ''ہدایہ'' کا نام ہے کیونکہ عملی (یعنی طہارت سے وراثت تک کے) احکام تو ان میں ہی ہیں جبکہ دوسری تعریف کے مطابق علم عقائد سے لے کر معاشرت، سیاسیات اور اخلاقیات کے تمام ابوابِ شریعت فقہ کے دائرے میں داخل ہوں گے۔

تخصص کی اہمیت

امام صاحب رحمہ اللہ سے منقول یہ تعریف عصر حاضر کے لحاظ سے نہ صرف موزوں بلکہ ضروری بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس وقت امت کو جہاں طہارت سے لے کر میراث تک کے عملی احکام میں رہنمائی مطلوب ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ عقائد اور افکار ونظریات میں رہنمائی کی بھی ضرورت ہے۔ امت مسلمہ کے سیاسی اقتدار کی بساط لپٹنے کے بعد ہر روز نکلنے والا سورج کسی ایسے نئے فتنے کے ساتھ طلوع ہوتا ہے جو عوام کے عقائد ونظریات کو سبوتاژ کرنے پر تلا ہوا ہے پھر اصلاحی اور معاشرتی چیزوں پر رہنمائی مانگنے کا رجحان بھی روز افزوں ہے کیونکہ معاشرتی اقدار کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی جارہی ہے، اور دینی علم کی بنیادی باتوں سے امت نابلد ہورہی ہے۔

ایک طرف یہ صورتحال ہے اور دوسری جانب امت کی براہ راست رہنمائی کرنے والا ایک ہی فرد ہے جسے مفتی کہا جائے یا فقیہ کہہ لیا جائے۔ اسی سے عوام نے عقائد کا سدھار بھی لینا ہے، اسی سے نماز کا مسئلہ بھی پوچھنا ہے، اسی سے کاروبار کی شرعی خرابی بھی جاننی ہے، اسی نے من گھڑت روایات کو صحیح سے جدا کرنا ہے، اسی نے ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر معتدل رائے قائم کرنی ہے، وھلمّ جراً ایسے حالات میں فقہ کی تعریف میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ترجیح لائق تحسین وتقلید ہے۔ اسی تناظر میں معاصر اہل علم نے فتویٰ کے موجودہ مفہوم میں خاصی وسعت پیدا کی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

> **فمعنى الكلمة (الفتوىٰ) فى اصطلاح اليوم الجواب عن مسئلة دينية. و انما اخترنا لفظ الدينية دون الشرعية لان المفتى لا يجيب عن الاحكام الشرعية العلمية فحسب بل ربما يجيب عن مسائل دينية اعتقادية و عن معنى الاحاديث و كيفية اسنادها و ما الىٰ ذلك من المسائل التى تتعلق بالدين و علومه. (اصول الافتاء و آدابه: ۱۹)**
>
> ترجمہ: فتوے کا لفظ آج کل کسی دینی مسئلے کے جواب میں استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے شرعی مسئلے کے بجائے دینی مسئلے کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ آج کل مفتی صرف عملی احکام کے بارے میں جواب نہیں دیتا بلکہ بسا اوقات اسے عقیدے کے مسائل بھی بتانے پڑتے ہیں [کسی آیت کی تفسیر بھی بتانی پڑتی ہے]۔ اور حدیث کا مطلب ومفہوم بھی بتانا پڑتا ہے۔ اس کی سند کی کیفیت بھی بتانی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پورے دین اور اس کے علوم سے متعلق اٹھنے والے کسی بھی سوال کا جواب دینا پڑتا ہے۔

پھر پچھلے کچھ عرصہ (تقریباً سو دو سو سال) میں دنیا صنعتی انقلاب سے گزری ہے اور پھر انفارمیشن ایج میں داخل ہوئی ہے جس کی وجہ سے تمدنی اور تہذیبی سطح پر بے شمار تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اور ہر تبدیلی اپنے ساتھ شرعی سوالات کا ایک انبار لے کر آئی ہے۔ ذرائع مواصلات اور ذرائع نقل وحمل کی تبدیلی پھر کاروبار کی نت نئی شکلیں الغرض زندگی کے ہر شعبے میں

تغیرات کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے۔ ایسے تغیرات کو سمجھنا اور ان کی وجہ سے زندگی میں پیدا ہونے والی مشکلات کا ادراک کرنا اور پھر شریعت کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں متوازن اور معقول رائے قائم کرنا یہ بہت نازک اور حساس کام ہے۔ اس نازک مرحلے سے بھی آج کے فقیہ و مفتی کو گذرنا ہے۔ ان حالات اور تغیرات کے پس منظر میں فقہ کے ماہرین یا مفتی حضرات کی تربیت کرنا انتہائی ناگزیر قرار پاتا ہے اس لیے کم از کم فی زمانہ فتوے کا کام تخصص اور خصوصی تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ بندہ نے ایک دفعہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کسی بڑے عالم دین کی نسبت سے یہ بات نقل کی کہ وہ تخصص کی اہمیت کے قائل نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ ''تم ٹھیک سے دس سال ''ہدایہ'' پڑھا لو تو تم مفتی ہو، تخصص کی کیا ضرورت ہے؟'' اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وہ تیس پینتیس سال پرانی باتیں کر رہے ہیں۔ یہاں تو صورت مسئلہ سمجھنا ہی مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس کا حکم ٹھیک ٹھیک سمجھنا۔''

اسی سے یہ بات بھی سمجھ آ جاتی ہے کہ فتوے سے تعلق نہ رکھنے والے بعض علماء سے جو یہ بات سننے میں آتی ہے کہ ''فتویٰ تو نقلِ محض کا نام ہے اور آج کل تو ناقلینِ فتوی ہی ہیں مفتی کہاں ہیں'' یہ بات بھی حقائق سے چشم پوشی کی آئینہ دار ہے۔ اس زمانے میں کسی بھی مصروف دارالافتاء میں بیٹھنے والے اور فتوی سے مس رکھنے والے افراد جانتے ہیں کہ آنے والے مسائل میں سے کتنے فیصد ایسے مسائل ہیں جہاں نقلِ محض کام آتی ہے اور کتنے مسائل ایسے ہیں جن میں جزئیہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے۔ ع

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ماسبک ساران ساحلہا

ترجمہ: گھٹا ٹوپ اندھیرا، موجوں کا خوف اور ایسے ایسے ہنور ہمارے سامنے ہیں (کہ الامان والحفیظ) ساحلوں سے گذرنے والے تیز رفتار ہمارا حال کب جان سکتے ہیں۔

اصول فقہ کی اہمیت

فتویٰ کے دو پر ہوتے ہیں۔ ایک فقہ الکتاب دوسرا فقہ الواقع۔ عصر حاضر یعنی واقع کی واقعیت بھی تقاضا کرتی ہے کہ فتویٰ کے لیے موجودہ زمانے کا درس نظامی کفایت نہ کرے، دوسری جانب فتویٰ کے لیے جس قسم کی فقہ الکتاب درکار ہے اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ موجودہ حالات میں محض چند فقہی کتابیں پڑھنا پڑھانا کافی نہ ہو۔ فقہ صرف جزئیات کے جاننے یا نقل کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ فقہ الکتاب تو اس فہم کا نام ہے جو ان جزئیات کے پیچھے کارفرما ہے۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ان فهم المسائل على وجه التحقيق يحتاج الى معرفة اصلين:

احدهما: ان اطلاقات الفقهاء فی الغالب مقیدة بقیود یعرفها صاحب الفهم المستقیم الممارس للاصول و الفروع و انما یسکتون عنها اعتماداً علی صحة فهم الطالب.
و الثانی: ان هذه المسائل اجتهادیة معقولة المعنیٰ لا یعرف الحکم فیها علی الوجه التام الا بمعرفة وجه الحکم الذی بنی علیه و تفرع عنه و الا فتشتبه المسائل علی الطالب و یحار ذهنه فیها لعدم معرفة الوجه و المبنی و من اهمل ما ذکرناه حار فی الخطأ و الغلط." (البحر الرائق: ۱/۷۷)

ترجمہ: مسائل فقہ کی صحیح اور مکمل فہم دو چیزوں کی محتاج ہے:
۱۔ عام طور سے فقہاء جن مسائل کو مطلق ذکر کر دیتے ہیں وہ مقید ہوتے ہیں اور ان قیود کا علم اس آدمی کو ہوتا ہے جس کی سمجھ درست ہو، اور اصول وفروع کے ساتھ اس کی طویل ممارست بھی ہو کیونکہ فقہاء قاری کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ان قیود سے سکوت فرماتے ہیں (کہ وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔)
۲۔ فقہ کے یہ مسائل اجتہادی ہیں اور ان کی ایسی بنیادیں ہیں جو معقول ہیں۔ حکم کی مکمل اور درست فہم اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ بنیاد معلوم نہ ہو جائے جس پر حکم مبنی ہے اور اس سے نکلا ہے۔ ورنہ طالب پر مسائل مشتبہ ہو جائیں گے اور بنیاد نہ جاننے کی وجہ سے وہ حیران وسرگرداں رہے گا۔
جو آدمی ہماری ذکر کردہ ان دو چیزوں کو نظر انداز کر کے فقہ حاصل کرے گا تو وہ ٹھوکریں کھائے گا۔"

ایک دوسری کتاب "صنوان القضاء و عنوان الافتاء" میں ہے:

الفقیه اسم لمن یعرف النصوص ویقف علی معانیها ودلالاتها واشاراتها ومقتضیاتها، ثم یقف علی حد قیاس الفروع علی الاصول ولهذا لا یجوز اطلاق اسم الفقیه علی حافظ القرآن والاخبار ولا یجوز اطلاق اسم الفقیه علی من حفظ کتب الفقه بلا امعان ولا طائل.
لان الفقه عبارة عن الفطنة التی تناول معانی الاصول وحقائقها ودلالة النصوص ودقائقها وهو اسم لمعنی یستنبط من النصوص بالتامل فیها ولا تناول الا بالفطنة ولهذا لا یجوز اطلاق اسم الفقیه علی الله تعالی لانه لا یوصف بالفطنة.(صنوان القضاء وعنوان الافتاء: ۱۴۲/۲)

ترجمہ: فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو نصوص (قرآن وحدیث) کو بھی جانتا ہو، ان کے معانی سے بھی آگاہ ہو اور ان کے مدلولات، اشارات اور مقتضیات سے بھی شناسائی رکھتا ہو۔ پھر وہ فروع کو اصول پر قیاس کرنے کے ضابطوں سے بھی بخوبی واقف ہو۔ اسی وجہ سے محض حافظ قرآن اور حافظ الحدیث کو فقیہ کہنا درست نہیں۔ اسی طرح جس نے بغیر گہرے تدبر کے فقہ کی کتابیں یاد کر رکھی ہوں (یعنی حافظ الفروع ہو) اسے بھی فقیہ کہنا روا نہیں۔
کیونکہ فقہ نام ہے اس سمجھ کا جو اصول کے معانی اور حقائق کو اپنی دسترس میں لے اور نصوص کے مدلولات اور دقائق پر

بھی حاوی ہو۔ فقہ نام ہے ان معانی کا جو نصوص میں تدبر و تفکر کے نتیجے میں حاصل کیے جاتے ہیں، نصوص کے ان معانی تک رسائی گہری سمجھ کے بغیر نہیں ہوسکتی (گویا کہ فقہ ذہانت و فطانت کا نام ہے اور فقیہ ذہین و فطین ہوتا ہے)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر فقیہ کا اطلاق درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ذہین فطین کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

اس لیے فقہ کی مہارت (یعنی موجودہ زمانے میں تخصص) کے لیے جیسے فقہی مطالعہ ضروری ہے ایسے ہی اصول فقہ اور اصول شریعت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ فتوے کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا جب تک آدمی جزئیات کے پیچھے موجود فہم کی اس سطح کو نہ چھولے جس کا ذکر اوپر عبارات میں ہوا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اسی ضرورت کے پیش نظر اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لیے تخصص کا شعبہ شروع فرمایا اور اپنی زندگی اور صلاحیتوں کا ایک بڑا حصہ اس میں صرف فرمایا اور خود بنفس نفیس تخصص کا نصاب زندگی کے آخری سالوں تک پڑھاتے رہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا تخصص کا نصاب و نظام کیا تھا اور اس کے مقاصد کیا تھے؟ حضرت رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل مصدقہ تحریر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

نصاب سے مقصود

o ایسا فرد تیار کرنا ہے جو اتنی علمی استعداد کا حامل ہو کہ

☆۔ کسی بھی علمی مسئلے پر اس کے پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ غور کر کے مدلل رائے قائم کر سکے۔

☆۔ نئے پیش آمدہ مسائل (حوادث الفتاوی) میں متوازن اور مدلل رائے قائم کر سکے۔

☆۔ قدیم غور طلب (بوجہ تبدل عرف، یا تحقق ضرورت) مسائل میں محققانہ رائے قائم کر سکے۔

☆۔ قدیم متعارض الادلہ مسائل میں تعارض کا رفع بصورت تطبیقِ معقول یا ترجیحِ مدلل کر سکے۔

o اگر کوئی متخصص مذکورہ بالا صفات کا مکمل حامل اور خود کفیل نہ ہو تو اس میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ کسی بڑے (فقیہ و مفتی) کے زیر تربیت رہ کر فتویٰ کا کام سرانجام دے سکے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے متخصصین کو درج ذیل اوصاف و اہداف پر محنت کروائی جاتی ہے:

اہداف	ذرائع تحصیل
۱۔ فقہ کی جزئیات کا معتد بہ استحضار۔	(شامی و شرح مجلّہ کا مطالعہ و مناقشہ)
۲۔ کتب فقہ سے از خود استخراج مسئلہ کی استعداد۔	(شامی و شرح مجلّہ کا مطالعہ و مناقشہ)
۳۔ دقیق عبارات کو سمجھنے اور اختلافات فقہیہ کا تجزیہ کرنے کا ملکہ۔	(شامی کا بالاستیعاب مطالعہ و مناقشہ)
۴۔ قواعد فقہ پر نظر۔	(الاشباہ والنظائر)
۵۔ اصول فقہ سے اچھی مناسبت۔	(مسلم الثبوت، اصول بزدوی)
۶۔ مزاج و مقاصد شریعت سے شناسائی۔	(حجۃ اللہ البالغہ، الموافقات للشاطبی)

۷۔اصول فتوی وآداب فتوی سے واقفیت وعملی مشق۔ (شرح عقود، وآداب الافتاء، تمرین)
۸۔فقہ الواقع (عرف وتعامل ،اورمسائل جدیدہ کی تکییف) سے مناسبت۔ (متفرق مواد، مختلف کورسز میں شرکت)
۹۔عقائد پر گرفت (محاضرات عقائد)
۱۰۔وراثت کے مسائل کی تخریج میں پختگی (سراجی کا مذاکرہ)

دورانیہ:

تخصص کا دورانیہ 2 سال کا ہے۔(تیسرا سال اختیاری ہے، جس میں متخصص کو تمرین یا مقالہ میں اختیار ہوتا ہے)۔

نصاب تدریس:

حضرت کے ہاں زیادہ زور مطالعے اور اسباق پر تھا، تمرین کا حصہ کم تھا۔نصاب دو حصوں میں تقسیم تھا۔ایک حصہ تدریسی نصاب کا تھا اور ایک حصہ اپنے انفرادی مطالعے کے نصاب پر مشتمل تھا۔درسی نصاب یہ تھا:

(۱)۔حجۃ اللہ البالغہ.....القسم الاول
(۲)۔الموافقات۔شاطبی....(مقدمات وکتاب المقاصد)
(۳)۔اصول بزدوی.....الکتاب والسنہ
(۴)۔مسلم الثبوت.....(المبادی الکلامیہ)
(۵)۔الاشباہ والنظائر.....الفن الاول
(۶)۔شرح عقود رسم المفتی، وآداب الافتاء
(۷)۔قواعد میراث مع اجراء
(۸)۔عقیدہ طحاویہ (مع مطالعہ شروح)

جبکہ اپنے ذاتی انفرادی مطالعے کا نصاب درج ذیل تھا:

نصاب مطالعہ:

دورانیہ	موضوع	تعداد صفحات
پہلی ششماہی:	عبادات (طہارت، صلاۃ، صوم، زکوٰۃ، حج) مناکحات/عائلی مسائل (نکاح، طلاق، خلع)	ازشامی.... صفحات:۱۹۶۱
دوسری ششماہی:	معاملات (بیوع، اجارہ) مضاربت، شرکت، جہاد	ازشامی..... صفحات:۹۵۹
تیسری ششماہی:		شرح مجلّہ:۱۰۷۱
چوتھی ششماہی:		ازشامی... صفحات: ۳۰۷

نصاب کی انفرادیت:

یہاں کا نصاب دیگر نصابات تخصص سے کچھ مختلف ہے۔ جیسے حجۃ اللہ البالغہ اور الموافقات للشاطبی، اصول بزدوی اور مسلم الثبوت وغیرہ

نصاب کے اس مختلف حصے سے مقصود یہ امور ہیں۔

☆ حجۃ اللہ البالغہ:

(۱)۔ سے مقصود یہ ہے کہ وسعت ذہنی حاصل ہو۔

(۲)۔ یہ سوچ پیدا ہو کہ شریعت کے احکام ہمارے اندر کی آواز اور تقاضا ہیں، ہمارے اوپر باہر سے مسلط نہیں کیے گئے۔

(۳)۔ یہ معلوم ہو کہ عالم بالا سے اور عالم ملائکہ سے ہمارا ربط کیا ہے اور اس کے اثرات ونتائج کیا ہیں۔

(۴)۔ اللہ تعالی نے جو کچھ پیدا کیا ہے یا جو احکامات دیے ہیں ان کے اندر کیا حکمتیں اور مصالح ہیں۔

☆ الموافقات للشاطبی:

مقاصد شریعت تک رسائی اور مزاج شریعت سے شناسائی میں ممد ومعاون ہے۔ جو ایک مفتی کے لیے خاص طور سے جدید پیش آمدہ مسائل میں ناگزیر ہے۔ مقاصد شریعت کے عنوان سے پھیلی غلط فہمیوں کے علی وجہ البصیرت ازالے کے لیے بھی اس کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

☆ اصول بزدوی:

اصول فقہ کی امہات الکتب میں سے ہے، اور اگر اس کے ساتھ اس کی شرح کشف الاسرار بھی ہو تو انتہائی مفید کتاب بن جاتی ہے۔

☆ مسلم الثبوت:

اصول فقہ کی جامع مختصرات میں سے ہے۔ جس میں مقارنہ ومناقشہ بھی ہے اور اصول فقہ کے مسائل بھی۔ اصول فقہ، فقہ کا فلسفہ ہے۔ افتاء میں بھی اصول فقہ کی احتیاج ہوتی ہے۔

فقہی مذاکرہ:

دوران مطالعہ اہم (جدید یا غور طلب) مسائل پر ہفتے دو ہفتے میں ایک دفعہ مناقشہ ومذاکرہ ہوتا ہے۔ مذاکرہ کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تمام شرکاء متعلقہ موضوع پر مطالعہ اور مکمل تیاری کر کے آتے ہیں۔ دوران مذاکرہ شرکاء کے مطالعے کی گہرائی اور فہم کی جانچ کی جاتی ہے، آراء کا مقارنہ وتجزیہ کروایا جاتا ہے۔ جو دعوی کرے اس سے نقل اور دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

استعداد آور نصاب

۱۔ حضرت رحمہ اللہ نے ہمارے تخصص کے پہلے سال کے شروع میں ہی فرمادیا تھا کہ ہمارے ہاں تخصص سے اصل مقصود استعداد ہے تمرین (یعنی فتوی نویسی) کا کام تو تم ساری زندگی کرتے رہو گے اس لیے ہمارے یہاں نصاب میں استعداد پر زور ہے تمرین آخر میں تھوڑی بہت کرادی جاتی ہے تاکہ فتوی لکھنے کا ڈھنگ بھی آجائے اور کتابوں سے تعارف ومناسبت بھی ہوجائے۔

۲۔ حضرت رحمہ اللہ کا تخصص نہ تو تخصص فی الافتاء تھا اور نہ صرف فقہ کا تخصص تھا بلکہ ''تخصص فی الفقہ واصولہ'' ہے۔ یعنی ''فقہ'' اور ''اصول فقہ'' میں تخصص بلکہ ''اصول فقہ'' سے آگے بڑھ کر اس میں ''اصول شریعت'' اور ''اسرار شریعت'' بھی بصورت ''موافقات''، ''حجۃ اللہ البالغہ'' داخل تھے۔ ہمارے بعض رفقاء نے اندرون ملک اور بیرون ملک بعض اہل علم سے جب برسبیل تذکرہ یہ کہا کہ ہم نے ''حجۃ اللہ'' اور ''موافقات'' درساً پڑھی ہے اور ہمارے تخصص کے نصاب میں شامل ہے تو وہ ارباب علم انتہائی خوشگوار حیرت کا اظہار کرنے لگے اور بار بار پوچھنے لگے کہ واقعتاً آپ نے درساً یہ کتابیں پڑھیں ہیں!!

قرآن وحدیث تو ماخذ (Source) ہیں اور فقہ ان کا حاصل اور نتیجہ ہے۔ اس مآخذ اور حاصل کے درمیان دو علوم پڑتے ہیں:

(۱) اصول فقہ: جو بنیادی طور سے کسی کلام سے استنباطِ معانی اور استخراجِ نتائج کے ذرائع کا علم ہے جبکہ (۲) دوسرا ضروری علم، علم مقاصد واسرار شریعت ہے۔ اصول فقہ سے لفظ کی تحدید ہوتی ہے اور لفظ گرفت میں آتا ہے جبکہ علم مقاصد و اسرار سے معانی کی تحدید ہوتی ہے اور حقائق سے شناسائی ہوتی ہے۔

ایک مجتہد اس وقت تک مجتہد نہیں ہوتا جب تک اصول فقہ کے ساتھ ساتھ وہ مزاج شریعت سے بھی شناسائی نہ رکھتا ہو اسے سد ذرائع سے بھی واقفیت ہو اور وہ استحسان سے بھی مناسبت رکھتا ہو۔ اصولِ فقہ اور اصولِ شریعت اگرچہ اصلاً ایک مجتہد کے لیے ضروری علم ہیں مگر ایک متبحر عالم اور فقیہ کی بھی ضرورت ہیں: (i) تاکہ مجتہد کے اجتہاد کا مبنیٰ اور اساس معلوم ہو۔ جس سے بصیرت اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ (ii) نئے پیش آمدہ مسائل میں جزوی ہی سہی مگر معتدل اجتہادی رائے قائم کرنے میں سہولت حاصل ہو۔

۳۔ اس عالی مقصد کے پیش نظر حضرت تخصص میں داخلے کے لیے بھی بھیڑ جمع کرنے کے روادار نہ تھے بلکہ فرماتے تھے کہ تھوڑے ہوں کام کے ہوں اور ایسے ہوں کہ علم کے لیے اپنا سب کچھ دینے پر تیار ہوں۔ گھر بھی جائیں تو بیوی بچے بعد میں ہوں مگر کتاب پہلے۔ علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں، معاشی مستقبل کی فکروں سے آزاد ہوں، قناعت اور گزارے کا مزاج رکھتے ہوں، خواہشات کے پیچھے لگنا نہیں بلکہ انہیں دبانا جانتے ہوں۔

تخصص سے مستفید ہونے والے علما کرام

حضرت کا تخصص کا نصاب جامعہ مدنیہ کے زمانے سے یہی رہا اور اسی بنیاد پر فتویٰ دینے کی اجازت کا مدار تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ متعدد افراد نے فقہیات کے عنوان سے حضرت سے استفادہ کیا جن میں کچھ حضرات نے جامعہ مدنیہ میں استفادہ کیا باقی نے جامعہ دارالتقوی الہلال مسجد میں آنے کے بعد۔ مگر یہ جزوی استفادہ تھا ان حضرات کو اپنے نام کے ساتھ ''مفتی'' لکھنے یا کہلوانے کی اجازت نہ تھی۔ ان میں سے ایک صاحب نے اپنے نام کے ساتھ ''مفتی'' لکھنا شروع کر دیا اور دارالافتاء بھی کھول لیا تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ نے تخصص کب اور کس سے کیا؟ انہوں نے کہا کہ آپ سے۔ تو حضرت نے فرمایا: ''نہ تو آپ نے نصاب مکمل کیا نہ میں نے آپ کو فتوے کی اجازت دی''۔ اس پس منظر میں حضرت نے درج ذیل اعلان ''انوار مدینہ'' (اگست ۲۰۰۹ء) میں شائع فرمایا:

''ضروری اعلان

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور اور دارالافتاء والتحقیق چوبرجی پارک لاہور میں ہمارے پاس ۲۰۰۰ء سے تاحال (یعنی ۲۰۰۹ء تک) افتاء میں تخصص مکمل کرنے والے مندرجہ ذیل افراد ہیں:

۱ مولوی محمد قاسم امین بن محمد سلیم، ساکن ٹوبہ ٹیک سنگھ	۲ مولوی عبداللہ بن عبدالواحد ساکن لاہور
۳ مولوی ضیاء الرحمٰن بن احمد گل ساکن کوہاٹ	۴ مولوی محمد یعقوب بن حاجی محمد نواز ساکن سرگودھا
۵ مولوی شمس الدین بن محمد عالم ساکن آزاد کشمیر	۶ مولوی شعیب بن شیر خان ساکن منڈی بہاؤالدین
۷ مولوی عبدالرحمٰن بن نذر حسین ساکن پتوکی	۸ مولوی رضا علی بن آصف علی ساکن لاہور
۹ مولوی محمد اسلام بن ضمیر گل ساکن کوہاٹ	۱۰ مولوی طاہر نوید بن عبدالمالک ساکن فاروق آباد

افتاء میں ہمارا نصاب شروع دن سے کم از کم دو سال کا رہا ہے جو یہ ہے:

لازمی مطالعہ کی کتب: ردّالمحتار کا دو تہائی حصہ۔ ابن عابدین کے چند رسائل۔ اردو کتب فتاویٰ۔

سبق کی کتب: حجۃ اللہ البالغہ (پہلا حصہ)، موافقات (ایک تہائی کتاب)، شرح عقود رسم المفتی، الاشباہ والنظائر کا فن اول، مسلم الثبوت درسی مکمل، اصول بزدوی (ایک تہائی کتاب)

تمرین افتاء: کم از کم چار ماہ۔

ان کے علاوہ جو لوگ ایک سال کے لیے استفادے کی غرض سے آتے ان کو ہم فقہیات کے عنوان سے داخلہ دیتے اور ان پر واضح کر دیا جاتا کہ اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو نہ مفتی کہہ سکتے ہیں اور نہ کہلوا سکتے ہیں۔ اب اگر ان میں سے کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس خیانت کا خود ذمہ دار ہے، ہم اس سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔''

عبدالواحد

یہ اعلان اگست ۲۰۰۹ء میں طبع ہوا اس کے بعد سے تا حال حضرت کا تخصص کا نظام بحمد اللہ فعال ہے، بعد کے حضرات میں سے جنہوں نے حضرت کے زیر سایہ دو سالہ نصاب پورا کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱ مولوی احسن صبغۃ اللہ، پاک پتن
مولوی محمد سلمان رشید، کریم پارک لاہور
مولوی طلحہ جواد، بہاولپور
مولوی عدنان کاشف، مرغزار کالونی لاہور
مولوی عمر فاروق، کوٹ رادھا کشن قصور
مولوی محمد اسامہ عثمان، بلال پارک لاہور
مولوی محمد تنویر، گھونڈ لاہور
مولوی شاہد جمیل، خانکے موڑ پتوکی
مولوی محمد حسنین، حویلی بلاقہ سنگھ قصور
مولوی عبید الرحمٰن، ہجویری ٹاؤن لاہور
مولوی حیدر ضمیر، پونچھ روڈ لاہور
مولوی عنایت اللہ، تونسہ شریف
مولوی سید صبیح الحسن ہمدانی، دار بنی ہاشم ملتان
مولوی حسیب احمد، شیرا کوٹ لاہور
مولوی محمد ناصر، شیرا کوٹ لاہور
مولوی عبد السمیع، کوٹ ادو مظفر گڑھ
مولوی ذوالفقار علی شاہ، نیو مراد کوٹ مانسہرہ
مولوی عمران محمود، اسلام آباد
مولوی سمیع اللہ، مہمند ایجنسی
مولوی عرفان خالد، گلشن راوی لاہور
مولوی وسیم رشید، وحدت روڈ لاہور
مولوی زبیر حسن، جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ

مولوی محمد ظہیر، شاہدرہ لاہور
مولوی شیخ محمد آصف، اسلام پورہ لاہور
مولوی فرحان عاطف، مرغزار کالونی لاہور
مولوی مقصود احمد، کوٹ رادھا کشن قصور
مولوی عبد القیوم، گلشن راوی لاہور
مولوی محمد مبشر، ضلع باغ، آزاد کشمیر
مولوی داؤد، فورٹ عباس بہاولنگر
مولوی محمد جاوید، لیل متصل ڈیفنس لاہور
مولوی عاطف کرامت، گلبرگ لاہور
مولوی طلحہ خالد، گلبرگ لاہور
مولوی عرفان جان، بلال ٹاؤن، لاہور
مولوی اسامہ ارشد، کرشن نگر لاہور
مولوی مفتاح الدین، شمالی وزیرستان
مولوی صہیب اشفاق، کالرہ خاصہ گجرات
مولوی محمد ثاقب، میاں چنوں
مولوی عرفان اللہ، شیخوپورہ لاہور
مولوی محمد ابوبکر، ڈیرہ غازی خان
مولوی محمد شفیق، ڈیال ڈیرہ اسماعیل خان
مولوی وسیم طفیل، نارووال
مولوی اسلم کاکڑ، کوئٹہ
مولوی بشیر حسن، خانیوال
مولوی کامران طارق، لنڈھی جالندر، بنوں

مولوی صہیب ظفر، منڈی بہاؤالدین
مولوی زین اللہ، فقیر آباد، بنوں
مولوی محمد ساجد، حویلی سفید خان والی، قصور
مولوی محمد نعمان، جنڈولہ ٹانک
مولوی محمد سلیمان، گلبرگ لاہور
مولوی عبدالسلام، ملتان روڈ چونگی، لاہور
مولوی اللہ نواز، صدر کینٹ، لاہور
مولوی سعید شاہد، مدرسہ احیاء العلوم، شیرا کوٹ، لاہور
مولوی منہاج الدین، ٹاؤن شپ
مولوی عصمت اللہ، زرندہ، زیارت بلوچستان
مولوی محمد رضوان، رتی پنڈی، ضلع قصور
مولوی محمد عزیر خان، والٹن، لاہور
۶۹ مولوی ابوذر، مغلپورہ، لاہور

مولوی دلشاد، محلّہ مدو کے مین بازار، ضلع شیخوپورہ
مولوی شہریار، فالکن کمپلیکس، گلبرگ، لاہور
مولوی مصعب خالد، گلبرگ، لاہور
مولوی اسامہ، رحمان پارک، لاہور
مولوی شوکت خان، بادامی باغ، لاہور
مولوی متین احمد، مرغزار کالونی، لاہور
مولوی فاروق احمد، وزیر پور، ساہیوال، سرگودھا
مولوی محمد بلال، عبدالحکیم خانیوال
مولوی محمد اسحاق انور، اسٹیشن، لاہور
مولوی محمد دانیال، مہاجر آباد، لاہور
مولوی عدیل کرامت، گلبرگ، لاہور
مولوی انعام اللہ، ٹانک

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور شعبہ اختصاص فی الفقہ

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

زندگی کے آخری سالوں میں حضرت رحمہ اللہ نے مفتی رفیق صاحب مدظلہ کو اور بندہ کو طلب کیا اور فرمایا کہ جیسے پہلے تخصص کی ضرورت محسوس کی گئی ایسے ہی اب خیال ہو رہا ہے کہ خود فقہ کے ذیلی ابواب میں اختصاص کرایا جائے۔ جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ دارالافتاء کے ہمارے ساتھی پہلے ابواب کو آپس میں تقسیم کریں اور ہر ایک اپنے شعبے کا ماہر بنے۔ پھر ان کے ساتھ تخصص سے فارغ ہونے والے ذی استعداد اور دلچسپی رکھنے والے حضرات کو جوڑا جائے۔ اختصاص کے اس منصوبے کا دورانیہ پانچ سال ہوگا۔ جس میں ایک سال ان کا طالب علمانہ ہوگا اور بقیہ چار سال ادارے میں باضابطہ کام کریں گے اس کے بعد فریقین آزاد ہیں۔ اس طرح فقہ کے ماہرین بھی تیار ہوں گے اور ادارے کی ضرورت بھی پوری ہوتی رہے گی۔

اہل علم کی نظر میں

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ دارالافتاء کی تعمیر نو کے افتتاح کے موقع پر دارالتقویٰ میں تشریف لائے تو حضرت کے سامنے اختصاص کا مذکورہ بالا منصوبہ رکھا گیا۔ حضرت نے اسے نہ صرف سراہا بلکہ وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل قرار دیا۔ جامعۃ الرشید کے رئیس دارالافتاء مفتی محمد صاحب تشریف لائے تو انہوں نے بھی اسے سراہا اور یہ فرمایا کہ ہم بھی انشاءاللہ آپ کے تجربے سے فائدہ اٹھائیں گے۔

شعبہ اختصاص کی ابواب میں تقسیم

چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے ایماء پر درج ذیل ترتیب سے ابواب تقسیم کیے گئے:

۱۔ عقائد واصول دین: مفتی عبدالرحمٰن نذر صاحب
۲۔ عبادات: مفتی ضیاالرحمٰن صاحب
۳۔ مناکحات: مفتی رفیق صاحب
۴۔ قضاء وحدود: مفتی رفیق صاحب
۵۔ فقہ الطب والحلال: مفتی عبداللہ صاحب

۶۔فقہ المعاملات: مفتی شعیب صاحب

۷۔فقہ السیاسیات والمعاشرت: مفتی شعیب صاحب

اس موقع پر حضرت رحمہ اللہ کی تصدیق کے بعد اختصاص کا جو خاکہ ادارے کی انتظامیہ کی خدمت میں برائے منظوری پیش کیا گیا وہ بعینہ پیش خدمت ہے تاکہ دیگر حضرات بھی اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھالیں۔

اختصاص کی ضرورت:

ایک طرف فقہ کے ذیلی موضوعات میں بہت وسعت آگئی ہے چنانچہ جو مسائل ومعاملات پہلے سیدھے سادھے دو حرفی ہوتے تھے، ان میں بہت سے تنوعات اور پیچیدگیاں آگئی ہیں جبکہ دوسری طرف صلاحیتوں کی کمی بھی ایک بدیہی امر ہے۔اب تجربہ یہ ہے کہ تمام ذیلی موضوعات میں ایک آدمی کے بیک وقت لگنے سے کوئی ایک موضوع بھی اچھی طرح اس کی گرفت میں نہیں آتا۔ یہ ایک غیر محسوس مگر بڑا نقصان ہے۔ جب کسی موضوع پر مکمل گرفت نہیں ہوگی تو یا تو امت کی اس سے متعلق مسائل میں مکمل راہنمائی نہیں کر پائیں گے یا کریں گے تو غلط کریں گے گویا ''**فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا**'' کا مصداق ہوں گے۔(**اعاذنا اللہ منہ**)

اس پس منظر میں ضرورت اس بات کی ہے کہ جیسے پہلے علوم میں تخصصات شروع ہوئے تھے، ایسے ہی خود فقہ کے ذیلی ابواب میں بھی حسب ضرورت اختصاص کی ترتیب قائم کی جائے۔ چنانچہ ''عقائد واصول دین'' کا الگ، ''عبادات'' کا الگ، ''مناکحات'' کا الگ، ''معاملات'' کا الگ، اور ''حلال وحرام'' کا الگ اختصاص قائم کیا جائے۔

عصری علوم وفنون میں اس طرح کے ذیلی اختصاصات کی ضرورت بہت پہلے سامنے آنے کی وجہ سے یہ ترتیب ایک زمانہ ہوا قائم ہے۔ چنانچہ ایک طب (Medical) ہی کو لے لیجیے، اس میں اتنے اختصاصات ہیں کہ انہیں سرسری نگاہ میں شمار کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

طریقہ کار:

دارالافتاء کے ساتھ جیسے تخصص کا شعبہ قائم ہے اسی کے ساتھ ساتھ تخصص کے بعد اختصاص کا بھی شعبہ قائم وفعال کیا جائے جس کے لیے:

o پہلے مرحلے میں خود دارالافتاء کے موجودہ رفقاء میں سے ہر رفیق اور رکن کسی ایک موضوع میں اختصاصی مہارت اور نمایاں درجے کی مرجعیت حاصل کرے۔ دارالافتاء کے مستقل رفقاء کے کسی ایک موضوع میں اختصاص کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دیگر موضوعات سے لاتعلق ہوجائیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر موضوعات سے اتنی مناسبت پیدا کرنا اور اسے برقرار رکھنا ضروری ہے کہ دارالافتاء سے جاری ہونے والے ہر فتوے پر ذمہ دارانہ نظر ڈال کر دستخط ثبت کرسکیں، تاکہ ہر فتویٰ ایک شخص کے دستخط سے جاری ہونے کے بجائے ایک ذمہ دار جماعت کے دستخطوں سے جاری ہو۔ جس کے لیے ضروری ہوگا کہ باضابطہ رفقاء میں سے ہر ایک اپنے موضوع کا حق ادا کرنے کے ساتھ

ساتھ دیگر موضوعات سے بھی خاطر خواہ تعلق رکھے۔

o کسی موضوع کے ساتھ اختصاص اور اس میں مہارت کا مطلب یہ ہے کہ اس موضوع سے متعلق کسی بھی سوال کا جواب حافظے میں ہو یا کم از کم متعلقہ کتابوں کی طرف مراجعت کر کے مختصر وقت میں نکال سکتا ہو۔ اکثر سوالوں کا جواب تو حافظے میں ہونا چاہیے کہ بغیر کسی مراجعت اور زیادہ تفکر کے بتا سکے۔

o اگر دارالافتاء کے موجودہ افراد تمام ضروری موضوعات کو سمیٹ سکتے ہوں تو فبہا ورنہ مزید افراد مہیا کرنے پڑیں گے۔ چاہے خود اپنے پرانے باصلاحیت فضلاءِ تخصص ہوں یا کسی اور جگہ سے لیے جائیں۔

o پھر دارالافتاء کے رفقاء جب تیار ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کم سے کم ایک ایسا فرد جوڑا جائے جو رفقاء سے ان کے اختصاصی شعبے کی مہارت اختصاصی بنیادوں پر حاصل کرے۔

o رفقاء دارالافتاء اپنی جگہ رہیں گے جبکہ معاونین اور تربیت حاصل کرنے والے مختلف تقاضوں اور جگہوں پر منتقل ہوتے رہیں گے، اگر دارالافتاء کو بھی ضرورت ہوگی تو وہ ان سے پوری کی جا سکے گی۔

فوائد وثمرات:

o شعبۂ اختصاص کے اجراء اور فعالیت سے اہم اور مفید موضوع سے متعلق ماہر اور مرجعیت کے حامل افراد تیار ہوں گے۔

o ایسے افراد کی تیاری امت کی ایک بنیادی علمی ضرورت ہے۔

o ہمارے تیار کردہ افراد (علاقائی، ملکی اور عالمی سطحوں میں سے) جس سطح کی مہارت اور اختصاص کے حامل ہوں گے ان کی وجہ سے ادارے کو بھی اسی درجے کی مرجعیت حاصل ہوگی۔

o اپنے اور دوسرے دارالافتاؤں کو ایسے افراد ملیں گے جو اپنے موضوع پر مضبوط گرفت اور بصیرت کے حامل ہوں گے۔

o تقسیمِ کار کے اصول کے تحت سوالات کا جواب بھی جلد جاری ہوگا، نئے نئے مسائل اور معاملات میں تحقیق کی وجہ سے تاخیر نہیں رہے گی کیونکہ متعلقہ افراد پہلے سے تیاری کر کے بیٹھے ہوں گے۔

o حلال وحرام کے حوالے سے کام کرنے والے اداروں کو بھی تربیت یافتہ ماہرین مہیا ہوں گے۔

اشیائے صرف اور مطعومات وملبوسات میں جدید شکلوں کی وجہ سے مسائل کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل گیا ہے۔ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یہ وہ سوال ہے جو ہر پڑھے لکھے اور اَن پڑھ کی زبان پر ہے اور بجا طور پر ہے۔ اس لیے کوئی بھی دارالافتاء جو اپنے آپ کو عوامی حقیقی ضروریات میں رہنمائی کا مکمل ذمہ دار سمجھتا ہے وہ اس اہم اور حساس شعبے سے بے اعتنائی نہیں برت سکتا۔ ملکِ عزیز میں بھی حلال فوڈ کا ایک معیار پاس ہو چکا ہے جس کے تحت حلال سرٹیفکیشن کے ادارے وجود میں آ رہے ہیں۔ معیار کے مطابق سرٹیفکیشن کے ماہر ادارے میں دو ایسے مفتی حضرات

کی موجودگی ضروری قرار دی گئی ہے جنہوں نے باضابطہ تخصص کے بعد کسی مستند دارالافتاء میں کم از کم پانچ سال بطور معاون مفتی کے کام کیا ہو۔

o تجارتی اداروں اور کمپنیوں کو راہنمائی کرنے والے افراد دستیاب ہوں گے۔

دعوت وغیرہ کی محنت کی بدولت اب یہ رجحان عام ہو رہا ہے کہ بڑی کمپنیاں اور صنعتی وتجارتی ادارے اپنے تمام معاملات کو شریعت کے معیار پر پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اب وہ بجائے اس کے کہ دارالافتاء میں آ کر ایک ایک مسئلہ پوچھیں اور پھر اس سلسلے کو قائم رکھیں یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا ماہر فرد مل جائے جو ہمارے ایک ایک معاملے کو دقتِ نظر اور ذمہ داری کے ساتھ چیک کرے اور کرتا رہے جیسے اسلامی مالیاتی اداروں میں شریعہ ایڈوائزر کرتا ہے۔ مضمون میں اسی ضرورت کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔

o دارالافتاء کی ذیلی شاخوں (مثلاً مارکیٹ وغیرہ کے دارالافتاؤں) میں کام کے لیے معتمد افراد میسر ہوں گے۔

نصاب ونظام:

o ہر ایک فرد کے متعلقہ شعبے کا الگ نصاب مقرر کیا جائے گا۔

o ان ساتھیوں میں سے ہر ایک کی تربیت کے لیے ضرورت کی انگریزی اور دیگر علمی ضروریات بھی مہیا کی جائیں گی۔

o کام لینے کے لیے ایسا مرتب اور مضبوط نظام ترتیب دیا جائے گا کہ یہ لوگ ہر صورت کام کریں محض ان کی صوابدید پر نہ چھوڑا جائے گا۔

o اختصاصی مہارت کا دائرہ محض فقہی جزئیات تک محدود نہیں بلکہ اس میں اپنے موضوع سے متعلق قرآن وحدیث پر بھی اپنے مالہ وماعلیہ کے ساتھ نظر داخل ہے۔

شرائط تقرر:

شعبہ اختصاص میں تربیت کے لیے وہ افراد لیے جائیں گے جو:

o فضلائے تخصص ہوں۔

o باصلاحیت بھی ہوں اور تخصص میں صحیح کارکردگی کا مظاہرہ کر چکے ہوں۔

o جن کو شوق بھی ہو اور ذوق بھی ہو۔

o جو کام کو اپنا ہمہ وقتی فکر اور تقاضا بنا کر اپنے دماغ پر سوار کریں۔

o یہ افراد اصل تو یہ ہے کہ کل وقتی ہوں ورنہ یومیہ بنیادوں پر ایک معتد بہ وقت دینے والے ہوں۔

ضوابطِ کار:

o تخصص فی الفقہ والافتاء کے دو سال پورے کرنے کے بعد اہلیت اور کچھ میلانِ طبع کو دیکھ کر ایک سال کا اختصاص

ہوگا۔

o ہر تخصص کرنے والا اختصاص میں شریک ہونے کا حقدار نہ ہوگا۔

o اختصاص کی بنیاد کے ایک سال میں جو فرد کل وقتی ہوگا یعنی صبح آٹھ سے رات عشاء تک (تقریباً بارہ گھنٹے کا) وقت دے گا۔ اس کو خصوصی وظیفہ دیا جائے گا۔

o اختصاص میں منتخب ہونے والے افراد کو ادارے میں تین سال تک کام کرنے کا حلف نامہ دینا ہوگا۔ [تجویز پانچ سال کی رکھی گئی تھی مگر ادارے کی جانب سے منظوری تین سال کی ہوئی۔]

o اس دوران ان کا تقرر ادارے میں بحیثیت مدرس کے ہوگا۔ چنانچہ بنیادی تنخواہ اور مراعات اسی حساب سے ہوں گی۔

o دورانِ اختصاص اگر کام تسلی بخش نہ ہوا تو کسی بھی وقت اخراج کیا جاسکتا ہے۔

o پانچ سالہ خدمت کے دوران اگر اختصاص والا کسی معقول عذر کے بغیر کام چھوڑ دے تو ادارے کی طرف سے ''رسائل'' اور ''اسلام اخبار'' وغیرہ میں اس کے خلاف اشتہار دیا جائے گا اور اس کو کسی قسم کی سند جاری نہ کی جائے گی۔

اختصاص کے اس منصوبے کا اظہار اگرچہ اب ہوا جبکہ وسائل مہیا ہوئے لیکن اس کے کافی حد تک نمایاں خدوخال حضرت رحمہ اللہ کے ذہن میں بہت پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ بہت سال پہلے حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے معاشیات کے ماہر علماء کی تیاری کے منصوبے پر رائے طلب فرمائی تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جوابی مکتوب میں لکھا:

''لاہور میں آپ نے ملاقات کے دوران دو باتوں کا تذکرہ کیا تھا جن کے بارے میں آنجناب نے مجھ سے بھی رائے طلب کی تھی چونکہ اس وقت اقرار کرلیا تھا اس لئے اپنی ناقص رائے قرض سے سبکدوش ہونے کے لیے پیش کردیتا ہوں۔ جناب نے ایک تو اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ کچھ ایسے لوگ مہیا ہوجائیں جو معاشیات واقتصادیات میں مہارت رکھتے ہوں اس بارے میں اس وقت جو اجمال ذکر کیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کام دو مرحلوں میں ہوسکتا ہے:

ا۔ قلیل المیعاد منصوبہ (Short Term Planning)

اس کے تحت آپ کو کراچی میں جو ماہرین معاشیات وغیرہ دستیاب ہوسکیں ان سے کام لیجئے کچھ ریٹائرڈ قسم کے پروفیسر ہوں اور کچھ ایسے ہوں جو جوان یا ادھیڑ عمر کے ہوں بوڑھے نہ ہوں۔ زیادہ عمر والوں کی سوچ اور گفتگو اور استدلال بس ایک نہج پر پختہ ہوچکی ہوتی ہے اور مزید کچھ قبول کرنے کی صلاحیت عام طور سے مفقود ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو باقاعدہ مشاہرہ دیجئے اور ان سے دو کام لیجئے:

ایک جو مسئلہ زیر بحث ہو وہ ان کو سمجھا دیا جائے کچھ کچھ outlines دے دی جائیں اور ان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ جدید طرز پر اس کی Interpretation بھی کریں اور موجودہ صورتحال میں اس کے لئے قابل عمل

طریقہ تلاش کریں

دوسرا کام Long Term Planning کا ایک حصہ ہوگا یعنی یہ کہ انہیں ماہرین سے تعلیمی خدمات بھی حاصل کی جائیں۔

ب۔طویل المیعاد منصوبہ

کچھ ایسے فارغ التحصیل طلبہ جو کچھ ایثار کرنے (دین کو دنیا پر ترجیح دینے) پر تیار ہوں ان کو منتخب کیا جائے خواہ وہ سال میں دو تین ہی دستیاب ہوں جن کو مزید علم حاصل کرنے اور محنت کرنے کا شوق بھی ہو ان کو تین مضمون بیک وقت پڑھائے جائیں ایک انگریزی اور دوسرے اردو میں معاشیات اور تیسرے ریاضی۔کم از کم ایم اے تک کا معاشیات کا کورس پڑھایا جائے۔اس میں تین سال لگیں یا چار سال یا اس سے کچھ زائد۔ایسے طلباء میں ایثار کی قید اس لئے لگائی کہ انگریزی وغیرہ پڑھ کر کہیں ان کے دماغ میں کچھ اور نہ آنے لگے۔اس دوران طلبا کو معقول مشاہرہ ملے تا کہ ان کو کہیں اور نظریں نہ اٹھانی پڑیں۔البتہ ابتدائی طالب علموں کے ساتھ معاملہ سخت رکھا جائے کیونکہ انہیں سے پھر آگے تحقیق وتدریس کا کام لینا ہوگا۔جو کھیپ تیار ہو کر نکلے وہ اپنے ماہرین کی زیر نگرانی تعلیم بھی دے۔جب آپ کو تجربہ کار دو تین Batch مل جائیں گے تو آپ ان بیرونی ماہرین سے مستغنی ہو سکیں گے۔اس میں ممکن ہے کہ تقریباً دس سال کی مدت لگ جائے۔

یہ تفصیل بھی شاید اجمال ہی ہو لیکن امید ہے کسی حد تک بات واضح ہو گئی ہوگی۔''

عملی پیش رفت

اسی سال بحمد اللہ اختصاص کے منصوبے پر عملدرآمد شروع ہو گیا اور وظیفہ بھی ایک ابتدائی مدرس کے برابر کیا گیا۔فی الحال فقہ الحلال والمعاملات اور فقہ المناکحات کے اختصاص میں چار افراد باضابطہ کام کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو بھی مقبول ومنظور فرمائیں۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ.

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور فہم دین کورس

مفتی شعیب احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ایک بڑا کمال اور اہل علم کے لیے قابل تقلید بات یہ تھی کہ انہوں نے اتنے بڑے علمی منصب اور مقام اور نہ صرف مفتی بلکہ مفتیوں کے مفتی اور بڑے درجے کے مفکر و متبحر عالم ہوتے ہوئے امت کے عام طبقات کو نہیں بھلایا۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان کی دینی تربیت اور فکری رہنمائی کے لیے شبانہ روز کی محنت سے ایک ایسا جامع، ٹھوس، آسان اور مفید کورس ترتیب دیا جس سے عصر حاضر کی ایک ایسی ضرورت پوری ہوئی جس کے خلاء کا احساس ہمارے اکابر کو بھی تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی مختلف تحریروں میں ایک ایسے کورس کی ضرورت کا بڑے اہتمام اور شدت سے اظہار فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے ایک بار فرمایا تھا کہ آج کل تبحر فی العلوم (یعنی دینی ضروری علوم کی مضبوط واقفیت) قریب قریب فرض عین ہے۔ فرمایا جی ہاں! وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں عام لوگوں میں انقیاد اور بزرگوں پر اعتماد زیادہ ہوتا تھا۔ ان کی تقلید علم و عمل کے لیے کافی ہوتی تھی۔ اب یہ نہیں ہو رہا تو پھر کون سی صورت ہے حفاظت دین کی؟ بس حفاظت اسی میں ہے کہ ہر شخص ضروریات کا درسی عالم ہو اس لیے کہ ایسا نہ کرنے میں نہ تو خود دین کو سمجھ سکتے ہیں اور سمجھانے پر اعتماد کرنے سے عار ہے تو اب دین کی حفاظت کی واحد صورت یہی ہے کہ ہر شخص اس قدر علم دین حاصل کرے کہ جس سے دین کو سمجھ سکے ورنہ آگے چل کر اندیشہ ہے گمراہی میں پھنس جانے کا۔ اس وجہ سے میں تبحر فی العلوم کو تقریباً فرض عین کہتا ہوں۔''

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۸۴/۴)

دوسری جگہ فرمایا:

''میں اپنے سب دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ بذریعہ کتاب (ہو) یا بذریعہ صحبت (یعنی علماء کی مجلس میں معتد بہ وقت گذار کر) بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ (یعنی دین کے رنگ میں آنے والے فتنوں) سے حفاظت ہو سکے جن کی آجکل بہت کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت اور کوتاہی نہ کریں۔''

(اشرف السوانح: ۹۶/۴)

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا یہ احساس اس زمانے کی بات تھی جب معلومات کا زمانہ (Information Age) کا نہ تھا اور معاشرے پر دین اور شرافت کی گرفت مضبوط تھی، اطاعت وانقیاد بھی آج کے مقابلے میں کافی زیادہ تھا۔ اب اس ضرورت میں کتنا اضافہ ہوگیا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ایک تحریر میں اس کورس کے خدوخال (یعنی آوٹ لائن) بھی تقریباً واضح فرمادی۔ فرماتے ہیں:

''ہم نے (بالفرض) مانا کہ جدید تعلیم ضروری ہے مگر تم اس تعلیم جدید کو اس طریقہ پر حاصل کرو کہ اس سے پہلے عقائد اور احکام کا علم حاصل کرلو لیکن یہ بات یاد رہے کہ ان دینیات (یعنی دینی علوم) کے حاصل کرنے کے لئے وہ مختصر کورس کافی نہیں جس میں راہ نجات وغیرہ دو چار مختصر کتابیں ہیں بلکہ ایسا کورس تجویز کرنا چاہیے جس سے عقائد و احکام بصیرت کے ساتھ معلوم ہوں اور کچھ اسرار وحکم بھی بتلائے جائیں تاکہ بالاجمال پڑھنے والوں کو معلوم ہوجائے کہ ہمارے گھر میں اسرار وحکم بھی ہیں، مصالح عقلیہ کی بھی رعایت ہے اور تمدن وسیاست بھی کامل ہے۔ اجمالاً اتنا معلوم ہوجانا ضروری ہے تاکہ جدید تعلیم سے شبہات پیدا نہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ دینیات کورس علماء سے پوچھ کر مقرر کیا جائے تاکہ وہ ایسا کورس مقرر کریں جس سے شریعت کی عظمت قلب میں جم جائے اور عقائد اسلامیہ ایسے راسخ ہوجائیں کہ پہاڑ کے ہلانے سے بھی نہیں ہلیں۔''

(خطبات حکیم الامت:۲/۱۹)

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک متبحر فقیہ و ماہر مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ زمانے کے نبض شناس بھی تھے کیونکہ حضرت رحمہ اللہ نے خود عصری تعلیمی اداروں میں بھی پڑھا تھا اس لیے انہوں نے خود بھی اس ضرورت کا احساس فرمایا۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا:

''دین کا ضروری علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

عن انس رضی اللہ تعالی عنه قال قال رسول الله ﷺ طلب العلم فريضة على كل مسلم. (ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اپنی ضرورت کے بقدر) دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)۔

فائدہ: ایک چیز ہے کسی ضرورت پڑنے پر کسی عالم سے کوئی مسئلہ پوچھنا یہ بھی اپنی جگہ ضروری ہے دوسری چیز ہے مستقل طور پر دین کے اصول ومسائل کا اتنا علم سیکھنا کہ جس سے آدمی دین کے عام احکام کو معلوم کرلے اور اپنے متعلقین کے دین کو شیطان کے مکر وفریب اور گمراہ لوگوں کے شکوک وشبہات سے محفوظ رکھ سکے۔ یہ بھی واجب ہے اور حدیث سے اصل میں یہی مراد ہے۔ اتنے علم کی مقدار کا دارومدار ہر دور کے حالات پر ہوگا۔ آج کل اخبارات، رسائل، ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے مختلف قسم کی گمراہیاں پھیلائی جارہی ہیں اس لیے آجکل کی ضرورت

آج سے پچاس سال پہلے کی مقدار سے زیادہ ہے۔''

(فہم حدیث: جلد اول باب اول)

کورس کے مشمولات

مندرجہ بالا مقاصد اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہوا یہ کورس درج ذیل کتابوں پر مشتمل ہے:

ا۔ ایک عام درجہ ہے جو ''مسائل بہشتی زیور''، ''اسلامی عقائد'' اور ''اصول دین'' تین کتابوں پر مشتمل ہے۔

عام درجے کا یومیہ ایک گھنٹے کے ساتھ دورانیہ چھ ماہ ہے۔

۲۔ دوسرا اعلیٰ درجہ ہے جس میں ''فہم حدیث'' کی تین جلدیں اور ''فہم قرآن'' کی تین جلدیں سولہ (۱۶) پارے تک کا حصہ شامل ہے۔

اس درجے کا دورانیہ ایک سال ہے۔

کورس میں شامل کتب کے فوائد

o ''اصول دین'' سے دین فہمی کی بنیادیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے مندرجات میں: مباحث وحی، اصول تفسیر، اصول حدیث، اجماع، قیاس، اجتہاد و تقلید، اہم فقہی قواعد، سنت و بدعت، اور اصول ایمان و کفر وغیرہ جیسے قیمتی ابحاث شامل ہیں۔ معاصر دنیا میں تعلیمی اداروں یا میڈیا کے زہر سے مسموم پریشان ذہن مسلمانوں کی تقریباً ۹۰ فیصد الجھنیں اس کتاب سے حل ہو جاتی ہیں۔ حضرت نے بفضل اللہ مواد ایسی ترتیب سے جمع فرمایا ہے کہ اشکالات کی جڑیں کٹتی چلی جاتی ہیں اور قاری پوری بصیرت کے ساتھ جمہور امت یعنی اہل سنت والجماعت کے دین فہمی کے اصولوں اور منہج سے مطمئن ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھی لکھی عوام سے ربط و ضبط رکھنے والے بہت سے اہل علم نے اس کتاب کی دل کھول کر تعریف فرمائی ہے۔

o ''اسلامی عقائد'' سے بھی بہت سی الجھنیں حل ہو جاتی ہیں، صحیح عقائد اور ان کے بالمقابل غلط عقائد و نظریات کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اور ایسا ذہن تیار ہو جاتا ہے کہ الحمد للہ بقول حکیم الامت رحمہ اللہ پہاڑوں کے ہلانے سے نہیں ہلتا، ایسا انسان پھر باطل کا تر نوالہ نہیں بنتا اور اگر پہلے سے ذہن میں کچھ اشکالات ہوں بھی تو وہ کافور ہو جاتے ہیں۔

o ''مسائل بہشتی زیور'' عمل کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں عبادات، معاملات، مناکحات اور حلال و حرام کے متعلق احکام کا عمدہ خلاصہ آسان انداز میں ہے۔ فقہاء کی باریک بینیاں اور شریعت کی اعتدال پر مبنی تعلیم اس کے سامنے آتی ہے تو مزید رسوخ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور شریعت کی حقانیت پر شرح صدر ہوتا چلا جاتا ہے۔

o ''فہم حدیث'' میں اس کے سامنے علم کے مزید آفاق روشن ہوتے ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ حدیث ہماری زندگی سے کتنا مضبوط قریبی اور گہرا تعلق رکھتی ہے نیز یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ فقہاء کے اجتہادات خانہ زاد نہیں ان کے

پیچھے قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہیں۔

o ''فہم قرآن'' سے قرآن کے اسلوب میں تبشیر و انذار (وعدہ، وعیدیں) اور تعلیمات حکمت ملتی ہیں اس کورس سے گذرنے کے بعد ایک سمجھدار قاری کا دینی فہم بنیادی طور سے مکمل ہو جاتا ہے۔

کورس کا دائرہ کار

ایک اصطلاحی عالم درج ذیل تین قسم کے علوم پڑھتا ہے:

۱۔علوم عربیہ: جس میں صرف ونحو وبلاغت وغیرہ کے علوم شامل ہیں۔

۲۔علوم عقلیہ: جس میں منطق، فلسفہ، ریاضیات وغیرہ جیسے علوم شامل ہیں۔

۳۔علوم شرعیہ: جو قرآن، حدیث، فقہ، کلام اور تصوف کے پانچ مضامین پر مشتمل ہیں۔

ان میں سے اول الذکر دو علوم، علوم آلیہ ہیں یعنی ذرائع کا درجہ رکھتے ہیں جبکہ تیسری قسم کے علوم، علوم عالیہ ہیں جو مقاصد میں سے ہیں۔ چنانچہ عالم بننے سے مقصود بھی یہی تیسری قسم کے علوم ہوتے ہیں مگر عالم کے لیے ان تیسری قسم کے علوم حاصل کرنے کے لیے پہلے دو علوم ضروری ہیں۔ جبکہ عوام کے لیے موجودہ زمانے میں پہلے دو قسم کے علوم کی ضرورت نہیں اور نہ مفید ہیں۔ عوام کے لیے ضروری ہے کہ ان کے سامنے علوم عالیہ کا خلاصہ آسان انداز میں پیش کر دیا جائے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''فہم دین کورس'' میں یہ کارنامہ سرانجام دے دیا ہے اور علوم شرعیہ کا خلاصہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اتنے مضبوط کورس کی ضرورت اس زمانے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تحریر سے بھی معلوم ہوگئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ضرورت محض شارٹ کورسز سے پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ شارٹ کورسز بنیادی معلومات فراہم کرتے ہیں گہرے اشکالات کی جڑیں نہیں کاٹتے۔

کورس اور علم کے فضائل

ایک بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنے ''خطبات'' میں اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ علوم شرعیہ کی تحصیل پر جو فضائل نصوص میں آئے ہیں مثلاً فرشتوں کا پر بچھانا اور دعائے مغفرت وغیرہ ان کے حصول کے لیے علوم کا عربی میں ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اگر دین کا مستند علم کسی اور زبان (مثلاً اردو) میں بھی ہو تب بھی وہ فضائل حاصل ہو جائیں گے۔

کورس کے فوائد

اس کورس میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے صرف علوم کی جمع بندی نہیں کی بلکہ معلومات کو ایسے ترتیب دیا ہے کہ عوام کے علماء سے پوچھے جانے والے ۹۰ فیصد سوالات، اشکالات اور مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ اگر علماء اس

کورس کو پڑھائیں گے تو ان کو بھی بہت علمی فائدہ ہوگا۔ ہمارے علماء عام طور سے دیگر فتنوں اور گمراہ فرقوں کی محنتوں سے شاکی ہوتے ہیں کہ فلاں ایسے ایسے، اتنے اتنے لوگ لے گیا، یہ کر گیا وہ کر گیا مگر اپنا مثبت کام نہیں کرتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اہل علم سے فرماتے تھے:

''اس زمانے میں سب سے مفید اور موثر کام یہ ہے کہ عوام میں جا کر دین کا صحیح فہم اجاگر کر دو اور خالی الذہن لوگوں کے پاس پہلے پہنچ جاؤ۔''

''فہم دین کورس'' حضرت رحمہ اللہ کا ایک ھمّ اکبر تھا جس کے لیے بہت فکرمند رہتے تھے ظاہر ہے اکیلی جان اور دیگر علمی و عملی مصروفیات بھی اور مزاج بھی خالص عالمانہ اور یکسوئی والا تو جتنا کر سکتے تھے کرتے تھے اور مختلف انداز میں اہل علم کو اس کورس کی اہمیت وضرورت کی جانب متوجہ فرماتے رہتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھا:

''پختہ علماء کے لئے ''فہم دین کورس'' کے دونوں درجے ان کے اپنے علم کے اعتبار سے شاید عام سی چیز ہوں لیکن وہ اگر اس کی طرف اس اعتبار سے التفات کریں کہ دنیاوی تعلیم یافتہ طبقات کو دین کے علم سے روشناس کرانے کے لیے یہ ضروری بھی ہیں اور معیاری بھی، تو بہت ہی اچھا ہو۔ زنانہ و مردانہ تعلیمی ادارے اور تجوید و قراءات کے ادارے بھی اگر اس مکمل کورس کو اپنی ترتیب میں داخل کر لیں تو بہت مفید رہے۔'' (مقدمہ فہم حدیث)

دوسری جگہ لکھا:

''عوام کے ساتھ ساتھ اہل علم حضرات سے بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس نصاب کی درس و تدریس میں دلچسپی لیں اور از خود دلچسپی لے کر لوگوں کو یہ نصاب پڑھائیں اور یہ ان کی دینی و تبلیغی خدمت کا اہم ذریعہ ہے یہ تو بڑے حضرات کے کام ہیں جو اللہ تعالی کی توفیق سے ہم نے یکجا کر دیے ہیں۔ اگر ایک گھنٹہ روزانہ لگایا جائے تو ''فہم دین کورس'' چھ مہینے میں پڑھایا جا سکتا ہے اور ''فہم قرآن'' اور ''فہم حدیث'' کو ایک سال میں پڑھایا جا سکتا ہے۔''

ایک جگہ اپنی دلسوزی کا اظہار یوں فرمایا:

''عوام و خواص کے سبھی طبقوں سے ہماری درخواست ہے کہ ایک علمی تحریک سمجھتے ہوئے اس تفسیر اور ''فہم دین کورس' کی باقی کتابوں یعنی ''اسلامی عقائد''، ''اصول دین''، ''مسائل بہشتی زیور'' اور ''فہم حدیث'' کے پڑھنے پڑھانے کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالی سے ہر حال میں دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرما کر تمام مسلمانوں میں دین کے صحیح فہم کو عام کرنے کا ذریعہ بنا دیں۔ (آمین)''

ایک جگہ اپنی فکر اور کورس کی افادیت کا یوں اظہار فرمایا:

''اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ''فہم دین کورس'' (جو کہ مسائل، اصول، عقائد، حدیث اور ترجمہ و تفسیر پر مشتمل اسلامیات کا مکمل کورس ہے اس) کی افادیت کو سمجھیں اور اس کو پھیلانے میں لگیں خصوصا نوجوان علماء کے لیے یہ

علمی تبلیغ کا عمدہ ذریعہ ہے اور خود ان کو بھی اس سے علمی ترقی حاصل ہوگی انشاءاللہ۔

خواتین کے حلقوں میں اس کے پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ ہو تو بہت فائدہ کی امید ہے۔ لڑکیوں کے مدارس میں خواتین کے لئے دو گھنٹے روزانہ کے حساب سے ایک سال میں یہ پورا کورس پڑھایا جاسکتا ہے۔ (مقدمہ فہم قرآن)

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اپروچ کا آدمی اس سے زیادہ اہل علم کو کس طرح متوجہ کرے کہ بھائی! یہ خود آپ کے فائدے کی چیز ہے۔ اسے لے لو۔ اسے سمجھو کیونکہ دین کا صحیح شعور دراصل دین کی بقا کا ضامن ہے اور اہل علم کی بقا بھی دین کے ساتھ ہے خدانخواستہ اگر دین کا فہم بدل گیا تو منظر نامہ بدل جائے گا۔ خاکم بدہن پھر ایسا نہ ہو کہ علماء عوام کو اپنی ضرورت باور کرانے کی کوشش کریں اور عوام انہیں زمین کا بوجھ سمجھ کر ہٹانے کی فکر میں لگے ہوں۔ ع

اند کے پیش تو گفتم وترسیدم
آرزدہ شوی ورنہ سخن بسیار است

حضرت نے نہ صرف یہ کہ خود تن تنہا مکمل ''فہم دین کورس'' لکھا بلکہ اس کے پڑھانے کے اصول بھی وضع فرمائے اور ان کے ساتھ متعدد جگہوں پر اس کے اجراء کی ترتیب بھی قائم فرمائی۔ ذیل میں ہم حضرت کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر سے کورس کی اہمیت اور اصول تدریس نقل کرتے ہیں:

کورس کا تفصیلی تعارف

''فہم دین کورس'' کے درجۂ عام کو ہم عمومی طور پر تمام مردوں اور عورتوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے بعض مضامین کو دیکھ کر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ان کی تو عام لوگوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ تو اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر ہر فرد کے لیے علیحدہ علیحدہ نصاب نہیں بنائے جاسکتے۔ نصاب بنانے میں تمام ہی طبقوں کی رعایت کرنی ضروری ہے۔ علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے بھی قابل قبول نصاب ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں اب وہ دور نہیں جس میں نہ اخبارات ورسائل تھے اور نہ ٹی وی وانٹرنیٹ تھے اور لوگ اپنے مخصوص افکار وعقائد کے دائرہ میں رہتے تھے۔ موجودہ دور میں ہر قسم کے وسائل دستیاب ہیں اور خواہی نخواہی بہت سی باتیں دیکھنے، سننے اور پڑھنے کو ملتی ہیں جن سے آدمی کے ذہن میں غلط یا صحیح تصورات خود بخود قائم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم چونکہ مسلمان ہیں لہذا قرآن وسنت کے منافی تمام تصورات سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب دین کا معتدبہ صحیح علم وفہم حاصل ہو۔

''اسلامی عقائد'' اور ''اصول دین'' میں ہم نے کوئی بات بلا دلیل نہیں کی۔ قرآن وحدیث سے دلائل دیے ہیں۔ جو اشکال پیش آسکتے تھے ان کے جواب دیے ہیں۔ مسائل کی کتاب ایک مکمل مسائل کی کتاب ہے جس میں جدید سے جدید مسائل کا ذکر ہے۔ کہیں کہیں ان کے دلائل کا بھی ذکر ہے لیکن زیادہ تر دلائل ''فہم حدیث'' کی دوسری جلد میں مذکور ہیں۔

''مسائل بہشتی زیور'' کے نام سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ بعینہ ''بہشتی زیور'' والی کتاب ہے بلکہ یہ اس سے بہت

مختلف کتاب ہے۔ نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ شروع میں ہمارا خیال یہ تھا کہ ''بہشتی زیور'' کے صرف مسائل کا حصہ لے کر اس کے ساتھ جدید مسائل کا ضمیمہ لگا لیں گے۔ لیکن جب کام شروع کیا تو اس پر اکتفا ممکن نہ رہا اور وہ ایک علیحدہ اور مستقل کتاب بن گئی۔

''فہم دین کورس'' کے درجۂ اعلیٰ میں قرآن پاک کا لفظی ترجمہ وتفسیر اور حدیث شامل ہیں۔ تفسیر میں ہم نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' کو لے کر اس کو آسان کیا اور فوائد کو انتہائی مختصر کیا۔ اس تفسیر کو اختیار کرنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس میں تفسیر رواں ہے، نمبر دے کر حاشیہ آرائی نہیں کی گئی اور دوسرے اس میں سورت کی آیتوں کا باہمی ربط مذکور ہے۔ سوا پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد اور گیارہویں پارے تک دوسری جلد چھپ کر بازار میں دستیاب ہیں۔ [بعد ازاں تیسری جلد بھی طبع ہوگئی۔ چوتھی جلد جو ۱۷ویں پارے سے لے کر سورہ سبا تک کی تفسیر پر مشتمل ہے زیر طبع ہے۔]

''فہم حدیث'' کی پہلی جلد میں عقائد، اخلاق، شمائل، حقوق اور دیگر ماوراء الطبیعاتی امور سے متعلق احادیث کا ذکر ہے جبکہ دوسری جلد میں عملی احکام سے متعلق حدیثیں ہیں۔ جلد کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ [''فہم حدیث'' کی بھی دوسری اور تیسری جلد مکمل ہو کر عرصہ ہوا طبع ہو چکی ہے اور عام دستیاب ہے۔]

''فہم دین کورس'' کے دونوں درجوں کی کتابیں مجلس نشریات اسلام کراچی کے جناب فضل ربی صاحب ندوی نے تبلیغی جذبہ سے شائع کی ہیں اور وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی کتاب نایاب نہ رہے۔

کورس کے پڑھنے پڑھانے کی ترتیب

لاہور میں یہ کورس تقریباً دس گیارہ سال سے پڑھایا جا رہا ہے۔ مختلف علماء اپنے اپنے حلقوں میں اسے پڑھاتے ہیں۔ پچھلے تین چار سال سے عورتوں کے بعض حلقوں میں بھی یہ کورس پڑھایا گیا ہے اور پڑھایا جا رہا ہے کچھ عرصہ پہلے ''ضرب مؤمن'' اخبار میں اس کورس کا تعارف چھپا تو اور شہروں میں بھی اس کی طرف رجوع ہوا۔ غرض پنجاب کے کئی علاقوں میں اس کو باقاعدہ کورس کے طور پر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہے۔ کورس کے شرکاء کی کم از کم پچھتر فیصد حاضریاں ہوں تو جامعہ مدنیہ جدید کی جانب سے ان کو سند بھی دی جاتی ہے۔ کورس کے دوران یا اس کے ختم پر امتحان لینے کی رسم ابھی شروع نہیں کی۔ ابھی اس کا موقع نہیں۔

کراچی کے ڈیفنس کے علاقے کے مولانا عبدالستار صاحب نے درجہ عام کی کتابوں سے متعلق معروضی قسم کی ورک بکس بھی تیار کروائی ہیں۔ ورک بکس (Work Books) ناگزیر نہیں لیکن اگر کوئی چاہے تو ان سے اپنی دہرائی کر سکتا ہے اور اپنا امتحان لے سکتا ہے۔

بہتر ہے کہ ہفتہ میں چھ دن پڑھائی ہو اور روزانہ ایک گھنٹہ دیں۔ اتنا نہ ہو سکے تو ہفتہ میں چار دن تو ضرور دیں۔ جو بھی

پروگرام طے کریں اس کے لیے مدت کا ٹارگٹ مقرر کریں اور اس مدت کے اندر کورس کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

ہر طالب علم کے پاس اپنی کتاب ہو۔ کتاب کو پڑھیں اور اس کو سمجھیں اور اس کو حوالہ کی کتاب بھی بنائیں۔ اس طرح سے پڑھنے والوں کا وقت بھی بچے گا اور غیر ضروری باتوں میں لگنے سے بھی بچیں گے۔

یاد رہے کہ ہماری کسی بھی کتاب سے ہمارا کوئی مالی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

کورس پڑھنے پڑھانے کے اصول

خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں یہ کورس سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ کسی بھی اچھے عالم کی مدد سے یہ کورس پڑھا جاسکتا ہے۔

۱۔ پڑھنے والوں کی علمی و عقلی استعداد کم از کم میٹرک کی سطح کے برابر ہو۔ خود میٹرک ہونا کوئی ضروری نہیں۔

۲۔ استاد سبق کو اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد پڑھائے۔

۳۔ سبق سے متعلق سوال کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۴۔ سبق کے دوران غیر متعلقہ باتوں اور اختلافی بحثوں سے پرہیز ہو۔

۵۔ استاد ناغہ بالکل نہ کرے۔ اگر کبھی سخت مجبوری ہو تو اپنا متبادل بھیج دے۔

۶۔ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں۔ سبق پانچ منٹ پہلے ختم کر دیں لیکن زائد وقت نہ لیں۔

۷۔ پڑھنے والے بھی ذمہ داری کا ثبوت دیں۔ چند دن آ کر غائب ہو جانا صرف اپنا نقصان نہیں بلکہ یہ دوسروں کی سستی اور حوصلہ شکنی کا باعث بھی بنتا ہے جو قومی اور ملی نقصان ہے۔

۸۔ سبق سے فارغ ہونے کے بعد کسی بھی قسم کا سوال کرنے کی آزادی ہو۔ استاد کو جواب معلوم ہو تو نقد بتا دے ورنہ صاف کہہ دے کہ معلوم کر کے بتاؤں گا۔

چند مزید ہدایات

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہی سے سنی ہوئی یا مدرسین حضرات کے تجربات میں آئی ہوئی بعض مفید ہدایات بھی شامل کر لی جائیں تو بہت مناسب ہوگا:

۱۔ کورس پڑھاتے ہوئے نظریات کی تردید کی جائے مگر فرقوں کا نام نہ لیا جائے۔

۲۔ سیاسی اختلافات اور تنظیموں کو ذکر نہ کریں نہ مثبت نہ منفی۔

۳۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ نہ ہو کہ یہ تعلیمی مقاصد کے لئے لیے نقصان دہ ہے۔

۴۔ دین کی ہر صحیح اور علماء کی سرپرستی میں کی جانے والی کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور دکھائیں، مثبت کوششوں کی نفی نہ کریں۔

۵۔اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے یہ نہ کہیں بلکہ اجتہاد کی حقیقت سمجھا دیں۔
۶۔احناف کے موقف کو حدیث کی روشنی میں ترجیح دیں مگر دیگر ائمہ کی تردید مدارس کے انداز میں نہ ہو۔
۷۔ حدیث صحیح اور ضعیف کے فرق کو اچھی طرح کھولیں کہ عوام تو عوام عام اہل علم کے لیے بھی یہ مزلۃ الاقدام ہے۔
۸۔تقلید کی براہ راست دعوت نہ دیں بلکہ حقیقت سمجھائیں کہ وہ خود باور کریں کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔
۹۔قرآن وسنت کو براہ راست سمجھنے سے نہ روکیں البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں سے قرآن کی تفسیر اور اس کے مطابق تربیت کو خوب باور کروائیں۔ازخود فہم قرآن میں درآنے والی لغزشوں کو مثالوں سے بیان کر سکتے ہیں۔

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی تحفظِ عقائد اور ردّ فتن میں خدمات

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب مدظلہم
معروف محقق، مورخ و کالم نگار

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ پاک و ہند کے ان علماء میں ایک تھے جن کی علمی قابلیت اور قوتِ استدلال میں اسلاف کا عکس نظر آتا تھا اور انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہم صدیوں پہلے کے کسی محقق کی خدمت میں ہیں۔ان کی حیاتِ بابرکات کے آخری چند برسوں میں راقم کی ان کے علمی مرکز ''دارالتقویٰ'' چوبرجی لاہور میں چند بار حاضری ہوئی۔ ماشاء اللہ بہت نفیس اور نورانی ہستی تھے۔ گورا رنگ، چھریرا بدن، مائل بہ طول قد وقامت۔عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی اور ان دنوں بہت بیمار تھے۔ میں سوچتا تھا: اس عمر اور بیماری میں یہ اس قدر حسین ہیں تو صحت اور جوانی میں ان کا کیا عالم ہوگا۔آخری ایام میں وہ وہیل چیئر پر تھے۔مگر اس کے باوجود جب تک تھوڑی سی رمق بھی باقی تھی ،دارالافتاء تشریف لاکر علمی کاموں کی سرپرستی فرماتے رہے۔الحمدللہ انہوں نے حضرت مولانا مفتی شعیب صاحب اور ان جیسے متعدد نوجوان مفتیانِ کرام کی ایک نہایت مستعد اور قابل ٹیم تیار کردی ہے جو ان شاء اللہ ان کے کام کو آگے بڑھاتی رہے گی۔ان کی وفات ہم سب کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ ہے جس کے اثرات مدتوں رہیں گے۔احبابِ دارالتقویٰ نے جب ان کے حالاتِ زندگی پر خصوصی نمبر شایع کرنے کا فیصلہ کیا تو راقم کو بھی اس سلسلے میں خامہ فرسائی کی دعوت دی۔ اگرچہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر اپنی بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ کچھ سطور سپردِ قلم کررہا ہوں۔

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے ویسے تو اسلامی علوم کی خدمت کے حوالے سے زیادہ توجہ فقہی مسائل پر مرکوز رکھی تھی مگر بایں ہمہ انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح عقیدے کی اشاعت، غلط نظریات سے حفاظت ،صراطِ مستقیم کی وضاحت اور ردّ فتن پر بھی ٹھوس کام کیا ہے۔سب سے خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے خود اہلِ حق میں نفوذ کرنے والی کج فکری کی روک تھام کے سلسلے میں بڑا ذمہ دارنہ کردار ادا کیا۔اس پہلو سے بھی ان کی کاوشیں نہایت قابلِ قدر ہیں۔ان سطور میں راقم ان کی خدمات کے اسی ایک پہلو کا ایک مختصر جائزہ پیش کررہا ہے:

یہ ایک فطری سی بات ہے کہ اغیار کے سامنے اتمام حجت کرنے کی بہ نسبت اپنے بگڑے ہوئے ہم نشینوں کو سمجھانا زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ انسان کے معاشرتی تعلقات، لین دین، افادے اور استفادے کے بہت سے روابط متعلق ہوتے ہیں۔ خدشہ ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے سمجھانے سے تعلقات میں دراڑ آجائے اور بعض مصالح فوت ہوجائیں۔ اس لیے زمانے کی ریت کچھ ایسی بن گئی ہے کہ اگر اپنوں میں کوئی کج روی اختیار کررہا ہو تو وہاں مداہنت اختیار کرلی جاتی ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب ایک مدت سے مداہنت کا وطیرہ روز افزوں ہے اور حق گوئی کی روایت متروک ہوتی جارہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرزِ عمل کا نتیجہ زیادہ بگاڑ کی شکل میں ہی نکل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین ''مداہنت'' کو ایک بہت بڑا اخلاقی عیب تصور کرتے تھے اور حق بات کو ''بلاخوفِ لومۃ لائم'' بیان کردیا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ان کی اپنی صف کے کسی شخص نے اہلِ شام کو کافر کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہاں یہ سوچ کر خاموشی اختیار نہیں کی کہ کہیں یہ ساتھی الگ نہ ہوجائیں۔ انہوں نے برملا کہا: اخوانـنا بغو ا علینا ۔(یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔)

اسی طرح جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حجاج بن یوسف سے معرکہ جاری تھا تو اس وقت خوارج مکہ میں موجود تھے ،وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو تو اپنا بزرگ مانتے تھے مگر حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی تنقیص کرتے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس موقع پر اپنے خیالات کی تائید چاہی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کھل کر اعلان کیا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما برحق تھے۔ یہ سن کر خوارج بپھر کر ان کا ساتھ چھوڑ گئے مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دین میں مداہنت گوارا نہ کی۔

زید بن علی جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کی تیاری کررہے تھے تو اس وقت ان کی جماعت میں شامل متشدد شیعان علی نے چاہا کہ وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کی ہاں میں ہاں ملادیں مگر زید بن علی نے انکار کرتے ہوئے شیخین کی تعریف وتوصیف کی جس کے باعث روافض زید بن علی کے حلقے سے الگ ہوگئے ۔زید بن علی کو افرادی قلت کے باعث شکست ہوئی اور وہ قتل ہوگئے مگر انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ روافض ان کے حلقے میں گھلے ملے رہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ کے اپنے جید شاگرد واصل بن عطاء نے جب ایک اعتقادی مسئلے میں اسلاف کی رائے سے اعراض کرکے ایک نئی رائے پیش کی تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اسی وقت اعلان فرمادیا: ''اعتزل عنا'' یوں لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ واصل بن عطاء الگ نظریات کا حامل ہے۔ اگرچہ واصل بن عطاء نے اپنے نظریات کا پرچار ترک نہیں کیا بلکہ عمرو بن عبید وغیرہ کو ساتھ ملا کر ایک مستقل گروہ بنالیا جو ''معتزلہ'' کے نام سے مشہور ہوا مگر حق وباطل کی تلبیس کا وہ خطرہ

دور ہو گیا جو نسبتاً کہیں زیادہ مہلک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ یہی شان ہمارے اکابرِ دیوبند کی رہی کہ وہ جہاں فرقِ باطلہ کی تردید میں سینہ سپر رہے، وہاں وہ اپنی صفوں سے اٹھنے والے مشکوک خیالات پر بھی نگاہ رکھتے رہے۔

اہلِ علم سے یہ مخفی نہیں کہ اُمت مسلمہ میں پہلی صدی ہجری میں بھی فرقہ بندی کا آغاز مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں مختلف آراء اختیار کرنے سے ہوا، اور بعد میں بھی اکثر فرقے اسی بنیاد پر الگ راہیں اختیار کر کے اصول وفروع میں اہلِ سنت سے جدا ہو گئے۔ یہی منظر ہمیں ایک بار گزشتہ صدی کے نصفِ آخر میں اس وقت دیکھنا پڑا جب محمود عباسی نامی ایک دریدہ دہن شخص نے حضرت علی، حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور جمیع اہلِ بیت کی تنقیص وتوہین کا پرچم بلند کیا اور یزید اور اس کے حامیوں کی مدح وستائش کو اپنا وطیرہ بنا کر فتنے کا ایک نیا باب کھول دیا۔ بظاہر یہ کام روافض کے رد میں تھا اس لیے حلقہ دیوبند کے بھی بہت سے لوگ اس سے متاثر ہوئے جن میں مولانا اسحاق سندیلوی سرفہرست تھے جنہوں نے ''اظہار حقیقت''، جیسی ناصبیت زدہ کتاب لکھ کر مزید بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ مگر اس دور میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ جیسی عظیم علمی وروحانی شخصیات موجود تھیں جنہوں اس فتنے کا بھرپور جواب دے کر اہلِ حق کی ترجمانی کا حق ادا کیا مگر افسوس کہ ان کے بعد یہ روایت ہم سے تقریباً چھوٹ گئی۔ ان عبقری شخصیات کے گزر جانے کے بعد یہ میدان تقریباً خالی ہو گیا۔ ردِ رافضیت پر تو کام جاری رہا اور جاری رہنا چاہیے تھا مگر ردِ ناصبیت کے باب میں اہلِ حق کی اکثریت نے برحق موقف کو جانتے ہوئے بھی مصلحتِ وقت اور دفعِ فتنہ جیسے عنوانات کے تحت ان مسائل پر اظہارِ حق سے پہلوتہی کی روش اختیار کر لی۔

اس کے نتیجے میں مشاجرات پر بحث تو ختم نہ ہوئی، الٹا ناصبیت کو مزید شہ ملی اور یہ لوگ جری ہو کر کتابوں پر کتابیں اور رسائل پر رسائل چھاپتے چلے گئے۔

ایسے میں حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا وجود امتِ مسلمہ خصوصاً پاک وہند کے لیے بہت غنیمت تھا کہ انہوں نے ایسے وقت میں علامہ عبدالرشید نعمانی صاحب اور حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہما اللہ کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی اور جمہور اہلِ سنت کے موقف کو پوری وضاحت اور دلالت کے ساتھ بیان کیا۔

اسلامی عقائد:

اس سلسلے میں ان کی سب سے بنیادی کاوش ''اسلامی عقائد'' ہے جسے الحمدللہ بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ راقم کو بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی جو کتاب سب سے پہلے پڑھنے کو ملی، وہ یہی تھی۔ میں اپنے مدرسے کے طلبہ کے لیے عقائد پر ایک مختصر مگر جامع اور آسان کتاب کی تلاش میں تھا۔ اس کتاب میں یہ تمام خصوصیات موجود ملیں۔

قرن اوّل میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں ایک بنیادی اختلاف رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان سے محارب صحابہ میں کس کا موقف درست تھا۔ اب ایک رائے یہ تھی کہ دونوں مصیب تھے۔ کسی نے کہا کہ کوئی ایک مصیب تھا

مگر اس کا تعین ممکن نہیں۔ کسی نے کہا کہ اہلِ شام مصیب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مخطی تھے مگر اسی زمانے میں علمائے اسلام کے سوادِ اعظم نے صحیح احادیث سے مستفاد دلائل کی روشنی میں یہ طے کرلیا کہ اس معاملے میں اگرچہ فریقین مجتہد اور ماجور تھے مگر برحق موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ چودہ صدیوں تک امت اس پر متفق رہی۔ مگر گزشتہ صدی میں جب ناصبیت نے برگ و بار پھیلائے تو اس سے متاثر لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برحق ہونے کا عقیدہ چبھنے لگا اور وہ علی الاعلان اس کے انکار پر تُل گئے۔

اِس دوران اہلِ حق کی طرف سے ضروری اسلامی عقائد کی تسہیل و تلخیص پر مبنی کئی کتب مارکیٹ میں آئیں مگر اس مسئلے کو سب نے معمولی سمجھ کر یا مصلحتِ وقت کا تقاضا گمان کر کے نظر انداز کر دیا۔ تاہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پوری وضاحت سے ''اسلامی عقائد'' میں یہ مضمون شامل کیا تا کہ نسلِ نو، ان گمراہ کن افکار سے محفوظ رہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اہل سنت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ ان اختلافات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور دوسرے حضرات خطا پر تھے۔''

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصابت کے مضبوط دلائل صحیح الاسناد احادیث کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ یہ التزام راقم نے مُطولات میں تو دیکھا ہے مگر عام فہم مختصر اردو کتبِ عقائد میں کہیں نہیں دیکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا ہاتھ فتنہ ناصبیت کی دُکھتی رگوں پر تھا۔

.....☆.....

فقہی مضامین: مشاجراتِ صحابہ سے متعلق چند اصول:

حضرت رحمہ اللہ کی اہم فقہی تحقیقات کا مجموعہ ''فقہی مضامین'' کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ اس میں ایک مضمون ہے: ''مشاجراتِ صحابہ سے متعلق چند اصول'' یہ دس صفحات پر مشتمل ایک بڑا تحقیقی شاہکار ہے جس سے حضرت کے علمی تصلب اور مآخذ پر ان کی وسعتِ نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

دراصل مشاجراتِ صحابہ میں اختلاف کی کچھ علمی بنیادیں ہیں، کج فکر مکاتبِ فکر عموماً انہی بنیادوں میں ایک نئی راہ تلاش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں بہت مسائل میں انہیں لازماً جمہور سے الگ ہونا ہی پڑتا ہے۔ ان علمی بنیادوں میں اہلِ سنت کا چند نکات پر اتفاق ہے جو ان کے اجماعی اور مضبوط مذہب کے لیے اساس کا کام دیتی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے نہایت باریک بینی سے کام لیتے ہوئے پہلے انہی علمی بنیادوں کے بارے میں اہلِ سنت کے مسلک کو واضح کیا ہے اور اس بارے میں دو مقدمات قائم کیے ہیں:

پہلے مقدمے میں انہوں نے امام فخر الاسلام بزدوی کی ''اصول بزدوی'' اور علامہ عبدالعزیز بخاری کی شرحِ اصولِ

بزدوی یعنی کشف الاسرار کے حوالے سے اہلِ سنت کا یہ اصول واضح کیا ہے کہ صحیح اور غلط کے سوال میں دو مختلف فتویٰ دینے والے مجتہد بیک وقت مصیب نہیں ہو سکتے کیونکہ کسی معاملے میں دو متضاد آراء بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔

درحقیقت حضرت رحمہ اللہ نے یہاں بہت بنیادی نکتہ واضح کر کے دجل و تلبیس کے بہت سے پردے قطع کر دیے ہیں، کیونکہ عام آدمی کو کج فکر گروہ بعض اوقات یہ کہہ کر الجھاتا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اسی لیے مشاجرات میں بھی سب کا موقف صحیح تھا، سب مصیب تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حفظِ ماتقدم کے طور پر سب سے پہلے اہلِ سنت کا یہ اصول واضح کر دیا کہ عندالاختلاف مجتہد مصیب ایک ہوتا ہے، یوں لامحالہ یہ بات طے ہوگئی کہ مشاجرات میں بھی اختلاف کرنے والے طبقاتِ صحابہ میں سے مصیب کوئی ایک ہوگا۔ اب فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ مصیب گروہ کونسا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے دوسرا مقدمہ قائم کر کے اہلِ سنت کا موقف علامہ عبدالعزیز فرہاری ملتانی مرحوم کی شرح عقائد کی مشہور شرح ''النبراس'' کے معتمد حوالے سے یوں نقل کیا ہے:

وقال اهل السنة كان الحق مع عليّ،وان من حاربه مخطئي في الاجتهاد ،فهو معذور،و ان كلا من الفريقين عادل صالح ولا يجوز الطعن في احد منهم للاحاديث المشهورة في مدح الصحابة والنهي عن سبهم،وهذا هو الحق فما ذا بعد الحق الا الضلال .

اہل سنت کا قول یہ ہے کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور جن لوگوں نے ان سے جنگ کی، وہ ان کی اجتہادی خطا تھی اور وہ معذور تھے اور دونوں فریق عادل اور نیک تھے۔

اس کے بعد اسی مسئلے کو انہوں نے علامہ تفتازانی کی شرحِ عقائد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے مذکورہ عبارات سے حاصل شدہ نتائج پیش کیے۔ پہلا نتیجہ اس عنوان کے ساتھ پیش کیا:

(ا) مجتہد باغی اور جائر بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس نکتے کو عنوان لگائے بغیر برسبیلِ تذکرہ بھی بیان کر سکتے تھے مگر انہوں نے فی زمانہ اس نکتے کی وضاحت کی اہمیت کا بالکل درست اندازہ لگایا کیونکہ اس وقت علمی حلقوں میں بھی اس بارے میں ایک یہ اشتباہ پھیلا ہوا ہے کہ مجتہد اور باغی ہونے میں منافات ہے۔ اصل میں یہ دسیسہ کاری روافض کی ہے جو سوشل میڈیا وغیرہ سے زیادہ مشتہر ہوئی ہے اور نواصب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ دراصل روافض اور نواصب اس اصول پر متفق ہیں کہ مجتہد باغی نہیں ہو سکتا اور باغی مجتہد نہیں ہو سکتا۔ اس پر نتائج وہ الگ الگ متفرع کرتے ہیں۔ روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق تھے اور ان کے مخالف باغی تھے، لہٰذا وہ مجتہد ہو سکتے نہ معذور و ماجور بلکہ وہ منافق یا کافر تھے۔ (نعوذ باللہ) نواصب کہتے ہیں کہ حق اہلِ شام کے ساتھ تھا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت باغی تھی (یا باغیوں کے اشاروں

پر ناچ رہی تھی) پس وہ مجتہد نہیں بلکہ ظالم تھے۔

افسوس کہ اس قدر غلط بات جس پر اتنے بھیانک نتائج متفرع ہوتے ہیں تقیہ کرنے والے ان نواصب کی وساطت سے بڑے خوبصورت رنگ میں اہلِ علم تک آن پہنچی ہے اور لوگ اسے صحابہ کے دفاع کا حصہ سمجھ کر اس سے کتنے متاثر ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ملک کے ایک مشہور دارالافتاء کے بڑے پرانے اور عمر رسیدہ نگران حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے راقم کے سامنے ایک مجلس میں بڑی حیرت کے ساتھ کہا: مجتہد اور باغی جمع کیسے ہو سکتے ہیں؟''

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے یہاں اہلِ سنت کے مذہب کی وضاحت بخوبی کر دی کہ اصولِ اہلِ سنت کے مطابق ان دونوں حیثیتوں میں منافات نہیں۔ ان کا بیک وقت ایک شخص میں اجتماع ہو سکتا ہے۔ چاہے روافض کے اصول میں یہ اجتماع نہ ہو سکتا ہو مگر اس سے ہمارے مذہب پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔

اس کے بعد نمبر دو میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق پر ہونا دلائل سے ثابت کیا ہے اور نمبر تین میں یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف صحابہ کرام کا موقفِ حق سے ہٹنا اجتہادی خطا کے باعث تھا۔ نمبر چار میں خطاء فی الاجتہاد کرنے والوں کی معذوری کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا۔

نمبر پانچ میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک اور اہم نکتے کی وضاحت کی اور وہ یہ کہ یہ تخطیہ وتصویب دیگر مجتہد فیہ مسائل کے برخلاف قطعی ہے۔

یہ وضاحت درحقیقت اس مسئلے میں احقاقِ حق کی انتہاء ہے ورنہ عام طور پر بہت سے حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برحق مانتے ہوئے بھی اسے ایک ظنی مسئلہ تصور کرتے ہیں جس سے فائدہ اٹھا کر ناصبی حضرات تلبیسات کا جال پھیلا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں خطاء اور تصویب ظنی ہی ہوتی ہے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر مصیب ہیں بھی تو ظنی طور پر اور اگر اہلِ شام مخطی ہیں بھی تو ظنی طور پر۔ پس یقین کے ساتھ ان معاملات میں کچھ بھی کہنا جائز نہیں۔

مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس قسم کی موشگافیوں کو اہلِ سنت کے مسلک کے خلاف قرار دیتے ہوئے یہاں تصویب وتخطیہ کے قطعی ہونے کو واضح کیا ہے۔

یاد رہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس رائے میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی یہاں اہلِ سنت کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب اور ان کے مخالفین کے تخطئہ کو قطعی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ کوئی بیس پچیس سال پہلے مختلف مراکزِ افتاء میں بھیجا گیا تھا۔ جامعہ امدادیہ کے دارالافتاء میں اس کا جواب حضرت مفتی مجاہد شہید رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا اور پھر تصدیق کے لیے اسے دارالعلوم کراچی بھیجا گیا حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس پر ایک نوٹ لکھا جو مسئلے کی قطعیت کو واضح کرتا ہے۔ انہوں نے لکھا تھا:

''بعض اوقات ایک مجتہد کوئی موقف اس لیے اختیار کرتا ہے کہ معارض دلائل اس پر واضح نہیں ہوتے، اس لیے وہ

مجتہد معذور ہوتا ہے لیکن بعد میں دلائلِ قطعیہ سے اس کی تردید ہوجاتی ہے۔ایسی صورت میں اس کی نسبت سے تو مسئلہ ظنی تھا مگر بعد کے لوگوں کے لیے ان کا تخطیہ قطعی ہوجاتا ہے گو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہونے کی بناء پر اس کا خلاف موجبِ کفر نہ ہو۔

کمافی شوادر مذهب بعض الصحابة كمذهب ابی ذر فی الاكتناز، ومذهب ابن عباس فی مسح الرجلين ومذهب ابن عمرفی جواز الصرف وغيره.

اس کی دوسری تعبیر یوں بھی ممکن ہے کہ ظنی کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جس کا خلاف اب بھی شرعاً جائز ہو۔جیسا کہ اکثر مسائلِ فقہیہ۔دوسرے وہ جس کا خلاف اب شرعاً جائز نہ ہو۔دوسری قسم قریب بہ قطعی ہوتی ہے۔کالامثلۃ السابقۃ۔احقر کو ایسا لگتا ہے کہ حضرت مُعاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا اختلاف اصلاً اجتہادی تھا اور حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ظنی تھا۔لیکن بعد میں وضوحِ دلائل اور اہلِ سنت کے اتفاق کے بعد وہ یا تو قطعی ہوگیا، یا ظنی قسم دوم جس کا خلاف جائز نہیں۔''

(اصلاحی نوٹ از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی، برفتویٰ حضرت مفتی محمد مجاہد شہید (جامعہ امدادیہ فیصل آباد، بابت مشاجراتِ صحابہ، ص ۴۷۔فوٹو کاپی۔اصل دارالافتاء جامعہ امدادیہ کے ریکارڈ میں ہے۔)

اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اہلِ سنت کے مسلک پر وارد ہونے والے بعض اعتراضات کے کافی وشافی جوابات دیے ہیں۔غرض یہ مقالہ جو اختصار کے باوجود جامعیت کا حامل ہے، نہایت علمی وتحقیقی ہے اور مشاجرات کے حوالے سے اہلِ سنت کے مذہب کو پوری طرح مدلل اور روشن کردیتا ہے۔

.....☆.....

فہم حدیث جلد اوّل:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''فہمِ حدیث'' کے نام سے احادیثِ نبوی کی اردو زبان میں عام فہم تشریح کا جو کام کیا ہے، وہ انتہائی قابلِ قدر ہے۔ان کی عبارت میں زبان وبیان کی پاکیزگی وسلاست، اعتدالِ فکر، علمی متانت اور جامع ومانع کلام جیسی جو خوبیاں ہیں، وہ ''فہمِ حدیث'' میں عروج پر دکھائی دیتی ہیں۔

''فہم حدیث'' کی پہلی جلد کا تعلق عقائد اور ایمانیات سے ہے۔اس ضمن میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پورا اہتمام کیا ہے کہ احادیث کی روشنی میں اُمت مسلمہ کے سامنے وہ تمام ضروری باتیں بیان کردی جائیں جن کا ایک عقیدے کے طور پر ایک مسلمان کے لیے جاننا ضروری ہے۔

پھر باطل فرقوں کے افکار کی یلغار کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے ان کے ہر اہم اور مشہور فکری حملے کا جواب احادیث کی تشریحات کے ضمن میں حسبِ موقع وحسبِ ضرورت دیا ہے اور احادیث کے مقاصد کو زیادہ نمایاں کرکے صحیح

مذہب کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام کے فضائل ومناقب کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے خلافت راشدہ کے قدیم اور صحیح مفہوم کا دفاع کیا ہے اور نئے خودساختہ مفاہیم کی نفی کی ہے۔اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد ہونے کی حیثیت کو اچھی طرح ثابت کیا ہے۔مشاجرات کے باب میں انہوں نے قصاصِ عثمان لینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درپیش رکاوٹوں کو نمبروار بیان کیا ہے اور جمل وصفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب کو کھول کر بتانے کے ساتھ ساتھ مدمقابل صحابہ کی عظمت کو بھی بٹہ نہیں لگنے دیا۔انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان کے بیان میں ایک پورا باب پیش کر دیا ہے اور یزید کی ولی عہدی کے حوالے سے ان کی تنقیص کرنے والوں پر اتمام حجت کر دیا ہے۔

یزید کے کردار پر اس وقت ابحاث کا بازار بُری طرح گرم ہے اور افراط وتفریط کا یہ عالم ہے کہ الامان والحفیظ۔تاہم جو شخص حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ان تشریحات کو پڑھ لے جو انہوں نے اہلِ بیت کی شان میں وارد احادیث کے ضمن میں پیش کی ہیں، وہ ان شاءاللہ راہِ اعتدال پر رہے گا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ یزید کا غلط کار اور ظالم وجابر ہونا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا برحق اور مظلوم ہونا ثابت کر کے ناصبیت کے پھیلائے ہوئے تلبیسی جال کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔فجزاہ اللہ تعالیٰ عن سائر الامة احسن الجزاء

.....☆.....

مقدمہ بر ''یزید کی شخصیت ابن جوزی کی نظر میں'':

یزید کے بارے میں جمہور اُمت کے موقف کا حاصل یہ ہے کہ اس کے فسق پر اجماع ہے مگر اس پر لعنت کی احتیاطاً ممانعت ہے۔جمہور کے برخلاف ایک طبقے کی یہ رائے بھی رہی ہے کہ یزید پر لعنت کی جاسکتی ہے کیونکہ اس طبقے کے نزدیک یزید اہانتِ اہلِ بیت اور مصائبِ صحابہ عظام پر خوش ہونے کے باعث کافر تھا، اس لیے اس پر لعنت جائز ہے۔جبکہ ایک طبقہ آج کل یزید کو امیر المؤمنین کہہ کر یاد کرنے لگا ہے۔یہ مرض صدیوں پہلے بغداد کے ایک عالم علامہ عبدالمغیث کو ہوا تھا۔شاید عالم اسلام میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے یزید کی حمایت میں ایک کتاب لکھ ڈالی۔اس دور میں بغداد میں اہلِ سنت کے نامور محدث، مصنف اور واعظ علامہ ابن جوزی کا آفتابِ علم نصف النہار پر تھا۔انہوں نے عبدالمغیث کی متشددانہ کتاب کے جواب میں ایک رسالہ: ''الرد علی المتعصب العنید المانع لذم یزید'' تحریر فرمایا جو ناصبیت کے ڈسے ہوئے ذہنوں کے لیے مانندِ تریاق تھا۔

ایک مدت سے یہ رسالہ نایاب ہو گیا تھا۔کچھ عرصہ پہلے یہ عالم عرب سے دوبارہ شایع ہوا مگر اردو دان طبقہ اس کی برکات سے محروم تھا۔چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے معتمد شاگرد حضرت مفتی شعیب صاحب

سے اس کا عام فہم ،سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کروایا جو''یزید کی شخصیت ابن جوزی کی نظر میں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے اس کے شروع میں خود ایک بڑا جاندار اور مبنی بر اعتدال مقدمہ لکھا ہے جس میں یزید کے بارے میں اہلِ سنت کے موقف کی وضاحت کی ہے اور یزید کے بُرے کارناموں کا مستند حوالوں سے تذکرہ کیا ہے، تاہم ساتھ ساتھ وقعہ حرہ میں یزیدی فوج کی طرف منسوب بعض روایات کے ناقابلِ اعتماد ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے مگر یہ بھی واضح کیا ہے کہ مجموعی طور پر ذخیرہ حدیث، ذخیرہ تاریخ اور اقوالِ علمائے اہلِ سنت سے یزید کا ظالم وجابر اور فاسق ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔

.....☆.....

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نہ صرف اہلِ بیت کی عظمت کے نظریے کی ترویج اور ناصبیت یا مائل بہ ناصبیت افکار کا پردہ چاک کرنے کے لیے مستعد رہے بلکہ ان کی اس پر بھی نگاہ تھی کہ اپنے لوگ تعظیم اہلِ بیت اور ردِ ناصبیت کے جوش میں کہیں اسلاف کی طے کردہ حدود نہ پھلانگ جائیں اور اَن جانے میں اہلِ تشیع کے افکار کی تقلید نہ شروع کر دیں۔

چنانچہ ظفر اللہ شفیق صاحب کی کتاب ''امام حسین اور واقعہ کربلا'' اگرچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقصد اور قربانی کی تائید اور یزید اور اس کے حامیوں سے اظہارِ برأت کی فکرِ صحیح کے گرد گھومتی تھی اور اسی بنیادی صحتِ فکر کے باعث حضرت نفیس شاہ الحسینی رحمہ اللہ نے اس پر تقریظ تحریر فرمائی اور بعض دیگر اہلِ علم اور اہلِ معرفت نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جس دقتِ نگاہ سے اس کا مطالعہ کیا، وہ انہی کا خاصہ تھا، چنانچہ انہوں نے اس کے بعض مندرجات میں غلوّ کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا اور کوشش کی کہ فاضل مصنف ان مقامات کی اصلاح کر لیں ۔مگر یہ کوشش بے سود رہی اور فاضل مصنف نے ردّعمل کے طور پر ایک اور کتاب ''اظہارِ مودت'' تصنیف کر دی۔تب حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے احقاقِ حق کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ''جوابِ نفیس'' کے نام سے اپنا موقف بیان کیا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جدوجہد کے بارے معتدل طرزِ فکر کا دفاع ہے اور تشیع کی طرف مائل ذہن کی اصلاح کرتا ہے۔

.....☆.....

اصلاحِ عقائد اور ردِّ فتن کے باب میں یہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی عالیشان خدمات کا ایک مختصر سا طالب علمانہ جائزہ تھا۔اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے بھر دے اور انہیں ان کی عملی خدمات کا اپنے شایانِ شان بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

.....☆☆☆.....

ماہنامہ الشریعہ اور مولانا زاہد الراشدی صاحب

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی نظر میں!

مولانا حمزہ احسانی صاحب

ماہنامہ صفدر، لاہور

ماہنامہ ''الشریعہ'' دجالیت کا مظہر ہے:

☆.....ماہنامہ ''الشریعہ'' اور اُس کے ذمہ داران کی دین اور مسلک کش پالیسیوں کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آخر تک اُن سے نالاں ہی رہے، حتی کہ ایک فتوے میں لکھا:

''رسالہ ''الشریعہ'' تو اس دور کی دجالیت کا مظہر ہے۔ یہ بلاوجہ اسلاف پر اعتماد میں شک کے کانٹے بوتا ہے۔ اس کی نظر میں پہلے زمانے کے متبحرین فی العلم اور جاوید احمد غامدی برابر کے درجے کے ہیں کیونکہ ان کی رائے کے ساتھ ساتھ جاوید غامدی کی رائے کو بھی درج کیا جاتا ہے۔''

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کی روش سے دل گرفتہ تھے:

☆.....عم مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب کی طرف سے اپنے فرزند دلبند عمار خان کی پشت پناہی، ان کے ساتھ ہمدردی اور ان کے ناجائز دفاع اور دیگر ناانصافیوں پر بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ افسوس فرمایا کرتے تھے، چنانچہ خود لکھتے ہیں:

''متجد دین (Modernists) میں سے جاوید غامدی کو کچھ ناسمجھ لوگوں میں مقبولیت حاصل ہوئی جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان کی گمراہیوں کو نہ سمجھ سکے۔ جاوید غامدی بات کرتے ہیں تو قرآن وحدیث کے حوالے دیتے ہیں جس سے سننے والے یہ تاثر لیتے ہیں کہ یہ منکر حدیث نہیں ہیں۔ ان کی خرافات کو سمجھنے کے لیے ہمارے کتابچے'' تحفہ غامدی'' کا مطالعہ کیجئے۔ بعض اور حضرات نے بھی غامدی صاحب کی گمراہیوں کو کھولا ہے۔

مقام عبرت ہے کہ جاوید غامدی باقاعدہ عالم نہیں ہیں لیکن دو چار وہ افراد جو معروف مدرسوں کے پڑھے ہوئے ہیں انہوں نے بھی غامدی صاحب کی بارگاہ عقیدت میں سر جھکا کر اپنے علم کو ان پر فدا کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک غامدی صاحب کے شاگرد رشید مولوی عمار خان ناصر ہیں جو مشہور و معروف مولانا زاہد الراشدی

صاحب کے صاحبزادے ہیں۔عمار خان، جاوید غامدی کو ہم عصر اہل علم میں سے شمار کرتے ہیں اور ان کے بے باک ترجمان ہیں۔دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا نیا ایڈیشن لوگوں میں پھیلائیں۔مولوی عمار خان چونکہ مولوی بھی ہیں اس لیے وہ علم کے نام پر ایک تو علماء کے اندر انتشار پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور دوسرے عوام کو اہل حق علماء سے برگشتہ کرنے کے شغل کو بھی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب ان کے پشت پناہ ہیں۔'' [نیا اسلام:۶]

''جاوید غامدی اور عمار خان مولانا زاہد الراشدی صاحب کے معیار پر کس قدر پورے اُترتے ہیں، مولانا کو اس بارے میں اپنی ذمہ داری کا احساس تک نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں کہ یہ نوجوان حق کے طالب ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔عمار خان ہی کی تحریریں پڑھئے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ اپنے افکار میں پختہ اور جامد ہیں۔حق طلبی سے انہیں دلچسپی نہیں ہے اور ان کی اصل غرض جاوید غامدی کے اور اپنے افکار کی اشاعت ہے۔'' [نیا اسلام:۷]

''مولانا زاہد الراشدی صاحب سے ہمیں شکوہ ہے کہ جب وہ سنت کا وہ معنی لیتے ہیں جو چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے اور جب اجماعی تعامل اور اہل سنت کے مسلمات کے وہ قائل ہیں تو انہیں اندازہ تو ہوگا کہ عمار خان کی کونسی بات درست ہے اور کونسی غلط ہے۔ لیکن مولانا اپنی رائے دینے کے بجائے آزاد غور وفکر کے نام پر دوسروں کو لڑا کر اور الجھا کر خود تماشا دیکھتے ہیں۔مولانا کو جاوید غامدی اور عمار خان سے ہمدردی ہے لیکن دوسرے عام وخاص مسلمانوں سے اور دین حق سے وہ اس طرح ہمدردی کا اور حدیث الدین النصیحہ پر کلی عمل کا مظاہرہ نہیں کررہے، حالانکہ عمار خان نے ذرا ذرا سی مثالیں دے کر کسی بھی مناسبت کے بغیر محض اپنے اجتہاد کے لیے ہادم دین ضابطے نکالے ہیں۔'' [نیا اسلام:۸]

''یہ بطور نمونہ ان ضابطوں میں سے ہیں جو عمار خان نے اپنی کتاب ''حدود وتعزیرات'' میں ذکر کیے ہیں اور جن کو وہ تلبیس سے کام لیتے ہوئے اہل سنت کے ضابطے قرار دیتے ہیں۔جن اہل علم حضرات کو جاوید غامدی اور عمار خان جیسوں سے ہمدردی ہے کیا وہ ان اصول وضوابط کو ان مقاصد سمیت جو یہ لوگ بتاتے ہیں اہل سنت کے اصول وضوابط مانتے ہیں؟ عمار خان کے بتائے ہوئے ان ضابطوں پر ہم آگے تفصیل سے کلام کریں گے۔ہم ان اہل علم حضرات سے کیا یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ تاویلوں کے چکر میں پڑنے کے بجائے حق کو حق کہیں اور باطل کو باطل کہیں۔تاویل ان لوگوں کے کلام میں کی جاتی ہے جو اہل سنت ہوں، اہل حق ہوں اور تسلیم شدہ اہل علم ہوں۔ جبکہ عمار خان سے بحالات موجودہ جس طرح کی ہمدردی کی جارہی ہے اور جس طرح ان کا دفاع کیا جارہا ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہے **من وقر صاحب بدعة فقد اعان علي هدم الاسلام.**'' [نیا اسلام:۱۱،۱۲]

''یہ سب کچھ ذکر کرکے ہم نے بہت رعایت کردی ورنہ عمار خان کو تو کچھ کہنے اور لکھنے کا شرعی حق نہیں ہے کیونکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اور جو کچھ وہ کررہے ہیں اور جو مزید وہ کرنا چاہتے ہیں ان سب کا حاصل دین اسلام کو اپنی رائے کے مطابق نئی شکل دینا ہے۔یہ غرض فاسد ہے۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب ان سب باتوں سے یقیناً واقف ہوں گے کیونکہ سمجھ بوجھ والے آدمی ہیں۔پھر بھی وہ جہاں دوسروں کا علمی دباؤ محسوس کرتے ہیں عمار خان کے دفاع میں آجاتے ہیں اور حق بات کہنے کے فریضے کو ترک کردیتے ہیں۔'' [نیا

اسلام:۱۳،۱۴]

مولانا زاہد الراشدی کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آپ ہمارے قابل احترام بزرگ ہیں اور آپ اس بات کو بخوبی جانتے ہوں گے کہ دین ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ تم دیکھو، دین کی بات کس سے لے رہے ہو، اسی طرح یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ جو شخص نا اہل ہو، خواہ وہ عام آدمی ہو یا پروفیسر ہو یا کم علم یا ناقص علم عالم ہو، وہ اگر قرآن پاک کے بارے میں کچھ کہے اور اتفاق سے وہ بات درست ہو، تب بھی اس نے غلطی کی۔ ہاں یہ بات ہے کہ اگر کسی کو کوئی اشکال پیش آتا ہے تو اس کا حل بتانا علماء سے مطلوب ہے۔

اس کے باوجود آپ شرعی احکام میں اور قرآن وحدیث کے بارے میں آزادانہ بحث ومباحثہ کے حق میں ہیں، جس میں اس کی کوئی تمیز نہیں کہ رائے دینے والا اہل ہے یا نہیں۔

اور اس کا تو ہم آپ سے مطالبہ ہی نہیں کرتے کہ آپ بتائیں کہ: اب تک ''الشریعہ'' کے آزادانہ بحث ومباحثہ سے کتنے لوگوں نے ہدایت حاصل کی ہے، کیونکہ جن کے سامنے یہی نہ ہو کہ حق کیا ہے اور حقانیت کا معیار کیا ہے، وہ حق کو کیا سمجھیں گے؟ ہم آپ کی روش سے دل گرفتہ ہیں۔ کیا ہمارے لیے آپ کی طرف سے مایوسی اور حسرت وافسوس ہی مقدر ہے؟ والی اللہ المشتکیٰ

عبدالواحد.....دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور.....۲۰/اکتوبر ۲۰۱۱ء'' [ماہنامہ الشریعہ: ۵۱۔ نومبر ۲۰۱۱ء]

معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک:

۱۔ عمار خان ناصر صاحب، جاوید غامدی کے بے باک ترجمان ہیں۔ جو علم کے نام پر علماء میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ اور عوام کو اہل حق سے برگشتہ کرنے میں مشغول ہیں۔ اور مولانا زاہد الراشدی صاحب اُن کے پشت پناہ ہیں۔

۲۔ مولانا زاہد الراشدی کو اپنی ذمہ داری کا احساس تک نہیں ہے۔

۳۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب شاید اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ نوجوان حق کے طالب ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عمار خان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے حق طلبی سے دلچسپی نہیں۔ محض جاوید غامدی اور اپنے افکار کی اشاعت مقصود ہے۔

۴۔ مولانا زاہد الراشدی کو معلوم ہے کہ عمار خان کی کون سی بات غلط ہے اور کون سی درست۔ مگر وہ اپنی رائے دینے کے بجائے دوسروں کو لڑا کر اور اُلجھا کر خود تماشا دیکھتے ہیں۔

۵۔ مولانا کو عمار خان سے ہمدردی ہے۔ لیکن وہ دوسرے عام وخاص مسلمانوں اور دین حق سے ہمدردی کا اور الدین النصیحہ پر کلی عمل کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔

۶۔ بحالات موجودہ عمار خان سے ہمدردی اور اس کا دفاع اس حدیث کا مصداق ہے: من وقر صاحب بدعة فقد أعان علىٰ هدم الاسلام.

۷۔ مولانا زاہد الراشدی جہاں دوسروں کا علمی دباؤ محسوس کرتے ہیں، عمار خان کے دفاع میں آجاتے ہیں اور حق

بات کہنے کے فریضہ کو ترک کر دیتے ہیں۔

۸۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کی روش سے دل گرفتہ ہی رہے۔

۹۔اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کی طرف سے اُن کے لیے حسرت وافسوس ہی مقدر رہا۔

۱۰۔ماہنامہ ''الشریعہ'' اِس دور میں دجالیت کا مظہر ہے۔

ماہنامہ الشریعہ کی روش کو سامنے رکھتے ہوئے اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ سو فیصد حقیقت کے مطابق ہے کہ: ''ماہنامہ الشریعہ اِس دور میں دَجّالیت کا مظہر ہے۔''

.....☆☆☆.....

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ اور علوی مالکی

مولانا حمزہ احسانی صاحب
ماہنامہ صفدر، لاہور

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ پاکستان کے اُن چوٹی کے علماء ومشائخ میں شمار ہوتے ہیں جن پر ہر اعتبار سے اعتماد اور بھروسہ کیا جاتا ہے۔ علم وتحقیق میں بے مثال گہرائی وگیرائی، باریک بینی، جملہ جہات کا احاطہ، ہر پہلو پر نظر اور ہر اعتبار سے جامع مانع تحقیقات .....عقائد وافکار میں اَسلاف کے قدم بقدم، رسوخ اور تصلب میں اَکابر کا پرتَو، **لایخافون لومة لائم** کا کامل مصداق، اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریات اور 'علمی مسلمات' سے سرمو انحراف نہ خود کیا نہ برداشت کیا.....عملی اور روحانی اعتبار سے قرون ماضیہ کی یادگار، سادگی، للّٰہیت، تقویٰ اور خدا خوفی کا اعلیٰ نمونہ.....اس کے ساتھ ہم عصر علماء ومشائخ کا حضرت مفتی صاحب کے علم وتقویٰ پر اعتماد اِس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پوری امت مسلمہ کا عظیم اور قیمتی ترین سرمایہ تھے۔

علم میں رسوخ، عقائد میں تصلب اور اسلافِ امت کی زندگیوں سے واقفیت کی بنا پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اُمت سے کٹنا اور جمہور سے الگ راستہ اختیار کرنا سلامتی کی راہ نہیں ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کا علمی تعاقب کرنا، عوام کو اُن سے خبردار کرنا اور اُن کا شرعی حکم واضح کردینا علماء وقت کی اہم ذمہ داری ہے۔ اور اس ذمہ داری سے صرف نظر کرنا یا اس میں سستی وکوتاہی کرنا فکری اور اعتقادی حوالے سے انتہائی خطرناک ہے۔ جس کا نتیجہ امت کے لیے گمراہی کا راستہ کھلا چھوڑ دینے کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے کہ کہیں کوئی عوام کے ایمان پر ڈاکہ تو نہیں ڈال رہا، کوئی فرد یا گروہ اَخلاف کو اَسلاف سے بدظن تو نہیں کررہا، اسلامی نظریات اور احکامات پر شب خون تو نہیں مارا جارہا، **ماأنا علیه واصحابی** کو چھوڑ کر کسی اور راہ کو نشانِ نجات تو نہیں باور کرایا جارہا۔ چودہ سو سالہ روایت سے ہٹ کر کسی فکر وعمل کو دیوبندیت کا نام تو نہیں دیا جارہا، بدعات ورسومات کو اکابر کا مسلک ومشرب تو نہیں قرار دیا جارہا، احسان وسلوک اور تصوف کے پاکیزہ سلسلے

کو محدثات سے آلودہ تو نہیں کیا جارہا، من پسند ترتیبات کو شرعی عمل اور خود ساختہ اصولوں کو فقہی ضوابط کے طور پر تو نہیں پیش کیا جارہا، عبادات میں شرعی حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے حدود شرعیہ کو پامال تو نہیں کیا جارہا، غیر ضروری چیزوں پر اصرار کر کے غیر لازم کو لازم تو نہیں قرار دیا جارہا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو آپ رحمہ اللہ خوب غور و فکر کے بعد انتہائی حزم و احتیاط سے اِس بارے اپنی ذمہ داری کو پوری ذمہ داری سے ادا کرتے اور موقع محل کی مناسبت سے جو اقدام مناسب و مفید ہوتا، وہ اٹھاتے اور اِس سلسلے میں کسی بڑے، چھوٹے، اپنے، پرائے، مشہور، غیر مشہور، عوام میں مقبول، غیر مقبول ہونے کا لحاظ قطعاً نہیں فرماتے تھے۔ اس طرح آپ کو چومکھی لڑائی لڑنی پڑی، مختلف انداز میں آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا، جملے کسے گئے، بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں، ذاتیات تک کو زیر بحث لا کر کیچڑ اُچھالا گیا، مگر آپ نے احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر کسی کی پرواہ نہیں کی۔ بلاخوف لومة لائم حق گوئی کی یہی وہ صفت ہے جو آپ کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے۔

شیخ علوی مالکی اور ان کے متعلقین کے بارے حضرت کی تحریرات:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کتب کی طویل فہرست میں ایک بڑی تعداد اُن تحریرات کی ہے جو احقاق حق اور ابطال باطل کے جذبے سے لکھی گئیں، اُن میں سے فقط ایک عنوان اِس وقت زیر بحث ہے: ''شیخ محمد بن علوی مالکی اور اس کے مؤیدین''۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اِس حوالے سے متعدد تحریرات رقم فرمائیں، جن کی تاریخی ترتیب ہماری معلومات کے مطابق درج ذیل ہے:

۱.....جوابی مکتوب بنام انوار احمد صاحب [رجب ۱۴۱۳ھ۔ اوائل ۱۹۹۳ء۔ تحفظ عقائد: ۱۴۱]

۲.....ہمارے اکابر کا اصل مسلک [اگست، ستمبر ۱۹۹۳ء، ماہنامہ انوار مدینہ۔ تحفظ عقائد: ۵۷۵]

۳.....جوابی مکتوب بنام قاری صاحب [ربیع الاول ۱۴۱۴ھ۔ اگست ۱۹۹۳ء۔ تحفظ عقائد: ۵۷۸]

۴.....اصلاح مفاہیم پر ایک نظر! [اگست تا نومبر ۱۹۹۴ء، ماہنامہ انوار مدینہ، تحفظ عقائد: ۳۳۳]

۵.....رسالہ اکابر کے مسلک و مشرب کے تیسرے ایڈیشن پر ایک نظر [جون ۱۹۹۵ء، انوار مدینہ]

۶.....جوابی مکتوب بنام مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم [۱۹۹۵ء۔ تحفظ عقائد اہل سنت: ۵۹۷]

۷.....محمد علوی مالکی کے عقائد اُن کی تحریرات کے آئینے میں [انوار مدینہ، حق چار یار اگست ۱۹۹۹ء]

۸.....داستانِ عبرت نمبر (۱) (حضرت شیخ الحدیث کے چار خلفاء کی داستان) [نومبر ۲۰۰۰ء، حق چار یار]

۹.....مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے رجوع نامہ پر ایک نظر [دسمبر ۲۰۰۰ء، ماہنامہ حق چار یار]

۱۰.....داستان عبرت نمبر (۲) [دسمبر ۲۰۰۲ء، ماہنامہ حق چار یار۔ تحفظ عقائد اہل سنت: ۶۸۶]

۱۱..... مکتوب بنام مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی [تحریر: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ، اپریل ۲۰۱۶ء، اشاعت: مجلّہ

صفدر: جون ۲۰۱۹ء، ص: ۴۱]

اِن درجن کے قریب تحریرات میں سے بعض ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور میں شائع ہوئیں اور بعض ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور میں۔ اور بعض دونوں رسائل میں۔ بعض تحریرات الگ کتابچوں کی شکل میں بھی شائع ہوتی رہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے مضامین کے مجموعہ ''فقہی مضامین'' میں بھی بعض شامل ہیں۔ بعدازاں اکثر تحریرات علوی مالکی کی کتاب کے ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' پر ''تحقیقی نظر'' نامی کتاب [مرتبہ: مولانا مفتی محمد ابوبکر بن مفتی شیر محمد علوی] میں شامل ہوئیں۔ پھر اُس کتاب کے نایاب ہونے کے بعد اِس عنوان سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تقریباً تمام تحریرات ''تحفظ عقائد اہل سنت'' [مرتبہ: مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم] میں شامل کی گئیں۔ قارئین ''تحفظ عقائد اہل سنت'' میں حضرت مفتی صاحب کی اِس حوالے سے جملہ تحریرات سمیت اِس فتنہ کا مکمل تعارف ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات کا خلاصہ عرض کریں گے۔ ان شاء اللہ

(۱).....''علوی مالکی کے عقائد اُن کی تحریرات کے آئینے میں!''

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''مکہ مکرمہ کے رہنے والے ایک عرب گھرانے کے فرد محمد علوی مالکی صاحب (جو مسلکاً بریلوی تھے۔ ان کے والد اور دادا دونوں کو جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کے بیٹے مصطفیٰ رضا خان صاحب سے اجازت وخلافت حاصل تھی اور خود محمد علوی صاحب احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ مولانا ضیاء الدین قادری مدنی کے خلیفہ تھے۔ [دیکھیے: مقدمہ زبدۃ الاتقان، مترجم، مطبوعہ: فرید بک سٹال، لاہور] ناقل) نے منجملہ دیگر کتابوں کے "الذخائر المحمدیہ" اور "حول الاحتفال بذکری المولد النبوی الشریف" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کے بہت سے مندرجات پر سعودی عرب کے علماء بورڈ کے ایک رکن اور مکہ مکرمہ کے قاضی شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے اعتراض کیا اور ان کے رد میں ایک کتاب ۱۴۰۳ھ میں شائع کی جس کا نام "حوار مع المالکی فی رد منکراتہ وضلالاتہ" رکھا، اس کتاب کے مقدمہ میں سعودیہ کے قاضی القضاۃ شیخ عبدالعزیز بن باز نے لکھا:

''محمد علوی مالکی صاحب کی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود بہت سی قابل نکیر باتوں پر میں مطلع ہوا۔ ان کتابوں میں سب سے مقدم ان کی وہ قابل مذمت کتاب ہے جس کا نام انہوں نے "الذخائر المحمدیہ" رکھا ہے۔ ان قابل نکیر باتوں میں ایک یہ ہے کہ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی صفات کی نسبت کی گئی ہے جو (محض) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خصائص میں سے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں'' اور یہ کہ ''آپ جنت کی زمین بطور جاگیر دے سکتے ہیں'' اور یہ کہ ''آپ غیب اور روح

اوران پانچ چیزوں کا علم جانتے ہیں جن کے جاننے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص رکھا ہے۔''

علوی مالکی صاحب کے چند نظریات:

ذیل میں علوی مالکی صاحب کے چند باطل نظریات اُن کی کتب کے حوالہ سے پیش کیے جاتے ہیں:

[۱]..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر شے کا علم دیا گیا ہے:

"وأوتی علم کل شئی حتی الروح والخمس التی فی آیة ان اللہ عندہ علم الساعة....الخ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا یہاں تک روح کا بھی اور مغیبات خمسہ کا بھی جن کا ذکر ﴿ان اللہ عندہ علم الساعة ... الخ﴾ آیت میں ہے۔[الذخائر المحمدیہ:۲۰۵]

[۲]..... جو علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے علاوہ کو بھی دیا گیا ہے:

"وکم من أمور جاء ما یدل علیٰ أنها حق اللہ سبحانه وتعالیٰ ولکنه سبحانه وتعالیٰ من بها علی نبیه صلی اللہ علیه وسلم وغیره.... فمنها علم الغیب....الخ" کتنے ہی امور ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور دوسروں کو بھی احسان کے طور پر عطا فرمائے....ان میں سے ایک علم غیب ہے۔

[مفاهیم یجب أن تصحح: ۸۳، هو اللہ :۸۹]

[۳]..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے:

"روحانیة المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم حاضرة فی کل مکان فهی تشهد أماکن الخیر ومجالس الفضل....الخ" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ہر جگہ موجود ہے، لہٰذا وہ خیر کی جگہوں اور فضل وذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ روح ہونے کے اعتبار سے روح برزخ میں مقید نہیں ہوتی بلکہ آزاد ہوتی ہے اور اللہ کی ملکوت میں پھرتی ہے۔[الذخائر المحمدیه:۲۵۹]

[۴]..... آپ ﷺ کی قسم کھانا جائز ہے:

"ویجوز أن یقسم علی اللہ به ولیس ذلک لأحد [غیره]" [الذخائر المحمدیه: ۲۰۶]

جائز ہے کہ اللہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھائی جائے اور کسی کے لیے جائز نہیں۔

اس کے علاوہ بھی بعض باطل نظریات ان کی کتب میں درج ہیں، طوالت کے خوف سے اِنہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ان عقائد کی بنا پر سعودی علماء محمد علوی صاحب کو بدعتی اور اہل سنت سے خارج سمجھتے ہیں۔اور انہی باطل نظریات کی وجہ سے ہمارے اکابر نے اُن کو بدعتی اور اہل سنت سے خارج قرار دیا ہے۔واللہ اعلم

علوی مالکی کی کتاب ''مفاہیم'' کا پس منظر:

۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء) میں علوی مالکی صاحب نے اپنے مخالفین کے جواب میں ایک کتاب ''**مفاهيم يجب أن تصحح**'' شائع کی اور اس کے لیے مختلف ملکوں کے علماء سے تقاریظ وتصدیقات حاصل کیں۔ یہ تقاریظ ۶۲ رصفحات پر پھیلی ہوئی ہیں جبکہ بعض تقاریظ کی اشاعت سے طوالت کے سبب معذرت کر لی گئی ہے۔

تصدیقات لکھنے والے بعض تو شروع ہی سے بدعتی ہیں اور بعض جدید قسم کے پروفیسر ہیں۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والے جناب صوفی محمد اقبال صاحب، مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب، اور حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ہیں، لیکن حضرت کی وفات کے بعد انہوں نے علوی مالکی صاحب سے اپنی ارادت کا تعلق جوڑ لیا ہے۔ ان میں سے کل یا بعض کی کاوشوں سے پاکستان کے بعض اکابر، مہتمم اور خطیب حضرات سے بھی تصدیقات وتقریظات حاصل ہوگئیں جنہوں نے پڑھے بغیر محض ان حضرات پر اعتماد کیا۔ اور اگر کسی نے کتاب پڑھ کر کچھ تنقید اور تنبیہ کی جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے کی تو ان کی تقریظ کو سرے سے کتاب میں شائع ہی نہیں کیا۔

علوی مالکی صاحب نے بہت سی تقاریظ محض اس لیے شائع کی ہیں تاکہ اپنے مخالف سعودی علماء کو یہ تأثر دے سکیں کہ ''تم ہی غلطی پر ہو، ہمیں تو دنیا بھر کے علماء کی تائید حاصل ہے''۔ [ملخصًا]

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحریر کے اس خلاصے سے معلوم ہوا کہ

۱.....علوی مالکی، بریلوی اَفکار وعقائد کے حامل تھے۔

۲.....اُن کے غلط عقائد کی بنا پر سعودی علماء اور ہمارے اکابر نے انھیں بدعتی اور خارج از اہل سنت قرار دیا۔

۳.....شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اُن کے خلفاء جناب صوفی محمد اقبال مرحوم اور مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم وغیرہ نے علوی مالکی سے ارادت کا تعلق جوڑ لیا تھا۔

۴.....علوی مالکی کی کتاب ''مفاہیم'' پر جو تقاریظ کا انبار ہے، اُن میں بعض بدعتی، بعض جدید قسم کے پروفیسر حضرات ہیں۔ اور اکثر حضرات نے کتاب پڑھے بغیر ہی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم کے اعتماد پر تقریظات وتائیدات ثبت کر دیں۔

۵.....اگر کسی نے کتاب پڑھ کر تقریظ لکھی اور اس پر تنقید کی تو اسے شائع ہی نہیں کیا گیا۔

۶.....علوی مالکی کا ''مفاہیم'' لکھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ علوی مالکی کی بدعات پر نقد کرنے والے سعودی علماء کو باور کرایا جاسکے کہ تم ہی غلط ہو۔ ہماری تائید تو پوری دنیا کے علماء نے کر دی۔

(۲).....علوی مالکی کی کتاب کے ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' پر ایک نظر:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے مضمون ''اصلاح مفاہیم پر ایک نظر'' میں لکھتے ہیں:

''مقصد تو بہت ہی اچھا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہر اہل حق یہی چاہے گا کہ امت بجائے منتشر ہونے کے متحد ہو اور جو عملی و علمی گمراہیاں نظر آتی ہیں ان میں تخفیف ہو بلکہ سرے سے ختم ہی ہو جائیں، لیکن اتحاد اگر اس قیمت پر ہو کہ اہل حق، حق سے کچھ نیچے اُتر آئیں اور باطل کے ساتھ مصالحت کر لیں تو اول تو یہ بہت بڑی قیمت ہے جو فقط اہل حق کو ادا کرنا ہوگی اور پھر ثانیاً اس سے (بفرض محال) وجود میں آنے والے اتحاد کی حق کے اعتبار سے قدر و قیمت صفر ہوگی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مذکورہ کتاب کے مترجم و ناشرین وغیرہ ناسمجھی یا غلط فہمی سے مذکورہ قیمت پر مذکورہ اتحاد چاہتے ہیں۔'' [تحفظ عقائد: ۳۳۳]

نیز اس مضمون میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے درج ذیل عنوانات سے بحث کی ہے:

۱۔ حضرت سید نفیس شاہ رحمہ اللہ کا اپنی تائید سے رجوع

۲۔ میلاد النبی اور اس کے لیے اجتماع

۳۔ خصائص نبویہ [سایہ مبارک، سماع و نظر میں غلو، علم غیب، موہم ضلال عنوانات]

۴۔ غیر اللہ یعنی انبیاء و اولیاء سے استمداد و استغاثہ

ان عنوانات کے تحت تقریباً پچاس (۵۰) صفحات پر مشتمل تفصیلی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ''مفاہیم'' پر اپنی تائید سے رجوع کر لیا تھا۔

۲۔ فرائض و واجبات کے لیے لوگوں کو بلانا، جمع کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ لیکن نفلی کاموں کے لیے فرائض و واجبات کا سا اہتمام کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور یہ اُصول دین میں سے ایک اصل ہے کہ: ''نوافل و مستحبات کے لیے تداعی کے ساتھ اجتماع ناجائز ہے۔'' لہٰذا کسی خاص رات یا خاص مہینہ میں محفل میلاد کا انعقاد کرنا ناجائز اور ممنوع ہوگا۔

۳۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر کا سایہ مبارک تھا۔ لہٰذا سایہ کا انکار کرنا غلط ہے۔ نیز کائنات کی تمام چیزوں کو دیکھنا اور سننا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، کسی اور کو یہ صفت حاصل نہیں۔ اسی طرح علم غیب بھی خاصہ خداوندی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی ایسا عنوان اختیار کرنا جس سے آپ کے ''مختار کل'' ہونے کا تاثر ملے، غلط اور گمراہی کا وہم ڈالنا ہے۔

۴۔ اہل قبر سے مدد حاصل کرنا تین طرح کا ہے: [۱] قبر والے سے مدد مانگی جائے۔ یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ [۲] انبیاء کے علاوہ عام صاحبِ قبر سے دعا کی درخواست کی جائے۔ یہ اختلافی مسئلہ ہے، جو سماع موتی کے قائل ہیں، اُن کے نزدیک درست، اور دوسروں کے نزدیک نادرست ہے۔ [۳] اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ: یا اللہ! فلاں فوت شدہ بزرگ

کے وسیلے میری دعا قبول فرما۔ یا میرا فلاں کام کردے۔ یہ بالاتفاق جائز ہے۔

اِس کے علاوہ چند ذیلی عنوانات کے تحت مفید ابحاث حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے رقم فرمائی ہیں۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ علوی مالکی نے اپنی کتاب ''مفاہیم'' میں مندرجہ بالا عنوانات سے متعلق جو موقف اختیار کیا ہے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کے بالکل خلاف اور متضاد ہے۔

(۳).....رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کا جواب ''ہمارے اکابر کا اصل مسلک'':

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اُن کے بعض خلفاء (جن میں جناب صوفی محمد اقبال مرحوم اور مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم سرفہرست ہیں) نے علوی مالکی سے تعلق قائم کرلیا تھا۔ اور پھر اُن کی تمام تر کوششیں علوی مالکی افکار کی نشر واشاعت میں صرف ہونے لگیں۔ چنانچہ اس سلسلے کا پہلا قدم ''مفاہیم'' پر پاکستانی علماء سے تقاریظ حاصل کرنے کا تھا، جو مولانا عبدالحفیظ مکی کی وساطت سے ممکن ہوسکا۔ دوسری کاوش ''مفاہیم'' کے اردو ترجمے کی تھی، جو جناب حافظ صغیر احمد صاحب کے فرزند انیس احمد صاحب کے نام سے شائع ہوا۔ اور اس سلسلے کی تیسری اور اہم پیش قدمی رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کی اشاعت تھی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> **''ایک رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے نام سے مکتبہ خانقاہ اقبالیہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ ٹائٹل پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا عزیز الرحمٰن صاحب (ہزاروی) کا نام رسالہ کے مرتب کے طور پر درج ہے۔ چونکہ اِس رسالہ کی ترویج واشاعت سے بہت فساد کا اندیشہ تھا۔ (اگرچہ مصنف ومرتب کی نظر میں یہ اندیشہ مغلوب ہے۔) اس لیے ہمارے حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ العالی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی رائے عالی یہ ہوئی کہ اکابر کا مسلک صحیح صحیح پیش کردیا جائے۔ اور مرتب رسالہ کو جو غلط فہمی ہوئی اس کا ازالہ بھی کردیا جائے۔ امتثالاً لـلأمر (تعمیل حکم میں) یہ چند صفحات لکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔.....اس رسالہ میں مصنف نے مجلس میلاد، عرس اور فاتحہ خوانی کے جواز واختیار کے حق میں کچھ باتیں ذکر کی ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ ان مجالس کے انعقاد کے حق میں مصنف نے ایک بھی دلیل ذکر نہیں کی، بس کچھ مکاشفات اور کچھ واقعات پر اکتفا کیا ہے۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۵۵۶]**

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل عنوانات کے تحت بحث فرمائی ہے:

۱۔ محفل میلاد اور عرس وغیرہ کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک

۲۔ ایک ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب

۳۔حاجی امداداللہ رحمہ اللہ کی ان مجالس میں شرکت کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا تبصرہ
۴۔نقشہ نعل مبارک سے استبراک وتوسل کے بارے میں ضروری وضاحت
۵۔احمد رضا خان بریلوی اور ان کے ہم عقیدہ اہل سنت سے خارج ہیں
۶۔بدعتی کی توقیر پر وعید

مذکورہ عنوانات کے تحت مرقوم ابحاث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک میلاد، عرس اور ایصال ثواب وغیرہ کی مجالس کو اہتمام اور تداعی کے ساتھ کرنا ناجائز ہے۔حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت تھانویؒ کے حوالہ جات شاہد ہیں۔

۲۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بعض عبارات سے یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید محفل میلاد کی بعض صورتیں جائز ہیں۔لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ہی دیگر عبارات سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے نزدیک اس قسم کی تمام مجالس (خواہ میلاد کی ہوں یا ایصال ثواب کی) بدعت ہیں۔سوائے اس مجلس کے جو بلا اہتمام وتداعی اور بلا تخصیص وتقیید کے ہو۔

۳۔حضرت گنگوہی وحضرت تھانوی رحمہما اللہ کی خط وکتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ جن مجالس ومحافل میں شرکت کرتے تھے، اُن میں اور ہندوپاک کی محافل میلاد میں بہت فرق ہے۔نیز حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے لکھوائے ہوئے رسالے کو رد کردیا تھا کہ شریعت میں حاجی صاحب ہمارے تابع ہیں۔ہم اُن کے تابع نہیں۔

۴۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نعلین مبارک اگر نصیب ہوجائیں تو انھیں چومنا، ان سے برکت حاصل کرنا بڑی سعادت ہے۔لیکن نعلین مبارک کی تصویر اور نقشہ کا یہ حکم نہیں۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے پہلے جواز کی رائے قائم کی تھی، مگر حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ سے خط وکتابت کے بعد اپنے رسالے سے رجوع فرمالیا تھا۔لہٰذا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے رسالہ سے جواز پر استدلال جائز نہیں۔

۵۔اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کے بہت سے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے صریح خلاف ہیں۔لہٰذا اُنھیں اور اُن کے ہم عقیدہ لوگوں کو اہل سنت کہنا غلط ہے۔

۶۔حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ:''جو کسی بدعتی کی توقیر کرتا ہے، وہ دین کو منہدم کرنے میں اُس بدعتی کا معاون بن جاتا ہے''۔''رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب'' میں بعض بدعتیوں کی توقیر کی گئی ہے۔حالانکہ اکابر اہل سنت دیوبند کا رویہ اُن کے بارے بالکل مختلف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:''رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب'' میں مذکورہ بالا عنوانات سے متعلق جو موقف اور نظریہ

اختیار کیا گیا ہے، وہ اکابر اہل سنت دیوبند کے بالکل خلاف ہے۔ لہٰذا ان افکار و اعمال کو ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کہنا بالکل غلط ہے۔

(۴).....رسالہ ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کے ''تیسرے ایڈیشن پر ایک نظر'':

رسالہ ''اکابر کا مسلک و مشرب'' چونکہ اکابر دیوبند کے نظریات کے بالکل خلاف تھا، اِس لیے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ، مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد اسماعیل بدات صاحب رحمہ اللہ وغیرہم نے بھی اس پر تنقیدی تحریرات لکھ کر مؤلف و ناشر اور اُن کے ہم نواؤں کو توجہ دلانے کی کوشش کی۔ ہر طرح سے مخالفت کا سامنا ہوا تو ناشرین نے ''اصلاح'' کا جھانسہ دیا اور کہا کہ نئے ایڈیشن میں اصلاح کر دی گئی ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی نے ایک رسالہ بنام ''اکابر کا مسلک و مشرب'' ترتیب دیا تھا جس میں چند باتیں غلط طور پر اکابر دیوبند کی طرف منسوب کر دی گئی تھیں۔ ہم نے اپنے تبصرہ بنام ''ہمارے اکابر کا اصل مسلک و مشرب'' میں ان چند باتوں کو کھول کر بیان کیا تھا اور دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ہمارے اکابر کا وہ مسلک نہیں تھا جس کا اس رسالہ میں دعویٰ کیا گیا۔

اب اسی رسالہ کا تیسرا ایڈیشن مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی کے مقدمہ اور مفتی حبیب اللہ صاحب کے حواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ ہمارے تبصرہ میں دیے گئے دلائل سے تو ان دونوں حضرات میں سے کسی نے بھی تعرض نہیں کیا البتہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی تائید میں چند واقعات و حوالجات نقل کیے ہیں جو دلائل کے درجے میں قطعاً نہیں ہیں۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس ایڈیشن پر بھی اختصار کے ساتھ کچھ تبصرہ کر دیا جائے تاکہ کسی کے سامنے حق مخفی و ملتبس نہ رہے اور جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں وہ حق بات کو لے کر ناحق سے محفوظ رہے۔''

[تحفظ عقائد اہل سنت: ۵۷۹]

اس مضمون میں بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے محفل میلاد، دیوبندی بریلوی اختلاف کی حیثیت، نقشہ نعل شریف وغیرہ مسائل پر باحوالہ مدلل بحث فرمائی اور اِن مسائل پر اکابر اہل سنت دیوبند کے حوالہ جات سے مزید وضاحت و صراحت فرما کر اتمام حجت فرما دی۔

(۵).....''داستان عبرت نمبر (۱)'':

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فضائل اعمال (یا تبلیغی نصاب) کے مصنف سے کون واقف نہیں۔ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ہیں جن کی وفات ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء میں ہوئی۔ حضرت بہت بڑے عالم تھے۔ حدیث کی کتاب موطا امام مالک کی

شرح اوجز المسالک لکھی اور صحیح بخاری کے تراجم الابواب لکھے اور تصوف کی لائن میں آپ قطب العالم معروف ہیں۔ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں سالہا سال حدیث پڑھاتے رہے پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پا کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ برصغیر ہندو پاک ہی نہیں بلکہ عالم عرب میں بھی حضرت کی ایک بڑے محدث اور ولی کی حیثیت سے شخصیت مسلم تھی۔ آپ عقائد کے اعتبار سے پکے اہل سنت تھے اور اعمال میں سنت پر بڑی مضبوطی سے قائم تھے اور بدعات سے سخت متنفر تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ حضرت کی سوانح میں لکھتے ہیں:

''اسی طرح وہ (یعنی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ) مسلک توحید واتباع سنت ورد بدعات کے شدت سے حامی ومحافظ تھے جوان کو وراثتاً و تعلیماً و تربیتاً اپنے اسلاف واساتذہ ومشائخ سے ملا تھا۔ (حضرت کے اپنے استاد اور شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے بدعات کے رد میں ''براہین قاطعہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو آج بھی اپنے موضوع پر اہم دستاویز ہے)۔

عملی بدعات مثلاً ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ اور عرس کے بارے میں حضرت کا رویہ یوں لکھتے ہیں:

''بعض حضرات نے بزرگان دین کے عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا..... شیخ کو جب اس طرح کی اطلاعات ملیں تو ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''اللہ کی شان انقلابات زمانہ اور اپنے اعمال بد کے ثمرات دیوبندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والی بن گئی۔ جس شخص کے بڑے نظام الدین کے عرس کے زمانے میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے ان کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے۔

ایک مرتبہ شیخ نے ایک عالم اور بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں شیخ نے اس پر اس ناچیز کو لکھا ''ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ میں..... کی شرکت کا وعدہ پڑھا۔ جب سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے ایسے خم ٹھونکے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار جمعیت تو گویا اس کے پروپیگنڈہ کے لیے وقف ہو گیا۔ [ص:۲۱۱ سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ]

تمہید:

ایسے عالم ربانی، ولی کامل اور قطب عالم کے پرانے اور خاص متعلقین میں سے ایک صاحب جناب صوفی اقبال صاحب تھے جن کو حضرت کی طرف سے تصوف کی لائن میں اجازت بھی حاصل تھی۔ جناب صوفی اقبال صاحب پر یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نوازش تھی لیکن نہ جانے کیا اسباب بنے کہ حضرت قطب عالم مولانا زکریا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد صوفی اقبال صاحب نے مکہ مکرمہ میں رہنے والے ایک پکے بدعتی پیر محمد علوی مالکی سے تعلق جوڑ لیا جو اپنے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے بھی اہل سنت سے یقیناً خارج ہیں۔ صوفی اقبال صاحب کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد

زکریا رحمہ اللہ کے بعض اور خلفاء جن کا صوفی اقبال صاحب سے خاص تعلق تھا مثلاً مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ ان سب نے بھی صوفی صاحب کے ساتھ موافقت کی اور نتیجہ میں یہ سب حضرات راہ راست سے بھٹک گئے۔ محمد علوی کے مسلک سے متفق ہو کر سب اس کام پر لگ گئے کہ اہل بدعت کو بھی اہل سنت میں سے ثابت کریں اور بدعات کو جائز قرار دیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ دین کے اصول وضوابط کو یکسر نظر انداز کیا بلکہ حق و ناحق کی تمیز بھی اٹھا دی اور اپنے شیخ قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ پر بھی بدعات کے بہتان باندھنے سے گریز نہ کیا اور حافظ صغیر احمد صاحب نے تو اس کی خاطر ایک نئے دین کی بنیاد ہی رکھ دی ہے۔ آگے ہم اختصار کے ساتھ اس کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۱۲۲]

اس تحریر میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے درج ذیل عنوانات کے تحت بحث فرمائی ہے:

۱۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ محمد علوی کون ہیں اور اُن کے عقائد کیا ہیں؟ [محمد علوی کے مشرکانہ عقائد]

۳۔ صوفی اقبال صاحب [صوفی صاحب اور محمد علوی مالکی۔ صوفی صاحب اور اصلاح مفاہیم۔ صوفی صاحب کی ایک اور خطرناک غلطی، اہل بدعت کو اہل سنت میں شمار کرنا۔ احمد رضا خان کا اہل سنت کے مخالف پہلا عقیدہ: رسول اللہ کو مختارِ کل ماننا۔ دوسرا عقیدہ: علم غیب اور ہر ذرہ ذرہ کا علم رسول اللہ کے لیے ماننا۔ تیسرا عقیدہ: رسول اللہ کو حاضر ناظر ماننا۔]

۴۔ حافظ صغیر احمد صاحب [حافظ صغیر صاحب اور محمد علوی۔ اپنے کاموں میں مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کی روح سے اجازت لینا اور رسول اللہ سے تائید حاصل کرنا۔ صحابہ، ائمہ اور فقہاء کے واسطوں سے ہم تک پہنچنے والے دین کو چھوڑ کر براہ راست رسول اللہ سے راہ نمائی حاصل کرنا۔]

۵۔ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب [عبدالحفیظ مکی صاحب اور محمد علوی مالکی۔ اپنے شیخ مولانا زکریا رحمہ اللہ پر بہتان۔ خود ہی مدعی خود ہی گواہ]

۶۔ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب [ہزاروی صاحب اور محمد علوی۔ اپنے شیخ پر بہتان۔ مشرکانہ عقائد والوں کو اہل سنت میں شمار کرنا۔]

(۶).....''داستان عبرت نمبر (۲)'':

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی کا رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' شائع ہوا اور اس کے بعد محمد علوی مالکی کی کتاب کا ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام سے شائع ہوا جس میں عزیز الرحمٰن صاحب کی تقریظ بھی شامل تھی۔ ان دو کتابوں پر جب ہمارے سمیت کئی حلقوں سے اعتراض ہوئے اور پھر آخر میں ہمارا ایک رسالہ داستان عبرت کے

نام سے لوگوں کے ہاتھ میں آیا تو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے ایک اور خلیفہ کربوغہ کے مفتی مختار الدین صاحب نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو ایک خط لکھا جس میں موجود صورتحال کی طرف مولانا کو توجہ دلائی۔ اس خط کے جواب میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے ۲۲/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو اپنا رجوع ان الفاظ میں لکھا کہ:

''میں 'اصلاح مفاہیم' پر اپنی تقریظ اور رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب سے رجوع کرتا ہوں۔ آئندہ کوئی بھی اس تقریظ ورسالہ کو شائع نہ کرے اور نہ ہی اس کا حوالہ دے''۔

مفتی مختار الدین صاحب کا خط اور عزیز الرحمٰن صاحب کا رجوع اور کچھ دیگر مضمون نثار احمد حسینی صاحب نے ''قضیہ کا خاتمہ'' نام کے ایک رسالہ میں شائع کیا ہے۔

عزیز الرحمٰن صاحب کے رجوع کی عبارت بظاہر کافی اور تسلی بخش نظر آتی ہے لیکن جب اس کے اندر جھانکیں تو معاملہ انتہائی مایوس کن نظر آتا ہے۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت:۶۸۶]

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل عنوانات کے تحت بحث فرمائی ہے:

۱۔ مفتی مختار الدین صاحب کی ناانصافی

۲۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے رجوع کی حقیقت

۳۔ مولانا عبدالحفیظ مکی کی ناانصافیاں

۴۔ جناب صوفی محمد اقبال صاحب کے رجوع کی حقیقت

مذکورہ عنوانات کے تحت مکتوب ابحاث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ مفتی مختار الدین صاحب نے رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' اور ''اصلاح مفاہیم'' پر تقریظ کو مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کی طرف ''منسوب'' قرار دیا ہے۔ یعنی مبہم الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حالانکہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے اپنی طرف اِس نسبت کو قبول کیا ہے تو وہ اس تحریر اور مالہ وماعلیہ کے پوری طرح ذمہ دار ہیں۔ اور اگر قبول نہیں کیا تو کئی سال گزرنے کے باوجود اَب تک تردید کیوں نہیں کی؟

مفتی مختار الدین صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سے کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو قرآن وسنت سے ہٹی ہوئی ہو۔ حالانکہ اہل بدعت کو اہل سنت شمار کرنا، اُن کی تعظیم وتوقیر کرنا، مولانا زکریا رحمہ اللہ کے سر اُمہات البدعات کو تھوپنا، اصلاح مفاہیم کے شرکیہ اور بدعتی مضامین کی تائید کرنا قرآن وسنت کے خلاف ہی تو ہے۔

نیز مفتی مختار الدین صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جناب عزیز الرحمٰن صاحب نے تو کوئی غلط بات نہیں لکھی۔ مخالفت کرنے والوں نے خود ہی یہ تاثر لے لیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف حقیقت ہے۔ کیونکہ جناب عزیز الرحمٰن صاحب نے دس محرم کو ایصال ثواب، عرس اور مجلس میلاد سے متعلق تین واقعات حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیے ہیں،

جو یقیناً من گھڑت ہیں۔ کیونکہ ان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے نزدیک مولانا زکریا رحمہ اللہ اور اہل بدعت میں کوئی فرق نہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک

۲۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ: عرس، میلاد وغیرہ اختلافی مسائل میں مَیں اکابر دیوبند کو حق سمجھتا ہوں اور اُنھی کا متبع ہوں۔ حالانکہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے عرس، میلاد اور تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب کو اکابر دیوبند کا مسلک قرار دیا ہے، اور بدعات کو سنت باور کرایا ہے۔ لہٰذا اَب اُنہی بدعات کو وہ ''حق'' کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسا رجوع ہوا؟

حقیقی رجوع یہ ہے کہ: وہ یہ اقرار کریں کہ بریلوی جماعت کو اہل سنت میں شمار کرنا میری غلطی تھی، اب اُن کو اہل سنت میں نہیں سمجھتا۔ اسی طرح مولانا زکریا رحمہ اللہ کی طرف جو تین واقعات منسوب کیے تھے، وہ من گھڑت تھے۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ ان بدعات سے پاک اور بری الذمہ ہیں۔ اور عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں جس موقف کو اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف قرار دیا تھا، وہ اہل بدعت کا موقف ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بدعات ہیں۔ اور میں انھیں بدعات ہی سمجھتا ہوں۔

۳۔ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کی پہلی ناانصافی یہ ہے کہ انہوں نے رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' پر ہمارے اور دیگر علماء کے تبصرے، غلطیوں کی نشاندہی کو نظر انداز کر کے خوب اہتمام کے ساتھ تیسرا ایڈیشن شائع کرایا ہے، پھر بھی کہتے ہیں کہ: رسالے کے مقصد کے پیش نظر جو اصلاح ہوگی، قبول کریں گے۔ حالانکہ تمام اصلاحات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ سنگین ناانصافی ہے۔

دوسری ناانصافی یہ کہ: مماتیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بریلویوں یعنی احمد رضا خان اور ان کے پیروکاروں کو ان کے مشرکانہ عقائد کے باوجود اہل سنت کا گروہ قرار دے رہے ہیں۔

تیسری ناانصافی یہ کہ: مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی ادھوری عبارت نقل کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ اُن کے نزدیک بریلوی اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہیں۔ حالانکہ اُنہوں نے صاف لکھا ہے کہ: نور وبشر، عالم الغیب، حاضر وناظر اور مختار کل وغیرہ میں جس فریق کا عمل قرآن وسنت کے مطابق ہے، میں اسے حق پر (اہل سنت) سمجھتا ہوں اور دوسرے کو غلطی پر (اہل بدعت)۔

چوتھی ناانصافی یہ کہ: مماتیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے اپنے شیخ اور دوسرے اکابر دیوبند کو بدعتی بنا کر پیش کیا، تاکہ بریلوی اتحاد کر لیں۔ مولانا عبدالحفیظ صاحب اِسے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی ''مخلصانہ ندا'' کہتے ہیں۔ اور تردید کرنے والوں پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ یہ عجیب نااِنصافی ہے۔

پانچویں ناانصافی یہ کہ: المہند اور براہین قاطعہ کی عبارات پیش کر کے ہم نے بطورِ وضاحت جو عبارت پیش کی۔ مولانا عبدالحفیظ مکی اُس 'وضاحت' کو 'اعتراض' قرار دے کر طنز کرتے ہیں۔

۴۔نثار احمد حسینی صاحب لکھتے ہیں کہ: صوفی اقبال صاحب نے اختلافی اُمور اور افواہوں کی وضاحت کرتے ہوئے اظہار براءت اور اعلان رجوع فرما دیا تھا۔ حالانکہ ''اصلاح مفاہیم'' اور ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کی تصنیف ونشر اشاعت میں اصل محرک صوفی صاحب کی ذات ہے۔ ان تحریرات کی رو سے تو مولانا زکریا رحمہ اللہ خود بدعات کے مرتکب تھے۔ اور بریلوی اہل سنت میں شامل۔ آخر پتہ تو چلے کہ صوفی صاحب سے کیا غلطی ہوئی تھی جس کا اعتراف کر کے رجوع کر رہے ہیں؟ اِس صورت حال میں صوفی صاحب کا بدعت وشرک سے براءت کا اظہار کرنا ایسا ہی ہے جیسے بریلوی اپنے آپ کو شرک وبدعت سے بری کہتے ہیں۔

(۷).....''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے رجوع نامہ پر ایک نظر'':

۱۹۹۲ء کے اواخر یا ۱۹۹۳ء کے اوائل میں ''اکابر کا مسلک ومشرب'' نامی ایک رسالہ شائع ہوا، جس میں بریلوی جماعت کو اہل سنت میں شمار کیا گیا تھا۔ نیز عرس، میلاد، تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب وغیرہ کو اکابر اہل سنت دیوبند کا مسلک قرار دیا گیا تھا۔ رسالے کے سرورق پر مصنف کے طور پر مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کا نام درج تھا۔ اس کے بعد محمد بن علوی مالکی کی کتاب کا اردو ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام سے شائع ہوا، جس میں دیوبندی بریلوی اختلافی مسائل میں بریلوی جماعت کے موقف کو اختیار کیا گیا تھا۔ اُس پر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے نام سے ایک تقریظ شائع ہوئی، جس میں واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ: یہ کتاب چودہ سو سالہ اہل السنۃ والجماعۃ کے تحقیقی مسلک کے مطابق ہے۔ گویا بریلوی اَفکار اہل سنت کے مطابق ہیں۔

مولانا مفتی عبدالواحد صاحبؒ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ، مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ، مولانا مفتی عبدالستار صاحبؒ ملتان، مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ، اکابر دارالعلوم دیوبند، مفتیان مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہم رحمہم اللہ سبھی حضرات نے اس کتاب ورسالے کو مسلکِ اہل سنت کے خلاف قرار دیا۔

مگر چونکہ یہ سارا کچھ جناب صوفی محمد اقبال صاحب کے زیر اثر تھا، اِس لیے جب تک وہ حیات رہے، کسی کو رجوع کا نام لینے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ ۲۰۰۰ء میں جب صوفی اقبال صاحب انتقال کر گئے تو مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے مفتی مختار الدین صاحب کے کہنے سے ''ایک رجوع نامہ'' تیار کیا۔ مگر افسوس کہ اس تحریر میں اگر نہیں تھا تو ''رجوع'' نہیں تھا۔ ورنہ لفاظی وغیرہ تو بہت تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے رسالے وتائید شدہ کتاب کے مطابق: بریلوی جماعت اہل سنت میں شامل ہے۔ عرس منانا، محفل میلاد منعقد کرنا اور تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب کرنا بالکل درست ہے۔ اور یہ اکابر دیوبند کا مسلک ہے۔.....اور.....رجوع کے نام پر لکھی گئی تحریر میں مولانا ہزاروی کہتے ہیں کہ: اکابر دیوبند کے مسلک کے علاوہ

ہر چیز کو غلط سمجھتا ہوں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا رجوع نامہ پڑھنے میں آیا۔ افسوس ہے کہ یہ صرف مخصوص الفاظ کی حد تک رجوع ہے معانی سے نہیں اور ایک تعبیر سے رجوع ہے مافی الضمیر سے نہیں۔.....مولانا کے یہ الفاظ بہت قیمتی ہوتے اگر مولانا یہ بھی صراحت سے لکھ دیتے کہ محفل میلاد، عرس اور تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب کے بارے میں اکابر دیوبند کا اصل اور واقعی مسلک کیا ہے۔ اصل اختلاف تو اسی میں ہے۔ ان امور کے بارے میں مولانا عزیز الرحمٰن نے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' میں اکابر دیوبند کی طرف جو مسلک منسوب کیا ہے وہ بالکل غلط اور غیر واقعی ہے۔ مولانا جب اس رسالے میں کوئی بات اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف مانتے ہی نہیں تو ان کا رجوع آخر کس چیز سے ہے۔.....کیا مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اس بات کو علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہیں گے کہ وہ اپنی تقریظ سے اس وجہ سے رجوع کرتے ہیں کہ محمد علوی مالکی صاحب اپنے عقائد کی وجہ سے اہل سنت سے خارج ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب اور تصرف وقدرت ہونے اور حاضر وناظر جیسے عقائد کی وجہ سے پکے بدعتی ہیں اور ان کی کتاب ''مفاهيم يجب أن تصحح '' بہت سی باتوں میں اہل سنت کے بالکل خلاف ہے اور خصوصا اکابر دیوبند کے مسلک سے تو بالکل مطابقت نہیں رکھتی اور انہوں نے (یعنی عزیز الرحمٰن صاحب نے) اپنی تقریظ میں جو کچھ لکھا وہ امر واقع کے بالکل خلاف ہے اور ان کی بڑی غلطی تھی۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۶۹۷]

(۸).....حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کے نام خط:

آج سے چند سال قبل کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' کی اشاعت سے پہلے بہت سے حضرات نے سر توڑ کوشش فرمائی کہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب علوی مالکی افکار وبدعات سے برات کا اعلان فرمادیں۔ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ نے اس وقت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو یہ گرامی نامہ ارسال فرمایا:

بخدمت جناب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: آپ اہل علم ہیں اور آپ کی عقیدت مندی کا میدان بھی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ترقیاں عطا فرمائیں۔

محترم جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ افراتفری کا زمانہ ہے۔ نئے نئے فتنوں کا ظہور روزمرہ کے حساب سے ہو رہا ہے، اِس لیے صدق دل اور دلی ہمدردی سے عرض ہے کہ امت کو جوڑنے کی کوشش کی جائے، توڑنے کی نہ کی جائے، اِس کے لیے ایک قدم تو آپ نے اٹھایا کہ جناب کی متنازعہ کتابیں اور تقاریظ آپ کے نام کے ساتھ شائع نہ کی جائیں۔ آپ اگر ایک قدم اور اٹھالیں اور برملا یہ اعلان کردیں کہ آپ سے غلطیاں ہوئیں مثلاً۔۔۔۔۔۔

اور آپ ان غلطیوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں اور حافظ صغیر احمد اور مولانا عبدالحفیظ مکی سے جب تک وہ بھی اپنا توبہ نامہ شائع نہ کریں آپ ان سے تعلق نہ رکھیں۔

میرے بھائی! یہ وقت چلا جارہا ہے اور اپنے ساتھ انسانوں کو بھی لیے جارہا ہے۔ میں بھی موت کے انتظار میں ہوں اور میرا اور آپ کا معاملہ آج اور کل کا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو واقعہ کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہ کریں گے۔ توبہ نامہ شائع کرنے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کے مزید کاموں کی توفیق عطا فرمائیں گے اور یہاں کے مسلمانوں میں اتحاد کی قابل قدر صورت پیدا کردیں گے۔

والسلام.....عبدالواحد.....دارالافتاء مسجد الہلال، چوبرجی پارک، لاہور

اپریل ۲۰۱۶ء/جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ [صفدر، جون، جولائی ۲۰۱۹ء، ص:۴۱]

افسوس کہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے جیسے، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی کوششوں کو اپنی انا کی نذر کردیا تھا، ایسے ہی انہوں نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس کوشش کو بھی ٹھکرا دیا۔ فإلى الله المشتكى.

.....☆☆☆.....

مجالس ذکر اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ

مولانا حمزہ احسانی صاحب
ماہنامہ صفدر، لاہور

آج کل جگہ جگہ کچھ لوگوں کی جانب سے اجتماعی ذکر کا سلسلہ چل پڑا ہے اور رفتہ رفتہ وہ پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ اور اسے تصوف کا بنیادی رکن اور حصہ باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ حالانکہ تزکیہ نفس اور تصوف سے اس کو مَس نہیں یہ تو بدعت ہے بدعت تو فساد ہے اصلاح نہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس صورت حال کا جائزہ لے کر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان ''مجالس ذکر و درود کی شرعی حیثیت'' تصنیف فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''احادیث مبارکہ میں مجالس ذکر اور ان کی فضیلت کا بڑا واضح تذکرہ موجود ہے۔ اس لئے مجالس ذکر کی مشروعیت و فضیلت میں تو کوئی شک ہی نہیں، لیکن احادیث میں مذکور مجالس ذکر کی کیفیت کے بارے میں لوگوں میں خاصا غلو پایا جا رہا ہے۔ ہر قسم کی مجالس ذکر خواہ ان کے لیے تداعی کی گئی ہو یا ان میں ذکر کسی ممنوع صورت میں کیا جاتا ہو سب کو فضیلت والی مجالس ذکر میں شامل سمجھنے لگے ہیں اور بعض ظاہری و جزوی مصلحتوں اور فائدوں کی خاطر ان کے معتقد ہو رہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ اعمال کے کرنے میں اور فضائل کو سمیٹنے میں ہم سے زیادہ حریص تھے ان کے یہاں اور ان کے دور میں مجالس ذکر کی کیا کیفیت تھی، جو کیفیت ان کے یہاں رائج تھی وہی ہمیں بھی اختیار کرنی چاہئے اور جن کیفیتوں سے انہوں نے منع کیا ان سے بچنا چاہئے خواہ ان میں ہمیں بظاہر کتنے ہی فوائد نظر آ رہے ہوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ فجر اور عصر کے بعد مسجد میں رہ کر ذکر کرتے تھے اور باقی اوقات میں بھی بعض صحابہ ذکر میں مصروف ملتے تھے۔ چونکہ ان کے دور میں مسجد کو خاص اہمیت حاصل تھی کہ علم کے حلقے بھی وہیں لگتے تھے۔ قضاء و حکومت کے معاملات بھی وہیں طے پاتے تھے۔ لہٰذا ذکر کرنے والے بھی ایک طرف کو ہو جاتے تھے اور اس طرح سے ذاکرین کی مجلس یا حلقہ قائم ہو جاتا تھا۔ اس کے لئے ایک دوسرے کو دعوت نہیں دی

جاتی تھی۔یعنی دوسرے لفظوں میں ان میں ذکر یا مجلس ذکر کے لئے تداعی نہ تھی۔ ہمارے دور میں بعض حضرات کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں مجالس بغیر تداعی کے قائم ہو جاتی تھیں اور ان کے دل اس بات کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کی نظروں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلچسپیاں اوجھل رہیں اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے زمانے کے لوگوں پر قیاس کرنے لگے۔

تداعی کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جماعتی یا اجتماعی صورت میں ذکر کرنے سے بھی اجتناب کیا جاتا تھا جس سے مراد یہ ہے کہ سب کے سب ذاکرین اس بات کا التزام کریں کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی مخصوص ذکر کریں گے خواہ سراً خواہ جہراً۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع اور مجلس کی جو کیفیت ہم نے بیان کی اس سے بھی مجلس اور اجتماع تو حاصل ہو جاتا تھا لیکن ذکر ہر شخص اپنا اپنا کرتا تھا پھر خواہ ذکر کے کلمات ہر ایک کے مختلف ہوں یا ایک ہی ہوں۔ بہر حال اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے۔

اسی ناجائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی ذکر کا نام دیتے ہیں۔

آگے ہمارے کلام میں ان ہی مذکورہ امور سے متعلق تفصیل ہے اور اس کو ہم چھ فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

فصل اول: احادیث میں مجالس ذکر اور ان کی فضیلت کا تذکرہ۔

فصل دوم: خیر القرون میں مجلس ذکر کے لئے تداعی کا نہ ہونا۔

فصل سوم: اجتماعی ذکر جہری بدعت ہے۔

فصل چہارم: اجتماعی ذکر سری بدعت ہے۔

فصل پنجم: اجتماعی ذکر کے بدعت ہونے کی تائید۔

فصل ششم: مجالس ذکر کی مختلف مروجہ صورتیں اور ان کے احکام۔''

[۱]۔پہلی فصل میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مجالس ذکر کی فضیلت پر سات مختلف احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ جن سے مجالس ذکر کی عظیم الشان فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

[۲]۔دوسری فصل میں علامہ ابن الحاج مالکیؒ کی ''المدخل'' اور حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ کی ''براہین قاطعہ'' سے ثابت فرمایا ہے کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ خیر القرون میں تداعی کے ساتھ مجلس ذکر قائم کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔'' اور ''یہ اذکار واوراد نفل ومندوب ہیں۔جس کے لیے تداعی جائز نہیں۔''

[۳]۔تیسری فصل میں پہلے تو یہ واضح فرمایا کہ: ''اجتماعی ذکر سے مراد یہ ہے کہ سب ذکر کرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ذکر کریں گے۔خواہ اس میں ان کا کوئی امیر ہو یا نہ ہو۔'' پھر ''المدخل'' اور ''حیاۃ الصحابہ'' کے حوالے سے معروف قصہ نقل کیا کہ: کچھ لوگ بعد مغرب مسجد میں بیٹھ کر اجتماعی ذکر جہری کرتے تھے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُن کے اِس عمل کو بدعت قرار دیا۔حالانکہ جو اذکار تھے یعنی تسبیح، تہلیل وتحمید یہ سب مسنون ہیں، مسجد میں

ذکر کرنا بھی منع نہیں۔ مگر اجتماعی طور پر کرنا ممنوع ہے۔ اس لیے اسے بدعت قرار دیا۔

[۴]۔ چوتھی فصل میں مسند دارمی کے حوالے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہی ایک دوسرا قصہ نقل فرمایا۔ جس میں انہوں نے فجر کی نماز کے بعد اجتماعی ذکر سری کرنے والوں پر نکیر فرمائی۔ پھر علامہ ابن الحاج، حضرت مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا مفتی عبدالستار رحمہم اللہ کے حوالے سے ثابت فرمایا کہ: ''اجتماعی ذکر جہری'' کی طرح ''اجتماعی ذکر سری'' بھی بدعت ہے۔

[۵]۔ پانچویں فصل میں اجتماعی ذکر کے بدعت ہونے کی تائید میں المدخل کا حوالہ پیش فرمایا۔ پھر تین تنبیہات میں حضرت سہارن پوری، حضرت تھانوی، حضرت گنگوہی، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ اور الحاوی للفتاوی کے حوالے سے یہ ثابت فرمایا کہ:

۱۔ سنت و بدعت کے تقابل کے وقت سنت سے مراد وہ عمل ہے جس کے لیے شریعت میں کوئی دلیل ہو۔ اور بدعت سے مراد وہ عمل ہے جس کے لیے کوئی دلیل شرع میں نہ ہو۔

۲۔ اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک وقتی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر بھی مکروہات و بدعات کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔

۳۔ بعض خانقاہوں میں اگر اجتماعی ذکر اور درود شریف کی مجالس ہوتی تھیں تو اُن سے سوءظن رکھنے کی بجائے اکابر دیوبند کے مسلک وطریقہ کی روشنی میں ان کو مرجوح یا مووّل کہا جائے گا۔

۴۔ بعض مشائخ کے ہاں یہ مجالس صرف برائے تعلیم وعلاج ہوتی تھیں۔ لہٰذا اِن کو ''معمولات مشائخ'' میں قرار دینا درست نہیں۔

۵۔ وہ مجالس ذکر جو تداعی سے بھی خالی ہوں اور ان میں کسی ایک خاص ذکر کرنے کا التزام بھی نہ کیا گیا ہو، ایسی مجالس ذکر جائز ہیں اور احادیث میں جن مجالس ذکر کا تذکرہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ان کی یہی صورت تھی۔ اجتماع کے تمام فوائد بغیر کسی مفسدہ وخرابی کے اندیشہ کے اسی قسم کی مجالس میں حاصل ہو سکتے ہیں۔

۶۔ رقیہ وعلاج اور دفع مصائب کے لئے اجتماعی ذکر اور قرآن خوانی اور ختم خواجگان وختم بخاری شریف جائز ہیں کیونکہ یہ عبادت اور ثواب کے طور پر نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی حیثیت عملیات اور علاج کی ہے۔ البتہ عوام میں ایک عام معمول کے طور پر ان کو رواج دینے کی تحریک کرنا صحیح نہیں۔

[۶]۔ چھٹی فصل میں دعا کی خاطر قرآن خوانی کے لیے لوگوں کو جمع کرنا۔ مجلس درود شریف۔ جمعہ کے دن عصر کے فرضوں کے بعد دعا سے پہلے اسّی (۸۰) مرتبہ درود شریف پڑھ کر پھر دعا کرنا۔ مکان ودوکان کے افتتاح کے لیے قرآن خوانی۔ شاذلیہ کے طریق کے مطابق کھڑے ہو کر ذکر کرنا۔ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کے بعد مسجد میں جمع ہو کر خاص طریقہ سے سورۂ کہف پڑھنا۔ درود شریف کے سماع کے لیے مجلس کا انعقاد۔ مصائب دور کرنے کی خاطر وظیفہ پڑھنے کے لیے جمع

ہونا۔ایصال ثواب کے لیے اجتماعی ذکر یا قرآن خوانی وغیرہ کا شرعی حکم باحوالہ واضح فرمایا۔

(۱۰).....مکتوب بنام مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے استاذِ مکرم مولانا مفتی حمید اللہ جان رحمہ اللہ کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

''نہ تو میں مجلس ذکر کا مخالف ہوں، اور نہ ہی ذکر جہری کا، اور نہ ہی مجلس ذکر میں ذکر جہری کی مخالفت کرتا ہوں۔اپنے کتابچہ میں مَیں نے دو باتوں کے عدم جواز کا کہا ہے:

۱۔ذکر کے لیے تداعی اور لوگوں کو بلا کر اکٹھا کرنا۔

۲۔لوگ اکٹھے ہوں تو اس بات کا اہتمام کرنا کہ سب مل جل کر ایک ہی ذکر کریں۔خواہ سراً یا جہراً۔

اگر بغیر تداعی کے لوگ جمع ہوں اور اپنا اپنا ذکر کریں۔خواہ سری یا جہری۔ پھر خواہ اتفاق سے سب کا ذکر ایک ہی ہو جائے۔ایسی مجلس ذکر کا جہری ذکر میں جائز سمجھتا ہوں۔

غرض اجتماعی ذکر خواہ سری ہو یا جہری، میں اس کو دو قیدوں کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں:

۱۔اس میں تداعی نہ ہو۔

۲۔اس میں سب کے ایک ہی ذکر کرنے کا اہتمام (التزام) نہ کیا گیا ہو۔'' [حق چار یار، فروری ۲۰۰۳ء]

معلوم ہوا کہ مجالس ذکر میں تداعی اور ایک ہی ذکر کرنے کا اہتمام (التزام) نہ ہو تو جائز ہے۔ورنہ ناجائز اور بدعت ہے۔

خلاصہ مضمون:

زیرِ نظر مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک:

۱۔علوی مالکی اپنے مشرکانہ اور بدعتی عقائد کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ سے یقیناً خارج ہیں۔

۲۔علوی مالکی کی کتاب ''مفاهيم يجب ان تصحح ''میں اور پھر اس کے ترجمے ''اصلاح مفاہیم'' میں بھی بہت سی چیزیں مسلماتِ اہل السنۃ والجماعۃ کے صریح خلاف ہیں۔

۳۔''اکابر کا مسلک ومشرب'' میں درج متنازع امور اکابر دیوبند کے قطعی مخالف ہیں۔

۴۔رسالے کے تیسرے ایڈیشن میں بھی ان غلط چیزوں کو شامل رکھا گیا ہے۔

۵۔شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ جناب صوفی محمد اقبال صاحب نے محمد بن علوی سے تعلق جوڑ لیا تھا۔مولانا عبدالحفیظ مکی، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ نے صوفی اقبال صاحب کے ساتھ مل کر یہ سب کچھ شائع کیا۔اور سخت قسم کی بدعات مولانا زکریا رحمہ اللہ کے سر تھوپ دیں۔

۶۔مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب نے رجوع کے نام پر جو تحریر لکھی، وہ محض دفع الوقتی ہے۔

۷۔اُصول دین میں سے ایک اَصل ہے کہ: نوافل ومستحبات کے لیے تداعی کے ساتھ اجتماع ناجائز ہے۔
۸۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے زمانہ میں ذکر یا مجلس ذکر کے لیے تداعی نہ تھی۔
۹۔جس مجلس ذکر میں حاضرین ایک ہی ذکر کا التزام کریں، یا اس کے لیے تداعی ہو، وہ ناجائز ہے۔
۱۰۔اور اگر لوگ ایک دوسرے کو بلائے اور دعوت دیئے بغیر از خود جمع ہو جائیں اور اپنا اپنا ذکر کریں، تو یہ جائز ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

.....☆☆☆.....

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور رسالہ ''اتمامِ حجت''

مفتی رب نواز صاحب
مدیر مجلّہ ''الفتحیہ'' احمد پور شرقیہ

''مجلّہ صفدر'' کے ذریعہ جن حضرات کے علوم سے مستفید ہونے کا موقع ملا اُن میں سے ایک نمایاں نام حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی متعدد تحریریں مختصر و مطوّل اس مجلّہ میں شائع ہوتی رہیں۔ بلکہ مجلّہ صفدر کا ایک شمارہ (شمارہ: ۹۰) حضرت رحمہ اللہ کی تحریر کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اداریہ کے علاوہ باقی پورا شمارہ حضرت رحمہ اللہ کے رسالہ ''اتمام حجت'' پر مشتمل ہے۔ جرائد و رسائل والوں کا عمومی مزاج ہے کہ وہ مختصر مختصر مضمون کو پسند کرتے ہیں مگر مجلّہ صفدر کی انتظامیہ نے نہ صرف حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مکمل رسالہ شائع کیا بلکہ اس کی اہمیت وافادیت بتانے کے لیے شروع میں اداریہ بھی لکھ دیا۔ یہ ان کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے عقیدت ہے۔

''اتمامِ حجت'' رسالہ

پاک و ہند کے غیر مقلدین پہلے فروعی مسائل کو زیر بحث لایا کرتے تھے۔ اب کئی سالوں سے وہ عقائد پر بحثیں چھیڑے ہوئے ہیں۔

غیر مقلدین آج کل جن عقائد پر طبع آزمائی کر رہے ہیں ان میں ایک عقیدہ ''صفات باری تعالیٰ'' کا ہے۔ چونکہ وہ اس عقیدہ کے متعلق بہت کچھ بول اور لکھ رہے ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر کچھ تحریر کیا جاتا۔ اللہ جزائے خیر دے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو انہوں نے ایک کتاب ''سلفی عقائد اور صفات متشابہات'' لکھی۔ اس کی اشاعت کے کئی سال بعد واصل واسطی نامی کسی سلفی نے بزعم خود اس کا جواب لکھا۔ ''اتمام حجت'' واسطی صاحب کے جواب کا جواب ہے۔ ''اتمامِ حجت'' مجلّہ صفدر میں شائع ہو کر واسطی صاحب تک پہنچ گئی ہے جیسا کہ وہ خود اس کا اظہار کرتے ہیں:

> ''ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا ایک رسالہ بنام ''اتمام حجت'' بھی مجلّہ صفدر میں اگست ۲۰۱۸ء کو شائع ہو گیا ہے... اس میں صرف ان بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو اُن پر وارد کئے گئے تھے۔'' [عقیدہ سلف پر اعتراضات کا علمی جائزہ: ۹/۳]

اسلوب نگارش اور اندازِ تنقید

بندہ نے ''اتمام حجت'' رسالہ کا مطالعہ کیا، جس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ذوقِ تحقیق، اسلوبِ نگارش اور

اندازِ تنقید معلوم ہوا۔ اس رسالہ کے مطالعہ کے متعلق بندہ کے درج ذیل تاثرات ہیں۔

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا انداز تحریر سہل الفاظ میں لکھنے کا ہے۔ باوجود یہ کہ صفات متشابہات کا مسئلہ مشکل ابحاث میں شمار کیا جاتا ہے مگر حضرت رحمہ اللہ کی کوشش رہی ہے کہ اسے عام فہم انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔

(۲) فروعی مسائل کی تحقیق میں لکھنے والے تو نسبۃً زیادہ ہیں البتہ عقائد پر لکھنے والے چیدہ چیدہ افراد ہیں، انہیں میں سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں۔ انہوں نے پہلے ''اسلامی عقائد'' نامی کتاب لکھی، پھر ''سلفی عقائد'' اور آخر میں ''اتمامِ حجت'' رسالہ تصنیف فرمایا۔ جزاھم اللہ تعالی

(۳) تنقیدی تحریر میں پسندیدہ انداز یہ ہے کہ مخالف کے لیے الفاظ نرم استعمال ہوں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ ''اتمام حجت'' پڑھ کر دیکھ لیا جائے ماشاء اللہ انہوں نے لہجہ میں شدت نہیں آنے دی۔ جب کہ مخالف کی تحریر میں شدت کا پہلو پایا جاتا ہے جس کا انہوں نے خود بھی اعتراف کیا۔ چنانچہ واصل واسطی صاحب لکھتے ہیں:

''کچھ دیگر احباب ہیں جنہوں نے کتاب کو تو پسند کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سخت زبان کا استعمال ہوا ہے۔'' [عقیدہ سلف: ۲/۲۱]

مخالف کی طرف سے شدت آمیز رویہ کے باوجود اس کے لیے نرم الفاظ استعمال کرنا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا پسندیدہ ترین وصف ہے۔

(۴) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ''عرضِ مؤلف'' میں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب سنجیدہ علمی وتحقیقی اسلوب کی حامل ہے''

اس رسالہ میں سنجیدگی سے کام لینے کا یہ عالم ہے کہ اگر چہ مخالف کی طرف سے کوئی اوچھا جملہ بھی لکھا گیا تو اسے نظر انداز کر دیا مثلاً حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا تھا کہ: ''عقل سلیم یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ...'' [اتمام حجت: ۲۹]

واسطی صاحب نے ''عقل سلیم'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''ممکن ہے کہ سلیم ان کا بیٹا ہو اور ان کی عقل میں فتور ہو'' [عقیدہ سلف: ۱/۸۲]

جس پیراگراف میں یہ جملہ تھا اسے نقل کر کے مطلوبہ بات کا جواب تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دیا مگر اس جملہ کو غیر سنجیدہ حرکت سمجھتے ہوئے نظر انداز فرما دیا۔ ورنہ اگر چاہتے تو قرآنی آیت ''**الا من اتی اللہ بقلب سلیم**'' پیش کر کے پوچھ سکتے تھے کہ کیا یہاں بھی سلیم کو علَم قرار دے کر اسے کسی کا بیٹا بناؤ گے اور کس کا بیٹا بناؤ گے؟

(۵) مناظرانہ انداز میں لکھنے کی بھی کبھی ضرورت پیش آجایا کرتی ہے۔ مگر چونکہ ایک تو بہت سی طبائع مناظرانہ اسلوب کو اچھا نہیں سمجھتیں اور دوسرا یہ کہ خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا اپنا مزاج بھی کچھ اس کا متقاضی تھا کہ کتاب میں مناظرانہ رنگ نہ بھرا جائے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ''عرض مؤلف'' میں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب مناظرانہ رنگ سے خالی ہے''

(۶) بعض لوگوں کی اصل کتابوں تک رسائی نہیں ہوتی تو وہ کسی کتاب کے حوالہ سے عبارت نقل کرتے ہیں مگر اس منقول عنہ کتاب کا حوالہ دینا بھول جاتے ہیں یا پھر جان بوجھ کر منقول عنہ کتاب کا حوالہ نہیں دیتے تاکہ لوگوں کو یہ محسوس ہو کہ اس نے خود ہی اصل کتاب تک رسائی حاصل کر کے حوالہ دیا ہے۔ لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جہاں کہیں اصل کتاب کی بجائے کسی اور کتاب سے کوئی عبارت نقل فرمائی تو وہاں بحوالہ فلاں لکھ دیا۔ رسالہ کی فصل اول میں ''ہندو پاک کے سلفی اپنے بڑوں کی نظروں میں'' عنوان کے تحت مولانا عبدالجبار غزنوی، علامہ وحیدالزمان اور نواب صدیق حسن خان کے حوالے دیباچہ رسائل اہل حدیث جلد دوم سے نقل کئے تو تینوں جگہ اس دیباچہ کا حوالہ دیا۔

(۷) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ رسالہ چونکہ ان کی کتاب ''سلفی عقائد اور صفات متشابہات'' کا جواب الجواب ہے، اس لیے اس کتاب کے ناشر کو ہم مشورہ دیتے ہیں کہ آئندہ ''اتمامِ حجت'' کو ''سلفی عقائد اور صفات متشابہات'' کے آخر میں ملحق کر کے شائع کریں۔

رسالہ کے چند مندرجات پر ایک نظر

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ متعدد اہلِ حدیث اکابر اشعری و ماتریدی تھے یعنی ان کے عقائد موجودہ سلفیوں سے مختلف ہیں۔ [اتمامِ حجت: ۱۵]

حضرت نے بجا فرمایا۔ خود کئی غیر مقلد علماء نے اسے شدت سے محسوس کیا اور ڈنکے کی چوٹ اس کا اظہار کیا مثلاً مولانا عبدالجلیل سامرودی لکھتے ہیں:

> ''اہلِ حدیث اہلِ حدیث کے عقائد میں فرق ہے گو اس پر تعجب ضرور ہوگا مگر حقائق کے معلوم ہونے کے بعد یہ تعجب تعجب نہیں رہ سکتا'' [فتاویٰ ستاریہ: ۲۳/۳]

سامرودی صاحب آگے لکھتے ہیں:

> ''اہلِ حدیث بھی دو قسم کے ہیں ایک خالص اہلِ حدیث اصولاً اور فروعاً۔ ایک فروعاً اہلِ حدیث اصولاً غیر اہلِ حدیث ماتریدی یا اشعری'' [فتاویٰ ستاریہ: ۲۶/۳]

سامرودی صاحب آگے لکھتے ہیں:

> ''مدارس اہلِ حدیث میں خالص اہلِ حدیث کے عقائد کی کوئی چھوٹی بڑی کتاب درس میں رکھی ہی نہیں گئی تھی اور نہ ہی اب ہے۔ وہی درس نظامی اور عقائد نسفی وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ جیسا تخم ریزی کیا جائے گا اسی قسم کا پھل حاصل ہوگا کیکر بو کر آم کس نے حاصل کیا ہے۔ بہرصورت جب بڑے علماء ہی اصل عقائد اہلِ حدیث سے بے بہرہ ہیں، بُرا نہ مانیں تو پھر عوام میں وہ صحیح عقائد کہاں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ بڑے علماء کا کیا قصور، ان کو تعلیم ہی اسی کی

ملی تھی۔ وہ اپنی تعلیم کے پابند ہوتے ہیں۔ مولود فطرت اسلامی پر ضرور پیدا ہوتا ہے مگر ماں باپ یہود و نصاریٰ مجوسی وغیرہ بنا دیا کرتے ہیں۔ یہ ان کے روحانی آباء واجداد کا قصور ہے۔ نہ بڑے اہلِ حدیثوں نے اس کا احساس کیا، نہ علماء نے انہیں متنبہ کیا'' [فتاویٰ ستاریہ:۲۴/۳]

سامر دوی صاحب کا یہاں ''چیلنج'' بھی پڑھ لیں:

''میں اپنے ہم عصر علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میری بات کو غلط ثابت کر کے انصافاً بتا دیں کہ آپ لوگ اشعری قدیم اور ماتریدی کے عقائد کے پابند نہیں؟ پھر تمہیں اپنے آپ کو اہلِ حدیث خالص کہتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ سورج پر خاک ڈالنا چاہتے ہو، چاند کو ڈھال سے بے نور کرنا چاہتے ہو'' [فتاویٰ ستاریہ:۲۶/۳]

(۲) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ''فقہ اکبر'' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ [اتمام حجت:۴۹] مگر واسطی صاحب اس سے انکاری ہیں چنانچہ انہوں نے لکھا:

''اگرچہ ''الفقہ الاکبر'' بھی امام ابوحنیفہؒ کے نام سے منسوب ہے مگر وہ بھی اس کی تصنیف نہیں ہے'' [عقیدہ سلف:۱۶۰/۲]

حالانکہ فقہ اکبر'' کا امام صاحب کی کتاب ہونا اس قدر مسلّم ہے کہ خود غیر مقلدین کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑی۔ ثبوت حاضر ہیں۔

میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

''چنانچہ بالکل یہی مضمون فقہ اکبر تصنیف امام ابوحنیفہ... میں موجود ہے'' [فتاویٰ نذیریہ:۳۲۲/۱]

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ بھی ''فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں کہ...'' [لغات الحدیث جلد دوم، کتاب واؤ، مادہ وجہ]

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی امام صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''عقائد میں آپ نے دو کتابیں لکھیں (۱) فقہ اکبر (۲) کتاب العالم والمتعلم'' [تاریخ اہلِ حدیث:۲۲۲]

سیالکوٹی صاحب کی مزید عبارتیں پڑھیں:

''اسی طرح حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے فقہ اکبر میں اندراجات لوح محفوظ کی نسبت فرمایا...''

[تاریخ اہلِ حدیث:۷۳]

''امام ابن تیمیہؒ فقہ اکبر کو امام ابوحنیفہ کی تصنیف قرار دیتے ہیں اور اسی سے آنجناب کو قائلین تقدیر میں شمار کرتے ہیں'' [حاشیہ تاریخ اہلِ حدیث:۷۴]

''اسی معنیٰ میں امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکبر میں فرمایا...'' [تاریخ اہلِ حدیث:۷۵]

''اس کے بعد ہم خود امام صاحب ممدوح کے کلام فیض التیام سے ثابت کرتے ہیں کہ آپ ارجاء اور مرجیہ سے اعتزال اور اہلِ اعتزال سے بالکل بیزار اور بری ہیں چنانچہ آپ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں...'' [تاریخ اہلِ حدیث:۸۹]

''امام ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں فقہ اکبر کو حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی کتاب قرار دیتے ہیں پس مولانا شبلی مرحوم کے انکار کی بنا پر اسے معرض بحث میں لانے کی ضرورت نہیں'' [حاشیہ تاریخ اہلِ حدیث:۸۹]

مولانا محمد یوسف جے پوری لکھتے ہیں:

''ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی مقتدا ہیں فرقہ حنفیہ کے ...انہوں نے بھی بعینہ وہی عقیدہ اپنی تصنیف فقہ اکبر میں درج فرمایا ہے۔'' [حقیقۃ الفقہ :۱۳۹ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور]

مولانا حنیف ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بات یہ ہے کہ جہاں تک حضرت امام (ابوحنیفہؒ) کی فقہی ژرف نگاہی کا تعلق ہے، ان کو تو فقہائے عراق وشام نے خوب نکھارا اور تفریعِ مسائل کے ذریعے اچھی طرح مالا مال کیا، مگر ان کے ان متکلمانہ رجحانات کی تشریح کرنا اور ان پر ایک مستقل متکلمانہ مدرسۂ فکر کی بنیاد رکھنا ابھی باقی تھا جو ''رسائل ابی حنیفہ'' [فقہ اکبر وغیرہ (ناقل)] میں مذکور تھے۔ اس کام کو فقہائے ماوراء النہر نے خوش اسلوبی سے انجام دیا۔'' [عقلیات ابن تیمیہ:۱۱۲]

یہ حوالہ ہم نے مولانا ظہور الحسینی حفظہ اللہ کی کتاب ''امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام:۸۹'' سے نقل کیا ہے۔

مولانا عبدالغفار دہلوی [غرباء والے] لکھتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہ کا فیصلہ بھی سنا دوں دیکھو! سنو!! کتاب فقہ اکبر صفحہ ۸۰ پر لکھا ہے...'' [رفع الیدین:۴۶]

مولانا عبدالقادر حصاروی نے بھی ''اصلی اہل سنت کی پہچان: ۱۲۹، ۱۴۲'' میں ''فقہ اکبر'' کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب قرار دیا ہے۔

ہم آئندہ زمانہ میں ''غیر مقلدین کا امام ابوحنیفہؒ کو خراجِ تحسین'' عنوان سے مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، مزید حوالہ جات اس میں نقل کریں گے ان شاء اللہ۔

(۳) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح سلفیوں نے ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی نہیں چھوڑا اور بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں ابن حجر رحمہ اللہ نے جو باتیں اشاعرہ کے موافق کہی ہیں ان کی نشاندہی بھی کی جارہی ہے اور ان کی تغلیط بھی کی جارہی ہے۔'' [اتمام حجت:۱۵]

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بات بالکل بجا ہے۔ ثبوت کے لیے مولانا ابوالاشبال شاغف غیر مقلد کا حوالہ ملاحظہ ہو:

شاغف صاحب نے بخاری کی شروح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

''سب سے مشہور ومعروف شرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''فتح الباری'' ہے۔ یہ شرح سب سے زیادہ فائدہ مند اور کام کی ہے۔ البتہ حافظ نے جہاں کہیں اشعریت اور شافعیت کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے اسے چھوڑ کر اس شرح سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔'' [مقالاتِ شاغف:۱۲۷]

شاغف صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر نے کافی حد تک اس بات کا خیال رکھا کہ وہ اس کتاب کی ترجمانی کا حق ادا کر سکیں لیکن وہ بھی کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ اشعریت وشافعیت اور تقلید کی راہ میں وہ بھی غرق ہونے سے نہ بچ سکے۔''[مقالاتِ شاغف:۱۶۰]

ایک افتراء کا ازالہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اہلِ حدیث ہونے کے دعوے داروں کے متعلق لکھا:

''ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی شرک ہے''[سلفی عقائد اور صفات متشابہات:۷]

واسطی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کا یہ لکھنا کہ اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی شرک ہے'' ان پر افتراء محض ہے۔جس پر کم از کم استغفار کا ورد ضرور کرنا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ روزِ قیامت باعث شرمندگی بن جائے''[عقیدہ سلف:۲۹]

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ''اتمام حجت'' رسالہ میں تقلید کو شرک قرار دینے والے اہلِ حدیثوں کے بعض حوالے نقل کر دیئے ہیں۔دیکھئے اتمام حجت:۹۰،۹۱

مزید کچھ حوالے ہم نقل کر دیتے ہیں۔

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری لکھتے ہیں:

''ہر مشرک پہلے مقلد ہوتا ہے پھر مشرک۔اگر تقلید نہ ہو تو شرک بھی پیدا نہ ہو۔شرک پیدا ہی تقلید سے ہوتا ہے۔''[رسائل بہاول پوری:۵۲]

مولانا ابوالحسن سیالکوٹی لکھتے ہیں:

''اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تقلید خواہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان کے سوا کسی اور کی، شرک ہے۔''[الظفر المبین:۲۰]

مولانا محمد جونا گڑھی صاحب نے ایک سوال اُٹھایا اور پھر خود ہی اس کا جواب دیا۔ذیل میں وہ سوال وجواب ملاحظہ ہو:

''سوال:جس وہابی کا باپ حنفی ہو کر مرا وہ یہ دعا نہ پڑھے؟رب اغفر لی ولوالدی''

''جواب:مشرکین کے لیے دعا مغفرت ناجائز ہے۔''[سراج محمدی:۴۷]

جونا گڑھی صاحب نے ایک جگہ ''تقلید شرک ہے'' عنوان قائم کیا ہے۔[سراج محمدی:۱۲]

مولانا خواجہ محمد قاسم نے شیخ البانی کے معتقدین کا رد کرتے ہوئے لکھا:

''اہلحدیث میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کو تو کفر کہتے ہیں لیکن اپنے امام وقت کے اتنے سخت مقلد ہوتے ہیں کہ کسی کو معاف ہی نہیں کرتے۔'' [قد قامت الصلوٰۃ: ۱۰]

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''اہلِ حدیث کی کتابیں، رسالے اور فتوے دیکھیں جن میں تقلید کو نہ صرف بدعت بلکہ کفر قرار دیا ہے۔'' [اہلِ حدیث امرتسر ۲۲ محرم ۱۳۳۳ھ]

اس عبارت کا عکس ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی کتاب ''تاریخ ختم نبوۃ: ۴۶۰'' پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اُمید ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر لگائے گئے مذکورہ افتراء کے الزام کو دُور کرنے کے لیے اتنے حوالے کافی ہیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی نیکیوں کو قبول فرما کر ان کے درجات بلند کرے اور عوام کو ان کے علوم سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔

.....☆☆☆.....

مکاتیب

اہل علم وفضل کے مکاتیب وخطوط کو علمی برادری میں خاص اہمیت حاصل ہے اشاعت خاص کے اس حصے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے خطوط میں سے چند خطوط کا انتخاب بطور نمونہ کے پیش خدمت ہے۔

مکتوبِ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو عافیت کاملہ اور اپنی رضائے کامل کے ساتھ طویل حیات طیبہ عطا فرمائیں۔ آمین

اس وقت اس عریضے کے ذریعے آپ کو تکلیف دینے کا منشأ یہ ہے کہ بندہ کی عمر اس شوال میں قمری حساب سے ستر سال ہو چکی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جو طویل مہلت عطا فرمائی، جب اس پر نظر ڈالتا ہوں تو حسرت ہوتی ہے کہ اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھا سکا، اس دوران بہت سے حضرات سے تعلق رہا، اور خیال ہوتا ہے کہ مجھ سے نہ جانے کس کس کی حق تلفی ہوئی ہو، چونکہ حقوق العباد کا معاملہ بہت سنگین ہے، اور نہ جانے کب باقی مہلت ختم ہو جائے، اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ:

من كانت له مظلمة لاحد من عرضه أو شيء فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار و لا درهم ان كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، و ان لم تكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه، (صحيح بخاری، كتاب المظالم)

جس شخص سے کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو چاہے اس کی آبرو پر یا کسی اور چیز پر تو اسے چاہیے کہ آج اس سے معافی مانگ لے، قبل اس کے کہ وہ وقت آئے جب نہ کوئی دینار ہوگا، نہ درہم، اگر اس (ظلم کرنے والے) کا کوئی نیک عمل ہوگا تو وہ اس کے ظلم کے بقدر لے لیا جائے گا، اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔

اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے میں آپ سے ملتجیانہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کبھی بھی آپ کی کوئی حق تلفی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اسے معاف فرما دیں۔

الحمد للہ! مجھ پر کسی کا کوئی مالی حق ہونا یاد نہیں ہے، لیکن اگر کسی کا کوئی مالی حق میرے ذمے رہ گیا ہو اور مجھے یاد نہ ہو اور وہ مجھے یاد دلا دیں تو ان شاء اللہ وہ میں فوراً ادا کر دوں گا۔

لیکن حقوق العباد صرف مالی حقوق میں منحصر نہیں ہیں اور آپ سے بندہ کا جو تعلق رہا ہے اس میں نہ جانے کتنے حقوق میں ادا نہ کر سکا ہوں، یا میرے کسی قول یا عمل سے آپ کی دلآزاری ہوئی ہو، اور اگرچہ میں اپنی حد تک غیبت سے احتراز کی کوشش کرتا رہا ہوں لیکن یہ ایسا گناہ ہے جس میں خواہی نخواہی بعض اوقات ابتلاء ہو جاتا ہے، اس لیے غیبت سمیت آپ

کی مجھ سے جو کوئی حق تلفی ہوئی ہو، میں اس پر آپ سے تہ دل کے ساتھ معافی مانگتا ہوں اور آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنے ایک بھائی کی اس درخواست کو قبول فرما کر ضرور معاف فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے، ساتھ ہی میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر بالفرض آپ کے ذمے میرا کوئی حق ہو تو میں اسے معاف کرتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری باقی ماندہ زندگی کو اپنے فضل وکرم سے اپنی رضائے کامل کے مطابق بنادیں۔ آمین

بندہ محمد تقی عثمانی

۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

.....☆.....

بخدمت جناب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معافی سے متعلق آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ کی یہ عبارت کہ ''اگر بالفرض آپ کے ذمے میرا کوئی حق ہو تو میں اسے معاف کرتا ہوں'' اس سے خوشی ہوئی۔ میں بھی انہی الفاظ کو آپ کے لیے کہتا ہوں کہ ''اگر بالفرض آپ کے ذمے میرا کوئی حق ہو تو میں اسے معاف کرتا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ آپ کی، میری اور سب مسلمانوں کی غلطیوں سے درگذر فرمائیں۔ آمین

والسلام

عبدالواحد

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

.....☆☆☆.....

مکتوب بنام مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ

زیر نظر مکتوب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ کو لکھا تھا۔ جس کا پس منظر جیسا کہ سوال سے واضح ہے یہ تھا کہ حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے اجتماعی ذکر سے متعلق مقالے کو سامنے رکھ کر ایک فتویٰ لکھا تھا جو ''الحسن'' میں (اکتوبر ۲۰۰۲ء میں) شائع ہوا۔ اس مکتوب میں جہاں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے نفس مسئلہ سے متعلق موقف کو جاننے کا موقع ملتا ہے وہیں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شرعی مسئلے میں شاگرد کو اپنے استاد سے دلیل کی بنیاد پر اختلاف کرنے کا نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ یہ اس کی ذمہ داری بھی ہے۔ حق استاد اور ادب و آداب اختلاف سے مانع نہیں ہوتے۔ ہاں اظہار اختلاف کے انداز میں ادب کا دامن نہ چھوٹنا چاہیے۔

بخدمت گرامی حضرت الاستاذ مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند دن پہلے ایک صاحب نے ''الحسن'' میں شائع شدہ آپ کا ایک فتویٰ دکھایا۔ یہ فتویٰ جو اجتماعی ذکر بالجہر کے بارے میں ہے، اس بارے میں کچھ عرصہ پہلے بھی ایک ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا تھا کہ آپ نے وہ لکھا ہے اور اب اس کی کتابت ہو رہی ہے۔ میں نے ان کی معرفت پیغام بھی بھیجا تھا کہ چھپنے سے پہلے مجھے بھی دیکھنے کا موقع ملے تاکہ اگر اپنی غلطی سامنے آئے تو میں اس سے رجوع کر لوں۔ معلوم نہیں کہ اس پیغام کا کیا ہوا۔

آپ کا فتویٰ مکمل پڑھا۔ اندازہ ہوا کہ سائل نے آپ کو جو کتابچہ بھیجا تھا وہ غالباً میرا لکھا ہوا تھا، واللہ اعلم۔ خیال ہوا کہ آپ کی خدمت میں اپنی کچھ معروضات پیش کر دوں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اپنے کتابچے کے پیش لفظ میں صراحت سے لکھا تھا کہ ''اگر اس (کتابچہ) میں کچھ غلطی ہے تو اہل علم سے درخواست ہے کہ دلائل سے غلطی کی نشاندہی فرمائیں۔ یہ ان کا احسان ہوگا'' اس صراحت کے باوجود کسی نے براہ راست (یا بالواسطہ) مجھے میری کوئی غلطی نہیں بتائی۔ کتابچہ کی اشاعت سے پہلے ''انوار مدینہ'' میں اس کی اشاعت کے بعد بھی کسی نے بھی کوئی نشاندہی نہیں کی تھی حالانکہ ہم چھوٹے اس قابل تو تھے کہ بڑے ہم پر شفقت فرماتے اور ہمیں ہماری غلطی سمجھا دیتے۔ میں تو یہی سمجھا کہ میری بات درست ہی ہے۔

۲۔ نہ تو میں مجلس ذکر کا مخالف ہوں اور نہ ہی ذکر جہری کا اور نہ ہی مجلس ذکر میں ذکر جہری کی مخالفت کرتا ہوں۔ اپنے

کتابچہ میں میں نے دو باتوں کے عدم جواز کا کہا ہے:

الف: ذکر کے لیے تداعی اور بلا کر لوگوں کو اکٹھا کرنا۔

ب: لوگ اکٹھے ہوں تو اس بات کا اہتمام کرنا کہ سب مل جل کر ایک ہی ذکر کریں خواہ سراً یا جہراً۔

اگر بغیر تداعی کے لوگ جمع ہوں اور اپنا اپنا ذکر کریں خواہ سری یا جہری پھر خواہ اتفاق سے سب کا ذکر ایک ہی ہو جائے ایسی مجلس ذکر کا جہری ذکر میں جائز سمجھتا ہوں۔ غرض اجتماعی ذکر خواہ سری ہو یا جہری میں اس کو دو قیدوں کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں (الف) اس میں تداعی نہ ہو۔ (ب) اس میں سب کے ایک ہی ذکر کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

۳۔ آپ نے اجتماعی ذکر بالجہر کے جواز میں جتنے بھی حوالے ذکر کیے ہیں وہ میری ذکر کردہ دو قیود کے منافی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی نفی اور لغویت پر کسی طرح بھی دلالت کرتے ہیں۔ اجتماع کے لیے تداعی لازم نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں تداعی کے بغیر ہی اجتماع و مجلس کا تحقق ہوتا تھا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتوں کے جواب میں جناب نے مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی بات ذکر کی ہے حالانکہ میں نے اپنے کتابچہ میں ثابت کیا تھا کہ مولانا مدنی رحمہ اللہ کی عبارت میری ذکر کردہ بات کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کی مؤید ہے۔ اگر موقع ملے اور آپ اس پر دوبارہ نظر ڈال لیں تو انشاء اللہ بات واضح ہو جائے گی۔

۵۔ میں نے کتابچہ میں یہ بھی لکھا ہے:

"تعلیم کی غرض سے اجتماعی ذکر کرانے کو (یعنی ایک وقت میں حاضرین کو ایک ہی ذکر کرانے کو) بقدر ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے۔" (ص:۲۹)

۶۔ موجودہ دور میں عوام میں مجلس ذکر اور مجلس درود شریف کرانے کا جو اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے لیے تداعی کی جاتی ہے اور اعلان و اشتہار ہوتے ہیں اور بلا تخصیص اور بلا لحاظ ضرورت سب کو ایک ہی ذکر کرایا جاتا ہے کیا اس کو بھی معمولات مشائخ میں سے شمار کیا جا سکتا ہے؟ محل نظر ہے کیونکہ آج کل عام طور سے ایسی مجلس لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے کی جاتی ہیں جبکہ معمولات مشائخ کا تعلق اس کے بعد مرحلہ سے ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں جب کہ ان کو اس طرح سے دیکھا جائے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے تو ان کو نظر انداز کرنے کی صورت نہیں ہے۔

یہ چند معروضات پیش خدمت ہیں۔ امید ہے کہ میری اصلاح فرمائیں گے۔

والسلام علیکم

طالب دعا: عبدالواحد غفرلہ

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

.....☆☆☆.....

مکتوب حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی جناب حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہم جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ ۲۸/ ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۷/ ۱۸، اپریل ۱۹۹۶ء کو ''المرکز الاسلامی بنوں'' کے زیر اہتمام ایک فقہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ جس میں ملک کے چیدہ علماء اور مفتیان کرام نے شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس کے تمام شرکاء نے اس ضرورت کا احساس کیا کہ ملک میں مستقل بنیادوں پر ایک فقہی مجلس تشکیل دی جانی چاہیے جو امت کو وقتاً فوقتاً پیش آنے والے مسائل کا کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اجتماعی حل پیش کرے تاکہ مسلمانان پاکستان کے لیے بالخصوص اور امت اسلامیہ کے لیے بالعموم، اس اجتماعی فیصلہ پر عمل کرنا آسان ہو۔

اس مجوزہ فقہی مجلس کے رہنما اصولوں کے طور پر فی الحال چار امور طے کیے گئے:

۱۔ اس مجلس کی حکومت وقت سے کوئی وابستگی نہ ہو، نہ یہ مجلس حکومت سے کوئی امداد وصول کرے۔

۲۔ اس کی سرپرستی ملک کی کوئی مقتدر علمی شخصیت کرے۔ نیز یہ کہ وہ شخصیت اور مجلس میں شامل دیگر نمایاں ممبران کوئی سیاسی وابستگی نہ رکھتے ہوں۔

۳۔ مجلس کا ایک مرکزی دفتر ہو جو دفتری لوازمات کو پورا کرتا ہو۔

۴۔ دفتری نظم چلانے کے لیے ہمہ وقتی ناظم کا ہونا بھی ضروری ہے۔

اس مجوزہ فقہی مجلس کی باقاعدہ تشکیل اور اس سے متعلق امور کی تفصیلات طے کرنے کے لیے عبوری طور پر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مجلس سے متعلقہ ضروریات کا جائزہ لے سکے اور ملک بھر کی علمی شخصیات اور دینی اداروں سے رابطہ کر کے اس مجلس کے لیے آراء حاصل کرے تاکہ آنے والی تجاویز کی روشنی میں حتمی طور پر اس مجلس کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔

اس کمیٹی میں درج ذیل حضرات کے اسمائے گرامی تجویز کیے گئے:

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

۲۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہم

۳۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم

۴۔حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہم
۵۔حضرت مولانا نصیب علی شاہ صاحب مدظلہم
جبکہ عبوری طور پر احقر محمود اشرف عثمانی کا نام بطور ناظم تجویز کیا گیا۔
یہ مجوزہ فقہی مجلس جن مقاصد کے حصول کے لیے قائم کی جارہی ہے وہ چونکہ بلاشبہ وقت کی اہم ضرورت ہیں اس لیے آنجناب سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی رائے اور اپنے مشوروں سے ہمیں مطلع فرمائیں، اس مجلس میں جن فقہی شخصیات کی شمولیت آپ کی نگاہ میں مناسب ہو اور اس بارے میں جو اہم نکات جناب ضروری سمجھتے ہوں ان سے ہمیں آگاہ کریں تاکہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں اس کا تفصیلی طریق کار تجویز کیا جاسکے۔

و اللہ سبحانہ و تعالیٰ ولیّ التوفیق و منہ نسأل السداد و الصواب

عرض مزید: آنمخدوم کا گرامی نامہ جو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے نام تحریر کیا گیا تھا۔ احقر کو موصول ہوگیا ہے۔ احقر نے اسے محفوظ کرلیا ہے۔ دعا کا طالب ہوں۔

احقر محمود اشرف عثمانی غفرلہ

۷ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

.....☆.....

لجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً
بخدمت جناب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزاج گرامی
بنوں کی فقہی کانفرنس میں آئندہ کے لیے جو لائحہ عمل سوچا گیا تھا اس کے لیے کچھ تجاویز ذہن میں آئیں جو پیش خدمت ہیں۔
۱۔ ملک بھر کے اہل افتاء سے مشورہ یا تعاون کی صورت کی طلب کے لیے جو سوالنامہ بھیجنا طے پایا تھا اس کے بجائے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو اس کی اطلاع کردی جائے کہ فقہی کانفرنس کے نتیجہ کے طور پر ایک مجلس فقہی قائم ہوئی ہے اور اس کے اراکین کی ابتدائی تحقیقات تصدیق وتنقید کے لیے ارسال کی جائیں گی۔ امید ہے کہ مرسل الیہم اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں گے اور اس طرح سے وقت کی ایک ضرورت کو پورا کرنے میں تعاون کریں گے۔
یہ تجویز اس لیے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مشورہ لینے کی صورت میں ایک تو وقت زیادہ لگے گا دوسرے بعض مشورہ دینے والے اپنے مشورہ پر عمل کی توقع باندھ لیتے ہیں۔

۲۔اس مجلس فقہی کا نام اس طرح کا سا ہو ''کل پاکستان مجلس فقہی''

۳۔اس مجلس فقہی کا قیام جلد از جلد ہو جائے۔

۴۔ یہ مجلس فقہی تمام کاموں کو نئے سرے سے دیکھے۔ جو کام پہلے سے ہو چکا ہے اور متفق علیہ ہے اس پر نظر ثانی میں زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے۔ البتہ اس سے دو ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں جو یہ ہیں: اول: اس کام کی اس ''کل پاکستان مجلس فقہی'' کے تحت نشر و اشاعت۔ دوم: اس کام کی عوام کے لیے تلخیص ہو۔

۵۔مجلس فقہی جس عنوان پر بھی کام کرے اور کسی نتیجہ پر پہنچے اس کی نشر و اشاعت کے دو معیار ہوں۔ ایک خواص کے لیے اور ایک عوام کے لیے۔ خواص کے لیے تو پوری تحقیق شائع کی جائے اور عوام کے لیے ان کی ضرورت کے بقدر آسان لفظوں میں شائع کی جائے۔ اور یہ مختصر عدد کے صفحات پر شائع کی جائے تا کہ عوام تک ان کی رسائی ہو اور اصحاب خیر بھی بڑی تعداد میں خرید کر عوام تک ان کو مفت پھیلا سکیں۔ عوام تک ان کو پہنچانا اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں جو عام شکایت ہے کہ جدید مسائل کا کچھ حل نہیں ہے۔ اگر چہ یہ شکایت بالکل بے جا اور حقیقت سے بعید ہے۔ اس کا ازالہ ہو سکے۔

۶۔مجلس فقہی کے کاموں کی نشر و اشاعت کے لیے مختلف متعدد اشاعتی اداروں کو تعاون پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ طباعت و اشاعت بھی کریں اور اپنے کام پر نفع بھی کمائیں۔ کسی قسم کے طباعتی حقوق نہ رکھے جائیں۔

۷۔کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ کام جلد از جلد کر لیا جائے۔ بہر حال جہاں ضرورت پڑے وہاں پر ضرورت کے مطابق زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے۔

۸۔ پوری تحقیق و چھان پھٹک کے بعد مجلس کی جو آراء شائع کی جائیں ان سے اگر بعد میں کسی بھی مرحلہ پر کوئی اختلاف کرے اور اس کے دلائل وزنی ہوں اور رجوع کے متقاضی ہوں تو رجوع کر لیا جائے یا اصلاح کر لی جائے۔

۹۔مجلس فقہی کے کاموں کو ملک میں شائع ہونے والے دینی رسائل خصوصاً دینی مدارس سے شائع ہونے والے تمام رسائل میں ہو سکے تو بیک وقت شائع کیا جائے۔

.....☆☆☆.....

مکتوب حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ

بگرامی خدمت مولانا رشید میاں ومحمود میاں صاحبان دام مجدہما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

تقریباً دوسال پہلے آپ حضرات نے کرم فرمایا تھا۔ احقر کی کتاب ''حیلے بہانے'' انوار مدینہ میں شائع کرنا شروع فرمائی تھی احقر بہت ہی زیادہ ممنون ہے اور شکر گذار ہے، آخری شمارہ جو آیا ہے اس میں رسالہ مذکورہ ختم ہوگیا۔ آپ کی محبت کو دیکھ کر خیال ہوا کہ مزید مضامین ارسال کروں۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اتنے اونچے جرائد میں میری چیزیں شائع ہوں پھر بھی آپ کی محبت دیکھ کر ایک مضمون ''توبہ'' پر اور ایک مضمون سورہ ''حجرات'' کے دوسرے رکوع کی تین آیات کی تشریح وتوضیح سے متعلق بھیج رہا ہوں۔ اس میں اخلاق عالیہ اسلامیہ کا ذکر ہے اور مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپس میں کیسے مل کر رہیں۔ اس کے بعد مزید مضامین ارسال کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

آگے جو بات عرض کر رہا ہوں اگرچہ میں اس کا اہل نہیں لیکن آپ حضرات کے حب الخیر والے مزاج سے متاثر ہوکر ہمت کر ہی لی۔ رسائل الٹ پلٹ کر رہا تھا محرم الحرام کا شمارہ ''انوارِ مدینہ'' سامنے آگیا جس میں دارالافتاء کی طرف سے حرام حلال پر بحث کی گئی ہے۔ بہتر تھا کہ ان امور کو شائع کرنے سے پہلے دوسرے علماء سے بھی مشورہ کرلیا جاتا، یہ جو اضطرار کے نام سے حضرات مفتیان کرام استفتاء کے بغیر ہی کچے پڑ رہے ہیں اور عوام کو گنجائش دے رہے ہیں، کاش یہ علماء دیوبند کی طرف سے نہ ہو۔ نیز ہندوستان میں بعض علماء نے اسی طرح کی باتیں نکال کر بیمہ کی حلت کا اعلان کر دیا اور ''الاشباہ والنظائر'' وغیرہ کی عبارتیں نکال کر صریح حرام کو حلال قرار دیا۔ وہ قمار اور مَیسر جسے قرآن کریم نے ''رجس من عمل الشیطان'' فرمایا ہے اس کو حلال کر دیا۔ لیکن جب مؤاخذہ کیا گیا تو ان میں سے بعض منچلے اہل قلم نے لکھ دیا کہ یہ عارضی تحلیل ہے، یہ تحلیل وتحریم کے عارضی یا دائمی اختیارات انسانوں کو کہاں سے مل گئے؟

آللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ.

آپ کے رسالہ میں جو مضمون شائع ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حرام دنیا میں بہت رواج پا گیا ہے۔ حرام مال سے خریدنے والے سے بائع یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نہیں بیچتا، اور حرام مال سے خریدنے والے کو کھانے پینے پہننے کی اجازت اس لیے ہے کہ وہ خریداری کے وقت رقوم کو متعین نہیں کرتا اور کسی تاویل سے بائع کے لیے بھی وہ ہبہ حلال ہے جو اس نے

اپنے مال کے عوض میں حاصل کیا ہے۔

میری ناقص عقل میں تو مضمون کا خلاصہ یہی نکلا ہے۔ میں زیادہ سمجھ دار بھی نہیں ہوں اور سمجھ داری کا دعویٰ بھی نہیں ہے اور علم بھی ایسا ہی ہے لیا دیا لیکن اگر میں نے صحیح سمجھا ہے اور پڑھنے والوں نے بھی ایسا ہی سمجھا ہوگا تو یہ حرام کھانے پینے اور پہننے کا دروازہ کھول دینا ہے۔ اس طرح عوام الناس کو اباحیت کی طرف لے جانے کا راستہ نکلتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حرام نوکریاں تو حرام رہیں گی اور حرام کاروبار بھی حرام رہیں گے لیکن اس کے رقوم اور نقود سے استمتاع حلال رہے گا۔ اگر فقہاء کی عبارات سے ایسی کوئی بات نکلتی بھی ہے تو اول تو قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف اس کا اعتبار نہیں۔ ثانیاً ایسی چیزیں شائع کرنے کی نہیں ہوتیں، یہ باتیں جان کر تو لوگ دھڑلے سے حرام کھائیں اور پئیں گے اور نوکریاں اور کاروبار حرام طریقہ پر کریں گے، رہی یہ بات کہ حرام نوکری اور حرام کاروبار کا گناہ ہوگا سو گناہ سے بچنے کی ان کے یہاں کوئی حیثیت نہیں رہی۔

جو باتیں صاحب شریعت ﷺ سے بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں۔ حضرات فقہاء کرام کی تاویلات کے ساتھ جو بہت بعد کے فقہاء ہیں عامۃ المسلمین کو حرام کھانے کی اجازت دینا کہ خریداری کے وقت پہلے خرید لیتے ہیں بعد میں حرام قیمت بائع کے ہاتھ میں پکڑاتے ہیں۔ یہ دلیل حرام کے حلال ہونے کی بن گئی۔ غور فرمالیں کیا یہ بات **فی ما بیننا و بین اللہ** دلیل بن سکتی ہے؟ اور نقود کا متعین یا غیر متعین ہونا اور ان پر مسائل کی بنیاد رکھنا یہ بھی صاحب شریعت ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ قیمت بعد میں دی لیکن جو مال قبضہ میں آیا اس کا ذریعہ تو وہی حرام مال ہے۔

تحلیل حرام کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ دنیا میں گویا عام طور سے حلال ملتا ہی نہیں، مشتری بھی مجبور ہے اور بائع بھی۔ اگر ایسا ہی ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ ماحول کس نے پیدا کیا ہے؟ کیا قرآن وحدیث میں ایسی کوئی نص ہے کہ مسلمان خود سے اپنا ایسا ماحول بنالیں کہ حرام سے نہ بچ سکیں اور پھر حرام اضطرار کی وجہ سے حلال ہو جائے مسلمانوں کو حرام اموال اور حرام اعمال سے بچنے کی تاکید کرنے اور مواعید یاد دلانے کے بجائے ان کے لیے تاویلیں کر کے محرمات کی تحلیل کرنا اور اسے شائع کرنا یہ کوئی دینداری کی بات نہیں۔ کیا ان تاویلوں سے احادیث کے مضمون پلٹ جائیں گے؟ حدیث میں تو یہ ہے کہ جس نے دس درہم کا ایک کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائے گا جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر ہو۔ اور یہ فرمایا: ''**کل لحم نبت من السحت کانت النار اولیٰ بہ**'' (مشکوٰۃ:۲۴۲)

کوئی آدمی پیتے پیتے شراب کی ایسی عادت ڈال لے کہ بغیر پیئے مرنے لگے تو کیا یہ اضطرار میں آئے گا اور اس کے لیے جوازِ شربِ خمر کا فتویٰ دیا جائے گا (جبکہ عام شرابیوں کا یہی حال ہے) پھر امت کے ایمان کی بھی اس میں حفاظت ہے کہ ان کے لیے ان چیزوں کو حرام ہی رہنے دیں جن کو شریعت نے حرام کیا ہے ورنہ وہ کہیں گے کہ لو بھائی یہ مال پہلے تو حرام تھا اب حلال ہو گیا۔ دشمن بھی پیچھے لگے ہوتے ہیں وہ کہیں گے دیکھ لو یہ اسلام ہے جسے مولوی گھر بیٹھے بدل لیتے ہیں،

صدیوں سے جو چیز حرام تھی آج حلال ہوگئی اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارا دین اللہ کی طرف سے ہے۔فقہاء کی تاویل کو وہ لوگ نہیں جانتے۔اور یہ فرق کہ قیمت بعد میں دی ہے کوئی معقول نہیں ہے۔دشمن کہیں گے ایسی لچر تاویلوں سے ان کا دین بدل جاتا ہے۔محللین اور مُولین امت پر رحم کھائیں اور ایسی باتیں شائع نہ کریں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ''انوار مدینہ'' کے مذکورہ مضمون کے بارے میں دوسرے حضرات کی طرف سے کیا ردعمل ہوا بہرحال میں نے اپنی بے چینی ظاہر کردی ہے مناسب جانیں تو میرے اس خط کو شائع فرمادیں۔پہلے تو یہ کام مصر کے لوگ کیا کرتے تھے، لاہور میں یہ وبا کہاں سے پہنچ گئی۔وہ تو یہاں تک کہنے لگے کہ یہود کی مخالفت میں داڑھی منڈوانا واجب ہے۔وہ حدیث ''**خالفوا الیھود**'' کو دلیل بناتے ہیں اور آپ نے کرخی کے مرجوح بلکہ ضعیف بلکہ غلط قول کو لے لیا جو قرآن وسنت کے خلاف ہے۔کرخی کی تقلید کہاں سے جائز ہوگئی؟

والسلام

محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

۲۱ شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ

.....☆.....

الجواب: بسم اللہ حامداً ومصلیاً

بخدمت جناب مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب برنی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محرام الحرام ۱۴۱۸ھ کے شمارہ ''انوار مدینہ'' میں دارالافتاء کی جانب سے شائع ہونے والے مضمون ''اہل علم واہل فتویٰ کے غور وفکر کے لیے ایک مسئلہ'' پر مولانا رشید میاں صاحب اور مولانا محمود میاں صاحب کے نام سے جو تبصرہ جناب نے روانہ فرمایا وہ میرے لیے عتاب نامہ سے کم نہ تھا۔کیونکہ اس مضمون کے لکھنے کا خطاوار میں ہی ہوں۔اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھیں کہ میں دین کے نام پر کوئی ایسا کام کروں جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا سبب ہو اور اللہ کے نیک بندوں کو مجھ سے شکوہ شکایت ہو۔

اشاعت سے بہت پہلے یہ مضمون حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ (خیر المدارس ملتان)، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کو بھیجا تھا۔مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی جانب سے تو یاددہانی کے باوجود آج تک کوئی جواب نہیں ملا۔حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے شفقت فرمائی اور میری معروضات پر مکرر عنایت فرمائی۔انہوں نے جو ردوارد کیے ان کا جواب میں نے شائع ہونے والے مضمون میں دیا ہے۔کچھ ناگواری کے آثار محسوس کرکے مجھے تیسری مرتبہ کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

آپ نے توجہ فرمائی۔ شاید یہ میرا حق بھی ہو ؎

و للأرض من كأس الكرام نصيب

بہرحال یہ آپ کی مہربانی اور آپ کا احسان ہے۔ آپ نے میرے مضمون کا جو خلاصہ ذکر فرمایا ہے اس کو مکمل طور پر میں خود ذکر کیے دیتا ہوں۔

زید نے کسی حرام کی کمائی سے سو روپے حاصل کیے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ زید کے ذمہ ہے کہ وہ سو روپے مالک کو واپس کرے یا متعذر ہونے کی صورت میں صدقہ کرے (یعنی زید کے ذمہ سو روپے واجب الادا یا واجب التصدق ہیں)۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ انہی سو روپے سے خلاصی حاصل کرے اور ان کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔ ایک دوسری صورت جو امام کرخی رحمہ اللہ کے قول سے سمجھی وہ یہ کہ اگر زید ان سو روپوں سے اپنے لیے کوئی شے خرید لے اور کوئی دوسرے سو روپے صدقہ کر دے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت وہ شے زید کے لیے حلال ہوگی۔ اسی طرح اگر زید نے ان سو روپوں سے کوئی شے خریدی اور پھر وہ ایک سو دس میں فروخت کر دی، نفع کے دس روپے اپنے پاس رکھ لیے اور سو روپے صدقہ کر دیے تو اس کی بھی گنجائش نظر آتی ہے۔ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ شے اس کے لیے حلال اور طیب ہوئی اس لیے نفع بھی اس کے لیے طیب ہوا البتہ اس کے ذمے میں جو سو روپے کی مالیت واجب التصدق ہوئی تھی وہ بہرحال اس نے صدقہ کرنی ہے۔

میرا مطلب فقط اتنا ہے۔ میرا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو حرام کو حلال میں تبدیل کرنے کا ذریعہ بنالیا جائے۔ اپنی یہ بات میں نے اس شمارہ کے صفحہ ۵۷ پر یوں لکھی تھی:

''حاصل یہ ہے کہ مکتسب حرام کے ذمہ ہوگا کہ وہ جتنی رقم خرچ کر چکا اس کے بقدر ضمان ادا کرے یعنی یا تو مالک کو واپس کرے یا وہ متعذر ہو تو صدقہ کرے اور اس کے بائع کے لیے اس کے ہاتھ اپنی شے فروخت کرنا جائز ہے اور اس کے بائع کے لیے حرام مال میں سے حاصل شدہ قیمت حلال ہے۔''

دوسری عرض یہ ہے کہ یہ کام استفتاء کے بغیر نہیں کیا۔ اس بارے میں متعدد سوال سامنے آئے مثلاً ہفتہ عشرہ ہوا ایک صاحب ہمارے جامعہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ آئے۔ وہ چار مہینے کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ پوچھنے لگے کہ وہ بینک میں ملازمت کرتے رہے تھے اور ابھی حال ہی میں بینک سے یکمشت پنشن لے کر ریٹائر ہوئے ہیں۔ کوئی اور ذریعہ معاش نہیں اور اس رقم سے دستبرداری بھی مشکل ہے بلکہ انہوں نے تو یہ جاننے کے بعد کہ بینک کی نوکری جائز نہیں پنشن لے کر نوکری چھوڑی۔

اعلیٰ اور عزیمت کی بات تو یہی ہے کہ وہ صاحب ساری کی ساری رقم فوراً صدقہ کر دیں اور اس سے کچھ نفع نہ اٹھائیں اور اپنے لیے متبادل رزق تلاش کریں۔

امام کرخی رحمہ اللہ کے قول میں رخصت نظر آئی کہ پنشن کی رقم کو وہ کسی کاروبار میں لگا دیں اور جو نفع حاصل ہو اس میں سے اپنی ضرورت کا خرچہ بھی چلائیں اور پنشن میں حاصل کردہ رقم کے برابر صدقہ بھی کریں۔

تیسری عرض یہ ہے کہ فقط امام کرخی رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے بلکہ اس کو صدر الشریعہ اور شمس الائمہ سرخسی رحمہما اللہ اور دیگر حضرات نے بھی اختیار کیا ہے یہاں تک کہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لکن لا یخفیٰ انهما قولان مصححان.

اگر ان ترجیحات کے باوجود میری بات دلائل سے غلط ثابت ہو تو اس سے دستبرداری میں انشاء اللہ پس وپیش نہ ہوگا۔ دوسروں کی دنیا کے لیے اپنی عاقبت کیوں خراب کی جائے۔

چھوٹا ہوں۔ آداب کی رعایت رکھنے کی پوری کوشش کی ہے لیکن پھر بھی نادانی سے کچھ کوتاہی ہوگئی ہو تو آپ حضرات کی عالی ظرفی سے عفو و درگزر کا امیدوار ہوں۔ نیز موجودہ حالات میں تو آپ حضرات کی بہت زیادہ توجہ اور دعاؤں کا محتاج ہوں تاکہ غلطی پر اصرار نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بس اپنی مرضیات پر رکھیں۔

والسلام

عبدالواحد

۱۸ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

.....☆☆☆.....

مکتوب بنام مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب

علوی مالکی (بدعتی) کے فتنے کے ساتھ ساتھ پاکستان میں ''اکابر کا مسلک ومشرب'' نامی رسالہ لکھ کر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی نے مسلک علماء دیوبند کو مشتبہ بنانے کی کوشش کی۔ جب داروگیر ہوئی تو رسالے سے مشروط رجوع کیا۔ مگر اس رجوع پر اہل علم وافتاء کو تسلی نہ ہوئی، اور غیر مشروط رجوع کا مطالبہ قائم رہا۔ مگر ہزاروی صاحب اپنے گول مول رجوع پر قائم رہے۔ کچھ حضرات (جیسے مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہ) نے کوشش کی کہ ہزاروی صاحب غیر مشروط رجوع پر آمادہ ہو جائیں، اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے پیش آمدہ مکتوب لکھوایا۔ مگر افسوس کہ ہزاروی صاحب اپنی روش پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلک حق اہل سنت پر چلنے کی توفیق ارزاں فرمائیں۔ آمین

بخدمت جناب مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ اہل علم ہیں اور آپ کی عقیدت مندی کا میدان بھی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ترقیاں عطا فرمائیں۔

محترم جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ افراتفری کا زمانہ ہے نئے نئے فتنوں کا ظہور روزمرہ کے حساب سے ہو رہا ہے اس لیے صدق دل اور دلی ہمدردی سے عرض ہے کہ امت کو جوڑنے کی کوشش کی جائے توڑنے کی نہ کی جائے۔ اس کے لیے ایک قدم تو آپ نے اٹھایا کہ جناب کی متنازعہ کتابوں اور تقاریظ کو آپ کے نام کے ساتھ شائع نہ کیا جائے آپ اگر ایک قدم اور اٹھالیں اور برملا یہ اعلان کر دیں کہ آپ سے اپنی تحریروں میں غلطیاں ہوئیں اور آپ ان غلطیوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں اور آپ حافظ صغیر احمد اور مولانا عبدالحفیظ مکی سے جب تک وہ بھی اپنا توبہ نامہ شائع نہ کریں آپ ان سے تعلق نہ رکھیں گے تو آپ کا امت کو خلفشار سے بچانے کے لیے یہ بہت مستحسن اقدام ہوگا۔

میرے بھائی! یہ وقت چلا جا رہا ہے اور اپنے ساتھ انسانوں کو بھی لیے جا رہا ہے۔ میں بھی موت کے انتظار میں

ہوں اور میرا اور آپ کا معاملہ آج اور کل کا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو واقعہ کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ توبہ نامہ شائع کرنے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کے مزید کاموں کی توفیق عطا فرمائیں گے اور مسلمانوں میں اتحاد کی قابل قدر صورت پیدا کریں گے۔ والسلام

عبدالواحد

.....☆☆☆.....

متفرقات

الفت کا عنواں

مولانا عابد ظہور نفیسی صاحب

کتنے عالی شاں مفتی عبدالواحد علم کا ایک جہاں مفتی عبدالواحد
جن کو دیکھ کے اللہ کی یاد آتی تھی اللہ کا تھے نشاں مفتی عبدالواحد
وہ تھے طبیب اِک ماہر روح کے جسم کے بھی کتنے خوب انساں مفتی عبدالواحد
حافظ و عالم، مفتی اور مدرس بھی فقہ کے ماہر ہاں مفتی عبدالواحد
وہ تھے خلیفہ شاہ نفیس حسینی کے تھے شیخِ دوراں مفتی عبدالواحد
کئی دُکھیا اور درد کے مارے لوگوں کے دُکھوں کا درماں مفتی عبدالواحد
بتلا دو یارو ان کو کیسے بھولیں! اُلفت کا عنواں مفتی عبدالواحد
اللہ کے اَحکام کی دیکھ کے پامالی ہوتے تھے نالاں مفتی عبدالواحد
تصنیف و تالیف کا بھی تدریس کا بھی مار گئے میداں مفتی عبدالواحد
سونی سونی لگتی ہے اب تو مجلس جس کے روحِ رواں مفتی عبدالواحد

عابدؔ! پاک محمد عَرَبی ﷺ کے عاشق
اُن پر تھے قُرباں مفتی عبدالواحد

گلہائے عقیدت

مولانا طلحہ جواد صاحب
امام وخطیب نیوی بیس، کراچی

غم ہے تو بے حساب ہے دکھ ہے تو بے پناہ
قلب و جگر ہیں سوختہ اور تر بہ تر نگاہ

اقلیمِ علم و زہد وصلاح و فلاحِ دیں
ان سب پہ گویا چل گئی آندھی کوئی سیاہ

فرقت کا سانحہ تو مقدر ہی تھا مگر
کیوں ایسا لگ رہا ہے کچھ اپنا بھی ہے گناہ

نکتہ شناس فقہ اور وہ راز دانِ دیں
تیر قضا نے کر دیا کیا کیا نہ کچھ تباہ

اطوارِ زندگی تھے مکمل نصابِ زیست
آموزش حیات کی بے مثل درس گاہ

وہ علم مالہا و ما علیہا کے امام
وہ فقہِ اکبرِ قدیم کے شہنشاہ

اک بے مثال عالم اور بے مثل ہی فقیہ
تھے درد مند دین کے امت کے خیر خواہ

توفیق رب کی خاص عنایت تھی ہمرکاب
مشکل کبھی بھی کوئی نہ ہو پائی سد راہ

سب مسئلوں کے حل کی یہی ایک شاہ کلید
دائم تھی جستجوئے علم اور وہ بھی جان کاہ

کتنے ہی لا جواب مسائل کا تھا جواب
حضرت کی ایک بات یا حضرت کی اک نگاہ

دیوبند کی حسین روایات کے امیں
مدنی و تھانوی کے محاسن کی جمع گاہ

اسرارِ مزاجِ شریعت اصولِ دیں
عنوان یہ دقیق اور بھرپور دستگاہ

کلیات و جزئیاتِ فتاویٰ کے رازداں
عقل و نقل میں شرحِ صدر کار دستگاہ

جیسے کہ منتظر تھی اسی مردِ کار کی
مغلق حقائق اور مسائل کی رزم گاہ

حضرت کی ایک ذات کمالات بے شمار
اِس رخ سے جامعہ تھے تو اُس رخ سے خانقاہ

عجز ونیاز ہی میں ہمیشہ مگن رہے
فکرِ مقام و نام تھی اور نہ خیالِ جاہ

تفسیر ہو حدیث یا فقہ و اصول فقہ
ہر نقشِ علم ایک ہدایت کی شاہراہ

اوصاف باکمال کی تجسیم باصفا
کچھ بھی مبالغہ نہیں اس میں خدا گواہ

کر کے یہ عمر صرفِ دفاعِ علوم دیں زندگی کے جگمگا گئے ہیں سال و ماہ
علم و عمل کی دنیا کے اس تاجدار کی رخصت جو ہو گئی تو بے میر ہے سپاہ
فرقت کے دکھ کا آہ اب چارہ بھی کیا کریں آنے کے بعد جانا ہے دستورِ کار گاہ
صدمہ جدائیوں کا بجا ہے مگر خوشا اللہ کی جنتیں ہی رہیں گی قرار گاہ
مرقد پہ رحمتوں کی نہ بارش تھمے کبھی پیہم رہے ملائکہ کی یہ ورود گاہ
حضرت کی پیروی جو کریں ان پر آفریں خدام حق کے دیدہ و دل ان کے فرشِ راہ

نسبت کوئی تو طلحہ کو حضرت سے ہو رہے
چند حرف بے ربط سہی بنامِ مرثیہ

.....☆☆☆.....

سراپا

مولانا عابد صاحب
صفہ ٹرسٹ، لاہور

سادہ لباس میں ایک بارُعب مگر مشفق ہستی
چہرہ پر سجی مسنون مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ
علمی جلال مگر طبیعت میں انکساری و عاجزی
تعلیم و تدریس میں کہنہ مشق معلم
تطہیرِ افکار کے علم بردار
منکرات و منہیات سے مجتنب و بے زار
طلبہ کی علمی و فکری تربیت کے جذبہ سے سرشار
حق گو و حق شعار
خوش خو و خوش ادا و خوش اطوار
دھیمے دھیمے قدم اُٹھاتے
استقلال سے چلتے
محبتوں سے راستہ بناتے
وفاؤں کا سفر کرتے
جذبات میں ضبط و ٹھہراؤ
طبیعت میں صبر و تحمل
قلب میں برداشت و استقامت
نگاہ میں وُسعت و فراخی

جیسی صفات کے حامل، یہ تھے ہمارے اُستاذِ محترم فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالواحد صاحب **نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہ**، نہ جانے مٹی ایسے بیش قیمت اَشخاص کو اپنی آغوش میں لے کر کیا کرتی ہے؟ ع

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایۂ کیا کیے؟

عکسِ تحریر

از عبدالواحد
دار الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

بخدمت جناب حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ
جامعہ خیر المدارس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج گرامی
جناب کی جانب سے "ذکر اور اعتکاف میں مروجہ بدعات" کے نام
سے کتابچے کے چند نسخے موصول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول
فرمائیں اور نافع عام بنائیں۔
یہ کتابچہ پورا پڑھا۔ بدعت کی معرفت کے اصول، تداعی کے ساتھ
ذکر کی مجلس منعقد کرنا، مروجہ مجالس ذکر کا حکم، اجتماعی اعتکاف وغیرہ کے عنوان
سے جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے مکمل اتفاق ہے البتہ دعا بعد العید
کے بارے میں کچھ کہنے سے معذور ہوں۔ فقط

والسلام علیکم
عبدالواحد غفرلہ
- دار الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور
- دار الافتاء والتحقیق چوبرجی پارک لاہور
یکم صفر ۱۴۳۴ھ